جلد چہارم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
محدث دار العلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری
فاضل دار العلوم دیوبند

تحفۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

جلد چہارم

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

محدث دارالعلوم دیوبند

ترتیب

جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری

فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی

کتاب کا نام ــــــ تحفۃ القاری صحیح البخاری جلد چہارم

تاریخ اشاعت ــــــ اگست ۲۰۱۲ء

باہتمام ــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ــــــ زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ــــــ ۶۰۰

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- مکتبہ دار الھدیٰ، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ بیت العلم، 17 الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فون: 042-37112356
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

Madrasah Arabia Islamia
1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
Azaadville 1750 South Africa
Tel : 00(27)114132786

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

Islamic Book Centre
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
U.K
Tel/Fax : 01204-389080

Al Farooq International
68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel : 0044-116-2537640

فہرست مضامین

باقی کتاب الجنائز

كِتَابُ الزَّكَاةِ

كتاب المناسك

أَبْوَابُ الْعُمْرَةِ

بَابُ الْمُحْصَرِ

بَابُ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَنَحْوِهِ

فَضَائِلُ الْمَدِيْنَةِ

کتاب الصوم

❀ ❀ ❀

عربی ابواب کی فہرست

بقية كتاب الجنائز

كتابُ الزَّكَاةِ

صَدَقَةُ الْفِطْرِ

كتاب المناسك

أبواب العمرة

بَابُ الْمُحْصَرِ

بَابُ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَنَحْوِهِ

فَضَائِلُ الْمَدِيْنَةِ

كتاب الصوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ

زیارتِ قبور کا بیان

اس باب میں زیارتِ قبور کے لئے قبرستان جانے کا مسئلہ ہے، ابتدائے اسلام میں زیارت قبور کے لئے قبرستان جانے سے منع کیا گیا تھا، اور یہ ممانعت آنحضور ﷺ کے لئے بھی تھی، آپ کی اپنی والدہ کی قبر پر حاضری کی بڑی خواہش تھی، مگر اجازت نہیں تھی، کچھ عرصہ بعد آپ کو اجازت مل گئی، اس سے آپ نے سمجھا کہ ممانعت ختم ہوگئی، اب ہر شخص قبرستان جاسکتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا: "میں نے آپ لوگوں کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اب محمد (ﷺ) کو ان کی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت مل گئی ہے، لہٰذا اب آپ لوگ قبرستان جایا کریں" (مسلم حدیث ۱۰۸)

اور شروع میں زیارتِ قبور سے اس لئے روکا گیا تھا کہ عام مسلمانوں کے دلوں میں ابھی توحید کا بیج پوری طرح جما نہیں تھا، اس لئے اندیشہ تھا کہ قبرستان جانے سے قبور پرستی کا سلسلہ شروع نہ ہوجائے، اس لئے قبروں پر جانے کی ممانعت کی گئی، پھر جب امت کا توحیدی مزاج پختہ ہوگیا، اور اسلام کی بنیادی تعلیمات دلوں میں جڑ پکڑ گئیں، اور دلوں میں شرک کی نفرت بیٹھ گئی، اور قبور پر جانے میں شرک کا اندیشہ نہ رہا تو آپ نے قبور پر جانے کی اجازت دیدی اور جواز کی وجہ یہ بیان کی کہ قبرستان جانے سے دنیا سے دل اکھڑتا ہے، اور آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہے (مشکوۃ حدیث ۱۷۶۹) یعنی قبروں پر جانے سے آدمی کو اپنی موت یاد آتی ہے، اس لئے وہ انقلاباتِ دہر سے عبرت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ پس آدمی کو وقتاً فوقتاً گورِ غریباں جانا چاہئے۔

عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم

اور عورتوں کے حق میں ممانعت مرتفع ہوئی یا نہیں؟ یعنی عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آراء اور دلائل مختلف ہیں اور کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے، ایک طرف آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے: كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عن زيارة القبور فَزُوْرُوْهَا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے روکا تھا، مگر اب اجازت ہے، لہٰذا قبرستان جاؤ، یہ حدیث مردوں اور عورتوں کے لئے عام ہے۔ اسی طرح فقد أُذِنَ لمحمد بھی عام ہے، اس کے عموم میں عورتیں بھی شامل ہیں، اس لئے بان

کو قبرستان جانے کی اجازت ہوگی۔

اور دوسری طرف حدیث ہے: إِنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لَعَنَ زَوَّارَاتِ القبور: نبی ﷺ نے بکثرت قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ یہ حدیث معمول بہ ہے یا منسوخ؟ یعنی جب قبرستان جانے کی ممانعت تھی، مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی، اس زمانہ کی یہ حدیث ہے یا بعد کی ہے؟ اگر دورِ اول کی ہے تو منسوخ ہے اور بعد کی ہے تو معمول بہ ہے، یعنی ممانعت صرف مردوں کے تعلق سے ختم ہوئی ہے، عورتوں کے تعلق سے باقی ہے، مگر کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے یہ بات طے کی جائے کہ یہ روایت کس دور کی ہے، اور اگر یہ فرض کریں کہ یہ روایت بعد کی ہے یعنی عورتوں کے تعلق سے ممانعت باقی ہے تو پھر دو احتمال ہیں: زَوَّارَات صیغۂ مبالغہ ہے، اس سے بکثرت قبرستان جانے والی عورتیں مراد ہیں، یا یہ بمعنی زائرات (قبرستان جانے والی) ہے، اگر مبالغہ مراد ہے تو حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ عورتوں کے لئے بکثرت قبرستان جانا ممنوع ہے، گاہ گاہ جاسکتی ہیں، اور اگر بمعنی زائرات ہے تو عورتوں کے لئے مطلق قبرستان جانا ممنوع ہوگا۔ غرض یہ حدیث فیصلہ کن نہیں ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی قبر پر گئی ہیں، ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا ایک گاؤں میں انتقال ہوا تھا جو مکہ سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا، ان کا جنازہ مکہ لایا گیا اور حجون (مکہ کا قبرستان) میں دفن کیا گیا، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج یا عمرہ کے لئے مکہ آئیں تو اپنے بھائی کی قبر پر گئیں اور فرمایا: اگر میں آپ کے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو قبر پر نہ آتی، حضرت عائشہؓ قبر پر گئی بھی ہیں اور نہ جانے کی بات بھی فرما رہی ہیں اس لئے یہ روایت بھی فیصلہ کن نہیں۔ یہ روایت ترمذی (حدیث ۱۰۳۹) میں ہے۔

اور علماء میں بھی اختلاف ہے، امام اعظم رحمہ اللہ سے دو روایتیں مروی ہیں، جواز کی بھی اور عدم جواز کی بھی، اور حضرت نانوتوی قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کو قبرستان جانے سے احتراز کرنا چاہئے، آپ فیوضِ قاسمیہ (مکتوب اول) میں تحریر فرماتے ہیں: "آرے در بارۂ زناں کہ بہر زیارت قبور روند لعنت خدا در احادیث مروی است، بناءً علیہ زناں را احتراز ضروری است" اور بہشتی زیور (حصہ گیارہ ص: ۱۰۲) میں زیارت قبور کا استحباب مردوں کے تعلق سے بیان کیا ہے، عورتوں کا تذکرہ نہیں کیا، اور فتاوی دار العلوم (۶: ۴۱۸) میں ہے: راجح یہی ہے کہ عورت زیارت قبور کو نہ جائے۔

اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ عورتوں کو بکثرت قبرستان نہیں جانا چاہئے، نہ رشتہ داروں کی قبروں پر اور نہ بزرگوں کی قبروں پر، کیونکہ بزرگوں کی قبروں پر جائیں گی تو فسادِ عقیدہ کا خطرہ ہے، صاحب قبر سے مرادیں مانگیں گی اور کردنی ناکردنی کریں گی، اور رشتہ داروں کی قبروں پر روئیں گی دھوئیں گی اور بے صبری کا مظاہرہ کریں گی، اس لئے عورتوں کے لئے بکثرت قبرستان جانا ممنوع ہے، البتہ کبھی کسی قبر پر جائے تو گنجائش ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو اپنے بھائی کی قبر پر گئی بھی ہیں اور نہ جانے کی بات بھی کہہ رہی ہیں، اس سے یہی بات نکلتی ہے اس صورت میں زوّارات سے مبالغہ مراد ہوگا، یعنی

عورتوں کے لئے بکثرت قبرستان جانا ممنوع ہے۔ کیونکہ زوّارات اگر مطلق زیارت کے معنی میں ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بار بھی بھائی کی قبر پر نہ جاتیں۔

اور اولیاء کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کر کے جانا مطلقاً ممنوع ہے، کیونکہ یہ دین کی تحریف اور غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ ہے اور یہ ممانعت مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، تفصیل کتاب فضل الصلوٰۃ میں گذر چکی ہے۔

فائدہ: اب لوگوں میں زیارتِ قبور کا سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا ہے، سال کا سال گذر جاتا ہے مگر گورغریباں میں کوئی نہیں جاتا، جب کوئی میت ہوتی ہے تو اس کو دفن کرنے کے لئے جاتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں، زیارتِ قبور مامور بہ ہے، اس میں اموات کا بھی فائدہ ہے، اور زندوں کا بھی، اپنی موت یاد آتی ہے، اور دنیا سے دل اکھڑتا ہے، پس گاہ بہ گاہ عام قبرستان میں جانا چاہئے۔

ہاں بزرگوں کی قبروں پر جانے کا سلسلہ جاری ہے، بلکہ دن بدن بڑھتا جارہا ہے، مگر یہ دیوبندیت نہیں، جب جہالت بڑھے گی تو یہی سلسلہ قبر پرستی کی شکل اختیار کرلے گا، علاوہ ازیں: اولیاء کی قبور پر جا کر اپنی موت کو کوئی یاد نہیں کرتا، یہ مقصد تو گورغریباں میں جا کر پورا ہوتا ہے پس کبھی کبھار زیارتِ قبور کے لئے ضرور جانا چاہئے اور وہاں جا کر وہی معاملہ کرنا چاہئے جو سنت سے ثابت ہے، بعض لوگ قبروں پر مراقبہ کرتے ہیں اور بعض ذکر جہری کرتے ہیں یہ سنت سے ثابت نہیں، پس اس سے احتراز کرنا چاہئے، علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر (۱۰۲:۲) میں تحریر فرمایا ہے: **والمعهودُ من السنة ليس إلا زيارتُها والدعاءُ عندها قائما كما كان يفعل النبى صلى الله عليه وسلم فى الخروج إلى البقيع**: سنت نبوی سے ثابت نہیں مگر قبور کی زیارت کرنا اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا، جس طرح نبی ﷺ کیا کرتے تھے، جب آپؐ بقیع قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور حضرت الاستاذ علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ (صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) کے ساتھ میں کئی مرتبہ قبرستان قاسمی گیا ہوں، جہاں سے قبرستان شروع ہوتا ہے وہاں حضرتؒ بجلی کے کھمبے کے پاس رک جاتے تھے، اور تقریباً دس منٹ کھڑے ہو کر کچھ پڑھتے تھے، پھر واپس لوٹ جاتے تھے، یہی سنت ہے۔ مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۴۶۲:۳) میں ہے۔

[۳۱-] بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ

[۱۲۸۳-] حدثنا آدم، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: " اتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِيْ" قَالَتْ: إِلَيْكَ عَنِّيْ! فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيْبَتِيْ، وَلَمْ تَعْرِفْهُ. فَقِيْلَ لَهَا: إِنَّهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِيْنَ، فَقَالَتْ: لَمْ أَعْرِفْكَ، فَقَالَ: " إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلَى"

[راجع: ۱۲۵۲]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ ایک عورت کے پاس سے گذرے جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی، آپؐ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈر اور صبر کر'' اس نے کہا: مجھ سے ہٹ! تجھ پر مجھ جیسی مصیبت نہیں آئی (اس عورت کا بچہ فوت ہو گیا تھا) اور اس نے نبی ﷺ کو پہچانا نہیں (آپؐ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد) اس عورت سے کہا گیا: وہ نبی ﷺ تھے، پس وہ نبی ﷺ کے گھر آئی، اور اس نے آپؐ کے دروازے پر دربان نہیں پائے، پس اس نے کہا: میں نے آپ کو پہچانا نہیں، آپؐ نے فرمایا: ''صبر صدمہ کی ابتدا میں ہے'' یعنی مصیبت پر صبر کرنے کا ثواب اس وقت ہے جب پہلی بار مصیبت دل سے ٹکرائے اس وقت صبر کرے، بعد چندے تو ہر کسی کو صبر آ ہی جاتا ہے۔

تشریح:

۱- یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے، اور یہاں حدیث سے عورتوں کے قبرستان جانے کے جواز پر استدلال کیا ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے اس عورت کے قبرستان جانے پر کوئی نکیر نہیں کی، معلوم ہوا کہ عورت کے لئے قبرستان جانے کی گنجائش ہے۔

۲- اس عورت نے آنحضور ﷺ کو جو نامناسب جواب دیا تھا اس سے اس کے ایمان کے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا، کیونکہ وہ اپنے بچہ کے غم میں نڈھال تھی، اور اس نے نبی ﷺ کو پہچانا بھی نہیں تھا۔ جیسے ایک مرتبہ شراب کا دور چل رہا تھا، مجلس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ایک باندی نے چند اشعار گائے اور حضرت حمزہؓ کو جوش دلایا، وہ کھڑے ہوئے اور قریب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنی بیٹھی تھی اس کو ذبح کر دیا، حضرت علیؓ کو بڑا صدمہ ہوا، اور انھوں نے آنحضور ﷺ سے شکایت کی، آپؐ حضرت حمزہؓ کے پاس تشریف لے گئے، وہ نشہ میں تھے، انھوں نے آپؐ کو پیر سے سر تک دیکھا اور کہا: تم سب میرے باپ کے غلام ہو! یعنی اگر میں نے تمہاری اونٹنی ذبح کر دی تو کیا حرج ہے! یہ تو میرے باپ کی تھی۔ یہ واقعہ شراب کی حرمت سے پہلے کا ہے، آنحضور ﷺ خاموشی سے لوٹ گئے، اس لئے کہ حضرت حمزہؓ ہوش میں نہیں تھے، ان سے بات کرنا بیکار تھا، مگر اس سے حضرت حمزہ کے ایمان میں کچھ فرق نہیں پڑا، کیونکہ وہ نشہ میں تھے، ان کو اپنی بات کا ہوش نہیں تھا، اسی طرح یہ عورت بھی بچہ کے غم میں نڈھال تھی، اور اس نے نبی ﷺ کو پہچانا بھی نہیں تھا، اس لئے اس کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: يُعَذَّبُ الميتُ بِبَعْضِ بُكَائِهِ عَلَيْهِ

پسماندگان کے کچھ رونے سے میت کو سزا دی جاتی ہے!

کسی کی موت پر رنجیدہ اور غمگین ہونا اور رونا فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے، جو امر محمود ہے، مگر رونے کی دو صورتیں ہیں: محض بکاء: یعنی آنسو بہانا، یہ جائز ہے اور نوحہ ماتم

کرنا، یعنی چیخ چیخ کر رونا اور میت کے سچے جھوٹے فضائل بیان کرنا: یہ حرام ہے، اس کی وجہ سے میت کو سزا دی جاتی ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: میت کو کچھ رونے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے: وہ کچھ رونا یہی نوحہ ماتم کرنا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں اس کی وضاحت کی ہے، اور تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

پہلی بات: ہر شخص پر گھر والوں کی اسلامی تربیت کرنا فرض ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: خود کو اور گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ (التحریم آیت ۶) یعنی گھر والوں کی اسلامی تربیت کرو، اور نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص چرواہا (نگہبان) ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت (ریوڑ) کے بارے میں پوچھا جائے گا، یعنی گھر کا بڑا گھر والوں کے دین و دنیا کا ذمہ دار ہے، اور اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی، پس جس شخص نے نوحہ ماتم کی رسم مٹانے کی سعی نہیں کی اور گھر والوں کو رونے پیٹنے سے منع نہیں کیا اور ان کی اسلامی تربیت نہیں کی: اس نے آیت کریمہ پر عمل نہیں کیا اور اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کی، اس لئے میت کو عذاب ہوگا، کیونکہ اس میں میت کا قصور ہے اور جو شخص نوحہ ماتم کو ناپسند کرتا تھا اور گھر والوں کو منع کرتا تھا پھر بھی اس پر نوحہ کیا گیا تو میت کو عذاب نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سورۃ الانعام (آیت ۱۶۴) اور سورۂ فاطر (آیت ۱۸) میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جاتی، پس یہ کیسے ممکن ہے کہ روئیں گھر والے اور سزا پائے مرنے والا؟ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات اس صورت میں ہے جبکہ مرنے والے کے خاندان میں ماتم کا رواج نہ ہو، لیکن اگر کسی گھرانے میں نوحہ ماتم کا رواج تھا اور میت نے گھر والوں کی اسلامی تربیت نہیں کی اور ان کو اپنے پیچھے رونے پیٹنے سے منع نہیں کیا تو اس میں میت کا قصور ہے، وہ اس ماتم کا سبب ہے اس لئے اس کو سزا ہوگی۔

دوسری بات: رونے کی دو قسمیں ہیں: بکائے رحمت: یعنی مرنے والے کی محبت میں آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں مگر شریعت کے خلاف کوئی بات زبان سے نہ نکالے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ امر محمود ہے، کیونکہ یہ رقت قلبی کا نتیجہ ہے، اور رحم دلی امر محمود ہے، عمرانی زندگی میں باہمی الفت و محبت اس پر موقوف ہے اور انسان کی سلامتی مزاج کا بھی یہی تقاضہ ہے اور اس سے غم بھی ہلکا پڑتا ہے۔

اور دوسری قسم: نوحہ ماتم کرنا۔ یعنی میت پر چلا کر رونا، اور میت کے مبالغہ آمیز فضائل بیان کرنا: ان امور کی قطعاً اجازت نہیں، اس سے مرنے والے کو عذاب ہوتا ہے۔

تیسری بات: جس طرح کسی جرم کا ارتکاب قابل سزا ہے اسی طرح جرم کا سبب بننا بھی قابل سزا ہے، نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "جو کوئی ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو آدم کی پہلی اولاد کو اس گناہ کا ایک حصہ پہنچتا ہے، کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ جاری کیا ہے" قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو ظلماً قتل کیا تھا اور یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا اور جو کسی گناہ کا راستہ کھولتا ہے تو اس گناہ پر جتنے لوگ چلتے ہیں ان سب کا گناہ اس شخص کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے جو اس

گناہ کا سبب بنا ہے اس لئے قیامت تک جتنے ظلماً قتل ہونگے سب کا گناہ قابیل کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، اسی طرح جس نے اپنے گھر والوں کی اسلامی تربیت نہیں کی اور ان کو نوحہ ماتم سے نہیں روکا چنانچہ جب وہ مرا تو اس پر بھی نوحہ کیا گیا تو مرنے والا اس نوحہ اور ماتم کا سبب بنا، اس لئے میت کو بھی سزا دی جائے گی، اور یہ دوسرے کے گناہوں کی گٹھری نہیں ہے بلکہ اپنے ہی گناہوں کی گٹھری ہے کیونکہ وہ نوحہ کرنے کا سبب بنا ہے۔

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کا کہ پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے: انکار کرتی تھیں، ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے سامنے جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث نقل کی گئی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن کی مغفرت فرمائیں! انھوں نے قصداً جھوٹ نہیں بولا، بلکہ وہ بھول گئے یا چوک گئے، یعنی جس موقع پر وہ حدیث ارشاد فرمائی گئی تھی اس کو بھول گئے یا حدیث سمجھنے میں ان سے غلطی ہوگئی۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک یہودی بڑھیا کا انتقال ہو گیا تھا، اس پر ماتم کیا جا رہا تھا، نبی ﷺ وہاں سے گذرے تو فرمایا: ''یہ لوگ بڑھیا کو رو رہے ہیں اور بڑھیا قبر میں سزا دی جا رہی ہے'' یعنی اگر رونا تھا تو کسی اچھے کو روتے ایسے کو رو رہے ہیں جو قبر میں عذاب میں مبتلا ہے (ترمذی حدیث ۹۸۸)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہ حدیث روایت کرتے ہیں، ان پر صدیقہ نے یہ تبصرہ کیا کہ آنحضور ﷺ نے یہ بات مسلمانوں کے بارے میں نہیں فرمائی بلکہ کافروں کے بارے میں فرمائی ہے کہ پسماندگان کے رونے سے کافر کا عذاب بڑھایا جاتا ہے (یہ روایت باب میں آرہی ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نقد کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کا محمل خاص ہے، مسلمانوں کے تعلق سے یہ حدیث نہیں، اور کافر کو قبر میں جو عذاب ہوتا ہے وہ اس کے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے، پسماندگان کے ماتم کرنے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہؓ نے قرآن کریم کی آیت: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ﴾ سے بھی استدلال کیا ہے، اس آیت میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے گناہ کی سزا دوسرے شخص کو نہیں دی جاتی، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ روئیں گھر والے اور سزا پائے مرنے والا؟! لیکن حضرت عائشہؓ کا یہ نقد صحیح نہیں، حضرت عائشہؓ نے متعدد صحابہ کی روایات پر نقد کیا ہے جو تقریباً پونے دوسو ہیں، علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے ایک کتاب میں ان کو جمع کیا ہے اور محاکمہ کیا ہے، جس کا نام ہے: **الإصابة فی ما استدركته السيدةُ عائشةُ على الصحابة**: یعنی حضرت عائشہؓ نے صحابہ پر جو استدراکات (اعتراضات) کئے ہیں ان میں درست کیا ہے؟ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے بیشتر اعتراضات صحیح نہیں، روایتیں صحیح ہیں، البتہ کچھ اعتراضات صحیح ہیں۔ یہاں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمرؓ کی طرف جو وہم کی نسبت کی ہے وہ صحیح نہیں، کیونکہ اس مضمون کی روایات متعدد صحابہ سے مروی ہیں اور سب سے بھول ہوگئی ہو یہ بات بعید از قیاس ہے، اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے، مگر وہ الگ واقعہ ہے اور مذکورہ حدیث مسلمانوں کے تعلق سے ہے اور حضرت عائشہؓ نے درایۃً جو اعتراض کیا ہے اس کا جواب حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ جس

شخص نے اپنے گھر والوں کی اسلامی تربیت کی ہے اور وہ ان کو نوحہ کرنے سے منع کیا کرتا تھا پھر بھی پسماندگان نے نوحہ کیا تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہونگے، ان کے گناہ کی سزا میت کو نہیں دی جائے گی، اور جس نے نوحہ ماتم کرنے کی وصیت کی ہے جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا یا اس کے خاندان میں نوحہ کرنے کا رواج تھا اور اس نے گھر والوں کی اسلامی تربیت نہیں کی اور نہ ان کو زندگی میں کبھی اس کام سے روکا پھر جب وہ مرا تو اس پر نوحہ کیا گیا تو اس میں میت کا قصور ہے، وہ اس نوحہ ماتم کا سبب ہے اس لئے میت کو بھی سزا دی جائے گی، اور یہ دوسرے کے گناہوں کی گٹھری نہیں ہے بلکہ اپنی ہی گٹھری ہے، کیونکہ وہ نوحہ کرنے کا سبب بنا ہے۔

حزن وملال کی چار صورتیں اور ان کے احکام:

اول: کسی کی موت پر غمگین ہونا، یہ سنت ہے، بیر معونہ میں جب ستر قراء شہید کئے گئے تو نبی ﷺ پر اس کا بہت اثر ہوا تھا، رخ انور سے غم عیاں تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: چہرۂ انور کو اس سے زیادہ مغموم میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

دوم: آنسو بہانا، یہ بھی سنت ہے، جب صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آنحضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ رونے سے منع کرتے ہیں اور آپ خود رورہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے مطلقاً رونے سے منع نہیں کیا بلکہ میں نے دو احمقانہ آوازوں سے منع کیا ہے، جو گناہ میں مبتلا کرنے والی ہیں: ایک: شیطان کی طرح آہ وبکا کرنے سے، دوسری: بانسری یعنی گانے کی آواز سے۔

سوم: کچھ آواز کے ساتھ رونا، یہ سنت نہیں، مگر صدمہ کی ابتداء میں اس سے چشم پوشی کی جائے گی، جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو عورتیں گھر میں رورہی تھیں اور آنحضور ﷺ مسجد میں مغموم بیٹھے تھے، کسی نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! جعفر کے گھر میں عورتیں رورہی ہیں، آپؐ نے فرمایا: منع کردو، وہ شخص تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا اور پھر یہی بات کہی، آپؐ نے پھر فرمایا: منع کردو، تیسری مرتبہ آکر اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ مانتی نہیں! آپؐ نے فرمایا: ان کے منہ پر مٹی ڈالو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دروازہ کے شگاف سے سارا منظر دیکھ رہی تھیں، جب آپؐ نے فرمایا کہ ان کے منہ پر مٹی ڈالو! تو وہ بولیں: اللہ تیری ناک خاک آلود کرے! تو نے نبی ﷺ کو پریشان کردیا اب تعمیل کر! غرض آنحضور ﷺ نے چشم پوشی کی، پھر تین دن کے بعد آپ حضرت جعفرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی کو کوئی نہ روئے اور بچوں کے سروں پر دست شفقت پھیرا، ان کے بال منڈوائے، اسی طرح جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو گھر والے رورہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی گئی تو آپؓ نے فرمایا: ابوسلیمان پر رونے دو، غرض صدمہ سخت ہو تو شروع میں سختی نہیں کرنی چاہئے، کچھ چشم پوشی کرنی چاہئے۔

چہارم: نوحہ ماتم کرنا، یہ حرام ہے، اس کو بالکل برداشت نہیں کیا جائے گا، فوراً اس پر نکیر کی جائے گی، آگے یہ حدیث

آرہی ہے کہ ایک انصاری کا انتقال ہوا، ان کا نام قرظۃ بن کعب تھا، ان پر رویا گیا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جو کوفہ کے گورنر تھے فوراً تقریر کی اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: اسلام میں نوحہ کا کیا کام ہے؟ سنو! میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ جس پر نوحہ کیا گیا اس کو آہ وبکاء کرنے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے، غرض نوحہ حرام ہے، اس پر فوراً نکیر کی جائے۔

[۳۲-] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: يُعَذَّبُ الميتُ بِبَعْضِ بُكَائِهِ عَلَيْهِ

[۱-] إِذَا كَانَ النَّوْحُ مِنْ سُنَّتِهِ، لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: ﴿قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحريم: ٦] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"

[۲-] فَإِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ سُنَّتِهِ فَهُوَ كَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [الأنعام: ١٦٤] وَهُوَ كَقَوْلِهِ: ﴿وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ﴾ [فاطر: ١٨]

[۳-] وَمَا يُرَخَّصُ مِنَ الْبُكَاءِ فِيْ غَيْرِ نَوْحٍ.

[۴-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا" وَذٰلِكَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ.

باب: امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں حدیث لکھی ہے، اس میں لفظ بعض (کچھ) ہے، اس سے مسئلہ کی خوب وضاحت ہوجاتی ہے اور ہر اشکال رفع ہوجاتا ہے، یعنی پسماندگان کے ہر رونے سے میت کو سزا نہیں دی جاتی، بلکہ کچھ رونے پر سزا دی جاتی ہے، جس کی وضاحت آگے کی ہے، اور حدیث لفظ بعض کے ساتھ باب میں لائے ہیں۔

۱- اور وہ کچھ رونا نوحہ ماتم کرنا ہے، جبکہ اس کی فیملی میں اس کا رواج ہو، کیونکہ قرآن وحدیث سے آدمی پر لازم ہے کہ فیملی کی اسلامی تربیت کرے، اور ان کو جہنم سے بچائے، ورنہ اس سے خاندان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اور ان کی حرکتوں کی ذمہ داری اس کو اوڑھنی پڑے گی۔

۲- اور اگر نوحہ ماتم کرنا اس کے خاندان کا طریقہ نہیں تھا تو پھر پسماندگان کے عمل کی میت پر کوئی ذمہ داری نہیں، ان کے رونے پیٹنے سے میت کو عذاب نہیں ہوگا، اور یہ صورت سورۃ الانعام کی آیت (۱۶۴) کا مصداق ہے کہ کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا محمل یہی ہے۔ اور سورۃ الفاطر (آیت ۱۸) کا مصداق بھی یہی صورت ہے۔ ارشاد پاک ہے: "اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہ اٹھائے گا، اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا یعنی کوئی گنہ گار کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلاوے تو بھی اس میں سے کچھ بوجھ نہ اٹھایا جائے گا، اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔

۳- جب کچھ رونے پر میت کو سزا دی جاتی ہے تو اس سے خود بخود یہ بات نکلی کہ نوحہ ماتم کے بغیر رونا جائز ہے۔

۴- اور نوحہ ماتم کی صورت میں میت کو جو سزا دی جاتی ہے وہ تَسَبُّبْ (سبب بننے کی) وجہ سے دی جاتی ہے، اور اس کی

دلیل آدم علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں ارشاد نبوی ہے، جس کا ترجمہ اوپر آ گیا ہے۔

[۱۲۸۴-] حدثنا عَبْدَانُ، وَمُحَمَّدٌ، قَالاَ: أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: أَرْسَلَتْ بِنْتُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَيْهِ: إِنَّ ابْنًا لِي قُبِضَ فَأْتِنَا، فَأَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلاَمَ، وَيَقُوْلُ: "إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ" فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا، فَقَامَ، وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَرِجَالٌ، فَرُفِعَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الصَّبِيُّ، وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ، قَالَ: حَسِبْتُهُ أَنَّهُ قَالَ: كَأَنَّهَا شَنٌّ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، فَقَالَ سَعْدٌ: يَارسولَ اللّٰهِ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ: "هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوْبِ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ"

[انظر: ۵٦۵۵، ٦٦٠٢، ٦٦۵۵، ۷۳۷۷، ۷٤٤۸]

حدیث: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی صاحبزادی نے آپؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا قریب المرگ ہے، پس آپؐ ہمارے یہاں تشریف لائیں، آپؐ نے قاصد بھیجا اور سلام کہلوایا، اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے جو انھوں نے لیا، اور انہی کی ملک ہے جو انھوں نے دیا، اور ہر چیز یعنی لینا اور دینا ان کے پاس مقرر وقت کے ساتھ ہے، پس چاہئے کہ صاحبزادی صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے" پس صاحبزادی نے دوسری مرتبہ قاصد بھیجا، وہ قسم دے رہی ہیں کہ آپؐ ضرور ان کے یہاں تشریف لے آئیں (اور ابرار القسم حقوق اسلام میں سے ہے) چنانچہ آپؐ کھڑے ہوئے اور آپؐ کے ساتھ سعد بن عبادۃ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور کچھ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، پس بچہ آنحضور ﷺ کو دیا گیا درانحالیکہ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ ابو اسامہؓ نے فرمایا: سانس کی آواز پرانے مشکیزے جیسی تھی، یعنی چمڑے کے پرانے مشکیزہ میں سے کسی برتن میں پانی نکالیں تو پانی نکلنے کی جیسی آواز ہوتی ہے ویسی آواز نکل رہی تھی، پس آنحضور ﷺ کی آنکھیں بہنے لگیں، پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیا؟ یعنی میت پر رونے کی تو آپؐ نے ممانعت فرمائی ہے، پھر آپ خود کیوں رو رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔ اور اللہ انہی بندوں پر رحم فرماتے ہیں جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔

تشریح:

۱- یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے کی وفات کا واقعہ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ کچھ رونا نہ صرف جائز ہے بلکہ سنت ہے، البتہ آہ و بکا اور چیخ و پکار کرنا جائز نہیں۔

۲- قُبِض: مجاز ہے، ابھی بچہ نزع میں تھا، مرا نہیں تھا، جیسے حدیث: لقنوا موتاکم لا إلٰہ إلا اللّٰہ: میں مجاز ہے۔

بریلویوں کے نزدیک اس حدیث میں موتی سے حقیقی مردے مراد ہیں، چنانچہ ان کے یہاں تدفین کے بعد تلقین کا طریقہ رائج ہے جو بے اصل ہے۔ امت متفق ہے کہ حدیث میں مجاز ماؤل ہے یعنی جو شخص نزع میں ہو، تھوڑی دیر کے بعد مرنے والا ہو: اس کو کلمہ کی تلقین کی جائے، حدیث کا یہی مطلب ہے۔

[۱۲۸۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: شَهِدْنَا بِنْتًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ، قَالَ: فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ، قَالَ: فَقَالَ: "هَلْ مِنْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟" فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ: أَنَا. قَالَ: "فَانْزِلْ" قَالَ: فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا. [انظر: ۱۳۴۲]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کی ایک بیٹی کے جنازہ میں شریک تھے اور آپؐ قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ آپؐ کی دونوں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، آپؐ نے پوچھا: کیا تم میں کوئی ہے جس نے رات صحبت نہ کی ہو؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ہوں، آپؐ نے فرمایا: قبر میں اترو، چنانچہ وہ قبر میں اترے۔

تشریح:

۱- یہ واقعہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا ہے۔ ان کے انتقال پر بھی آنحضرت ﷺ روئے ہیں اور یہی باب ہے کہ بعض رونا جائز ہے۔

۲- آنحضور ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ قبر میں وہ اترے جس نے رات جماع نہیں کیا، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تنبیہ مقصود تھی، انھوں نے اس رات باندی سے صحبت کی تھی، جبکہ بیوی بیمار تھی، مگر حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں، اس لئے یہ وجہ صحیح نہیں، صحیح وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ رات میں صحبت کرنے سے صبح اس کے تصورات باقی رہتے ہیں اور عورت کی قبر میں اس شخص کو اترنا چاہئے جس کے وہم میں بھی جماع کا تصور نہ ہو۔ واللہ اعلم

مسئلہ: عورت کا جنازہ قبر میں محرم کے لئے اتارنا اولیٰ ہے اور غیر محرم بھی اتار سکتا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ غیر محرم تھے۔ اور انھوں نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا جنازہ اتارا تھا، معلوم ہوا کہ غیر محرم کے لئے جنازہ اتارنا جائز ہے، البتہ محرم موجود ہو اور کوئی عذر نہ ہو تو محرم کے لئے جنازہ اتارنا اولیٰ ہے۔

[۱۲۸۶-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، قَالَ: تُوُفِّيَتْ بِنْتٌ لِعُثْمَانَ بِمَكَّةَ، وَجِئْنَا لِنَشْهَدَهَا، وَحَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَإِنِّيْ لَجَالِسٌ بَيْنَهُمَا أَوْ قَالَ: جَلَسْتُ إِلَى أَحَدِهِمَا، ثُمَّ جَاءَ الْآخَرُ فَجَلَسَ إِلَى جَنْبِيْ، فَقَالَ

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ: أَلَا تَنْهٰى عَنِ الْبُكَاءِ؟ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ"

[۱۲۸۷-] فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَدْ كَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ بَعْضَ ذٰلِكَ، ثُمَّ حَدَّثَ، فَقَالَ: صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ، حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ، إِذَا هُوَ بِرَكْبٍ، تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَةٍ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَانْظُرْ مَنْ هٰؤُلَاءِ الرَّكْبُ؟ قَالَ: فَنَظَرْتُ فَإِذَا صُهَيْبٌ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: ادْعُهُ لِيْ، فَرَجَعْتُ إِلٰى صُهَيْبٍ، فَقُلْتُ: ارْتَحِلْ فَالْحَقْ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَلَمَّا أُصِيْبَ عُمَرُ دَخَلَ صُهَيْبٌ يَبْكِيْ، يَقُوْلُ: وَا أَخَاهُ! وَاصَاحِبَاهُ! فَقَالَ عُمَرُ: يَا صُهَيْبُ! أَتَبْكِيْ عَلَيَّ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ"[انظر: ۱۲۹۰، ۱۲۹۲]

[۱۲۸۸-] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ، فَقَالَتْ: يَرْحَمُ اللّٰهُ عُمَرَ، وَاللّٰهِ مَا حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ اللّٰهَ لَيُعَذِّبُ الْمُؤْمِنَ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ، وَلٰكِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ لَيَزِيْدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ" وَقَالَتْ: حَسْبُكُمُ الْقُرْآنُ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِنْدَ ذٰلِكَ: وَاللّٰهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكٰى، قَالَ ابْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ: وَاللّٰهِ مَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ شَيْئًا [انظر: ۱۲۸۹، ۳۹۷۸]

حدیث (۱): ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا مکہ میں انتقال ہوا (صاحبزادی کا نام ام ابان تھا اور یہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کا واقعہ ہے) اور ہم جنازہ میں شرکت کے لئے آئے اور ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی آئے اور میں ان دونوں کے بیچ میں بیٹھا تھا، یا ابن ابی ملیکہ نے کہا: میں ان میں سے ایک کے پاس بیٹھا تھا کہ دوسرا آیا اور میرے برابر میں بیٹھ گیا (اور گھر میں سے رونے کی آواز آرہی تھی) پس ابن عمرؓ نے عمرو بن عثمان سے کہا: آپ رونے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "میت کو گھر والوں کے رونے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے"

حدیث (۲): جب ابن عمرؓ نے یہ حدیث سنائی تو ابن عباسؓ نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا بعض (کچھ) کہا کرتے تھے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہ حدیث روایت کرتے تھے مگر وہ حدیث میں لفظ بعض بڑھاتے تھے یعنی کچھ رونے کی وجہ سے میت کو سزا دی جاتی ہے، پھر انھوں نے واقعہ بیان کیا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے لوٹ رہا تھا جب ہم بیداء نامی جگہ میں پہنچے تو اچانک حضرت عمرؓ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے چند لوگوں کو دیکھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: دیکھ کر آؤ، اس قافلہ میں کون لوگ ہیں؟ ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں نے دیکھا تو اچانک حضرت صہیب رضی اللہ عنہ تھے، میں نے آکر بتایا تو آپؓ نے فرمایا: ان کو بلالاؤ، میں حضرت صہیبؓ کے پاس واپس گیا اور عرض کیا: چلئے، امیر المؤمنین سے ملاقات کیجئے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا گیا تو صہیبؓ روتے ہوئے آئے وہ کہہ رہے تھے: ہائے میرا

بھیا! ہائے میرا ساتھی! حضرت عمرؓ نے فرمایا: صہیب! کیا تم مجھے رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''بیشک میت کو گھر والوں کے کچھ رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے'' (یہی جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے)

حدیث (۳): ابن عباسؓ کہتے ہیں: پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تو میں نے یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کی، انھوں نے فرمایا: اللہ عمرؓ پر رحم کریں، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمان کو گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں بلکہ آپؐ نے فرمایا تھا: بیشک اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب کو گھر والوں کے رونے کی وجہ سے بڑھاتے ہیں، اور حضرت عائشہؓ نے کہا: تمہارے لئے قرآن کافی ہے: ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا'' اس وقت ابن عباسؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ابن عمرؓ کچھ نہیں بولے۔

تشریح:

۱- حضرت ابن عمرؓ نے حدیث مطلق بیان کی تھی، اس پر ابن عباسؓ نے اعتراض کیا کہ یہ حدیث مطلق نہیں ہے، بلکہ ''کچھ رونا'' مراد ہے۔ حضرت عمرؓ 'بعض' کی قید کے ساتھ یہ حدیث روایت کرتے تھے، پھر واقعہ کے ساتھ حدیث روایت کی جس میں یہ اضافہ ہے۔

۲- پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو ابن عباسؓ نے یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کو سنایا، حضرت عائشہؓ نے حدیث پر نقد کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث مسلمانوں کے تعلق سے نہیں ہے، نبی ﷺ نے یہ قطعاً نہیں فرمایا کہ مسلمان کو اس کے پسماندگان کے رونے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے، بلکہ آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ کافر کی سزا میں اللہ تعالیٰ اضافہ فرماتے ہیں اس کے بعد اس کے پسماندگان کے رونے کی وجہ سے، اور فرمایا: کیا تمہارے لئے قرآن کی دلیل کافی نہیں کہ کوئی گنہ گار دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوتا، پھر ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ کی تنقید کی تائید کی کہ سورۃ النجم (آیت ۴۳) میں ہے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى﴾: اور اللہ تعالیٰ ہی ہنساتے ہیں اور رلاتے ہیں یعنی پسماندگان روئے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے رلایا، میت کا اس میں کیا دخل ہے جو اس کو سزا ملے —— ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں: ابن عباسؓ کی یہ بات سن کر ابن عمرؓ کچھ نہیں بولے۔

۳- حضرت عمر اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ تھا، ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کروائی تھی، اس وقت بعض مہاجرین کے درمیان بھی مواخات کروائی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت صہیبؓ کے درمیان بھی بھائی چارہ کرایا تھا، اس لئے آخر تک ان کے درمیان گہرے روابط رہے، چنانچہ سفر میں جب حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ قافلہ میں حضرت صہیبؓ ہیں تو فوراً بلایا، اور جب آپؓ زخمی ہوئے تو حضرت صہیبؓ نے آنسو بہائے، یہ اسی بھائی چارہ کا اثر تھا۔

[۱۲۹۰-]حدثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ، وَهُوَ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: لَمَّا أُصِيْبَ عُمَرُ جَعَلَ صُهَيْبٌ يَقُوْلُ: وَا أَخَاهُ! فَقَالَ عُمَرُ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ"[راجع: ۱۲۸۷]

[۱۲۸۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: إِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى يَهُوْدِيَّةٍ يَبْكِيْ عَلَيْهَا أَهْلُهَا، فَقَالَ:" إِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا، وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهَا" [راجع: ۱۲۸۸]

ملحوظہ: مصری نسخہ میں حدیثیں آگے پیچھے ہیں، اس لئے نمبر حدیث آگے پیچھے ہیں۔

حدیث (۱۲۸۹): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک یہودیہ کے پاس سے گذرے جس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: "یہ اس پر رو رہے ہیں اور وہ اپنی قبر میں عذاب دی جارہی ہے"

تشریح: اوپر بتایا تھا کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ حضرت ابن عمر کی حدیث پر نقد کیا ہے، جب ان کو بتایا گیا کہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ پسماندگان کے رونے سے میت کو سزا دی جاتی ہے تو صدیقہؓ نے فرمایا: اللہ ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائیں! انھوں نے بالقصد جھوٹ نہیں بولا، بلکہ وہ بھول گئے یا چوک گئے، واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ایک یہودیہ کا انتقال ہوا، گھر والے اس پر رو رہے تھے، آنحضرت ﷺ وہاں سے گذرے تو فرمایا: یہ بڑھیا کو رو رہے ہیں اور بڑھیا قبر میں سزا پا رہی ہے، یعنی رونا ہی تھا تو کسی اچھے کو روتے ایسے کو رو رہے ہیں جو قبر میں عذاب میں مبتلا ہے، مگر میں نے بتایا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ نقد صحیح نہیں، اس لئے کہ اس مضمون کی روایات متعدد صحابہ سے مروی ہیں، اور سب سے بھول ہوگئی ہو یہ بات بعید از قیاس ہے۔ اصل یہ ہے کہ حدیث عام نہیں، کچھ رونے کے بارے میں ہے، پس حدیث اور آیت میں کوئی تعارض نہیں۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النِّيَاحَةِ عَلَى الْمَيِّتِ

میت پر ماتم کرنا حرام ہے

اب ذیلی ابواب شروع ہو رہے ہیں، غم اور موت کے موقع پر نوحہ ماتم کرنا جائز نہیں، نوحہ کے معنی ہیں: چلا چلا کر رونا اور میت کے مبالغہ آمیز فضائل بیان کرنا۔ اور ماتم کے معنی ہیں: سینہ پیٹنا۔ نوحہ ماتم کے لوگوں میں مختلف طریقے رائج ہیں: جاہلی انداز پر پکاریں پکارنا، گریبان پھاڑنا، رخسار پیٹنا، سینہ پیٹنا، دیوار سے سر پھوڑنا، چوڑیاں توڑنا اور سر منڈوانا: یہ سب ماتم میں داخل ہیں اور ممنوع ہیں۔

اور میت پر ماتم کرنا تین وجوہ سے ممنوع ہے:

پہلی وجہ: ماتم غم میں ہیجان پیدا کرتا ہے، اور جس کا کوئی آدمی مرجاتا ہے وہ بمنزلۂ مریض ہوتا ہے اور مریض کا علاج ضروری ہے تاکہ مرض میں تخفیف ہو، اس کے مرض میں اضافہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، اسی طرح مصیبت زدہ کا ذہن کچھ وقت کے بعد حادثہ سے ہٹ جاتا ہے پس بالقصد اس صدمہ میں گھسنا کسی طرح مناسب نہیں، جب لوگ تعزیت کے لئے آئیں گے اور نوحہ ماتم کریں گے تو پسماندگان کو بھی خواہی نخواہی اس میں شریک ہونا پڑے گا اور ان کا صدمہ تازہ ہوگا، پس یہ تعزیت نہ ہوئی تعزیر ہوگئی۔

دوسری وجہ: کبھی بے چینی میں ہیجان قضاء الٰہی پر عدم رضا کا سبب بن جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا ضروری ہے، پس جو چیز اس میں خلل انداز ہو وہ ممنوع ہونی چاہئے۔

تیسری وجہ: زمانۂ جاہلیت میں لوگ بہ تکلف (بناوٹی) دردوغم کا اظہار کیا کرتے تھے، اور یہ بری اور نقصان رساں عادت ہے اس لئے شریعت نے ماتم کو ممنوع قرار دیا۔

[۳۳-] بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النِّيَاحَةِ عَلَى الْمَيِّتِ

وَقَالَ عُمَرُ: دَعْهُنَّ يَبْكِيْنَ عَلَى أَبِيْ سُلَيْمَانَ، مَالَمْ يَكُنْ نَقْعٌ أَوْ لَقْلَقَةٌ، وَالنَّقْعُ: التُّرَابُ عَلَى الرَّأْسِ، وَاللَّقْلَقَةُ: الصَّوْتُ.

[۱۲۹۱-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ الْمُغِيْرَةِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " مَنْ يُنَحْ عَلَيْهِ يُعَذَّبْ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ"

اثر: حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا جب شام میں انتقال ہوا، اور اس کی خبر مدینہ میں آئی تو عورتیں رونے لگیں، امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی، آپؓ نے فرمایا: "ابوسلیمان (حضرت خالد کی کنیت) پر رونے دو جب تک سر پر مٹی ڈالنا اور چلانا نہ ہو" نَقْعٌ کے معنی ہیں: سر پر مٹی ڈالنا، یہی ماتم ہے اور لقلقہ کے اصل معنی ہیں: سارس کی آواز، سارس ایک پرندہ ہے، نر اور مادہ ساتھ رہتے ہیں، ساتھ اڑتے ہیں اور خاص قسم کی آواز نکالتے ہیں۔ یہ لقلقہ ہے اور مجازی معنی ہیں: چلانا۔

یہاں سے میں نے کہا تھا کہ اگر صدمہ کے شروع میں روتے وقت تھوڑی آواز نکل جائے تو اس سے چشم پوشی کی جائے، البتہ چلا کر رونا اور سر پر مٹی ڈالنا یعنی نوحہ ماتم کرنا جائز نہیں، اس پر فوراً نکیر کی جائے۔

حدیث: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''بیشک مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں، جس نے مجھ پر بالقصد جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے'' اور میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس پر نوحہ کیا گیا: نوحہ کئے جانے کی وجہ سے اس کو عذاب دیا جائے گا'' (ما مصدریہ اور نِیحَ بروزن قِیل ماضی مجہول ہے)

تشریح: گذشتہ باب میں بتایا تھا کہ جب کوفہ میں قرظۃ بن کعب انصاری کا انتقال ہوا اور ان پر رویا گیا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جو کوفہ کے گورنر تھے فوراً تقریر کی، اور منبر سے مذکورہ حدیث سنائی، پہلے تاکید کے طور پر نبی ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے پر جو وعید آئی ہے وہ بیان کی پھر نوحہ ماتم پر نکیر کی اور مذکورہ حدیث سنائی، غرض نوحہ ماتم کی اسلام میں بالکل گنجائش نہیں۔

ملحوظہ: نبی ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا حرام ہے اور اس کی سزا جہنم ہے، اور یہ حدیث کتاب العلم (باب ۳۸ تحفۃ القاری ۱: ۳۹۹) میں گذر چکی ہے۔

[۱۲۹۲-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهِ بِمَا نِيْحَ عَلَيْهِ"

تَابَعَهُ عَبْدُ الْأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، وَقَالَ آدَمُ، عَنْ شُعْبَةَ، "الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ" [راجع: ۱۲۸۷]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''میت اپنی قبر میں سزا دی جاتی ہے اس پر ماتم کرنے کی وجہ سے'' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو عبدان (جن کا نام عبداللہ تھا) اپنے ابا عثمان سے اور وہ امام شعبہؒ سے روایت کرتے ہیں، اس میں 'نوحہ' کرنے پر سزا کا ذکر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے دوسرے استاذ عبدالاعلیٰ کی روایت میں بھی یہی لفظ ہے، ان کی سند مستقل ہے، البتہ امام شعبہؒ کے ایک شاگرد آدم بن ابی ایاس کی روایت میں لفظ بکاء ہے مگر وہ اس لفظ میں متفرد ہیں، شعبہ کے زیادہ تر شاگرد محمد بن جعفر (غندر) یحییٰ قطان اور حجاج بن محمد وغیرہ کی روایتوں میں لفظ 'نوحہ' ہے، اس لئے یہی لفظ راجح ہے، پس بکاء سے ہر رونا مراد نہیں، بلکہ بعض رونا مراد ہے۔

بَابٌ

اسلام میں نوحہ کی کوئی گنجائش نہیں

یہاں باب کسی نسخہ میں ہے، اور حدیث اوپر والے باب ہی سے متعلق ہے، پس یہ باب کالفصل من الباب السابق

ہے۔ اسلام میں نوحہ حرام ہے، اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

[۳۴-] بَابٌ

[۱۲۹۳-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: جِيْءَ بِأَبِي يَوْمَ أُحُدٍ قَدْ مُثِّلَ بِهِ، حَتّٰى وُضِعَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم، وَقَدْ سُجِّيَ ثَوْبًا، فَذَهَبْتُ أُرِيْدُ أَنْ أَكْشِفَ عَنْهُ، فَنَهَانِيْ قَوْمِيْ، ثُمَّ ذَهَبْتُ أَكْشِفُ عَنْهُ، فَنَهَانِيْ قَوْمِيْ. فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم فَرُفِعَ، فَسَمِعَ صَوْتَ صَائِحَةٍ، فَقَالَ: "مَنْ هٰذِهِ؟" فَقَالُوْا: بِنْتُ عَمْرٍو، أَوْ: أُخْتُ عَمْرٍو، قَالَ: "فَلِمَ تَبْكِيْ؟" أَوْ: "لَا تَبْكِيْ، فَمَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ" [راجع: ۱۲۴۴]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے ابا کو احد کے دن لایا گیا اس حال میں کہ ان کا مثلہ کردیا گیا تھا یعنی ناک کان کاٹ کر ان کی شکل بگاڑ دی گئی تھی، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھے گئے اور ایک کپڑے سے ان کو ڈھانپ دیا گیا، یعنی کفن پہنا کر شہداء کے ساتھ ان کا جنازہ رکھ دیا گیا، پس میں نے کپڑا کھول کر لاش دیکھنے کا ارادہ کیا، پس مجھے میرے خاندان کے لوگوں نے منع کیا، (تھوڑی دیر کے بعد) پھر میں نے کپڑا کھولنے کا ارادہ کیا، پس خاندان کے لوگوں نے منع کیا، پھر نبی ﷺ نے جنازہ اٹھانے کا حکم دیا، چنانچہ جنازہ اٹھایا گیا، پس آپؐ نے ایک چیخنے والی کی آواز سنی، آپؐ نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' صحابہ نے بتلایا: عمرو کی بیٹی ہے یا عمرو کی بہن ہے (یہ شک راوی ہے اور حضرت جابرؓ کا نسب نامہ یہ ہے: جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام، پس اگر عمرو کی بیٹی ہے تو حضرت عبداللہ کی بہن ہے اور حضرت جابرؓ کی پھوپھی ہے، اور اگر عمرو کی بہن ہے تو حضرت عبداللہ کی پھوپھی ہے) نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیوں روتی ہو؟ یا فرمایا: مت روؤ! (یہ بھی شک راوی ہے) پس فرشتے برابر ان پر اپنے پروں سے سایہ کئے رہے یہاں تک کہ ان کا جنازہ اٹھایا گیا''

تشریح: یہ حدیث پہلے بھی آئی ہے، مگر اتنی تفصیل سے نہیں آئی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہوئے ہیں، ان کی لاش بگاڑ دی گئی تھی، جب تدفین کے لئے ان کا جنازہ اٹھایا جانے لگا تو حضرت جابرؓ کی پھوپھی یا حضرت عبداللہ کی پھوپھی زور سے رونے لگیں۔ آنحضور ﷺ نے ان کو رونے سے منع کیا اور تسلی دی کہ تمہارا بھائی یا بھتیجا اتنا مقبول بندہ ہے کہ جب تک جنازہ اٹھایا نہیں گیا فرشتے برابر ان پر اپنے پروں سے سایہ کئے رہے پس ایسے خوش انجام کو کیا رونا! اور لا تبکی کی وجہ سے حدیث باب سابق سے متعلق ہے، چلا کر رونا نوحہ ہے جو ممنوع ہے اس لئے نبی ﷺ نے اس سے منع کیا، اور لم تبکی کی تقدیر پر مطلب ہوگا: آپؐ نے چشم پوشی کی، کیونکہ چیخ بے ساختہ

نکل گئی تھی۔

بَابٌ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوْبَ!

جو گریبان پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں!

یہ بھی ذیلی باب ہے، غم یا موت کے وقت گریبان پھاڑنا: زمانۂ جاہلیت میں ماتم کی ایک شکل تھی، آج بھی بعض جاہل مسلمانوں میں اور ہندوں میں یہ طریقہ رائج ہے، وہ موت کی خبر ملتے ہی گریبان پھاڑ ڈالتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو گریبان پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں'' بلکہ ہندو تہذیب پر عمل پیرا ہے۔

[۳۵-] بَابٌ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوْبَ!

[۱۲۹۴-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُبَيْدٌ الْيَامِيُّ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ، وَشَقَّ الْجُيُوْبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ" [انظر: ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۳۵۱۹]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ہم میں سے نہیں جو رخسار پیٹے (عربوں کا طریقہ رخسار پیٹنے کا تھا، ہمارے یہاں سینہ کوبی کرتے ہیں) اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت والی پکاریں پکارے (اس کی مثال آگے آئے گی)

تشریح: لیس منا (ہم میں سے نہیں) ایک محاورہ ہے، حماسہ (بہادرانہ کارنامے) عربی ادب کی ایک کتاب ہے جو تکمیل ادب میں پڑھائی جاتی ہے، اس میں یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کا اس کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا، دوسری بیوی اس کو ٹھیک سے نہیں رکھتی تھی، شاعر نے اپنی بیوی کی فہمائش کے لئے چند اشعار کہے ہیں، ان میں سے ایک شعر یہ ہے:

إِنْ كُنْتِ مِنِّيْ، أَوْ تُرِيْدِيْنَ صُحْبَتِيْ ❁ فَكُوْنِيْ لَهُ كَالسَّمْنِ رُبَّتْ لَهُ الأَدَمُ

ترجمہ: اگر تو مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہنا چاہتی ہے یا میری رفاقت چاہتی ہے یعنی میرے ساتھ نباہ کرنا چاہتی ہے تو اس لڑکے کے لئے اس گھی کی طرح ہو جا جس کے لئے کھجور کا شیرہ بھر کر کپی تیار کی گئی ہو —— چمڑے کی نئی کپی میں گھی بھرا جائے تو گھی میں بو ہو جاتی ہے اس لئے اس میں پہلے کھجور کا شیرہ بھرتے ہیں پھر اس میں گھی بھرتے ہیں اس سے گھی میں نہ صرف یہ کہ بدبو پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ خوشبودار ہو جاتا ہے، شاعر کہتا ہے: اگر تو کسی بھی درجہ میں میرے ساتھ نباہ کرنا چاہتی ہے تو تجھے اس لڑکے کے لئے خوشبودار گھی کی طرح ہو جانا چاہئے، شاعر نے اس شعر میں یہی محاورہ استعمال کیا ہے، پس حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو غم اور موت کے وقت گریبان پھاڑتا ہے، رخسار پیٹتا ہے اور جاہلی پکاریں پکارتا ہے وہ میرا ہم مزاج نہیں، میرا اس سے کوئی جوڑ نہیں، معلوم ہوا کہ یہ کام مزاج نبوی سے ہم

آہنگ نہیں، اس لئے حرام ہیں۔

بَابُ رِثَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ خَوْلَةَ

نبی ﷺ نے سعد بن خولہؓ کے لئے دعاء رحمت فرمائی

رَثَی المیتَ رِثَاءً (بکسر الراء) کے معنی ہیں: میت پر رونا اور اس کے محاسن بیان کرنا، اسی سے مرثیہ ہے یعنی وہ اشعار جن میں میت کے محاسن بیان کئے جاتے ہیں۔ مسند احمد (حدیث ۱۹۱۶۳) اور ابن ماجہ (حدیث ۱۵۹۲) میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے مرثیہ کہنے سے منع فرمایا: نَهی رسولُ الله صلی الله علیه وسلم عن المراثی، حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے (۱: ۳۸۳) پس حدیث میں معروف مرثیہ مراد نہیں، بلکہ دعاء رحمت مراد ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرثیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک جائز دوسرا ناجائز، وہ مرثیہ جو غم کو برانگیختہ کرے، جس میں میت کے مبالغہ آمیز فضائل بیان کئے جائیں: جائز نہیں، اور جس مرثیہ میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں وہ جائز ہے۔

[۳٦-] بَابُ رِثَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدَ بْنَ خَوْلَةَ

[۱۲۹۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِیْ وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَعُوْدُنِیْ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِیْ، فَقُلْتُ: إِنِّیْ قَدْ بَلَغَ بِیْ مِنَ الْوَجَعِ، وَأَنَا ذُو مَالٍ، وَلَا يَرِثُنِیْ إِلَّا ابْنَةٌ لِیْ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَیْ مَالِیْ؟ قَالَ: "لَا" فَقُلْتُ: فَالشَّطْرُ؟ فَقَالَ: "لَا" ثُمَّ قَالَ: "الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَبِيْرٌ أَوْ: كَثِيْرٌ. إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ، وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِیْ فِیْ امْرَأَتِكَ" قُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِیْ؟ قَالَ: "إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ، فَتَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا، إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ دَرَجَةً وَرِفْعَةً، ثُمَّ لَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ حَتّٰی يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ، وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُوْنَ، اَللّٰهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِیْ هِجْرَتَهُمْ، وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰی أَعْقَابِهِمْ، لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ" يَرْثِیْ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ حجۃ الوداع کے سال میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے، اُس تکلیف کی وجہ سے جو سخت ہوگئی تھی۔ پس میں نے عرض کیا: میری تکلیف انتہاء کو پہنچ گئی ہے اور میں مالدار آدمی ہوں اور میرا ایک لڑکی کے علاوہ کوئی وارث نہیں، پس کیا میں دو تہائی مال خیرات کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: پس آدھا مال؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، پھر فرمایا: تہائی مال (خیرات کرو) اور تہائی مال بھی بہت ہے (کبیر

اور کثیر میں راوی کو شک ہے، مطلب دونوں کا ایک ہے) بے شک تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑو یہ بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو محتاج چھوڑو، وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پسارتے پھریں، اور بیشک تم اللہ کی رضا جوئی کے لئے جو بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ بیوی کے منہ میں جو لقمہ دو گے اس کا بھی اجر ملے گا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ یعنی میرے ساتھی حج کرکے مدینہ چلے جائیں گے اور میں مکہ میں مر جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا: تم ہرگز پیچھے نہیں رہو گے، یعنی مکہ میں نہیں مرو گے، ابھی زندہ رہو گے اور تم جو بھی نیک عمل کرو گے اس سے تمہارا درجہ اور مقام بلند ہوگا، پھر ہوسکتا ہے تم پیچھے کئے جاؤ یعنی میرے بعد تک زندہ رہو، یہاں تک کہ ایک قوم آپ سے فائدہ اٹھائے اور ایک قوم نقصان اٹھائے، اے اللہ! میرے ساتھیوں کی ہجرت مکمل فرما اور ان کو الٹے پاؤں واپس نہ لوٹا، ہاں قابل رحم سعد بن خولہؓ ہیں (ابن شہاب کہتے ہیں:) مکہ میں انتقال ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ نے ان کے لئے دعاء رحمت کی۔

تشریح:

۱- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، حجۃ الوداع میں مکہ میں بیمار پڑے ان کا خیال تھا کہ مرض جان لیوا ہے۔ جب نبی ﷺ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک بیٹی ہے جو شادی شدہ ہے اور اچھے حال میں ہے، کھاتے پیتے گھر میں اس کی شادی ہوئی ہے، اس کو مال کی ضرورت نہیں، اس لئے میں اپنا کل مال راہِ خدا میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: دسویں حصہ کی وصیت کرو، حضرت سعدؓ برابر زیادہ کی اجازت مانگتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: تہائی ترکہ کی وصیت کرو، اور تہائی بھی بہت ہے، پھر ایک بات یہ فرمائی کہ تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑو یہ بہتر ہے اس سے کہ ان کو اس حال میں چھوڑو کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پسارتے پھریں، اور دوسری بات یہ فرمائی کہ تم میرے بعد تک زندہ رہو گے اور ایک قوم تم سے فائدہ اٹھائے گی اور دوسری قوم کو تم سے نقصان پہنچے گا۔ آپؐ کی یہ دونوں پیشین گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوئیں، حضرت سعدؓ تندرست ہوگئے اور آپؐ کی وفات کے بعد طویل عرصہ تک زندہ رہے، عراق کے فاتح آپؓ ہی ہیں۔

۲- اور حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں، انھوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی، ان کی ایک بیوی سُبیعہ اسلمی مکہ میں رہتی تھی، اس سے ملاقات کی غرض سے مکہ گئے اور بیمار پڑ گئے، اور وہیں انتقال ہوگیا، ایک مہاجر کا وطن میں انتقال ہونا ہجرت کے ثواب میں کمی کا شبہ پیدا کرتا ہے اس لئے نبی ﷺ نے ان کے لئے دعاء رحمت فرمائی۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے اس کے لئے یَرْثِیْ استعمال کیا ہے یعنی افسوس ظاہر کیا، اور اسی کی مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے مرثیہ کا باب باندھا ہے۔ اور یہ عنوان قائم کرکے حضرت رحمہ اللہ نے مباح مرثیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ مرثیہ جس میں ترحم اور معمولی حزن وملال کا اظہار ہو اور حقیقت حال کی ترجمانی ہو ایسا مرثیہ کہنا جائز ہے، البتہ وہ مرثیہ جس میں میت کے مبالغہ

آمیز فضائل بیان کئے جائیں جو غم کو تازہ کرنے والا ہو وہ مرثیہ جائز نہیں۔

فوائد:

ا- آدمی کو اپنے مال میں ہر طرح تصرف کا اختیار ہے، لیکن زندگی کے آخری لمحات میں یعنی مرض موت میں مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔ اس لئے مرض موت میں زیادہ سے زیادہ تہائی ترکہ میں تبرع (نفلی خیرات، ہبہ وغیرہ) کر سکتا ہے اس سے زیادہ تبرع کرنے کا حق نہیں۔ اگر زیادہ کی وصیت کرے گا تو وہ صرف تہائی مال میں نافذ ہوگی، اسی طرح مریض خود بھی زیادہ سے زیادہ تہائی مال خیرات کر سکتا ہے، البتہ مرض موت میں کوئی چیز خریدنا یا بیچنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں مال باقی رہے گا گو جنس بدل جائے۔

اور کیا کسی صورت میں تہائی سے زیادہ کی وصیت ہو سکتی ہے؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بہر صورت زائد کی وصیت باطل ہے اور احناف کے نزدیک دو صورتوں میں زائد کی وصیت جائز ہے، ایک: میت کا کوئی وارث نہ ہو، دوسری: تمام ورثاء عاقل بالغ ہوں اور زائد کی وصیت نافذ کرنے پر راضی ہوں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ میت کا کوئی وارث ہو یا نہ ہو، اور خواہ تمام ورثاء راضی ہوں پھر بھی صرف تہائی ترکہ کی وصیت نافذ ہوگی، باقی دو تہائی ترکہ بیت المال میں جائے گا یا ورثاء کو ملے گا، اور احناف کہتے ہیں: تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ورثاء کے حق کی وجہ سے ممنوع ہے، پس اگر ورثاء نہ ہوں، یا وہ راضی ہوں تو زائد کی وصیت درست ہے، اور بچے اور ناسمجھ کی اجازت اس کے حصہ میں معتبر نہیں، بالغ ورثاء اپنے حصوں میں زائد کی اجازت دے سکتے ہیں۔

۲- جس طرح عام طور پر لوگ دور کی جگہوں میں خرچ کرنے کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور قریب کی جگہوں میں خرچ نہیں کرتے اسی طرح لوگ تبرع یعنی خیرات کرنے کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور ورثاء کے لئے مال چھوڑنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے حالانکہ اس میں زیادہ ثواب ہے، پس جب یہ بات ہے تو اگرچہ آدمی کو تہائی میں وصیت کرنے کا حق ہے مگر بہتر یہ ہے کہ پورے تہائی کی وصیت نہ کرے بلکہ چوتھائی کی یا اس سے بھی کم کی وصیت کرے تاکہ ورثاء کے لئے زیادہ سے زیادہ مال بچے، اگر میت پورے تہائی کی وصیت کردے تو اس نے ورثاء کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، باقی دو تہائی تو شریعت نے ان کے لئے متعین کر دیا ہے، اس میں میت کا کیا احسان ہے؟

۳- بیوی کے منہ میں لقمہ دینے کا مطلب طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ شوہر بیوی کو پیار سے کھلائے، یہ مطلب صحیح نہیں، جوانی کی ترنگ میں اس طرف ذہن جاتا ہے، صحیح مطلب یہ ہے کہ بیوی معذور ہو خود نہ کھا سکتی ہو اور شوہر کھلائے تو شوہر کو کھلانے کا ثواب ملے گا، اور کما کر لانے کا الگ ثواب ملے گا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، شوہر بیمار ہوتا ہے خود نہیں کھا سکتا، اس لئے بیوی کھلاتی ہے، تو بیوی کو کھلانے کا ثواب ملے گا۔ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے، پیار و محبت میں کھلانا مراد نہیں۔

بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْحَلْقِ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ

بوقت مصیبت بال منڈوانا ممنوع ہے

غم یا موت کے موقع پر سر منڈوانا بھی ماتم کی ایک شکل ہے اور بعض لوگ بھنویں بھی منڈوا کر جانگلو (غیر مہذب) بن جاتے ہیں، اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، باب کی حدیث میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپؓ بیمار پڑے اور بیہوش ہوگئے، آپؓ کا سر خاندان کی کسی عورت کی گود میں تھا، وہ روئی، آپؓ نے سنا کیونکہ آپؓ پوری طرح بے ہوش نہیں ہوئے تھے، مگر منع کرنے کی طاقت بھی نہیں تھی، جب ہوش آیا تو آپؓ نے اس عورت کو جو چلا کر روئی تھی ڈانٹا اور فرمایا: آنحضور ﷺ نے تین عورتوں سے براءت ظاہر فرمائی ہے، میں بھی ان سے بری ہوں: زور سے چلانے والی سے، سر منڈوانے والی سے اور کپڑے پھاڑنے والی سے، پس غم اور موت کے موقع پر سر اور بھنوؤں کو منڈوانے کی قطعاً گنجائش نہیں، یہ ماتم کی بدترین شکل ہے۔

[۳۷-] بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْحَلْقِ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ

[۱۲۹۶-] وَقَالَ الْحَكَمُ بْنُ مُوْسَى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جَابِرٍ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُخَيْمِرَةَ حَدَّثَهُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ أَبِيْ مُوْسَى قَالَ: وَجِعَ أَبُوْ مُوْسَى وَجَعًا، فَغُشِيَ عَلَيْهِ، وَرَأْسُهُ فِيْ حَجْرِ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهَا شَيْئًا، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: أَنَا بَرِيْءٌ مِمَّنْ بَرِئَ مِنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ.

لغات: صَلَقَ (ن) صَلْقًا: چیخنا چلانا .... حَلَقَ (ن) حَلْقًا: مونڈنا .... شَقَّ (ن) شَقًّا الشيئَ: پھاڑنا، چیرنا۔

بَابٌ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ

ہم میں سے نہیں جو رخسار پیٹے

غم یا موت کے موقع پر رخسار پیٹنا، گریبان پھاڑنا اور جاہلیت والی پکاریں پکارنا بھی ممنوع ہے۔ یہ کام اسلامی تہذیب کے خلاف ہیں، ہندوانہ تہذیب ہے اور حدیث میں جو تین باتیں مذکور ہیں وہ عربوں کی عادت کے موافق ہیں، پس سینہ کوبی، دیوار سے سر ٹکرانا، چوڑیاں توڑنا اور سر منڈوانا سب ماتم کی شکلیں ہیں اور ممنوع ہیں۔

[۳۸-] بَابٌ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ

[۱۲۹۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ،

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ، وَشَقَّ الْجُيُوْبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ " [راجع: ۱۲۹۴]

بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْوَيْلِ وَدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ

مصیبت میں ہلاکت کی دُہائی اور جاہلیت والی پکاریں پکارنا ممنوع ہے

ویل کے معنی ہیں: ہلاکت، زمانۂ جاہلیت میں مصیبت کے وقت پکارتے تھے وَا وَیْلَاہْ! یَا وَیْلَاہْ! وَا حرف ندبہ ہے اور یا بھی اور اس پکار کا مفہوم ہے: او ہلاکت تو کہاں ہے آجا، یہ دعوی الجاھلیۃ کی ایک مثال ہے زمانۂ جاہلیت میں بوقت مصیبت ایسی پکاریں پکاری جاتی تھیں، اور ترمذی شریف میں دو مثالیں اور آئی ہیں: وَاجَبَلَاہْ: ہائے پہاڑ! وَاسَیِّدَاہْ: ہائے آقا! نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی کسی مرنے والے کو اس طرح پکارتا ہے تو اس پر دو فرشتے مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کو مکے مارتے ہیں اور کہتے ہیں: اچھا تو ایسا تھا! (ترمذی حدیث ۹۸۷)

[۳۹-] بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْوَيْلِ وَدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ

[۱۲۹۸-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ، وَشَقَّ الْجُيُوْبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ " [راجع: ۱۲۹۴]

بَابُ مَنْ جَلَسَ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ يُعْرَفُ فِيْهِ الْحُزْنُ

مصیبت کے وقت اس طرح بیٹھنا کہ حزن وملال ہویدا ہو

یہ یکے بعد دیگرے دو باب ہیں، پہلے باب کا حاصل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت دل کا غمگین ہونا، آنکھوں سے آنسو جاری ہونا اور چہرے پر صدمہ کے آثار ہویدا ہونا صبر کے منافی نہیں، آنحضور ﷺ سے یہ سب باتیں ثابت ہیں اور دوسرے باب کا حاصل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت ہمت وحوصلہ سے کام لینا اور چہرے سے بالکل غم ظاہر نہ ہونے دینا: اس کی بھی گنجائش ہے، جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے۔

غزوۂ موتہ سے جب حضرات زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور وحی سے اس کی اطلاع ملی تو آنحضور ﷺ مغموم ہوگئے، آپ نے مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر جنگ کے احوال سنائے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، پھر آپ ایک طرف بیٹھ گئے اور حزن وملال آپ کے چہرے سے ظاہر تھا، معلوم ہوا کہ صدمہ کے موقع پر

رونا، اور چہرے پر غم ظاہر کرنا سنت ہے، یہ فطری باتیں اور رقت قلبی کا نتیجہ ہیں، اور امر محمود ہیں، عمرانی زندگی میں باہمی الفت ومحبت اس پر موقوف ہے اور انسان کی سلامتی مزاج کا بھی یہی تقاضہ ہے، البتہ جزع فزع ممنوع ہے کیونکہ کبھی بے چینی کا ہیجان قضاء الٰہی پر عدم رضا کا سبب بن جاتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا ضروری ہے۔

[۴۰-] بَابُ مَنْ جَلَسَ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ يُعْرَفُ فِيْهِ الْحُزْنُ

[۱۲۹۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيٰى، قَالَ: أَخْبَرَتْنِيْ عَمْرَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ، وَجَعْفَرٍ، وَابْنِ رَوَاحَةَ: جَلَسَ يُعْرَفُ فِيْهِ الْحُزْنُ، وَأَنَا أَنْظُرُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ- شَقِّ الْبَابِ- فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: إِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ، وَذَكَرَ بُكَاءَ هُنَّ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْهَاهُنَّ، فَذَهَبَ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ، لَمْ يُطِعْنَهُ، فَقَالَ: "انْهَهُنَّ" فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ، قَالَ: وَاللّٰهِ غَلَبْنَنَا يَارسولَ اللّٰهِ! فَزَعَمَتْ أَنَّهُ قَالَ: "فَاحْثُ فِيْ أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ" فَقُلْتُ: أَرْغَمَ اللّٰهُ أَنْفَكَ! لَمْ تَفْعَلْ مَا أَمَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْعَنَاءِ[انظر: ۱۳۰۵، ۴۲۶۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب نبی ﷺ کے پاس زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر آئی (النبیَّ مفعول بہ ہے اور قتلُ إلخ فاعل ہے) تو آپؐ (جنگ کے احوال سنا کر مسجد میں ایک طرف) بیٹھ گئے درانحالیکہ آپؐ کے چہرہ میں غم کے آثار نمایاں تھے (یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور میں دروازے کی جھری (ریخ) سے دیکھ رہی تھی، پس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: جعفر کی عورتیں، اور اس نے ان کے رونے کا تذکرہ کیا، یعنی جعفر کے گھر میں عورتیں رو رہی ہیں، پس نبی ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ ان کو منع کرے، چنانچہ وہ گیا، پھر دوسری مرتبہ آیا اور کہا عورتیں اس کی بات نہیں مانتی، آپؐ نے فرمایا: ان کو منع کرو، پھر وہ تیسری مرتبہ آیا اور عرض کیا: قسم بخدا! وہ ہم پر غالب آگئیں اے اللہ کے رسول! یعنی عورتیں بالکل مان نہیں رہیں! حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ان کے منہ پر مٹی ڈال! پس میں نے کہا: اللہ تیری ناک خاک آلود کرے تو نہیں کر سکے گا جس چیز کا تجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا، اور تو رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرنے سے باز نہیں آیا۔

وضاحتیں: صَائِر (صاد اور الف کے بعد یاء) الباب: دروازے کی ریخ، جھری، شگاف، شَقُّ الباب: (شین کا زبر) تفسیر ہے، اصل لفظ الصِّیْر ہے، صَائِر: اس کے ہم معنی ہے، حدیث میں ہے: من نظر من صِیْرِ بَاب، فَفُقِئَتْ عینُه فهی هَدَر: اگر کوئی دروازے کی جھری سے اندر جھانکے، اور اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے تو اس کا کوئی بدلہ نہیں .... احثُ (فعل امر) حَثَا فی وجهه التراب: چہرے پر مٹی ڈالنا .... لم تفعل (ماضی منفی کے معنی میں) جس طرح قرآن میں

مستقبل میں پیش آنے والی باتوں کو تحقق وقوع کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ماضی سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح یہ لم تفعل ہے یعنی آنحضور ﷺ نے اب جو حکم دیا ہے تو کبھی اسے پورا نہیں کرسکے گا اور تو رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرنے سے باز نہیں آیا۔

[۱۳۰۰-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم شَهْرًا حِيْنَ قُتِلَ الْقُرَّاءُ، فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَزِنَ حُزْنًا قَطُّ أَشَدَّ مِنْهُ. [راجع: ۱۰۰۱]

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے، بیر معونہ کے واقعہ میں جب رعل، ذکوان اور عصیہ قبائل نے دھوکہ سے ستر قراء کو شہید کیا تھا تو نبی ﷺ کو اتنا صدمہ ہوا تھا کہ تمام عمر کبھی اتنا صدمہ نہیں ہوا، آپؐ نے ایک مہینہ تک ان قبائل کے لئے بددعا فرمائی (تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفۃ القاری ۳:۳۲۸)

بَابُ مَنْ لَمْ يُظْهِرْ حُزْنَهُ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ

جو شخص مصیبت کے وقت حزن و ملال ظاہر نہ ہونے دے

یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے: مصیبت کے وقت آدمی باہمت رہے، غم بالکل ظاہر نہ ہونے دے تو اس کی بھی گنجائش ہے:

۱- محمد بن کعب قرظیؒ (مشہور تابعی) کہتے ہیں: مصیبت کے وقت بری بات زبان سے نکالنا اور اللہ کے بارے میں بدگمانی کرنا: جزع فزع ہے جو ماتم ہے اور ممنوع ہے پس اس کی ضد جائز ہے۔ اس طرح تقابل تضاد کے طور پر محمد بن کعب قرظی کا قول باب میں لائے ہیں (حاشیہ)

۲- حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ جب صاحبزادوں نے آکر اطلاع دی کہ بن یامین نے چوری کی جس کی وجہ سے عزیز مصر نے اس کو اپنے پاس روک لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بن یامین نے چوری نہیں کی، یہ تمہاری بنائی ہوئی بات ہے، پھر آپ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا أَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ﴾ حزن کے معنی تو ظاہر ہیں اور بث کے معنی ہیں: شدید غم یعنی میں اپنا شدید غم اور عام غم اللہ ہی کے سامنے ظاہر کرتا ہوں، یعنی تم سے کوئی شکایت نہیں، لہٰذا اگر کوئی مصیبت کے وقت لوگوں کے سامنے بالکل غم ظاہر نہ ہونے دے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

حدیث: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے: وہ سفر میں تھے اور بچہ کا انتقال ہو گیا، اتفاق سے اسی رات وہ سفر سے لوٹنے والے تھے، چنانچہ ان کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بچہ کو نہلا کر اور کفن پہنا کر گھر میں ایک طرف رکھ دیا

اور چادر اوڑھادی، اور شوہر کے لئے کھانا تیار کیا اور بناؤ سنگھار کیا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے آتے ہی بچہ کا حال دریافت کیا، اہلیہ نے جواب دیا: بچہ پر سکون ہے، انھوں نے توریہ کیا، ان کی مراد یہ تھی کہ بچے کی سب تکلیف دور ہوگئی، وہ فوت ہوگیا ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے سمجھا: بچہ ٹھیک ہوگیا ہے، انھوں نے کھانا کھایا پھر بیوی سے ہم بستر ہوئے، صبح جب نماز کے لئے جانے لگے تو بیوی نے بچہ کے فوت ہونے کی خبر دی، حضرت ابوطلحہؓ ناراض ہوئے اور نبی ﷺ سے شکایت کی، آپؐ نے حضرت ام سلیم کے عمل کی تصویب کی اور برکت کی دعا فرمائی۔ ابن عیینہؒ کہتے ہیں: مجھے ایک انصاری نے بتایا کہ اس صحبت سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کی نو اولاد ہوئی، سب قاری قرآن تھے، اس صحبت سے عبداللہ پیدا ہوئے تھے، جن کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔

غرض حضرت ام سُلیم نے غم ظاہر نہیں ہونے دیا، اور آنحضور ﷺ نے ان کے عمل کی تصویب فرمائی اور برکت کی دعا دی، معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت اگر حزن وملال ظاہر نہ ہونے دے، اور ہشاش بشاش رہے اور اللہ کی طرف متوجہ رہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

[۴۱-] بَابُ مَنْ لَمْ يُظْهِرْ حُزْنَهُ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ

[۱-] وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ: الْجَزَعُ: الْقَوْلُ السَّيِّئُ، وَالظَّنُّ السَّيِّئُ.

[۲-] وَقَالَ يَعْقُوبُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ﴾ [يوسف: ۸۶]

[۱۳۰۱-] حدثنا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: اشْتَكَى ابْنٌ لِأَبِي طَلْحَةَ، قَالَ: فَمَاتَ وَأَبُوْ طَلْحَةَ خَارِجٌ، فَلَمَّا رَأَتِ امْرَأَتُهُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ هَيَّأَتْ شَيْئًا، وَنَحَّتْهُ فِي جَانِبِ الْبَيْتِ، فَلَمَّا جَاءَ أَبُوْ طَلْحَةَ، قَالَ: كَيْفَ الْغُلَامُ؟ قَالَتْ: قَدْ هَدَأَتْ نَفْسُهُ، وَأَرْجُوْ أَنْ يَكُوْنَ قَدِ اسْتَرَاحَ، وَظَنَّ أَبُوْ طَلْحَةَ أَنَّهَا صَادِقَةٌ، قَالَ: فَبَاتَ، فَلَمَّا أَصْبَحَ اغْتَسَلَ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَعْلَمَتْهُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ، فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ أَخْبَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِمَا كَانَ مِنْهُمَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "لَعَلَّ اللهَ أَنْ يُبَارِكَ لَهُمَا فِي لَيْلَتِهِمَا" قَالَ: سُفْيَانُ: فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: فَرَأَيْتُ تِسْعَةَ أَوْلَادٍ، كُلُّهُمْ قَدْ قَرَأَ الْقُرْآنَ. [انظر: ۵۴۷۰]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا بیمار ہوا اور اس کا انتقال ہوگیا اور ابوطلحہؓ باہر تھے، جب ان کی بیوی نے دیکھا کہ بچہ کا انتقال ہوگیا ہے تو انھوں نے کچھ تیار کیا (یعنی بچہ کو نہلا کر رکھ دیا اور شوہر کے لئے کھانا تیار کیا اور بناؤ سنگھار کیا) اور بچہ کو گھر میں ایک کونہ میں رکھ دیا، جب ابوطلحہؓ آئے تو انھوں نے پوچھا: بچہ کیسا ہے؟ ام سلیمؓ نے

جواب دیا: اس کا نفس پرسکون ہوگیا ہے، اور میرا خیال ہے کہ اسے آرام مل گیا ہے، اور ابوطلحہؓ نے خیال کیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہیں، حضرت انسؓ کہتے ہیں: پس انھوں نے (بیوی کے ساتھ) رات گذاری پھر جب صبح ہوئی تو غسل کیا، پھر جب انھوں نے نماز کے لئے جانے کا ارادہ کیا تو بیوی نے بتایا کہ بچہ کا انتقال ہوگیا ہے، پس ابوطلحہؓ نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپؐ کو بیوی کا معاملہ بتایا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شاید اللہ تعالیٰ ان دونوں کے لئے اس رات میں برکت فرمائیں!'' ابن عیینہؒ کہتے ہیں: ایک انصاری نے بیان کیا کہ میں نے ان کی نو اولاد دیکھی جو سب قرآن پڑھے ہوئے تھے۔

بَابُ الصَّبْرِ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى

صدمہ کی ابتدا میں صبر کرنا

صبر کا مادہ ص، ب، ر ہے، اس مادہ کے معنی ہیں: روکنا، جب کوئی مصیبت آتی ہے تو پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے لیکن اگر آدمی اپنے نفس کو روکے تو اس کو صبر کہتے ہیں، نفس کو جزع فزع سے روکنا اولوالعزمی کا کام ہے، پختہ ارادہ والا ہی یہ کام کرسکتا ہے، پس صبر کی حقیقت ہے: مصیبت برداشت کرنا اور ہمت سے کام لینا۔

اور صبر کسی کی موت کے ساتھ خاص نہیں، ہر مصیبت اور تکلیف کے ساتھ صبر کا تعلق ہے، اور کامل صبر صدمہ کی ابتداء میں ہوتا ہے، جب مصیبت دل سے ٹکرائے اس وقت اولوالعزمی کا مظاہرہ کرے اور ہمت نہ ہارے تو بڑے ثواب کا حقدار ہوگا، کیونکہ بعد چندے تو ہر کسی کو صبر آ ہی جاتا ہے، اب صبر کرنا بڑا کمال نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں سورۂ بقرہ کی دو آیتیں (١٥٦ و ١٥٧) لکھی ہیں، پہلی آیت میں صبر کا فارمولہ ہے، اور دوسری آیت میں صبر کا ثواب۔

صبر کا فارمولہ: ارشاد پاک ہے: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ، الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾: آپ ایسے صابرین کو خوش خبری سنادیجئے کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کی ملک ہیں، اور ہم انہی کے پاس جانے والے ہیں۔

تفسیر: صابرین وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ دو باتیں پیش نظر رکھتے ہیں: ایک: پوری کائنات اللہ ہی کی ملک ہے، دوسری: ہر ایک کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، کسی شخص کا بچہ مرگیا یا دوکان جل گئی تو وہ اس عقیدہ کا استحضار کرے کہ بچہ اللہ ہی کی ملک تھا، دوکان اللہ ہی کی ملک تھی، اللہ نے اپنا مال واپس لے لیا تو غم کیسا؟ پھر بچہ ہمیشہ کے لئے جدا نہیں ہوا، وہ جہاں گیا ہے کل ہم سب کو وہیں جانا ہے، وہاں بچہ مل جائے گا، پس غم کے کیا معنی! جیسے ایک آدمی کا لڑکا بمبئی گیا اور ایک ہفتہ کے بعد باپ کو بھی وہیں جانا ہے پس بچہ کی جدائیگی پر باپ کیوں روئے! یہ جدائیگی عارضی ہے ایک ہفتہ کے بعد بچہ سے ملاقات ہوجائے گی، اسی طرح بچہ مرکر ہمیشہ کے لئے جدا نہیں ہوا، ہمیں بھی مرکر وہیں جانا ہے، جہاں

بچہ گیا ہے، پس جو ان عقیدوں کو ملحوظ رکھے گا اور ان کا اقرار کرے گا اور کہے گا: ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ تو اس کے لئے صبر کرنا آسان ہو جائے گا۔

صبر کا ثواب: پھر ارشاد پاک ہے: ﴿أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ، وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾: ان لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے خاص رحمتیں بھی ہیں اور عام رحمت بھی، اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔

تفسیر: صلوٰۃ اور رحمت دو عِدل ہیں، اونٹ پر جب سامان باندھتے ہیں تو دونوں طرف بالکل برابر بوجھ لادتے ہیں، ایک طرف زیادہ ہوگا تو بورا جھک جائے گا، العِدل کے معنی ہیں: اونٹ کے ایک پہلو پر لدا ہوا آدھا بوجھ، اس کا تثنیہ عِدلان ہے، صلوٰۃ ورحمت عدلان ہیں یعنی دونوں مترادف ہیں، عربی میں دو لفظ مترادف نہیں ہوتے، تھوڑا بہت فرق ضرور ہوتا ہے، پس رحمت نیچے کا درجہ ہے اور صلوٰۃ آخری درجہ، کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں بتایا تھا کہ صلوٰۃ کے معنی ہیں: غایتِ انعطاف، یعنی آخری درجہ کا میلان، یعنی درود، خصوصی رحمت اور رحمۃ دوسرا درجہ ہے یعنی عمومی رحمت۔

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں بورے بھر جاتے ہیں اور کچھ جنس بچ جاتی ہے تو اس کی پوٹلی باندھ کر بوروں کے بیچ میں رکھ دیتے ہیں، یہ عِلاوہ ہے، (اردو میں عین کے زبر کے ساتھ عَلاوہ کہتے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو عدل کتنے شاندار ہیں اور عِلاوہ کتنا شاندار ہے۔ صابرین کے لئے تین فضیلتیں ہیں: صلوٰۃ، رحمت اور ہدایت، صلوٰۃ اور رحمت عدلان ہیں اور ہدایت علاوہ (مزید برآں) مگر یہ صدمہ اولیٰ پر صبر کرنے کا ثواب ہے جب مصیبت دل کے ساتھ ٹکرائے اسی وقت جو صبر کرے اس کے لئے یہ فضیلت ہے۔

اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے سورۂ بقرہ کی آیت ۴۵ لکھی ہے: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ﴾ اس آیت میں صبر کا فارمولہ ہے، بعض مرتبہ مصیبت بہت بھاری ہوتی ہے اس وقت صبر کے ساتھ ذکر خداوندی سے بھی مدد لینی چاہئے، اور ذکر کا آخری درجہ نماز ہے۔ آنحضور ﷺ کو جب کوئی بات پیش آتی: آندھیاں چلتیں، بادل گرجتے تو آپ فوراً نماز شروع فرمادیتے، نماز سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، ارشادِ پاک ہے ﴿أَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ اور صبر سے بھی قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے: الصبر ضِيَاءٌ: صبر ایک روشنی ہے، صبر کرنے سے آدمی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی ہو جاتا ہے، یہی وہ روشنی ہے جو صبر سے حاصل ہوتی ہے۔

اور آیت کریمہ میں صبر کو پہلے ذکر کیا اور نماز کو بعد میں اس سے صبر کی اہمیت واضح ہوتی ہے، نیز نماز بھی وہی پڑھے گا جو صبر کرے گا، اور جو صبر نہیں کر سکتا وہ نماز بھی نہیں پڑھے گا، کیونکہ اللہ کے احکام پر اپنے آپ کو روکنا بھی صبر ہے، اور اللہ کے احکام میں سے ایک حکم نماز ہے، اس لئے نماز کے لئے اپنے آپ کو وہی تیار کرتا ہے جو صبر شعار ہوتا ہے، جس کے اندر یہ خوبی نہیں ہوتی وہ کٹھنائیوں میں بھی نماز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، اپنی الجھنوں میں پھنسا رہتا ہے ﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلاَّ عَلَى الْخَاشِعِيْنَ﴾ صبر اور نماز بہت بھاری ہیں، مگر جو بندے عاجزی کرتے ہیں اور اللہ عزوجل کے روبرو کھڑے ہونے سے

ڈرتے ہیں اور حساب وکتاب کی فکر کرتے ہیں ان پر صبر بھی آسان ہے اور نماز بھی۔

[۴۲-] بَابُ الصَّبْرِ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى

[۱-] وَقَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْعِدْلَانِ، وَنِعْمَ الْعِلَاوَةُ ﴿ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ أُوْلٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾[البقرة: ۱۵۶-۱۵۷]

[۲-] وَقَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ﴾[البقرة: ۴۵]

[۱۳۰۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى" [راجع: ۱۲۵۲]

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّا بِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ

ارشادِ نبوی: بیشک ہم تیری جدائی سے مغموم ہیں!

اوپر باب آیا تھا کہ صدمہ کے وقت دل غمگین ہو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں اور چہرے سے غم کے آثار ظاہر ہوں تو اس میں کچھ حرج نہیں، یہ سنت ہے، اسی سے تعلق رکھنے والا یہ باب ہے، جب صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی گود میں وفات پائی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور آپؐ نے فرمایا: آنکھیں اشکبار ہیں، دل غمگین ہے، مگر ہم زباں سے وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہے اور ہم اے ابراہیم تیری جدائی سے مغموم ہیں! پھر آپؐ نے إِنَّا لِلّٰهِ پڑھا، یہی وہ بات ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ رونے سے منع فرماتے ہیں اور آپؐ خود رو رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ رحمت ہے یعنی میں نے رونے سے مطلقاً منع نہیں کیا بلکہ اس رونے سے منع کیا ہے جو نوحہ ہے، اور معمولی رونا رقت قلبی اور رحم دلی کا نتیجہ ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے اور وہ امر محمود ہے۔

[۴۳-] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّا بِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم:" تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ"

[۱۳۰۳-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا قُرَيْشٌ، هُوَ ابْنُ حَيَّانَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى أَبِيْ سَيْفِ الْقَيْنِ، وَكَانَ ظِئْرًا لِإِبْرَاهِيْمَ، فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِبْرَاهِيْمَ، فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ، ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ، وَإِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهِ، فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَذْرِفَانِ،

فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: وَأَنْتَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: "يَا ابْنَ عَوْفٍ! إِنَّهَا رَحْمَةٌ" ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرَى، فَقَالَ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ"

رَوَاهُ مُوْسَى، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، وہ آپؐ کی سُرِّیہ تھیں، سریہ وہ باندی کہلاتی ہے جس سے آقا صحبت کرتا ہے، جب غلام باندیوں کا دور تھا تو آقا تمام باندیوں سے صحبت نہیں کرتا تھا، جس سے صحبت کرنا چاہتا اسی کو صحبت کے لئے خاص کرتا تھا، اور حضرت ماریہؓ قبا میں رہتی تھیں، آپؐ گاہ گاہ وہاں تشریف لے جاتے تھے، اور ابوسیف آہنگر کے یہاں وہ بچہ دودھ پیتا تھا، نبی ﷺ کبھی کبھی اس آہنگر کے یہاں تشریف لے جاتے تھے اور بچہ کو کھلاتے تھے، جب بچہ کا انتقال ہوا اس وقت بھی وہ بچہ اسی آہنگر کے یہاں دودھ پیتا تھا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ ابوسیف لوہار کے گھر گئے، اس کی بیوی ابراہیمؓ کی انا تھی، پس نبی ﷺ نے ابراہیم کو لیا اس کو چوما اور سونگھا، اس واقعہ کے بعد پھر ایک مرتبہ ہم ابوسیف کے یہاں گئے درانحالیکہ ابراہیمؓ اپنی جان کی سخاوت کر رہے تھے یعنی جان کنی کا وقت تھا، پس نبی ﷺ کی آنکھیں بہنے لگیں، آپؐ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا: آپؐ رو رہے ہیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا: ابن عوف! یہ رحمت ہے (جو آنسو کی شکل میں ٹپک رہی ہے) پھر اس کے ساتھ ہی ایک آنسو اور ٹپک گیا، پس آپؐ نے فرمایا: بیشک آنکھ اشکبار ہے، دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہے۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے (با سببیہ ہے یا مجاز بالحذف ہے أی بموتك) مغموم ہیں۔

سند:

اس حدیث کو موسیٰ بن اسماعیل بھی روایت کرتے ہیں، ان کے استاذ سلیمان بن المغیرہ ہیں اور ثابت پر دونوں سندیں مل جاتی ہیں، اور ایک وہم کو دور کرنے کے لئے اس دوسری سند کو ذکر کیا ہے، اوپر ابن عمرؓ کی حدیث کا حوالہ تھا، کوئی یہ خیال کر سکتا تھا کہ یہ راوی کا وہم ہے درحقیقت یہ ابن عمرؓ کی حدیث ہے، حضرت انسؓ کی حدیث نہیں، اس لئے دوسری سند ذکر کی کہ یہ حضرت انسؓ کی بھی حدیث ہے ابن عمرؓ کی طرح حضرت انسؓ بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

بَابُ الْبُكَاءِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ

قریب المرگ کے پاس رونا

جس طرح کسی کی موت پر غمگین ہونا اور معمولی رونا جائز ہے اسی طرح مریض کے پاس جو سکرات میں ہو رونا جائز ہے،

کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ مریض کے پاس رونے میں مریض کو خوف اور وحشت میں ڈالنا ہے، پس مریض کے پاس رونا جائز نہیں ہونا چاہئے۔ حضرتؒ نے یہ باب قائم کر کے تنبیہ کی کہ ایسا نہیں، یہ بھی محبت کا اظہار اور جذبہ رحمت کا نتیجہ ہے، اور سنت سے ثابت ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے بہت زیادہ بیمار ہو گئے، آنحضور ﷺ صحابہ کے ساتھ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے، گھر والے سب جمع تھے، آپؐ نے پوچھا: کیا انتقال ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا کہ نہیں، آپؐ ان کا حال دیکھ کر رو پڑے، دوسرے لوگ بھی رونے لگے، آپؐ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ آنسو بہانے پر اور دل کے حزن و ملال پر سزا نہیں دیتے بلکہ اس کی وجہ سے سزا دیتے ہیں (اور آپؐ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کیا) یا مہربانی فرماتے ہیں، یعنی اگر زبان سے ناشکری، بے صبری اور بے ادبی کے کلمات نکالے تو مستحق عذاب ہوگا، اور حمد و ترجیع کی تو مستحق ثواب ہوگا۔ غرض مریض کے پاس رونا جائز ہے، البتہ سخت واویلا مچانا جو نوحہ کی حد تک پہنچ جائے جائز نہیں۔

[٤٤-] بَابُ الْبُكَاءِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ

[١٣٠٤-] حدثنا أَصْبَغُ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: اشْتَكَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوَى لَهُ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُوْدُهُ، مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، وَسَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ، فَوَجَدَهُ فِيْ غَاشِيَةِ أَهْلِهِ، فَقَالَ: "قَدْ قَضٰى؟" فَقَالُوْا: لَا، يَارسولَ اللّٰهِ! فَبَكَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَكَوْا، فَقَالَ: "أَلَا تَسْمَعُوْنَ؟ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ، ولٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا - وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ - أَوْ يَرْحَمُ، وَإِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ" وَكَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ فِيْهِ بِالْعَصَا، وَيَرْمِيْ بِالْحِجَارَةِ، وَيَحْثِيْ بِالتُّرَابِ.

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کسی بیماری میں مبتلا ہوئے تو آنحضور ﷺ حضرات عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے، جب آپؐ ان کے پاس پہنچے تو آپؐ نے پایا کہ گھر والوں نے ان کو گھیر رکھا ہے یعنی گھر کے سب افراد ان کے پاس جمع ہیں، آپؐ نے پوچھا: کیا ان کی وفات ہو گئی؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! پس آپؐ روئے، جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی روئے، پس آپؐ نے فرمایا: کیا سنتے نہیں ہو؟ بیشک اللہ تعالیٰ آنسو بہانے پر اور دل کے حزن و ملال پر سزا نہیں دیتے بلکہ اس کی وجہ سے سزا دیتے ہیں ـــــ اور آپؐ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کیا ـــــ یا مہربانی فرماتے ہیں، اور بیشک میت پسماندگان کے رونے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر (نوحہ کرنے پر) ڈنڈا بجاتے تھے اور پتھر پھینک کر مارتے تھے اور رونے والے کے منہ پر مٹی پھینکتے تھے۔

بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ النَّوْحِ وَالْبُكَاءِ وَالزَّجْرِ عَنْ ذٰلِكَ

ماتم اور رونے سے روکنا اور اس سے جھڑکنا

امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے آخر میں جو مضمون آتا ہے اس کی مناسبت سے اگلا باب قائم کردیتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو رونے پر پٹائی کیا کرتے تھے اس کی مناسبت سے یہ باب قائم کیا کہ نوحہ اور آہ وبکاء کرنا ممنوع ہے۔ اور حدیث المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ کا مصداق یہی رونا ہے۔

[٤٥-] بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ النَّوْحِ وَالْبُكَاءِ وَالزَّجْرِ عَنْ ذٰلِكَ

[١٣٠٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِيْ عَمْرَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، تَقُوْلُ: لَمَّا جَاءَ قَتْلُ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَجَعْفَرٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ رَوَاحَةَ: جَلَسَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُعْرَفُ فِيْهِ الْحُزْنُ، وَأَنَا أَطَّلِعُ مِنْ شَقِّ الْبَابِ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: أَيْ رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ، وَذَكَرَ بُكَاءَ هُنَّ فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْهَاهُنَّ، فَذَهَبَ الرَّجُلُ، ثُمَّ أَتَى، فَقَالَ: قَدْ نَهَيْتُهُنَّ، وَذَكَرَ أَنَّهُ لَمْ يُطِعْنَهُ، فَأَمَرَهُ الثَّانِيَةَ أَنْ يَنْهَاهُنَّ، فَذَهَبَ ثُمَّ أَتَاهُ، فَقَالَ: وَاللهِ! لَقَدْ غَلَبْنَنِيْ- أَوْ: غَلَبْنَنَا، الشَّكُّ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ [عَبْدِ اللهِ بْنِ] حَوْشَبٍ - فَزَعَمَتْ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "فَاحْثُ فِيْ أَفْوَاهِهِنَّ مِنَ التُّرَابِ" فَقُلْتُ: أَرْغَمَ اللهُ أَنْفَكَ! فَوَاللهِ مَا أَنْتَ بِفَاعِلٍ، وَمَا تَرَكْتَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْعَنَاءِ. [راجع: ١٢٩٩]

وضاحت: یہ حدیث ابھی گذری ہے، اور حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جب جعفر کی عورتیں رونے سے باز نہ آئیں تو نبی ﷺ نے ان کے منہ پر مٹی ڈالنے کا حکم دیا، یہی آہ وبکاء پر زجر وتوبیخ ہے۔

[١٣٠٦-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ: أَخَذَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عِنْدَ الْبَيْعَةِ أَنْ لَا نَنُوْحَ، فَمَا وَفَتْ مِنَّا امْرَأَةٌ غَيْرُ خَمْسِ نِسْوَةٍ: أُمُّ سُلَيْمٍ، وَأُمُّ الْعَلَاءِ، وَابْنَةُ أَبِيْ سَبْرَةَ امْرَأَةِ مُعَاذٍ، وَامْرَأَتَانِ، أَوْ: ابْنَةُ أَبِيْ سَبْرَةَ، وَامْرَأَةُ مُعَاذٍ، وَامْرَأَةٌ أُخْرَى. [انظر: ٤٨٩٢، ٧٢١٥]

ترجمہ: ام عطیہؓ کہتی ہیں: نبی ﷺ نے بیعت کے وقت ہم سے عہد و پیمان لیا کہ ہم ماتم نہیں کریں گی، چنانچہ ہم میں سے صرف پانچ عورتوں نے اس عہد کو وفا کیا: ام سلیمؓ نے، ام العلاءؓ نے، ابوسبرہ کی بیٹی نے جو معاذؓ کی بیوی ہیں، اور دیگر

دوعورتوں نے، یا یہ کہا کہ ابوسبرہ کی بیٹی نے اور معاذؓ کی بیوی نے اور ایک اور عورت نے۔

تشریح: اس حدیث میں بیعت سلوک کا ذکر ہے، سورۂ ممتحنہ کی آیت ١٠ میں اس بیعت کا تذکرہ ہے، اور شروع سال میں بتلایا تھا کہ بیعت سلوک کی دفعات میں بیعت کرنے والوں کے احوال کی رعایت سے کمی بیشی کر سکتے ہیں، مثلاً: ایک شخص غیبت کرتا ہے جب اس کو بیعت کریں گے تو اس سے یہ گناہ نہ کرنے کا عہد لیں گے، یا کسی جگہ میت کا ماتم کیا جاتا ہے تو وہاں کی عورتوں سے بیعت میں یہ حرکت نہ کرنے کا بھی عہد لیں گے، آنحضور ﷺ نے جب عورتوں کو بیعت کیا تو ماتم نہ کرنے کا عہد لیا، حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں: پانچ عورتوں کے علاوہ کوئی اس عہد پر برقرار نہ رہ سکی، صرف پانچ نے کبھی ماتم نہیں کیا، باقی عورتیں وفاء کے اعلی معیار پر نہ اتر سکیں (بیعت سلوک کے لئے دیکھئے تحفۃ القاری ١: ٢٢١-٢٢٤)

سوال: کیا ام عطیہؓ نے عہد پورا نہیں کیا تھا؟ جواب: ان کے بارے میں روایات مختلف ہیں (دیکھیں فتح)

بَابُ الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ

جنازہ کے لئے کھڑا ہونا

پہلے آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپؐ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوجاتے تھے، پھر جب جنازہ رکھ دیا جاتا یا آگے بڑھ جاتا تو آپؐ بیٹھ جاتے، اور آپؐ نے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا تھا، بعد میں آپؐ کا عمل بدل گیا، جنازہ دیکھ کر آپؐ کھڑے نہیں ہوتے تھے اور صحابہ کو بھی اس سے منع کردیا، پس پہلا حکم منسوخ ہوگیا، مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دیا پھر بعد میں آپؐ بیٹھے اور ہمیں بھی بیٹھنے کا حکم دیا (مشکوٰۃ حدیث ١٦٨٢) اور امام احمد رحمہ اللہ نے دونوں حدیثوں کو جمع کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اگر چاہے تو کھڑا ہو اور چاہے تو کھڑا نہ ہو" (ترمذی کتاب الجنائز باب ٥١) یعنی قیام واجب نہیں، کھڑے ہونے نہ ہونے کا اختیار ہے، اور یہ تطبیق زیادہ پسند کی گئی ہے اس لئے کہ جنازہ کو دیکھ کر گھبراہٹ ہوتی ہے، اور بے اختیار آدمی کھڑا ہوجاتا ہے، اور ناسخ و منسوخ قرار دیں گے تو جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا جائز نہیں ہوگا، پس آدمی گنہ گار ہوگا ـــــ اور شاہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دونوں عملوں کی درج ذیل حکمتیں بیان کی ہیں:

جب جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا مشروع تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ موت کو یاد کرنا جو زندگی مٹانے والی ہے اور بھائیوں کی موت سے عبرت پکڑنا امر مطلوب ہے، مگر چونکہ یہ امر مخفی تھا یعنی کس نے عبرت پکڑی اور کس نے نہیں پکڑی اس کا پتا چلانا مشکل تھا، اس لئے نبی ﷺ نے جنازہ کے لئے کھڑا ہونا متعین کیا تا کہ موت سے لوگوں کی عبرت پذیری کا اندازہ ہوجائے۔

پھر جب یہ حکم منسوخ کردیا گیا تو نسخ کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں قیام تعظیمی کا رواج تھا، شریعت میں ایسا قیام ممنوع ہے، ابوداؤد کی روایت ہے: لاتقوموا كما يقوم الأعاجم: يُعَظِّم بعضُها بعضًا: یعنی نہ کھڑے ہوؤ جس طرح عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں، وہ کھڑے ہوکر ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں اور جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا عبرت پذیری کے

لئے تھا، تعظیم کے لئے نہیں تھا مگر آنحضرت ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کو غیر محل میں استعمال نہ کرنے لگیں، یعنی ممکن ہے وہ یہ خیال کرنے لگیں کہ جب مردے کے لئے کھڑے ہونے کا حکم ہے تو زندے تو اس کے بدرجہ اولی مستحق ہیں اور اس طرح ایک ناجائز کام کا رواج چل پڑے، اس لئے فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے جنازہ کے لئے قیام ختم کر دیا گیا۔

فائدہ: بعض لوگوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کے واقعہ سے قیام تعظیمی پر استدلال کیا ہے مگر وہ استدلال صحیح نہیں، وہ استدلال اس وقت درست ہوتا جب قوموا لسید کم ہوتا، یعنی اپنے سردار کے لئے اٹھو، حالانکہ حدیث میں لام نہیں ہے بلکہ إلی ہے، قوموا إلی سید کم ہے، یعنی تمہارے سردار بیمار ہیں ان کو سہارا دے کر سواری سے اتارو (دیکھئے تحفۃ القاری ۲: ۳۱۷)

ملحوظہ: امام بخاری رحمہ اللہ نسخ کے قائل نہیں، ان کے نزدیک جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم معمول بہ ہے، چنانچہ حضرت رحمہ اللہ اسی سلسلہ کے ابواب لائے ہیں، اور اس پر دلائل قائم کئے ہیں، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کی رائے اختیار کی ہے۔

[٤٦-] بَابُ الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ

[١٣٠٧-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا حَتَّى تُخَلِّفَكُمْ" قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَامِرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، زَادَ الْحُمَيْدِيُّ: "حَتَّى تُخَلِّفَكُمْ أَوْ تُوْضَعَ" [انظر: ١٣٠٨]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ جنازہ تمہیں پیچھے کر دے" یعنی جنازہ آگے بڑھ جائے، پھر ابن عیینہ کے شاگرد حمیدی کی سند لائے ہیں، اس میں اخبار کی صراحت ہے، اور یہ اضافہ ہے: "یا جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے"

تشریح: اس حدیث میں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم ہے، اور نسخ کی کوئی دلیل نہیں، پس حکم باقی ہے۔

بَابٌ: مَتَى يَقْعُدُ إِذَا قَامَ لِلْجَنَازَةِ؟

جب جنازہ کے لئے اٹھے تو کب بیٹھے؟

کوئی شخص کسی جگہ بیٹھا ہے اور جنازہ آئے تو حکم ہے کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جاؤ، اگرچہ جنازہ کے ساتھ نہ جانا ہو، پھر جب جنازہ آگے بڑھ جائے تو بیٹھ سکتا ہے، یا کوئی طالب علم نودرہ میں بیٹھا ہے اور جنازہ آیا تو کھڑا ہو جائے، پھر جب جنازہ

زمین پر رکھ دیا جائے تو بیٹھ سکتا ہے۔

[۴۷-] بَابٌ: مَتَى يَقْعُدُ إِذَا قَامَ لِلْجَنَازَةِ؟

[۱۳۰۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ جَنَازَةً، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَاشِيًا مَعَهَا فَلْيَقُمْ حَتَّى يُخَلِّفَهَا أَوْ تُخَلِّفَهُ، أَوْ تُوْضَعَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُخَلِّفَهُ"[راجع: ۱۳۰۷]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی جنازہ دیکھے اور اس کو جنازہ کے ساتھ نہیں جانا تو بھی کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ وہ جنازہ کو پیچھے کر دے یا جنازہ اس کو پیچھے کر دے یعنی جنازہ آگے بڑھ جائے یا جنازہ اتار دیا جائے اس سے پہلے کہ وہ اس کو پیچھے کرے"

[۱۳۱۰-] حدثنا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا، فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدْ حَتَّى تُوْضَعَ" [راجع: ۱۳۰۹]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، پس جو شخص اس کے ساتھ جائے وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ جنازہ اتار دیا جائے"

تشریح: مصری نسخہ میں یہ حدیث آئندہ باب میں ہے، اس حدیث میں وہ مسئلہ بھی ہے جو اگلے باب میں آ رہا ہے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک جنازہ نیچے نہ رکھ دیا جائے، کیونکہ کبھی جنازہ اتارنے میں مدد کی ضرورت پیش آتی ہے پس اگر لوگ بیٹھ جائیں گے تو ان کے کھڑے ہونے تک جنازہ گر پڑے گا۔

بَابُ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً فَلَا يَقْعُدْ حَتَّى تُوْضَعَ عَنْ مَنَاكِبِ الرِّجَالِ، فَإِنْ قَعَدَ أُمِرَ بِالْقِيَامِ

جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے وہ جب تک جنازہ مردوں کے کندھوں سے اتار نہ دیا جائے: نہ بیٹھے، اور اگر بیٹھ جائے تو اس کو کھڑا ہونے کا حکم دیا جائے

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ جائیں وہ جب جنازہ نماز پڑھنے کی جگہ یا قبرستان پہنچ جائے تو جب تک جنازہ زمین پر نہ رکھ دیا جائے لوگ نہ بیٹھیں، کیونکہ جنازہ اگرچہ چار آدمی اٹھاتے ہیں مگر اتارتے وقت اور آدمیوں کی ضرورت پیش آتی ہے، پس اگر لوگ بیٹھ جائیں گے تو ان کے کھڑے ہونے تک جنازہ گر پڑے گا، پھر جب جنازہ زمین

پر رکھ دیا جائے تو اب بیٹھنے اور کھڑے رہنے میں اختیار ہے۔

البتہ اگر لوگ جنازے میں زیادہ ہوں تو جو لوگ جنازہ کے پاس ہیں وہ نہ بیٹھیں، باقی لوگ بیٹھ سکتے ہیں، اسی طرح جو لوگ جنازہ سے پہلے قبرستان پہنچ جائیں وہ بھی بیٹھ سکتے ہیں۔

فائدہ: مناکب الرجال: کی قید اس لئے لگائی کہ عورتیں نہ جنازہ کے ساتھ جاتی ہیں اور نہ جنازہ کو کندھا دیتی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں آگے مستقل باب آرہا ہے۔

[۴۸-] بَابُ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً فَلَا يَقْعُدْ حَتّٰى تُوضَعَ عَنْ مَنَاكِبِ الرِّجَالِ، فَإِنْ قَعَدَ أُمِرَ بِالْقِيَامِ

[۱۳۰۹-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كُنَّا فِي جَنَازَةٍ، فَأَخَذَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ بِيَدِ مَرْوَانَ فَجَلَسَا قَبْلَ أَنْ تُوضَعَ، فَجَاءَ أَبُوْ سَعِيْدٍ، قَالَ: فَأَخَذَ بِيَدِ مَرْوَانَ، فَقَالَ: قُمْ، فَوَ اللّٰهِ لَقَدْ عَلِمَ هٰذَا أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ: صَدَقَ. [انظر: ۱۳۱۰]

ترجمہ: سعید مقبریؒ کے والد ابو سعید کیسان کہتے ہیں: ہم ایک جنازہ میں تھے (لوگوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور مدینہ کا گورنر مروان بھی تھا) پس حضرت ابو ہریرہؓ نے مروان کا ہاتھ پکڑا اور جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے ہی دونوں بیٹھ گئے، پس حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آئے، راوی کہتا ہے: پس انھوں نے مروان کا ہاتھ پکڑا اور کہا: کھڑے ہوجائیے! بخدا! یہ (ابو ہریرہؓ) اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے (یعنی جنازہ اتارے جانے سے پہلے بیٹھنے سے) منع کیا ہے، پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: انھوں نے سچ کہا۔

سوال: جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث جانتے تھے تو پھر وہ کیوں بیٹھے، اور نہ صرف بیٹھے بلکہ مروان کو بھی ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا، ایسا کیوں کیا؟

جواب: حاشیہ میں اس کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حکم کو واجب نہیں سمجھتے تھے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جس جنازے میں گورنر شریک ہو اس میں پانچ پچیس آدمی نہیں ہوتے، لوگوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے، پس جنازہ کو اتارنے میں جتنے لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہے وہ کھڑے رہیں گے، باقی بیٹھ سکتے ہیں، پس حدیث میں جو ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے جب لوگ تھوڑے ہوں۔

بَابُ مَنْ قَامَ لِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ

جو شخص یہودی کے جنازہ کے لئے کھڑا ہو

دور سے ایک ہی سلسلہ کے ابواب چل رہے ہیں کہ جنازہ دیکھ کر کھڑا ہو جانا چاہئے، اب فرماتے ہیں: غیر مسلم کا جنازہ

ہوتب بھی کھڑا ہوجانا چاہئے، کیونکہ وہ بھی ایک نفس ہے، اور کسی کا بھی جنازہ ہو اس کو دیکھ کر ایک دہشت طاری ہوتی ہے اور آدمی کھڑے ہونے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

[۴۹-] بَابُ مَنْ قَامَ لِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ

[۱۳۱۱-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: مَرَّبِنَا جَنَازَةٌ، فَقَامَ لَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقُمْنَا فَقُلْنَا: يَارسولَ اللّٰهِ! إِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ، قَالَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا"

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے پاس سے ایک جنازہ گذرا پس نبی ﷺ اس جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہوئے، اور ہم بھی کھڑے ہوئے، پس ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ یہودی کا جنازہ ہے، آپؐ نے (ہماری بات کو نظر انداز کیا اور) فرمایا: "جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دورِ اول میں جنازہ کے لئے جو کھڑے ہونے کا حکم تھا وہ جنازہ کی تعظیم کے لئے نہیں تھا، کیونکہ یہودی کے جنازہ کی تعظیم کا کوئی مطلب نہیں، بلکہ وہ کھڑا ہونا اور مقصد سے تھا جو ہم نے ابھی بیان کیا۔

[۱۳۱۲-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ أَبِيْ لَيْلَى، قَالَ: كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ، وَقَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِسِيَّةِ، فَمَرُّوْا عَلَيْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا، فَقِيْلَ لَهُمَا: إِنَّهَا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، أَيْ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ، فَقَالَا: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم مَرَّتْ بِهِ جَنَازَةٌ فَقَامَ: فَقِيْلَ لَهُ: إِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ، فَقَالَ: "أَلَيْسَتْ نَفْسًا؟"

[۱۳۱۳-] وَقَالَ أَبُوْ حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلَى، قَالَ: كُنْتُ مَعَ سَهْلٍ وَقَيْسٍ فَقَالَا: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. وَقَالَ زَكَرِيَّاءُ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلَى: كَانَ أَبُوْ مَسْعُوْدٍ وَقَيْسٌ يَقُوْمَانِ لِلْجَنَازَةِ.

ترجمہ: ابن ابی لیلیٰ کبیر کہتے ہیں: سہل بن حنیف اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما قادسیہ (جگہ کا نام) میں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس سے ایک جنازہ گذرا، دونوں کھڑے ہوگئے، ان سے کہا گیا: یہ ذمی کا جنازہ ہے، پس دونوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گذرا، پس آپؐ کھڑے ہوئے، آپؐ سے عرض کیا گیا: یہ یہودی کا جنازہ ہے، آپؐ نے فرمایا: "کیا یہودی انسان نہیں!" (معلوم ہوا: جنازہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا اسے دیکھ کر کھڑا ہوجانا چاہئے)

اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے معلق حدیث ذکر کی ہے، اس میں صراحت ہے کہ جب مذکورہ واقعہ پیش آیا تو ابن ابی

لیلیٰ: حضرت سہلؓ اور حضرت قیسؓ کے پاس تھے، یعنی سماع کی صراحت کے لئے یہ تعلیق لائے ہیں، پھر بواسطہ زکریا: ابن ابی لیلیٰ ہی کے حوالہ سے حضرت ابو مسعودؓ اور حضرت قیسؓ کا عمل ذکر کیا ہے کہ وہ دونوں حضرات جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوتے تھے، پس ابن ابی لیلیٰ تین صحابہ سے یہ عمل روایت کرتے ہیں۔

بَابُ حَمْلِ الرِّجَالِ الْجَنَازَةَ دُوْنَ النِّسَاءِ

جنازہ مرد اٹھائیں، عورتیں نہیں

مرد جنازہ اٹھا کر قبرستان لے جائیں گے، عورتیں نہیں، کیونکہ عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا جائز نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک جنازہ میں تشریف لے جارہے تھے، آپؐ نے چند عورتوں کو ایک جگہ بیٹھا ہوا دیکھا، پوچھا: یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم جنازہ کا انتظار کررہی ہیں، آپؐ نے پوچھا: تم نے جنازہ کو نہلایا؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپؐ نے پوچھا: تم جنازہ کو کندھا دوگی؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپؐ نے پوچھا: تم جنازہ کو قبر میں اتاروگی؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، آپؐ نے فرمایا: پس واپس جاؤ گناہوں کا بوجھ لے کر، ثواب سے خالی ہاتھ (ابن ماجہ حدیث ۱۵۷۸) اس سوال وجواب سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا جنازہ میں کوئی کام نہیں، پس ان کی شرکت بے فائدہ ہے، اس لئے عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا ممنوع ہے۔

[۵۰-] بَابُ حَمْلِ الرِّجَالِ الْجَنَازَةَ دُوْنَ النِّسَاءِ

[۱۳۱۴-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ، وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ: قَدِّمُوْنِيْ، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ: يَاوَيْلَهَا! أَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْئٍ إِلاَّ الإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهُ لَصَعِقَ" [انظر: ۱۳۱۶، ۱۳۸۰]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب جنازہ (چارپائی پر) رکھ دیا جاتا ہے اور مرد اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں (یہ جزء ترجمۃ الباب سے متعلق ہے) تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے: مجھے آگے بڑھاؤ یعنی جلدی لے چلو، اور اگر نیک نہیں ہوتا تو کہتا ہے: کم بختی ہو جنازہ کے لئے! اس کو کہاں لے جارہے ہو! جنازہ کی آواز انسان کے علاوہ ہر مخلوق سنتی ہے اور اگر اس کو انسان سن لے تو بیہوش ہوجائے۔

تشریح:

۱- اس حدیث میں میت کی جس گفتگو کا تذکرہ ہے: وہ حقیقت ہے مجاز نہیں، کچھ ارواح جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی

ان معاملات کومحسوس کرتی ہیں جوان کے اجسام کے ساتھ کیا جاتا ہے، مگر وہ روحانی گفتگو ہے، معروف کانوں سے نہیں سنی جاسکتی، صرف وجدان ہی سے اس کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اور دلیل حدیث کا یہ جملہ ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات وہ گفتگو سنتی ہیں، معلوم ہوا کہ حدیث میں بیان واقعہ ہے، تمثیل اور پیرایۂ بیان نہیں ہے (رحمۃ اللہ ۳: ۶۷۲)

۲- جب مرد جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں: اس جملہ سے استدلال کیا ہے کہ جنازہ مرد اٹھا کر قبرستان لے جائیں گے، عورتیں نہیں، یہ ایسا ہی استدلال ہے جیسا سورۂ نور کی آیات ۳۵-۳۷ میں کیا گیا ہے، ان آیات میں اللہ عزوجل نے آسمان وزمین میں جو نور ہدایت ہے اس کی ایک مثال بیان کی ہے، پھر فرمایا ہے کہ وہ نور ہدایت مسجدوں میں پیدا ہوتا ہے، کیونکہ وہاں ایسے مرد عبادت کرتے ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت ﴿رِجَالٌ لاَ تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ﴾ اس میں لفظ رجالٌ سے معلوم ہوا کہ عورتیں مسجد میں نہیں جائیں گی۔

بَابُ السُّرْعَةِ بِالْجَنَازَةِ

جنازہ جلدی لے چلنا

جنازہ لے کر تیز چلنا چاہئے، خراماں خراماں نہیں چلنا چاہئے، دوڑنا بھی نہیں چاہئے اس سے جنازہ کی بے توقیری ہوگی۔ اور جنازہ تیز لے کر چلنے میں حکمت یہ ہے کہ اگر جنازہ نیک آدمی کا ہے تو جلدی اس کو خیر سے ہمکنار کردیا جائے گا، اور اگر بد ہے تو جلدی بدی سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔

لوگ جنازہ کے آگے چلیں یا پیچھے؟

اس کے بعد ایک ضمنی مسئلہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ کو نہیں چھیڑیں گے، ترمذی میں وہ مسئلہ ہے، جو لوگ جنازہ کے ساتھ جائیں ان کو جنازہ کے آگے چلنا چاہئے یا پیچھے؟ جاننا چاہئے کہ جنازہ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف چلنا جائز ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پیچھے چلنا افضل ہے، اور اس اختلاف کی بنیاد نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، جو لوگ جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں وہ کس غرض سے جاتے ہیں؟ احناف کے نزدیک وہ رخصت کرنے کے لئے جاتے ہیں، اور رخصت کرنے والا مہمان کے پیچھے چلتا ہے اس لئے جنازہ کے پیچھے چلنا اولیٰ ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سفارش کرنے کے لئے جاتے ہیں اور سفارش کرنے والا آگے چلتا ہے اس لئے ان کے نزدیک آگے چلنا اولیٰ ہے۔

اثر: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم لوگ رخصت کرنے والے ہو، پس جنازہ کے آگے پیچھے دائیں اور بائیں چلو، اس اثر سے احناف کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ نے جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو رخصت کرنے والا قرار دیا ہے ـــــ اور کسی اور کا قول ہے کہ جنازہ کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چلنے کی گنجائش ہے مگر جنازہ کے

قریب چلنا چاہئے، تاکہ لوگ جنازہ کو کندھا دیں، اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔

مناسبت: اگر سب لوگ ایک ساتھ چلیں گے تو جنازہ لے کر تیز نہیں چلا جاسکے گا، اور دائیں بائیں آگے پیچھے پھیل جائیں گے تو جنازہ تیز رفتاری کے ساتھ لے چلیں گے، اسی مناسبت سے یہ اثر لائے ہیں۔

[۵۱-] بَابُ السُّرْعَةِ بِالْجَنَازَةِ

وَقَالَ أَنَسٌ: أَنْتُمْ مُشَيِّعُوْنَ، فَامْشِ بَيْنَ يَدَيْهَا وَخَلْفَهَا وَعَنْ يَمِيْنِهَا وَعَنْ شِمَالِهَا.

وَقَالَ غَيْرُهُ: قَرِيْبًا مِنْهَا.

[۱۳۱۵-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "أَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ، فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا [إِلَيْهِ] وَإِنْ تَكُ سِوَى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جنازہ لے کر تیز چلو، اس لئے کہ اگر جنازہ نیک آدمی کا ہے تو تم جنازہ کو خیر کی طرف آگے بڑھاؤ گے، اور اگر جنازہ اس کے علاوہ کا ہے یعنی برے آدمی کا ہے تو تم اس بدی کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے"

بَابُ قَوْلِ الْمَيِّتِ وَهُوَ عَلَى الْجَنَازَةِ: قَدِّمُوْنِيْ

چارپائی سے میت کا کہنا: مجھے آگے بڑھاؤ!

یہ ضمنی باب ہے، جب میت کہتی ہے: مجھے تیز لے کر چلو، تو اس کی بات ماننی چاہئے اور جنازہ کو تیز لے کر چلنا چاہئے، اور الجنازۃ (بفتح الجیم و کسرھا) کے معنی ہیں: مردہ اور مردے کی چارپائی، بعض لوگ فرق کرتے ہیں، بفتح الجیم مردے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور بکسر الجیم مردے کی چارپائی کے لئے، مگر اہل لغت فرق نہیں کرتے، نہ عرف میں کچھ فرق کیا جاتا ہے۔

[۵۲-] بَابُ قَوْلِ الْمَيِّتِ وَهُوَ عَلَى الْجَنَازَةِ: قَدِّمُوْنِيْ

[۱۳۱۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ، وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ: قَدِّمُوْنِيْ، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِأَهْلِهَا: يَا وَيْلَهَا! أَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْئٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَ الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ" [راجع: ۱۳۱۴]

قولہ: یاویلھا! أین تذھبون بھا؟ میت تو یاویلی اور أین تذھبون ہی کہے گی، مگر یہ بولنے کا ادب ہے، نامناسب

بات حکایت کے طور پر بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرنی چاہئے، اس لئے ضمیریں بدل دی ہیں۔

بَابُ مَنْ صَفَّ صَفَّيْنِ أَوْ ثَلاَثَةً عَلَى الْجَنَازَةِ خَلْفَ الإِمَامِ

جس نے باجماعت جنازہ پڑھنے کے لئے دو یا تین صفیں بنائیں

بعض احادیث میں نماز جنازہ میں تین صفیں بنانے کا ذکر ہے، اور صحابہ کا بھی یہی معمول تھا، اور فقہ میں بھی اس کو مستحب لکھا ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے: مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ جب کسی کی نماز جنازہ پڑھاتے تھے اور لوگ کم ہوتے تھے تو لوگوں کو تین صفوں میں بانٹتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس میت کی نماز جنازہ تین صفیں پڑھیں اس کے لئے جنت واجب (ثابت) ہوجاتی ہے (ترمذی حدیث ۱۰۱۲)

حضرت رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تین صفیں بنانا ضروری نہیں، دو صفیں بنائیں یا تین سب درست ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے نجاشیؒ کی نماز جنازہ پڑھائی، میں دوسری یا تیسری صف میں تھا، یہاں شک ہے مگر مسلم شریف (حدیث ۲۲۰۹) میں حدیث کے الفاظ ہیں: فصففنا صفين: معلوم ہوا کہ دو ہی صفیں تھیں اور حضرت جابرؓ دوسری صف میں تھے، پس ثابت ہوا کہ تین صفیں ضروری نہیں۔

فائدہ: نماز جنازہ درحقیقت میت کے لئے سفارش ہے اور شفاعتیں دو ہیں: قولی اور فعلی: قولی شفاعت یہ ہے کہ آدمی زبان سے میت کے لئے مغفرت کی دعا کرے، اور بڑی جماعت کا نماز جنازہ پڑھنا فعلی شفاعت ہے، اور بڑی جماعت سے مصلی الجنائز کی تین صفیں مراد ہیں جن میں تقریباً سو آدمی آتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان کا انتقال ہوجائے اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں کی بڑی جماعت پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اس کے لئے سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتے ہیں'' (مسلم حدیث ۲۱۹۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی جماعت سے مراد سو آدمی ہیں مگر حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ لوگوں کی کمی کی صورت میں حیلہ کرتے تھے اور لوگوں کو تین صفوں میں کھڑا کرتے تھے، کیونکہ رحمت حق بہانہ می جوید بہانمی جوید! حضرت مالک بن ہبیرہؓ جو حیلہ کرتے تھے وہ حدیث کی تاویل بعید ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ نصوص کی تاویل بعید غیر معتبر ہے، البتہ اگر تاویل بعید کسی فقیہ صحابی سے مروی ہو تو وہ معتبر ہے، مالک بن ہبیرہؓ صحابی ہیں پس یہ تاویل معتبر ہے۔

اور حضرت مالک بن ہبیرہؓ کی حدیث کی وجہ سے بعض علماء کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں صفیں طاق ہونی چاہئیں، اور وہ اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ تین صفوں کے بعد طاق اور جفت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ الگ بات ہے کہ اگر آدمی زیادہ ہوں تو تین یا پانچ یا سات صفیں بنانا بہتر ہے، کیونکہ حدیث ہے: إن الله وتر يحب الوتر، یہ ایک عام ادب ہے،

جنازہ کی صفوف میں بھی اس کالحاظ رہنا چاہئے مگر اس کا واجب کی طرح اہتمام درست نہیں۔ اور ثلاثۃ کا یہ مطلب سمجھنا کہ صفیں طاق ہوں یہ صحیح نہیں، صفوں کی جو بھی تعداد ہو نماز درست ہے۔

[٥٣-] بَابُ مَنْ صَفَّ صَفَّيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً عَلَى الْجَنَازَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ

[١٣١٧-] حدثنا مُسَدَّدٌ، عَنْ أَبِي عَوَانَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى عَلَى النَّجَاشِيِّ، فَكُنْتُ فِي الصَّفِّ الثَّانِيْ أَوِ الثَّالِثِ.

[انظر: ١٣٢٠، ١٣٣٤، ٣٨٧٧، ٣٨٧٨، ٣٨٧٩]

بَابُ الصُّفُوْفِ عَلَى الْجَنَازَةِ

نماز جنازہ کی صفوں کا بیان

کوئی یہ خیال کرسکتا تھا کہ نماز جنازہ برائے نام نماز ہے، پس صف بندی کی کوئی خاص ضرورت نہیں، منتشر طور پر نماز پڑھ لی جائے تو بھی کافی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کر کے بتایا کہ جس طرح فرائض میں امام کے پیچھے صف بندی ضروری ہے نماز جنازہ میں بھی ضروری ہے، منتشر طور پر اور امام کے آگے نماز پڑھنا جائز نہیں، اسی مقصد سے گذشتہ باب میں خلف الإمام کی قید لگائی تھی۔

[٥٤-] بَابُ الصُّفُوْفِ عَلَى الْجَنَازَةِ

[١٣١٨-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَعَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَى أَصْحَابِهِ النَّجَاشِيَّ، ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَفُّوْا خَلْفَهُ، فَكَبَّرَ أَرْبَعًا. [راجع: ١٢٤٥]

[١٣١٩-] حدثنا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ شَهِدَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم: أَتَى عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوْذٍ فَصَفَّهُمْ، وَكَبَّرَ أَرْبَعًا، قُلْتُ: مَنْ حَدَّثَكَ؟ قَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ. [راجع: ٨٥٧]

[١٣٢٠-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "قَدْ تُوُفِّيَ الْيَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنَ الْحَبَشِ، فَهَلُمُّوْا فَصَلُّوْا عَلَيْهِ" قَالَ: فَصَفَفْنَا فَصَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ صُفُوْفٌ، وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ: كُنْتُ فِي الصَّفِّ الثَّانِيْ. [راجع: ١٣١٧]

وضاحت: تینوں حدیثیں پہلے گذری ہیں، شرح کتاب الصلوٰۃ (باب ۱۶۱ تحفۃ القاری ۳:۱۸۳) میں پڑھیں، اور اس حدیث میں یادرکھنے کی خاص بات یہ ہے کہ کبھی راوی کو مروی عنہ کا نام یاد ہوتا ہے مگر وہ کسی مصلحت سے نام نہیں لیتا، عامر شعبیؒ کو مروی عنہ کا نام یاد تھا، مگر نہیں لیا، پھر جب پوچھا گیا تو نام لیا۔

بَابُ صُفُوْفِ الصِّبْيَانِ مَعَ الرِّجَالِ عَلَى الْجَنَائِزِ

جنازے کی نماز میں مردوں کے ساتھ بچوں کی صفیں

فرائض میں صف بندی کا جو طریقہ ہے کہ پہلے مردوں کی صفیں ہوں، پھر بچوں کی، پھر خنثیٰ کی پھر عورتوں کی، اسی طریقہ سے نماز جنازہ میں بھی صفیں ہوں گی۔

[۵۵-] بَابُ صُفُوْفِ الصِّبْيَانِ مَعَ الرِّجَالِ عَلَى الْجَنَائِزِ

[۱۳۲۱-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَامِرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَرَّ بِقَبْرٍ قَدْ دُفِنَ لَيْلاً، فَقَالَ: "مَتَى دُفِنَ هٰذَا؟" فَقَالُوْا: الْبَارِحَةَ، قَالَ: "أَفَلاَ آذَنْتُمُوْنِيْ؟" قَالُوْا: دَفَنَّاهُ فِيْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ، فَكَرِهْنَا أَنْ نُوْقِظَكَ، فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَأَنَا فِيْهِمْ فَصَلَّى عَلَيْهِ. [راجع: ۸۵۷]

وضاحتیں:

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہما عہد رسالت میں بالغ نہیں ہوئے تھے، اور وہ بھی نماز جنازہ میں شریک تھے اور مردوں کی صف میں کھڑے تھے، معلوم ہوا کہ بچہ تنہا ہو تو اس کی الگ صف نہیں بنے گی بلکہ وہ مردوں کے ساتھ صف کے کنارے پر کھڑا ہوگا۔

قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

۲- قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے خواہ میت جنازہ پڑھ کر دفن کی گئی ہو یا جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہو، پھر امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک قبر پر ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد نہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی قید نہیں، ہمیشہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک: اگر میت کو جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا ہے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں اور اگر میت جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہے تو جب تک خیال ہو کہ میت پھولی پھٹی نہیں ہوگی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتے

ہیں اور جب یہ خیال ہو کہ مردہ پھٹ گیا ہوگا تو نماز نہیں پڑھ سکتے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں دو حدیثیں ہیں، ایک تو مذکورہ حدیث ہے اور دوسری حدیث یہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ تبوک میں تشریف لے گئے تو پیچھے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا، ایک ماہ کے بعد جب آپؐ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی، چھوٹے دو اماموں نے ان حدیثوں کی بنیاد پر قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ پھر امام احمدؒ فرماتے ہیں: چونکہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کی قبر پر ایک مہینہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی ہے اس لئے ایک مہینہ تک قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ کا ایک ماہ کے بعد نماز پڑھنا محض اتفاق تھا، اگر آپؐ دو ماہ کے بعد لوٹتے تو بھی نماز جنازہ پڑھتے، جیسے آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر مکہ معظمہ میں انیس دن قیام فرمایا اور نمازیں قصر پڑھیں مگر انیس دن کو مدت اقامت قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ اگر آپ بیسویں دن ٹھہرتے تو بھی نماز قصر پڑھتے، اسی طرح یہاں بھی اگر آپؐ ڈیڑھ دو ماہ کے بعد بھی لوٹتے تو بھی نماز جنازہ پڑھتے، اس لئے مدت کی تحدید صحیح نہیں۔

اور بڑے دو امام اس کو حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں، چنانچہ آپؐ نے خود اس کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ قبریں مردوں پر تاریکی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں، میرے ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ان کو روشن کرتے ہیں (مشکوٰۃ حدیث ۱۶۵۹) ظاہر ہے یہ بات امت کو حاصل نہیں، امت میں ایسا کون ہے جس کی نماز سے قبریں روشن ہوں؟

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی نے جنازہ نہ پڑھا ہو اور نہ اس نے نماز کی اجازت دی ہو تو اگرچہ میت جنازہ پڑھ کر دفن کی گئی ہو: ولی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اور امت کے ولی حضور اقدس ﷺ ہیں، پس آپؐ کا قبر پر نماز پڑھنا ولی ہونے کی حیثیت سے تھا، اور ولی کے ساتھ دوسرے لوگ بھی نماز جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں۔

بَابُ سُنَّةِ الصَّلاَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ

نماز جنازہ گو ناقص نماز ہے مگر نماز ہے، پس نماز والی تمام قیودات و شرائط اس میں ملحوظ رہیں گی، اور ابواب سجود القرآن (تحفۃ القاری ۳: ۳۹۷) میں بتلایا تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کے لئے وضو ضروری نہیں، مگر نماز جنازہ کے لئے وضوء ضروری ہے، کیونکہ سجدۂ تلاوت پر نماز کا اطلاق نہیں ہوتا، نہ شرعاً نہ عرفاً، اور نماز جنازہ پر اطلاق ہوتا ہے، شرعاً بھی اور عرفاً بھی۔ حضرت رحمہ اللہ باب میں متعدد احادیث و آثار لائے ہیں جن سے جنازہ کا نماز ہونا یا نماز کے حکم میں ہونا ثابت ہوتا ہے پس نماز جنازہ میں نماز کی تمام شرائط و قیود ملحوظ رہیں گی۔

[۵۶-] بَابُ سُنَّةِ الصَّلاَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ

[۱-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ" وَقَالَ: "صَلُّوْا عَلَى صَاحِبِكُمْ" وَقَالَ: "صَلُّوْا عَلَى النَّجَاشِيِّ": سَمَّاهَا صَلاَةً، لَيْسَ فِيْهَا رُكُوْعٌ وَلاَ سُجُوْدٌ، وَلاَ يُتَكَلَّمُ فِيْهَا، وَفِيْهَا تَكْبِيْرٌ وَتَسْلِيْمٌ.

[۲-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لاَ يُصَلِّيْ إِلاَّ طَاهِرًا، وَلاَ يُصَلِّيْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلاَ عِنْدَ غُرُوْبِهَا. وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ.

[۳-] وَقَالَ الْحَسَنُ: أَدْرَكْتُ النَّاسَ، وَأَحَقُّهُمْ عَلَى جَنَائِزِهِمْ مَنْ رَضُوْهُ لِفَرَائِضِهِمْ، وَإِذَا أَحْدَثَ يَوْمَ الْعِيْدِ أَوْ عِنْدَ الْجَنَازَةِ يَطْلُبُ الْمَاءَ وَلاَ يَتَيَمَّمُ، وَإِذَا انْتَهَى إِلَى الْجَنَازَةِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ يَدْخُلُ مَعَهُمْ بِتَكْبِيْرَةٍ.

[۴-] وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: يُكَبِّرُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالسَّفَرِ وَالْحَضَرِ أَرْبَعًا.

[۵-] وَقَالَ أَنَسٌ: التَّكْبِيْرَةُ الْوَاحِدَةُ اسْتِفْتَاحُ الصَّلاَةِ.

[۶-] وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَلاَ تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ [التوبة: ۸۴]

[۷-] وَفِيْهِ صُفُوْفٌ وَإِمَامٌ.

[۱۳۲۲-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ مَنْ مَرَّ مَعَ نَبِيِّكُمْ صلى الله عليه وسلم عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوْذٍ، فَأَمَّنَا، فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، فَقُلْنَا: يَا أَبَا عَمْرٍو! وَمَنْ حَدَّثَكَ؟ قَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ. [راجع: ۸۵۷]

احادیث وآثار:

۱- امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے تین حدیثیں ذکر کی ہیں:

(الف) نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جنازہ کی نماز پڑھی اسے ایک قیراط ملے گا، اور جو تدفین تک ساتھ رہا اسے دو قیراط ملیں گے'' (یہ حدیث دوسرے باب میں آرہی ہے)

(ب) نبی پاک ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا، آپؐ نے پوچھا: میت پر قرضہ ہے؟ عرض کیا گیا: ہے، یارسول اللہ! آپؐ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور صحابہ سے فرمایا: ''اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لو'' (یہ حدیث کتاب الحوالہ کے شروع میں آئے گی)

(ج) جب نجاشی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو آنحضور ﷺ نے صحابہ کو اس کی خبر دی اور فرمایا: ''نجاشیؒ کی نماز پڑھو''

استدلال: ان احادیث میں نبی ﷺ نے نماز جنازہ پر ''صلاۃ'' کا اطلاق کیا ہے، پس اس کے لئے وضو ضروری ہے،

مگر نماز جنازہ کامل نماز نہیں، اس میں رکوع وسجود نہیں، البتہ نماز جنازہ میں باتیں کرنا ممنوع ہے۔ اور اس میں نماز کے ارکان میں سے شروع میں تکبیر تحریمہ ہے اور آخر میں سلام ہے، پس نماز کی دیگر شرطیں وضوء وغیرہ اس میں ملحوظ رہیں گی۔ اور بے طہارت نماز جنازہ جائز نہ ہوگی۔

۲- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سجدۂ تلاوت تو بے وضو کرتے تھے مگر نماز جنازہ بے وضو نہیں پڑھتے تھے، نیز طلوع وغروب اور استواء کے وقت بھی جنازہ نہیں پڑھتے تھے، اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، معلوم ہوا کہ نماز جنازہ پر نماز کے احکام جاری ہوتے ہیں، پس وہ بھی نماز ہے، گو ناقص سہی!

فائدہ: چھوٹے دو اماموں کے نزدیک جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین سنت ہے، اور بڑے دو اماموں کے نزدیک صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین ہے، باقی تکبیروں میں رفع یدین نہیں ہے، یعنی نماز میں رفع یدین کے بارے میں جو اختلاف ہے وہی اختلاف یہاں بھی ہے، حضرت ابن عمرؓ نماز میں رفع یدین کرتے تھے، اس لئے جنازہ میں بھی ہر تکبیر کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

۳- حضرت حسن بصریؒ نے تین مسئلے بیان کئے ہیں، جو دلیل ہیں کہ آپؒ نے جنازہ پر نماز کے احکام جاری کئے ہیں:

پہلا مسئلہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے لوگوں کو پایا ہے یعنی اسلاف کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے جنازے پڑھانے کا زیادہ حق دار اس کو سمجھتے تھے جس کو فرض نماز کی امامت کے لئے پسند کرتے تھے۔

دوسرا مسئلہ: عید کی نماز یا جنازہ کی نماز تیار ہو، اور کسی کا وضوء ٹوٹ جائے تو وہ تیمم کر کے عید اور جنازہ نہیں پڑھ سکتا، وضوء ضروری ہے، معلوم ہوا کہ عید اور جنازہ کے احکام یکساں ہیں، اور عید کے لئے بالاتفاق وضو ضروری ہے، پس نماز جنازہ کے لئے بھی وضو ضروری ہے۔

ملحوظہ: احناف کے نزدیک اگر نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے جنازہ پڑھ سکتا ہے، اسی طرح اگر عید کی نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور شہر میں دوسری جگہ عید نہ ہوتی ہو یا وہ آخری نماز ہو تو بھی تیمم کر کے شریک ہو سکتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: کوئی شخص نماز جنازہ شروع ہونے کے بعد آئے تو وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شامل ہو جائے، اگلی تکبیر کا انتظار نہ کرے، نماز کا بھی یہی حکم ہے، مسبوق تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شریک ہو جاتا ہے، کسی رکن کا انتظار نہیں کرتا، معلوم ہوا کہ فرائض اور جنازہ کے احکام ایک ہیں۔

مسئلہ: کوئی شخص نماز جنازہ کی ایک یا دو تکبیریں ہو جانے کے بعد آئے تو وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شامل ہو جائے، اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دے، ان میں کچھ نہ پڑھے۔

۴- سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں: جنازہ میں چار تکبیریں ہیں: رات میں بھی، دن میں بھی، سفر میں بھی اور حضر میں بھی (یہ چار تکبیریں چار رکعتوں کے قائم مقام ہیں اور ان میں قصر نہیں، سفر میں بھی چار ہی تکبیریں کہے گا اور رات میں اگرچہ نفل

دودو افضل ہیں مگر جنازہ میں رات میں بھی ایک ہی سلام سے چار تکبیریں کہے گا)

۵-حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پہلی تکبیر تکبیر تحریمہ ہے یعنی جس طرح تکبیر تحریمہ کے بغیر نماز میں داخل نہیں ہوسکتے، اسی طرح نماز جنازہ میں بھی داخل نہیں ہوسکتے، معلوم ہوا کہ جنازہ بھی نماز ہے۔

۶-سورۂ توبہ آیت ۸۴ میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپؐ منافقین میں سے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھیں'' اس آیت میں بھی جنازہ پر صلوٰۃ کا اطلاق کیا ہے۔

۷-جس طرح فرض باجماعت نماز میں امام بھی ہوتا ہے، صفیں بھی ہوتی ہیں اسی طرح جنازہ کی نماز میں امام بھی ہوگا اور صفیں بھی ہونگی۔

اس کے بعد وہی حدیث ہے جو بار بار آرہی ہے: نبی ﷺ نے ایک علاحدہ قبر دیکھی، آپؐ نے اس پر باجماعت نماز پڑھی اور صحابہ نے آپؐ کے پیچھے صفیں بنائیں۔

خلاصہ کلام: ان تمام نصوص وآثار سے بس یہ استدلال کرنا ہے کہ جنازہ پر صلوٰۃ کا اطلاق آیا ہے قرآن وحدیث میں بھی اور صحابہ وتابعین کے اقوال میں بھی، اور عرف میں بھی جنازہ پر صلوٰۃ کا اطلاق کیا جاتا ہے، پس جنازہ پر نماز کے احکام جاری ہونگے، سجدۂ تلاوت کے احکام جاری نہیں ہونگے، مگر ائمہ اربعہ سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ میں فرق نہیں کرتے وہ دونوں کے لئے وضو کو شرط قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت پر اگرچہ صلوٰۃ کا اطلاق نہیں آیا مگر سجدہ نماز کا رکن ہے، اس لئے وہ بھی نماز کے حکم میں ہے، تفصیل تحفۃ القاری (۳۹۷:۲) میں ہے۔

بَابُ فَضْلِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ

جنازہ کے ساتھ جانے کی اہمیت

جب جنازہ پڑھ لیا تو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو چھ یا سات حقوق ہیں (جو کتاب الجنائز کے شروع میں گذرے ہیں) وہ حق ادا ہوگیا، اب اگر کوئی لوٹنا چاہے تو لوٹ سکتا ہے، البتہ اس صورت میں ثواب ایک ہی قیراط ملے گا، اور تدفین تک ساتھ رہے گا تو دو قیراط ملیں گے۔

دور اول میں طریقہ یہ تھا کہ جنازہ قبرستان لے جاکر قبر کھودتے تھے، اور میت کو دفن کرتے تھے، پس اگر لوگ نماز پڑھ کر لوٹ جائیں گے تو اولیاء ہی کو قبر کھودنی پڑے گی، اس لئے دفن سے فارغ ہونے تک جنازہ کے ساتھ رہنے کی ترغیب دی گئی تاکہ ہر شخص قبر تیار کرنے میں حصہ لے اور اولیاء کا کام آسان ہو، اسی مقصد سے ثواب کے دو قیراط دو مرحلوں میں تقسیم کئے گئے۔ پس جو لوگ مٹی دے کر لوٹ جاتے ہیں وہ شریعت کے منشاء کی تکمیل نہیں کرتے۔

[۵۷-] بَابُ فَضْلِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ

[۱-] وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: إِذَا صَلَّيْتَ فَقَدْ قَضَيْتَ الَّذِي عَلَيْكَ.

[۲-] وَقَالَ حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ: مَا عَلِمْنَا عَلَى الْجَنَازَةِ إِذْنًا، وَلَكِنْ مَنْ صَلَّى ثُمَّ رَجَعَ فَلَهُ قِيرَاطٌ.

[۱۳۲۳-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا يَقُوْلُ: حُدِّثَ ابْنُ عُمَرَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً فَلَهُ قِيرَاطٌ، فَقَالَ: أَكْثَرَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَلَيْنَا. [راجع: ۴۷]

[۱۳۲۴-] فَصَدَّقَتْ- يَعْنِي عَائِشَةَ- أَبَا هُرَيْرَةَ، وَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُهُ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَقَدْ فَرَّطْنَا فِي قَرَارِيْطَ كَثِيْرَةٍ.

فَرَّطْتُ: ضَيَّعْتُ مِنْ أَمْرِ اللهِ.

آثار:

۱-زید بن ثابتؓ کہتے ہیں: جب آپ نے نماز پڑھ لی تو آپ نے وہ حق ادا کر دیا جو آپ پر تھا، یعنی جنازہ کے ساتھ جانا حقوق اسلام میں سے ہے، اور نماز جنازہ پڑھ لینے سے وہ حق ادا ہو جاتا ہے، پس اب کوئی لوٹنا چاہے تو لوٹ سکتا ہے۔

۲-حمید بن ہلال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جنازہ میں اجازت لینے کی بات ہم نہیں جانتے، یعنی جنازہ پڑھ کر واپس لوٹنے کے لئے اولیاء سے اجازت لینا ضروری نہیں، البتہ جو جنازہ پڑھ کر لوٹ جائے گا اس کو ایک قریاط ملے گا۔

مسئلہ: جنازہ پڑھ کر واپس لوٹنا جائز ہے، اولیاء سے اجازت لینا ضروری نہیں، لیکن اگر اجازت لے کر لوٹے تو بہتر ہے، حاشیہ میں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ کے نام لکھے ہیں کہ وہ اجازت لے کر لوٹتے تھے۔

حدیث: حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث بیان کی گئی (بیان کرنے والے یا تو ابوالسائب ہیں کما فی المسلم یا ابوسلمہ ہیں کما فی الترمذی) کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو جنازہ کے ساتھ گیا اس کو ایک قیراط ملے گا، ابن عمرؓ نے فرمایا: ابو ہریرہؓ کچھ زیادہ ہی حدیثیں بیان کرنے لگے ہیں، پس صدیقہؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا ہے، پس ابن عمرؓ نے فرمایا: ہم نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے۔

لغت: سورۃ الزمر (آیت ۵۶) میں بھی فرطت آیا ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿أَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ: يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللهِ﴾: کبھی (کل قیامت کو) کوئی شخص کہنے لگے: افسوس اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی، یعنی اللہ کے احکام میں۔

تشریح:

۱-جب ابوالسائب یا ابوسلمہ نے ابن عمرؓ کے سامنے یہ حدیث ذکر کی تو انھوں نے ایک شخص کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے پاس بھیجا اوران سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، حضرت عائشہؓ نے تصدیق کی کہ ابو ہریرہؓ نے صحیح بیان کیا، میں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے، پس حضرت ابن عمرؓ نے افسوس کیا کہ ہم نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے یعنی اگر یہ حدیث پہلے سے معلوم ہوتی تو میں تدفین تک رکتا، لاعلمی کی وجہ سے میرا بہت ثواب ضائع ہو گیا۔

۲-اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ صحابی نے صحابی کی حدیث پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے اور حضرت عائشہؓ سے اس کی تصدیق چاہی ہے، یہ بات الصحابة کلهم عدول کے قاعدہ کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عمرؓ کو بے اطمینانی اس وجہ سے نہیں ہوئی تھی کہ وہ ابو ہریرہؓ کی حدیث تھی، بلکہ یہ بات چونکہ پہلی مرتبہ ان کے سامنے آئی تھی اس لئے اچنبھا ہوا اور ایسی صورت میں ایسا ہوتا ہی ہے، میرے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوتا ہے، دستخط کے لئے ایک فتوی آتا ہے، اول وہلہ میں تذبذب ہوتا ہے پھر جب کتابوں کی مراجعت کی جاتی ہے اور جزئیہ مل جاتا ہے تو اطمینان ہو جاتا ہے، پس یہ مفتی پر بے اطمینانی نہیں، بلکہ بے اطمینانی کی وجہ عدم علم ہے، اسی طرح ابن عمرؓ کو اس وجہ سے بے اطمینانی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ابو ہریرہؓ کی حدیث تھی، بلکہ مضمون سے ناواقفیت بے اطمینانی کی وجہ بنی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ استقرائی ہے، صحابہ کا دور گذرنے کے بعد صحابہ کے احوال کا جائزہ لے کر یہ قاعدہ بنایا ہے، صحابہ کے دور میں یہ قاعدہ تھا ہی نہیں۔

بَابُ مَنِ انْتَظَرَ حَتَّى يُدْفَنَ

جو شخص تدفین تک انتظار کرے

جو تدفین تک جنازہ کے ساتھ رہا اس کو دو قیراط ثواب ملے گا، اور جو جنازہ پڑھ کر لوٹ گیا اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا، اور قیراط درہم کے بارہویں حصہ کا نام ہے[1] دورِ نبوی میں مزدوروں کو ان کے کام کی اجرت قیراطوں کے حساب سے دی جاتی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی قیراط کا لفظ استعمال کیا ہے، پھر واضح فرمایا کہ یہ دنیا کا قیراط نہیں بلکہ آخرت کا قیراط ہے۔ اور جس طرح آخرت کا دن بڑا ہوتا ہے وہاں کا قیراط بھی پہاڑ کے برابر ہوگا۔

[۵۸-] بَابُ مَنِ انْتَظَرَ حَتَّى يُدْفَنَ

[۱۳۲۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم . ح: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ

(۱) تحفۃ القاری (۲۸۱:۱) اور تحفۃ الالمعی (۴۵۰:۳) میں ہے: قیراط درہم کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں: یہ تسامح ہے، صحیح بات وہ ہے جو یہاں ہے ۱۲

النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم. ح: وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ، قَالَ: ابْنُ شِهَابٍ، وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الأَعْرَجُ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَلَهُ قِيْرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَ حَتّٰى يُدْفَنَ كَانَ لَهُ قِيْرَاطَانِ. قِيْلَ: وَمَا الْقِيْرَاطَانِ؟ قَالَ: "مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ"

بَابُ صَلَاةِ الصِّبْيَانِ مَعَ النَّاسِ عَلَى الْجَنَائِزِ

بچوں کا لوگوں کے ساتھ جنازہ پڑھنا

اس قسم کا ایک باب تین ابواب پہلے بھی گذرا ہے، اُس باب کا مقصد یہ تھا کہ اگر بچہ تنہا ہو تو وہ مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا ہوگا، اور دو یا زیادہ ہوں تو مردوں کے بعد ان کی مستقل صف بنائی جائے گی، اور اس باب کا مقصود حضرت الاستاذ قدس سرہ نے یہ بیان کیا تھا کہ نماز جنازہ میں بچوں کی شرکت جائز ہے، مگر بچوں کی شرکت مردوں کے ساتھ ہونی چاہئے، تنہا بچوں کی نماز نہ مشروع ہے نہ فرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔

[۵۹-] بَابُ صَلَاةِ الصِّبْيَانِ مَعَ النَّاسِ عَلَى الْجَنَائِزِ

[۱۳۲۶-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِيْ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، حَدَّثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ، عَنْ عَامِرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَتَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَبْرًا فَقَالُوْا: هٰذَا دُفِنَ، أَوْ: دُفِنَتِ الْبَارِحَةَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ، ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا.

[راجع: ۸۵۷]

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ بِالْمُصَلّٰى وَالْمَسْجِدِ

نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ میں اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا

مُصلّٰی سے مصلی الجنائز مراد ہے، نبی ﷺ کے زمانہ میں مسجدِ نبوی کے سامنے مصلی الجنائز بنا ہوا تھا، جنازے وہاں پڑھے جاتے تھے، اور مصلی سے عیدگاہ مراد لیں تو بھی کوئی مانع نہیں، اور باب کا دوسرا جزء ہے: مسجد میں جنازہ پڑھنا، مگر باب کی کسی حدیث میں مسجد میں جنازہ پڑھنے کا ذکر نہیں، پس تطبیق کی دو صورتیں ہیں:

ایک: مصلی سے عیدگاہ مراد لی جائے اور عیدگاہ من وجہ مسجد ہے، پس مسجد جماعت میں جنازہ پڑھنے کا جواز نکلا۔

دوم: حضرت رحمہ اللہ کبھی باب میں اضافہ کرتے ہیں پھر روایت لاکر اس اضافہ کو ثابت کرتے ہیں اور اس کے ضمن میں

پہلا جزء ثابت کرتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس کرتے ہیں، پہلے جزء کو صراحتاً ثابت کرتے ہیں اور دوسرے جزء کو ضمناً، یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے، نبی ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی ہے، کہاں پڑھی ہے اس سے قطع نظر، اور نماز جنازہ بھی نماز ہے اور مسجدیں نماز پڑھنے ہی کے لئے بنائی گئی ہیں، پس مسجد میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

مسجد میں جنازہ پڑھنے کا حکم:

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مسجد الجماعہ میں جنازہ پڑھنا مطلقاً جائز ہے، البتہ ان کے نزدیک بھی اولیٰ یہ ہے کہ جنازہ مسجد سے الگ کسی جگہ پڑھا جائے لیکن اگر مسجد میں پڑھا جائے تو بلا کراہت درست ہے اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک عذر کے بغیر مسجد الجماعہ میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، پھر کراہتِ تنزیہی کا قول بھی ہے اور کراہتِ تحریمی کا بھی، اور جنازہ اور نمازی سب مسجد میں ہوں یا جنازہ مسجد سے باہر ہو اور نمازی مسجد میں ہوں، یا جنازہ اور بعض نمازی مسجد سے باہر ہوں اور بعض مسجد میں ہوں: سب صورتوں کا ایک حکم ہے، اور اعذار کی صورت میں مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ حرمین شریفین میں عذر ہے، وہاں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے اگر دوسری جگہ جنازہ پڑھا جائے گا تو لوگوں کے لئے حرم میں فرض پڑھ کر جنازہ پڑھنے کے لئے دوسری جگہ جانا مشکل ہوگا، اس لئے حرمین میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

دلائل:

۱- جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، اور فاتح عراق ہیں) کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے درخواست کی ان کا جنازہ مسجدِ نبوی میں پڑھا جائے، کیونکہ وہ بھی جنازہ پڑھنا چاہتی ہیں، مگر صحابہ حضرت سعدؓ کا جنازہ مسجد میں نہیں لائے اور حضرت عائشہؓ جنازہ نہیں پڑھ سکیں، اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا: لوگ کتنی جلدی بھول گئے، نبی ﷺ نے بیضاء کے لڑکے سہیلؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا ہے (مسلم مصری ۷: ۳۸)

معلوم ہوا کہ جنازے مسجد میں نہیں پڑھے جاتے تھے، کسی اور جگہ پڑھے جاتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی درخواست کے باوجود صحابہ کا جنازہ کو مسجد میں نہ لانا دلیل ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، اور سہیلؓ کا جنازہ کسی عذر یا خصوصیت کی وجہ سے مسجد میں پڑھا گیا تھا۔

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: **مَن صَلّٰی علی جنازۃ فی المسجد فلاشیئ له**: جس نے مسجد میں جنازہ پڑھا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں (ابوداؤد ۲: ۴۵۴) اور ایک روایت میں ہے: **فلا شیئ علیه**: اس پر کوئی گناہ نہیں۔

چھوٹے دو اماموں نے حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو اور **فلاشیئ علیه** کے الفاظ کو دلیل بنایا ہے کہ مسجد الجماعہ میں جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور بڑے دو امام پہلی بات تو یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں مسجدِ نبوی

میں جنازے نہیں پڑھے جاتے تھے، جنازے پڑھنے کے لئے الگ جگہ بنی ہوئی تھی، اگر مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہوتا تو الگ سے مصلی الجنائز بنانے کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ اور ابوداؤد کی حدیث کے الفاظ فلاشیئ لہ اصل ہیں اور حضرت سہیلؓ والے واقعہ کا جواب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے کسی عذر سے مسجد میں جنازہ پڑھا ہوگا، مثلاً یہ عذر کہ آپؐ اعتکاف میں ہونگے اور معتکف جنازہ پڑھنے کے لئے مسجد سے نہیں نکل سکتا اور نبی ﷺ کے جنازہ پڑھنے سے قبر میں روشنی ہوتی ہے، اس لئے آپؐ نے مسجد میں جنازہ منگوا کر پڑھا، یا بیان جواز کے لئے آپؐ نے ایسا کیا ہوگا، اور بیان جواز خود ایک مستقل عذر ہے پس اعذار کی صورت میں مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے، جیسے عذر کی صورت میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے۔ علاوہ ازیں جنازہ مسجد میں لانے میں تلویث مسجد کا اندیشہ ہے، اس لئے جنازے مسجد سے باہر ہی پڑھنے چاہئیں۔

[٦٠-] بَابُ الصَّلاَةِ عَلَى الْجَنَائِزِ بِالْمُصَلّٰى وَالْمَسْجِدِ

[١٣٢٧-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِيْ سَلَمَةَ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: نَعَى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم النَّجَاشِيَّ صَاحِبَ الْحَبَشَةِ الْيَوْمَ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ، فَقَالَ: "اسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ" [راجع: ١٢٤٥]

[١٣٢٨-] وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَفَّ بِهِمْ بِالْمُصَلّٰى، فَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا. [راجع: ١٢٤٥]

وضاحت: اس حدیث میں مصلّی سے عیدگاہ مراد ہے یا مصلی الجنائز؟ کچھ فیصلہ کرنا مشکل ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ مراد ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلی الجنائز مراد ہے۔ واللہ اعلم

[١٣٢٩-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ الْيَهُوْدَ جَاءُوْا إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِرَجُلٍ مِنْهُمْ وَامْرَأَةٍ زَنَيَا، فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا قَرِيْبًا مِنْ مَوْضِعِ الْجَنَائِزِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ.

[انظر: ٣٦٣٥، ٤٥٥٦، ٦٨١٩، ٦٨٤١، ٧٣٣٢، ٧٥٤٣]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ (خیبر کے) یہودی نبی پاک ﷺ کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر آئے، جنھوں نے زنا کیا تھا، آپؐ نے ان دونوں کے متعلق حکم دیا، پس وہ دونوں مسجدِ نبوی کے پاس جنازہ پڑھنے کی جگہ کے قریب سنگسار کئے گئے۔

تشریح: خیبر میں ایک یہودی مرد اور عورت نے زنا کیا، ان لوگوں میں سزا دینے کے بارے میں اختلاف ہوا، وہ لوگ

شریف کو کچھ سزا دیتے تھے اور وضیع کو کچھ، زانی اور زانیہ بڑے لوگ تھے یا معمولی؟ اس میں اختلاف ہوا، تو وہ یہ خیال کر کے کہ نبی ﷺ کی شریعت میں سہولت ہے: مقدمہ لے کر آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے پوچھا: تمہاری شریعت میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہماری شریعت میں زانی اور زانیہ کا منہ کالا کر کے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپ نے فرمایا: تورات لاؤ، چنانچہ تورات لائی گئی اور عبداللہ بن صوریا نے پڑھنا شروع کیا، اور آیت رجم کو چھوڑ گیا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی، آپؐ نے دونوں کو تورات کے حکم کے مطابق رجم کرنے کا حکم دیا چنانچہ مسجدِ نبوی کے قریب جو مصلی الجنائز تھا اس کے قریب دونوں کو سنگسار کیا گیا۔

یہ حدیث نہایت واضح ہے کہ مسجدِ نبوی کے سامنے جنازہ پڑھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی، اسی میں جنازے پڑھے جاتے تھے، مسجدِ نبوی میں جنازے نہیں پڑھے جاتے تھے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُوْرِ

قبروں پر مسجدیں بنانے کی کراہیت

چند ابواب کے بعد اس قسم کا ایک اور باب آرہا ہے۔ ان دونوں بابوں میں فرق یہ ہے کہ یہاں لفظ اتخاذ ہے اور آگے لفظ بناء آئے گا، اتخاذ کے معنی ہیں: بنانا اور بناء کے معنی ہیں: تعمیر کرنا، اتخاذ عام ہے اور بناء خاص ہے، پس قبر پر سجدہ کرنا اتخاذ ہے یعنی قبر کو مسجد (سجدہ گاہ) بنانا ہے اور قبر کے آس پاس مسجد تعمیر کرنا بناء بھی ہے اور اتخاذ بھی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے، اور عبادت کے طور پر سجدہ کرنا شرک ہے اس سے سجدہ کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور تعظیم کے طور پر سجدہ کرنا کبیرہ گناہ ہے، اور سجدہ کرنے والا اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اولیاء کے مزاروں پر جو جاہل مسلمان سجدے کرتے ہیں وہ تعظیم کے طور پر کرتے ہیں، عبادت کے طور پر نہیں کرتے، پس وہ مسلمان ہیں مگر سخت گنہ گار ہیں، البتہ اگر کوئی عبادت کی نیت سے سجدہ کرے تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

[٦١-] بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُوْرِ

وَلَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، ضَرَبَتِ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلَى قَبْرِهِ سَنَةً، ثُمَّ رُفِعَتْ، فَسَمِعُوْا صَائِحًا يَقُوْلُ: أَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا؟ فَأَجَابَهُ آخَرُ: بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا.

[١٣٣٠-] حدثنا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ هِلَالٍ، هُوَ الْوَزَّانُ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ: " لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" قَالَتْ: وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهُ، غَيْرَ أَنِّيْ أَخْشَى أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا. [راجع: ٤٣٥]

اثر: جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حسن رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی نے فرطِ محبت میں شوہر کی قبر کے پاس خیمہ کھڑا کیا اور ایک سال تک وہاں رہیں، پھر جب غم ہلکا پڑا تو واپس لوٹ گئیں، جب خیمہ اکھاڑا گیا تو ایک غیبی آواز آئی: بتاؤ! گم کردہ کو پالیا؟ یعنی قبر کے پاس سال بھر پڑے رہنے سے مردہ زندہ ہوگیا؟ دوسری غیبی آواز آئی: بلکہ مایوس ہوگئے تو لوٹ گئے!

اس اثر کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ جب وہ عورت ایک سال تک قبر کے پاس رہی تو ظاہر ہے نمازیں بھی وہاں پڑھی ہونگی، یہی قبروں پر مسجدیں (سجدہ گاہ) بنانا ہے۔

حدیث: پہلے گذر چکی ہے: نبی ﷺ مرض وفات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ میں چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے اور ازواج مطہرات جمع تھیں، حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے ایک گرجے کا تذکرہ کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جس کا نام ماریہ تھا، اور یہ بات بھی ذکر کی کہ اس میں تصویریں تھیں، یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی نیک آدمی مرتا تو اس کی قبر کے پاس مسجد بناتے اور دیوار پر صاحب قبر کا فوٹو لگاتے، نبی ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی اور فرمایا: "انھوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا"

اس جملہ کے علماء نے دو مطلب بیان کئے ہیں: ایک: جہاں اولیاء اور انبیاء کی قبریں ہوں وہاں مسجد تعمیر نہ کی جائے، دوم: انبیاء اور اولیاء کی قبروں پر سجدے نہ کئے جائیں، جیسے جاہل مسلمان قبروں پر باقاعدہ نماز کی طرح سجدے کرتے ہیں، حدیث کے یہ دونوں مطلب ہوسکتے ہیں اور یہ دونوں کام موجب لعنت ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کام کرنے کی وجہ سے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے پس اگر آپؐ کی امت یہ کام کرے گی تو وہ بھی لعنت کی مستحق ہوگی۔

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ کی قبر جو کمرے کے اندر بنائی گئی ہے، یہ آپؐ کی خصوصیت ہے۔ اب قبر اطہر مسجد نبوی میں ہے، جب قبر بنی تھی مسجد سے علاحدہ تھی، پھر بعد میں جب مسجد کی توسیع کی گئی تو قبر مسجد میں آگئی، اور یہ آنحضور ﷺ کی خصوصیت ہے اور اس کی وجہ صدیقہؓ نے یہ بیان فرمائی کہ اگر قبر اطہر گورِ غریباں میں بنتی تو وہاں لوگ اس کو سجدہ گاہ بناتے اور کنٹرول کرنا مشکل ہوجاتا، اس لئے قبر اطہر کمرہ میں بنی تاکہ وہاں خرافات نہ ہوں۔

حدیث کے آخری جزء کا ترجمہ: صدیقہؓ فرماتی ہیں: اور اگر یہ بات نہ ہوتی یعنی یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہود و نصاریٰ کی طرح قبر اطہر کو سجدہ گاہ بنائیں گے تو قبر اطہر کو ظاہر کیا جاتا، یعنی گورِ غریباں میں آپؐ کی قبر بنتی، لیکن میں ڈرتی ہوں کہ لوگ قبر اطہر کو سجدہ گاہ بنالیں گے اس لئے دروازہ بند رکھتی ہوں۔

اب قبر اطہر کے چاروں طرف جالی ہے جو زمین کے اندر سیسہ پگھلا کر بنائی گئی ہے، سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ نے ۵۵۷ھ میں یہ جالی بنائی تھی کیونکہ یہود نے جسم اطہر کو نکالنے کی ناپاک کوشش کی تھی، پس اب قبر اطہر تک جانے کا کوئی راستہ نہیں۔

بَابُ الصَّلاَ ةِ عَلَى النِّسَاءِ إِذَا مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا

جوعورت زچگی میں مرجائے اس کی نماز جنازہ پڑھنا

اگر کوئی عورت نفاس میں مرجائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور یہی حکم حائضہ کا بھی ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت کا نفاس میں انتقال ہوا، آنحضور ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا، اور آپؐ جنازہ کے درمیان کھڑے ہوئے۔

[٦٢-] بَابُ الصَّلاَ ةِ عَلَى النِّسَاءِ إِذَا مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا

[١٣٣١-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ، عَنْ سَمُرَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم على امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا، فَقَامَ عَلَيْهَا وَسْطَهَا. [راجع: ٣٣٢]

لغت: وسط کے سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر اس کو ہٹا کر اس کی جگہ بین رکھ سکیں تو اس کو سین کے سکون کے ساتھ پڑھیں گے، جیسے جَلستُ وَسْط الرجلین، یہاں سین کے سکون کے ساتھ پڑھیں گے کیونکہ وسط کو ہٹا کر بین الرجلین کہہ سکتے ہیں، اور اگر بینَ رکھنا درست نہ ہو تو وہاں سین کے زبر کے ساتھ پڑھیں گے، جیسے ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ اور یوں اللہ عزوجل نے تمہیں معتدل امت بنایا، اس قاعدہ سے قام وَسْطَها پر جزم پڑھنا بہتر ہے۔

بَابٌ: أَيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الْمَرْأَةِ وَالرَّجُلِ؟

مردوزن کا جنازہ پڑھاتے وقت امام کہاں کھڑا رہے؟

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک امام میت کے سر کے مقابل کھڑا ہو، خواہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا اور حنفیہ کے نزدیک سینہ کے مقابل کھڑا ہو، اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر مرد کا جنازہ ہے تو سر کے مقابل اور عورت کا جنازہ ہے تو نصف بدن کے مقابل کھڑا ہو۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مردوزن دونوں کے جنازے میں نصف بدن کے مقابل کھڑا ہو۔

جاننا چاہئے کہ احناف کے نزدیک عورت کے جنازہ میں سینہ کے مقابل کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جب جنازہ پر نعش ہو اور میت ڈھکی ہوئی ہو، اور اگر عورت کا جنازہ کھلا ہو تو امام نصف بدن کے مقابل کھڑا ہو، تاکہ پردہ ہوجائے، اور مردوزن کے سینہ کے مقابل کھڑے ہونے میں حکمت یہ ہے کہ دل محل ایمان ہے اور نماز جنازہ ایمان کی وجہ سے شفاعت ہے اس لئے دل کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے۔

[۶۳-] بَابٌ: أَيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الْمَرْأَةِ وَالرَّجُلِ؟

[۱۳۳۲-] حدثنا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلَى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا، فَقَامَ عَلَيْهَا وَسْطَهَا. [راجع: ۳۳۲]

وضاحت: مذکورہ حدیث میں صرف عورت کے جنازہ کا ذکر ہے مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں مرد اور عورت دونوں کا ذکر کیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث عام ہے، عورت کا جنازہ پڑھانے کے لئے امام جہاں کھڑا ہوگا مرد کا جنازہ پڑھانے کے لئے بھی اسی جگہ کھڑا ہوگا، اور شوافع اور حنابلہ نے حدیث کو عورت کے ساتھ خاص کیا ہے اور احناف کہتے ہیں: یہ قیام عارض کی وجہ سے تھا، جس عورت کی نعش ڈھکی ہوئی نہ ہو، امام کو اس کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے تاکہ پردہ ہو جائے۔

بَابُ التَّكْبِيْرِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَرْبَعًا

نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں

حضور اکرم ﷺ نے جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں اور چار بھی، اور صحابہؓ نے کم وبیش بھی کہی ہیں، مگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا اتفاق ہوگیا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں، کاطولِ صلاۃ یعنی چار تکبیریں بمنزلہ چار رکعتوں کے ہیں، اور چاروں ائمہ بھی اس پر متفق ہیں۔

ایک واقعہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جنازہ پڑھایا، بھول سے تین تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دیا، لوگوں نے عرض کیا: آپؓ نے تین تکبیریں کہی ہیں، پس آپؓ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور چوتھی تکبیر کہی، پھر سلام پھیرا، معلوم ہوا کہ چار سے کم تکبیریں نہیں کہنی چاہئیں۔ اور زیادہ بھی نہیں کہنی چاہئیں اور اگر امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کریں، بلکہ خاموش کھڑے رہیں، پھر جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیر دیں۔

سوال: کلام کرنے سے نماز ٹوٹ گئی، پھر بنا کیسے کی؟ جواب: ممکن ہے حضرت انسؓ کے نزدیک نماز جنازہ میں کلام جائز ہو۔

[۶۴-] بَابُ التَّكْبِيْرِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَرْبَعًا

وَقَالَ حُمَيْدٌ: صَلَّى بِنَا أَنَسٌ فَكَبَّرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ سَلَّمَ، فَقِيْلَ لَهُ: فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ثُمَّ كَبَّرَ الرَّابِعَةَ، ثُمَّ سَلَّمَ.

[۱۳۳۳-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ، وَخَرَجَ

بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ، وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ. [راجع: ١٢٤٥]

[١٣٣٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَلِيْمُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مِيْنَاءَ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى عَلَى أَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ فَكَبَّرَ أَرْبَعًا، وَقَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، وَعَبْدُ الصَّمَدِ، عَنْ سَلِيْمٍ: أَصْحَمَةَ. [راجع: ١٣١٧]

وضاحت: حضرت نجاشی رحمہ اللہ کا حبشہ میں انتقال ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو اس کی اطلاع دی، آپ صحابہ کو لے کر مصلی الجنائز کی طرف نکلے اور صفیں بنائیں اور نماز جنازہ پڑھی، جس میں چار تکبیریں کہیں (غائبانہ نماز جنازہ کا حکم کتاب الجنائز باب ۴ (تحفۃ القاری ۳: ۵۶۷) میں گذر چکا ہے)

اور نجاشی رحمہ اللہ کا نام اَصحمہ تھا، نجاشی لقب تھا، حبشہ کے ہر بادشاہ کا یہ لقب تھا جیسے مصر کا ہر بادشاہ فرعون، روم کا ہر بادشاہ قیصر اور ایران کا ہر بادشاہ کسری کہلاتا تھا۔

نجاشی کا نام: سلیم کے شاگرد محمد بن سنان کی روایت میں أَصْحَمَة نام آیا ہے، اور یزید اور عبد الصمد کی روایتوں میں صَحْمَة (الف کے بغیر) ہے مگر ہمارے نسخہ میں دونوں جگہ أصحمة ہے، یہ تصحیف ہے، اور بعض روات أَصْمَحَة (بتقدیم المیم) اور بعض روات اصحبہ کہتے ہیں، صحیح اصحمہ ہے۔

بَابُ قِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى الْجَنَازَةِ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا

تمام ائمہ متفق ہیں کہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں، نہ فاتحہ فرض ہے، البتہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ پڑھنا سنت ہے اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک سنت نہیں، البتہ ان کے نزدیک بھی ثناء کی نیت سے فاتحہ پڑھنا جائز ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے چھوٹے دو اماموں کی موافقت کی ہے۔

[٦٥-] بَابُ قِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى الْجَنَازَةِ

وَقَالَ الْحَسَنُ: يَقْرَأُ عَلَى الطِّفْلِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَيَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَسَلَفًا وَأَجْرًا.

[١٣٣٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ طَلْحَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ، ح: قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى جَنَازَةٍ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، قَالَ: لِتَعْلَمُوْا أَنَّهَا سُنَّةٌ.

اثر: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بچے کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے: اے اللہ! بچے کو ہمارے لئے پیش رو، آگے گیا ہوا اور ثواب بنا (اور لڑکی ہو تو اجعلھا کہے) یعنی دوسری اور تیسری تکبیر کے بعد درود اور دعا پڑھے، فرط کے معنی ہیں: پیش رو، پیش خیمہ، آگے گیا ہوا سَلَف کے بھی یہی معنی ہیں۔

حدیث: طلحۃ بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے ابن عباسؓ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی، آپؓ نے (پہلی تکبیر کے بعد) سورۂ فاتحہ پڑھی اور (نماز کے بعد) فرمایا: تاکہ تم جانو کہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔

تشریح: نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تنہا یہی روایت ہے اور یہ بھی موقوف ہے، یعنی حضرت ابن عباسؓ کا عمل ہے، ابن عباسؓ سے یہ روایت مرفوع بھی مروی ہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی، مگر یہ روایت صحیح نہیں، اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف راوی ہے، درحقیقت یہ حضرت ابن عباسؓ کا عمل ہے، انھوں نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی تھی اور جہراً پڑھی تھی، لوگوں نے اس سلسلہ میں سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا: میں نے یہ عمل اس لئے کیا تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

مگر غور طلب بات یہ ہے کہ اگر یہ سنت ہے تو سب مسلمان اس پر عمل پیرا ہونگے، اور نماز کے بعد فوراً سوال کرنا دلیل ہے کہ اس وقت مسلمان نماز جنازہ میں فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، چنانچہ جب ایک صحابی کا انوکھا عمل سامنے آیا تو لوگوں نے سوال کیا۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے جو اس کو سنت کہا ہے وہ آپؓ کا اجتہاد تھا اور سنت بمعنی جائز تھا، صحابہ کبھی اپنے مجتہدات کے لئے بھی لفظ سنت استعمال کرتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کے احوال کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ کبھی صحابہ اپنے مجتہدات کے لئے بھی لفظ سنت استعمال کرتے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول علامہ کشمیری قدس سرہ نے العرف الشذی (کتاب الجنائز باب ۴۸) میں ذکر کیا ہے، پس لفظ سنت سے ایسا سمجھنا کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھی ہے: صحیح نہیں، ہاں ابن عباسؓ نے بیان جواز کے لئے پڑھی ہے۔

بَابُ الصَّلاَةِ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ مَا يُدْفَنُ

دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنا

اگر میت جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ ابھی میت پھولی پھٹی نہیں تو بالاجماع قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور اگر جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا ہے تو پھر اختلاف ہے، تفصیل کتاب الجنائز باب ۵۵ میں گذر چکی ہے۔

[٦٦-] بَابُ الصَّلاَةِ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ مَا يُدْفَنُ

[١٣٣٦-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ:

سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ مَنْ مَرَّ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلَى قَبْرٍ مَنْبُوْذٍ، فَأَمَّهُمْ وَصَلَّوْا خَلْفَهُ، قُلْتُ: مَنْ حَدَّثَكَ هٰذَا يَا أَبَا عَمْرٍو؟ قَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ. [راجع: ۸۵۷]

[۱۳۳۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ أَسْوَدَ رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً كَانَ يَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ، يَقُمُّ الْمَسْجِدَ، فَمَاتَ وَلَمْ يَعْلَمِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِمَوْتِهِ، فَذَكَرَهُ ذَاتَ يَوْمٍ، فَقَالَ: "مَا فَعَلَ ذٰلِكَ الإِنْسَانُ؟" قَالُوْا: مَاتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "أَفَلَا آذَنْتُمُوْنِيْ؟" فَقَالُوْا: إِنَّهُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، قِصَّتَهُ، قَالَ: فَحَقَّرُوْا شَأْنَهُ، قَالَ: "فَدُلُّوْنِيْ عَلَى قَبْرِهِ". فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ. [راجع: ۴۵۸]

وضاحت: یہ دونوں حدیثیں متعدد بار گذر چکی ہیں اور دونوں حدیثوں میں نبی ﷺ کا قبر پر جنازہ پڑھنا مروی ہے۔ چھوٹے دواماموں نے ان حدیثوں کی بنا پر قبر پر جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، اور بڑے دوامام اس کو آنحضور ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں۔ تفصیل کتاب الجنائز باب ۵۵ میں گذر چکی ہے۔

دوسری حدیث کا ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک کالا آدمی (حبشی) یا کالی عورت مسجد نبوی میں رہتی تھی اور مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی (أو شک راوی کا ہے اور مرد کی رعایت میں فعل مذکور لائے ہیں) اس کا انتقال ہوگیا اور نبی ﷺ کو اس کی موت کی خبر نہ ہوئی، آپ نے ایک دن اس کو یاد کیا، آپؐ نے پوچھا: فلاں انسان کہاں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا انتقال ہوگیا، آپؐ نے فرمایا: تم نے مجھے اس کی خبر کیوں نہ کی؟ صحابہ نے عرض کیا: وہ ایسا اور ایسا تھا، اور اس کا واقعہ ذکر کیا (قصته: مستقل جملہ ہے أی ذکر قصته) راوی کہتے ہیں: لوگوں نے اس کی شان گھٹائی یعنی کہا کہ وہ معمولی آدمی تھا، آپؐ کو کیا تکلیف دیتے، ہم نے خود جنازہ پڑھ کر دفن کردیا، آپؐ نے فرمایا: میری اس کی قبر کی طرف راہنمائی کرو، پس آپؐ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور قبر پر نماز جنازہ پڑھی (یہ اس بڑھیا کا واقعہ ہے جس پر اس کے قبیلہ والوں نے چوری کا الزام لگایا تھا جو مختلف سندوں اور مختلف الفاظ سے بار بار گذر چکا ہے، پس اگر کوئی اختلاف نظر آئے تو اس کو واقعہ کے متعلقات کا اختلاف سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہئے (پورا واقعہ حدیث ۴۳۹ (تحفۃ القاری ۲: ۲۸۰) میں گذر چکا ہے)

بَابُ الْمَيِّتِ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ

میت چپلوں کی آواز سنتی ہے

خَفَقَ (ن،ض) النعلُ کے معنی ہیں: جوتے کی آواز نکلنا، اور ایک دوسرا لفظ ہے قَرَعَ البابَ (ف) دروازہ کھٹکھٹانا، دونوں کا ایک مفہوم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کرکے لوٹتے ہیں تو ابھی میت لوگوں کے چپلوں کی آواز سن رہی ہوتی ہے کہ منکر نکیر آجاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ قبرستان میں جوتے چپل پہن کر جاسکتے ہیں۔ البتہ فقہ کی

کتابوں میں لکھا ہے کہ قبر پر جوتے چپل پہن کر نہیں چلنا چاہئے، جہاں قبریں نہ ہوں وہاں چل سکتے ہیں۔

[۶۷-] بَابُ الْمَيِّتِ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ

[۱۳۳۸-] حدثنا عَيَّاشٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، ح: قَالَ: وَقَالَ لِيْ خَلِيْفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهِ، وَتُوُلِّيَ، وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ، حَتّٰى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ، فَأَقْعَدَاهُ، فَيَقُوْلاَنِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ؟ فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، فَيُقَالُ: انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ" قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا، وَأَمَّا الْكَافِرُ أَوِ الْمُنَافِقُ فَيَقُوْلُ: لاَ أَدْرِيْ! كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ، فَيُقَالُ: لاَدَرَيْتَ وَلاَ تَلَيْتَ! ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ أُذُنَيْهِ، فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ إِلاَّ الثَّقَلَيْنِ" [انظر: ۱۳۷٤]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: بندہ جب اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور پیٹھ پھیری جاتی ہے اور اس کے ساتھی جانے لگتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے (یہاں باب ہے) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، پس وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تو اس آدمی یعنی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ پس وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پس کہا جاتا ہے: دیکھ اپنے جہنم کے ٹھکانہ کی طرف، جسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے ٹھکانہ سے بدل دیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: پس وہ دونوں ہی ٹھکانوں کو دیکھتا ہے، اور رہا کافر یا فرمایا: منافق وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا! میں وہ کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے، پس کہا جاتا ہے: نہ تو نے جانا نہ پڑھا، یعنی نہ تو نے قرآن پڑھا نہ قرآن کو جانا (قاعدے سے ولا تلوت ہونا چاہئے، مگر پڑوس کی رعایت سے تلیت ہے) پھر وہ لوہے کے گرز سے دونوں کانوں کے بیچ میں زور سے مارا جاتا ہے پس وہ اتنی زور سے چلاتا ہے کہ اس کو آس پاس کی مخلوقات سنتی ہیں، سوائے جن وانس کے۔

بَابُ مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ أَوْ نَحْوِهَا

جس نے بیت المقدس میں یا متبرک جگہ میں دفن ہونا پسند کیا

ارض مقدس سے بیت المقدس اور نحوھا سے دنیا کی تمام متبرک جگہیں مراد ہیں، اگر کوئی شخص کسی متبرک جگہ میں موت کی اور دفن ہونے کی تمنا کرے تو یہ تمنا کرنا جائز ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا تھی کہ بیت المقدس میں ان کی وفات ہو اور وہاں قبر بنے، معلوم ہوا ایسی تمنا کرنا جائز ہے، لیکن اس کے لئے میت کو منتقل کرنا جائز نہیں، کسی کی مدینہ منورہ

میں دفن ہونے کی تمنا تھی پھر اتفاق سے مدینہ میں اس کی موت آگئی تو تمنا پوری ہوگئی، لیکن ہندوستان میں موت آئی اور اس کی لاش مدینہ لے جاکر دفن کی تو یہ جائز نہیں۔

فائدہ: جس طرح صالحین کے جنازے پڑھنے اور پڑھانے سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح صالحین کے پڑوس میں اور متبرک جگہوں میں دفن ہونے سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے، پس متبرک جگہ میں دفن ہونے کی تمنا کرنا جائز ہے۔

[۶۸-] بَابُ مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ أَوْ نَحْوِهَا

[۱۳۳۹-] حدثنا مَحْمُوْدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوْسَى، فَلَمَّا جَاءَ هُ صَكَّهُ،فَفَقَأَ عَيْنَهُ، فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ، فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِيْ إِلَى عَبْدٍ لاَ يُرِيْدُ الْمَوْتَ، فَرَدَّ اللهُ عَلَيْهِ عَيْنَهُ، وَقَالَ: ارْجِعْ، فَقُلْ لَهُ: يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَلَهُ بِكُلِّ مَا غَطَّتْ بِهِ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ، قَالَ: أَيْ رَبِّ! ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ. قَالَ: فَالْآنَ، فَسَأَلَ اللهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ. قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيْقِ، عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ" [انظر: ۳۴۰۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے، پس جب وہ ان کے پاس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ہاتھ مارا[1] پس ان کی آنکھ پھوڑ دی، وہ اپنے رب کی طرف لوٹے اور عرض کیا: آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ٹھیک کردی اور فرمایا: دوبارہ جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اپنا ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھیں، پس ان کے لئے ہر اس بال کے بدل جس کو ان کا ہاتھ چھپائے ایک سال کی زندگی ہے، یعنی ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں اتنے سال زندہ رہیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے پروردگار! پھر کیا ہوگا؟ اللہ عزوجل نے فرمایا: پھر مرنا ہوگا! موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: پھر ابھی! یعنی جب بالآخر مرنا ہی ہے تو ابھی سہی! پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بیت المقدس سے پتھر پھینکنے کے فاصلہ تک نزدیک کردیں (یہ جزء باب سے متعلق ہے) رسول اللہ ﷺ نے (معراج کی حدیث میں) فرمایا: "پس اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں دکھاتا کہ ان کی قبر راستہ کے کنارے سرخ ٹیلے کے قریب ہے"

(۱) صَكَّ (ن) صَكًّا: ہاتھ مارنا: ﴿فَصَكَّتْ وَجْهَهَا﴾ (الذاریات ۲۹) پس اہلیہ نے چہرے پر ہاتھ مارا۔ تھپڑ مارنا ترجمہ صحیح نہیں اور یہ ہاتھ بھی بالقصد نہیں مارا تھا، بلکہ چلایا تھا، جب موسیٰ علیہ السلام سے موت کے لئے اجازت طلب کی گئی تو انھوں نے قول سے انکار کرنے کے بجائے ہاتھ سے انکار کیا، یہ جو ہاتھ چلایا وہ اتفاقاً آنکھ پر لگ گیا اور حادثہ پیش آگیا، اسی لئے چہرے پر مارنے کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ ایسا حادثہ پیش آسکتا ہے۔

تشریح:

۱- یہ حدیث صحیحین میں دو سندوں سے مروی ہے، اس کو طاؤس اور ہمام دونوں روایت کرتے ہیں، پھر طاؤس موقوف کرتے ہیں اور ہمام مرفوع کرتے ہیں، یہاں یہ روایت طاؤس کی سند سے ہے پھر آگے احادیث الانبیاء میں (حدیث ۳۴۰۷) یہ حدیث طاؤس ہی کی سند سے روایت کی ہے مگر اس کے بعد ہمام کی سند بھی ذکر کی ہے جو مرفوع ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے دونوں سندوں سے حدیث روایت کی ہے (حدیث ۲۳۷۲/ ۱۵۷ و ۱۵۸) پس یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ شیخین نے دونوں سندیں قبول کی ہیں، اور راوی ایسا کرتے ہیں کہ مرفوع حدیث کو کبھی موقوف بیان کرتے ہیں، پس طاؤس کے موقوف بیان کرنے سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ حدیث موقوف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے۔

۲- اور باب پر حدیث کی دلالت واضح ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اگر ابھی بیت المقدس میں داخل ہونے کا وقت نہیں آیا تو ان کو کم از کم ایک پتھر پھینکنے کے بقدر فاصلہ تک بیت المقدس سے نزدیک کر دیا جائے، پھر ان کی روح قبض کی جائے، تاکہ وہاں ان کی قبر بنے، کیونکہ روایت میں ہے کہ انبیاء کی موت وہاں آتی ہے جہاں ان کو دفن ہونا پسند ہوتا ہے۔

۳- مگر اس روایت کی بنیاد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کی تعیین مشکل ہے، کیونکہ بیت المقدس کی طرف جو راستہ جاتا تھا وہ کونسا راستہ تھا؟ اور اس کی دائیں جانب جو ٹیلہ تھا وہ کونسا ٹیلہ تھا؟ وہاں تو ٹیلے ہی ٹیلے ہیں! اور بیت المقدس سے مسجد صخرہ مراد ہے یا شہر یا شہر کی فنا؟ اور پتھر پھینکنے کی مقدار کیا ہے؟ نیز موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں شہر کہاں تک تھا؟ جب تک یہ سب باتیں معلوم نہ ہوں قبر کی تعیین مشکل ہے، اور ان باتوں کو جاننے کی اب کوئی صورت نہیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر متعین نہیں۔

۴- پھر یہاں چند سوال ہیں ان کے جواب جاننے ضروری ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موت کے فرشتہ کو چپت کیوں رسید کیا، اور کب رسید کیا؟ روایات میں ہے کہ ملک الموت انبیاء کرام سے پہلے اجازت طلب کرتے ہیں پھر روح قبض کرتے ہیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بوقت اجازت تھپڑ مارا تھا یا روح قبض کرتے وقت؟ اگر بوقت اجازت مارا تھا تو سوال یہ ہے کہ کیوں مارا تھا؟ اجازت دیتے یا نہ دیتے، ان کو اختیار تھا۔

(۲) فرشتہ کی آنکھ کیسے پھوٹی، وہ تو مادی مخلوق نہیں، پھر وہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ٹھیک کر دی، یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ فرشتہ تو روحانی مخلوق ہے اس پر یہ احوال نہیں گذر سکتے؟

(۳) پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مرنے کے لئے تیار نہیں تھے، اب ایک دم تیار کیوں ہو گئے؟

جواب: ان سب باتوں کا جواب جاننے کے لئے پہلے چار باتیں سمجھنی ضروری ہیں: ایک: موسیٰ علیہ السلام کی مزاجی کیفیت، دوم: وہ پلان جو آپ کے پیش نظر تھا، سوم: بھیس بدلنے سے احکام بدلتے ہیں، چہارم: رضاء بقضاء۔

پہلی بات: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مختلف واقعات سے آپ کی مزاجی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے، ایک تو آپؑ نے بچپن میں فرعون کی ڈاڑھی پکڑ کر تھپڑ مارا تھا، جن کا تذکرہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِيْ﴾ کی تفسیر میں آتا ہے۔ دوسرے: جب آپ طور سے لوٹے اور قوم کی گوسالہ پرستی دیکھی تو غصہ میں تورات کی تختیاں ڈال دیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کی سرزنش کی، حالانکہ وہ نبی تھے، سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر کھینچے اور اتنے زور سے کھینچے کہ حضرت ہارون علیہ السلام التجا کرنے پر مجبور ہوگئے۔ تیسرے: اس پتھر کی آپ نے پٹائی کی تھی جو کپڑے لے کر بھاگا تھا اور اتنا زور سے مارا تھا کہ اس پر چھ یا سات نشان پڑ گئے تھے، حالانکہ پتھر جماد (بے جان) ہے، پھر یہ واقعہ ہے کہ موت کے فرشتہ کو مارا، ان سب واقعات سے حضرت کی گرم مزاجی کا خوب اندازہ ہوجاتا ہے۔

دوسری بات: جب حضرت کو طور پر بلایا گیا تا کہ آپؑ کو عظیم الشان کتاب تورات عنایت فرمائی جائے تو حضرت کے پیش نظر بڑا پلان تھا: اللہ کی کتاب ملے گی، وہ اس کے ذریعہ قوم کی یوں اور یوں اصلاح کریں گے اور قوم کو بام عروج تک پہنچائیں گے، مگر پیچھے سامری نے کھیل بگاڑ دیا، اس نے گوسالہ پرستی کی داغ بیل ڈال دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیر دیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام غصہ میں بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے لوٹے، اور ہارون علیہ السلام کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو کیا۔

اسی طرح فرعون کی غرقابی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بڑا پلان تھا کہ بیت المقدس فتح کریں گے اور قوم کو وہاں آباد کریں گے مگر قوم نانہجار ثابت ہوئی، اس نے بزدلی کا مظاہرہ کیا تو اللہ کی طرف سے سزا ملی اور بنی اسرائیل کو میدان تیہ میں چالیس سال کے لئے محصور کردیا گیا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پلان یہ ہے کہ چالیس سال کے بعد وہ بنی اسرائیل کے ساتھ جہاد کریں گے اور بیت المقدس فتح کریں گے، مگر حضرت کو اپنی موت کا وقت معلوم نہیں تھا، چنانچہ چالیس سال پورے ہونے سے پہلے ہی موت کا فرشتہ آگیا اور اس نے روح قبض کرنے کی اجازت چاہی تو چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا سارا پلان فیل ہوجاتا تھا اس لئے جھلا کر ہاتھ چلایا اور نفی میں جواب دیا کہ وہ ابھی مرنے کے لئے تیار نہیں، ہاتھ اتفاقاً آنکھ پر لگ گیا، اور آنکھ پھوٹ گئی۔

تیسری بات: بھیس بدلنے سے احکام بدلتے ہیں، لوگ ایک حدیث جنّات سے روایت کرتے ہیں کہ مَنْ قُتِلَ فِي غيرِ زِيِّهٖ فدمُهٗ هَدَرٌ: جو شخص اپنے روپ کے علاوہ بھیس میں مارا جائے تو اس کا خون رائگاں ہے، یعنی قصاص یا دیت نہیں، مثلاً جن سانپ کی شکل میں ظاہر ہوا اور کسی نے اس کو مار دیا تو اس کی دیت یا قصاص واجب نہیں، اسی طرح فرشتہ روحانی مخلوق ہے مگر جب وہ بھیس بدل کر انسانی روپ میں ظاہر ہوگا تو اس پر مادی احکام جاری ہونگے اور وہ احکام روحانی وجود تک مفضی ہونگے، پس فرشتہ کی آنکھ پھوٹ سکتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ مادی بھیس میں ظاہر ہوا ہے، اور اس کا اثر روحانی وجود تک پہنچ سکتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ٹھیک کردی۔

چوتھی بات: انسان اپنے طور پر پلان بناتا ہے کہ میں یوں کروں گا ووں کروں گا، مگر جب سوچتا ہے تو بے بسی سامنے آتی ہے اور انسان اللہ کے فیصلوں پر راضی ہوجاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بھی پہلے بڑا پلان تھا، پھر حضرت نے سوچا کہ میں کیا اور میری جدوجہد کیا! ہوگا وہی جو اللہ چاہتے ہیں، جب اللہ چاہیں گے بیت المقدس فتح ہوگا، اور بنی اسرائیل وہاں پہنچیں گے، میں رہوں یا نہ رہوں، یہ سوچ کر وصل محبوب کا جذبہ غالب آیا تو فوراً مرنے کے لئے تیار ہوگئے، بس ایک دعا کی جو پوری کردی گئی، پھر حضرت کی بیت المقدس کے قریب وفات ہوئی اور وہیں قبر بنی۔

بَابُ الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ

رات میں تدفین

میت کو رات میں دفن کرنے میں کچھ حرج نہیں، اور بعض روایات میں جو رات میں دفن کرنے کی ممانعت آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اندھیرے میں عموماً لوگ کم آتے ہیں، جبکہ میت کا فائدہ اس میں ہے کہ نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو، نیز اندھیرے میں تجہیز وتکفین میں کمی کا بھی اندیشہ ہے، جیسے فقہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ رات میں قربانی کرنا مکروہ ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اندھیرے میں ذبح میں غلطی کا امکان ہے، مگر اب بجلی کا زمانہ ہے، دن کی طرح رات بھی روشن ہوتی ہے، پس اب رات میں قربانی کرنے میں کوئی کراہیت نہیں، اسی طرح میت کو رات میں دفن کرنے میں بھی کچھ حرج نہیں، خود سرورِ کونین ﷺ کی تدفین رات میں عمل میں آئی ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی رات ہی میں دفن کیا گیا تھا، وہ امیر المؤمنین تھے، ان کی تدفین میں سب صحابہ موجود تھے، اسی طرح وہ بڑھیا جو مسجدِ نبوی میں جھاڑو دیتی تھی، اس کو بھی صحابہ نے رات میں دفن کیا تھا، ان کے علاوہ بھی رات میں دفن کرنے کی بہت روایات ہیں اور بعض صحابہ کی تدفین میں رات میں خود نبی ﷺ بھی شریک رہے ہیں[1] اور صحابہ کا رات میں دفن کرنا بھی بکثرت مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات ہی میں دفن کیا ہے، پس تدفین کے سلسلہ میں رات اور دن یکساں ہیں، ان میں کچھ فرق نہیں۔

[۶۹-] بَابُ الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ

وَدُفِنَ أَبُوْ بَكْرٍ لَيْلاً.

[۱۳۴۰-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ

(۱) غزوۂ تبوک میں ایک صاحب کا انتقال ہوا، ان کی تدفین رات میں کی گئی اور ان کو قبر میں اتارنے کے لئے آنحضرت ﷺ بذاتِ خود قبر میں اترے ہیں، معلوم ہوا کہ رات میں تدفین جائز ہے (ترمذی حدیث ۱۰۴۰)

عَبَّاسٍ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى رَجُلٍ بَعْدَ مَا دُفِنَ بِلَيْلَةٍ، قَامَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ، وَكَانَ سَأَلَ عَنْهُ فَقَالَ: "مَنْ هٰذَا؟" فَقَالُوْا: فُلَانٌ دُفِنَ الْبَارِحَةَ، فَصَلَّوْا عَلَيْهِ. [راجع: ۸۵۷]

بَابُ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ عَلَى الْقَبْرِ

قبر پر مسجد کی تعمیر

پہلے لفظ اتخاذ آیا تھا اور یہاں لفظ بناء ہے، اتخاذ: عام ہے اس کے لئے باقاعدہ مسجد بنانا ضروری نہیں، قبر پر سجدہ کرنا یا قبر کے پاس نماز پڑھنا بھی اتخاذ ہے اور قبر پر باقاعدہ مسجد بنانا بناء ہے۔

قبر کے پاس مسجد بنانے کا حکم: قاضی بیضاوی (شافعی) رحمہ اللہ نے شرح مصابیح السنۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر کی تعظیم کی غرض سے اس کے قریب اس طرح مسجد بنانا کہ دورانِ نماز قبر کا مواجہہ ہو: شرک جلی ہے، اور اگر قبر ایک طرف ہو یعنی دائیں بائیں یا پیچھے ہو اور مقصد بزرگ کی تعظیم ہو تو یہ شرک خفی ہے۔ اور اگر زائرین کے قیام، نماز اور دیگر سہولتوں کے لئے مسجد بنائی جائے تو جائز ہے، بشرطیکہ مسجد بنانے سے مقصود اس بزرگ کی تعظیم یا اس کی روحانیت کی طرف توجہ کرنا نہ ہو۔

اور مصابیح السنہ کے دوسرے شارح علامہ تورپشتی (حنفی) رحمہ اللہ تینوں صورتوں کو ناجائز کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں: اگر مسجد بنانے کا مقصد اس بزرگ کی تعظیم ہے تو یہ شرک جلی ہے اور اس کی روحانیت سے استفادہ ہے تو یہ شرک خفی ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو بھی قبوریوں کے ساتھ اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے جائز نہیں (معارف السنن ۳: ۳۰۵)

فائدہ: کسی مسجد کے پاس یا کسی مدرسہ میں کسی بزرگ کی تدفین جس کا آج کل رواج چل پڑا ہے جائز نہیں، تورپشتی رحمہ اللہ نے جو تیسری صورت کو ناجائز کہا ہے اس میں یہ صورت بھی داخل ہے۔

[۷۰-] بَابُ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ عَلَى الْقَبْرِ

[۱۳۴۱-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيْسَةً رَأَيْنَهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ، يُقَالُ لَهَا: مَارِيَةُ، وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَأُمُّ حَبِيْبَةَ أَتَتَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ، فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيْرَ فِيْهَا، فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: "أُولٰئِكَ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، وَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ" [راجع: ۴۲۷].

وضاحت: یہ حدیث پہلے گذری ہے، نبی ﷺ مرض وفات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ میں چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، ازواج مطہرات سب جمع تھیں، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے جنھوں نے حبشہ پھر

مدینہ ہجرت کی تھی ایک چرچ کا تذکرہ کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جو بہت خوبصورت تھا اور اس کا نام ماریہ تھا، اور یہ بات بھی ذکر کی کہ اس میں تصویریں تھیں، جب نبی ﷺ نے یہ بات سنی تو آپؐ نے سر سے چادر ہٹائی اور فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی نیک بندہ مرجاتا تھا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے تھے اور اس میں اس نیک بندے کی تصویریں بناتے تھے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں'' معلوم ہوا کہ قبر پر مسجد تعمیر کرنا حرام اور موجب لعنت ہے۔

بَابُ مَنْ يَدْخُلُ قَبْرَ الْمَرْأَةِ

عورت کی قبر میں کون اترے؟

اولیٰ یہ ہے کہ عورت کو قبر میں محارم اتاریں، لیکن غیر محرم بھی اتار سکتے ہیں، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو جو آنحضور ﷺ کی صاحبزادی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا ہے جبکہ آنحضور ﷺ اور حضرت عثمانؓ موجود تھے، اور حضرت ابوطلحہؓ غیر محرم تھے، معلوم ہوا کہ غیر محرم بھی عورت کو قبر میں اتار سکتا ہے، کیونکہ میت کپڑے میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے، پس کسی کے لئے بھی اتارنا بلا کراہیت درست ہے۔

[۷۱-] بَابُ مَنْ يَدْخُلُ قَبْرَ الْمَرْأَةِ

[۱۳۴۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ، فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ، فَقَالَ: " هَلْ فِيْكُمْ مِنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟" فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ: أَنَا، قَالَ: " فَانْزِلْ فِيْ قَبْرِهَا" فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا.

قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: قَالَ فُلَيْحٌ: أُرَاهُ يَعْنِي الذَّنْبَ. قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: ﴿لِيَقْتَرِفُوْا﴾[الأنعام:۱۱۳]: لِيَكْتَسِبُوْا. [راجع: ۱۲۸۵]

وضاحت: اس حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الجنائز باب ۳۲ میں پڑھیں، اور لم یُقارف کے کیا معنی ہیں؟ فلیح رحمہ اللہ نے اس کے معنی گناہ کے کئے ہیں، یعنی جس نے رات میں کوئی گناہ نہیں کیا، مگر یہ ترجمہ صحیح نہیں، اس سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ کے علاوہ سب نے رات میں گناہ کیا تھا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ لفظ سورۃ الانعام (آیت ۱۱۳) میں بھی آیا ہے، وہاں معنی ہیں: لیکتسبوا، معلوم ہوا کہ یہ لفظ گناہ کے معنی کے ساتھ خاص نہیں، کوئی بھی مباح کام کرنے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے، چنانچہ میں نے ترجمہ کیا تھا: جس نے رات میں بیوی سے جماع نہیں کیا۔

بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الشَّهِيْدِ

شہید کی نماز جنازہ

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ مستحب ہے یعنی پڑھیں تو سبحان اللہ، نہ پڑھیں تو کوئی بات نہیں، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عام اموات کی طرح شہید کی بھی نماز جنازہ واجب ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ پڑھی تھی یا نہیں؟ اس میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھی تھی اور بعض نفی کرتی ہیں اور دونوں روایتیں صحیح ہیں، باب میں نفی والی روایت ہے اور مسند احمد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی، پھر یکے بعد دیگرے جنازے لائے جاتے رہے اور آپؐ نماز پڑھاتے رہے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ آخر تک وہیں رکھا رہا (نصب الرایہ ۲: ۳۰۹ باب الشهيد) اس حدیث کو ابن مسعودؓ سے شعبی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، اور شعبیؒ کا حضرت ابن مسعودؓ سے لقاء وسماع نہیں، مگر چونکہ وہ ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں اس لئے ان کے مراسیل معتبر ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مرسل الشعبي صحيح لايكاد يُرسل إلا صحيحا (تذکرۃ الحفاظ ۱: ۷۹)

اور باب میں یہ حدیث بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ صحابہ کو لے کر شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور جس طرح میت کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اس طرح نماز پڑھی —— یہ روایت زیر بحث نہیں، صرف وہ روایتیں زیر بحث ہیں کہ جب شہدائے احد کو دفن کیا گیا اس وقت ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی یا نہیں؟ اور وہ متعارض ہیں، اثبات کی بھی ہیں اور نفی کی بھی، اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مزاج ترجیح کا ہے، چنانچہ انھوں نے لم یصل والی روایت کو اصح قرار دیا اور نماز جنازہ کی نفی کی، اور امام احمد رحمہ اللہ کا مزاج جمع کا ہے چنانچہ انھوں نے روایات کو جمع کیا اور نماز جنازہ کو مستحب قرار دیا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کا مزاج عبادات میں احتیاط کا ہے چنانچہ انھوں نے احتیاط والا پہلو لیا، اور احتیاط نماز پڑھنے میں ہے۔

اور جو ائمہ عدم صلوٰۃ کے قائل ہیں ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ شہید مغفورلہ ہے، پس نماز جنازہ کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار نماز جنازہ کا ضمنی فائدہ ہے اصل مقصد میت کی تعظیم ہے، چنانچہ انبیاء کی بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے جبکہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور شہداء احترام کے زیادہ مستحق ہیں، پس ان کی بھی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے۔

مسئلہ: اگر متعدد جنازے جمع ہوں تو افضل یہ ہے کہ ہر جنازہ علاحدہ علاحدہ پڑھا جائے، احد میں تمام صحابہ بشمول سرور کونین ﷺ زخمی تھے، اس کے باوجود آپؐ نے جنازے علاحدہ علاحدہ پڑھے، اور ترمذی میں یہ حدیث (نمبر ۱۰۱۸) ہے

کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جنازہ پڑھایا پھر ایک قریشی عورت کا جنازہ پڑھایا، یعنی دونوں جنازے الگ الگ پڑھائے اور فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے، درمختار میں ہے: **وإذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصلوٰة علی کل واحدة أولیٰ من الجمع** (شامی ۱:۶۴۸) لوگوں میں اس مسئلہ میں غلط فہمی پائی جاتی ہے، لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ سب جنازے ایک ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے، حالانکہ یہ صرف جائز ہے، بہتر الگ الگ نماز پڑھنا ہے۔

شہید کون ہے؟

شہید وہ شخص ہے جس میں سات باتیں جمع ہوں: (۱) مسلمان ہو، (۲) مکلف ہو یعنی عاقل بالغ ہو، پس بچہ اور مجنون نکل گئے، (۳) حدث اکبر سے پاک ہو[1] (۴) ظلماً یعنی ناحق قتل کیا گیا ہو (۵) دھاردار ہتھیار سے قتل کیا گیا ہو، بندوق کی گولی بھی دھاردار ہتھیار میں آتی ہے (۶) قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو (۷) زخمی ہونے کے بعد دنیا سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، اگر زخمی ہونے کے بعد زندہ رہا اور کچھ کھایا پیا پھر مرا تو غسل دیا جائے گا، جس شہید میں یہ سات باتیں جمع ہوں اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

فائدہ: شہید کی نماز جنازہ کے بارے میں جو اختلاف ہوا ہے اس پر مجھے حیرت ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے انیس جنگیں لڑی ہیں، ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ صحابہ شہید ہوئے ہیں، آپ ان کی نماز جنازہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ یہ بات پردۂ خفا میں کیسے رہ گئی؟ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد سو سال تک صحابہ نے جنگیں لڑی ہیں اور ان میں بے شمار لوگ شہید ہوئے ہیں پس صحابہ کا طریقہ کیا تھا؟ وہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھتے تھے یا نہیں؟ یہ بات تواتر سے منقول ہونی چاہئے تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ مروی نہیں، نہ حضور اکرم ﷺ کا طریقہ مروی ہے اور نہ صحابہ کا طرز عمل منقول ہے۔ صرف غزوۂ احد کے بارے میں روایات ہیں اور وہ بھی مختلف ہیں، مجھے اس پر حیرت ہے: اتنی عام بات پردۂ خفا میں کیسے رہ گئی؟ یہ بات تو تواتر سے منقول ہونی چاہئے تھی پس تعامل امت سب سے بڑی دلیل ہوتی، روایات کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی، مگر ایسا نہیں ہوا اس پر مجھے بڑی حیرت ہے۔

[۷۲-] بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الشَّهِيْدِ

[۱۳۴۳-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُوْلُ: " أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟" فَإِذَا أُشِيْرَ لَهُ إِلَى

(۱) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تھے، بیوی کے ساتھ مقاربت کر رہے تھے کہ جہاد میں نکلنے کا اعلان ہوا، فوراً نکل کھڑے ہوئے اور غسل نہیں کیا، اور شہید ہو گئے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا۔

أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، وَقَالَ: " أَنَا شَهِيْدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ فِي دِمَائِهِمْ، وَلَمْ يُغْسَلُوْا، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ. [انظر: ١٣٤٥، ١٣٤٦، ١٣٤٧، ١٣٤٨، ١٣٥٣، ٤٠٧٩]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ احد کے شہداء میں سے دو دو کو ایک کپڑے میں جمع کرتے تھے، پھر پوچھتے تھے: ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد تھا؟ جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا (کہ اس کو قرآن زیادہ یاد تھا) تو آپؐ اس کو قبر میں پہلے رکھتے اور آپؐ نے فرمایا: "میں قیامت کے دن ان کے حق میں گواہی دوں گا، اور آپؐ نے ان کو ان کے خونوں کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا، اور وہ نہلائے نہیں گئے اور آپؐ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

تشریح:

۱- غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے، اور عرب کی زمین پتھریلی ہے، سب کے لئے قبر کھودنا مشکل تھا، نیز سب صحابہ بشمول نبی پاک ﷺ زخمی تھے اس لئے ایک ایک قبر میں دو دو، تین تین شہداء کو دفن کیا گیا، اور جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو آپؐ قبلہ کی طرف مقدم کرتے، یہ قرآن کی وجہ سے اس کی تعظیم تھی۔

۲- ایک کپڑے میں دو اور تین کو کفن دینے کا مطلب یہ ہے کہ کپڑا اپھاڑ کر دو اور تین کو کفن دیا گیا، کیونکہ کپڑے تھوڑے تھے اور شہداء زیادہ تھے۔

۳- اگر کسی مجبوری میں ایک کپڑے میں ایک سے زیادہ اموات کو لپیٹنا پڑے تو لاشوں کے درمیان فصل رکھنا چاہئے، خواہ کپڑے کا فصل ہو یا گھاس پتے یا کاغذ وغیرہ کا۔

۴- جس قبر میں متعدد اموات دفن کی جائیں اس کو کھودنے کے دو طریقے ہیں: ایک: شمالاً جنوباً لمبی قبر کھودی جائے، اس کو پاٹنا آسان ہوگا۔ دوم: شرقاً غرباً چوڑی قبر کھودی جائے، اس کو پاٹنے میں دشواری ہوگی، غزوۂ احد میں چوڑی قبریں کھودی گئی تھیں، اس حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

۵- آنحضرت ﷺ قیامت کے دن جن جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت قبول کی ہے، ان کے حق میں اور جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون سورۃ الحج آیت ۷۸ میں ہے اور اسی لحاظ سے آپؐ کی صفت شاھد آئی ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ تین مضمون ملتے جلتے ہیں اس لئے ان کو الگ الگ سمجھ لینا چاہئے، عام طور پر ان میں اشتباہ ہوتا ہے:

پہلا مضمون: قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے اور حضور ﷺ اپنی امت دعوت کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون دو جگہ آیا ہے، سورۃ النساء آیت ۴۰ میں اور سورۃ النحل آیت ۸۹ میں، سورۃ النساء میں مقصود منظر کشی ہے اور سورۃ النحل میں مقصود مضمون کو مدلل کرنا ہے۔

دوسرا مضمون: قیامت کے دن امت محمدیہ پچھلی امتوں کے خلاف، انبیاء کرام کی حمایت میں گواہی دے گی اور جب ان کی امتوں کی طرف سے جرح ہوگی کہ یہ گواہی دینے والی امت سب سے آخری امت ہے انھوں نے ہمارا زمانہ نہیں پایا،

اس لئے ان کی گواہی معتبر نہیں، اس وقت آنحضور ﷺ اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے کہ میری امت صحیح کہہ رہی ہے ان کو مجھ سے اور قرآن سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے —— یہ مضمون سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳ میں ہے۔

تیسرا مضمون: نبی ﷺ اپنے زمانہ کے لوگوں (امت دعوت) کے خلاف گواہی دیں گے اور آپ کی امت اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے خلاف گواہی دے گی، کیونکہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی طرف مبعوث ہیں آپ کی امت بھی آپ کی طرف سے لوگوں کی طرف مبعوث ہے، پس جو ذمہ داری اللہ کے رسول کی ہے وہی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کے رسولوں کی بھی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری دعوت وارشاد ہے، پس وہی ذمہ داری امت کی بھی ہے، یہ مضمون سورۃ الحج آیت ۷۸ میں ہے (تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۵۰-۵۵ اور تفسیر ہدایت القرآن پارہ ۱۴ ص: ۱۵۸ میں ہے)

[۱۳۴۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ أَبِيْ حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ يَوْمًا فَصَلّٰى عَلٰى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: " إِنِّيْ فَرَطٌ لَكُمْ، وَأَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ، وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ لَأَنْظُرُ إِلٰى حَوْضِيَ الْآنَ، وَإِنِّيْ أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ: مَفَاتِيْحَ الْأَرْضِ، وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ، وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا" [۳۵۹۶، ۴۰۴۲، ۴۰۸۵، ۶۴۲۶، ۶۵۹۰]

ترجمہ: نبی ﷺ (وفات سے چند دن پہلے) ایک دن نکلے اور آپ نے احد کے شہداء کی میت کی نماز پڑھنے کی طرح نماز پڑھی، پھر منبر کی طرف پھرے یعنی مسجد نبوی میں واپس آکر تقریر کرنے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: "میں تمہارے لئے فرط (پیش رو) ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں [1] اور میں بخدا اس وقت اپنا حوض دیکھ رہا ہوں، اور مجھے زمین کے خزانوں کی یا فرمایا: مجھے زمین کی چابیاں دی گئیں اور مجھے بخدا تمہارے بارے میں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، ہاں میں ڈرتا ہوں کہ تم دنیا کی ریس کرو گے" یعنی دنیا حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو گے۔

تشریح:

۱- احناف جو شہید کی نماز جنازہ کے قائل ہیں: یہ حدیث ان کا مستدل نہیں، کیونکہ یہ تو بہت بعد کا واقعہ ہے، ان کی اصل دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مسند احمد میں ہے جو ابھی میں نے بیان کی۔

---

(۱) اسی معنی میں نبی ﷺ کی صفت قرآن میں شاھد آئی ہے ﴿إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا﴾ جو لوگ اس کا حاضر وناظر ترجمہ کرتے ہیں وہ غلط ترجمہ کرتے ہیں، شاھد کے کے معنی گواہ کے ہیں ۱۲

۲- آنحضور ﷺ نے تقریر میں دو باتیں فرمائیں:

ایک: میں تمہارا پیش رَو ہوں یعنی تم سے پہلے آخرت میں پہنچونگا، اور تمہارا انتظار کروں گا، پھر تمہارے حق میں گواہی دوں گا۔

دوم: مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں یعنی ساری دنیا میری امت کے زیر نگیں آئے گی اور مال ومنال کی ریل پیل ہوجائے گی اور امت اس میں ریس کرنے لگے گی، حلال وحرام کی تمیز کے بغیر دنیا کمائے گی۔

فائدہ: مال فی نفسہ بری چیز نہیں، مال تو مایۂ زندگانی ہے وہ لوگوں کے لئے سہارا ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَلاَ تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾ اور مت دو کم عقلوں (یتیموں) کو ان کے وہ مال جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے یعنی زندگی مال کے سہارے قائم ہے پس وہ بری چیز کیسی ہوسکتی ہے؟ ہاں مال حاصل کرنے کے لئے ریس کرنا اور حلال وحرام کی پرواہ نہ کرنا بڑا فتنہ ہے، نبی ﷺ نے اسی کا اندیشہ ظاہر فرمایا ہے۔

بَابُ دَفْنِ الرَّجُلَيْنِ أَوِ الثَّلاَ ثَةِ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ

ایک قبر میں دو یا تین مردوں کو دفن کرنا

کبھی اموات بہت ہوتی ہیں اور ہر ایک کے لئے قبر کھودنا مشکل ہوتا ہے، ایسی صورت میں ایک قبر میں متعدد اموات دفن کی جاسکتی ہیں، جگہ جگہ جو نوگزہ پیر ہیں یعنی لمبی قبریں ہیں ان کی حقیقت یہی ہے، وہاں یا تو جنگ ہوئی ہے یا کوئی وبا آئی ہے اس لئے ایک قبر میں کئی کئی اموات دفن کی گئی ہیں، دیوبند میں بھی ایک لمبی قبر ہے، یہ اس وقت کی ہے جب دیوبند میں طاعون پھیلا تھا جس سے روزانہ سیکڑوں آدمی مرتے تھے، دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ بھی اسی وبا میں شہید ہوئے ہیں، مگر آپ کی قبر نانوتہ میں لب سڑک ہے۔

[۷۳-] بَابُ دَفْنِ الرَّجُلَيْنِ أَوِ الثَّلاَ ثَةِ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ

[۱۳۴۵-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ كَعْبٍ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ. [راجع: ۱۳۴۳]

وضاحت: اس حدیث میں ایک قبر میں دو کو دفن کرنے کا ذکر ہے، اور بعض روایات میں تین کو بھی دفن کرنے کا ذکر ہے، مگر وہ بخاری میں لانے کے قابل نہیں، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ترجمہ میں الثلاثۃ بڑھا ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ غُسْلَ الشُّهَدَاءِ

جن کے نزدیک شہید کا غسل نہیں

کچھ حضرات مثلاً حسن بصری اور سعید بن المسیب رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ شہید کو بھی غسل دیا جائے گا، لیکن ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا، نبی ﷺ نے احد کے شہداء کو ان کے خونوں کے ساتھ یعنی نہلائے بغیر دفن کیا تھا۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اس کی تین حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی حکمت: اس طرح دفنانے سے اس مقدس عمل (شہادت) کی عظمت ظاہر ہوگی، یعنی یہ بات لوگوں کے ذہن میں بیٹھے گی کہ راہِ خدا میں مارا جانا ایک ایسا پیارا عمل ہے اور ایک ایسی عمدہ حالت ہے کہ عام اموات کی طرح اس کی زندگی کی حالت میں تبدیلی نہیں کی گئی، بلکہ اس حالت کو گلے سے لگائے رکھا گیا۔

دوسری حکمت: اس طرح دفنانے سے عمل شہادت کے بقاء کا نقشہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہے گا گو سرسری ہی سہی۔

تیسری حکمت: اس طرح دفن کرنے سے خود شہید کو بھی اس کے مقدس عمل کی یاد تازہ رہے گی، کیونکہ عام روحوں میں بھی جسم سے جدا ہونے کے بعد گونہ احساس باقی رہتا ہے۔ اور مردے اپنی حالت کو جانتے ہیں، اور شہداء تو زندہ ہیں وہ ان امور کا جو ان سے متعلق ہیں پورا پورا ادراک رکھتے ہیں اس لئے جب ان کی شہادت کا اثر باقی رہے گا تو وہ ان کو اس مقدس عمل کی یاد دلاتا رہے گا، اور قیامت کے میدان میں اس کی مظلومیت بھی ظاہر ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے: قیامت کے دن شہداء کے زخموں سے خون بہتا ہوگا: رنگ خون کا ہوگا مگر خوشبو مشک سی ہوگی (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۶۶۷)

[۷٤-] بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ غُسْلَ الشُّهَدَاءِ

[۱۳٤٦-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "ادْفِنُوْهُمْ فِيْ دِمَائِهِمْ" يَعْنِيْ يَوْمَ أُحُدٍ وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ. [راجع: ۱۳٤۳]

بَابٌ: مَنْ يُقَدَّمُ فِي اللَّحْدِ؟

بغلی میں کس کو پہلے رکھا جائے

اجتماعی تدفین میں قبلہ کی طرف پہلے اس شخص کو رکھا جائے جسے قرآن زیادہ یاد ہو، یا جسے کوئی اور دینی فضیلت حاصل ہو، احد کے شہداء کو جب دفن کیا گیا تو نبی ﷺ پوچھتے تھے: کس کو قرآن کریم زیادہ یاد ہے؟ صحابہ بتاتے تھے تو آپ اس کو قبلہ کی طرف آگے رکھواتے تھے، اس سے حافظ قرآن کی فضیلت نکلتی ہے کہ حفظ قرآن دنیا میں بھی رفع درجات کا سبب ہے اور

آخرت میں بھی۔

لحد اور شق:

جاننا چاہئے کہ قبر دو طرح کی ہوتی ہے: لحد اور شق، قبر کے گڑھے میں جدار قبلی میں کھود کر جگہ بناتے ہیں، پھر اس میں میت کو رکھتے ہیں پھر پیچھے پتھر یا اینٹوں سے چن دیتے ہیں اس کو "لحد" کہتے ہیں۔ اور شق یہ ہے کہ قبر کے گڑھے کے بیچ میں دوسرا گڑھا کھودتے ہیں اور اس میں میت کو لٹاتے ہیں اور اوپر تختے رکھ کر پاٹ دیتے ہیں، دیوبند میں اسی طرح قبر بناتے ہیں ان میں کونسا طریقہ افضل ہے؟ یہ مسئلہ چند ابواب کے بعد آرہا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے لحد کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ لحد کا مادہ ثلاثی مجرد (لحد) اور ثلاثی مزید (الحد) دونوں طرح مستعمل ہے، اور اس کے اصل معنی ہیں: ہٹنا اور انحراف کرنا، چونکہ لحد میں قبر کنارہ پر ہوتی ہے یعنی ایک جانب ہٹی ہوئی ہوتی ہے اس لئے اس کو لحد کہتے ہیں، اور اسی سے ملحِد بنا ہے، یعنی وہ شخص جو صراط مستقیم سے ہٹ گیا ہے، ہر ظالم کو بھی ملحد کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا ہوتا ہے، سورۂ کہف (آیت ۲۷) میں ارشادِ پاک ہے ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهِ مُلْتَحَدًا﴾ آپ اللہ کے علاوہ کوئی ہٹنے کی جگہ یعنی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔ مُلتحد: اسم ظرف ہے اور اس کے معنی ہیں: مَعْدِلاً یعنی ہٹنے کی جگہ، اور جو قبر سیدھی ہوتی ہے جیسے دیوبند میں قبر بنتی ہے اس کو ضریح اور شق کہتے ہیں اور اردو میں اس کو صندوقچی قبر کہتے ہیں۔

[۷۵-] بَابٌ: مَنْ يُقَدَّمُ فِي اللَّحْدِ؟

قَالَ أَبُوْ عبد اللهِ: سُمِّيَ اللَّحْدُ لِأَنَّهُ فِيْ نَاحِيَةٍ، [وَكُلُّ جَائِرٍ مُلْحِدٌ.] ﴿مُلْتَحَدًا﴾ [الكهف: ٢٧] مَعْدِلاً، وَلَوْ كَانَ مُسْتَقِيْمًا كَانَ ضَرِيْحًا.

[١٣٤٧-] حدثنا ابْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُوْلُ: "أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟" فَإِذَا أُشِيْرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، وَقَالَ: "أَنَا شَهِيْدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ" وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ، وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ. [راجع: ١٣٤٣]

[١٣٤٨-] قَالَ [ابْنُ الْمُبَارَكِ:] وَأَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ لِقَتْلَى أُحُدٍ: "أَيُّ هٰؤُلَاءِ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟" فَإِذَا أُشِيْرَ لَهُ إِلَى رَجُلٍ قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ قَبْلَ صَاحِبِهِ، قَالَ جَابِرٌ: فَكُفِّنَ أَبِيْ وَعَمِّيْ فِيْ نَمِرَةٍ وَاحِدَةٍ. [راجع: ١٣٤٣]

وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ جَابِرًا.

وضاحت: اس حدیث کو ابن شہاب زہریؒ سے تین حضرات روایت کرتے ہیں: لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی اور سلیمان بن کثیر، لیث: زہری اور حضرت جابرؓ کے درمیان عبدالرحمٰن بن کعب کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور امام اوزاعی کوئی واسطہ ذکر نہیں کرتے، جبکہ زہری رحمہ اللہ کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لقاء وسماع نہیں، اور سلیمان بن کثیر مجہول واسطہ ذکر کرتے ہیں، پس صحیح سند پہلی ہے۔

اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے ابا اور میرے چچا کو ایک دھاری دار چادر میں کفن دیا گیا، کرمانی نے اس کو راوی کا وہم قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ ان کے بھائی یعنی حضرت جابرؓ کے چچا دفن نہیں کئے گئے تھے بلکہ عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ دفن کئے گئے تھے، مگر وہم قرار دینے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جابرؓ کی عمرو بن الجموحؓ کے ساتھ قرابت تھی، عمرو کے نکاح میں جابرؓ کی پھوپھی ہند بنت عمرو تھیں اس لئے حضرت جابرؓ نے مجازاً ان کو چچا کہہ دیا ہے، یا یوں کہا جائے کہ ایک چادر پھاڑ کر اس میں حضرت جابرؓ کے والد کو بھی کفن دیا گیا اور چچا کو بھی، اور دفن الگ الگ کیا گیا پس ایک چادر میں کفن دینے کی بات صحیح ہو جائے گی۔

بَابُ الإِذْخِرِ وَالْحَشِيْشِ فِيْ الْقَبْرِ

قبر میں اذخر اور دوسری گھاس کا استعمال

قبر میں تختوں اور اینٹوں کے درمیان جو جگہ خالی رہ جاتی ہے اس کو بند کرنے کے لئے درخت کے پتے، ٹہنیاں اور گھاس وغیرہ استعمال کرتے ہیں: یہ جائز ہے اور یہی اس باب کا مقصد ہے۔ عرب میں اذخر گھاس استعمال کرتے تھے، ہمارے یہاں یہ گھاس نہیں ہوتی اس لئے دوسری گھاس اور درخت کے پتے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ میں لفظ حشیش بڑھا کر مسئلہ عام کیا ہے یعنی قبر میں ہر گھاس رکھ سکتے ہیں۔

[۷٦-] بَابُ الإِذْخِرِ وَالْحَشِيْشِ فِيْ الْقَبْرِ

[۱۳۴۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " حَرَّمَ اللّٰهُ مَكَّةَ، فَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ، وَلاَ تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِيْ، أُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، لاَ يُخْتَلَى خَلاَهَا، وَلاَ يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلاَ تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلاَّ لِمُعَرِّفٍ" فَقَالَ الْعَبَّاسُ: إِلاَّ الإِذْخِرَ لِصَاغَتِنَا وَقُبُوْرِنَا، فَقَالَ: " إِلاَّ الإِذْخِرَ" وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " لِقُبُوْرِنَا وَبُيُوْتِنَا" وَقَالَ أَبَانُ بْنُ صَالِحٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ، وَقَالَ

مُجَاهِدٌ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: لِقَيْنِهِمْ وَبُيُوْتِهِمْ.
[انظر: ۱۵۸۷، ۱۸۳۳، ۱۸۳٤، ۲۰۹۰، ۲٤۳۳، ۲۷۸۳، ۲۸۲۵، ۳۰۷۷، ۳۱۸۹، ٤۳۱۳]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مکہ کو حرام کیا ہے پس وہ نہیں حلال ہوا مجھ سے پہلے کسی کے لئے اور نہیں حلال ہوگا میرے بعد کسی کے لئے، اور میرے لئے بھی دن کی ایک مخصوص گھڑی میں (طلوع شمس سے غروب تک) حلال کیا گیا ہے، اس کی گھاس نہ کاٹی جائے اور اس کا درخت نہ کاٹا جائے اور اس کا شکار نہ بھگایا جائے اور اس کی پڑی ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے مگر مالک ڈھونڈھنے والے کے لئے، پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اذخر گھاس کا استثناء فرمادیں ہمارے سناروں اور قبروں کے لئے (یہ جزء باب سے متعلق ہے) پس آپؐ نے فرمایا: اذخر گھاس مستثنیٰ ہے (یہ عکرمہ کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ہماری قبروں کے لئے اور ہمارے گھروں کے لئے یعنی لوگ گھروں کے لئے اذخر گھاس کے چھپر بناتے ہیں اور اس کو قبروں میں بھی ڈالتے ہیں، اور صفیہؓ کی حدیث میں بھی یہی ہے، اور طاؤس کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت میں ہے: ہمارے لوہاروں کے لئے اور ہمارے گھروں کے لئے۔

وضاحت: حدیث کی باب سے مناسبت واضح ہے، نبی ﷺ نے قبر میں ڈالنے کے لئے حرم کی اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دی، پس غیر حرم کی بدرجۂ اولیٰ ڈال سکتے ہیں اور یہی حکم دوسری گھاسوں کا ہے اور حدیث کی شرح کتاب العلم باب ۳۷ (تحفۃ القاری ۱: ۳۹۶) میں ہے۔

بَابٌ: هَلْ يُخْرَجُ الْمَيِّتُ مِنَ الْقَبْرِ وَاللَّحْدِ لِعِلَّةٍ؟

کسی وجہ سے میت کو قبر سے نکال سکتے ہیں؟

اگر کسی وجہ سے قبر کھولنی پڑے یا میت کو قبر سے نکالنا پڑے تو کیا حکم ہے؟ حضرت رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، ھل استفہامیہ رکھا ہے، احادیث پڑھ کر قارئین فیصلہ کریں۔

میت نکالنے کی دو صورتیں:

ایک: میت قبر میں رکھ دی گئی مگر ابھی قبر بند نہیں کی یا قبر بھری نہیں گئی تو میت کو نکالنے کی اور قبر کھولنے کی گنجائش ہے، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کو قبر میں رکھ دیا گیا تھا، مگر ابھی قبر بند نہیں کی گئی تھی، نبی ﷺ نے اس کو قبر میں سے نکلوایا اور اس کو اپنا کرتا پہنایا اور اس پر لعاب ڈالا، پس اگر کوئی شخص میت کو اتارنے کے لئے قبر میں اترا اور اس کی گھڑی گر گئی اور قبر ابھی بند نہیں کی گئی تو قبر کھول کر گھڑی نکال سکتے ہیں۔

دوسری صورت: قبر پاٹ دی گئی، اب قبر کھولنے کی اور میت کو نکالنے کی اجازت نہیں، مگر شدید مجبوری ہو تو دوسری بات ہے۔

[۷۷-] بَابٌ: هَلْ يُخْرَجُ الْمَيِّتُ مِنَ الْقَبْرِ وَاللَّحْدِ لِعِلَّةٍ؟

[۱۳۵۰-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: أَتَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ حُفْرَتَهُ، فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ، فَوَضَعَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، وَنَفَثَ فِيْهِ مِنْ رِيْقِهِ، وَأَلْبَسَهُ قَمِيْصَهُ، فَاللهُ أَعْلَمُ، وَكَانَ كَسَا عَبَّاسًا قَمِيْصًا، وَقَالَ سُفْيَانُ: وَقَالَ أَبُوْ هَارُوْنَ: وَكَانَ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَمِيْصَانِ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ: يَارَسُوْلَ اللهِ أَلْبِسْ أَبِيْ قَمِيْصَكَ الَّذِيْ يَلِيْ جِلْدَكَ، قَالَ سُفْيَانُ: فَيَرَوْنَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَلْبَسَ عَبْدَ اللهِ قَمِيْصَهُ مُكَافَأَةً لِمَا صَنَعَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ عبداللہ بن ابی کے پاس آئے اس کو گڑھے میں داخل کئے جانے کے بعد، پس آپؐ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا، پس وہ نکالا گیا (یہاں باب ہے) پس آپؐ نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اس کے منہ میں لعاب ڈالا، اور اس کو اپنا کرتا پہنایا ـــــ پس اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں اور اس نے حضرت عباسؓ کو اپنا کرتا پہنایا تھا (یہ حضرت جابرؓ نے اپنے گمان سے ابن سلول کو کرتا پہنانے کی وجہ بیان کی ہے، بدر کے قیدیوں میں حضرت عباسؓ بھی تھے، وہ دراز قد تھے، اور ابن سلول بھی دراز قد تھا، اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہننے کے لئے اپنا کرتا دیا تھا آپؐ نے اپنا کرتا دے کر اس کا احسان چکا دیا) ـــــ اور سفیان کہتے ہیں: ابو ہارون نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے پاس دو کرتے تھے (یہ سوال مقدر کا جواب ہے کہ جب آپؐ نے اپنا کرتا ابن سلول کو پہنا دیا تو آپؐ بے کرتہ رہ گئے، اس کا جواب دیا کہ آپؐ نے دو کرتے پہن رکھے تھے) پس آپؐ سے ابن سلول کے بیٹے نے (ان کا نام بھی عبداللہ تھا اور وہ مخلص مسلمان تھے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ کے بدن مبارک سے جو کرتا لگا ہوا ہے وہ کرتا میرے باپ کو پہنا دیں، سفیان کہتے ہیں: لوگوں کا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو اپنا کرتا اس احسان کے بدلہ میں پہنایا تھا جو اس نے (آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ پر) کیا تھا (حدیث کی شرح کتاب الجنائز باب ۲۲ (تحفۃ القاری ۳: ۵۸۹) میں ہے)

[۱۳۵۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: لَمَّا حَضَرَ أُحُدٌ: دَعَانِيْ أَبِيْ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ: مَا أُرَانِيْ إِلَّا مَقْتُوْلًا فِيْ أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَإِنِّيْ لَا أَتْرُكُ بَعْدِيْ أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ، غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَإِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ، وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْرًا، فَأَصْبَحْنَا، فَكَانَ أَوَّلَ قَتِيْلٍ، وَدَفَنْتُ مَعَهُ آخَرَ فِيْ قَبْرِهِ، ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِيْ أَنْ أَتْرُكَهُ مَعَ آخَرَ، فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ أَشْهُرٍ، فَإِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ، هُنَيَّةً غَيْرَ أُذُنِهِ. [انظر: ۱۳۵۲]

[۱۳۵۲-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: دُفِنَ مَعَ أَبِيْ رَجُلٌ فَلَمْ تَطِبْ نَفْسِيْ حَتَّى أَخْرَجْتُهُ، فَجَعَلْتُهُ فِيْ قَبْرٍ عَلٰى حِدَةٍ.
[راجع: ۱۳۵۱]

وضاحت: غزوہ احد سے پہلے والی رات میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: کل جب جنگ ہوگی تو میرا خیال ہے کہ صحابہ میں سے جو لوگ سب سے پہلے شہید ہوں گے ان میں میں بھی شہید ہوجاؤں گا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات ایک خواب کی بنیاد پر کہی تھی، انھوں نے خواب میں مبشر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے، وہ کہہ رہے تھے: آج کل میں تم ہمارے پاس آنے والے ہو، حضرت عبداللہؓ نے اپنا خواب نبی ﷺ سے بیان کیا، آپؐ نے فرمایا: هذه شهادة: یہ شہادت کی طرف اشارہ ہے۔
(مستدرک حاکم ۳: ۲۲۵)

اور دوسری بات یہ فرمائی کہ حضور ﷺ کے بعد مجھے سب سے زیادہ پیارتم سے ہے، پھر وصیت کی کہ مجھ پر قرض ہے اسے ادا کرنا اور اپنی بہنوں کا خیال رکھنا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں: ایسا ہی ہوا، صبح اول وہلہ میں جو صحابہ شہید ہوئے ان میں میرے ابا بھی تھے، ان کو ایک دوسرے شخص کے ساتھ (عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے ساتھ) ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا، مگر مجھے یہ اچھا نہ لگا تو میں نے چھ ماہ کے بعد اپنے والد کو نکال کر دوسری جگہ دفن کیا، چھ ماہ کے بعد بھی ابا کی نعش ویسی ہی تھی جیسی دفن کی تھی، بس کان پر مٹی کا ذرا سا اثر آیا تھا، اس کے علاوہ کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔

قولہ: ثم لم تَطِبْ نفسي: پھر مجھے اچھا نہیں لگا کہ ابا کو دوسرے کے ساتھ رہنے دوں الی آخرہ، یہ جزء باب سے متعلق ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ بعد ابا کی نعش قبر سے نکالی ہے۔

قولہ: هُنَيَّةً غَيْرَ أُذُنِهِ: هُنَيَّة: تھوڑی سی چیز، یہ هَنَة کی تصغیر ہے، پھر اس کے بعد الفاظ کیا ہیں؟ اس میں روایات میں سخت اختلاف ہے (فتح) اور نہ تطبیق واضح ہے نہ مفہوم۔ میرے نزدیک یہ مستثنیٰ ہے اور إلا مقدر ہے، اور اس کے بعد غَيْرَ أُذُنَهُ ہے یعنی: مگر تھوڑی سی تبدیلی، جس نے ان کے کان کو بدلا تھا یعنی مٹی سے ایک کان ذرا سا ل متاثر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ پورے بدن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

عجیب بات: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے چھ مہینہ کے بعد ابا کی نعش نکال کر علاحدہ دفن کی تھی، مگر چھیالیس سال کے بعد جب نہر نے مٹی کھود کر ان کی قبر ظاہر کی تو حضرت عبداللہ اور حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہما ایک ساتھ تھے، اور دونوں کی نعشیں بحالہ تھیں، ذرا تبدیلی نہیں آئی تھی، یہ بات عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ نے بلاغاً بیان کی ہے جو موطا مالک (ص: ۱۷۷ آخر ابواب الجہاد) میں ہے۔

بلاغاً: یعنی یہ بات ان کو پہنچی ہے، انھوں نے خود مشاہدہ نہیں کیا، اور شنیدہ کئے بود مانند دیدہ!

بَابُ اللَّحْدِ وَالشَّقِّ فِي الْقَبْرِ

قبر میں لحد اور شق

لحد (بغلی قبر) وہاں بناتے ہیں جہاں زمین سخت ہوتی ہے، نرم زمین میں صندوقچی قبر بناتے ہیں، اور دونوں طریقے یکساں ہیں، البتہ جہاں دونوں طرح کی قبریں بن سکتی ہوں وہاں لحد بنانا اولیٰ ہے۔

اور اس کی چند وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: بغلی قبر میں میت کا زیادہ اکرام ہے کیونکہ بے ضرورت میت کے چہرے پر مٹی ڈالنا بے ادبی ہے، علاوہ ازیں جب صندوقچی قبر بیٹھے گی اور تختے ٹوٹیں گے تو میت پر مٹی پڑے گی۔

دوسری وجہ: بغلی قبر میں میت مردار خور جانور سے محفوظ رہتی ہے، جانور نرم مٹی کھودتا چلا جاتا ہے اور میت ایک طرف رہ جاتی ہے وہ اس کے ہاتھ نہیں آتی۔

تیسری وجہ: بغلی قبر میں میت کو کروٹ پر لٹانے میں آسانی ہے۔

مردے کو قبر میں کیسے رکھا جائے؟

مردے کو قبر میں دائیں کروٹ لٹانا چاہئے یا چت لٹا کر قبلہ کی طرف منہ کرنا چاہئے؟ فقہ کی کتابوں میں عام طور پر یہ لکھا ہے کہ میت کو دائیں کروٹ پر لٹانا چاہئے، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی قدس سرہ (صاحب احسن الفتاوی) نے وصیت کی تھی کہ ان کو قبر میں کروٹ پر لٹایا جائے، اور فقہ کی بعض عبارتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مردے کو چت لٹا کر اس کا منہ قبلہ کی طرف کیا جائے، دیوبند اور سہارن پور میں اسی پر عمل ہے، میرے نزدیک دونوں طریقے جائز ہیں اور کروٹ پر لٹانا افضل ہے اور لحد کی فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں کروٹ دینے میں آسانی ہوتی ہے اور شق میں کروٹ پر لٹانے میں دشواری ہوگی، کروٹ دینے کے لئے میت کے پیچھے مٹی بھرنی ہوگی ورنہ وہ کھڑی نہیں رہے گی۔

بغلی قبر ہمارے لئے اور صندوقچی قبر دوسروں کے لئے: کا مطلب

ترمذی (حدیث ۱۰۲۹) میں ہے: اللحد لنا، والشق لغیرنا: اس حدیث میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ ایک پیشین گوئی ہے، آنحضور ﷺ نے اپنے تعلق سے فرمایا تھا کہ دوسروں کی قبر چاہے بغلی بناؤ چاہے صندوقچی، مگر میری قبر بغلی بنانا، اس سے لحد کی فضیلت نکلی، چنانچہ آپؐ کے انتقال کے بعد جب اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ قبر اطہر بغلی بنائی جائے یا صندوقچی؟ اور یہ حدیث اس وقت سامنے نہیں تھی تو فیصلہ اس طرح کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں دو صحابی تھے جو قبر کھودتے تھے ایک لحد بناتے تھے دوسرے شق۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ لحد اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شق بناتے تھے، چنانچہ دونوں کے پاس

آدمی بھیجے گئے اور طے کیا گیا کہ جو پہلے آئے وہ اپنا کام کرے، پھر ہوا یہ کہ جو صحابی شق بناتے تھے وہ گھر پر نہیں ملے اور جو لحد بناتے تھے وہ آئے اور انھوں نے اپنا کام کیا، اس طرح تکوینی طور پر آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

[۷۸-] بَابُ اللَّحْدِ وَالشَّقِّ فِي الْقَبْرِ

[۱۳۵۳-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلىٰ أُحُدٍ، ثُمَّ يَقُوْلُ:" أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟" فَإِذَا أُشِيْرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ، فَقَالَ:" أَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" فَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ، وَلَمْ يُغَسِّلْهُمْ. [راجع: ۱۳۴۳]

بَابٌ: إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلّٰى عَلَيْهِ؟ وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الإِسْلَامُ؟

بچہ مسلمان ہوا، پھر مرگیا تو کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟

اور کیا بچے کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی جائے گی؟

اگر بچہ سمجھدار ہے اور مسلمان ہوا ہے تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا، اگر چہ اس کے ماں باپ مسلمان نہ ہوں، کیونکہ جب بچہ سمجھ دار ہوگیا اور وہ دین وشریعت کو سمجھنے لگا تو وہ مستقل ہوگیا، اب اس کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا، اگر چہ بلوغ سے پہلے انسان مکلف نہیں ہوتا مگر علیہ (ذمہ داریوں) میں مکلف نہیں ہوتا، لہ (فوائد) میں اعتبار کیا جاتا ہے، پس اگر بچے نے نمازیں نہیں پڑھیں تو قضا نہیں نہ کوئی مؤاخذہ ہے، لیکن سمجھ دار بچہ نماز پڑھے تو نماز صحیح ہوگی اور اس کو ثواب ملے گا، کیونکہ لہ میں اعتبار کیا جاتا ہے اور بچہ نے کفر کیا تو اس کفر کا اعتبار نہیں کیا جاتا، کیونکہ وہ مکلف نہیں، لیکن اگر وہ سمجھ دار ہے اور اسلام قبول کرے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اب اگر وہ مرجائے تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا چاہے اس کے ماں باپ مسلمان نہ ہوں وہ اب ماں باپ کے تابع نہیں۔ اور اس سے دوسری بات کا جواب بھی نکل آیا کہ اگر بچہ سمجھ دار ہے، دین وشریعت کو سمجھتا ہے تو اس کے سامنے اسلام پیش کرنا چاہئے۔

اور اگر بچہ ناسمجھ ہے تو کفر واسلام میں ماں باپ کے تابع ہوگا، ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہوتو وہ خیر الابوین کے تابع ہوگا، اور اگر ماں باپ دونوں غیر مسلم ہوں تو بچہ کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، اور اگر ایک بھی مسلمان ہوتو جنازہ پڑھیں گے، کچھ لوگ کہتے ہیں: بچہ باپ کے تابع ہے، ماں کے تابع نہیں، ان کی یہ بات صحیح نہیں، چاروں ائمہ متفق ہیں کہ بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے، حضرات حسن بصری، قاضی شریح، ابراہیم نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ اسی کے قائل تھے۔

دلائل:

۱- حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام الفضل رضی اللہ عنہا مکہ میں شروع ہی سے اسلام لے آئی تھیں اور حضرت عباسؓ کا اگرچہ اسلام کے بارے میں نرم گوشہ تھا مگر وہ اسلام نہیں لائے تھے، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے ہیں، اور ابن عباسؓ کا شمار ماں کے ساتھ تھا باپ کے ساتھ نہیں تھا۔ سورۃ النساء (آیت ۹۸) میں ہے: ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً﴾: حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: النساء سے میری ماں مراد ہیں اور الولدان سے میں مراد ہوں، معلوم ہوا کہ بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے۔

۲- ارشادِ نبوی ہے: الإسلامُ يَعْلُو ولا يُعْلَى عَلَيْهِ: اسلام سر بلند رہتا ہے اس سے کوئی مذہب بلند نہیں ہوتا، پس ماں باپ میں سے اگر کوئی غیر مسلم ہے اور بچہ اس کے تابع ہوگا تو غیر اسلام کا بلند ہونا لازم آئے گا، اس لئے بچہ کو خیر الابوین کے تابع کریں گے، کیونکہ اسلام ہی سر بلند رہتا ہے۔

[۷۹-] بَابٌ: إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ؟ وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الإِسْلَامُ؟

[۱-] وَقَالَ الْحَسَنُ، وَشُرَيْحٌ، وَإِبْرَاهِيْمُ، وَقَتَادَةُ: إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا فَالْوَلَدُ مَعَ الْمُسْلِمِ.

[۲-] وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَعَ أُمِّهِ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَ أَبِيْهِ عَلَى دِيْنِ قَوْمِهِ.

[۳-] وَقَالَ: الإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلَى.

[۱۳۵۴-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عُمَرَ انْطَلَقَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ رَهْطٍ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ، حَتَّى وَجَدُوْهُ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ عِنْدَ أُطُمِ بَنِيْ مَغَالَةَ، وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ الْحُلُمَ، فَلَمْ يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ: "أَتَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ؟" فَنَظَرَ إِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ الْأُمِّيِّيْنَ، فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَتَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ؟ فَرَفَضَهُ، وَقَالَ: "آمَنْتُ بِاللهِ وَبِرُسُلِهِ" فَقَالَ لَهُ: "مَاذَا تَرَى؟" قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: يَأْتِيْنِيْ صَادِقٌ وَكَاذِبٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "خُلِّطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ" ثُمَّ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنِّيْ قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيْئًا" فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: هُوَ الدُّخُّ، فَقَالَ: "اخْسَأْ! فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ" فَقَالَ عُمَرُ: دَعْنِيْ يَارَسُوْلَ اللهِ أَضْرِبْ عُنُقَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِيْ قَتْلِهِ" [انظر: ۳۰۵۵، ۶۱۷۳، ۶۶۱۸]

[۱۳۵۵-] وَقَالَ سَالِمٌ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: ثُمَّ انْطَلَقَ بَعْدَ ذَلِكَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه

وسلم وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلَى النَّخْلِ الَّتِي فِيهَا ابْنُ صَيَّادٍ، وَهُوَ يَخْتِلُ أَنْ يَسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ ابْنُ صَيَّادٍ، فَرَآهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُضْطَجِعٌ فِي قَطِيفَةٍ، لَهُ فِيهَا رَمْزَةٌ، أَوْ: زَمْرَةٌ، فَرَأَتْ أُمُّ صَيَّادٍ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ، فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ: يَا صَافِ - وَهُوَ اسْمُ ابْنِ صَيَّادٍ - هَذَا مُحَمَّدٌ، فَثَارَ ابْنُ صَيَّادٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ" وَقَالَ شُعَيْبٌ: زَمْزَمَةٌ، فَرَفَصَهُ وَقَالَ إِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ، وَعُقَيْلٌ: رَمْرَمَةٌ، وَقَالَ مَعْمَرٌ: رَمْزَةٌ.

[انظر: ۲۶۳۸، ۳۰۳۳، ۳۰۵۶، ۶۱۷۴]

وضاحت: اس حدیث میں ابن صیاد (بڑے شکاری کے لڑکے) کا ذکر ہے، یہ مدینہ کے ایک یہودی کا لڑکا تھا، اور کاہن تھا، یعنی اس کے تابع جن تھا اور وہ غیب کی باتیں بتلاتا تھا، اور اس کی بعض باتیں صحیح بھی ہوجاتی تھیں، اس کا معاملہ عجیب تھا۔ نبی ﷺ کو شروع میں اس پر دجال ہونے کا شبہ تھا، اس لئے حقیقت حال جاننے کے لئے آپ متعدد بار اس کے پاس تشریف لے گئے ہیں، مگر بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ وہ دجال اکبر نہیں تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام باب لدّ پر قتل کریں گے۔

ایک بار آنحضور ﷺ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ کے ساتھ اس کے پاس گئے، اس وقت وہ بنومغالہ کے بلند مکانوں کے پاس بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اور وہ قریب البلوغ تھا، آپؐ نے اس سے پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ یہ بچے کے سامنے اسلام پیش کرنا ہے، اسی مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ: نبی ﷺ کے ساتھ مع چند رفقاء کے ابن صیاد کی طرف چلے، یہاں تک کہ اس کو بنومغالہ کے بلند مکانوں کے پاس بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا، اور ابن صیاد بلوغ کے قریب ہوگیا تھا پس اس کو بھنک نہیں پڑی یہاں تک کہ نبی ﷺ نے اس کو اپنا ہاتھ مارا، آپؐ نے ابن صیاد سے پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابن صیاد نے نبی ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ امیوں (ناخواندہ لوگوں) کے یعنی عربوں کے رسول ہیں (ابن صیاد یہودی تھا) پھر ابن صیاد نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پس آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا یعنی بات گول کردی اور فرمایا: میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں، پھر نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: تو کیا دیکھتا ہے؟ یعنی تیرے پاس کیا خبریں آتی ہیں؟ ابن صیاد نے کہا: میرے پاس سچا اور جھوٹا آتا ہے، یعنی کبھی سچی بات بتاتا ہے کبھی جھوٹی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: تجھ پر معاملہ گڈمڈ کردیا گیا! اس سے نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تیرے لئے ایک بات چھپائی ہے (بتا کیا ہے؟ اور نبی ﷺ نے اس کے لئے آیت کریمہ ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ چھپائی) ابن صیاد نے کہا: وہ ''دخ'' ہے، یعنی وہ قریب قریب پہنچ گیا مگر پوری بات نہ بتاسکا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: دور ہو! تو ہرگز اپنی حیثیت سے نہیں بڑھے گا، یعنی کاہنوں تک ہی تیرا معاملہ رہے گا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اگر یہ وہی ہے یعنی یہ واقعی دجال ہے تو تم ہرگز اس پر مسلط نہیں کئے جاؤ گے (اس کو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی قتل کریں گے) اور اگر یہ وہ نہیں تو اس کے قتل میں آپؐ کے لئے کوئی خیر نہیں (کیونکہ بے گناہ ذمی کا قتل جائز نہیں)

اور سالم کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا: اس واقعہ کے بعد پھر ایک مرتبہ نبی ﷺ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کھجور کے اس باغ میں گئے جس میں ابن صیاد تھا، آپؐ آہستہ چل رہے تھے، تاکہ ابن صیاد کے دیکھنے سے پہلے اس کی کوئی بات سنیں، پس نبی ﷺ نے اس کو دیکھا وہ ایک چادر میں لپٹا ہوا تھا، اس کے لئے چادر میں گنگناتا تھا یعنی وہ جگ رہا تھا اور کچھ گنگنار ہا تھا۔ پس ابن صیاد کی ماں نے نبی ﷺ کو دیکھ لیا، درانحالیکہ آپؐ کھجور کے تنوں میں بچتے ہوئے آرہے تھے، پس اس نے ابن صیاد سے کہا: — اے صاف یہ ابن صیاد کا نام ہے — یہ محمد ہیں، پس ابن صیاد یکدم کھڑا ہوگیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ اس کو چھوڑ دیتی یعنی نہ بتاتی تو وہ اپنا حال ظاہر کردیتا''

دولفظوں میں اختلاف: مذکورہ دونوں حدیثیں امام زہری رحمہ اللہ کی ہیں، ان کے تلامذہ میں دولفظوں میں اختلاف ہوا ہے، یونس کی روایت میں جو کتاب میں ہے: پہلی حدیث میں فَرَفَضَهُ (ضاد معجمہ کے ساتھ) ہے، اور دوسری روایت میں رَمْزَةٌ یا زَمْرَةٌ: شک کے ساتھ ہے — اور شعیب کی روایت میں: زَمْزَمَةٌ: بے شک ہے اور پہلی روایت میں فَرَفَصَهُ (صاد مہملہ کے ساتھ) ہے — اور اسحاق اور عقیل کی روایتوں میں رَمْرَمَةٌ ہے — اور معمر کی روایت میں رَمْزَةٌ ہے — مطلب سب کا ایک ہے: وہ گنگنار ہا تھا، ہلکی آواز میں کچھ بول رہا تھا — اور رفض اور رفص دونوں کے معنی ہیں: گول کر جانا، چھوڑ دینا۔

لغات: الرَّهْط والرَّهَط: قوم، قبیلہ، تین سے دس تک کا گروہ جس میں کوئی عورت نہ ہو، جمع أرهُط و أرهاط .... الأطم والأُطُم: قلعہ، بلند مکان، جمع آطام و أُطُوم .... رفض (ن،ض) رَفضا ورَفَضا الشيئَ: پھینکنا، چھوڑنا، اور شعیب کے طریق میں فرفصہ (بالصاد المہملہ) ہے، دونوں لفظ قریب المعنی ہیں .... خَتَلَ (ن،ض) خَتْلا و خَتَلا نا وخاتله مخاتلة: غافل رکھنا، فریب دینا، خاتل الصیاد یعنی آہستہ آہستہ چلا تاکہ شکار کو احساس نہ ہو .... رمرمة، زمزمة اور رمزة: تینوں ہم معنی ہیں، یعنی گنگناہٹ، پھسپھساہٹ۔

تشریح:

۱- ابن صیاد کا نام صاف یا صافی تھا، پہلا قول زیادہ مشہور ہے، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوا اور مدینہ ہی میں زندگی گذاری، نبی ﷺ کے زمانہ میں اسلام قبول نہیں کیا مگر بعد میں مسلمان ہوگیا اور حج بھی کیا، اور شادی بھی کی اور اولاد بھی ہوئی، اس کا پوتا عمارۃ بن عبداللہ بن صائد بڑا محدث ہے، تمام ائمہ جرح وتعدیل نے بالاتفاق اس کی توثیق کی ہے، عمارہ موطا مالک کے راوی ہیں، امام مالکؒ نے موطا مالک میں ان کی روایت لی ہے (ایضاح البخاری)

ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی ان کی روایت لی ہے۔

۲-ابن صیاد کے حالات عجیب وغریب تھے، اس لئے اس کے بارے میں یہ شبہ رہا کہ یہی دجال اکبر ہوگا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال اکبر ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا بھی روایت کرتے تھے (ابوداؤد حدیث ۴۳۳۱) ابن صیاد کو اس کا بہت احساس تھا اور وہ اس کی کوشش کرتا تھا کہ لوگ اس کو دجال نہ سمجھیں، مسلم شریف میں اس سلسلہ میں ایک دلچسپ قصہ ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حج یا عمرہ کے لئے جاتے ہوئے میرا اور ابن صیاد کا ساتھ ہوا، لوگ آگے نکل گئے اور میں اور وہ پیچھے رہ گئے، جب میں اس کے ساتھ تنہا ہوا تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں اس سے بہت متوحش ہوا، کیونکہ لوگ اس کو دجال سمجھتے تھے، جب ہم نے پڑاؤ کیا تو میں نے اس سے کہا: اپنا سامان اُس جگہ رکھ جہاں وہ درخت ہے، یعنی میرے سامان کے ساتھ اپنا سامان مت رکھ اور میرے قریب مت ٹھہر، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس نے کچھ بکریاں دیکھیں تو پیالہ لے کر ان کی طرف گیا اور ان کا دودھ دوہ کر میرے پاس لایا اور دودھ پیش کیا، میں نے اس کے ہاتھ سے دودھ پینے کو ناپسند کیا اس لئے میں نے عذر کیا کہ گرمی بہت ہے میں دودھ پینا نہیں چاہتا، وہ کہنے لگا: اے ابوسعید! میں نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ ایک رسّی لوں اور اس کو اس درخت سے باندھوں پھر گلا گھونٹ کر مر جاؤں ان باتوں کی وجہ سے جو لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں، جن لوگوں پر میری باتیں پوشیدہ ہوسکتی ہیں: ہوسکتی ہیں مگر تم پر ہرگز پوشیدہ نہیں ہوسکتیں، آپ لوگ سب سے زیادہ نبی ﷺ کی حدیثوں کو جاننے والے ہو، اے جماعت انصار! کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجّال کافر ہوگا اور میں مسلمان ہوں؟ کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال بانجھ ہوگا، اس کی کوئی اولاد نہیں ہوگی اور میں مدینہ میں اپنی اولاد چھوڑ کر آیا ہوں؟ کیا نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ دجال کے لئے مکہ اور مدینہ حلال نہیں ہوگا اور میں مدینہ والوں میں سے ہوں، اور آپ کے ساتھ مکہ جا رہا ہوں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بخدا! وہ برابر اسی قسم کی باتیں کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے سوچا: شاید اس کے نام جھوٹی باتیں لگائی گئی ہیں، یعنی اس کے بارے میں لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ دجال ہے وہ غلط ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ ابن صیاد کہنے لگا: اے ابوسعید! بخدا میں آپ کو ایک سچی بات بتاتا ہوں، بخدا! میں دجال کو جانتا ہوں اور اس کے ماں باپ کو بھی پہچانتا ہوں، اور وہ فی الحال زمین میں کہاں ہے وہ بھی جانتا ہوں، ابوسعید خدریؓ نے فرمایا: تبًّا لك سائر اليوم! تیرا ناس ہو ہمیشہ کے لئے (مشکوٰۃ حدیث ۵۴۹۸، ترمذی حدیث ۲۲۴۴)

۳-ابن صیاد کی وفات کے بارے میں بھی مختلف باتیں ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں: مدینہ میں اس کا انتقال ہوا، اور جنازہ پڑھا گیا، بلکہ جنازہ کے وقت اس کا چہرہ کھول کر دکھایا گیا اور لوگوں کو اس کی موت پر گواہ بنایا گیا (عمدۃ القاری ۸: ۱۷۲) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: واقعہ حراء میں وہ غائب ہوگیا اور پتہ ہی نہیں چلا کہ کہاں گیا۔ واللہ اعلم

(ابوداؤد حدیث ۴۳۳۲)

[۱۳۵۶-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقَالَ لَهُ: "أَسْلِمْ" فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ، وَهُوَ عِنْدَهُ، فَقَالَ: أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ، فَأَسْلَمَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يَقُولُ: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ" [انظر:۵۶۵۷]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوا تو نبی ﷺ اس کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اور اس کے سرہانے بیٹھے، آپؐ نے اس سے فرمایا: اسلام قبول کرلے (یہ جزء باب سے متعلق ہے) پس اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور وہ اس کے پاس ہی بیٹھا تھا، اس نے کہا: ابو القاسم کی بات مان لے، پس اس نے اسلام قبول کرلیا، پس نبی ﷺ وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کو جہنم سے بچالیا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ کے سامنے اسلام پیش کرسکتے ہیں اور اس کا اسلام قبول کرنا معتبر ہے۔

[۱۳۵۷-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ، أَنَا مِنَ الْوِلْدَانِ وَأُمِّي مِنَ النِّسَاءِ.

[انظر: ۴۵۸۷، ۴۵۸۸، ۴۵۹۷]

ترجمہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں: میں اور میری ماں کمزوروں میں سے تھے، میں بچوں میں تھا اور میری ماں عورتوں میں تھیں۔

تشریح: سورۃ النساء کی آیات ۹۷ و ۹۸ میں دار الکفر سے جہاں دین وشریعت پر آزادرہ کر عمل کرنا ممکن نہ ہو ہجرت کو ضروری قرار دیا ہے، اور جو ہجرت نہ کریں ان کو گناہ گار ٹھہرایا ہے، مگر کمزوروں کا استثناء کیا گیا ہے کہ اگر وہ ہجرت نہ کرسکیں تو کوئی گناہ نہیں، خواہ وہ مرد ہوں، عورتیں ہوں یا بچے ہوں، ابن عباسؓ کی ماں ام الفضلؓ عورتوں میں تھیں، انھوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا تھا مگر حضرت عباسؓ نے قبول نہیں کیا تھا، اور ابن عباس بچوں میں تھے یعنی وہ ماں کے تابع تھے، معلوم ہوا کہ بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے۔

[۱۳۵۸-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: يُصَلَّى عَلَى كُلِّ مَوْلُودٍ مُتَوَفًّى، وَإِنْ كَانَ لِغَيَّةٍ، مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ وُلِدَ عَلَى فِطْرَةِ الإِسْلَامِ، يَدَّعِي أَبَوَاهُ الإِسْلَامَ أَوْ أَبُوهُ خَاصَّةً، وَإِنْ كَانَتْ أُمُّهُ عَلَى غَيْرِ الإِسْلَامِ، إِذَا اسْتَهَلَّ صَارِخًا صُلِّيَ عَلَيْهِ، وَلَا يُصَلَّى عَلَى مَنْ لَا يَسْتَهِلُّ، مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ سِقْطٌ، فَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُحَدِّثُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى

الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟" ثُمَّ يَقُوْلُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾[الروم: ٣٠]الآية.

[انظر: ١٣٥٩، ١٣٨٥، ٤٧٧٥، ٦٥٩٩]

[١٣٥٩-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم:" مَامِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟" ثُمَّ يَقُوْلُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾[الروم: ٣٠] [راجع: ١٣٥٨]

ترجمہ: ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں: ہر بچہ کی جس کا انتقال ہوجائے نماز پڑھی جائے گی، اگرچہ وہ زنا کا ہو، اس لئے کہ وہ بچہ فطرتِ اسلام پر جنا گیا ہے، اس کے ماں باپ دونوں اسلام کے مدعی ہوں یا صرف باپ مدعی ہو، اگرچہ اس کی ماں غیر مسلم ہو، جب بچہ پیدا ہوتے وقت چلایا ہو یعنی زندہ پیدا ہوا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی جو نہیں چلایا یعنی مرا ہوا پیدا ہوا ہو، اس وجہ سے کہ وہ ناتمام بچہ ہے، پس بیشک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت پر جنا جاتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی (یا ہندو وغیرہ) بنادیتے ہیں، جس طرح چوپایہ سالم اعضاء جنا جاتا ہے، کیا تم نے کوئی چوپایہ کان کٹا دیکھا ہے؟" پھر ابو ہریرہؓ سورۃ الروم کی آیت ۳۰ تلاوت کرتے تھے: "اللہ کی بناوٹ جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی بناوٹ کو مت بدلو، یہی سیدھا دین ہے"

تشریح:

۱- اگر نومولود بچہ چلائے یعنی اس کی حیات متحقق ہوجائے پھر مرجائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، خواہ بچہ حلالی ہو یا حرامی، کیونکہ بچہ کا کوئی قصور نہیں، قصور زانی زانیہ کا ہے، اور اگر زندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں بلکہ مرا ہوا پیدا ہو تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، یہ جمہور کی رائے ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی جس کی تخلیق مکمل ہوگئی ہے خواہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہو یا مردہ، اور تخلیق مکمل ہونے کی علامت یہ ہے کہ بچہ کے سر کے بال نکل آئے ہوں، اور اگر بچہ ادھورا پیدا ہوا ہے اس کی تخلیق مکمل نہیں ہوئی تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، زہریؒ نے جمہور کی رائے بیان کی ہے۔

۲- زہریؒ کے نزدیک بچہ کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے ماں باپ دونوں کا یا باپ کا مسلمان ہونا ضروری ہے، اور جمہور بشمول امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اگر صرف ماں مسلمان ہے تو بھی بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، کیونکہ بچہ خیر الابوین

کے تابع ہوتا ہے، اور اگر ماں باپ دونوں غیر مسلم ہوں تو پھر بالاجماع بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

۳- بچہ کی نماز جنازہ اس لئے پڑھی جائے گی کہ ہر بچہ فطرت (Nature) پر پیدا ہوتا ہے یعنی حکماً مسلمان ہوتا ہے، پھر ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک مسلمان ہو تو بچہ کا اسلام یقینی ہو گیا وہ بڑا ہو کر ضرور مسلمان ہوگا، اس لئے اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے، اور اگر ماں باپ دونوں غیر مسلم ہیں تو بچہ بڑا ہو کر کیا ہوگا؟ یہ معلوم نہیں اس لئے نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے۔

۴- کسی حدیث میں ملۃ ہے، کسی میں فطرۃ، اور کسی میں إسلام وغیرہ، اور سب کی مراد ایک ہے یعنی ہر بچہ اسلام کی استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے، کیونکہ انسان اس دنیا میں نیا پیدا نہیں ہوتا اس دنیا میں اس کا صرف جسم بنتا ہے، کیونکہ یہ عالم اجساد ہے، اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جا چکی ہے، پھر تمام روحیں عالم ارواح میں ہیں، وہاں سے شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہیں، سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۲ ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ، أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى، شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ ہیں، تا کہ تم لوگ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے، یہ عہد الست کا واقعہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا کی گئی، جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے (مشکوۃ حدیث ۹۵) پھر اولاد کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلا دیا، یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح دیدار کرا کر اپنی معرفت اور پہچان کروائی پھر ان سے پوچھا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے ربّ ہیں۔ یہ مضمون مسند احمد (۱: ۲۷۲) اور مستدرک حاکم (۲: ۵۴۴) میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

پھر وہ روحیں پیٹھوں میں واپس نہیں کی گئیں بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، بخاری شریف (حدیث ۳۳۳۶) میں روایت ہے: الأَرْوَاحُ جنودٌ مُجَنَّدَةٌ: عالم ارواح میں روحیں خاص ترتیب سے جیسے فوج کی پلٹنیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں، پھر شکم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لا کر فرشتہ پھونکتا ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱: ۱۱۶)

الغرض معرفت خداوندی اور ربوبیت ربانی کا علم ہر انسان کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے، اور اس دنیا میں آنے کے بعد انسان گو اس عہد کی تفصیلات بھول گیا ہے مگر اصل استعداد موجود ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آڑے وقت میں انسان کو اللہ یاد آتا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ معرفت اس کی فطرت میں ہے۔

پس اگر کوئی مانع پیش نہ آئے تو بچہ اس فطرت پر بڑا ہوتا ہے مگر کبھی عوارض پیش آتے ہیں، بچہ جن ہاتھوں میں اور جس ماحول میں پلتا بڑھتا ہے وہ ماحول اس کو بگاڑ دیتا ہے، اس وقت وہ فطری علم جہالت سے بدل جاتا ہے، جیسے ہر جانور صحیح سالم پیدا ہوتا ہے پھر لوگ پہچان کے لئے بکریوں کے کان کاٹتے ہیں مگر کوئی بکری کان کٹی پیدا نہیں ہوتی، اسی طرح ہر انسانی بچہ

فطرت اسلامی پر جنا جاتا ہے پھر بعد میں اس کو گمراہ کردیا جاتا ہے اور فطرت کی یہ تفسیر ابوداؤد کی روایت (حدیث ۴۷۱۶ کتاب السنۃ باب ۱۹) میں ہے، حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: هذا عندنا حيث أخذ الله العهد عليهم في أصلاب آبائهم حيث قال: ألست بربكم، قالوا: بلى!: یہ یعنی کل مولود یولد علی الفطرۃ ہمارے نزدیک بایں طور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے عہد و پیمان لیا ہے، جب ان کو اصلاب آباء سے نکالا تھا جس کا تذکرہ الست بربکم؟ قالوا بلی میں ہے۔

۵- مذکورہ حدیث ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسندوں سے ذکر کیا ہے، پہلی سند منقطع ہے کیونکہ اس میں زہریؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور زہریؒ کا حضرت ابو ہریرہؓ سے سماع نہیں۔ اور دوسری سند میں زہریؒ اور ابو ہریرہؓ کے درمیان ابوسلمہ کا واسطہ ہے، پس وہ حدیث متصل ہے، اور منقطع حدیث ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں امام زہریؒ نے استدلال کیا ہے، حدیث روایت نہیں کی۔

مناسبت: جب ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یعنی حکماً مسلمان ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو اس حکمی اسلام کا اعتبار کرکے نماز جنازہ پڑھیں گے، اسی مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

بَابٌ: إِذَا قَالَ الْمُشْرِكُ عِنْدَ الْمَوْتِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

جب غیر مسلم مرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھے

زندگی کے آخری لمحات میں نزع شروع ہونے سے پہلے اگر کوئی غیر مسلم کلمہ پڑھ لے یعنی ایمان لے آئے تو اس کا ایمان معتبر ہے، اور اگر نزع شروع ہونے کے بعد ایمان لایا تو اس کا ایمان معتبر نہیں، قرآن کریم میں ہے: جب فرعون ڈوبنے لگا تو بولا: میں یقین کرتا ہوں کہ اُس ہستی کے سواء کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں، اور میں فرمانبرداروں میں شامل ہوتا ہوں، اللہ کی طرف سے جواب آیا: کیا اب؟ جبکہ پہلے تو برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو فسادیوں میں سے تھا، یعنی ساری زندگی گمراہی پھیلاتا رہا، شرارتیں کرتا رہا اب ایمان لاتا ہے؟ (یونس آیات ۹۰ و ۹۱) یعنی فرعون کی حالت نزع کے ایمان کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

اور حدیث شریف میں ہے: إن الله يقبل توبة العبد مالم يغرغر: (مشکوۃ حدیث ۲۳۴۳) جب تک گلے سے دم اٹکنے کی آواز نہ نکلنے لگے اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں، اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی، پس اس وقت کا ایمان بھی معتبر نہیں۔

حدیث: جب ابو طالب کی موت کا وقت قریب آیا (نزع شروع ہونے سے پہلے) رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے وہاں موجود تھے، آپؐ نے فرمایا: چچا! لا إله إلا الله کہہ لیں، تاکہ میں قیامت کے دن اس کلمہ کی آپ کے حق میں گواہی دوں، ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے ان کو غیرت دلائی اور کہا: ابو طالب!

کیا تم عبدالمطلب کی ملت کو چھوڑ دو گے؟ آنحضور ﷺ برابر ابو طالب کے سامنے کلمہ پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دوہراتے رہے، یہاں تک کہ ابو طالب نے آخری بات یہ کہی کہ وہ عبدالمطلب کے دھرم پر ہیں ـــــ معلوم ہوا کہ اگر کافر موت کے قریب ایمان قبول کرلے تو معتبر ہے۔

[۸۰-] بَابٌ: إِذَا قَالَ الْمُشْرِكُ عِنْدَ الْمَوْتِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

[۱۳۶۰-] حدثنا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ، جَاءَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِيْ أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِأَبِيْ طَالِبٍ: " يَا عَمِّ! قُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ" فَقَالَ أَبُوْ جَهْلٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ! أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ، وَيَعُوْدَانِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ، حَتّٰى قَالَ أَبُوْ طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ بِهِ: هُوَ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبٰى أَنْ يَقُوْلَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " أَمَا وَاللّٰهِ! لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَالَمْ أُنْهَ عَنْكَ" فَأَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ الآيَةَ [التوبة: ۱۱۳] [انظر: ۳۸۸٤، ٤٦٧٥، ٤٧٧٢، ٦٦٨١]

ترجمہ: سعید بن المسیب کے والد مسیب بن حزن بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے، آپؐ نے ان کے پاس ابو جہل اور ابن ابی امیہ کو پایا، راوی کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ابو طالب سے فرمایا: چچا آپ لا إلٰہ إلا اللہ کہہ لیں، میں اس کلمہ کی اللہ کے پاس آپ کے حق میں گواہی دوں گا (کلمۃً: لا إلٰہ إلا اللہ سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مستقل جملہ قرار دیں تو مرفوع پڑھیں گے) پس ابو جہل اور ابن ابی امیہ نے کہا: ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دھرم سے اعراض کریں گے؟ پس نبی ﷺ برابر ان کے سامنے اس کلمہ کو پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دوہراتے رہے، یہاں تک کہ ابو طالب نے آخری بات یہ کہی کہ وہ عبدالمطلب کے دھرم پر ہیں (ابو طالب نے تو انا کہا ہوگا، مگر بولنے کا ادب یہ ہے کہ بری بات حکایت کے طور پر بھی زبان سے نہ نکالی جائے، اس لئے راوی نے متکلم کی ضمیر کو غائب کی ضمیر سے بدل دیا) اور لا إلٰہ إلا اللہ کہنے سے انکار کردیا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بخدا! میں ضرور آپ کے لئے مغفرت چاہتا رہوں گا جب تک مجھے آپ کے لئے مغفرت چاہنے سے منع نہ کردیا جائے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "نبی کے لئے اور مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ لوگ دوزخی ہیں یعنی کفر پر مرے ہیں"

تشریح: صرف لا إلہ إلا اللہ کا اقرار بھی کافی ہے مگر اس میں محمد رسول اللہ شامل ہونا چاہئے، پس عیسائی اور یہودی کا لا إلہ إلا اللہ کافی نہیں، کیونکہ اس میں محمد رسول اللہ شامل نہیں۔ تفصیل کتاب الجنائز کے پہلے باب میں (تحفۃ القاری ۳: ۵۵۶) گذر چکی ہے۔

بَابُ الْجَرِيْدَةِ عَلَى الْقَبْرِ

قبر پر کھجور کی ٹہنی گاڑنا

قبر پر ٹہنی گاڑنے کے سلسلہ میں تفصیل کتاب الوضوء (باب ۵۵) میں گذر چکی ہے، نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا، آپؐ نے کھجور کی شاخ منگوا کر اس کو چیر کر دو ٹکڑے کئے اور ہر قبر پر ایک ٹہنی گاڑی اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے ان کے لئے سفارش کی تھی، میری سفارش مطلق قبول نہیں ہوئی، مقید قبول ہوئی، جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی میری سفارش کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی، یہ وجہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آئی ہے جو مسلم شریف کے آخر میں ہے (۲: ۴۱۸) پس اس روایت سے بدعتیوں کا قبروں پر پھول چڑھانے کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں، اور ان کا یہ کہنا بھی بے دلیل ہے کہ پھول تسبیح پڑھیں گے اور اس سے میت کو فائدہ پہنچے گا، کیونکہ جب نبی ﷺ نے خود اپنے عمل کی وجہ بیان فرمادی تو اب کسی اور کو فعل نبوی کی وجہ بیان کرنے کا حق نہیں، (تفصیل کے لئے دیکھئے تحفۃ القاری ۱: ۵۴۹) —— امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمہ کے ذیل میں پانچ آثار اور ایک مرفوع حدیث پیش کی ہے اور قبر کی تعظیم و توہین کی حدود بیان کی ہیں۔

[۸۱-] بَابُ الْجَرِيْدَةِ عَلَى الْقَبْرِ

[۱-] وَأَوْصَى بُرَيْدَةُ الْأَسْلَمِيُّ أَنْ يُجْعَلَ فِيْ قَبْرِهِ جَرِيْدَانِ.

[۲-] وَرَأَى ابْنُ عُمَرَ فُسْطَاطًا عَلَى قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَقَالَ: انْزِعْهُ يَا غُلَامُ فَإِنَّمَا يُظِلُّهُ عَمَلُهُ.

[۳-] وَقَالَ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدٍ: رَأَيْتُنِيْ وَنَحْنُ شُبَّانٌ فِيْ زَمَنِ عُثْمَانَ، وَإِنَّ أَشَدَّنَا وَثْبَةً الَّذِيْ يَثِبُ قَبْرَ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ حَتّٰى يُجَاوِزَهُ.

[۴-] وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حَكِيْمٍ: أَخَذَ بِيَدِيْ خَارِجَةُ فَأَجْلَسَنِيْ عَلَى قَبْرٍ، وَأَخْبَرَنِيْ عَنْ عَمِّهِ يَزِيْدَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: إِنَّمَا كُرِهَ ذٰلِكَ لِمَنْ أَحْدَثَ عَلَيْهِ.

[۵-] وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَجْلِسُ عَلَى الْقُبُوْرِ.

[۱۳۶۱-] حدثنا يَحْيٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ

عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ" ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ: "لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا" [راجع: ۲۱۶]

آثار:

۱-حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دوشاخیں رکھی جائیں۔

تشریح: حضرت بریدہؓ نے ٹہنیاں گاڑنے کی وصیت نہیں کی تھی، بلکہ قبر کے اندر ٹہنیاں رکھنے کی وصیت کی تھی، دیوبند میں بھی اس کا رواج ہے، جب قبر آدھی بھر جاتی ہے تو درخت کے پتے اور شاخیں قبر میں ڈالتے ہیں، حضرت بریدہؓ کے قول کا محمل یہی صورت ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں۔

۲-ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبر پر خیمہ دیکھا (کسی نے ان کی قبر پر خیمہ کھڑا کیا ہوگا تاکہ قبر کو دھوپ نہ لگے) ابن عمرؓ نے خادم سے کہا: خیمہ اکھاڑ دے، ان پر ان کا عمل سایہ فگن ہوگا۔

تشریح: قبر پر عمارت بنانا، گنبد بنانا، خیمہ کھڑا کرنا قبر کی غیر معمولی تعظیم ہے، جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے اس لئے ابن عمرؓ نے خیمہ اکھڑوادیا۔

۳-خارجۃ بن زید رحمہ اللہ (جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں) کہتے ہیں: دیکھا میں نے مجھ کو درانحالیکہ ہم جوان تھے، خلافت عثمانی میں، اور بیشک ہم میں سب سے زیادہ کودنے والا وہ تھا جو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو کود جاتا تھا، یعنی خلافت عثمانی میں بچے بقیع قبرستان میں کھیلتے تھے، اور قبروں پر کودتے تھے، یہ اگرچہ بچوں کا عمل ہے مگر دورِ صحابہ کا واقعہ ہے، پس اگر یہ عمل غلط ہوتا تو صحابہ ضرور اس سے منع کرتے۔

۴-عثمان بن حکیم کہتے ہیں: انہی خارجۃ بن زید نے جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے قبر پر بٹھایا، پھر اپنے چچا یزید بن ثابت کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر بول و براز کے لئے بیٹھنا ممنوع ہے، مطلقاً بیٹھنا ممنوع نہیں۔

۵-نافع کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما قبروں پر بیٹھتے تھے۔

خلاصۂ کلام: امام بخاری رحمہ اللہ نے چند آثار ذکر کئے ہیں، ان کے علاوہ بھی نصوص ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ قبور کے معاملہ میں افراط وتفریط سے بچنا چاہئے، قبروں کی نہ توہین کرنی چاہئے نہ غایت درجہ تعظیم، بلکہ اعتدال سے کام لیا جائے، افراط یہ ہے کہ قبریں اونچی بنائی جائیں، پختہ بنائی جائیں، قبروں پر گنبد بنائے جائیں، ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی جائے، ان پر پھول ڈالے جائیں، ان پر چادریں چڑھائی جائیں اور ان پر چراغاں کیا جائے، یہ سب افعال شرکیہ

ہیں، یعنی ان کا مآل شرک ہے، اور تفریط یہ ہے کہ ان کو روندا جائے، ان پر چلا جائے، ان پر بیٹھا جائے، اور ان پر قضاء حاجت کی جائے، اور اعتدال یہ ہے کہ دل میں قبور کی قدر ومنزلت ہو، اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سنت سے ثابت ہے یعنی قبروں کی زیارت کے لئے جانا، ان کے پاس کھڑے ہو کر ایصالِ ثواب کرنا اور دعائے مغفرت کرنا۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ جو قبروں پر بیٹھتے تھے تو ان کے نزدیک قبروں پر بیٹھنے کی ممانعت بول وبراز کے ساتھ خاص تھی، مگر عام طور پر علماء کا خیال ہے کہ قبروں پر بیٹھنا مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ ممانعت کی حدیث مطلق ہے اور یہ بات اکرامِ میت کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم

حدیث: جب نبی ﷺ نے قبروں پر ٹہنیاں گاڑیں تو آپؐ سے اس کی وجہ پوچھی گئی، آپؐ نے فرمایا: لعله ان يُخَفَّفَ عنهما مالم يَيْبَسَا: شاید ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے جب تک ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔ اور مسلم شریف (۴۱۸:۲) میں ہے: احببتُ بشفاعتی ان يُرَفَّه ذاك عنهما مادام الغُصْنَانِ رَطْبَيْنِ: میں نے پسند کیا اپنی سفارش کی وجہ سے کہ آسانی کرے وہ سفارش ان دونوں سے جب تک وہ دونوں تر رہیں، یعنی میں نے ان کے لئے سفارش کی مگر میری سفارش مطلق قبول نہیں ہوئی، مقید قبول ہوئی، جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی میری سفارش کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

بَابُ مَوْعِظَةِ الْمُحَدِّثِ عِنْدَ الْقَبْرِ، وَقُعُوْدِ أَصْحَابِهِ حَوْلَهُ

عالم کا قبر کے پاس نصیحت کرنا، اور اس کے ساتھیوں کا اس کے پاس بیٹھنا

جنازہ لے کر قبرستان گئے، ابھی قبر تیار ہو رہی ہے، لوگوں میں کوئی بڑا عالم بھی ہے وہ بیٹھ جائے اور لوگ اس کے اردگرد بیٹھ جائیں اور وہ ان کو نصیحت کرے اور دینی باتیں بتائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، قبرستان میں دنیوی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، دینی باتیں کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ سورۃ التکاثر کی ابتدائی دو آیتوں کی ایک تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ تکاثر یعنی مال کی فراوانی کا جذبہ (Competition) لوگوں کو اس درجہ غافل کئے رہتا ہے کہ جب وہ کسی جنازہ کے ساتھ قبرستان جاتے ہیں تو وہاں بھی کاروبار کرتے ہیں، یہ تفسیر اگرچہ صحیح نہیں، زیارتِ قبور موت سے کنایہ ہے، یعنی انسان تاحیات مال ودولت کے پیچھے مرتا ہے، یہاں تک کہ قبر میں پہنچ جاتا ہے، اور وہاں پہنچتے ہی غفلت کا مزہ چکھتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم برابر عذابِ قبر کے بارے میں تردد میں رہے یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی، پس تردد ختم ہوگیا (ترمذی حدیث ۳۳۷۷) معلوم ہوا کہ ﴿زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ موت سے کنایہ ہے، مگر بات صحیح ہے کہ قبرستان میں دنیا کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں، وہاں دعاء استغفار، ذکر واذکار اور ایصالِ ثواب میں مشغول رہنا چاہئے، ہاں دینی باتیں کرنے میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ بھی کارِ ثواب ہے۔

[۸۲-] بَابُ مَوْعِظَةِ الْمُحَدِّثِ عِنْدَ الْقَبْرِ، وَقُعُوْدِ أَصْحَابِهِ حَوْلَهُ

﴿يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ﴾[المعارج:٤٣] الْقُبُوْرُ﴿بُعْثِرَتْ﴾[الانفطار:٤]: أُثِيْرَتْ، بَعْثَرْتُ حَوْضِيْ: جَعَلْتُ أَسْفَلَهُ أَعْلَاهُ. الإِيْفَاضُ: الإِسْرَاعُ، وَقَرَأَ الْأَعْمَشُ:﴿ إِلَى نَصْبٍ يُوْفِضُوْنَ﴾[المعارج: ٤٣] إِلَى شَيْءٍ مَنْصُوْبٍ يَسْتَبِقُوْنَ إِلَيْهِ، وَالنُّصْبُ وَاحِدٌ، وَالنَّصْبُ مَصْدَرٌ ﴿يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾[ق: ٤٣] مِنَ الْقُبُوْرِ ﴿ يَنْسِلُوْنَ﴾[يس: ٥١] يَخْرُجُوْنَ.

[۱۳۶۲-] حدثنا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: كُنَّا فِيْ جَنَازَةٍ فِيْ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ، فَأَتَانَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَعَدَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهُ، وَمَعَهُ مِخْصَرَةٌ فَنَكَّسَ، فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِمِخْصَرَتِهِ، ثُمَّ قَالَ:"مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ، أَوْ: مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ إِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَإِلَّا قَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةً أَوْ سَعِيْدَةً" فَقَالَ رَجُلٌ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ فَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَصِيْرُ إِلَى عَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيَصِيْرُ إِلَى عَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ! قَالَ: " أَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُوْنَ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُوْنَ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ" ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى﴾ [الليل:٥]الآية. [انظر: ٤٩٤٥، ٤٩٤٦، ٤٩٤٧، ٤٩٤٨، ٦٢١٧، ٦٦٠٥، ٧٥٥٢]

وضاحت: امام بخاریؒ نے چند مفردات لکھے ہیں، اوراس طرف اشارہ کیا ہے کہ قبرستان میں اگرکوئی وعظ کہے تو ان آیتوں میں جومضامین ہیں وہ بیان کرے، یعنی موت، قبراور قیامت سے متعلق مضامین بیان کرے، یہ بات ابن الْمُنَيِّر رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے اور حاشیہ میں ہے۔

۱-سورۃ المعارج میں ہے:﴿يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ﴾(یادکرو) جس دن لوگ نکلیں گے قبروں سے، الجَدَث: قبر، جمع: أجداث، سورہ یٰس میں بھی یہ لفظ آیا ہے:﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَاهُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ﴾اور صور پھونکا جائے گا پس یکایک سب قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف جلدی سے چلنے لگیں گے، نَسَلَ الشيءُ (ن) نُسُوْلاً: ایک شئ کا دوسری شئ سے الگ ہونا، یعنی مردوں کا قبروں سے نکلنا۔

۲-سورۃ الانفطار میں ہے:﴿وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ﴾اور جب قبریں اکھاڑی جائیں گی، یعنی ان میں سے مردے نکل کر کھڑے ہونگے۔اور بَعْثَرْتُ حوضی کے معنی ہیں: میں نے حوض کو تہ وبالا کیا یعنی نیچے کی مٹی نکال کر باہر ڈال دی، اسی طرح قبر میں سے مردے باہر نکل آئیں گے۔

۳-سورۃ المعارج کی مذکورہ آیت پوری یہ ہے:﴿يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَى نُصُبٍ

﴿يُوْفِضُوْنَ﴾ (یاد کرو) جب لوگ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جس طرح کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑتے ہیں، أوضع الراكبُ الدَّابَّةَ: سوار کا جانور کو تیز دوڑانا، اور امام اعمش رحمہ اللہ نے نَصْب (نون کے زبر اور صاد کے سکون کے ساتھ) پڑھا ہے یہ مصدر ہے اور منصوب (کھڑی کی ہوئی چیز) کے معنی میں ہے، اور عام قراءت نُصُب (نون اور صاد دونوں کے پیش کے ساتھ) ہے، یہ جمع ہے اس کا مفرد نُصْب ہے، یہ بھی منصوب کے معنی میں ہے، یعنی لوگ قبروں سے نکل کر تیزی کے ساتھ پرستش کے لئے کھڑی کی ہوئی چیز کی طرف دوڑیں گے، اور یوفضون کے معنی میں ریس کا مفہوم بھی شامل ہے، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے یستبقون إلیه بڑھایا ہے، یعنی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے۔

۴- سورۂ ق میں ہے: ﴿يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ نکلنے کا دن، یعنی قبروں سے نکلنے کا دن۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم ایک جنازہ کے ساتھ بقیع الغرقد گئے (غرقد ایک درخت کا نام ہے اور بقیع جگہ کا نام ہے، یہ مدینہ کا مشہور قبرستان ہے جو عوام میں جنت البقیع کے نام سے مشہور ہے) پس ہمارے پاس نبی ﷺ آئے، اور آپؐ بیٹھے اور ہم آپؐ کے ارد گرد بیٹھے، اور آپؐ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی، آپؐ نے سر جھکا لیا اور چھڑی سے مٹی کریدنے لگے، پھر فرمایا: تم میں سے کوئی نہیں، یا فرمایا: کوئی سانس لینے والا نفس ایسا نہیں مگر اس کا جنت یا جہنم کا ٹھکانہ لکھ دیا گیا ہے، اور اس کا بد بخت ہونا یا نیک بخت ہونا بھی لکھ دیا گیا ہے، پس ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم لکھے ہوئے پر بھروسہ نہ کرلیں اور عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟ کیونکہ ہم میں سے جو نیک بخت ہوگا وہ نیک بختی کے عمل کی طرف لوٹے گا، اور ہم میں سے جو بروں میں سے ہوگا وہ بدبختی کے عمل کی طرف لوٹے گا، نبی ﷺ نے فرمایا: جو نیک بختوں میں سے ہے اس کے لئے نیک کام آسان کئے جاتے ہیں، اور جو بدبختوں میں سے ہے اس کے لئے برے کام آسان کئے جاتے ہیں، پھر آپؐ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: رہا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اچھی بات یعنی کلمہ طیبہ کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اس کے لئے جنت کے کام آسان کرتے ہیں۔

تشریح: دو مسئلوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، اگر ان کو الگ الگ نہ کیا جائے تو سخت الجھن پیش آئے گی:

پہلا مسئلہ: بھلی بری تقدیر کا ہے، تقدیر کے معنی ہیں: پلاننگ، اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوقات کے تعلق سے مفید اور مضر باتیں طے کی ہیں، چنانچہ انسان دنیوی امور کی حد تک تقدیر الٰہی کی پوری پابندی کرتا ہے، مفید باتیں اختیار کرتا ہے اور مضر باتوں سے بچتا ہے، اسی طرح عقائد و اعمال کے سلسلہ میں بھی بھلی بری تقدیر کا لحاظ کرنا چاہئے۔

دوسرا مسئلہ: شمولِ علم کا ہے، شمول یعنی عموم یعنی ازل سے ابد تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، کوئی بات منتظر نہیں، یعنی کوئی بات ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نہ جانتے ہوں، مذکورہ حدیث میں شمولِ علم کا مسئلہ ہے، کون جنتی ہے کون جہنمی؟ کون نیک ہے کون بد؟ یہ باتیں اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، اور اتنی بات بدیہی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا علم ایسا شامل (عام) نہ ہوگا تو ہم میں اور اللہ میں کیا فرق رہے گا؟

اور مذکورہ حدیث میں جو سوال ہے وہ تقدیر کے مسئلہ سے ریخ ہے، جب ہر شخص کا انجام طے کر دیا گیا اور لکھ بھی لیا گیا تو اب عمل سے کیا فائدہ؟ نبی ﷺ نے اس کا جواب شمولِ علم کے مسئلہ سے دیا ہے، ارشاد فرمایا: تقدیر اجمالی نہیں ہے، تفصیلی ہے، اسباب ومسببات کی پوری دنیا تقدیر میں شامل ہے، تقدیر میں یہ بھی طے ہے کہ انسان اپنے جزوی اختیار سے جنت والے کام کر کے جنت میں جائے گا یا جہنم والے کام کر کے جہنم میں جائے گا، اور اس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، پس یہ شمولِ علم کا مسئلہ ہے اور بدیہی مسئلہ ہے، اور نبی ﷺ نے جو آیات تلاوت فرمائی ہیں ان میں اس طرف اشارہ ہے: ﴿سَنُيَسِّرُهُ﴾: ہم عنقریب اس کو آسان کریں گے یعنی مکلف انسان اپنے جزوی اختیار سے جنت والے اسباب اختیار کرے گا، اور جنت میں جائے گا یا جہنم والے کام کرے گا اور جہنم رسید ہوگا اور سب کا انجام اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم ہے، مگر معلوم: علم کے تابع نہیں ہوتا، بلکہ علم: معلوم سے ماخوذ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے، اس لئے وجود معلوم کا محتاج نہیں۔ یہ مسئلہ تفصیل سے تحفۃ الالمعی (۵:۹ ۴۷) میں بیان کیا گیا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ قَاتِلِ النَّفْسِ

خودکشی کرنے والے کے بارے میں روایات

خودکشی (کاف کا پیش): خود کو مار ڈالنا۔ خودکشی حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، حدیثوں میں اس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، کیونکہ جس طرح دوسرے کو قتل کرنا حرام ہے خود کو مار ڈالنا بھی حرام ہے، آدمی نہ اپنی جان کا مالک ہے نہ اعضاء کا کہ جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے، پھر خودکشی کا فائدہ کچھ نہیں، اگر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ مر کر مصیبتوں سے نجات پا جائے گا تو یہ خام خیالی ہے، ہوسکتا ہے آگے اور بھی سخت آفت سے دوچار ہونا پڑے، اس لئے مؤمن کو بھی یہ حرکت نہیں کرنی چاہئے۔

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، اور ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، کیونکہ خودکشی کرنے والا اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: صَلُّوا علی کل بِرٍّ وَفَاجِرٍ: ہر شخص کی خواہ نیک ہو یا بد نماز جنازہ پڑھو، یہ حدیث دارقطنی میں ہے اور منقطع ہے، مکحول کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں، اور سنن میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے خودکشی کی، نبی ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، دوسروں نے پڑھی، چنانچہ نسائی (۱:۹ ۲۷) میں ہے: أَمَّا أَنَا فَلَا أُصَلِّي عليه: میں تو اس کا جنازہ نہیں پڑھتا، یعنی آپ لوگ پڑھیں، اور آپ کا نماز جنازہ نہ پڑھنا زجراً تھا، چنانچہ علماء اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: قاتلِ نفس کے جنازہ میں مقتدیٰ (اسم مفعول) کو شریک نہیں

ہونا چاہئے، تاکہ اس فعل قبیح پر زجر ہو ——— یہ حدیث بخاری میں لانے کے قابل نہیں تھی، اس لئے حضرت رحمہ اللہ حدیث تو نہیں لائے مگر باب رکھ کر حدیث کی طرف اشارہ کیا۔

[۸۳-] بَابُ مَاجَاءَ فِیْ قَاتِلِ النَّفْسِ

[۱۳۶۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ ابْنِ الضَّحَّاكِ، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ:" مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الإِسْلَامِ كَاذِبًا مُتَعَمِّدًا فَهُوَ كَمَا قَالَ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ عُذِّبَ بِهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ".

[انظر: ۴۱۷۱، ۴۸۴۳، ۶۰۴۷، ۶۱۰۵، ۶۶۵۲]

[۱۳۶۴-] قَالَ: وَقَالَ حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُنْدُبٌ فِیْ هٰذَا الْمَسْجِدِ، فَمَا نَسِيْنَاهُ، وَمَا نَخَافُ أَنْ يَكْذِبَ جُنْدَبٌ عَلَى النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: كَانَ بِرَجُلٍ جِرَاحٌ، فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ اللهُ:"بَدَرَنِیْ عَبْدِیْ بِنَفْسِهِ، حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ" [انظر: ۳۴۶۳]

[۱۳۶۵-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم:" الَّذِیْ يَخْنُقُ نَفْسَهُ يَخْنُقُهَا فِی النَّارِ، وَالَّذِیْ يَطْعَنُهَا يَطْعَنُهَا فِی النَّارِ"[انظر: ۵۷۷۸]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جو اسلام کے علاوہ کسی مذہب کی جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے تو وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا، اور جس نے خود کو کسی ہتھیار سے مار ڈالا تو وہ اس ہتھیار سے جہنم میں سزا دیا جائے گا۔

حدیث (۲): حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم سے حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے (بصرہ کی) اسی مسجد میں حدیث بیان کی، پھر نہ ہم اس کو بھولے اور نہ ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ حضرت جندبؓ نے نبی ﷺ پر جھوٹ باندھا (حضرت حسنؒ نے حدیث کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے یہ بات کہی ہے) آپؐ نے فرمایا: ایک شخص کو زخم لگا (وہ اس کی تاب نہ لا سکا چنانچہ) اس نے خود کو قتل کر دیا، پس اللہ عز وجل نے فرمایا: "میرے بندے نے اپنی جان لینے میں مجھ سے جلدی کی، پس میں نے اس پر جنت حرام کر دی!"

حدیث (۳): نبی ﷺ نے فرمایا: "جو اپنا گلا گھونٹتا ہے وہ جہنم میں اپنا گلا گھونٹتا رہے گا، اور جو خود کو نیزے سے قتل کرتا ہے وہ جہنم میں خود کو نیزے سے قتل کرتا رہے گا"

تشریح:

۱- اس طرح قسم کھانا کہ اگر اس نے فلاں کام کیا ہو تو وہ یہودی یا ہندو ہے اور وہ جھوٹا ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ ویسا

ہی ہے جیسا اس نے کہا" یعنی وہ یہودی یا ہندو ہوگیا ـــــ یہ حدیث از قبیل وعید ہے یعنی ایسی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے مگر وہ شخص مرتد نہیں۔

۲- خودکشی کرنے والے کو جنسِ عمل سے سزا دی جائے گی، اس نے خود کو مار ڈالنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے اسی عمل کو وہ برابر دہراتا رہے گا قبر میں بھی، حشر میں بھی اور جہنم میں بھی۔ مگر کسی دن وہ جہنم سے نکالا جائے گا، کیونکہ اہل حق متفق ہیں کہ کفر وشرک کے علاوہ کوئی امر موجب خلود فی النار نہیں اور حرمتُ علیہ الجنۃ: زجر وتوبیخ کے طور پر ہے یعنی اس گناہ کی اصل سزا یہی ہے، مگر دیگر نصوص سے ثابت ہے کہ مؤمنین کو یہ سزا نہیں دی جائے گی، جس شخص میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ کسی نہ کسی دن جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلاَةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَالِاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِيْنَ

منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا اور مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کرنا مکروہ ہے

کافر، مشرک اور منافق کے لئے ہدایت کی دعا تو کرسکتے ہیں مگر اس کا جنازہ پڑھنا، اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا اور اس کے کفن دفن میں شریک ہونا حرام ہے، کتاب الجنائز کے شروع میں یہ حدیث گذری ہے کہ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو نبی ﷺ نے اس کے کفن میں شامل کرنے کے لئے اپنا کرتا عنایت فرمایا، اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی، جب آنحضور ﷺ نے نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہ اصرار منع کیا اور عرض کیا: اللہ عزوجل نے آپ کو منافقوں کے لئے استغفار کرنے سے منع کیا ہے آپؐ اس کی نماز نہ پڑھائیں، آپؐ نے فرمایا: مجھے استغفار سے منع نہیں کیا، آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں، چنانچہ آپؐ نے اس کا جنازہ پڑھا، اور قبرستان بھی تشریف لے گئے، پس سورۂ توبہ کی آیت ۸۴ نازل ہوئی، اور صاف طور پر منافقوں، کافروں اور مشرکوں کا جنازہ پڑھنے سے اور استغفار کرنے سے بلکہ کفن دفن میں شریک ہونے سے بھی روک دیا گیا، چنانچہ آپؐ نے پھر کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا (تفصیل تحفۃ القاری ۳: ۵۸۹ میں گذر چکی ہے)

[۸۴-] بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلاَةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَالِاسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِيْنَ

رَوَاهُ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۳۶٦-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا مَاتَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيِّ ابْنُ سَلُوْلٍ، دُعِيَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَثَبْتُ إِلَيْهِ،

فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتُصَلِّي عَلَى ابْنِ أُبَيٍّ؟ وَقَدْ قَالَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا: كَذَا وَكَذَا، أُعَدِّدُ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "أَخِّرْ عَنِّيْ يَا عُمَرُ" فَلَمَّا أَكْثَرْتُ عَلَيْهِ، قَالَ: "إِنِّيْ خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ، لَوْ أَعْلَمُ أَنِّيْ إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِيْنَ يُغْفَرُ لَهُ لَزِدْتُ عَلَيْهَا" قَالَ: فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ انْصَرَفَ، فَلَمْ يَمْكُثْ إِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى نَزَلَتِ الْآيَتَانِ مِنْ بَرَاءَةٍ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا، وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهِ، إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾ [براءة ٨٤] قَالَ: فَعَجِبْتُ بَعْدُ مِنْ جُرْأَتِيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَئِذٍ، وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ.

[انظر: ٤٦٧١]

قوله: فلما قام إلخ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ (ابن سلول کا جنازہ پڑھانے کے لئے) کھڑے ہوئے تو میں آپؐ کی طرف کودا یعنی میں آپؐ کی طرف جلدی سے بڑھا اور میں نے عرض کیا: کیا آپؐ ابن ابی کا جنازہ پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں موقعہ پر یہ یہ کہا ہے؟ میں اس کی نازیبا باتیں گنار ہا تھا۔

قوله: لو أعلم أني إن زدتُ إلخ: اگر میں جانتا کہ میں ستر مرتبہ سے زیادہ اس کی بخشش چاہوں تو وہ بخشا جائے گا: تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لئے استغفار کرتا۔

قوله: فعجبتُ بعدُ: بعد میں مجھے نبی ﷺ کے سامنے اپنی بے باکی پر تعجب ہوا حالانکہ اللہ ورسول زیادہ جانتے ہیں۔

قوله: نزلت الآيتان: سب نسخوں میں اسی طرح ہے، جامع الاصول میں بھی اسی طرح ہے، پھر ایک آیت (۸۴) مذکور ہے، غالباً اس کے بعد کی آیت (۸۵) بھی اسی موقعہ پر نازل ہوئی ہے۔

بَابُ ثَنَاءِ النَّاسِ عَلَى الْمَيِّتِ

لوگوں کا میت کی تعریف کرنا

جس میت کے لئے صالحین کی ایک جماعت اچھا ہونے کی گواہی دے بشرطیکہ وہ گواہی دل کی تھاہ سے ہو اوپری دل سے نہ ہو، اور بغیر ریاء کے ہو، نمائش کے لئے نہ ہو، اور ریت رواج کی موافقت میں نہ ہو، کیونکہ رواجی طور پر تو ہر مرنے والے کو پسماندگان کی دل جوئی کے لئے اچھا کہتے ہیں: تو یہ شہادت اس میت کے ناجی ہونے کی علامت ہے یعنی قطعی بات تو نہیں کہہ سکتے مگر یہ علامت ضرور ہے کہ یہ شخص جنتی ہے، اسی طرح جب صالحین کی ایک جماعت کسی میت کی برائی کرے تو وہ اس کے تباہ حال ہونے کی علامت ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صالحین کے دلوں میں یہ باتیں غیب سے ڈالی جاتی ہیں، تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو: کا یہی مطلب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ باتیں صالحین کو الہام کی جاتی ہیں، اور ان کی زبانیں غیب کی ترجمانی کرتی ہیں، پس ان کا کہا: اللہ کا کہا ہے!

[۸۵-] بَابُ ثَنَاءِ النَّاسِ عَلَى الْمَيِّتِ

[۱۳۶۷-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " وَجَبَتْ" ثُمَّ مَرُّوْا بِأُخْرىٰ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شراً، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "وَجَبَتْ" فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: مَا وَجَبَتْ؟ قَالَ:" هٰذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا، فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَهٰذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا، فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ" [انظر: ۲٦٤٢]

[۱۳٦۸-] حدثنا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، هُوَ الصَّفَّارُ، قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ الْفُرَاتِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ، وَقَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ، فَجَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَمَرَّتْ بِهِمْ جَنَازَةٌ، فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا خَيْرًا. فَقَالَ عُمَرُ: وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِأُخْرَى، فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا خَيْرًا، فَقَالَ: وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ، فَأُثْنِيَ عَلَى صَاحِبِهَا شَرًّا، فَقَالَ: وَجَبَتْ. فَقَالَ أَبُو الْأَسْوَدِ: فَقُلْتُ: وَمَا وَجَبَتْ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ قَالَ: قُلْتُ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" أَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ، أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ" فَقُلْنَا: وَثَلَاثَةٌ؟ قَالَ: "وَثَلَاثَةٌ" فَقُلْنَا: وَاثْنَانِ؟ قَالَ: "وَاثْنَانِ" ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ. [انظر: ۲٦٤۳]

حدیث(۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ ایک جنازہ لے کر گذرے، صحابہ نے اس کی تعریف کی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: "ثابت ہوگئی" پھر (دوسرے موقع پر) دوسرا جنازہ لے کر لوگ گذرے تو صحابہ نے برائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا، پس آپؐ نے فرمایا: "ثابت ہوگئی" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ثابت ہوگیا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ جس کی تم نے تعریف کی اس کے لئے جنت ثابت ہوگئی، اور یہ جس کی تم نے برائی کی اس کے لئے جہنم ثابت ہوگئی، تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو"

حدیث(۲): ابوالاسود دیلی کہتے ہیں: میں مدینہ منورہ آیا، ان دنوں مدینہ میں بیماری پھیلی ہوئی تھی، میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس (علم حاصل کرنے کے لئے) بیٹھا، پس لوگ وہاں سے ایک جنازہ لے کر گذرے، اہل مجلس نے اس کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ثابت ہوگئی، پھر لوگ دوسرا جنازہ لے کر گذرے اس کی بھی اہل مجلس نے تعریف کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ثابت ہوگئی، پھر لوگ ایک اور جنازہ لے کر گذرے اہل مجلس نے اس کا ذکر برائی کے ساتھ کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ثابت ہوگئی، ابوالاسود کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: کیا چیز ثابت ہوگئی اے امیر المؤمنین! حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے وہی بات کہی ہے جو نبی ﷺ نے کہی ہے: "جس مسلمان کے لئے چار آدمی خیر کی گواہی دیں تو اللہ

تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرتے ہیں'' ہم نے پوچھا: اور تین کی گواہی؟ آپ نے فرمایا: تین کی گواہی بھی، ہم نے پوچھا: اور دو کی گواہی؟ آپ نے فرمایا: دو کی گواہی بھی، پھر ہم نے آپ سے ایک کے بارے میں نہیں پوچھا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ

عذاب قبر کا بیان

عذاب قبر برحق ہے: یہ آدھی بات ہے:

پہلے یہ بات جان لیں کہ عذاب القبر حق: آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔ قبر میں عذاب ہی نہیں ہوتا، عذاب تو نافرمانوں کے لئے ہے اور اطاعت شعاروں کے لئے راحتیں ہیں۔

قرآن وحدیث میں کبھی فہم سامع پر اعتماد کر کے آدھا مضمون چھوڑ دیتے ہیں جیسے ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ (آل عمران آیت ۲۶) اللہ کے ہاتھ میں خیر ہے، شر بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے مگر فہم سامع پر اعتماد کر کے اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے متقابلات آئے ہیں، پس سامع خود آدھا مضمون سمجھ لے گا کہ شر بھی اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

اور جو جزء جہاں اہم اور مقصود ہوتا ہے اس کو ذکر کیا جاتا ہے اور دوسرا جزء قرینہ پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے مذکورہ آیت میں اللہ کی تعریف کی جارہی ہے، اس کے مناسب ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ ہے، پس اس کو ذکر کیا اور دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا۔

اور قبر کے معاملات میں چونکہ عذاب کا جزء اہم ہے تاکہ لوگ محتاط زندگی گذاریں اور آنے والی زندگی کی تیاری کریں، اس لئے اسی جزء کو بیان کیا جاتا ہے، اگر قبر میں نعمتوں والا جزء بیان کریں گے تو لوگوں کو غلط فہمی ہوگی، اور وہ آخرت سے بے فکر ہوجائیں گے۔

جزاء وسزا کے چار مواطن:

۱- اس دنیا میں بھی سزا ملتی ہے، حدیث میں ہے: جب کسی بندہ کو کوئی کانٹا چبھتا ہے یا اس سے بھی معمولی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بڑھاتے ہیں اور اس کی وجہ سے اس کا ایک گناہ مٹاتے ہیں (ترمذی حدیث ۹۵۳) اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب کسی بندے کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور اچھے اعمال سے اس کا دامن خالی ہوتا ہے جو گناہوں کے لئے کفارہ بن سکیں تو اللہ تعالیٰ اس کو موت سے پہلے مصائب میں مبتلا کرتے ہیں، اور وہ بہ توفیق الٰہی ان پر صبر کرتا ہے اور اللہ کی تعریف کرتا ہے تو وہ گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے، اور ایسا ہوجاتا ہے جیسا اس کو اس کی ماں نے جنا تھا (مشکوۃ حدیث ۱۵۷۹ و ۱۵۸۰)

تنبیہ: مؤمن کو اس دنیا میں نیک اعمال کا پورا اجر نہیں ملتا اگر دنیا میں نیک اعمال کا اجر دیا جائے گا تو مؤمن گھاٹے میں رہے گا، اس لئے نیک اعمال کا اجر آخرت کے لئے اٹھا رکھا ہے، تا کہ وہاں تا ابد اس اجر سے متمتع ہو، البتہ کبھی دنیا میں نیک اعمال کا کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے، یہ مضمون سورہ یوسف (آیات ۵۶ و ۵۷) میں بیان ہوا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈالا، وہاں سے نکلے تو غلام بن گئے، پھر جیل پہنچ گئے، پھر صبر و عزیمت کے نتیجہ میں عزیز مصر بن گئے، اور بادشاہ ریان بن الولید برائے نام بادشاہ رہ گیا، سارا اختیار حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں آ گیا، وہاں قصہ روک کر اللہ عز و جل فرماتے ہیں: ﴿نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ، وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور بھلائی کرنے والوں کا بدلہ ہم ضائع نہیں کرتے ﴿وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾: اور آخرت کا اجر کہیں زیادہ بہتر ہے ایمان داروں اور تقوی شعاروں کے لئے۔

غرض دنیا میں نیک اعمال کا پورا اجر نہیں ملتا، بس کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے، اور برے اعمال کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے، بلکہ نیک لوگوں کو زیادہ تر سزا اسی دنیا میں دیدی جاتی ہے، پھر پاک صاف کر کے ان کو اٹھایا جاتا ہے، تا کہ آخرت میں ان کا حساب بے باق رہے۔

۲- برزخ میں جزاو سزا ہوتی ہے۔ برزخ کے معنی ہیں: دو چیزوں کے درمیان کی آڑ، دو روڈوں کے درمیان کا باریر، ایک دنیا سے کود کر دوسری دنیا میں نہیں جا سکتے، پہلے برزخ میں منتقل ہونا پڑتا ہے پھر دوسری دنیا میں جانا ہے، چند ابواب پہلے یہ بتایا تھا کہ اس عالم اجساد سے پہلے ایک عالم ارواح ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذریت عالم ارواح میں نکالی گئی تھی، پھر ان روحوں کو عالم ارواح میں ایک خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا ہے، پھر جب اس دنیا میں آنے کا وقت آتا ہے تو ماں باپ کے نطفوں سے بچہ دانی میں جسم تیار ہوتا ہے، پھر فرشتہ عالم ارواح سے وہ روح جس کے لئے یہ جسم تیار کیا گیا ہے لا کر اس جسم میں پھونک دیتا ہے، اب روح ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتی ہے، لیکن روح پڑنے کے بعد بھی چار مہینہ تک ماں کے پیٹ میں رہنا پڑتا ہے، وہاں اس کی پرورش کی جاتی ہے، اس کو تیار کیا جاتا ہے کہ وہ اس دنیا کی آب و ہوا برداشت کر سکے، پھر جب بچہ اس دنیا کی آب و ہوا برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو وہ پیدا (نمودار) ہوتا ہے یعنی اب مکمل اس دنیا میں آ جاتا ہے۔ اور یہ عالم اجساد ہے، اب روحیں جسموں کے اندر آ گئیں، اور ان دونوں عالموں (عالم ارواح اور عالم اجساد) کا درمیان یعنی ماں کے پیٹ کی زندگی عالم برزخ ہے، پھر ایک وقت کے بعد روح جسم سے نکل کر آگے بڑھ جاتی ہے، اور جسم مٹی کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ مٹی سے بنا ہے، اس طرح کہ ماں باپ کا نطفہ خون سے بنا ہے، اور خون غذا سے بنا ہے اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے اس طرح ہر انسان کا جسم مٹی سے بنا ہے۔

غرض موت سے روح نہیں مرتی بدن مرتا ہے، روح بدن سے نکل کر عالم قبر (عالم برزخ) میں پہنچ جاتی ہے اسی لئے کہتے ہیں: انتقال ہو گیا یعنی دوسری جگہ منتقل ہو گیا، مر گیا (مَرْ: گیا) گذر گیا یعنی آگے بڑھ گیا، دنیا کی ہر زبان میں موت کے

لئے جو الفاظ ہیں وہ اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں، غرض ہر انسان مرنے کے بعد عالم قبر میں پہنچ جاتا ہے خواہ وہ دفنایا جائے، جلایا جائے، یا اس کو کوئی درندہ کھا جائے۔ قبر مٹی کے گڑھے کا نام نہیں، وہ ایک مستقل دنیا ہے اور ہماری اس دنیا کا ضمیمہ ہے، آخرت کا حصہ نہیں، جیسے ماں کے پیٹ کی زندگی ہماری اس دنیا کی ابتداء ہے اسی طرح عالم قبر ہماری اس دنیا کا تتمہ ہے، آخرت کا حصہ نہیں، یعنی مرنے کے بعد بھی لوگ اسی دنیا میں رہتے ہیں۔ آخرت میں نہیں پہنچ جاتے۔

پھر جب عالم ارواح خالی ہو جائے گا یعنی سب لوگ اس عالم اجساد میں منتقل ہو جائیں گے تو صور پھونکا جائے گا اور سب مر جائیں گے اور تمام روحیں برزخ میں پہنچ جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ ایک بارش برسائیں گے اس بارش سے تمام مخلوقات: انسان اور غیر انسان جو مر کر مٹی ہو گئے ہیں از سر نو ان کے اجسام زمین سے اگیں گے، جب اجسام تیار ہو جائیں گے تو دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا، اور تمام روحیں عالم برزخ سے واپس آکر اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی، اسی کا نام نشأۃ ثانیہ (مرنے کے بعد کی زندگی) ہے۔

یہ سب کچھ اس دنیا کے الیوم الآخر میں ہوگا، سورۃ المعارج آیت ۴ میں ہے کہ وہ دن پچاس ہزار سال کا ہے اس میں جزاء وسزا کے فیصلے ہونگے، پھر لوگوں کو آخرت میں منتقل کیا جائے گا، جہنم کی پشت پر پل بچھایا جائے گا، لوگ اس پر سے گذر کر آخرت میں پہنچیں گے، جہنمی جہنم میں گر جائیں گے اور جنتی آگے بڑھ جائیں گے، اور آخرت کی یہ دونوں زندگیاں ابدی ہیں وہاں موت نہیں۔

غرض اس دنیا سے دوسری دنیا میں کود کر نہیں جایا جا سکتا، اور جس طرح عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان برزخ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان میں بھی برزخ ہے اور عالم ارواح اور اس دنیا کے درمیان جو برزخ ہے وہ اسی دنیا کا حصہ ہے اسی لئے یہاں کے اثرات جنین پر پڑتے ہیں، ماں جو کھاتی ہے، پیتی ہے، پہنتی ہے یا سوچتی ہے بچے پر اس کے اچھے برے اثرات پڑتے ہیں، اسی طرح عالم قبر میں بھی اس دنیا کے اثرات پہنچتے ہیں کیونکہ عالم برزخ اس دنیا کا ضمیمہ ہے، اور وہاں آخرت کے احوال بھی جھلکتے ہیں۔ شاہ صاحب قدس سرہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: آخرت اور قبر کے درمیان ایک باریک پردہ ہے چنانچہ آخرت کے احوال قبر میں جھلکتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ نیک بندے کی قبر میں جنت کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے، اور برے آدمی کی قبر میں جہنم کی طرف۔ یہی آخرت کے احکام کا جھلکنا ہے اور یہی قبر کا عذاب اور قبر کی راحتیں ہیں اور دنیا و آخرت کے درمیان دبیز پردہ ہے اس لئے عالم آخرت کے احوال یہاں محسوس نہیں ہوتے، البتہ پہنچتے ضرور ہیں، حدیث میں ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کے اثرات کے پھیلنے کی وجہ سے ہے۔

غرض جو روحیں عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہیں وہاں ان کو آخرت کے لئے تیار کیا جاتا ہے، آخرت میں ہر انسان کا جسم ساٹھ ہاتھ کا ہوگا، پس اسی اعتبار سے چوڑا بھی ہوگا، اور اس وقت ہماری روح اتنی نحیف ہے کہ اگر آدمی ڈیڑھ سو کلو کا ہو جائے تو روح اس کو ڈیل نہیں کر سکتی، بس آدمی پڑا ہی رہے گا، پھر آخرت میں اتنے لمبے چوڑے اور موٹے بدن کو کس طرح ڈیل

کرے گی؟ اسی کے لئے اس کو برزخ میں تیار کیا جاتا ہے تاکہ وہ آخرت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکے، اور وہاں کے عذاب کو سہار سکے، اور قیامت کے دن جو نیا بدن بنے گا وہ اسی جسم کے اجزاء سے بنے گا، کوئی نیا جزء اس میں شامل نہیں ہوگا، غرض برزخ کی زندگی ایک خاص مقصد سے تجویز کی گئی ہے۔

۳- میدانِ حشر میں بھی جزاء وسزا ہوگی۔ جاننا چاہئے کہ بعض بندوں کی سزا دنیا میں اور بعض کی برزخ میں پوری ہوجائے گی، پس اگلے مواطن میں ان کے لئے کوئی سزا نہیں، اور بعض بندوں کی سزا برزخ میں بھی پوری نہیں ہوگی، ان کو حشر میں سزا ملے گی، مشہور حدیث ہے: جس شخص نے اونٹوں، گایوں اور بھینسوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی اس کے جانور قیامت کے دن اس کے پاس خوب موٹے تازے اور بڑے ڈیل ڈول کے ہوکر آئیں گے، اور وہ اس کو باری باری اپنے پاؤں سے روندیں گے، اور سینگوں سے ماریں گے، اور جب ایک بار سب جانور روندتے ہوئے اور ٹکر مارتے ہوئے گذر جائیں گے تو دوبارہ اور سہ بارہ اسی طرح گذریں گے اور یہ سزا قیامت کے پورے دن میں جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے جاری رہے گی، نیز حدیث میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سایہ میں رکھیں گے، یہی قیامت کے میدان کی جزاء وسزا ہے۔

۴- آخرت میں اصلی جزاوسزا ہے۔ جس کی حشر میں سزا پوری ہوجائے گی وہ جنت میں جائے گا ورنہ باقی سزا پانے کے لئے جہنم میں جائے گا، اور جب سزا پوری ہوگی تب جنت میں جائے گا، اور کفار کی سزا کبھی پوری نہیں ہوگی، وہ تا ابد جہنم میں رہیں گے۔

غرض جزاوسزا کے چار مواطن ہیں ان میں سے ایک عالم برزخ (عالم قبر) بھی ہے اور اسی کا نام عذابِ قبر اور راحت قبر ہے۔

عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے:

اہل السنہ والجماعہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے، حدیث شریف میں اس کی یہ تعبیر ہے کہ نیک بندے کی قبر چوڑی اور منور کردی جاتی ہے اور برے شخص کی قبر تنگ کی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، معلوم ہوا کہ جسم کے اجزاء بھی عذاب ونعمت میں شریک ہوتے ہیں، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذابِ قبر صرف روح کو ہوتا ہے وہ اہل السنہ والجماعہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہیں، اس لئے وہ گمراہ ہیں۔

اور اس بات کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی روح کا جسم کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے، البتہ وہ وہمی (حکمی) تعلق ہوتا ہے، اس وہمی تعلق کو ٹیلیفون کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے، فون اگر P.C.O ہے تو اس کا تعلق بستی کے ہر فون سے ہوتا ہے S.T.D ہے تو اس کا تعلق ملک کے ہر فون سے ہوتا ہے اور I.S.D ہے تو اس کا تعلق پوری دنیا کے فونوں

سے ہوتا ہے، یہ تعلق وہمی ہے اور شہر کے مرکز مواصلات سے فون کا تعلق تحقیقی ہے، پھر اس کے توسط سے دیگر فونوں کے ساتھ تحقیقی تعلق قائم ہوتا ہے، جب آپ کوئی نمبر ڈائل کرتے ہیں تو اگر آپ کے فون کا سامنے والے فون سے حکمی تعلق ہوتا ہے تو تحقیقی تعلق قائم ہوجاتا ہے اور گھنٹی بجنے لگتی ہے، ورنہ جواب ملتا ہے: ''آپ کے فون پر یہ سہولت نہیں'' اب آپ اس مثال سے یہ مضمون سمجھئے کہ قیامت کے دن جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا اور تمام روحیں اس دنیا میں واپس آئیں گی تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہوگی، کوئی روح دوسرے جسم میں داخل نہیں ہوگی، یہ ارواح کا اجسام سے تحقیقی تعلق ہے، اور تحقیقی تعلق فرع ہے حکمی تعلق کی، پس ماننا پڑے گا کہ برزخ کی زندگی میں روح کا جسم کے اجزاء کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے، اگر حکمی (وہمی) تعلق نہیں مانیں گے تو سوال پیدا ہوگا کہ ارواح اپنے اجسام کو کس طرح پہچانیں گی؟ اور وہ اپنے ہی اجسام میں کس تعلق کی بنا پر داخل ہونگی؟ اس طرح جسم کے اجزاء بھی جزاء وسزا میں روح کے ساتھ کسی درجہ میں شریک ہوتے ہیں۔

عذابِ قبر کا ذکر قرآن میں:

اور عذابِ قبر کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں وہ آیات ذکر کی ہیں جن میں عذابِ قبر کا صاف تذکرہ ہے۔ اور وہ احادیثِ متواترہ سے بھی ثابت ہے اور تواتر کی چار قسمیں ہیں [1]، چوتھی قسم تواتر قدر مشترک ہے، یعنی کوئی حقیقت اتنی مختلف سندوں سے مروی ہو جو موجب طمانینت ہو، جیسے معجزات کی روایات چار سو صحابہ سے مروی ہیں، جو الگ الگ واقعات ہیں مگر ان کا قدر مشترک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے علاوہ دیگر معجزات بھی عنایات فرمائے تھے، یہ بات تواتر قدر مشترک سے ثابت ہے، اسی طرح بیشمار روایات میں عذابِ قبر کا ذکر آیا ہے۔ وہ روایات اگرچہ الگ الگ ہیں مگر ان کا قدر مشترک یہ ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے پس جو شخص عذاب قبر کا انکار کرتا ہے وہ بددین گمراہ ہے۔

[۸۶-] بَابُ مَاجَاءَ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ

[۱-] وَقَوْلُ اللّٰهِ: ﴿وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُوْنَ فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلاَئِكَةُ بَاسِطُوْا أَيْدِيْهِمْ أَخْرِجُوْا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾[الأنعام:۹۳] قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: الْهُوْنُ هُوَ الْهَوَانُ، وَالْهَوْنُ: الرِّفْقُ.

(۱) تواتر کی چار قسمیں ہیں: (۱) تواتر اسناد: کسی حدیث کو شروع سے آخر تک اتنی بڑی جماعت روایت کرے جس کا جھوٹ پر اتفاق عادۃً محال ہو، جیسے ختم نبوت کی روایات۔ (۲) تواتر طبقہ: پوری امت کسی بات کو نقل کرتی چلی آئے جیسے قرآنِ کریم نقل ہوتا ہوا چلا آرہا ہے، اس تواتر کا درجہ قسم اول سے بڑھا ہوا ہے۔ (۳) تواتر تعامل وتوارث: کوئی عمل امت میں مسلسل چلا آرہا ہو جیسے تراویح کی بیس رکعتیں۔ (۴) تواتر قدر مشترک: کوئی حقیقت اتنی مختلف سندوں سے مروی ہو جو حد تواتر کو پہنچ جائے جیسے معجزات کی روایات۔

[۲-] وَقَوْلُهُ: ﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾[التوبة: ۱۰۱]

[۳-] وَقَوْلُهُ: ﴿وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ، النَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ: أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾[المؤمن: ۴۵ و۴۶]

[۱۳۶۹-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِذَا أُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِيْ قَبْرِهِ، أُتِيَ، ثُمَّ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ [إبراهيم: ۲۷]

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا، وَزَادَ ﴿ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ نَزَلَتْ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [انظر: ۴۶۹۹]

وضاحت: قرآنِ کریم میں متعدد آیتیں عذابِ قبر کے تعلق سے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تین آیتیں ذکر کی ہیں، اور حدیثیں تو بہت ہیں، تقریباً دو صفحہ تک عذابِ قبر ہی کا مضمون چلے گا، البتہ امام صاحبؒ نے افادہ کے لئے نئے نئے ابواب بھی قائم کئے ہیں۔

پہلی آیت: سورۃ الانعام میں ارشادِ پاک ہے: اور اگر دیکھیں آپ جس وقت کفار موت کی سختیوں میں ہونگے اور فرشتے (جان نکالنے کے لئے) ان کی طرف اپنے ہاتھوں کو بڑھا رہے ہونگے (اور· یہ تشدید اور اظہارِ غیظ کے لئے کہہ رہے ہوں گے) اپنی جانیں نکالو آج تم کو بدلہ میں ذلت کا عذاب ملے گا، یعنی سخت تکلیف کے ساتھ ذلت و رسوائی بھی ہوگی، یہی عذابِ قبر ہے —— امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ھُون (بالضم) کے معنی ہیں: ھَوَان: ذلت اور رسوائی، اور ھَون (بالفتح) کے معنی ہیں: نرمی، سورۂ فرقان میں ہے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا﴾: رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی۔ سے یعنی دبے پاؤں چلتے ہیں، ان کی چال سے تواضع، متانت، خاکساری اور سنجیدگی ٹپکتی ہے، متکبرین کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔

دوسری آیت: سورۃ التوبہ میں ارشادِ پاک ہے: "عنقریب ہم ان (منافقین) کو دو مرتبہ سزا دیں گے، پھر وہ بھاری عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے" —— یعنی آخرت کے عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ منافقین کو دو مرتبہ سزا دیں گے، ایک دنیوی عذاب دوسرا قبر کا عذاب، پھر بھاری عذاب یعنی دوزخ کے عذاب میں پہنچائے جائیں گے —— دنیوی عذاب: ذلت و رسوائی ہے۔ حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے جمعہ کے دن منبرِ نبوی سے چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا: أُخرج فإنك منافق: دفع ہو جا، تو منافق ہے —— پھر موت کے بعد عذابِ قبر میں مبتلا کئے جائیں گے —— پھر اس کے بعد بڑا عذاب دوزخ تیار ہے۔

تیسری آیت: سورۃ المؤمن میں ارشادِ پاک ہے: ''اور گھیر لیا فرعونیوں کو برے عذاب نے، یعنی آگ: ان پر پیش کی جاتی ہے صبح وشام، اور جب قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا: جھونکو فرعونیوں کو سخت عذاب میں ـــــ فی الحال فرعونیوں کو صبح وشام جو جہنم پر پیش کیا جاتا ہے یہی عذابِ قبر ہے، پھر جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کو جہنم میں جھونکو، یہ دوزخ کا عذاب ہے۔

حدیث: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب مؤمن کو اس کی قبر میں بیٹھایا جاتا ہے تو وہ آیا جاتا ہے یعنی اس کے پاس فرشتے آتے ہیں، پھر وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس یہی مراد ہے اللہ عزوجل کے اس قول کی: ''اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو مضبوط کلمہ کے ذریعہ دنیوی زندگی میں اور اخروی زندگی میں'' ـــــ اور محمد بن بشار کے طریق میں یہ اضافہ ہے کہ یہ آیت عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

تشریح:

۱- اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات کے ذریعہ یعنی کلمہ طیبہ کی بدولت دنیا کی زندگی میں، قبر کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط رکھتے ہیں، خواہ دنیا میں کیسی ہی آفات وبلیات آئیں، کتنا ہی سخت امتحان ہو، مؤمن کلمہ طیبہ کی بدولت ثابت قدم رہتا ہے، اور قبر میں منکر ونکیر کے سوالوں کا صحیح جواب دیتا ہے، اور جب محشر کا ہولناک منظر ہوگا تو وہ کلمہ کی بدولت نہایت مطمئن ہوگا، اسے ادنی گھبراہٹ لاحق نہ ہوگی، پھر آخرت میں تو اس کے لئے جنت ہے ہی!

۲- حضرت براء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث یہاں مختصر ہے، تفصیلی روایت مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا: مؤمن بندہ جب قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرے پروردگار اللہ تعالیٰ ہیں، وہ دوسرا سوال کرتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے، پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ ذات جو تمہارے درمیان مبعوث کی گئی تھی اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، اب فرشتے پوچھتے ہیں: یہ باتیں تجھے کس نے بتلائیں؟ وہ جواب دیتا ہے: میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا، اور میں نے اس کی تصدیق کی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مؤمن بندے کا یہی جواب ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات کے ذریعہ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط رکھتے ہیں''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہے: ''میرے بندے نے ٹھیک بات کہی اور صحیح جوابات دیئے، لہٰذا اس کے لئے جنت کا فرش بچھاؤ، اور اس کو جنت کا لباس پہناؤ، اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے: جس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور بھینی بھینی خوشبوئیں آنے لگتی ہیں، اور

منتہائے نظر تک اس کے لئے قبر میں کشادگی کر دی جاتی ہے۔

اور کافر (منافق) جب مرتا ہے اور عالم برزخ میں پہنچتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہا! ہا! میں کچھ نہیں جانتا، پھر فرشتے اس سے دوسرا سوال کرتے ہیں: تیرا دین کیا تھا؟ وہ کہتا ہے: ہا! ہا! میں کچھ نہیں جانتا، پھر فرشتے پوچھتے ہیں: یہ ہستی جو تمہارے درمیان مبعوث کی گئی تھی اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ اس کا جواب بھی وہ یہی دیتا ہے کہ ہا! ہا!! میں کچھ نہیں جانتا، پھر آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا (یعنی یہ جانتا سب کچھ ہے مگر چونکہ زندگی بھر منکر رہا ہے اس لئے اب اقرار کس منہ سے کرے!) اس کے لئے دوزخ کا فرش کرو، اور دوزخ کا اس کو لباس پہناؤ، اور اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اس کو دوزخ کی گرمی اور آگ کی لپٹیں اور جھلسا دینے والی ہوائیں پہنچتی رہیں گی اور اس کی قبر نہایت تنگ کر دی جائے گی جس کی وجہ سے اس کے سینہ کی پسلیاں ادھر سے اُدھر ہو جائیں گی، پھر اس کو عذاب دینے کے لئے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا جو نہ کچھ دیکھے گا اور نہ کچھ سنے گا، اس کے پاس لوہے کا ایک ایسا گرز ہوگا کہ اس کی ایک چوٹ کسی پہاڑ پر ماری جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے وہ فرشتہ اس گرز سے اس کو مارے گا جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ اس کی چیخ جن وانس کے علاوہ مشرق ومغرب کے درمیان موجود ہر مخلوق سنے گی، وہ کافر ومنافق اس چوٹ سے خاک ہو جائے گا مگر فوراً ہی اس میں روح ڈال دی جائے گی (ہدایت القرآن پارہ ۱۳ ص: ۱۶۳) (کتاب السنۃ حدیث ۴۷۵۳ باب ۲۷)

۲- بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ قبر میں کافر سے سوال نہیں ہوگا، مرتے ہی اس پر عذاب شروع ہو جائے گا، کیونکہ حدیثوں میں لفظ منافق آیا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ کافر سے بھی سوال ہوگا، شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ جو دین بھیجا ہے اگلی دنیا میں پہنچنے پر داخلہ امتحان ہوگا کہ آدمی اس دین کو لے کر آیا ہے یا تہی دست آیا ہے، پس ہر شخص سے سوال ہوگا۔

۳- کافر ومنافق کے پاس منکر ونکیر آئیں گے۔ منکر کے معنی ہیں: انجانا اور نکیر: فعیل کا وزن ہے وہ بھی منکر (اسم مفعول) کے معنی میں ہے، اور منکر: وہ چیز ہے جسے دیکھ کر آدمی پریشان ہو جائے کہ کیا آفت آئی؟ اور نیک بندے کے پاس مُبَشِّر بشیر (خوش خبری دینے والے) آئیں گے، وہ نہایت خوبصورت ہونگے، ان کی ہیئت نہایت شاندار ہوگی، کالے، نیلگوں آنکھوں والے فرشتے صرف برے آدمی کے پاس آئیں گے۔

[۱۳۷۰-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، أَخْبَرَهُ، قَالَ: اطَّلَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى أَهْلِ الْقَلِيبِ، فَقَالَ: "وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟" فَقِيلَ لَهُ: أَتَدْعُو أَمْوَاتًا! قَالَ: "مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ، وَلٰكِنْ

لَایُجِیْبُوْنَ" [انظر: ۳۹۸۰، ۴۰۲۶]

[۱۳۷۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّهُمْ لَيَعْلَمُوْنَ الآنَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ" وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ [النمل: ۸۰] [انظر: ۳۹۷۹، ۳۹۸۱]

حدیث (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے کنویں والوں پر جھانکا، پس فرمایا: ''کیا تم نے برحق پایا اس کو جس کا تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا؟'' (یہی جزء باب سے متعلق ہے، یعنی میں جو کہا کرتا تھا کہ اگر اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار نہیں کروگے تو مرتے ہی عذاب سے دوچار ہوؤ گے، سو عذاب شروع ہوا یا نہیں؟ یہی عذابِ قبر ہے) آپؐ سے عرض کیا گیا: کیا آپؐ بے جان لاشوں سے کلام فرمارہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں ہو تم زیادہ سننے والے ان سے، مگر وہ جواب نہیں دیتے''

حدیث (۲): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے یہی فرمایا تھا کہ وہ یقیناً جانتے ہیں اب کہ جو بات میں ان سے کہا کرتا تھا وہ برحق ہے'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بیشک آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے''

تشریح:

بدر کے مقتولین میں سے چوبیس سردارانِ قریش کی لاشوں کو آنحضور ﷺ نے ایک نہایت گندے کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا تھا، اور باقی لاشوں کو اور جگہ دفن کیا گیا تھا، اور آپؐ کی عادت شریفہ تھی کہ جب آپؐ کسی قوم پر غلبہ پاتے تو تین دن وہاں قیام فرماتے، تاکہ زخمیوں کی مرہم پٹی ہوجائے، شہداء کو دفن کیا جائے، اور کافروں کی لاشیں ٹھکانے لگائی جائیں، اسی عادت کے مطابق جب تیسرا دن آیا تو آپؐ صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے، اور مقتولین کو نام بنام پکارا اور فرمایا: تم کو یہ اچھا نہ لگا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے، پس جس چیز کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پایا، پس کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو برحق پایا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپؐ بے جان لاشوں سے کلام فرمارہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میری بات تم ان لوگوں سے زیادہ نہیں سنتے یعنی جس طرح تم میری بات سن رہے ہو یہ بھی سن رہے ہیں۔ مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔

سماعِ موتی کا مسئلہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت بات سنتی ہے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی تھیں۔ انھوں نے ابن عمرؓ کی مذکورہ حدیث پر نقد کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے قلیب بدر پر یہ فرمایا تھا کہ اب انھوں نے جان لیا کہ میری بات برحق تھی، اس کو ابن عمرؓ نے سننے سے تعبیر کردیا، یہ ان کا تسامح ہے، پھر انھوں نے سورۂ نمل کی آیت (۸۰) سے استدلال

کیا، اس میں اللہ تعالیٰ نے اسماع موتی (مردوں کوسنانے) کی نفی کی ہے۔

مگر صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جونقد کیا ہے وہ صحیح نہیں، حدیث صحیح ہے، جمہور صحابہ وتابعین اسی کے قائل ہیں کہ میت فی الجملہ سنتی ہے، اور حضرت عائشہؓ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اسماع (سنانے) کی نفی ہے، سماع (سننے) کی نفی نہیں ہے، یعنی مردے خودتو کچھ نہیں سن سکتے، مگر جب اللہ تعالیٰ سنانا چاہیں اور اس کو دنیا کی طرف متوجہ کردیں تو وہ سنتے ہیں۔

اور حدیث کو ابن عمرؓ کے علاوہ اور بھی صحابہ روایت کرتے ہیں اور سب سے تسامح ہوگیا ہو یہ بات بعید ہے، اور حدیث سماع موتی کے سلسلہ میں صریح ہے، اور اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، مثلاً: قبرستان میں سلام کرنے کا حکم ہے اس کو مردے سنتے ہیں، جب لوگ تدفین سے فارغ ہوکر واپس لوٹتے ہیں تو مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مسلک ہے کہ مردے فی الجملہ (کچھ نہ کچھ) سنتے ہیں، ورنہ مردوں کو سلام کرنا لغو عمل ہوجائے گا۔

[۱۳۷۲-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَشْعَثَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا، فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا: أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: "نَعَمْ! عَذَابُ الْقَبْرِ" قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بَعْدُ صَلّٰى صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، زَادَ غُنْدَرٌ "عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ" [راجع: ۱۰۴۹]

وضاحت: یہ حدیث ابواب الکسوف (باب ۷ تحفۃ القاری ۳: ۳۸۱) میں گذرچکی ہے، ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیک مانگنے کے لئے آئی، انھوں نے کچھ خیرات دی، اس نے دعا دی: "اللہ آپ کو قبر کے عذاب سے بچائے" حضرت عائشہؓ کو اس پر حیرت ہوئی، وہ عذاب قبر کے بارے میں نہیں جانتی تھیں، جب نبی ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے آپؐ سے دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا: "ہاں! قبر کا عذاب"

اور غندر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے، یعنی عبدان کی روایت میں جملہ ناقص ہے، اور غندر کی روایت میں کامل ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے، نبی ﷺ نے خیال فرمایا کہ جب آپؐ کے گھر والے اس بات کو نہیں جانتے تو عام لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ چنانچہ آپؐ اس واقعہ کے بعد بکثرت عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے، کیونکہ آپ کی دعائیں امت کی تعلیم کے لئے بھی ہوتی ہیں —— اور فذکرت عذاب القبر: مجازی تعبیر ہے، واقعہ کی اصل صورت وہ ہے جو بیان کی گئی۔

[۱۳۷۳-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ، تَقُوْلُ: قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم خَطِيْبًا، فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِي يَفْتَتِنُ فِيْهَا الْمَرْءُ، فَلَمَّا ذَكَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً. [راجع: ۸۶]

وضاحت: یہ حدیث بھی کئی بار گذر چکی ہے (پہلی بار: تحفۃ القاری ۱:۳۶۶ میں آئی ہے) جب نبی ﷺ نے نماز کسوف کے بعد خطبہ دیا اس خطبہ میں یہ مضمون بیان فرمایا کہ قبر میں انسان کو آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑے گا، صحابہ یہ مضمون سن کر دہاڑیں مار کر رونے لگے۔

[۱۳۷۴-] حدثنا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُوْلَانِ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهُ، فَيُقَالُ لَهُ: انْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَكَ اللهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا" قَالَ قَتَادَةُ: وَذُكِرَ لَنَا أَنَّهُ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى حَدِيْثِ أَنَسٍ، قَالَ:" وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوْ: الْكَافِرُ، فَيُقَالُ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِي، كُنْتُ أَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ، فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً، فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ" [راجع: ۱۳۳۸]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الجنائز باب ۶۷ میں گذر چکی ہے، اور يضرب بمطارق من حديد: باب سے متعلق ہے۔ اور یہاں یہ سوال نہیں ہونا چاہئے کہ بیک وقت ہزاروں آدمی مرتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ کو کہاں کہاں لے جائیں گے؟ اس لئے کہ اگلی دنیا میں آڑ اور پہاڑ نہیں، اور فاصلے بھی نہیں، ہر شخص اپنی جگہ سے آنحضور ﷺ کی زیارت کرے گا۔

بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

قبر کے عذاب سے پناہ چاہنا

ابھی عذاب قبر سے متعلق احادیث چل رہی ہیں، اور حضرت رحمہ اللہ افادہ کے لئے نئے نئے ابواب قائم کر رہے ہیں۔ عذابِ قبر سے پناہ مانگنی چاہئے، اس کے دو فائدے ہیں: ایک: عذاب قبر سے حفاظت ہوگی۔ دوم: عذاب قبر کا جو موجب (سبب) ہے یعنی سیئات (گناہ) ان سے بچیں گے، ظاہر ہے سیئات سے بچیں گے جبھی قبر کے عذاب سے بچیں گے۔

[۸۷-] بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

[۱۳۷۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ، فَسَمِعَ صَوْتًا، فَقَالَ: "يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا"

وَقَالَ النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْنٌ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۳۷۶-] حدثنا مُعَلًّى، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي بِنْتُ خَالِدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [انظر: ۶۳۶۴]

[۱۳۷۷-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدْعُو: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ"

حدیث (۱): نبی ﷺ (مدینہ سے) نکلے، جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا، آپؐ نے ایک آواز سنی پس فرمایا: "یہود اپنی قبروں میں عذاب دیئے جارہے ہیں!" —— اس حدیث کو شعبہؒ سے نضر بن شمیل بھی روایت کرتے ہیں، اس میں عون کی اپنے والد ابو جحیفہؓ سے سماع کی صراحت ہے۔

حدیث (۲): خالد کی صاحبزادی سے مروی ہے: انھوں نے نبی ﷺ کو عذابِ قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔

حدیث (۳): نبی ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، جہنم کے عذاب سے، زندگی اور موت کی آزمائش سے اور دجال کی آزمائش سے"

تشریح: آنحضور ﷺ نے جو آواز سنی تھی اس کو صحابہ نے بھی سنا تھا، صحابہ نے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: یہود کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے، پس عذابِ قبر ثابت ہوا، اسی مناسبت سے یہ حدیث اس باب میں لائے ہیں۔

بَابُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْغِيبَةِ وَالْبَوْلِ

غیبت اور پیشاب کی وجہ سے قبر کا عذاب

غیبت اور پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے بھی قبر میں عذاب ہوتا ہے، اور ان دو گناہوں میں حصر نہیں، یہ دو گناہ بطور مثال ہیں، ان کے علاوہ بھی گناہ ہیں، بلکہ سبھی گناہ عذابِ قبر کا سبب ہیں۔

[۸۸-] بَابُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْغِيبَةِ وَالْبَوْلِ

[۱۳۷۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: "إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيْرٍ" ثُمَّ قَالَ: "بَلَى، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّمِيْمَةِ. وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ" قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِاثْنَتَيْنِ، ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرٍ، ثُمَّ قَالَ: لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا"

[راجع: ۲۱٦]

بَابُ الْمَيِّتِ يُعْرَضُ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ

مردے کے سامنے صبح وشام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے

قبر میں راحت اور عذاب کی بے شمار شکلیں ہیں، ان میں سے ایک شکل یہ ہے کہ ہر شخص کو جنت یا جہنم میں اس کا جو ٹھکانہ ہے وہ صبح وشام دکھایا جاتا ہے۔

[۸۹-] بَابُ الْمَيِّتِ يُعْرَضُ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ

[۱۳۷۹-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" [انظر: ۳۲٤۰، ٦٥١٥]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اس پر صبح وشام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے تو جنت کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اور اگر جہنمیوں میں سے ہوتا ہے تو جہنم کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، پھر کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اٹھائیں یعنی اس وقت تو اپنے اس ٹھکانے میں پہنچے گا۔

بَابُ كَلَامِ الْمَيِّتِ عَلَى الْجَنَازَةِ

جنازے پر مردے کا بات کرنا

یہ عذابِ قبر کے سلسلہ کا آخری باب ہے، جب جنازہ چارپائی وغیرہ پر رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اس کو اٹھا کر لے چلتے

ہیں تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے: مجھے جلدی لے چلو، اسے قبر کی راحتوں کا انتظار ہے، اور میت بری ہوتی تو کہتی ہے: ہائے اس کی بدنصیبی! اسے کہاں لے جا رہے ہو، اسے بھی اپنا انجام (عذاب قبر) نظر آ رہا ہے، اسی مناسبت سے یہ باب اور یہ حدیث لائے ہیں.........اور میت حقیقتاً کلام کرتی ہے، مجاز نہیں ہے، تفصیل کتاب الجنائز باب ۵۰ میں گذر چکی ہے۔

[۹۰-] بَابُ كَلَامِ الْمَيِّتِ عَلَى الْجَنَازَةِ

[۱۳۸۰-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ، فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ: قَدِّمُوْنِيْ! قَدِّمُوْنِيْ! وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ، قَالَتْ: يَا وَيْلَهَا! أَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الإِنْسَانُ، وَلَوْ سَمِعَهَا الإِنْسَانُ لَصَعِقَ" [راجع: ۱۳۱۴]

بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ أَوْلَادِ الْمُسْلِمِيْنَ

مسلمانوں کے نابالغ بچوں کا حکم

جو بچہ نابالغی کے زمانہ میں مر گیا، اگر وہ مسلمان کا بچہ ہے تو اس کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ وہ جنتی ہوگا، اور اطفالِ مشرکین کے بارے میں اختلاف ہے، جو اگلے باب میں آ رہا ہے۔

[۹۱-] بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ أَوْلَادِ الْمُسْلِمِيْنَ

وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ مَاتَ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ، لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ، كَانَ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ" أَوْ: " دَخَلَ الْجَنَّةَ"

[۱۳۸۱-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَا مِنَ النَّاسِ مُسْلِمٌ، يَمُوْتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ، لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ، بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ" [راجع: ۱۲۴۸]

[۱۳۸۲-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ إِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ"

[انظر: ۳۲۵۵، ۶۱۹۵]

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی حدیثیں گذر چکی ہیں (حدیث ۱۲۵۱ و ۱۲۴۸) اور استدلال

بفضل رحمته إياهم سے ہے، رحمته کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور إياهم کی ضمیر فوت ہونے والے بچوں کی طرف، بچوں پر اللہ کی خصوصی مہربانی ہے، اور اس مہربانی کا اثر والدین کو بھی پہنچتا ہے، چنانچہ اس خصوصی مہربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ والدین کو بھی جنت میں داخل کریں گے، پس بچوں کو بدرجہ اولیٰ جنت میں داخل کریں گے، اس طرح ان حدیثوں سے استدلال ہے، اور جب صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کے لئے جنت میں انا (دودھ پلانے والی) کا انتظام کیا ہے ـــــ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں جائیں گے، اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؓ جنت میں بھی بچے ہی رہیں گے، عالم برزخ کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے، اور دودھ پلانے والی کا انتظام نبی ﷺ کے اعزاز واکرام کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ بچہ کو اس کی حاجت نہیں۔

بَابُ مَا قِيْلَ فِيْ أَوْلَادِ الْمُشْرِكِيْنَ

مشرکوں کی نابالغ اولاد کا حکم

اگر ماں باپ دونوں یا کوئی ایک مسلمان ہے تو ان کے بچے ذراری المسلمین (مسلمان کی اولاد) ہیں اور ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، وہ جنت میں جائیں گے، اور اگر ماں باپ دونوں کافر ہیں تو وہ بچے ذراری المشرکین ہیں اور ان کے بارے میں چند قول ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱- وہ دوزخی ہونگے، یہ مذہب بین البطلان ہے، کیونکہ سلف کا اجماع ہے کہ عمل بد کے بغیر عذاب نہیں ہوتا۔

۲- وہ اعراف میں رہیں گے، وہاں ان کو نہ عذاب ہوگا نہ راحت پہنچے گی، یہ قول بھی صحیح نہیں، کیونکہ اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں۔

۳- ان کا آخرت میں امتحان ہوگا، جیسے اصحاب فترت اور پاگلوں کا امتحان ہوگا، جو کامیاب ہونگے جنت میں جائیں گے اور جو ناکام ہونگے جہنم میں جائیں گے، یہ قول بھی صحیح نہیں، کیونکہ آخرت دار جزاء ہے دار تکلیف نہیں۔

۴- ایک رائے یہ ہے کہ وہ اہل جنت کے خدام ہونگے، مگر اس قول کی مرفوع حدیث سے کوئی دلیل نہیں، اور قرآن کریم میں دوجگہ ﴿وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ آیا ہے وہ لڑکے جنت کی مخلوق ہونگے۔

۵- غیر مسلموں کے بچے بھی جنتی ہونگے، یہ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا قول ہے۔

۶- اور ایک رائے یہ ہے کہ اطفال مشرکین کے بارے میں توقف کیا جائے، توقف کے دو معنی ہیں: کسی چیز کے بارے میں علم نہ ہونا، یا حکم نہ لگا سکنا، یعنی سکوت اختیار کرنا، دوسرے: کسی چیز پر کوئی کلی حکم نہ لگانا، اطفال کے مسئلہ میں توقف بالمعنی الثانی ہے، یعنی نہ ہم سب کو ناجی کہتے ہیں نہ ناری، کون ناجی ہوگا اور کون ناری؟ اس کی تعیین اللہ کے حوالے ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے اکابر کا مسلک توقف کا ہے، کیونکہ اس مسئلہ

میں حدیثیں مختلف ہیں، اور نسخ یعنی تقدیم وتاخیر کا کوئی قرینہ نہیں، اور سند کے اعتبار سے قوی اللہ أعلم بما کانوا عاملین ہے جو توقف پر دلالت کرتی ہے، پس یہی قول راجح ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳:۹۰)

[۹۲-] بَابُ مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ

[۱۳۸۳-] حدثنا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَوْلَادِ الْمُشْرِكِيْنَ؟ فَقَالَ: "اللّٰهُ إِذْ خَلَقَهُمْ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ" [انظر: ٦٥٩٧]

[۱۳۸۴-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ اللَّيْثِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذَرَارِي الْمُشْرِكِيْنَ؟ فَقَالَ: "اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ" [انظر: ٦٥٩٨، ٦٦٠٠]

[۱۳۸۵-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ الْبَهِيْمَةِ تُنْتِجُ الْبَهِيْمَةَ، هَلْ تَرَى فِيْهَا جَدْعَاءَ؟" [راجع: ١٣٥٨]

حدیث (۱): نبی ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا: آپؐ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا اس وقت وہ خوب جانتے تھے کہ وہ کیا کرنے والے ہیں" یعنی ان کے بارے میں علم الٰہی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا: آپؐ نے فرمایا: "وہ جو کچھ کرنے والے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہیں" (یہ روایت پہلی روایت کے ہم معنی ہے)

تشریح: اطفالِ مشرکین کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور سب سے قوی یہ روایت ہے، اور یہ توقف پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ جمہور کا یہی مسلک ہے کہ ذراری مشرکین کے بارے میں توقف کیا جائے، یعنی اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ کردیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے، چنانچہ آپ نے بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

احکام شرعیہ میں توقف کی وجوہ:

اور احکام شرعیہ میں توقف کی وجہ صرف یہی نہیں ہوتی کہ اس کے بارے میں وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ توقف کی اور بھی وجوہ ہوتی ہیں، مثلاً:

۱- کسی حکم کا کوئی واضح قرینہ موجود نہیں ہوتا اس لئے توقف کیا جاتا ہے۔

۲-کسی حکم کی وضاحت ضروری نہیں ہوتی اس لئے بات مبہم رکھی جاتی ہے۔
۳-کوئی حکم دقیق ہوتا ہے مخاطبین میں اس کے فہم کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے توقف کیا جاتا ہے۔
اور حدیث (۳) کتاب الجنائز باب ۷۹ میں گذر چکی ہے، اس حدیث سے بھی کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے، اس لئے کہ اول سے کچھ سمجھ میں آتا ہے اور آخر سے کچھ، حدیث کے آخر سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مشرکین کے بچے جہنم میں جائیں گے، کیونکہ بچہ بڑا ہو کر جو یہودی، عیسائی یا ہندو وغیرہ بنتا ہے وہ کافر ماں باپ کے گھر میں پلنے کی وجہ سے بنتا ہے پھر جہنم میں جاتا ہے پس جو بچپن میں مرگیا وہ بھی جہنم میں جائے گا، اور حدیث شریف کے اول سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے کیونکہ ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پس مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔
اور بہت سے مسائل ہیں جن میں جمہور نے توقف کیا ہے، مثلاً: آنحضور ﷺ کے والدین کے ایمان کا مسئلہ، یزید کے ناری یا ناجی ہونے کا مسئلہ، ان مسائل میں بھی توقف کیا گیا ہے، کیونکہ دلائل متعارض ہیں، علاوہ ازیں ان پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں، پس فیصلہ کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

بَابٌ

سب بچے ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہیں

اس باب میں جو روایت ہے وہ گذشتہ باب ہی سے متعلق ہے، ابوذر کے نسخہ میں یہ باب نہیں ہے اور روایت طویل ہے، اس لئے قارئین کی سہولت کے لئے چند ٹکڑوں میں لکھی جاتی ہے، اور استدلال: والصبیانُ حولَه فاولادُ الناس سے ہے، اولاد الناس عام ہے، اس میں مشرکین کے بچے بھی شامل ہیں اور سب ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہیں، پس سب بچے جنتی ہوں گے۔

[-۹۳] بَابٌ

[-۱۳۸۶] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، هُوَ ابْنُ حَازِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ رَجَاءٍ، عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: "مَنْ رَأَى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟" قَالَ: فَإِنْ رَأَى أَحَدٌ قَصَّهَا، فَيَقُوْلُ: مَاشَاءَ اللهُ، فَسَأَلَنَا يَوْمًا، فَقَالَ: "هَلْ رَأَى مِنْكُمْ أَحَدٌ رُؤْيَا؟" قُلْنَا: لَا، قَالَ: "لٰكِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ، فَأَخَذَا بِيَدِيْ، فَأَخْرَجَانِيْ إِلَى أَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ، فَإِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَرَجُلٌ قَائِمٌ، بِيَدِهِ كَلُّوْبٌ مِنْ حَدِيْدٍ - قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا عَنْ مُوْسَى: كُلَّابٌ مِنْ حَدِيْدٍ- يُدْخِلُهُ فِيْ شِدْقِهِ حَتَّى يَبْلُغَ قَفَاهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الآخَرِ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَيَلْتَئِمُ شِدْقُهُ هٰذَا، فَيَعُوْدُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهُ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ قَالَا: انْطَلِقْ.

ترجمہ: حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ کوئی نماز (فجر کی) پڑھاتے تھے تو (نماز کے بعد) اپنے چہرے کے ذریعہ ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے، یعنی لوگوں کی طرف گھوم کر بیٹھتے تھے، پھر پوچھتے تھے: "آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟" اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا اور آپؐ فرماتے جو اللہ چاہتے یعنی خواب بشارت ہوتا تو بشارت سناتے، اور شیطان کا ڈراوا ہوتا تو اس کا علاج بتاتے، پس آپؐ نے ایک دن ہم سے پوچھا: آپؐ نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ہم نے کہا: نہیں آپؐ نے فرمایا: لیکن میں نے آج رات دیکھا: دو شخص میرے پاس آئے پس انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے پاکیزہ سرزمین کی طرف لے چلے، پس اچانک ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے، اس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے —— امام بخاریؒ کہتے ہیں: ہمارے بعض ساتھیوں نے موسیٰ بن اسماعیل سے روایت کرتے ہوئے کَلُّوب کی جگہ کُلّاب کہا ہے، دونوں کے معنی ہیں: لوہے کا آنکڑا جیسا بوریاں اٹھانے والوں کے پاس ہوتا ہے —— وہ اس آنکڑے کو اس (بیٹھے ہوئے شخص) کے جبڑے میں گھساتا ہے (جہاں دونوں ہونٹ ملتے ہیں اس کو شدق کہتے ہیں) یہاں تک کہ وہ گدی تک پہنچ جاتا ہے، یعنی گدی تک جبڑا چیر دیتا ہے، پھر وہ دوسرے جبڑے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا ہے اور اس کا یہ جبڑا مل جاتا ہے، یعنی جتنی دیر میں دوسرا جبڑا چیرتا ہے پہلا جبڑا درست ہو جاتا ہے، پھر وہ لوٹتا ہے اور اسی طرح کرتا ہے یعنی دوبارہ پہلا جبڑا چیرتا ہے اور اتنی دیر میں دوسرا جبڑا درست ہو جاتا ہے، پھر وہ اس کو چیرتا ہے اور یہ عمل برابر جاری رہتا ہے، میں نے پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ دونوں نے کہا: آگے چلئے:

فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰى قَفَاهُ، وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِهِ بِفِهْرٍ أَوْ: صَخْرَةٍ، فَيَشْدَخُ بِهِ رَأْسَهُ، فَإِذَا ضَرَبَهُ تَدَهْدَهَ الْحَجَرُ، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ لِيَأْخُذَهُ، فَلَا يَرْجِعُ إِلٰى هٰذَا حَتّٰى يَلْتَئِمَ رَأْسُهُ، وَعَادَ رَأْسُهُ كَمَا هُوَ، فَعَادَ إِلَيْهِ فَضَرَبَهُ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَا: انْطَلِقْ.

فَانْطَلَقْنَا إِلٰى نَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّوْرِ، أَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَأَسْفَلُهُ وَاسِعٌ، تَتَوَقَّدُ تَحْتَهُ نَارٌ، فَإِذَا اقْتَرَبَ ارْتَفَعُوْا حَتّٰى كَادُوْا يَخْرُجُوْنَ، فَإِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِيْهَا، وَفِيْهَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَا: انْطَلِقْ!

پس ہم چلے، یہاں تک کہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو گدی کے بل یعنی چت لیٹا ہوا ہے، اور دوسرا شخص اس کے پاس بڑا پتھر لے کر کھڑا ہے، اس پتھر سے وہ اس کا سر کچلتا ہے، جب وہ اس کو پتھر مارتا ہے تو پتھر لڑھک کر دور چلا جاتا ہے، پھر وہ اس پتھر کو اٹھانے کے لئے جاتا ہے، ابھی وہ پتھر اٹھا کر واپس نہیں آتا کہ اس کا سر جڑ جاتا ہے، اور اس کا سر پہلے کی طرح ہو جاتا ہے، پس وہ لوٹتا ہے اور اس کو دوبارہ مارتا ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ دونوں نے کہا: آگے چلئے۔

پس ہم چلے ایک تندور جیسے سوراخ کی طرف، جو اوپر سے تنگ اور نیچے سے کشادہ تھا، اس کے نیچے آگ جل رہی تھی،

پس جب آگ تندور کے کنارے تک پہنچتی تو وہ لوگ اوپر اٹھتے، یہاں تک کہ نکلنے کے قریب ہوجاتے، پھر جب آگ دھیمی پڑتی تو وہ لوگ اس میں لوٹ جاتے، یعنی تہ میں بیٹھ جاتے اور اس میں ننگے مرد اور عورتیں تھیں، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: آگے چلئے۔

لغات: فِهر: دواء وغیرہ پیسنے کا پتھر، ج: أفهار، فُهور .... صخرة: بڑا پتھر، چٹان، ج: صَخر و صخرات ...... شَدَخَ الرأسَ (ف) شَدْخاً: سر توڑنا، کچلنا......... تَدَهْدَهَ الحجرُ: لڑھکنا، دَهْدَهَ الحجرَ: لڑھکانا۔

فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ مِنْ دَمٍ، فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ، وَعَلٰى وَسْطِ النَّهَرِ - قَالَ يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، وَوَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ، عَنْ جَرِيْرِ بْنِ حَازِمٍ: وَعَلٰى شَطِّ النَّهَرِ - رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ، فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهَرِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ رَمَاهُ الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ، فَرَدَّهُ حَيْثُ كَانَ، فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ، فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ. فَقُلْتُ مَا هٰذَا؟ قَالَا: انْطَلِقْ.
فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا إِلٰى رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ، فِيْهَا شَجَرَةٌ عَظِيْمَةٌ، وَفِيْ أَصْلِهَا شَيْخٌ وَصِبْيَانٌ، وَإِذَا رَجُلٌ قَرِيْبٌ مِنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ يُوْقِدُهَا، فَصَعِدَا بِيْ فِي الشَّجَرَةِ، فَأَدْخَلَانِيْ دَارًا لَمْ أَرَ قَطُّ أَحْسَنَ وَأَفْضَلَ مِنْهَا، فِيْهَا رِجَالٌ شُيُوْخٌ وَشَبَابٌ وَنِسَاءٌ وَصِبْيَانٌ، ثُمَّ أَخْرَجَانِيْ مِنْهَا، فَصَعِدَا بِي الشَّجَرَةَ، فَأَدْخَلَانِيْ دَارًا هِيَ أَحْسَنُ وَأَفْضَلُ، فِيْهَا شُيُوْخٌ وَشَبَابٌ.

پس ہم چلے، یہاں تک کہ ہم خون کی ایک نہر پر پہنچے، اس میں ایک شخص کھڑا تھا، اور نہر کے بیچ میں ــــ یزید بن ہارون اور وہب بن جریر نے جریر بن حازم سے وعلی شط النهر کہا ہے یعنی نہر کے ساحل پر ــــ ایک شخص کھڑا تھا، اس کے سامنے پتھر تھے، پس وہ شخص جو نہر کے اندر تھا آگے بڑھا پس جب اس نے نکلنے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے (جو ساحل پر تھا) اس کے منہ پر ایک پتھر دے مارا، اور وہ جہاں تھا وہیں اس کو لوٹا دیا، پس جب بھی وہ چاہتا کہ نہر سے نکلے تو وہ اس کے منہ پر پتھر مارتا تھا، اور وہ لوٹ کر اپنی جگہ پہنچ جاتا تھا، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: آگے چلئے:

پس ہم چلے، یہاں تک کہ ایک ہرے بھرے باغ میں پہنچے، اس باغ میں ایک بڑا درخت تھا، اور اس درخت کی جڑ میں ایک بڑے میاں اور بچے تھے (وہ انسانوں کے بچے تھے، یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور اچانک ایک آدمی درخت کے قریب آگ سلگا رہا ہے، پس وہ دونوں مجھے درخت پر لے کر چڑھے، اور ایک ایسے گھر میں داخل کیا کہ میں نے اس سے اچھا اور عمدہ گھر کبھی نہیں دیکھا، اس گھر میں بوڑھے مرد جوان، عورتیں اور بچے تھے (یہاں بھی 'بچے' عام ہے، اور یہ گھر عام مؤمنین کا تھا) پھر وہ دونوں مجھے اس گھر سے باہر لائے اور مجھے لے کر ایک دوسرے درخت پر چڑھے، پس مجھے ایک دوسرے گھر میں لے گئے جو پہلے گھر سے بھی اچھا اور عمدہ تھا اور اس میں بھی بوڑھے اور جوان تھے (یہ شہداء کا گھر تھا، اور جہاد میں عورتیں

اور بچے شریک نہیں ہوتے، اس لئے وہ نہیں تھے)

قُلْتُ: طَوَّفْتُمَانِي اللَّيْلَةَ، فَأَخْبِرَانِي عَمَّا رَأَيْتُ، قَالَا: نَعَمْ:

[۱-] أَمَّا الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ، يُحَدِّثُ بِالْكِذْبَةِ، فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتَّى تَبْلُغَ الْآفَاقَ، فَيُصْنَعُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

[۲-] وَالَّذِي رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ، فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ، فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ، وَلَمْ يَعْمَلْ فِيهِ بِالنَّهَارِ، يُفْعَلُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

[۳-] وَالَّذِي رَأَيْتَهُ فِي الثَّقْبِ، فَهُمُ الزُّنَاةُ.

[٤-] وَالَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهْرِ: آكِلُوا الرِّبَا.

[٥-] وَالشَّيْخُ الَّذِي فِي أَصْلِ الشَّجَرَةِ: إِبْرَاهِيمُ، وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهُ فَأَوْلَادُ النَّاسِ، وَالَّذِي يُوقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ، وَالدَّارُ الْأُولَى الَّتِي دَخَلْتَ دَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَمَّا هَذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ، وَأَنَا جِبْرِيلُ، وَهَذَا مِيكَائِيلُ، فَارْفَعْ رَأْسَكَ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا فَوْقِي مِثْلُ السَّحَابِ، قَالَا: ذَلِكَ مَنْزِلُكَ، قُلْتُ: دَعَانِي أَدْخُلْ مَنْزِلِي، قَالَا: إِنَّهُ بَقِيَ لَكَ عُمُرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ، فَلَوِ اسْتَكْمَلْتَ أَتَيْتَ مَنْزِلَكَ.

[راجع: ۸٤٥]

میں نے پوچھا: آپ دونوں نے مجھے رات بھر گھمایا، پس مجھے بتلاؤ وہ جو میں نے دیکھا، انھوں نے کہا: ہاں:

۱- رہا وہ جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا جبڑا چیرا جارہا ہے وہ بہت جھوٹا ہے، جھوٹی بات بیان کرتا ہے، پس وہ اس سے اٹھائی جاتی ہے یہاں تک کہ دنیا کے کناروں میں پہنچ جاتی ہے، پس قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا۔

۲- اور وہ جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر پھوڑا جارہا ہے وہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا، لیکن وہ رات میں سوتا رہا اور دن میں اس پر عمل نہیں کیا، اس کو قیامت تک یہی سزا ملتی رہے گی۔

۳- اور وہ جن کو آپ نے سوراخ میں دیکھا وہ زنا کار مرد وزن ہیں۔

۴- اور وہ جس کو آپ نے نہر میں دیکھا وہ سود خور ہیں۔

۵- اور وہ بوڑھے آدمی جو درخت کی جڑ میں بیٹھے ہوئے ہیں: وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، اور ان کے ارد گرد جو بچے ہیں وہ انسانوں کے بچے ہیں، اور جو آگ سلگا رہا ہے وہ جہنم کا داروغہ مالک ہے، اور پہلا گھر جس میں آپ گئے وہ عام مسلمانوں کا گھر ہے، اور رہا یہ گھر پس یہ شہداء کا گھر ہے، اور میں جبرئیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں، اب آپ اپنا سر اٹھایئے، پس میں نے اپنا سر اٹھایا تو اچانک میرے اوپر بادل کی طرح کچھ ہے، دونوں نے کہا: یہ آپ کا گھر ہے، میں نے کہا: مجھے

موقع دو کہ میں اپنے گھر میں جاؤں، انھوں نے کہا: ابھی آپ کی وہ عمر باقی ہے جو آپ نے پوری نہیں کی، پس جب آپ اپنی عمر پوری کرلیں گے تو آپ اپنے گھر میں پہنچیں گے۔

تشریح: آنحضور ﷺ کو بڑی معراج کے علاوہ پانچ منامی معراجیں بھی ہوئی ہیں، ان میں سے یہ ایک معراج کا واقعہ ہے، اور آنحضور ﷺ جس ہرے بھرے باغ میں تشریف لے گئے تھے وہ جنت تھی، پھر جس مکان میں گئے تھے وہ جنت کا مکان تھا، اور دونوں جگہ آپ نے جو بچے دیکھے، وہ مسلمانوں کے بچے تھے، ایسی کوئی صراحت نہیں، حدیث مطلق ہے، وہ انسانوں کے بچے تھے، معلوم ہوا کہ بچے خواہ مسلمانوں کے ہوں یا مشرکین کے جنت میں جائیں گے، اسی مناسبت سے حضرت نے یہ حدیث یہاں ذکر کی ہے۔

بَابُ مَوْتِ يَوْمِ الاِثْنَيْنِ

پیر کے دن کی موت

پیر کے دن مرنے کی فضیلت میں کوئی صریح روایت نہیں، اس کی فضیلت مستنبط ہے، اور جمعہ کے دن مرنے کی فضیلت میں صریح روایتیں ہیں، مگر سب ضعیف ہیں، مگر فضائل میں ضعیف روایتیں معتبر ہیں، یہ بات علامہ کشمیری قدس سرہ نے العرف الشذی میں بیان فرمائی ہے (ترمذی کتاب الجنائز باب ۷۲) اور جمعہ کے دن مرنے کی جو فضیلت ہے وہ اس شخص کے لئے ہے جس کی جمعہ کی رات میں یا جمعہ کے دن میں وفات ہوئی ہو، جو شخص جمعرات میں مرا اور جمعہ کی رات میں یا دن میں دفن ہوا اس کے لئے وہ فضیلت نہیں۔

غرض جمعہ کے دن کی موت کی فضیلت میں جو روایتیں ہیں وہ ضعیف ہیں، بخاری میں لانے کے قابل نہیں، اور پیر کے دن مرنے کی فضیلت کی روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، مگر وہ صریح نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی وفات کے لئے پیر کا دن منتخب فرمایا، اس سے پیر کے دن مرنے کی فضیلت نکلتی ہے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تمنا کی تھی، چنانچہ ان کا انتقال پیر کا دن گذرتے ہی ہوا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی پیر کے دن انتقال ہوا، اور واقعات سے بھی زمانہ میں برکت اور فضیلت پیدا ہوتی ہے، جمعہ کے دن کو فضیلت اسی لئے حاصل ہے کہ اس دن میں گذشتہ زمانہ میں تین اہم واقعات پیش آئے ہیں اور جس دن میں کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے اس دن کو خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے، جیسے ۲۶ جنوری کو ہندوستان کی آزادی کا معاہدہ ہوا، اور ۱۵ اگست کو آزادی ملی اس لئے ہندوستان میں ان دونوں دنوں کی اہمیت ہے اور مستقبل میں جمعہ کے دن میں ایک اہم واقعہ پیش آنے والا ہے اس وجہ سے بھی جمعہ کے دن میں فضیلت پیدا ہوئی ہے، اور ایک خصوصیت (ساعت مرجوّہ) بالفعل ہر جمعہ کے دن میں پائی جاتی ہے جو دوسرے چھ دنوں میں نہیں پائی جاتی اس وجہ سے بھی جمعہ کے دن کو فضیلت حاصل ہوئی ہے ــــــ (۱) حضرت آدم

علیہ السلام جمعہ کے دن پیدا کئے گئے (۲) اور جمعہ ہی کے دن جنت میں داخل کئے گئے (۳) اور جمعہ ہی کے دن خلیفہ بنا کر زمین پر اتارے گئے (۴) اور قیامت بھی جمعہ ہی کے دن میں برپا ہوگی (۵) اور ہر جمعہ میں ساعت مرجوّۃ (امید باندھی ہوئی گھڑی) ہے۔ ان پانچ وجوہات سے جمعہ کے دن کو فضیلت حاصل ہوئی ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۲: ۳۴۹ میں ہے)

غرض واقعات کی وجہ سے بھی زمانہ میں برکت اور فضیلت پیدا ہوتی ہے، پیر کے دن حبیب پاک ﷺ کی وفات ہوئی اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی بھی وفات ہوئی، اس سے پیر کے دن مرنے کی فضیلت نکلی، مگر یہ مستنبط فضیلت ہے۔

[۹۴-] بَابُ مَوْتِ يَوْمِ الاِثْنَيْنِ

[۱۳۸۷-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: فِي كَمْ كَفَّنْتُمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَتْ: فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ، وَقَالَ لَهَا: فِي أَيِّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَتْ: يَوْمَ الاِثْنَيْنِ. قَالَ: فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟ قَالَتْ: يَوْمُ الاِثْنَيْنِ، قَالَ: أَرْجُو فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ اللَّيْلِ، فَنَظَرَ إِلَى ثَوْبٍ عَلَيْهِ، كَانَ يُمَرَّضُ فِيهِ، بِهِ رَدْعٌ مِنْ زَعْفَرَانٍ، فَقَالَ: اغْسِلُوا ثَوْبِي هٰذَا، وَزِيدُوا عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ، فَكَفِّنُونِي فِيهِمَا. قُلْتُ: إِنَّ هٰذَا خَلَقٌ، قَالَ: إِنَّ الْحَيَّ أَحَقُّ بِالْجَدِيدِ مِنَ الْمَيِّتِ، إِنَّمَا هُوَ لِلْمُهْلَةِ، فَلَمْ يُتَوَفَّ حَتّٰى أَمْسَى مِنْ لَيْلَةِ الثُّلَاثَاءِ، وَدُفِنَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں (مرض وفات میں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی، آپؓ نے پوچھا: تم نے نبی ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا؟ صدیقہؓ نے عرض کیا: تین سحولی سفید کپڑوں میں (سحول: یمن کی ایک بستی ہے) ان میں نہ قمیص تھی نہ پگڑی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسرا سوال کیا: نبی ﷺ کی کس دن وفات ہوئی؟ صدیقہؓ نے کہا: پیر کے دن، آپؓ نے پوچھا: آج کونسا دن ہے؟ صدیقہؓ نے کہا: پیر ہے، آپؓ نے فرمایا: میں امید کرتا ہوں اس وقت کے درمیان اور رات کے درمیان، یعنی رات شروع ہونے سے پہلے میرا انتقال ہو جائے گا، پھر آپؓ نے ان کپڑوں پر نظر ڈالی جن میں آپؓ کی تیمارداری کی جاتی تھی، یعنی جو کپڑے بیماری کے ایام میں پہن رکھے تھے ان پر نظر ڈالی۔ اس میں زعفران کے اثرات تھے، پس فرمایا: میرا یہ کپڑا دھوڈالو اور اس کے ساتھ دو کپڑے اور ملالو اور ان میں مجھے کفن دو، صدیقہؓ نے عرض کیا: یہ پرانا کپڑا ہے (ہم نئے کپڑوں میں کفن دیں گے) آپؓ نے فرمایا: زندہ مردے کی بہ نسبت نئے کپڑے کا زیادہ حق دار ہے، مردے کا کپڑا پیپ ہی کے لئے ہے یعنی جب قبر میں میت پھٹے گی تو کپڑا خون اور پیپ میں لت پت ہو جائے گا، پس آپ کی روح وصول نہیں کی گئی یہاں تک کہ منگل کی شام شروع ہوگئی، یعنی منگل کی رات شروع ہونے کے بعد آپؓ کا انتقال ہوا، اور آپؓ کو صبح ہونے سے پہلے دفن کر دیا گیا۔

تشریح:

۱- کفن میں راہ اعتدال اپنانی چاہئے، افراط وتفریط سے بچنا چاہئے، افراط یہ ہے کہ مسنون تعداد سے زیادہ کپڑوں میں کفن دیا جائے یا کفن میں بیش قیمت کپڑا استعمال کیا جائے، اور تفریط یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود مسنون تعداد سے کم کپڑوں میں کفن دیا جائے، یا پھٹے پرانے ردی کپڑوں میں کفن دیا جائے، اور اعتدال کی راہ یہ ہے کہ مسنون تعداد میں اور درمیانی قیمت کے کپڑوں میں کفن دیا جائے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے کفن کا ذمہ دار بنے تو چاہئے کہ وہ اس کے کفن کو اچھا کرے'' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صاف ستھرے اور پاکیزہ کپڑوں میں کفن دیا جائے، قیمتی کپڑا مراد نہیں۔

۲- اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مستعمل چادر میں کفن دینے کی وصیت فرمائی تھی: اس کی ایک وجہ تو خود یہاں حدیث میں ہے اور بعض روایات میں یہ وجہ بھی آئی ہے کہ آپؓ نے فرمایا: میں نے اس کپڑے میں نمازیں پڑھی ہیں۔

سوال: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیر کے دن موت کی تمنا کی تھی، مگر آپؓ کی وفات منگل کی رات شروع ہونے کے بعد ہوئی، اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: زین بن المنیر رحمہ اللہ نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ آپؓ نبی ﷺ کے خلیفہ تھے، اس لئے آپؓ کی وفات ذرا پیچھے ہوئی، تاکہ خلافت کے معنی کا تحقق ہو جائے (فتح)

بَابُ مَوْتِ الْفُجَاءَةِ بَغْتَةً

یکایک ناگہانی موت

اچانک موت ایک اعتبار سے اچھی ہے کہ موت کی سختیوں اور تکلیفوں سے بچ گیا اور ایک اعتبار سے بری ہے کہ توبہ واستغفار اور خیر خیرات کا موقع نہیں ملا، اور ایک روایت میں اچانک موت کو اللہ کے غصہ کی پکڑ کہا گیا ہے، ابوداؤد (حدیث ۳۱۱۰) میں ہے: مَوْتُ الْفُجَاءَةِ أَخْذَةُ أَسَفٍ: اچانک موت اللہ کے غصہ کی پکڑ ہے، یہ وعید بدکاروں کے لئے ہے، جو توبہ واستغفار سے محروم رہے، اور نیک بندوں کے حق میں یہ راحت کی موت ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں حدیث (۱۲۱۳۲) ہے: موتُ الْفُجَاءَةِ رَاحَةٌ للمؤمن، وأسفٌ على الفاجر: اچانک موت مؤمن کے لئے راحت اور بدکار کے لئے غصہ کی پکڑ ہے۔

ملحوظہ: الفَجْأة (بفتح الفاء وسكون الجيم وبالهمزة من غير مدّ) اور الفُجَاءَة (بضم الفاء وبعد الجيم مدّ، ثم همزة) دونوں طرح پڑھا گیا ہے .... بَغْتَةً: اکثر رواۃ نے اس کو معرف باللام (البغتةِ) ذکر کیا ہے، اور یہ الفجاءة سے بدل ہونے کی وجہ سے مکسور ہے، اور مبتدا محذوف کی خبر بھی بنا سکتے ہیں، پس مرفوع ہوگا ای هي البغتة، اور کشمیهني

نے بغتۃ: نکرہ ذکر کیا ہے پس وہ حال ہوگا (قسطلانی)

[۹۵-] بَابُ مَوْتِ الْفُجَاءَةِ بَغْتَةً

[۱۳۸۸-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ أُمِّيْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَأَظُنُّهَا لَوْتَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ، فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: " نَعَمْ "[انظر: ۲۷۶۰]

ترجمہ: ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میری امی کا اچانک انتقال ہوگیا (اُفلت اور اُفتلت: دونوں کے معنی ہیں: ناگہانی موت مرنا) اور میرا خیال ہے کہ اگر ان کو بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ خیرات کرتیں، پس کیا ان کو ثواب ملے گا اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

تشریح: یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، وہ آنحضور ﷺ کے ساتھ تبوک میں تھے کہ پیچھے ان کی امی کا اچانک انتقال ہوگیا، چنانچہ حضرت سعدؓ نے اپنی امی کی طرف سے کھجوروں کا ایک باغ خیرات کیا ——— اس حدیث میں اشارہ ہے کہ ناگہانی موت اچھی نہیں، اگرچہ مؤمن اور نیک بندے کے حق میں بری بھی نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ قَبْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ

نبی ﷺ اور شیخین کی قبروں کا بیان

حضور اقدس ﷺ کی اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی قبریں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہیں، اور تینوں کی قبریں کوہان نما ہیں۔ اسی لئے جمہور کوہان نما قبر کو مستحب کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں حضرات کے لئے جو صورت مقدر فرمائی وہ افضل صورت ہی مقدر فرمائی ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ مسطح اور ہموار قبر کو مستحب کہتے ہیں، مگر یہ اختلاف استحباب وعدم استحباب کا ہے، جواز وعدم جواز کا نہیں، اور تینوں قبروں میں ترتیب کیا ہے؟ اس کی تعیین مشکل ہے، روایات مختلف ہیں، وہ روایتیں وَفَاءُ الوفاء باخبار دار المصطفی میں ہیں اور انھوں نے اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر:

اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ﷺ کے ساتھ دفن ہونگے، احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت نہیں، اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ تورات میں محمد ﷺ کے اوصاف مذکور ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپؐ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے (ترمذی حدیث ۳۶۴۶) یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت

عبداللہ بن سلامؓ نے تورات کی بات ذکر کی ہے، اور یہ روایت کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا: وَأَنّٰی لکِ بذٰلکِ، ولیس فی ذلك الموضع إلا قبری وقبر أبی بکر وعمر وعیسیٰ ابن مریم: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ روایت ثابت نہیں، اور یہ روایت بخاری کی حدیث (۱۳۹۱) کے معارض بھی ہے۔ اور اخبار مدینہ میں حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام دفن ہونگے، اس کی سند ضعیف ہے، اور یہ بھی تابعی کا قول ہے، اور مشکوٰۃ (حدیث ۵۵۰۸ باب نزول عیسیٰ) میں جو روایت ہے: فَیُدْفَن معی فی قبری: اس کی سند معلوم نہیں، مشکوٰۃ میں اس کا یہ حوالہ ہے: رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔ اور ابن الجوزی واعظ تھے، اور بہت بعد کے آدمی ہیں اس لئے صرف ان کا حوالہ کافی نہیں۔

[۹۶-] بَابُ مَاجَاءَ فِیْ قَبْرِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ

﴿فَأَقْبَرَهُ﴾ [عبس: ۲۱] أَقْبَرْتُ الرَّجُلَ أُقْبِرُهُ: إِذَا جَعَلْتَ لَهُ قَبْرًا، وَقَبَرْتُهُ: دَفَنْتُهُ ﴿كِفَاتًا﴾ [المرسلات: ۲۵]: تَكُوْنُوْنَ فِيْهَا أَحْيَاءً، وَتُدْفَنُوْنَ فِيْهَا أَمْوَاتًا.

[۱۳۸۹-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ سُلَيْمَانُ، عَنْ هِشَامٍ، ح: قَالَ: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مَرْوَانَ يَحْيَى بْنُ أَبِيْ زَكَرِيَّا، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيَتَعَذَّرُ فِيْ مَرَضِهِ: " أَيْنَ أَنَا الْيَوْمَ؟ أَيْنَ أَنَا غَدًا؟" اسْتِبْطَاءً لِيَوْمِ عَائِشَةَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمِيْ قَبَضَهُ اللهُ بَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ، وَدُفِنَ فِيْ بَيْتِيْ. [راجع: ۸۹۰]

قولہ: فاقبرہ: باب افعال سے واحد مذکر غائب ہے، اور معنی ہیں: قبر بنانا، أَقْبَرْتُ الرجلَ: میں نے آدمی کی قبر بنائی، ارشادِ پاک ہے: ﴿ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ﴾ پھر اس کو موت دی پھر اس کی قبر بنائی، یعنی مرنے کے بعد لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت دی تاکہ زندوں کے ساتھ یونہی بے حرمت نہ پڑی رہے، اور مجرد قَبر (ن) قَبرًا کے معنی ہیں: دفن کرنا۔

قولہ: کفاتاً: یہ لفظ سورۂ مرسلات میں آیا ہے، اور اس کے معنی ہیں: اکٹھا ہونے کی جگہ، زمین زندوں اور مردوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ ہے، آدمی مٹی سے پیدا ہوتا ہے، مٹی میں زندگی گذارتا ہے، اور مرنے کے بعد مٹی میں مل جاتا ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ مرض وفات میں درنگ محسوس کرتے تھے یعنی حضرت عائشہؓ کی باری کو دیر سے آنے والا سمجھتے تھے، آپؐ پوچھتے تھے: میں آج کہاں ہوں؟ میں کل کہاں ہونگا؟ حضرت عائشہؓ کی باری کو دیر سے آنے والا محسوس کرتے ہوئے (یہ مفعول لہ ہے) پھر جب میری باری کا دن آیا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح قبض کی میرے پھیپھڑے اور میری گردن کے درمیان (نبی ﷺ حضرت عائشہؓ کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ وصال ہوا) اور آپؐ میرے گھر میں دفن کئے گئے (یہی جزء باب سے متعلق ہے)

قولہ: یَتَعَذَّر: تَعَذَّر عن الأمر: کے معنی ہیں: دیر کرنا، کسی کام میں پیچھے رہنا، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی ﷺ حضرت عائشہؓ کی باری کو دیر میں آنے والا محسوس کرتے تھے یعنی آپ کو صدیقہؓ کی باری کا انتظار تھا، اور گیلری میں لیقدّر (اندازہ کرتے تھے) ہے یعنی آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار کر رہے تھے، اس لفظ کو لیں گے تو کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی، اور استبطاءً: یتعذر کا مفعول لہ ہے یعنی صدیقہؓ کی باری کو دیر سے آنے والا سمجھ کر آپؐ بار بار مذکورہ سوال کرتے تھے۔

نبی ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا انتظار کیوں تھا؟ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ تعلق خاطر کی وجہ سے آپؐ کو ان کی باری کا انتظار تھا، مگر میرے خیال میں وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن ہونے کی آپؐ کی تمنا تھی اور بالاجمال یہ بات آپؐ پر منکشف ہوگئی تھی، اس لئے آپؐ کو ان کی باری کا انتظار تھا۔ واللہ اعلم

[۱۳۹۰/۱-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ هِلَالٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ: " لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" لَوْلَا ذٰلِكَ أُبْرِزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَوْ: خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا.
وَعَنْ هِلَالٍ، قَالَ: كَنَّانِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَلَمْ يُوْلَدْ لِيْ. [راجع: ۴۳۵]

۱- یہ حدیث گذر چکی ہے، قبر اطہر جو گھر میں بنائی گئی ہے، یہ آنحضور ﷺ کی خصوصیت ہے، اور اس کی وجہ صدیقہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر قبر اطہر گورغریباں میں بنتی تو وہاں لوگ اس کو سجدہ کرتے اور کنٹرول کرنا مشکل ہوتا، اس لئے قبر اطہر کمرہ میں بنی، تاکہ وہاں خرافات نہ ہوں، اور حدیث کا ترجمہ کتاب الجنائز باب ۶۱ (حدیث ۱۳۳۰) میں ہے۔

۲- حدیث کے ایک راوی ہلال کہتے ہیں: حضرت عروہ نے میری کنیت اس وقت رکھ دی تھی، جب میری کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، (ہلال کی کنیت میں اختلاف ہے) ہلال نے عروہ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے جس میں انقطاع کا احتمال ہے اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کی کہ ہلال کی حضرت عروہ سے ملاقات ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کنیت رکھنے کے لئے اولاد کا ہونا ضروری نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عبد اللہؓ کے نام پر کنیت رکھی تھی، اور آنحضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی کی ابوعمیر کنیت رکھی تھی، جس کا بچپن میں انتقال ہوگیا۔

[۱۳۹۰/۲-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ: أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ رَأَى قَبْرَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُسَنَّمًا.

ترجمہ: سفیان تمار (کھجور فروش) نے بیان کیا کہ انھوں نے نبی ﷺ کی قبر مبارک کو کوہان نما دیکھا ہے۔

تشریح: ابھی بتایا ہے کہ جمہور کے نزدیک کوہان نما قبر بنانا افضل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ مسطح اور ہموار قبر کو افضل قرار دیتے ہیں، یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے، قبر اطہر کوہان نما ہے، اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے لئے سب سے افضل صورت مقدر فرمائی۔

[۱۳۹۰/۳-] حدثنا فَرْوَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ: لَمَّا سَقَطَ عَلَيْهِمُ الْحَائِطُ فِيْ زَمَانِ الْوَلِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، أَخَذُوْا فِيْ بِنَائِهِ، فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ، فَفَزِعُوْا وَظَنُّوْا أَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَمَا وَجَدُوْا أَحَدًا يَعْلَمُ ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ: لَا وَاللّٰهِ! مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، مَا هِيَ إِلَّا قَدَمُ عُمَرَ.

[۱۳۹۱-] وَعَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَوْصَتْ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ: لَاتَدْفِنِّيْ مَعَهُمْ، وَادْفِنِّيْ مَعَ صَوَاحِبِيْ بِالْبَقِيْعِ، لَا أُزَكّٰى بِهِ أَبَدًا. [انظر: ۷۳۲۷]

ترجمہ: حضرت عروہ رحمہ اللہ سے مروی ہے: جب ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ان پر (قبر والوں پر) دیوار گر گئی تو لوگوں نے اس کو بنانا شروع کیا، پس ان کے لئے ایک پیر ظاہر ہوا، پس لوگ گھبرا گئے اور انھوں نے خیال کیا کہ یہ نبی ﷺ کا قدم مبارک ہے، اور ایسا کوئی نہیں تھا جو اس کو پہچانتا ہو، یہاں تک کہ حضرت عروہؒ نے ان سے کہا: بخدا! یہ نبی ﷺ کا قدم نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم ہے۔

اور مذکورہ بالا سند ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو یہ وصیت کی کہ: مجھے ان کے ساتھ دفن نہ کرنا، بقیع قبرستان میں میری سہیلیوں کے ساتھ دفن کرنا (تاکہ) نہ پاکی بیان کی جاؤں میں اس تدفین سے کبھی بھی!

تشریح: اس حدیث میں دو واقعے ہیں: پہلا واقعہ یہ ہے کہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں حجرۂ عائشہ کی ایک دیوار گر گئی، اس کو بنانے کے لئے جب بنیاد کھودی گئی، تو ایک پیر ظاہر ہوا، لوگوں نے سمجھا: یہ آنحضور ﷺ کا قدم مبارک ہے، چنانچہ وہ گھبرا گئے، حضرت عروہ رحمہ اللہ نے اس پیر کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ حضور اکرم ﷺ کا پیر نہیں ہے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیر ہے، معلوم ہوا کہ حجرۂ عائشہؓ میں حضرت عمرؓ کی بھی قبر ہے۔

اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ کو یہ تاکید کی تھی کہ انھیں بقیع قبرستان میں ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کیا جائے، ان حضرات کے ساتھ کمرے میں دفن نہ کیا جائے، صدیقہؓ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ نبی ﷺ کے ساتھ دفن ہونے کی وجہ سے ان کو ازواج مطہرات پر برتری دی جائے۔ حضرت عائشہؓ نے معھم جمع کی ضمیر استعمال کی ہے اور اقل جمع تین ہیں، معلوم ہوا کہ حجرہ عائشہ میں تین قبریں ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ابھی

وہاں کچھ جگہ باقی ہے اور اس میں ایک تدفین اور ہوسکتی ہے مگر لوگوں میں جو مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں دفن ہونگے! احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت نہیں، اگر وہاں عیسیٰ علیہ السلام کا دفن ہونا مقدر تھا تو حضرت عائشہؓ کی وہاں تدفین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، پھر وصیت کی کیا ضرورت تھی۔

[۱۳۹۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ الْأَوْدِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، اذْهَبْ إِلَى أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ، فَقُلْ: يَقْرَأُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلَيْكِ السَّلَامَ، ثُمَّ سَلْهَا أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ، قَالَتْ: كُنْتُ أُرِيْدُهُ لِنَفْسِيْ فَلَأُوْثِرَنَّهُ الْيَوْمَ عَلَى نَفْسِيْ، فَلَمَّا أَقْبَلَ، قَالَ لَهُ: مَا لَدَيْكَ؟ قَالَ أَذِنَتْ لَكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، قَالَ: مَا كَانَ شَيْئٌ أَهَمَّ إِلَيَّ مِنْ ذٰلِكَ الْمَضْجَعِ، فَإِذَا قُبِضْتُ فَاحْمِلُوْنِيْ، ثُمَّ سَلِّمُوْا، ثُمَّ قُلْ: يَسْتَأْذِنُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَإِنْ أَذِنَتْ لِيْ فَادْفِنُوْنِيْ، وَإِلَّا فَرُدُّوْنِيْ إِلَى مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ.

إِنِّيْ لَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَحَقَّ بِهٰذَا الْأَمْرِ مِنْ هٰؤُلَاءِ النَّفَرِ الَّذِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ، فَمَنِ اسْتَخْلَفُوْا بَعْدِيْ فَهُوَ الْخَلِيْفَةُ، فَاسْمَعُوْا لَهُ وَأَطِيْعُوْا، فَسَمّٰى عُثْمَانَ، وَعَلِيًّا، وَطَلْحَةَ، وَالزُّبَيْرَ، وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ، وَسَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ.

وَوَلَجَ عَلَيْهِ شَابٌّ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: أَبْشِرْ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِبُشْرَى اللّٰهِ، كَانَ لَكَ مِنَ الْقَدَمِ فِي الْإِسْلَامِ مَا قَدْ عَلِمْتَ، ثُمَّ اسْتُخْلِفْتَ فَعَدَلْتَ، ثُمَّ الشَّهَادَةُ بَعْدَ هٰذَا كُلِّهِ، فَقَالَ: لَيْتَنِيْ يَا ابْنَ أَخِيْ وَذٰلِكَ كَفَافٌ، لَا عَلَيَّ وَلَا لِيَ.

أُوْصِي الْخَلِيْفَةَ مِنْ بَعْدِيْ بِالْمُهَاجِرِيْنَ الْأَوَّلِيْنَ خَيْرًا، أَنْ يَعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ، وَأَنْ يَحْفَظَ لَهُمْ حُرْمَتَهُمْ، وَأُوْصِيْهِ بِالْأَنْصَارِ خَيْرًا، الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ، أَنْ يُقْبَلَ مِنْ مُحْسِنِهِمْ، وَيُعْفٰى عَنْ مُسِيْئِهِمْ. وَأُوْصِيْهِ بِذِمَّةِ اللّٰهِ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهِ، أَنْ يُوْفٰى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَأَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِهِمْ، وَأَنْ لَا يُكَلَّفُوْا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ. [انظر: ۳۰۵۲، ۳۱۶۲، ۳۷۰۰، ۴۸۸۸، ۷۲۰۷]

وضاحت: جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ابولؤلؤ فیروز نامی غلام نے حملہ کیا اور آپؓ سخت زخمی ہوگئے اور زندگی کی امید نہ رہی تو آپؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور آنحضور ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کی، حضرت عائشہؓ نے اجازت دیدی، آپؓ نے اس کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش قرار دیا، چنانچہ آپؓ کو بھی حجرۂ عائشہ میں دفن کیا گیا، اور یہی باب کا مقصد ہے کہ نبی ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی قبریں حضرت عائشہؓ کے کمرہ میں ایک ساتھ ہیں۔

ترجمہ: عمرو بن میمون کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے کہا: اے عبداللہ! ام المؤمنین عائشہؓ کے پاس جاؤ، اور کہو: عمر بن الخطاب نے سلام کہا ہے، پھر ان سے درخواست کرو کہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جاؤں، حضرت عائشہؓ نے کہا: میں اس جگہ کو اپنے لئے چاہتی تھی پس آج ضرور ترجیح دیتی ہوں میں ان کو اپنی ذات پر، پس جب ابن عمرؓ آئے تو آپؓ نے پوچھا: کیا خبر لائے؟ عبداللہ نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کے لئے انھوں نے اجازت دیدی، آپؓ نے فرمایا: نہیں تھی کوئی چیز زیادہ فکر کی میرے نزدیک اس خوابگاہ سے یعنی میری سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ آنحضور ﷺ کے ساتھ دفن کیا جاؤں، پس جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے اٹھانا پھر سلام کرنا، پھر پوچھنا: عمر بن الخطابؓ اجازت مانگتے ہیں، پس اگر وہ اجازت دیں تو مجھے وہاں دفن کرنا، ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔

(پھر خلیفہ کی نامزدگی کے لئے چھ رکنی کمیٹی بنائی اور فرمایا:) میں نہیں جانتا اس خلافت کا کسی کو زیادہ حقدار ان حضرات سے، جن سے راضی ہونے کی حالت میں نبی ﷺ کی وفات ہوئی ہے، پس میرے بعد جس کو یہ لوگ خلیفہ نامزد کریں وہی خلیفہ ہوگا، پس اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو، پھر آپؓ نے حضرات عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو نامزد کیا۔

اور آپؓ کے پاس ایک انصاری نوجوان آیا اور اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ کی طرف سے خوش خبری سن لیں، آپؓ قدیم الاسلام ہیں جیسا کہ آپؓ جانتے ہیں پھر آپؓ خلیفہ بنائے گئے، پس آپؓ نے انصاف کیا پھر اس سب کے بعد شہادت نصیب ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: بھتیجے! کاش وہ برابر سرابر ہو جائے، نہ مجھ پر ذمہ داری عائد ہو نہ مجھے کچھ فائدہ پہنچے!

میں اپنے بعد نامزد ہونے والے خلیفہ کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ مہاجرین اولین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، یعنی ان کا حق پہچانے اور ان کی حرمت کی حفاظت کرے، اور اس کو انصار کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی تاکید کرتا ہوں جنھوں نے مدینہ منورہ میں اور ایمان میں ٹھکانہ بنایا کہ ان کے نیکوکاروں سے قبول کرے اور ان کے برائی کرنے والوں سے درگذر کیا جائے اور میں اس کو اللہ کی اور اس کے رسول کی ذمہ داری کی تاکید کرتا ہوں کہ ذمیوں کے لئے ان کا عہد و پیمان پورا کیا جائے اور ان کی حفاظت کے لئے جنگ کی جائے اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

قولہ: ماکان شیئ أھم: آنحضور ﷺ کے ساتھ دفن ہونا بلاشبہ عظیم سعادت ہے، اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں، اور یہ سعادت حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے اس سے ان بزرگوں کی فضیلت نکلتی ہے، اور ابن بطال رحمہ اللہ نے اسی کو اس ترجمہ کا مقصد بتایا ہے۔

قولہ: یستاذن عمر بن الخطاب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دیدی تھی مگر احتمال تھا کہ شرم لحاظ میں اجازت دی ہو، دل سے اجازت نہ دی ہو، اس لئے حضرت عمرؓ نے تاکید فرمائی کہ انتقال کے بعد جنازہ کمرہ کے باہر رکھ دیا جائے، اور دوبارہ اجازت طلب کی جائے، اگر اجازت دیں تو دفن کیا جائے ورنہ گورِ غریباں میں عام مسلمانوں کے ساتھ دفن

کیا جائے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ زندگی میں شرما شرمی میں جو باتیں ہوتی ہیں ان کا اعتبار نہیں، مثلاً: باپ کے سامنے بیٹیوں نے میراث کا اپنا حصہ بھائیوں کے حق میں چھوڑ دیا تو اس کا اعتبار نہیں، یہ باپ کی شرم کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ البتہ جب باپ مرجائے اوران کا حق میراث ثابت ہوجائے اب وہ بھائیوں کے حق میں دستبردار ہوجائیں تو ٹھیک ہے، حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی میں جو اجازت ملی تھی اس کا اعتبار نہیں کیا اور دوبارہ اجازت طلب کرنے کی تاکید فرمائی۔

قولہ: وَوَلَجَ علیه شَابٌّ مِنَ الْأَنْصَارِ: یہاں سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب کسی مریض کی بیمار پرسی کے لئے جائے تو ایسی باتیں کرے جس سے اس کا دل خوش ہو، اور غم ہلکا پڑے، لوگ اس سلسلہ میں کوتاہی کرتے ہیں، مریض کے پاس روہانی صورت بنا کر جاتے ہیں اور دل توڑنے والی باتیں کرتے ہیں جس سے مریض کی پریشانی بڑھ جاتی ہے، یہ ٹھیک نہیں۔

قولہ: و أوصیه بذمة الله: حضرت عمرؓ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو ذمیوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرنے کی، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنے کی اور ان کے دفاع میں جنگ کرنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی۔

ذمی: اسلامی ملک کے غیر مسلم شہری کو کہتے ہیں، اور لفظ ذمی کے معنی ہیں: له ذمة الله و ذمة رسوله: اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ہے یعنی جس کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لی ہے، اور اس کے بدلہ میں ان سے جزیہ لیا جاتا ہے۔

جزیہ کے معنی ہیں: بدلہ، یعنی اسلامی حکومت نے غیر مسلم شہریوں کی حفاظت کی جو ذمہ داری لی ہے اور فوج اور پولیس کے ذریعہ ان کی حفاظت کرتی ہے یہ اس کا بدلہ ہے۔

اور غیر مسلموں سے جو جزیہ لیا جاتا ہے اس کا ایک حصہ ملک چلانے میں، دوسرا حصہ ملک کی ترقی میں اور تیسرا حصہ ذمیوں کے غرباء اور محتاجوں کی مدد میں استعمال کیا جاتا ہے، اور عورتوں، بچوں، محتاجوں، بوڑھوں، مذہبی لوگوں اور جن کے پاس کام نہیں، ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا، اور مالدار سے سالانہ اڑتالیس درہم، متوسط حال سے چوبیس درہم اور کامدار غریب سے بارہ درہم لئے جاتے ہیں، اور اس میں کمی بیشی کرنے کا حکومت کو اختیار ہے، مگر ان کی طاقت سے زیادہ جزیہ عائد کرنا جائز نہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے (تحفۃ الالمعی ۲: ۵۴۵ کتاب الزکوۃ باب ۱۱)

بَابُ مَا يُنْهَى مِنْ سَبِّ الْأَمْوَاتِ وَذِكْرِ شِرَارِ الْمَوْتَى

مُردوں کو برا کہنے کی ممانعت، اور برے مردوں کا تذکرہ

یہ دو باب ہیں، پہلا باب خاص ہے اور دوسرا عام، اور ان دونوں بابوں کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کی بے ضرورت برائی نہ کی جائے، البتہ ضروری برائی کرنے کی گنجائش ہے، جیسے کوئی شخص گمراہ ہے اس کے افکار کی گمراہی کو بیان کرنا تا کہ لوگ اس

کی گمراہی سے بچیں: ضروری ہے۔ اسی طرح رواۃ پر نقد کرنا: ایک شرعی ضرورت ہے اور اس حد تک برائی جائز ہے، اور کفار وفساق کا برائی کے ساتھ تذکرہ جائز ہے، قرآنِ کریم میں جگہ جگہ فرعون، قارون، اور ابولہب وغیرہ کا برائی کے ساتھ تذکرہ ہے۔

[۹۷-] بَابُ مَا يُنْهَى مِنْ سَبِّ الْأَمْوَاتِ

[۱۳۹۳-] حدثنا آدم، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوْا"

تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، وَابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، وَرَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْقُدُّوْسِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَنَسٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ. [انظر: ۶۵۱۶]

[۹۸-] بَابُ ذِكْرِ شِرَارِ الْمَوْتَى

[۱۳۹۴-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ أَبُوْ لَهَبٍ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ! فَنَزَلَتْ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ [انظر: ۳۵۲۵، ۳۵۲۶، ۴۷۷۰، ۴۸۰۱، ۴۹۷۱، ۴۹۷۲، ۴۹۷۳]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: "مردوں کی برائی مت کرو، کیونکہ وہ ان برائیوں (کی جزا) تک پہنچ چکے ہیں جو انھوں نے آگے بھیجی ہیں" یعنی مردہ اپنے انجام سے دوچار ہو چکا ہے، اب اس کو برا کہنے سے کوئی فائدہ نہیں، گندگی میں ڈھیلا ڈالنے سے گندگی پھیلتی ہے۔

سند: آدم بن ابی ایاس کے تین متابع ہیں: علی بن الجعد، محمد بن عرعرۃ اور ابن عدی اور یہ متابعتِ تامہ ہے، اور عبداللہ بن عبدالقدوس اور محمد بن انس بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرتے ہیں پس یہ متابعتِ قاصرہ ہے۔

حدیث (۲): جب آیتِ کریمہ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر بطون قریش کو نام بنام پکارا، آپؐ کی آواز پر سب جمع ہو گئے، آپؐ نے فرمایا: بتاؤ! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن شام کو حملہ کرنے والا ہے یا صبح کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے؟ سب نے بیک زبان کہا کہ ضرور مان لیں گے، پس آپؐ نے ان کو ایمان قبول کرنے کی دعوت دی اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا اس پر ابولہب (جس کا نام عبدالعزی بن عبد المطلب تھا اور وہ آپ کا چچا تھا) چراغ پا ہو گیا، اور نہایت بدبختانہ جواب دیا کہ تو برباد ہو! تو نے اسی لئے ہمیں جمع کیا ہے؟ اس پر سورۂ تبت نازل ہوئی، اس میں ابولہب کا برائی کے ساتھ ذکر ہے، جو آج تک جاری ہے، معلوم ہوا کہ اموات کا برائی کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے، جبکہ کوئی مصلحت پیش نظر ہو۔

﴿الحمد للہ! کتاب الجنائز کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ الزَّكَاةِ

زکات کا بیان

بَابُ وُجُوْبِ الزَّكَاةِ

زکات کی فرضیت

یہاں وجوب بمعنی فرض ہے، جس طرح نماز فرض ہے زکات بھی فرض ہے، اور دو صفحہ تک اسی سلسلہ کے ابواب ہیں۔ اور حضرت رحمہ اللہ اپنی عادت کے مطابق نئے ابواب بھی قائم کریں گے مگر اصل مسئلہ یہی چلتا رہے گا۔

امام صاحب رحمہ اللہ نے سب سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت ۴۳ لکھی ہے: ﴿وَأَقِيْمُوْا الصَّلاَةَ، وَآتُوْا الزَّكَاةَ﴾: اس آیت سے زکات کی فرضیت اس قاعدہ سے نکلتی ہے کہ قِران فی النظم، قران فِي الحكم کی دلیل ہوتا ہے، یعنی جب دو چیزیں ایک ساتھ ملا کر بیان کی جائیں تو دونوں کا حکم ایک ہوتا ہے، قرآنِ کریم میں اکیاسی جگہ نماز اور زکوۃ کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے اور نماز کی فرضیت ظاہر ہے، پس زکوۃ بھی فرض ہے، یہ آیت کریمہ سے استدلال ہے۔

ملحوظہ: پہلے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ایک سلسلۂ بیان میں مختلف المدارج احکام اکٹھا ہوتے ہیں، وہ قاعدہ کلیہ نہیں تھا، اکثری تھا، او یہ قاعدہ بھی کلیہ نہیں، اکثری ہے۔

پھر وہ حدیث لکھی ہے جو کتاب کے بالکل شروع میں گذر چکی ہے، ہرقل نے ابوسفیان سے چند باتیں پوچھی تھیں، ایک بات یہ پوچھی تھی کہ یہ مدعی نبوت تمہیں کن باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ ابوسفیان نے جواب دیا تھا: وہ ہمیں نماز کا، زکات کا، صلہ رحمی کا اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں، اور امر جب قرائن سے خالی ہوتا ہے تو وجوب کے لئے ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ زکوۃ فرض ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے زکوۃ کی فرضیت کی قدامت بھی ثابت ہوتی ہے، ابوسفیانؓ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور وہ زکوۃ کے بارے میں جانتے تھے، ظاہر ہے انھوں نے یہ بات مکی دور میں سنی ہے، پس زکات قدیم فریضہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ زکوۃ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں فرض کی گئی تھی، سورۃ المزمل میں جو ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس کی آخری آیت میں زکوۃ کا ذکر ہے، مگر مکی دور میں زکوۃ کی تفصیلات نازل نہیں ہوئی تھیں، جب صحابہ نے پوچھا کہ کیا خرچ کریں؟ تو سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۹) میں جواب دیا کہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال خرچ کرو، مال کی کوئی مقدار متعین نہیں کی، پھر جب ہجرت کے بعد سن دو ہجری میں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور اسلامی نظام وجود میں آیا تو زکوۃ کی تفصیلات نازل ہوئیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

٢٤- كِتَابُ الزَّكَاةِ

[١-] بَابُ وُجُوْبِ الزَّكَاةِ

[١-] وَقَوْلُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَأَقِيْمُوْا الصَّلاَةَ وَآتُوْا الزَّكَاةَ﴾[البقرة: ٤٣]

[٢-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ سُفْيَانَ، فَذَكَرَ حَدِيْثَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَأْمُرُنَا بِالصَّلاَةِ، وَالزَّكَاةِ، وَالصِّلَةِ، وَالْعَفَافِ.

[١٣٩٥-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِيْ مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: "ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِيْ أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ.

[انظر: ١٤٥٨، ١٤٩٦، ٢٤٤٨، ٤٣٤٧، ٧٣٧١، ٧٣٧٢]

ترجمہ: نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا، پس فرمایا: ان کو اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، پس اگر وہ یہ بات مان لیں تو ان کو بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس اگر وہ یہ بات مان لیں تو ان کو بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں پر خرچ کی جائے گی ——— لفظ افترض سے استدلال ہے کہ زکوۃ فرض ہے۔

تشریح: یمن میں زیادہ تر عیسائی تھے، وہاں کے پادریوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا تھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ

سے بحث ومباحثہ کیا تھا اس موقع پر سورۂ آل عمران کی شروع کی ۹۰ آیتیں نازل ہوئی تھیں اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی، مگر انھوں نے باہمی مشورہ کر کے مباہلہ سے انکار کیا، اور اسلامی حکومت کی ماتحتی قبول کر لی، اس مصالحت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یمن کے دو مخلاف (پرگنے) بنائے، ایک پرگنہ کا گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے کا گورنر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بنایا، مذکورہ حدیث اسی موقعہ کی ہے۔

جب آنحضور ﷺ نے ان کو گورنر بنا کر روانہ کیا تو مختلف ہدایات دی تھیں، ان میں سے ایک ہدایت یہ دی تھی کہ اہل یمن کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دینا۔ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی بعثت سے تمام ادیان منسوخ ہو گئے حتی کہ نبی ﷺ سے قریب ترین پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین بھی منسوخ ہو گیا، اب نجات صرف نبی ﷺ کے دین کو قبول کرنے میں ہے، دین عیسوی، یا دین موسوی یا کسی اور نبی کی شریعت پر عمل کرنے سے نجات نہیں ہوگی۔

اور دوسری ہدایت یہ دی کہ احکام اسلامیہ بتدریج ان کے سامنے پیش کئے جائیں، سب احکام ایک ساتھ پیش نہ کئے جائیں، اگر ایک ساتھ تمام احکام پیش کئے جائیں گے تو ممکن ہے ان کے ذہن پر بوجھ پڑے اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ جائیں، اس لئے الأهم فالأهم کے قاعدہ سے جو حکم سب سے زیادہ اہم ہے وہ پہلے پیش کیا جائے، پھر جب لوگ اسے قبول کر لیں تو ان کو دیگر احکام بتدریج بتائے جائیں، اور بنیادی حکم توحید ورسالت محمدی ہے، یہود ونصاریٰ توحید کے تو قائل ہیں مگر محمد ﷺ کی رسالت کے قائل نہیں، پس ان کو توحید کے ساتھ رسالت محمدی کی بھی دعوت دی جائے، جب وہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ تسلیم کر لیں تو وہ خود سمجھ جائیں گے کہ ہر فرستادہ کوئی نہ کوئی پیغام ضرور لاتا ہے، وہ خالی ہاتھ نہیں آتا، اس لئے اب ان کو عملی احکام میں سے جو سب سے اہم حکم ہے یعنی نماز کی دعوت دی جائے۔

اور نماز کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو سے وہ آسان ہے اور دوسرے پہلو سے ذرا بھاری ہے، آسان پہلو یہ ہے کہ نماز میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور بھاری پہلو یہ ہے کہ روزانہ پانچ بار نماز پڑھنا مشکل ہے، جب آسان پہلو سے دعوت دیں گے تو اس کی کوئی مصلحت بتانے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور ہمارے ذمہ اللہ کی بندگی (عبادت) ہے پھر جب وہ یہ حکم قبول کر لیں تو دوسرے اہم حکم زکوٰۃ کی دعوت دی جائے، اور زکوٰۃ کے بھی دو پہلو ہیں: ایک آسان اور دوسرا بھاری۔ اس اعتبار سے کہ زکوٰۃ میں مال نکالنا پڑتا ہے بھاری حکم ہے، آدمی چمڑی دے سکتا ہے مگر دمڑی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اور یہ حکم اس اعتبار سے آسان ہے کہ وہ سال میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، دل پر جبر کر کے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکال دی جائے تو سال بھر کے لئے چھٹی ہو جاتی ہے، نماز کی طرح زکات بار بار فرض نہیں، پس اگر زکاۃ کا جو بھاری پہلو ہے اس کے لحاظ سے دعوت دی جائے گی تو اس کی مصلحت بھی بتانی ہوگی۔

علاوہ ازیں زمانہ جاہلیت میں قبیلہ کا سردار ہر شخص کی آمدنی سے چوتھائی لیا کرتا تھا تا کہ وہ اس سے عیش کرے، اب اسلام بھی زکوٰۃ کا مطالبہ کرتا ہے اس لئے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ نبی ﷺ کے لئے لی جا رہی ہے، اس لئے بھی

مصلحت بتانی ضروری ہے کہ زکوۃ نبی ﷺ کے لئے نہیں لی جارہی، ان پر اوران کے خاندان پر حتی کہ ان کے موالی پر بھی زکوۃ حرام ہے، بلکہ زکوۃ اس لئے لی جاتی ہے کہ تمہارے قبیلوں میں، تمہارے پڑوس میں جو غریب غرباء ہیں ان پر خرچ کی جائے اور غرباء کی مدد کرنا اور رفاہی کاموں میں خرچ کرنا سب کو پسند ہے، اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا جذبہ ہر انسان میں ودیعت فرمایا گیا ہے، اس لئے جب ان کے سامنے یہ مصلحت بیان کی جائے گی تو غلط فہمی دور ہوگی، اور ان کے لئے زکوۃ نکالنا آسان ہوگا۔

[۱۳۹۶-] حدثنا حَفصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ، عَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، قَالَ: [النَّاسُ] مَالَهُ؟ مَالَهُ؟ وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " أَرَبٌ، مَالَهُ؟ تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ "

وَقَالَ بَهْزٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ، وَأَبُوْهُ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوْسَى بْنَ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ: أَخْشَى أَنْ يَكُوْنَ مُحَمَّدٌ غَيْرَ مَحْفُوْظٍ، إِنَّمَا هُوَ عَمْرٌو. [انظر: ۵۹۸۲، ۵۹۸۳]

ترجمہ: ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں جو مجھے جنت میں پہنچادے یعنی نجات اوّلی حاصل ہوجائے، لوگوں نے کہا: ارے رے رے! ارے رے رے! یعنی کیسی بات پوچھ رہا ہے؟ اور نبی ﷺ نے فرمایا: ایک حاجت ہے، ارے رے رے! کیوں کہہ رہے ہو؟ اللہ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر، اور زکوۃ ادا کر، اور صلہ رحمی کر۔

سند کا بیان:

یہ حدیث شعبہؒ نے کس سے روایت کی ہے؟ حفص بن عمر کا بیان ہے کہ صرف محمد بن عثمان سے روایت کی ہے اور بہز بن اسد بصری کی روایت میں یہ ہے کہ محمد بن عثمان اور ان کے ابا عثمان بن عبداللہ: دونوں سے روایت کی ہے، پھر وہ دونوں موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں —— اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے ڈر ہے کہ محمد محفوظ نہ ہو، یعنی شعبہؒ محمد بن عثمان سے نہیں بلکہ ان کے بھائی عمرو بن عثمان سے روایت کرتے ہیں، پھر عمرو اور ان کے ابا عثمان دونوں موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح:

۱- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دوسری قسم کے شروع میں لکھا ہے کہ آخرت میں نجات

اوّلی کے لئے اسلام کے ارکانِ اربعہ کی پابندی کے ساتھ ادائیگی ضروری ہے، جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوئے ان اعمال پر عمل پیرا ہوگا وہ اگر دیگر طاعات نہ بھی بجالائے تب بھی اس کی نجات اوّلی ہوگی، وہ عذاب جہنم سے بچ جائے گا، اور اگر بہ تقاضائے بشریت اعمال میں کوتاہی ہوئی یا کبائر کا ارتکاب کیا تو اگر مغفرت خداوندی اس کے شامل حال ہوئی تو وہ بھی بغیر عذاب کے جنت میں جائے گا، اور اگر اس کا نصیب ایسا نہ ہوا تو وہ کوتاہیوں اور گناہوں کی پاداش میں جہنم میں جائے گا اور سزایابی کے بعد جنت میں جائے گا، یعنی اس کو دخولِ ثانوی نصیب ہوگا (رحمۃ اللہ الواسعہ ۳: ۵۷)

۲- آنحضور ﷺ نے سائل کو جو جواب دیا ہے اس میں عبادت بدنیہ میں سے سب سے اہم عبادت نماز کو لیا ہے، اور عبادت مالیہ میں سے سب سے اہم عبادت زکوۃ کو لیا ہے اور مراد اسلام کے سب ارکان ہیں، اور دلیل آئندہ حدیث ہے، اس میں صوم رمضان کا بھی ذکر ہے۔

سوال: صلہ رحمی: ارکانِ اسلام میں سے نہیں، پھر نبی ﷺ نے اس کو کیوں ذکر کیا؟

جواب: شاید سائل کے خصوصی احوال کی رعایت سے ایسا کیا ہوگا، سائل قطع رحمی کرتا ہوگا، وہ خاندان والوں کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہوگا، اس لئے نبی ﷺ نے خاص طور پر اس کو بیان کیا۔

[۱۳۹۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدِ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: دُلَّنِيْ عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ، قَالَ: "تَعْبُدُ اللهَ، وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ، وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ" قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَا أَزِيْدُ عَلَى هٰذَا، فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا" حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ حَيَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ زُرْعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا.

ترجمہ: ایک بدو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: میری کسی ایسے عمل کی طرف راہنمائی فرمائیں کہ جب میں اس کو کروں تو جنت میں پہنچ جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کر، اور ان کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کر، اور فرض نمازوں کا اہتمام کر، اور فرض زکوۃ ادا کر، اور ماہ رمضان کے روزے رکھ، اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں اس میں کچھ نہیں بڑھاؤں گا، پس جب وہ منہ پھیر کر چل دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "جس کو خوشی ہو کہ وہ کسی جنتی آدمی کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے"

تشریح: حضرت الاستاذ قدس سرہ نے فرمایا تھا: اوپر والا واقعہ اور یہ واقعہ ایک ہیں، اوپر زکوۃ کے ساتھ لفظ مفروضۃ نہیں تھا، جبکہ بیان زکوۃ کی فرضیت کا چل رہا ہے اور اس حدیث میں لفظ مفروضۃ ہے پس دونوں حدیثیں باب کے ساتھ

منطبق ہوگئیں، مگر میرا رجحان یہ ہے کہ یہ واقعہ الگ ہے اور اوپر والا واقعہ الگ ہے، یہ واقعہ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا ہے وہ اپنی قوم کے وافد بن کر آئے تھے (تفصیل تحفۃ القاری ۱: ۳۲۱ میں ہے) اور لا ازید کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو باتیں بتائی ہیں وہ بے کم وکاست قوم کو پہنچاؤں گا، اپنی طرف سے ان میں کوئی اضافہ نہیں کروں گا، اور نبی ﷺ نے ان کی قلبی حالت پر مطلع ہوکر ان کو جنت کی بشارت سنائی۔ واللہ اعلم

[۱۳۹۸-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ جَمْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُوْلُ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّا هٰذَا الْحَيَّ مِنْ رَبِيْعَةَ قَدْ حَالَتْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارُ مُضَرَ، وَلَسْنَا نَخْلُصُ إِلَيْكَ إِلاَّ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَأْخُذُهُ عَنْكَ، وَنَدْعُوْ إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَ نَا، قَالَ: "آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: الإِيْمَانِ بِاللهِ، وَشَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَعَقَدَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوْا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالنَّقِيْرِ، وَالْمُزَفَّتِ"

وَقَالَ سُلَيْمَانُ، وَأَبُوْ النُّعْمَانِ، عَنْ حَمَّادٍ: "الإِيْمَانِ بِاللهِ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ" [راجع: ۵۳]

وضاحت: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الایمان (باب ۴۰ تحفۃ القاری ۱: ۲۹۷) میں گذر چکی ہے۔ وفد عبدالقیس نے نبی ﷺ سے عرض کیا تھا: آپ ہمیں جامع بات بتائیں تاکہ ہم خود بھی اس پر عمل کریں، اور جو لوگ پیچھے ہیں ان کو بھی اس کی دعوت دیں، آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور شراب کے چار برتنوں سے منع کیا، اور پہلے بتایا ہے کہ امر جب قرائن سے خالی ہوتا ہے تو وجوب کے لئے ہوتا ہے، پس صلوٰۃ اور خمس کی طرح زکوٰۃ بھی واجب ہے۔

قولہ: الإيمانِ بالله وشهادةِ: واؤ پر ن بنایا ہے اور صح کا نشان بھی بنایا ہے، یعنی واؤ ایک نسخہ میں ہے اور وہ صحیح ہے، کاتب کی غلطی نہیں ہے، اور یہ واؤ تفصیلیہ ہے، دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے الإيمان بالله وشهادة أن لا إله إلا الله: کہہ کر ایک انگلی بند کی ہے، معلوم ہوا کہ یہ دونوں مل کر ایک ہیں۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ سلیمان اور ابوالنعمان کی حدیث میں واؤ نہیں ہے، اور یہاں بھی صح کا نشان بنا رکھا ہے یعنی کاتب کی غلطی سے واؤ نہیں رہ گیا، بلکہ اس روایت میں واؤ نہیں ہے، پس بات صاف ہوگئی کہ دونوں مل کر ایک ہیں، پس حدیث میں چار باتیں مذکور ہیں، پانچ باتیں نہیں ہیں۔

[۱۳۹۹-] حدثنا أَبُوْ النُّعْمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِيْ حَمْزَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، فَقَالَ عُمَرُ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ؟ [انظر: ۱۴۵۷، ۶۹۲۴، ۷۲۸۴]

[۱۴۰۰-] فَقَالَ: وَاللّٰهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ! لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰی مَنْعِهَا، قَالَ عُمَرُ: فَوَ اللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ أَبِیْ بَكْرٍ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ. [انظر: ۱۴۵۶، ۶۹۲۵، ۷۲۸۵]

ترجمہ: جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے (کان تامہ ہے) انکار کیا جس نے انکار کیا عربوں میں سے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے) کہا: آپؓ لوگوں سے (مانعین زکوۃ سے) کیسے جنگ کریں گے جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا إله إلا الله کہیں، پس جس نے لا إله إلا الله کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کرلی، مگر اسلام کے حق کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ پر ہے؟ یعنی ایمان لے آنے پر جنگ بند کرنے کا حکم ہے اور مانعینِ زکوۃ مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، ایمان کا انکار نہیں کرتے پھر آپؓ ان کے ساتھ جنگ کیسے کریں گے؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بخدا! میں ضرور لڑوں گا اس شخص سے جو نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کرتا ہے کیونکہ زکوۃ مال کا حق ہے (معلوم ہوا کہ نماز کی طرح زکوۃ بھی فرض ہے) بخدا! اگر وہ مجھے بھیڑ کا چار ماہ کا بچہ بھی نہیں دیں گے جسے وہ نبی ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے اس کے نہ دینے پر لڑوں گا، حضرت عمرؓ نے کہا: بخدا! نہیں تھی وہ بات مگر یہ کہ دیکھی میں نے کہ اللہ نے ابوبکرؓ کا سینہ (جنگ کے لئے) کھول دیا ہے، پس میں نے جان لیا کہ وہی بات برحق ہے۔

تشریح:

۱- حضور ﷺ کے وصال پر کچھ لوگ بالکل دین اسلام سے پلٹ گئے تھے جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کے ساتھی، اور کچھ لوگوں نے ایمان تو نہیں چھوڑا تھا مگر انھوں نے پایۂ تخت کو زکوۃ دینے سے انکار کردیا تھا، وہ کہتے تھے: ہم اپنی زکوۃ خود غریبوں کو بانٹیں گے۔ ابوبکرؓ کو نہیں دیں گے۔

ان کی دلیل یہ تھی کہ سورۂ توبہ (آیت ۱۰۳) میں ارشاد پاک ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ، إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾: یعنی صدقہ کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو حضور ﷺ کی دعائیں ملتی ہیں جو صدقہ کرنے والوں کے لئے باعث سکون ہیں، اب آپؐ نہیں رہے، پس کون دعائیں دے گا؟ اس لئے ہم خود غریبوں کو زکوۃ دیں گے، پایۂ تخت کو زکوۃ نہیں بھیجیں گے۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جیش اسامہ کو روانہ کیا، یہ آخری سریہ تھا جسے آنحضور ﷺ نے روانہ کیا تھا۔ اور دوسرا کام یہ کیا کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو دس ہزار کے لشکر کے ساتھ

مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی، اور مسیلمہ کذاب مارا گیا۔

پھر آپؓ نے مانعینِ زکوٰۃ کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی، اور عرض کیا: آپؓ اس حدیث کی موجودگی میں مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کیسے کریں گے؟ ایمان لانے پر جنگ بند کرنا ضروری ہے اور مانعینِ زکوٰۃ مسلمان ہیں، ایمان کا انکار نہیں کرتے، پھر ان سے جنگ کیسے کی جائے گی؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: بخدا! میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے یعنی جس طرح نماز بدن کا حق ہے اور وہ لوگ اجتماعی طور پر نماز قائم کرتے ہیں، اسی طرح زکات مال کا حق ہے اور وہ بھی اجتماعی فریضہ ہے، پس جو لوگ اجتماعی طور پر زکات ادا کرنے کے لئے تیار نہیں، میں ان سے ضرور جنگ کروں گا، ملت کی شیرازہ بندی کے لئے یہ کام ضروری ہے، بخدا! اگر وہ مجھے عقال: اونٹ کا پیر باندھنے کی رسّی یا عَناق: ایک سالہ بھیڑ بھی نہیں دیں گے جسے وہ نبی ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں اس کے نہ دینے پر بھی جنگ کروں گا۔

۲- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سمجھ رہے تھے کہ مانعینِ زکوٰۃ سے بربنائے ارتداد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جنگ کرنا چاہتے ہیں اس لئے انھوں نے مذکورہ حدیث سے معارضہ کیا، مگر حضرت ابوبکرؓ نے سمجھایا کہ وہ اس بنیاد پر جنگ نہیں کر رہے، بلکہ ملت کی شیرازہ بندی کے لئے یہ اقدام کر رہے ہیں، جیسے کسی علاقہ کے مسلمان اذان نہ دینے پر اتفاق کرلیں تو ان سے جنگ کی جائے گی اور یہ جنگ بربنائے ارتداد نہیں ہوگی بلکہ ملت کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لئے ہوگی، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس طرح یہ لوگ مل کر نمازیں پڑھتے ہیں، اسی طرح نبی ﷺ کے زمانہ سے جو اجتماعی زکوٰۃ کی ادائیگی کا نظام چلا آرہا ہے اس کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو تسبیح کے دانے بکھر جائیں گے۔ اور ملت میں یک جہتی باقی نہیں رہے گی جب یہ نکتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں آگیا تو ان کو شرح صدر ہوگیا، پھر مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کی نوبت نہیں آئی، جیشِ اسامہ جو مظفر و منصور لوٹا اور مسیلمہ مارا گیا تو لوگوں پر دھاک بیٹھ گئی اور وہ مدینہ کو زکوٰتیں بھیجنے کے لئے تیار ہوگئے۔

۳- حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اموالِ ظاہرہ (مویشی، پیداوار اور مالِ تجارت وغیرہ) اور اموالِ باطنہ (دراہم ودنانیر) کی زکوٰتیں حکومت وصول کرتی تھی اور حکومت ہی تقسیم کرتی تھی، پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے اموالِ باطنہ میں اختیار دیدیا، اب حکومت صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰتیں وصول کرتی تھی، پھر جب زمانہ آگے بڑھا تو اموالِ ظاہرہ کی زکاتوں کا نظام بھی درہم برہم ہوگیا۔ اب لوگ سبھی اموال کی زکاتیں خود ہی ادا کرتے ہیں۔

۴- لا إله إلا الله: کہنے سے مراد پورا دین قبول کرنا ہے۔ ترمذی کی حدیث (نمبر ۲۶۰۶ أبواب الإیمان باب ۲) میں اس کی صراحت ہے، محض کلمہ پڑھ لینا مراد نہیں، اور إلا بحقها کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر لوگ کوئی ایسا جرم کریں جس کی سزا اللہ کے قانون میں جان یا مال لینا ہو تو حکمِ خداوندی کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی، ایمان لانے

سے اور مسلمان کہلانے سے وہ قانونی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اور ضمیر مؤنث کلمۃ الإسلام کی طرف لوٹتی ہے۔

۵-وحسابہم علی اللہ: جو شخص کلمہ پڑھ کر اپنا مؤمن ہونا ظاہر کرے اس کو مؤمن سمجھ کر جنگ بند کر دیں گے، اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کریں گے، لیکن اگر حقیقت میں اس کی نیت میں کھوٹ ہے تو اس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ لیں گے، وہ عالم الغیب ہیں، دلوں کے رازوں سے واقف ہیں وہ اس کا پورا پورا حساب چکائیں گے۔

ملحوظہ: اس حدیث میں جنگ بندی کا بیان ہے، جنگ چھیڑنے کا حکم نہیں، اس کی تفصیل تحفۃ القاری (۱: ۲۳۵ کتاب الایمان باب ۱۷) میں ہے۔

بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى إِيْتَاءِ الزَّكَاةِ

زکات ادا کرنے کی بیعت لینا

یہ ذیلی باب ہے، اس میں بھی زکوۃ کی فرضیت کا بیان ہے، جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرے اور اس سے بیعت لی جائے اور اس میں شرطیں لگائی جائیں تو وہ ان کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے ان سے تین باتوں پر بیعت لی: نماز کا اہتمام کریں گے، زکوۃ ادا کریں گے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کریں گے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح نماز کا اہتمام فرض ہے زکوۃ ادا کرنا بھی فرض ہے۔

فائدہ: توحید و رسالت کا اقرار کرنے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے مگر اسلامی برادری میں شامل ہونے کے لئے صرف کفر سے توبہ کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے شعائر اسلام کی تعظیم کرنا: نمازوں کا اہتمام کرنا، زکوۃ ادا کرنا، روزے رکھنا، حج کرنا بھی ضروری ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾: اگر وہ لوگ کفر سے توبہ کریں یعنی اسلام قبول کریں اور نمازوں کا اہتمام کریں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، معلوم ہوا کہ اسلامی برادری میں داخل ہونے کے لئے کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں، بلکہ جب وہ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے، زکوۃ دے، روزے رکھے اور حج کرے تب اسلامی برادری میں داخل ہوگا، اس سے بھی زکات کی اہمیت اور فرضیت نکلتی ہے۔

[۲-] بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى إِيْتَاءِ الزَّكَاةِ

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾[التوبة: ۱۱]

[۱۴۰۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ، عَنْ قَيْسٍ، قَالَ: قَالَ جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [راجع: ۵۷]

بَابُ إِثْمِ مَانِعِ الزَّكَاةِ

زکوۃ نہ دینے کا گناہ

یہ بھی ذیلی باب ہے۔قرآن وحدیث میں زکوۃ ادانہ کرنے پر بھاری وعیدیں آئی ہیں،جبکہ غیر واجب پر عمل نہ کرنے پر اتنی سخت وعید نہیں ہوسکتی۔پس یہ بھی زکات کی فرضیت کی دلیل ہے۔

[۳-] بَابُ إِثْمِ مَانِعِ الزَّكَاةِ

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ، وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ [التوبة: ۳۴ و ۳۵]

[۱۴۰۲-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الزِّنَادِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "تَأْتِي الْإِبِلُ عَلٰى صَاحِبِهَا عَلٰى خَيْرِ مَا كَانَتْ، إِذَا هُوَ لَمْ يُعْطِ فِيْهَا حَقَّهَا، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا، وَتَأْتِي الْغَنَمُ عَلٰى صَاحِبِهَا عَلٰى خَيْرِ مَاكَانَتْ، إِذَا لَمْ يُعْطِ فِيْهَا حَقَّهَا، تَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا، وَتَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا، قَالَ: وَمِنْ حَقِّهَا أَنْ تُحْلَبَ عَلَى الْمَاءِ. قَالَ: وَلَا يَأْتِيْ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِشَاةٍ يَحْمِلُهَا عَلٰى رَقَبَتِهِ، لَهَا يُعَارٌ، فَيَقُوْلُ: يَا مُحَمَّدُ! فَأَقُوْلُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ بَلَّغْتُ! وَلَا يَأْتِيْ بِبَعِيْرٍ يَحْمِلُهُ عَلٰى رَقَبَتِهِ، لَهُ رُغَاءٌ، فَيَقُوْلُ: يَا مُحَمَّدُ! فَأَقُوْلُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ بَلَّغْتُ!" [انظر: ۲۳۷۸، ۳۰۷۳، ۶۹۵۸]

آیتِ کریمہ:سورۃ التوبہ میں ارشاد پاک ہے:اور جولوگ سوناچاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اوراس کواللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیجئے،جس دن جہنم کی بھٹی میں اس سونے اور چاندی پرآگ دہکائی جائے گی پھراس سے ان لوگوں کی پیشانیاں،پہلواور پیٹھوں کوداغا جائے گا(اور کہاجائے گا:) یہ ہے وہ دولت جوتم نے اپنے لئے جمع کر کے رکھی تھی،پس اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کامزہ چکھو!

تفسیر:جو مالدار مال سینت کررکھتاہے،اور مال کاحق یعنی زکوۃ ادانہیں کرتااس کوآخرت میں یہ سزادی جائے گی کہ اس کے مال کوجہنم میں خوب گرم کیاجائے گا،اس دولت پرآگ دہکائی جائے گی اور جو چیزآگ پررکھ کرگرم کی جاتی ہے وہ اتنی گرم نہیں ہوتی جتنی آگ کے نیچے رکھ کراس پرآگ دہکانے سے گرم ہوتی ہے،اس لئے **تُحمی** **علیھا** کے بجائے **تُحمی** **علیھا** فرمایا،پھراس سے اس کی پیشانی پہلواور پیٹھ کوداغا جائے گا،اوراس مالدار کاجسم اتناموٹا کردیاجائے گاکہ سارے مال کاالگ الگ داغ لگ سکے،کیونکہ بخیل دولت مند سے جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہاجاتاتھاتواس کی پیشانی

پر بل پڑجاتے تھے، زیادہ کہا جاتا تھا تو اعراض کر کے پہلو بدل لیتا تھا، اگر اس پر بھی جان نہ بچتی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا تھا، اس لئے اس کی دولت تپا کر انہی تین جگہوں پر داغ دیا جائے گا۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: (حشر کے دن) اونٹ والے کے پاس اونٹ آئیں گے، بہتر سے بہتر جو وہ (دنیا میں) تھے، جبکہ اس نے ان میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا (زکات ادا نہ کی ہوگی) وہ اس کو اپنے پیروں سے روندیں گے (خف: اونٹ کے پیر کو کہتے ہیں) اور بکریوں والے کے پاس بکریاں آئیں گی بہتر سے بہتر جو وہ تھیں، جبکہ اس نے ان میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا، وہ اس کو اپنے پیروں سے روندیں گی (ظِلف: بکری کے پیر کو کہتے ہیں) اور اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گی، نبی ﷺ نے فرمایا: بکریوں کا ایک حق یہ ہے کہ پانی پر وہ دوہی جائیں (بکریاں جنگل میں چرتی ہیں جب وہ پانی پینے کے لئے چشمے یا کنویں پر آئیں اور کوئی ضرورت مند دودھ مانگے یا جنگل میں کوئی مسافر دودھ مانگے تو اس کو دوہ کر دینا یا دوہنے کی اجازت دینا بکریوں میں اللہ کا ایک حق ہے) نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص قیامت کے دن بکری لے کر اس حال میں نہ آئے کہ وہ اس کو اپنی گردن پر لادے ہوئے ہو، وہ ممیا رہی ہو، پس وہ فریاد کرے: اے محمد! (میری مدد کرو) پس میں کہہ دوں: میں تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتا، میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا تھا! اور نہ کوئی اس حال میں آئے کہ وہ اونٹ کو گردن پر لادے ہوئے ہو، وہ بلبلا رہا ہو اور وہ مجھ سے فریاد کرے: اے محمد (میری مدد کرو) اور میں کہہ دوں: میں تیرے لئے کچھ نہیں کرسکتا، میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا تھا!

قوله: علی خیر ما کانت: بہتر سے بہتر حالت پر جو وہ تھے .... جانور چھوٹا ہوتا ہے پھر بڑا ہوتا ہے اسی طرح کبھی دبلا ہوتا ہے کبھی موٹا، پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جانور دنیا میں جتنے بڑے اور موٹے ہوئے ہونگے اس حالت میں قیامت کے دن آئیں گے اور اس کو روندتے ہوئے اور ٹکریں مارتے ہوئے گذریں گے، اور جب ایک بار سب گذر جائیں گے تو دوبارہ اور سہ بارہ گذریں گے، اور یہ سزا قیامت کے پورے دن میں جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے جاری رہے گی، پھر اگر اس کی سزا پوری ہوجائے گی تو وہ جنت میں جائے گا ورنہ باقی سزا پانے کے لئے جہنم میں جائے گا، اور مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے جانور کو گردن پر لادے ہوئے مارے مارے پھریں گے اور نبی ﷺ کو مدد کے لئے پکاریں گے، مگر آپؐ مدد کرنے سے صاف انکار کردیں گے، معلوم ہوا کہ زکوۃ فرض ہے اور مالِ غنیمت میں خیانت حرام ہے، اگر زکوۃ فرض نہ ہوتی تو اتنی سخت سزا نہ دی جاتی۔

[۱٤۰۳-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالاً، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ، مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيْبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ، يَعْنِيْ بِشِدْقَيْهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا مَالُكَ! أَنَا كَنْزُكَ!" ثُمَّ تَلاَ: ﴿وَلاَ يَحْسَبَنَّ

﴿الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ، بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ، سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [آل عمران: ۱۸۰] [انظر: ٤٥٦٥، ٤٦٥٩، ٦٩٥٧]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر اس نے مال کی زکوۃ ادا نہیں کی تو اس کا مال قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کا پیکر (شکل) اختیار کرے گا، جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہونگے وہ قیامت کے دن اس کے گلے کا طوق بن جائے گا، پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا، اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیرا خزانہ ہوں! پھر نبی ﷺ نے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸۰ تلاوت فرمائی: "اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخیلی کرتے ہیں اس مال میں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے کہ وہ بخیلی ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ وہ بخیلی ان کے حق میں بری ہے، عنقریب وہ مال جس میں وہ بخیلی کیا کرتے تھے قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا"

تشریح: مال گلے میں کس طرح طوق بنا کر ڈالا جائے گا؟ حدیث میں اس کی صورت بیان کی گئی ہے کہ وہ دولت زہریلے سانپ کی شکل میں نمودار ہوگی، اور انتہائی زہریلے ہونے کی وجہ سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہونگے، اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہونگے، وہ سانپ اس کے گلے کا ہار بن جائے گا پھر اس کی دونوں باچھوں کو کاٹے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیری دولت ہوں! تو اپنی دولت پر سانپ بنا بیٹھا رہا، خرچ کرنے کی جگہوں میں بھی خرچ نہیں کیا، اللہ کا حق بھی ادا نہیں کیا، پس اب چکھ اس کا مزہ! اور عذاب کا یہ سلسلہ حساب و کتاب پورا ہونے تک جاری رہے گا، ظاہر ہے اتنی سخت سزا غیر فرض پر نہیں دی جاسکتی، معلوم ہوا کہ زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔

بَابُ مَا أُدِّيَ زَكَاتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ

جس مال کی زکات ادا کردی گئی وہ کنز نہیں

یہ باب وجوب زکوۃ کے سلسلہ کا آخری باب ہے، اور یہ باب ایک اشکال کے جواب کے طور پر لایا گیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ سونا چاندی اور دراہم و دنانیر جمع کر کے رکھنا جائز نہیں، فلوس (سونے چاندی کے علاوہ دھات کی کرنسی) رکھ سکتے ہیں، اور دلیل میں وہ سورۂ توبہ کی آیت (۳۴) پیش کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے"

حضرت ابوذرؓ کی یہ رائے صحیح نہیں تھی، صحابہ میں سے ان کے علاوہ کوئی اس کا قائل نہیں تھا اور حضرت کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے، آیت کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ اگر سونا چاندی جمع رکھنا جائز نہیں تو پھر زکوۃ کس مال میں فرض ہوگی؟ زکوۃ تو سونے چاندی کے نصاب میں فرض ہوتی ہے اور حولان حول کے بعد ادا کی جاتی ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسرا جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جس مال کی زکوۃ ادا کردی گئی وہ کنز نہیں، اور وہ اس آیت کا مصداق نہیں، اور دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''پانچ اوقیوں سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں'' ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے پس پانچ اوقیہ دوسو درہم ہوئے، یعنی ایک سونانوے درہم میں زکوۃ نہیں، پس وہ کنز بھی نہیں، اسی طرح بیس مثقال سے کم سونے میں زکوۃ نہیں، پس وہ بھی کنز نہیں، اور زیادہ میں زکوۃ ہے مگر جب زکوۃ ادا کردی جائے یعنی مال کا چالیسواں حصہ غرباء کو دیدیا جائے تو باقی مال پاک ہوگیا، پس وہ بھی کنز نہیں، نہ وہ آیت کا مصداق ہے، ہاں وہ سونا چاندی جو پانچ اوقیہ اور بیس مثقال یا زیادہ ہے اور اس کی زکوۃ نہیں نکالی گئی تو وہ آیت کا مصداق ہے اور وہ کنز ہے۔

[٤-] بَابُ مَا أُدِّیَ زَكَاتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ

لِقَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: ''لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ''

[١٤٠٤-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ شَبِيْبِ بْنِ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِیْ: عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ أَسْلَمَ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، فَقَالَ أَعْرَابِیٌّ: أَخْبِرْنِیْ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَنْ كَنَزَهَا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا فَوَيْلٌ لَهُ، إِنَّمَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ، فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللهُ طُهْرًا لِلْأَمْوَالِ. [انظر: ٤٦٦١]

ترجمہ: خالد بن اسلم کہتے ہیں: ہم ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے (راستہ میں ایک بدو سے ملاقات ہوئی) اس نے عرض کیا: مجھے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ﴾ کے بارے میں بتلائیے (حضرت ابوذرؓ کا مذہب پھیل چکا تھا اس لئے بدو نے یہ سوال کیا) ابن عمرؓ نے فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور اس کی زکوۃ ادا نہیں کی تو وہ مال اس کے لئے ہلاکت کا سامان ہے، یہ بات زکوۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھی، پھر جب زکوۃ کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مال کو زکوۃ کے ذریعہ پاک کردیا (اب وہ کنز نہیں اور آیت کا مصداق نہیں)

[١٤٠٥-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ يَزِيْدَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَ: أَنَا الْأَوْزَاعِیُّ، قَالَ: أَخْبَرَنِیْ يَحْيَى بْنُ أَبِیْ كَثِيْرٍ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ، أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيْهِ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ بْنِ أَبِی الْحَسَنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ''لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ''

[انظر: ١٤٤٧، ١٤٥٩، ١٤٨٤]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: پانچ اوقیوں سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں، اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں، اور

پانچ وسق سے کم (غلہ) میں زکوٰۃ نہیں۔

تشریح: جب پانچ اوقیوں سے کم چاندی میں اور پانچ سے کم اونٹوں میں اور پانچ وسق سے کم پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں تو وہ کنز نہیں، اور آیت کا مصداق نہیں، اور زیادہ میں زکوٰۃ واجب ہے، مگر جب زکوٰۃ نکال دی تو جو مال بچ گیا وہ کنز نہیں، اس لئے آیت کا مصداق نہیں، یہ اس حدیث سے استدلال ہے، اور حدیث میں جو مسائل ہیں وہ آگے آئیں گے۔

[۱٤۰٦-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ أَبِي هَاشِمٍ، سَمِعَ هُشَيْمًا، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، قَالَ: مَرَرْتُ بِالرَّبَذَةِ، فَإِذَا أَنَا بِأَبِي ذَرٍّ، فَقُلْتُ لَهُ: مَا أَنْزَلَكَ مَنْزِلَكَ هٰذَا؟ قَالَ: كُنْتُ بِالشَّامِ، فَاخْتَلَفْتُ أَنَا وَمُعَاوِيَةُ فِي ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ قَالَ مُعَاوِيَةُ: نَزَلَتْ فِيْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَقُلْتُ: نَزَلَتْ فِيْنَا وَفِيْهِمْ، فَكَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ فِيْ ذٰلِكَ، فَكَتَبَ إِلٰى عُثْمَانَ يَشْكُوْنِيْ، فَكَتَبَ إِلَيَّ عُثْمَانُ: أَنِ اقْدَمِ الْمَدِيْنَةَ، فَقَدِمْتُهَا، فَكَثُرَ عَلَيَّ النَّاسُ، حَتّٰى كَأَنَّهُمْ لَمْ يَرَوْنِيْ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعُثْمَانَ، فَقَالَ لِيْ: إِنْ شِئْتَ تَنَحَّيْتَ، فَكُنْتَ قَرِيْبًا، فَذَاكَ الَّذِيْ أَنْزَلَنِيْ هٰذَا الْمَنْزِلَ، وَلَوْ أَمَّرُوْا عَلَيَّ حَبَشِيًّا لَسَمِعْتُ وَأَطَعْتُ. [انظر: ٤٦٦٠]

ترجمہ: زید بن وہب کہتے ہیں: میں رَبذہ (مدینہ سے قریب گاؤں) سے گذرا تو اچانک میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، میں نے ان سے پوچھا: آپؓ اس جگہ کیوں رہتے ہیں؟ (آپ کو تو شہر میں رہنا چاہئے؟ تاکہ لوگ آپ کے علم سے استفادہ کریں) حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا: میں شام میں تھا، پس میرے اور معاویہؓ کے درمیان آیت پاک ﴿والَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ﴾ میں اختلاف ہوگیا، معاویہؓ نے کہا: یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے اور میں نے کہا: ہمارے اور ان کے بارے میں ہے، یعنی آیت عام ہے یہود اور مسلمان سب اس کا مصداق ہیں، پس میرے اور ان کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہوا۔ معاویہؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بذریعہ تحریر میری شکایت کی (حضرت ابوذرؓ کے یہ مسئلہ بیان کرنے سے لوگوں میں خلفشار ہوا لوگ معاویہؓ سے شکایت کرتے تھے، وہ شام کے گورنر تھے، آپؓ حضرت ابوذرؓ کو بلا کر سمجھاتے تھے مگر وہ نہیں مانتے تھے، ان کا علمی مقام حضرت معاویہؓ سے بلند تھا، وہ علم وفضل میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے، اس لئے حضرت معاویہؓ کچھ نہیں کرسکتے تھے، اس لئے انھوں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے واقف کیا) پس حضرت عثمانؓ نے مجھے لکھا کہ مدینہ آجاؤ میں مدینہ آگیا، پس میرے پاس لوگوں کی بھیڑ جمع ہوگئی گویا انھوں نے مجھے آج سے پہلے نہیں دیکھا (اور ہر شخص یہی بات دریافت کرتا، جس سے حضرت ابوذرؓ پریشان ہوگئے) اور عثمانؓ سے ذکر کیا (کہ جہاں بھی جاتا ہوں لوگ اکٹھا ہوجاتے ہیں اور یہی ایک بات پوچھتے ہیں) تو حضرت عثمانؓ نے مجھ سے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو (مدینہ کے) کنارے میں چلے جائیں تاکہ

مدینہ سے قریب رہیں، یعنی مدینہ کے قریب کسی گاؤں میں چلے جائیں، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ آپؓ ربذہ میں رہیں تا کہ مجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہو یا کوئی مشورہ کرنا ہو تو میں آسانی سے آپؓ کو بلا سکوں) اسی وجہ سے میں اس جگہ رہتا ہوں اور اگر مجھ پر کوئی حبشی امیر مقرر کر دیا جائے تو میں اس کی بھی بات سنوں گا اور اس کی بھی اطاعت کروں گا یعنی حضرت عثمانؓ تو بڑے آدمی ہیں ان کی بات کیوں نہ مانوں!

ملحوظہ: اس حدیث کی شرح تحفۃ القاری ۱:۳۳۶ میں ہے۔

[۱۴۰۷-] حدثنا عَيَّاشٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ أَبِي الْعَلاَءِ، عَنِ الأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: جَلَسْتُ، ح: وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعَلاَءِ بْنُ الشِّخِّيرِ، أَنَّ الأَحْنَفَ بْنَ قَيْسٍ حَدَّثَهُمْ، قَالَ: جَلَسْتُ إِلَى مَلإٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَجَاءَ رَجُلٌ خَشِنُ الشَّعْرِ وَالثِّيَابِ وَالْهَيْئَةِ، حَتَّى قَامَ عَلَيْهِمْ فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: بَشِّرِ الْكَانِزِيْنَ بِرَضْفٍ يُحْمَى عَلَيْهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، ثُمَّ تُوْضَعُ عَلَى حَلَمَةِ ثَدْيِ أَحَدِهِمْ حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ نُغْضِ كَتِفِهِ، وَتُوْضَعُ عَلَى نُغْضِ كَتِفِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ حَلَمَةِ ثَدْيِهِ، يَتَزَلْزَلُ، ثُمَّ وَلَّى فَجَلَسَ إِلَى سَارِيَةٍ، وَتَبِعْتُهُ وَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، وَأَنَا لاَ أَدْرِي مَنْ هُوَ؟ فَقُلْتُ لَهُ: لاَ أُرَى الْقَوْمَ إِلاَّ قَدْ كَرِهُوا الَّذِي قُلْتَ، قَالَ: إِنَّهُمْ لاَ يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا.

[۱۴۰۸-] قَالَ لِي خَلِيْلِي - قَالَ: قُلْتُ: وَمَنْ خَلِيْلُكَ تَعْنِيْ؟ قَالَ: النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم-: "يَا أَبَا ذَرٍّ! أَتُبْصِرُ أُحُدًا؟" قَالَ: فَنَظَرْتُ إِلَى الشَّمْسِ: مَا بَقِيَ مِنَ النَّهَارِ؟ وَأَنَا أُرَى أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُرْسِلُنِيْ فِيْ حَاجَةٍ لَهُ، قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "مَا أُحِبُّ أَنَّ لِيْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا أُنْفِقُهُ كُلَّهُ إِلاَّ ثَلاَثَةَ دَنَانِيْرَ" وَإِنَّ هَؤُلاَءِ لاَ يَعْقِلُوْنَ، إِنَّمَا يَجْمَعُوْنَ الدُّنْيَا، وَلاَ وَاللهِ لاَ أَسْأَلُهُمْ دُنْيَا، وَلاَ أَسْتَفْتِيْهِمْ عَنْ دِيْنٍ، حَتَّى أَلْقَى اللهَ. [راجع: ۱۲۳۷]

ترجمہ: احنف بن قیسؒ کہتے ہیں: میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا، پس ایک شخص آیا جس کے بال، کپڑے اور صورت سخت تھی (خَشِن: خُشونۃ سے ہے جس کے معنی ہیں: سخت اور کھردرا، یہ لفظ تینوں کے ساتھ لگے گا) یہاں تک کہ وہ ان لوگوں کے پاس کھڑا ہوا، پس سلام کیا پھر اس نے کہا: مال جمع کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو گرم پتھر کی جس پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی (یعنی پتھر خوب گرم کیا جائے گا کیونکہ جو چیز آگ کے اوپر رکھ کر گرم کی جاتی ہے وہ زیادہ گرم نہیں ہوتی اور جو آگ کے نیچے رکھ کر اس پر آگ دہکائی جاتی ہے وہ بہت گرم ہوتی ہے) پھر وہ پتھر ان میں سے ایک کی پستان کے سرے پر رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کے شانے کی نرم ہڈی سے پار ہو جائے گا (النُّغض من الكتف: مونڈھے کے

کنارے کی پتلی ہڈی) پھر وہ شانے کی نرم ہڈی پر رکھا جائے گا، یہاں تک کہ وہ اس کے پستان کے سرے سے پار ہو جائے گا، وہ پتھر حرکت کر رہا ہوگا (یہ سن کر سب لوگوں نے سر جھکا لیا، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا) پھر اس شخص نے پیٹھ پھیری اور ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا، اور میں اس کے پیچھے گیا اور اس کے پاس بیٹھا، اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے؟ پس میں نے ان سے کہا: نہیں گمان کرتا میں لوگوں کو مگر انھوں نے آپ کی بات کو ناپسند کیا، اس شخص نے کہا: یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔

مجھ سے میرے دوست نے کہا: —— میں نے پوچھا: آپ کے دوست کون ہیں جس کو آپ مراد لے رہے ہیں؟ اس نے کہا: نبی ﷺ ہیں —— اے ابوذر! کیا تم احد پہاڑ کو دیکھتے ہو؟ اس شخص نے کہا: پس میں نے سورج کی طرف دیکھا کہ کتنا دن باقی ہے؟ اور میں نے خیال کیا کہ نبی ﷺ مجھے کسی کام کے لئے بھیجیں گے، میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: "میں پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو، جس کو میں سب کو خرچ کر دوں مگر تین دینار" یعنی قرض کی ادائیگی کے لئے صرف تین دینار بچاؤں گا باقی سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر ڈالوں گا اور بیشک یہ لوگ ناسمجھ ہیں، دنیا جمع کرتے ہیں (اس لئے انہیں میری بات ناگوار معلوم ہوتی ہے) اور اللہ کی قسم! نہ میں ان سے دنیا مانگتا ہوں اور نہ ان سے دین کی بات پوچھتا ہوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔

تشریح: اس حدیث میں جن صاحب کا ذکر ہے وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں، اور بشر الکانزین إلخ ان کا قول ہے، جس کا جواب ضروری نہیں، یہ ان کا اپنا مسلک ہے، البتہ آخر میں انھوں نے جو حدیث بیان کی ہے اس کا تعلق الفقر فخری سے ہے، مسئلہ شرعی نہیں ہے۔ یہ زہد کا اعلیٰ درجہ ہے جو ہر کسی کا نصیب نہیں ہوتا۔

بَابُ إِنْفَاقِ الْمَالِ فِيْ حَقِّهِ

مال کو اس کے حق میں خرچ کرنا

حقه کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ دو احتمال ہیں: ایک: اللہ کی طرف بھی ضمیر لوٹ سکتی ہے، اللہ کا تصور ہر وقت مؤمن کے دل میں رہتا ہے اس لئے ضمیر لوٹانے کے لئے مرجع کا تذکرہ ضروری نہیں، دوم: مال کی طرف ضمیر لوٹائی جائے، اور دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو مال دیا ہے وہ ہمارا نہیں، اس کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور بندے ان کے نائب ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾: اور جس مال میں اس نے تم کو اپنا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو (الحدید آیت ۷) یعنی یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے ہم منیجر (منتظم) ہیں، اب اللہ حکم دیتے ہیں کہ میرا جو مال تمہارے پاس ہے اس میں سے کچھ خرچ کرو، پس تم کیوں ہچکچاتے ہو؟ مال تمہارا کب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں مال دیا ہے اس میں ہمارا بھی حق ہے پس ہم اپنی ضرورت میں بھی خرچ کریں اور اللہ کا بھی حق ہے پس راہِ خدا میں بھی خرچ کریں۔

جان ومال خرچ کرنے کے مواقع:

سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۱) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾: اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں، بایں قیمت کہ ان کے لئے جنت ہے، اسی معاہدے کا نام ایمان ہے جس کی رو سے مؤمن نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے، جان بھی اور مال بھی۔ اب یہ چیزیں اس کی اپنی نہیں رہیں، بلکہ اللہ پاک کے لئے اور ان کے دین کے لئے وقف ہوگئیں، اور اللہ پاک کی طرف سے اس کے عوض موت کے بعد جنت کی سرمدی نعمتیں ملیں گی۔

جب ہم نے اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کے ہاتھ بیچ دیئے تو اب یہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنی ہیں، جان کہاں خرچ کرنی ہے؟ اس کی جگہ متعین ہے: ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾: وہ راہِ خدا میں لڑتے ہیں پس مارتے (بھی) ہیں اور مرتے (بھی) ہیں، یعنی مقصود اللہ کی راہ میں جان حاضر کردینا ہے، پھر چاہے ماریں یا مارے جائیں، بہر صورت سودا پورا ہوگیا، اور مؤمنین یقینی طور پر قیمت کے مستحق ہوگئے، ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ﴾: جنت کا یہ وعدہ اللہ کے ذمہ پختہ ہے جس کا تورات، انجیل اور قرآن میں تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی قیمت ڈوبنے کا کوئی اندیشہ نہیں، اللہ پاک کا یہ پکا وعدہ ہے اور ہر آسمانی کتاب میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اس لئے خلاف ورزی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور تورات انجیل اور قرآن کا تذکرہ ان کی اہمیت کے پیش نظر ہے ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ الآیۃ: اور جو اللہ سے کیا ہوا اپنا عہد پورا کرے وہ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے اپنے سودے پر خوشیاں منائے۔ ﴿وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾: اور یہی (سودا) عظیم کامیابی ہے۔

غرض ہم اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کے ہاتھ فروخت کرچکے ہیں اور جان خرچ کرنے کی جگہ متعین ہے، جس کا آیت میں ذکر ہے، اور مال خرچ کرنے کی بے شمار جگہیں ہیں، بعض کو اللہ پاک نے قرآن میں بیان کیا ہے، اور بعض کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث شریفہ میں بیان کیا ہے، یہ باب اسی سلسلہ کا ہے، اور مال میں اللہ تعالیٰ کا حق زکوۃ ہے اور زکوۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں جو ثانوی درجہ کے ہیں جیسے نوائب الحق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے حوادث میں خرچ کرنا، پڑوسی کو بھوکا نہ چھوڑنا، سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹانا، یہ سب مال میں اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔

چار ابواب کا حاصل:

اور یہاں سے چار بابوں کا حاصل یہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ داخلی اور خارجی خادشات (زخمی کرنے والی باتوں) سے پاک ہو، مثلاً: غیر محل میں مال خرچ کرنا، شہرت کا جذبہ ہونا، مال کا حرام ہونا یا صدقہ کے ساتھ ایذا رسانی کا جمع ہونا: یہ صدقہ کو مخدوش کرنے والی باتیں ہیں ان سے بچنا ضروری ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ یہ ہے کہ حلال

وطیب اور پاکیزہ مال ہو،محل میں خرچ کیا جائے،نیت اچھی ہواور صدقہ کے بعد ایذاء نہ پہنچائی جائے،اگر یہ سب باتیں ہیں تو وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی مفقود ہے تو وہ نہ انفاق فی سبیل اللہ ہے نہ موجب اجروثواب!

[۵-] بَابُ إِنْفَاقِ الْمَالِ فِيْ حَقِّهِ

[۱۴۰۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ قَيْسٌ، عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" لَاحَسَدَ إِلَّا فِيْ اثْنَتَيْنِ: رَجُلٍ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً، فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٍ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً، فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا" [راجع: ۷۳]

وضاحت: یہ حدیث کتاب العلم (باب ۱۵) میں گذر چکی ہے،اور حسد بمعنی غبطہ ہے،حقیقی حسد کسی حال میں جائز نہیں، حسد تمام شرور وفتن کی جڑ ہے،البتہ غبطہ کی گنجائش ہے۔

اور حسد وغبطہ میں فرق یہ ہے کہ کسی کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا حسد (جلنا) ہے پھر خواہ وہ نعمت اسے ملے یا نہ ملے، جب کسی سے حسد ہو جاتا ہے تو آدمی اس کو نیچا دکھانے کے لئے ہر کردنی ناکردنی کرتا ہے،اور ایسے ایسے حربے استعمال کرتا ہے کہ خدا کی پناہ!اس لئے حسد حرام ہے۔اور غبطہ (رشک) یہ ہے کہ کسی کی نعمت دیکھ کر تمنا کرے کہ کاش مجھے بھی یہ نعمت مل جائے،مگر اس کی نعمت کے زوال کی تمنا نہ کرے: یہ جائز ہے، بلکہ مذکورہ دوصورتوں میں محمود ہے،تفصیل تحفۃ القاری (۱:۳۴۵) میں ہے۔

فائدہ: حکمت: آخری درجہ ہے،اس سے آگے کوئی درجہ نہیں،اور پہلا مرحلہ عالم بننے کا ہے، پھر دوسرا مرحلہ فقیہ بننے کا ہے،اور آخری مرحلہ حکیم بننے کا ہے۔جو شخص دین یعنی مسائل جانتا ہے وہ عالم ہے اور جو مسائل کو ان کی حقیقتوں (دلائل) کے ساتھ جانتا ہے وہ فقیہ ہے،اور جو مسائل کی علتیں بھی جانتا ہے وہ حکیم ہے اور یہ آخری درجہ ہے اس سے آگے کوئی درجہ نہیں۔

بَابُ الرِّيَاءِ فِي الصَّدَقَةِ

خیرات میں دکھاوا

صدقہ خیرات میں ریاء اور دکھاوے سے بچنا ضروری ہے اس سے صدقہ بیکار ہو جاتا ہے،اللہ پاک کا ارشاد ہے:اے ایمان والو!اپنے صدقات کو احسان جتلا کر یا تکلیف پہنچا کر بیکار نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور وہ خدا اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، یعنی جو شخص ایمان کے نور سے محروم ہے وہی شہرت اور دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور جو ایمان کی دولت سے منور ہے وہ شہرت کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ

کرتا ہے، ریاکار کی مثال اس چکنے پتھر جیسی ہے جس پر کچھ گرد وغبار جمع ہوگیا ہو پھر اس پر موسلا دھار بارش برسے اور پتھر صاف ہوجائے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صلدًا کے معنی ہیں: لیس علیه شیئ: اس پر کچھ نہیں رہا اور وابل کے معنی ہیں: مطر شدید: موسلا دھار بارش، یعنی جس نے ریا اور دکھاوے کے لئے صدقہ کیا اس کی مثال یہ ہے کہ اس نے ایسے پتھر پر دانہ بویا جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی، جب بارش ہوئی تو پتھر صاف ہوگیا، پس اس پر دانہ کیا اُگے گا! ایسے ہی ریاکاروں کو صدقات میں کیا ثواب ملے گا! —— اور اگلی آیت میں ایک لفظ آیا ہے طلّ: اس کے معنی ہیں: شبنم، ہلکی پھوار۔

[٦-] بَابُ الرِّيَاءِ فِي الصَّدَقَةِ

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى، كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٦٤] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿صَلْدًا﴾: لَيْسَ عَلَيْهِ شَيْئٌ، وَقَالَ عِكْرِمَةُ: ﴿وَابِلٌ﴾: مَطَرٌ شَدِيْدٌ. ﴿وَالطَّلُّ﴾ النَّدَى.

بَابٌ: لاَ يَقْبَلُ اللّٰهُ صَدَقَةً مِنْ غُلُوْلٍ، وَلاَ يَقْبَلُ إِلاَّ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ

اللہ تعالیٰ خیانت کے مال سے خیرات قبول نہیں کرتے، وہ حلال کمائی ہی قبول فرماتے ہیں

صدقہ خیرات کی قبولیت میں ایک شرط یہ ہے کہ اس میں ریاء وسمعہ نہیں ہونا چاہئے اور دوسری شرط یہ ہے کہ مال حرام نہیں ہونا چاہئے، حرام مال کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے، حلال اور پاکیزہ مال ہی قبول کرتے ہیں۔ غلول کے اصل معنی ہیں: مال غنیمت میں خیانت کرنا مگر مراد عام ہے، ہر حرام مال غلول کے حکم میں ہے۔ حدیث میں ہے: إن الله طيّبٌ لا يقبلُ إلاّ طيّبًا: اللہ ستھرے ہیں، وہ ستھرے مال ہی کو قبول کرتے ہیں۔

اور قبول کے دو معنی ہیں: قبول بمعنی صحت اور قبول بمعنی رضا (پسندیدگی) یہاں قبول کے دوسرے معنی ہیں: اور فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس حرام مال ہو اور مالک معلوم ہو تو مالک کو وہ مال لوٹانا فرض ہے، اور مالک معلوم نہ ہو تو اس سے تفصّی (پیچھا چھڑانا) ضروری ہے، اور پیچھا چھڑانے کی صورت یہ ہے کہ ثواب کی نیت کے بغیر وہ مال غریب کو دیدے، کیونکہ اللہ تعالیٰ حرام مال کو قبول نہیں کرتے یعنی اس پر ثواب عنایت نہیں فرماتے، البتہ امتثالِ امر کا ثواب ملے گا۔

بینک کے سود کا مصرف:

یہاں یہ مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ بینک سے جو سود ملتا ہے اس کو لے لینا واجب ہے، وہاں چھوڑنا جائز نہیں، اس لئے کہ اگر وہ رقم وہاں چھوڑی جائے گی تو وہ مذہب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگی، ایسا واقعہ پیش آچکا ہے، جب

ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور بینکوں میں مسلمانوں کی جو رقمیں تھیں مسلمانوں نے ان کا سود نہ لیا تو انگریزوں نے پوری رقم عیسائی مشنری کو دیدی، مشنری نے اس رقم سے دنیا بھر میں عیسائیت کی تبلیغ کی، اس وقت سے علماء برابر یہ فتوی دیتے ہیں کہ بینک سے جو سود ملتا ہے اس کو وہاں چھوڑنا حرام ہے اس کو لے لینا واجب ہے۔ اور لے کر ثواب کی نیت کے بغیر غریب کو دیدینا واجب ہے، اپنے استعمال میں لانا کسی طرح درست نہیں۔

اور ایک فتوی آج کل یہ چل رہا ہے کہ سود کی رقم حکومت کے ٹیکس میں دی جاسکتی ہے، حالانکہ یہ ذاتی استعمال ہے، اس کا فائدہ ٹیکس دینے والے کی طرف لوٹتا ہے، اور وہ فتوی اس پر مبنی ہے کہ ردعلی رب المال واجب ہے، اور بینکیں چونکہ حکومت کی ہیں اس لئے کسی بھی طرح وہ رقم حکومت کو لوٹادی جائے تو سبک دوشی حاصل ہوجائے گی، مگر اس پر غور نہیں کیا گیا کہ پھر بینک سے سود لینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بینک سود لینے پر مجبور نہیں کرتی، اور جب فتوی کی رو سے لیا ہے تو فتوی ہی کی رو سے غریبوں کو دینا واجب ہے۔

[۷-] بَابٌ: لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَدَقَةً مِنْ غُلُوْلٍ، وَلَا يَقْبَلُ إِلَّا مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿قَوْلٌ مَعْرُوْفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى، وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ﴾ [البقرة: ۲۶۳]

استدلال: آیت سے باب پر استدلال ذرا دقیق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ صدقہ جس کے ساتھ ایذارسانی جمع ہو بیکار ہے، اس سے بہتر میٹھا بول ہے، کہہ دو: بھائی معاف کردو، ابھی گنجائش نہیں، پھر دیں گے، یہ قول معروف ہے اور معاف کرو: مغفرت ہے۔ اور جب حلال مال کا صدقہ جس کے ساتھ اذی مقارن ہو: قرآن نے اس کو بیکار قرار دیا ہے، اور قول معروف اور مغفرت کو اس سے بہتر قرار دیا ہے، تو حرام مال خیر کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ تو بدرجۂ اولیٰ بدترین صدقہ ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کیسے قبول کریں گے؟ یہ اس آیت سے استدلال ہے۔

بَابُ الصَّدَقَةِ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ

ستھری کمائی سے خیرات کرنا

یہ مسئلہ اوپر آچکا، اوپر منفی اور مثبت دونوں پہلو سے یہ مسئلہ آیا تھا۔ منفی پہلو مستقل تھا اور مثبت پہلو ضمناً، اب مثبت پہلو کو مستقل لارہے ہیں، اور باب میں دو آیات کریمہ اور ایک حدیث ہے ان کو سمجھنا ہے۔

[۸-] بَابُ الصَّدَقَةِ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيْمٍ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا

وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوْا الصَّلاَ ةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَهُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾[البقرة: ۲۷٦و ۲۷۷]

[۱٤۱۰-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيْرٍ، سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ-وَلاَ يَقْبَلُ اللهُ إِلاَّ الطَّيِّبَ- فَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهِ، كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ، حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ"

تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ، عَنِ ابْنِ دِيْنَارٍ، وَقَالَ وَرْقَاءُ: عَنِ ابْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَرَوَاهُ مُسْلِمُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، وَزَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، وَسُهَيْلٌ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.[انظر: ۷٤۳۰]

پہلی آیت کا ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں، اور صدقہ کی پرورش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی بھی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر: اس آیت میں تقابل تضاد ہے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں، کیونکہ اس میں خبث ہے، پس جو صدقہ مال خبیث سے ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کیسے قبول کریں گے؟ اور اس کو کیسے ہاتھ میں لے کر بڑھائیں گے، اللہ تعالیٰ تو حرام مال کو مٹاتے ہیں؟! اللہ تعالیٰ اسی صدقہ کو ہاتھ میں لے کر بڑھاتے ہیں جس کے اندر کوئی خبث نہیں ہوتا، یعنی جو صدقہ حلال وطیب اور پاکیزہ مال سے ہوتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں، یہ اس آیت سے استدلال ہے اور یہ تطبیق ابن بطال رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اور حاشیہ میں ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے اور انھوں نے نماز کا اہتمام کیا اور زکوۃ ادا کی تو ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہونگے۔

تفسیر و تطبیق: اس آیت کی تطبیق کی طرف شارحین کا ذہن نہیں گیا، انھوں نے ایک آیت کی تطبیق کو کافی سمجھا ہے، حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں آیتوں سے استدلال کیا ہے، اور اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ نماز کا اہتمام کرنا اور زکوۃ دینا عمل صالح ہے بشرطیکہ ان میں شہرت کا جذبہ نہ ہو اور مال حلال ہو، دکھاوے کے لئے نماز پڑھنا، شہرت کے لئے مال خرچ کرنا یا حرام مال خیرات کرنا نہ صرف یہ کہ عمل صالح نہیں بلکہ ایسی نماز اور ایسی زکوۃ منہ پر ماردی جائے گی جو نماز اور زکوۃ خالص لوجہ اللہ ہوں اور خیرات حلال وطیب مال ہو وہی عمل صالح ہیں اور وہی اللہ کے یہاں مقبول ہیں۔

بہ الفاظ دیگر: عمل صالح کے لئے ایمان ضروری ہے اور أقاموا الصلوٰة و آتوا الزكاة: عملوا الصالحات کی دو مثالیں ہیں، پس ان کے نیک عمل بننے کے لئے مثبت پہلو سے ایمان ضروری ہے اور منفی پہلو سے خادشات سے محفوظ ہونا

ضروری ہے اور ریاء وسمعہ اور مال کا حرام ہونا خادشات ہیں ان کی وجہ سے عمل ضائع ہو جاتا ہے اور منہ پر مار دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول نہیں کرتے، یہ اس آیت سے استدلال ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے پاکیزہ کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا ــــ اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ کمائی ہی قبول کرتے ہیں ــــ پس بیشک اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں پھر صدقہ کرنے والے کے لئے اس کے صدقہ کو بڑھاتے ہیں جس طرح تم میں سے ایک اپنی گھوڑی کے بچہ کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ چیز پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔

سند کا بیان:

اس حدیث کو عبداللہ بن دینار (عمرو بن دینار الگ راوی ہیں) سے ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بھی روایت کرتے ہیں اور ورقاء بن عمر یشکری بھی، پھر عبدالرحمٰن: ابن دینار اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابو صالح کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور سلیمان بن بلال ان کے متابع ہیں یعنی وہ بھی ابو صالح کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور ورقاء بن عمر: سعید بن یسار کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور ان کا کوئی متابع نہیں، اور مسلم بن ابی مریم، زید بن اسلم اور سہیل بن ابی صالح نے بھی ابو صالح سے روایت کی ہے، یہ عبدالرحمٰن کی متابعت قاصرہ ہے، غرض عبدالرحمٰن کی متابعت قاصرہ بھی ہے اور متابعت تامہ بھی اور ورقاء کا کوئی متابع نہیں پس راجح ابو صالح کا واسطہ ہے۔

تشریح:

۱- باب پر حدیث کی دلالت واضح ہے، اللہ تعالیٰ حلال مال ہی قبول کرتے ہیں اور اس کو بڑھاتے ہیں، حرام مال کو قبول نہیں کرتے، اور یہاں قبول بمعنی رِضا (پسندیدگی) ہے اس لئے کہ اگر کسی کے پاس حرام مال ہے تو اس سے پیچھا چھڑانا ضروری ہے اور پیچھا چھڑانے کی صورت پہلے بتائی ہے کہ ثواب کی نیت کے بغیر وہ مال غریب کو دیدیا جائے۔ معلوم ہوا کہ حرام مال کا بھی صدقہ ہوتا ہے مگر اس میں ثواب کی نیت جائز نہیں، اور نہ اس صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور یہاں چونکہ ثواب مذکور ہے اس لئے یہ قبول بمعنی رِضا ہے۔

۲- دائیں ہاتھ میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو خوشی سے قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، کوئی ہاتھ بایاں نہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں میں قوت ہے، انسان کے دائیں ہاتھ میں قوت اور بائیں ہاتھ میں ضعف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ میں ایسا نہیں، اس لئے کہ وہ عیوب سے پاک ہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں صدقہ تدریجاً بڑھتا ہے، یک بیک پہاڑ جتنا نہیں ہو جاتا، یہ بات نبی ﷺ نے ایک مثال سے سمجھائی ہے، جس طرح آدمی گھوڑی کے بچہ کی پرورش کرتا ہے اور مسلسل اس کی نگہبانی کرتا ہے، حوادثات سے بچاتا ہے تا آنکہ وہ رفتہ رفتہ گھوڑا بن جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کی خیرات کی حفاظت کرتے ہیں اور ایک چھوہارا تدریجاً

پہاڑ سے بڑا ہوجاتا ہے، اور انسان گھوڑی کے بچہ کو اپنے فائدے کے لئے پالتا ہے تاکہ وہ سواری کے قابل ہوجائے یا اچھی قیمت سے فروخت ہوجائے اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کے فائدہ کے لئے صدقہ کو اپنے ہاتھ میں بڑا کرتے ہیں۔

سوال: جب صدقات پروردگار کے ہاتھ میں تدریجاً بڑھتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کی امت نے جو خیراتیں کی ہیں ان میں اور نبی ﷺ کی امت کے آخری افراد جو خیراتیں کریں گے ان میں بڑا تفاوت ہوگا؟ اور یہ آخری امت گھاٹے میں رہے گی؟

جواب: کبھی کھاد اور بیج کی تاثیر سے بعد میں بوئی ہوئی کھیتی جلدی تیار ہوجاتی ہے اور وہ پہلے بوئی ہوئی کھیتی کے ساتھ کاٹنے کے قابل ہوجاتی ہے، یہاں بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے، ان شاء اللہ یہ امت گھاٹے میں نہیں رہے گی، سرخ رو ہوگی۔

فائدہ: یہ صفات کی حدیث ہے اور صفات کے بارے میں اہل حق کے دو موقف ہیں: تنزیہ مع التفویض، یعنی مخلوق کی مشابہت سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی جائے اور صفات کی کیفیت علم الٰہی کے حوالے کردی جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا سننا، دیکھنا، جاننا، عرش پر مستوی ہونا اور دائیں ہاتھ میں صدقہ لینا وغیرہ: مخلوقات کے سننے، دیکھنے، جاننے، تخت شاہی پر براجمان ہونے اور ہاتھ میں لینے کی طرح نہیں۔ پھر یہ صفات کیسی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی صفات کی حقیقت بہتر جانتے ہیں، ہم نہیں جانتے، یہ محدثین اور اسلاف کا مذہب ہے۔

اور دوسرا موقف: تفویض مع التاویل ہے، یعنی مخلوق کی مشابہت سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا اور صفات کا درجہ احتمال میں اللہ کے شایانِ شان مطلب بیان کرنا، یہ متکلمین: اشاعرہ وماتریدیہ کا مسلک ہے، اور ان حضرات نے یہ رائے بیمار ذہنوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے اختیار کی ہے، کیونکہ صفات کی اگر مناسب تاویل نہیں کی جائے گی تو کمزور ایمان والے تجسیم وتشبیہ کے قائل ہوکر رہ جائیں گے، جیسے دائیں ہاتھ میں صدقہ لینے کی یہ تاویل کہ اللہ تعالیٰ اس کو خوشی سے قبول کرتے ہیں اور قبولیت سے نوازتے ہیں ایک جائز تاویل ہے، اور یہ مسئلہ تفصیل سے میں نے تحفۃ الالمعی (۲: ۵۸۳) رحمۃ اللہ الواسعہ (۱: ۶۳۳) اور علمی خطبات (۱: ۱۱۴) میں بیان کیا ہے اور کتاب الایمان کے شروع میں بھی (تحفۃ القاری ۱: ۱۷۹) اس کی کچھ تفصیل گذر چکی ہے۔

بَابُ الصَّدَقَةِ قَبْلَ الرَّدِّ

کوئی لینے والا نہ ملے اس سے پہلے خیرات کرو

یہاں سے دور تک کے ابواب کا حاصل یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے میں تنگ دلی سے کام نہ لیا جائے، نہ ٹال مٹول کی جائے، بلکہ فراخ دلی، اور بلند حوصلگی کے ساتھ خیرات کی جائے، ہوسکتا ہے وہ زمانہ آجائے کہ صدقہ قبول کرنے والا کوئی نہ رہے۔

باب کی حدیث میں ہے کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اپنی زکوٰۃ لئے لئے پھرے گا اور کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں

ہوگا، وہ جس کے پاس بھی زکوۃ لے کر جائے گا وہ کہے گا: اگر آپ گذشتہ کل لاتے تو میں قبول کرلیتا، آج مجھے ضرورت نہیں، پس ایسا زمانہ آئے اس سے پہلے صدقہ کرو، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خیر خیرات کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے، پھر وہ جذبہ سرد پڑ جاتا ہے، پس فوراً خیرات کرڈالو، ہوسکتا ہے: کچھ دیر کے بعد وہ جذبہ سرد پڑ جائے اور خیرات کرنا مشکل ہوجائے اور آدمی ثواب سے محروم رہ جائے۔

[۹-] بَابُ الصَّدَقَةِ قَبْلَ الرَّدِّ

[۱۴۱۱-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ:" تَصَدَّقُوْا، فَإِنَّهُ يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ يَمْشِيْ الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهِ، فَلاَ يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا، يَقُوْلُ الرَّجُلُ: لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْأَمْسِ لَقَبِلْتُهَا، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَلاَ حَاجَةَ لِيْ فِيْهَا"[انظر: ۱۴۲۴، ۷۱۲۰]

[۱۴۱۲-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" لاَتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيْكُمُ الْمَالُ، فَيَفِيْضَ، حَتّٰى يُهِمَّ رَبُّ الْمَالِ مَنْ يَقْبَلُ صَدَقَتَهُ، وَحَتّٰى يَعْرِضَهُ، فَيَقُوْلُ الَّذِيْ يَعْرِضُهُ عَلَيْهِ: لَا أَرَبَ لِيْ"[راجع: ۸۵]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرو، اس لئے کہ تم پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اپنے صدقہ کو لے کر چلے گا پس وہ ایسے شخص کو نہیں پائے گا جو اس کے صدقہ کو قبول کرے، وہ شخص (جس کے پاس صدقہ لے کر گیا ہے) کہے گا: اگر آپ گذشتہ کل لاتے تو میں ضرور قبول کرتا، آج تو مجھے اس کی ضرورت نہیں، یعنی اب میں زکوۃ کا مستحق نہیں۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ تمہارے پاس دولت کی ریل پیل ہوجائے گی اور وہ (پانی کی طرح) بہے گی، یہاں تک کہ مالدار کو فکر ہوگی کہ اس کے صدقہ کو کون قبول کرے گا؟ اور یہاں تک کہ وہ اپنا صدقہ پیش کرے گا پس وہ شخص جس کو اس نے صدقہ پیش کیا ہے کہے گا: مجھے ضرورت نہیں۔

سوال: جب کوئی غریب نہیں ہوگا تو زکوۃ کس کو دیں گے؟

جواب: غریب ہی زکوۃ کا مصرف نہیں، زکوۃ کے آٹھ مصارف ہیں پس دوسرے مصارف میں خرچ کریں گے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ جب زکوۃ کا کوئی مصرف نہیں رہے گا تو آدمی زکوۃ کی رقم اپنے پاس جمع رکھے گا پھر جب کوئی مصرف ملے گا خرچ کرے گا۔

[۱۴۱۳-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ النَّبِيْلُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعْدَانُ بْنُ بِشْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحِلُّ بْنُ خَلِيْفَةَ الطَّائِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ، يَقُوْلُ:

كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَجَاءَهُ رَجُلَانِ: أَحَدُهُمَا يَشْكُو الْعَيْلَةَ، وَالآخَرُ يَشْكُو قَطْعَ السَّبِيلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أَمَّا قَطْعُ السَّبِيلِ، فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكَ إِلَّا قَلِيلٌ، حَتَّى تَخْرُجَ الْعِيرُ إِلَى مَكَّةَ بِغَيْرِ خَفِيرٍ، وَأَمَّا الْعَيْلَةُ، فَإِنَّ السَّاعَةَ لَاتَقُومُ حَتَّى يَطُوفَ أَحَدُكُمْ بِصَدَقَتِهِ، فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ.

ثُمَّ لَيَقِفَنَّ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيِ اللهِ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ، وَلَا تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ، ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ: أَلَمْ أُوتِكَ مَالًا؟ فَلَيَقُولَنَّ: بَلَى! ثُمَّ لَيَقُولَنَّ: أَلَمْ أُرْسِلْ إِلَيْكَ رَسُولًا؟ فَلَيَقُولَنَّ: بَلَى! فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ، ثُمَّ يَنْظُرُ عَنْ شِمَالِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ، فَلْيَتَّقِيَنَّ أَحَدُكُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ" [انظر: ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲]

ترجمہ: حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس حاضر تھا کہ آپؐ کے پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک فقر وفاقہ کی شکایت کررہا تھا، اور دوسرا ڈاکہ زنی کی۔ پس نبی ﷺ نے فرمایا: رہی ڈاکہ زنی، پس بیشک شان یہ ہے کہ نہیں گذرے گا تجھ پر مگر تھوڑا وقت، یہاں تک کہ تجارتی قافلہ بغیر کسی نگہبان کے مکہ جائے گا۔ اور رہا فقر وفاقہ! پس بیشک قیامت نہیں قائم ہوگی، یہاں تک کہ تم میں سے ایک اپنی خیرات لے کر گھومے گا پس نہیں پائے گا وہ اس شخص کو جو اس کی زکوٰۃ کو قبول کرے۔

پھر ضرور تم میں سے ایک اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا، اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان نہ کوئی پردہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان جو ان کے لئے ترجمہ کرے (کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر زبان جانتے ہیں بلکہ اللہ ہی نے سب زبانیں پیدا کی ہیں پس ترجمان کا کیا کام!) اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے: کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا؟ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں! پھر اللہ پوچھیں گے: کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا؟ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں! پس وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے آگ ہی آگ نظر آئے گی، پھر وہ اپنی بائیں طرف دیکھے گا تو اس طرف بھی آگ ہی آگ نظر آئے گی، پس چاہئے کہ تم میں سے ہر ایک آگ سے بچنے کا سامان کرے، اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ ہو یعنی اگر اتنا ہی صدقہ کرنے کے لئے ہے تو اتنا ہی صدقہ کرے اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچائے اور اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اچھی بات کے ذریعہ آگ سے بچے!

تشریح: نبی ﷺ کے پاس دو شخص آئے، ایک نے اپنی قوم کے فقر وفاقہ کی شکایت کی اور دوسرے نے راستہ کی بدامنی کی، آپؐ نے اس شخص سے جس نے بدامنی کی شکایت کی تھی فرمایا: بہت جلد ایسا زمانہ آرہا ہے کہ تجارتی قافلے مکہ جائیں گے اور ان کا کوئی محافظ نہیں ہوگا۔ خفیر: کے معنی ہیں: محافظ، پناہ دینے والا۔ اسلام سے پہلے ہر طرف بدامنی تھی، اس لئے علاقہ کا جو سب سے بڑا دادا بدمعاش ہوتا تھا اس کی پناہ لینی پڑتی تھی، وہ چوراچکوں سے قافلہ کی حفاظت کرتا تھا اور اس

کی اجرت لیتا تھا، آپؐ نے فرمایا: بہت جلد ایسا زمانہ آرہا ہے کہ تجارتی قافلے سفر کریں گے، اور انہیں کوئی ڈر نہیں ہوگا نہ کسی کی پناہ لینی پڑے گی۔

اور اس شخص سے جس نے فقر وفاقہ کی شکایت کی تھی فرمایا کہ عنقریب مال ودولت کی ریل پیل ہو جائے گی، یہاں تک کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں رہے گا، اسی کی مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں۔

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ہر شخص اللہ کے روبرو کھڑا کیا جائے گا، درمیان میں نہ کوئی پردہ ہوگا نہ ترجمان، اللہ عزوجل ہر ایک سے براہ راست گفتگو فرمائیں گے۔ اور جس کا دامن صدقہ خیرات سے خالی ہوگا اس کو چاروں طرف جہنم کی آگ نظر آئے گی، پس اگر تم آدھی کھجور کے ذریعہ آگ سے بچ سکتے ہو تو اتنا ہی صدقہ کرو، آدھی کھجور یعنی معمولی صدقہ بھی اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اچھی اور بھلی بات بولو، ذکر واذکار کرنا، مظلوم کی مدد کرنا، راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا، اندھے کو راستہ پر لگانا حتی کہ بیوی کو کھلانا بھی صدقہ ہے، جو بھی بھلائی ممکن ہو کرو اور اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرو، اور جہنم کی آگ سے بچو۔

[۱٤۱٤-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، يَطُوْفُ الرَّجُلُ فِيْهِ بِالصَّدَقَةِ مِنَ الذَّهَبِ، ثُمَّ لَا يَجِدُ أَحَدًا يَأْخُذُهَا مِنْهُ، وَيُرَى الرَّجُلُ الْوَاحِدُ يَتْبَعُهُ أَرْبَعُوْنَ امْرَأَةً، يَلُذْنَ بِهِ مِنْ قِلَّةِ الرِّجَالِ وَكَثْرَةِ النِّسَاءِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی صدقہ کا سونا لئے ہوئے گھومے گا پھر وہ اس شخص کو نہیں پائے گا جو اس سے وہ صدقہ لے، اور ایک شخص دیکھا جائے گا جس کے پیچھے چالیس عورتیں ہونگی، جو اس کی پناہ لئے ہوئے ہونگی، مرد کم ہونے کی وجہ سے اور عورتیں زیادہ ہونے کی وجہ سے، یعنی ایک مرد چالیس عورتوں کا ذمہ دار ہوگا، کیونکہ مرد کم ہونگے اور عورتیں زیادہ ہونگی۔

تشریح: مرد یا تو جنگوں میں مارے جائیں گے یا لڑکیوں کی شرح پیدائش بڑھ جائے گی، دونوں احتمال ہیں۔

بَابٌ: اتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، وَالْقَلِيْلِ مِنَ الصَّدَقَةِ

دوزخ سے بچو اگرچہ آدھی کھجور کے ذریعہ ہو اور معمولی خیرات کرنا

باب کا پہلا جزء ایک حدیث ہے اور اس کی شرح کرنے کے لئے حضرت رحمہ اللہ نے اگلا جملہ بڑھایا ہے، یعنی شق تمر سے مراد معمولی صدقہ ہے، اس کے بعد سورۂ بقرہ کی دو آیتیں لکھی ہیں:

آیاتِ پاک کا ترجمہ: اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے اموال اللہ کی خوشنودی کے لئے اور اپنے نفس میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے بلند زمین پر کوئی باغ ہو، جس پر موسلا دھار بارش برسے، پس اس میں دو چند پھل آئیں اور اگر موسلا دھار بارش نہ برسے تو ہلکی پھوار (شبنم) بھی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اس کو اس باغ میں ہر طرح کا میوہ حاصل ہو (الی آخرہ)

تشریح: شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کتاب الزکوۃ کے شروع میں صدقہ خیرات کرنے کے فوائد بیان کئے ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرنے سے نفس دوسروں کی خیر خواہی کا خوگر بنتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ بخیلی فطری چیز ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں بخیلی رکھی ہے اسی لئے انسان کے پاس بیلنس ہے، اگر انسان کی فطرت میں بخیلی نہ ہوتی تو جس طرح چرند و پرند کے پاس کوئی بیلنس نہیں، انسانوں کے پاس بھی کوئی بیلنس نہ ہوتا، پس بخیلی فطرت انسانی کا جزء ہے وہ ختم نہیں ہوسکتی، ہاں اس کی اصلاح ہوسکتی ہے، پھر شُحّ ہے اس کے معنی ہیں: خودغرضی، یہ بخیلی کا باوا ہے، اور یہ فطری نہیں بخل بڑھ کر شح بنتا ہے اور یہ بری صفت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾: جس میں خودغرضی نہیں وہ کامیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ: جس میں بخیلی نہیں وہ کامیاب ہے۔ اس لئے کہ بخیلی فطری ہے وہ ختم نہیں ہوسکتی اور شح (خودغرضی) فطرت میں نہیں، جب بخل بڑھ جاتا ہے تو شح بن جاتا ہے، اسی وجہ سے سود کو حرام کیا گیا، کیونکہ سود خور اپنی ہی غرض پیش نظر رکھتا ہے اور غریب کا خون چوستا ہے۔

غرض جیسے بخیلی بڑھ کر خودغرضی بن جاتی ہے بخیلی گھٹ کر فیاضی اور سماحت بن جاتی ہے، مگر اس کے لئے محنت درکار ہے، نفس پر زور ڈال کر خرچ کرنا پڑتا ہے تب نفس میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور نفس بے تکلف خرچ کرنے کا خوگر بن جاتا ہے یہی ﴿تَثْبِيْتًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو لوگ خیرات کرتے ہیں، اللہ کو خوش کرنے کے لئے اور اپنے نفس کے اندر پختگی پیدا کرنے کے لئے یعنی اپنے نفس کو راہ خدا میں خرچ کرنے کا عادی بنانے کے لئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی باغ ہو، وہ ایسی جگہ ہو جہاں کی مٹی زرخیز ہے اب اگر زوردار بارش ہوگی تو پیداوار دوگنی ہو جائے گی، اور اگر زوردار بارش نہ ہوئی تو ہلکی پھوار یعنی شبنم کافی ہے، اصل پیداوار کم نہیں ہوگی، یعنی اگر بہت بڑی خیرات کرو گے جو بہ منزلہ موسلا دھار بارش کے ہے تو بڑا فائدہ ہوگا، اور اگر بہت بڑی خیرات نہیں کر سکتے تو آدمی کھجور یعنی معمولی خیرات کرو، یہ بھی کافی ہے، جیسے بارش کی ہلکی پھوار سے بھی باغ میں پھل آتا ہے اسی طرح یہ معمولی خیرات بھی کام آئے گی یہ اس آیت سے استدلال ہے۔

[۱۰-] بَابٌ: اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، وَالْقَلِيْلِ مِنَ الصَّدَقَةِ

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَتَثْبِيْتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ، كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ [البقرة: ۲۶۵ و ۲۶۶]

[۱۴۱۵-] حدثنا أَبُوْ قُدَامَةَ: عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ النُّعْمَانِ، هُوَ الْحَكَمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَصْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الصَّدَقَةِ كُنَّا نُحَامِلُ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَيْءٍ كَثِيْرٍ، فَقَالُوْا: مُرَائِيٌّ، وَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ، فَقَالُوْا: إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَاعِ هٰذَا، فَنَزَلَتْ: ﴿الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَايَجِدُوْنَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ الآيَةَ [التوبة: ۷۹] [انظر: ۱۴۱۶، ۴۶۶۸، ۴۶۶۹]

ترجمہ: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو ہم مزدوری کیا کرتے تھے پس ایک شخص آیا اور اس نے بڑا مال صدقہ کیا تو منافقین نے کہا: ریا کار ہے! اور دوسرا شخص آیا اور اس نے کھجور کا ایک صاع صدقہ کیا تو منافقین نے کہا: اللہ اس کے اس صاع سے یقیناً بے نیاز ہے! پس یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ باتیں چھانٹتے ہیں تبرع کرنے والے مؤمنین کی مالی قربانیوں کے حق میں اور جو لوگ نہیں پاتے مگر اپنی کوشش یعنی محنت کی کمائی پس وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان کے لئے دردناک سزا ہے!

تشریح: قرآنِ کریم کی بہت سی آیتوں میں صدقہ کی ترغیب دی گئی ہے، جب کوئی آیت نازل ہوتی جس میں صدقہ کی ترغیب ہوتی تو صحابہ حتی المقدور خیرات کرتے، اور نادار مسلمان جن کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا محنت مزدوری کر کے جو اجرت پاتے اسی کو صدقہ کرتے، یہ بات منافقین کو ایک آنکھ نہ بھاتی وہ اس کا ٹھٹھا کرتے، مذاق اڑاتے۔
ایک مرتبہ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی رقم حاضر کی، حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کی بہت بڑی مقدار صدقہ کی اس پر یہ منافق کہنے لگے: یہ دونوں نام ونمود کے لئے اتنا دے رہے ہیں، غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ نے چندے کی اپیل کی تو منافقین ہاتھ روکے رہے، لیکن حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے خوب چندہ دیا، منافقین نے ان پر ریاکاری کا الزام لگایا، اور ایک غریب صحابی حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ نے رات بھر مزدوری کی اور ایک صاع کھجوریں حاصل کیں، اسی کو چندہ میں پیش کیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر معمولی رقم لائے تو منافقین نے ان کا مذاق اڑایا، کہنے لگے: لونڈی کی ٹانگ بھی آ گئی، اس نئے روم وفارس کے قلعے فتح کئے جائیں گے! غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی ان کی زبان سے نہیں بچا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، کہا گیا: یہ منافقین کیا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا مذاق اڑاتے

ہیں یعنی ان کے مذاق کی ان کو سخت سزا دیں گے۔

[۱۴۱٦-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ يَحْيىَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِىْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ أَبِىْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِىِّ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ انْطَلَقَ أَحَدُنَا إِلَى السُّوْقِ، فَيُحَامِلُ، فَيُصِيْبُ الْمُدَّ، وَإِنَّ لِبَعْضِهِمُ الْيَوْمَ لَمِائَةَ أَلْفٍ. [راجع: ۱٤۱٥]

[۱٤۱۷-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِىْ إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ مَعْقِلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَدِىَّ بْنَ حَاتِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "اتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ. [راجع: ۱٤۱۳]

ترجمہ: ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ جب ہمیں صدقہ کا حکم دیتے یعنی چندہ کی اپیل کرتے تو ہم میں سے ایک بازار جاتا پس وہ مزدوری کرتا پس ایک مد اناج پاتا (اور اسی کو صدقہ کرتا) اور بیشک ان میں سے بعض کے پاس آج ایک لاکھ ہیں، یعنی آنحضور ﷺ کے زمانہ میں صدقہ خیرات کرنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا، مگر آج فراوانی ہے، ان میں سے بعض لاکھ کے مالک ہیں، یہ اسی قربانی کا صلہ تھا جو انھوں نے اسلام کی خاطر دی تھی۔

[۱٤۱۸-] حدثنا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِىِّ، قَالَ: حَدَّثَنِىْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِىْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَتِ امْرَأَةٌ، مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا، تَسْأَلُ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِىْ شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا، فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ، وَدَخَلَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم عَلَيْنَا فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنِ ابْتُلِىَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ" [انظر: ٥۹۹٥]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک عورت ان کے پاس مانگنے کے لئے آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں اور میرے پاس ایک کھجور کے علاوہ کچھ نہیں تھا، پس میں نے اس کو وہ کھجور دی، اس عورت نے اس کو توڑ کر دونوں بیٹیوں میں تقسیم کردیا، اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا، پھر کھڑی ہوئی اور چلی گئی۔ جب نبی ﷺ ہمارے پاس آئے تو میں نے آپؐ سے پوری صورت حال بیان کی، پس آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص ان بیٹیوں میں سے کسی چیز کے ذریعہ آزمایا گیا تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن دوزخ سے آڑ ہونگی''

تشریح: بیٹوں کے ساتھ ماں باپ کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں اس لئے لوگ ان کی جی جان سے پرورش کرتے ہیں، پڑھاتے لکھاتے ہیں، اور ہنر مند بناتے ہیں اور بیٹیاں پرایا مال ہوتی ہیں، ایک وقت کے بعد دوسرے گھر چلی جاتی ہیں اس

لئے ان کی طرف توجہ کم ہوتی ہے بلکہ جس معاشرہ میں جہیز کی لعنت ہے وہاں بیٹیاں مصیبت ہیں، اس لئے جو ماں باپ بیٹیوں کی تربیت پر توجہ دیتے ہیں ان کو سلیقہ مند بناتے ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت میں مشقت اٹھاتے ہیں ان کے لئے یہ مژدہ اور خوشخبری ہے کہ قیامت کے دن بیٹیاں ماں باپ کے لئے جہنم سے آڑ بنیں گی، اور یہ حدیث یہاں بایں مناسبت لائے ہیں کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک ہی کھجور خیرات کی تھی، کیونکہ اس وقت اتنی ہی گنجائش تھی۔

بَابُ فَضْلِ صَدَقَةِ الشَّحِيْحِ الصَّحِيْحِ

تندرست مال کے حریص کی خیرات کی اہمیت

تندرستی میں راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی بڑی اہمیت ہے، اس کو افضل صدقہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ جب آدمی تندرست ہوتا ہے: اسے زندگی کی امید ہوتی ہے اور مال کی خواہش بھی ہوتی ہے، مستقبل کے پلان بھی سامنے ہوتے ہیں اور فقر و فاقہ اور غریبی کا اندیشہ بھی ہوتا ہے اس وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بڑی بات ہے۔ اور جب موت نظر آنے لگے اس وقت خرچ کرے تو کوئی بڑا کمال نہیں، الصحیح کے معنی ہیں: تندرست اور الشحیح کے معنی ہیں: خودغرض، اور مراد ہے: مال کا خواہش مند، اور دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے، جب آدمی تندرست ہوتا ہے خودغرضی یعنی مال کی خواہش بھی باقی رہتی ہے اور جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں تو خودغرضی بھی دم توڑ دیتی ہے، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے دونوں کا تذکرہ کیا ہے، اور اس ترجمہ کے ذیل میں دو آیتیں اور ایک حدیث لکھی ہے:

[۱۱-] بَابُ فَضْلِ صَدَقَةِ الشَّحِيْحِ الصَّحِيْحِ

[۱-] لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَأَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ إِلَى آخِرِهَا [المنافقون: ۱۰]

[۲-] وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ﴾ الآية [البقرة: ۲۵۴]

[۱۴۱۹-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ زُرْعَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْظَمُ أَجْرًا؟ قَالَ: " أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ، تَخْشَى الْفَقْرَ، وَتَأْمُلُ الْغِنَى، وَلَا تُمْهِلُ حَتَّى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ: لِفُلَانٍ كَذَا، وَلِفُلَانٍ كَذَا، وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ".

[انظر: ۲۷۴۸]

پہلی آیت: سورۃ المنافقون میں ارشادِ پاک ہے: ''اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں بطور روزی دیا ہے اس سے پہلے کہ آپہنچے تم میں سے ایک کے پاس موت پس وہ کہے: اے پروردگار! آپ نے مجھے تھوڑی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیرات کرتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا'' یعنی جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہو جلدی کرو، جب موت سر پر آپہنچے گی تو پچھتاؤ گے کہ ہم نے کیوں خدا کے راستہ میں خرچ نہ کیا، مگر اس پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، تندرستی کے زمانہ کو غنیمت جانو اور راہِ خدا میں خرچ کرو۔

دوسری آیت: سورۃ البقرۃ میں ارشادِ پاک ہے: ''اے ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو بطور روزی دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آپہنچے جس میں نہ خریداری ہے نہ دوستی اور نہ سفارش'' اس آیت میں بھی موت سے پہلے خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

سوال: مذکورہ دونوں آیتوں میں موت سے پہلے یعنی تندرستی کے زمانہ میں راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے پس تندرستی کے زمانہ میں خرچ کرنے کی فضیلت تو ان آیتوں سے نکلتی ہے مگر جب مال کی شدید خواہش ہو اس وقت خرچ کرنے کی فضیلت نہیں نکلتی، جبکہ ترجمہ میں دونوں جزء ہیں!

جواب: تندرستی اور مال کی شدید خواہش میں چولی دامن کا ساتھ ہے، وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے، پس خودغرضی کے وقت میں مال خرچ کرنے کی اہمیت خود بخود نکل آئی۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کونسے صدقہ کا ثواب سب سے زیادہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ کہ صدقہ کرے تو (ایک ت پوشیدہ ہے ای تتصدق) درانحالیکہ تو تندرست ہو، مال کی تجھے شدید خواہش ہو، فقر کا اندیشہ ہو اور مالداری کی آرزو ہو اور خرچ کرنے میں ڈھیل مت کر، یہاں تک کہ جب روح گلے تک پہنچ جائے تو کہے: فلاں کے لئے اتنا اور فلاں کے لئے اتنا، حالانکہ وہ فلاں کے لئے ہو چکا ہے۔

بَابٌ

بعض نسخوں میں یہاں باب ہے اور بعض میں نہیں ہے، پس حدیث اوپر والے باب سے متعلق ہے، حدیث کا یہ جملہ کانت أطولَ یدِها الصدقةُ: حدیث کو باب اول سے جوڑے گا، کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تندرستی میں خیرات کیا کرتی تھیں۔ اور اگر یہاں باب ہے تو وہ کالفصل من الباب السابق ہے یا تشحیذ اذہان کے لئے خالی رکھا ہے، میرے نزدیک وہ نسخہ راجح ہے جس میں باب نہیں ہے اور اگر باب ہے تو کالفصل من الباب السابق ہے۔ اور حضرت الاستاذ قدس سرہ نے القول النصیح میں کئی باب قائم کئے ہیں، مثلاً: من کان أکثرُ صدقةً فهو أقربُ لحوقاً بالنبي صلی اللہ علیہ وسلم۔

بَابٌ

[۱۴۲۰-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ فِرَاسٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ بَعْضَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَيُّنَا أَسْرَعُ بِكَ لُحُوْقًا؟ قَالَ: "أَطْوَلُكُنَّ يَدًا" فَأَخَذُوْا قَصَبَةً يَذْرَعُوْنَهَا، فَكَانَتْ سَوْدَةُ أَطْوَلَهُنَّ يَدًا، فَعَلِمْنَا بَعْدُ: أَنَّمَا كَانَتْ طُوْلَ يَدِهَا الصَّدَقَةُ، وَكَانَتْ أَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِهِ صلى الله عليه وسلم، وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: نبی ﷺ کی ایک بیوی صاحبہ نے آپؐ سے پوچھا: ہم میں سے کون سب سے پہلے آپؐ سے ملے گی؟ آپؐ نے فرمایا: تم میں سے جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔ پس (وفاتِ نبوی کے بعد) ازواج مطہرات نے ایک بانس لیا اور اس سے اپنے ہاتھوں کو ناپا، پس حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا تھا، پھر بعد میں ہم نے جانا کہ لمبے ہاتھ سے مراد 'صدقہ' تھا اور تھیں وہ نبی ﷺ سے سب سے پہلے ملنے والی اور وہ صدقہ کرنے کو بہت پسند کیا کرتی تھیں۔

تشریح: یہ واقعہ غالباً مرض وفات کا ہے، پھر جب آنحضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو ازواج مطہرات نے ایک لکڑی سے اپنے ہاتھ ناپے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے لمبا تھا، اور وہ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ بھی تھیں، اس لئے فطری طور پر انہی کی طرف ذہن گیا، مگر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال سب سے پہلے ہوا، تو معلوم ہوا کہ طول ید سے معنوی لمبائی مراد تھی، حضرت زینبؓ کا ہاتھ صدقہ خیرات میں سب سے لمبا تھا، وہ اپنے دست وبازو سے کماتی تھیں، دباغت کا کام کرتی تھیں، اور اس سے جو آمدنی ہوتی وہ سب راہِ خدا میں خرچ کرتیں۔ سن ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات سن ۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر زمانہ خلافت میں ہوئی ہے۔ پس باب کی حدیث میں راوی کا وہم ہے، حضرت سودہؓ کا انتقال پہلے نہیں ہوا، حضرت زینبؓ کا ہوا ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْعَلَانِيَةِ وَبَابُ صَدَقَةِ السِّرِّ

برملا اور چپکے سے خیرات کرنا

یہ دو باب ہیں۔ صدقہ خیرات برملا بھی کرسکتے ہیں اور چپکے سے بھی، وقت کا جیسا تقاضہ ہو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اگر نفس کے دھوکہ دینے کا اور نام ونمود کا خطرہ ہو تو سراً صدقہ کرنا افضل ہے اور دوسروں کی ترغیب مقصود ہو تو برملا خرچ کرنا افضل ہے، اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرماتے ہیں: "جو لوگ رات دن اپنا مال خرچ کرتے ہیں برملا اور پوشیدہ ان

کے لئے اس کا اجر ہے ان کے رب کے پاس اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہونگے'' (البقرۃ آیت ۲۷۴) اور سورۃ البقرۃ ہی میں دوسری جگہ ارشاد پاک ہے: ''اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو بھی اچھی بات ہے، اور اگر ان کا اخفاء کرو اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح صدقہ کرنا جائز ہے، مگر فی نفسہ اخفا بہتر ہے، پس اگر کوئی مصلحت نہ ہو تو چھپا کر صدقہ کرنا افضل ہے۔

[۱۲-] بَابُ صَدَقَةِ الْعَلَانِيَةِ

وَقَوْلُهُ: ﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۷۴]

[۱۳-] بَابُ صَدَقَةِ السِّرِّ

[۱-] وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا، حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ"

[۲-] وَقَوْلُهُ: ﴿إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ، وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ الآية [البقرة: ۲۷۱]

وقال أبو هريرة: یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عنایت فرمائیں گے جس دن ان کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان میں سے ایک وہ بندہ ہے جس نے کوئی خیرات کی پھر اس خیرات کو چھپایا یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ نے نہیں جانا اس کو جو اس کے دائیں ہاتھ نے خرچ کیا (یہ انتہائی درجہ کا اخفاء ہے) اور یہ حدیث پہلے نمبر ۶۶۰ پر گذری ہے (تحفۃ القاری ۲: ۵۱۹)

بَابٌ: إِذَا تَصَدَّقَ عَلٰى غَنِيٍّ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ

جب کوئی لاعلمی میں مالدار کو خیرات دیدے

کسی کو غریب سمجھ کر زکوۃ دی، مگر نفس الامر میں وہ مالدار تھا تو اس کی زکوۃ ادا ہوگئی، پھر اگر پتا چلے کہ اس نے جس کو زکوۃ دی ہے وہ مالدار ہے تو اس کو بتلادے کہ میں نے جو رقم آپ کو دی ہے وہ زکوۃ کی رقم ہے، پس اگر وہ رقم واپس کردے تو کسی

اور غریب کو دیدے اور واپس نہ کرے تو وہی اس کا ذمہ دار ہے، اس لئے کہ انسان طاقت کے بقدر ہی مکلّف ہے، اور حقیقت حال کو جاننا انسان کی طاقت سے باہر ہے، پس اس نے غریب سمجھ کر زکوۃ دی تو اس کی زکوۃ ادا ہوگئی۔

[۱٤-] بَابٌ: إِذَا تَصَدَّقَ عَلٰى غَنِيٍّ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ

[۱٤۲۱-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "قَالَ رَجُلٌ: لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ، فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ سَارِقٍ، فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ: تُصُدِّقَ عَلٰى سَارِقٍ! فَقَالَ: اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ! لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ، فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ زَانِيَةٍ، فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ: تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى زَانِيَةٍ! فَقَالَ: اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ! لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ، فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ غَنِيٍّ، فَأَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ: تُصُدِّقَ عَلٰى غَنِيٍّ! فَقَالَ: اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ، وَعَلٰى زَانِيَةٍ، وَعَلٰى غَنِيٍّ! فَأُتِيَ، فَقِيْلَ لَهُ: أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰى سَارِقٍ، فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهِ. وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا، وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ أَنْ يَعْتَبِرَ فَيُنْفِقَ مِمَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ"

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: (بنی اسرائیل کے ایک شخص نے خیرات کرنے کا ارادہ کیا) اس نے کہا: میں (آج رات) ضرور بڑی خیرات کروں گا، پس وہ (رات میں) خیرات لے کر نکلا پس (بے خبری میں) وہ چور کے ہاتھ میں رکھ دی یعنی خیرات کی رقم چور کو دیدی، پس صبح لوگوں میں چرچا ہوا کہ رات ایک چور کو بڑی خیرات دی گئی۔ پس اس بندے نے اللہ کی حمد کی اور دوبارہ صدقہ نکالنے کا پختہ ارادہ کیا اور رات کو صدقہ لے کر نکلا اور اس کو ایک رنڈی کے ہاتھ میں رکھ دیا، پھر صبح چرچا ہوا کہ رات ایک رنڈی کو بڑی خیرات دی گئی، اس بندے نے اللہ کی حمد کی اور سہ بارہ صدقہ نکالنے کا ارادہ کیا اور رات میں صدقہ لے کر نکلا اور ایک مالدار کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح اس کا چرچا ہوا کہ رات ایک مالدار کو صدقہ دیا گیا (یہاں باب ہے) اس بندے نے کہا: اے اللہ! میں چور، رنڈی اور مالدار کو صدقہ دینے پر آپ کا شکر بجالاتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس کی توفیق دی، پس اس کے پاس آیا گیا اور اس سے کہا گیا (یعنی کسی نے خواب میں اس سے کہا:) تیرا چور کو صدقہ دینا: ممکن ہے وہ چوری سے رک جائے، اور رنڈی کو صدقہ دینا: ممکن ہے وہ زنا سے توبہ کرلے، اور مالدار کو صدقہ دینا: ممکن ہے وہ عبرت پکڑے، اور اللہ نے جو کچھ اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے یعنی تیرے یہ سب صدقات بیکار نہیں گئے، چور کو، رنڈی کو اور مالدار کو دینا بھی سودمند ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے گذشتہ امت کے کسی شخص کا واقعہ بیان کیا ہے اور قرآن وحدیث میں گذشتہ شریعت کی کوئی بات بیان کی جائے اور اس پر نکیر نہ کی جائے تو وہ ہماری شریعت کا بھی حکم ہوتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے مذکورہ

واقعہ بنظر استحسان بیان فرمایا ہے پس وہ ہمارے لئے بھی ہے، مگر تقریب تام نہیں، اس لئے کہ ممکن ہے وہ نفلی صدقہ ہو واجب صدقہ یعنی زکوۃ نہ ہو، مگر حدیث میں لفظ صدقہ آیا ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ باب میں یہ حدیث لائے ہیں۔

بَابٌ: إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى ابْنِهِ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ

جب کوئی بے خبری میں اپنے بیٹے کو خیرات دیدے

نفلی صدقہ ہر کسی کو دے سکتے ہیں، ماں باپ، اولاد اور مالدار کو بھی دے سکتے ہیں، اور زکوۃ مالدار کو دینا جائز نہیں، اسی طرح دو قسم کے رشتہ داروں کو بھی دینا جائز نہیں۔ ایک: وہ جن کے ساتھ ولادت کا تعلق ہے یعنی اصول (باپ دادا، دادی اوپر تک، ماں نانا، نانی اوپر تک) کو اور فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی نیچے تک) کو، دوسرے: وہ جن سے زواج (نکاح) کا تعلق ہے یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔ ان دو رشتوں کے علاوہ تمام رشتہ داروں کو اگر وہ غریب ہوں زکوۃ دینا جائز ہے، پس بھائی بہن کو، ان کی اولاد کو، چچا پھوپھی، ماموں اور خالہ وغیرہ کو زکوۃ دینا جائز ہے۔

مسئلہ: کسی نے بے خبری میں بیٹے کو یا ماں باپ کو زکوۃ دیدی تو زکوۃ ادا نہیں ہوئی، ان کو بتانا اور رقم دوسرے غریب کو دینا ضروری ہے۔ اور اگر وہ رقم واپس نہ کریں اور نہ خود غریب کو دیں تو وہ جانیں، دینے والے کی زکوۃ ادا ہوگئی۔

[۱۵-] بَابٌ: إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى ابْنِهِ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ

[۱۴۲۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيْلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ الْجُوَيْرِيَةِ، أَنَّ مَعْنَ بْنَ يَزِيْدَ حَدَّثَهُ، قَالَ: بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَا وَأَبِيْ وَجَدِّيْ، وَخَطَبَ عَلَيَّ فَأَنْكَحَنِيْ، وَخَاصَمْتُ إِلَيْهِ، وَكَانَ أَبِيْ يَزِيْدُ أَخْرَجَ دَنَانِيْرَ يَتَصَدَّقُ بِهَا، فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَجُلٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَجِئْتُ فَأَخَذْتُهَا، فَأَتَيْتُهُ بِهَا. فَقَالَ: وَاللّٰهِ! مَا إِيَّاكَ أَرَدْتُ، فَخَاصَمْتُهُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " لَكَ مَا نَوَيْتَ يَا يَزِيْدُ، وَلَكَ مَا أَخَذْتَ يَا مَعْنُ"

ترجمہ: معن بن یزید کہتے ہیں: میں نے اور میرے ابا یزید نے اور میرے دادا اخنس رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کے ہاتھ پر (ایک ساتھ) بیعت کی ہے (یہ اپنا قدیم الاسلام ہونا بیان کیا) اور آپؐ نے میری منگنی ڈالی اور میرا نکاح کروایا (یہ نبی ﷺ نے اپنا تعلق بیان کیا) اور میں آپؐ کے پاس مقدمہ لے گیا: ہوا یہ تھا کہ میرے ابا نے چند دینار نکالے، ان کو صدقہ کیا اور مسجد میں ایک شخص کے پاس رکھ دیئے (تاکہ وہ ضرورت مند کو دے) پس میں گیا اور میں نے ان کو لیا اور گھر لے کر آیا، تو ابا نے کہا: بخدا! میں نے تیرا ارادہ نہیں کیا، یعنی تجھے دینے کے لئے نہیں رکھے تھے؟ پس میں یہ مقدمہ لے کر نبی ﷺ کے پاس گیا تو آپؐ نے فرمایا: اے یزید! تیرے لئے وہ ہے جس کی تو نے نیت کی یعنی تجھے ثواب مل گیا اور اے

معن! تیرے لئے وہ ہے جو تو نے لیا یعنی اب یہ دینار تیرے ہیں۔

تشریح: ابھی بتایا ہے کہ صدقہ کی دو قسمیں ہیں: صدقہ نافلہ اور صدقہ واجبہ، نفلی صدقہ اولاد کو دے سکتے ہیں مگر زکوۃ نہیں دے سکتے، حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے جو دینار صدقہ کئے تھے وہ نفلی صدقہ تھے یا زکوۃ؟ اس کی حدیث میں کوئی صراحت نہیں، پس یہ بات نفلی خیرات کی حد تک درست ہے، مگر فرض زکات ادا نہ ہوگی۔

بَابُ الصَّدَقَةِ بِالْيَمِيْنِ

دائیں ہاتھ سے خیرات کرنا

خیرات کرنا اچھا کام ہے، اور ہر اچھا کام دائیں ہاتھ سے کرنا چاہئے، پس خیرات بھی دائیں ہاتھ سے دینا افضل ہے۔

[۱۶-] بَابُ الصَّدَقَةِ بِالْيَمِيْنِ

[۱۴۲۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ، يَوْمَ لَاظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ مُعَلَّقٌ قَلْبُهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ: اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ! وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا، حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ" [راجع: ۶۶۰]

حوالہ: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الصلوٰۃ (باب ۳۶، تحفۃ القاری ۲: ۵۱۹) میں گذر چکی ہے، اور حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه: سے استدلال ہے۔

[۱۴۲۴-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ مَعْبَدُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبِ الْخُزَاعِيَّ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، يَقُوْلُ: "تَصَدَّقُوْا، فَسَيَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ، يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهِ، فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ: لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْأَمْسِ لَقَبِلْتُهَا مِنْكَ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهَا" [راجع: ۱۴۱۱]

وضاحت: یہ حدیث چند ابواب پہلے گذری ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرو، عنقریب تم پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی اپنی زکات لے کر چلے گا مگر کوئی اس سے لینے والا نہیں ہوگا۔

تطبیق: جاننا چاہئے کہ زکات میں روپے پیسے ہی نہیں دیئے جاتے جنس بھی دی جاتی ہے، بلکہ دور اول میں تو عام طور پر

لوگ اجناس ہی زکات میں دیتے تھے، اور بھاری چیزیں دائیں ہاتھ سے اٹھائی جاتی ہیں، کیونکہ دائیں ہاتھ میں قوت ہے، اس طرح بمشی الرجل بصدقته سے باب ثابت ہوگا۔

بَابُ مَنْ أَمَرَ خَادِمَهُ بِالصَّدَقَةِ، وَلَمْ يُنَاوِلْ بِنَفْسِهِ

خادم کو خیرات کا حکم دے، اور بذاتِ خود نہ دے

کوئی شخص بذاتِ خود زکات خیرات نہ دے بلکہ نوکر یا منیجر کو حکم دے اور وہ دے تو ایسا کر سکتا ہے، کیونکہ آدمی اپنے سب کام خود نہیں کرتا، بعض کام نوکروں سے لیتا ہے، پس زکات بھی نوکر سے دلوا سکتا ہے، اور نوکر اور منیجر خوش دلی سے دیں تو وہ أحد المتصدقین ہونگے، ان کو بھی خیرات کا ثواب ملے گا۔

[۱۷-] بَابُ مَنْ أَمَرَ خَادِمَهُ بِالصَّدَقَةِ، وَلَمْ يُنَاوِلْ بِنَفْسِهِ

وَقَالَ أَبُوْ مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "هُوَ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقَيْنِ"

[۱۴۲۵-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا، غَيْرَ مُفْسِدَةٍ، كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ، وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ، لاَ يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا" [انظر: ۱۴۳۷، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۲۰۶۵]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ خیرات کرے درانحالیکہ وہ گھر کو بگاڑنے والی نہ ہو تو عورت کو خرچ کرنے کی وجہ سے اور اس کے شوہر کو کمانے کی وجہ سے خیرات کا ثواب ملے گا، اور خازن کے لئے بھی اس کے مانند ہے (مِثل کے مفہوم میں ثواب کا برابر ہونا داخل نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح عورت کو اور شوہر کو ثواب ملتا ہے خازن (منیجر) کو بھی ثواب ملتا ہے، کس کو کتنا ملتا ہے؟ یہ نیت اور دل کے جذبے پر موقوف ہے) اور بعض بعض کے ثواب میں سے کچھ کم نہیں کریں گے یعنی ایک کے ثواب میں سے کٹوتی کر کے دوسرے کو نہیں دیا جائے گا بلکہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عنایت فرمائیں گے۔

تشریح: اگر عورت شوہر کے مال میں سے یا خازن (منیجر، سکریٹری) مالک کے مال میں سے خرچ کریں اور ان کی نیت گھر بگاڑنے کی اور مال برباد کرنے کی نہ ہو تو مالک اور شوہر کی طرح عورت اور خازن کو بھی ثواب ملے گا، اس لئے کہ عورت اور خازن اگر چاہیں تو ہزار بہانے بنا کر سائل کو ٹلا سکتے ہیں، اس لئے جب انھوں نے سائل کو ٹلانے کے بجائے دیا تو وہ بھی ثواب کے مستحق ہونگے، مگر ان کو ثواب اس وقت ملے گا جب وہ خوش دلی سے دیں۔

فائدہ: وہ چیزیں جن کو خرچ کرنے کی صراحۃً یا دلالۃً یا عرفاً اجازت ہے، عورت شوہر کے مال میں سے خرچ کرسکتی ہے اور جن چیزوں کے خرچ کرنے کی اجازت نہیں ان کو خرچ کرنا جائز نہیں، دروازہ پر سائل آیا، روپیہ دو روپیہ دیا یا تھوڑا آٹا دیا تو لوگوں کے عرف میں اس کی اجازت ہے، یا عورت نے شوہر کی موجودگی میں سائل کو دو چار روپے دیئے، شوہر دیکھ رہا ہے اور کچھ بولا نہیں تو یہ دلالۃً اجازت ہے اور اگر خود شوہر سائل کو دینے کے لئے کہے تو یہ صراحۃً اجازت ہے، البتہ مدرسہ اور مسجد کے چندے میں پچاس سو روپے دینا جائز نہیں، کیونکہ اس کا عرف نہیں، ہاں کسی خاص گھر میں شوہر نے صراحۃً اجازت دے رکھی ہو تو جائز ہے، اور یہی حکم خازن کا ہے۔

بَابٌ: لَاصَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى

بہترین خیرات وہ ہے جو مالداری کی پیٹھ سے ہو

یہ حدیث کے الفاظ ہیں، ان الفاظ سے حدیث باب میں آرہی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خیرات کر کے خالی ہاتھ ہو جانا ٹھیک نہیں۔ اپنی اور اہل وعیال کی ضرورت سے جو زائد ہو وہ خرچ کرنا چاہئے، اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ بیان کیا ہے پھر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

مسئلہ: اپنا کل مال خیرات کر دینا یا ہبہ کر دینا یا غلام آزاد کر دینا جبکہ خود کو یا اہل وعیال کو اس مال کی اور غلام کی ضرورت ہو یا اس پر قرض ہو تو جائز نہیں، کیونکہ قرض کی ادائیگی صدقہ، ہبہ اور عتق سے مقدم ہے، پس یہ لوگوں کا مال برباد کرنا ہے، اور نبی ﷺ نے ایسے شخص کے حق میں بددعا فرمائی ہے، جس نے لوگوں کا مال برباد کرنے کے ارادہ سے لیا یعنی قرض لیا اور واپس کرنے کا ارادہ نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو برباد کریں گے۔ پس قرض ہوتے ہوئے صدقہ یا ہبہ کرنا دوسرے کے مال کو برباد کرنا ہے، اور اپنی اور گھر والوں کی ضرورت سے صرف نظر کر کے صدقہ یا ہبہ کرنا بھی مال کو برباد کرنا ہے، اس لئے یہ بھی جائز نہیں۔

سوال: جب غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ نے چندہ کی اپیل کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ان کے پاس تھا سب حاضر کر دیا، آپؐ نے پوچھا: کتنا لائے اور کتنا گھر والوں کے لئے چھوڑا؟ انھوں نے عرض کیا: جو کچھ تھا سب لے آیا ہوں اور گھر والوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑا ہے، صدیق اکبرؓ کا یہ عمل اس حدیث کے خلاف ہے!

جواب: لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا زہد میں بڑا مقام تھا، ہر بوالہوس کے لئے دار ورسن نہیں، جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فقر کو اپنے سر کا تاج بتایا ہے: الفقر فخری اور دوسری حدیث میں ہے کہ فقر کے ڈانڈے کفر سے ملے ہوئے ہیں: کاد الفقرُ أن یکون کفرًا، ان دونوں حدیث میں کوئی تعارض نہیں، دونوں کے مصداق الگ الگ ہیں۔ الفقر فخری کا مصداق آقائے دوجہاں ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات ہیں اور کاد الفقر أن یکون کفرًا کا مصداق ماد شما ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام خاص شان کا حامل تھا، اس لئے نبی ﷺ

نے ان کا سارا مال قبول کرلیا۔

اور غزوۂ تبوک میں جو تین مخلص صحابہ پیچھے رہ گئے تھے ان میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! مال کی محبت میرے لئے اس سعادت سے محرومی کا سبب بن گئی، پس میری توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے سب راہِ خدا میں صدقہ ہے، تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! مگر آنحضور ﷺ نے ان کا سارا مال قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا: ''کچھ خیرات کرو اور کچھ اپنی ضرورت کے لئے روک لو'' چنانچہ انھوں نے خیبر کی غنیمت میں سے جو زمین ان کے حصہ میں آئی تھی وہ روک لی اور باقی مال خیرات کردیا، پس لوگوں کے احوال کے اختلاف سے احکام مختلف ہوتے ہیں۔

[۱۸-] بَابٌ: لَاصَدَقَةَ إِلَّا عَنْ ظَهْرِ غِنًى

وَمَنْ تَصَدَّقَ وَهُوَ مُحْتَاجٌ، أَوْ أَهْلُهُ مُحْتَاجٌ، أَوْ عَلَيْهِ دَيْنٌ، فَالدَّيْنُ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى مِنَ الصَّدَقَةِ، وَالْعِتْقِ، وَالْهِبَةِ، وَهُوَ رَدٌّ عَلَيْهِ، لَيْسَ لَهُ أَنْ يُتْلِفَ أَمْوَالَ النَّاسِ، وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ" إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مَعْرُوْفًا بِالصَّبْرِ، فَيُؤْثِرَ عَلٰى نَفْسِهِ، وَلَوْ كَانَ بِهِ خَصَاصَةٌ، كَفِعْلِ أَبِيْ بَكْرٍ حِيْنَ تَصَدَّقَ بِمَالِهِ، وَكَذٰلِكَ آثَرَ الْأَنْصَارُ الْمُهَاجِرِيْنَ، وَنَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُضَيِّعَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِعِلَّةِ الصَّدَقَةِ، وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِيْ أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِيْ صَدَقَةً إِلَى اللّٰهِ وَإِلٰى رَسُوْلِهِ، قَالَ: "أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ" قُلْتُ: فَإِنِّيْ أُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِيْ بِخَيْبَرَ.

مسئلہ: اور جس نے صدقہ کیا درانحالیکہ اس کو اس مال کی ضرورت ہے یا اس کے گھر والوں کو ضرورت ہے یا اس پر قرض ہے تو قرض ادا کرنا صدقہ، عتق اور ہبہ سے مقدم ہے، اور اس کا صدقہ اس پر پھیر دیا جائے گا یعنی اس کا صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ دوسروں کا مال برباد کرے (اور قرض کے ہوتے ہوئے صدقہ یا ہبہ کرنا لوگوں کا مال برباد کرنا ہے) اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو شخص لوگوں کا مال اس کو برباد کرنے کی نیت سے لے یعنی قرض ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو برباد کریں!''

(سوال مقدر کا جواب) مگر یہ کہ وہ صبر میں مشہور ہو تو وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دے سکتا ہے، اگرچہ وہ مفلوک الحال ہو، جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمل جب انھوں نے اپنا سارا مال صدقہ کیا، اسی طرح انصار نے مہاجرین کو ترجیح دی (جب نبی ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کی تو انصار نے اپنا سب مال دو برابر حصوں میں تقسیم کردیا اور مہاجرین کو کوئی بھی ایک حصہ لینے کا اختیار دیا حتی کہ اپنی بیویوں میں بھی اختیار دیا یہ ان کی خاص شان تھی)

اور نبی ﷺ نے مال برباد کرنے سے منع فرمایا ہے، پس کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ صدقہ کے بہانے لوگوں کا مال ضائع کرے، یعنی جب اپنا مال برباد کرنا جائز نہیں تو دوسروں کا مال برباد کرنا کیسے جائز ہوگا؟! اور قرض کے ہوتے ہوئے صدقہ اور ہبہ کرنا دوسرے کا مال ضائع کرنا ہے۔ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری توبہ میں سے یہ ہے کہ میں اپنے مال سے جدا ہو جاؤں، اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کے طور پر یعنی سب مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے خیرات ہے، آپؐ نے فرمایا: ''اپنا کچھ مال اپنے پاس روک لو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے'' میں نے عرض کیا: میں اپنا وہ حصہ روکتا ہوں جو خیبر میں ہے۔

فائدہ: صدقہ اور ہبہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ میں ثواب مقصود ہوتا ہے اور ہدیہ میں موہوب لہ کی خوشی۔ اور ثواب دونوں صورتوں میں ملتا ہے۔

[۱٤۲٦-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَاكَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ" [انظر: ۱٤۲۸، ۵۳۵۵، ۵۳۵٦]

[۱٤۲۷-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ حَكِيْمِ ابْنِ حِزَامٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ، وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ مَاكَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ"

[۱٤۲۸-] وَعَنْ وُهَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، بِهٰذَا. [راجع: ۱٤۲٦]

[۱٤۲۹-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَذَكَرَ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ وَالْمَسْأَلَةَ: "الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى" فَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلَى هِيَ السَّائِلَةُ.

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: ''بہترین صدقہ وہ ہے جو مالداری کی پیٹھ سے ہو اور خرچ کرنے میں ان لوگوں سے ابتداء کر جن کے مصارف تیرے ذمہ ہیں''

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: ''اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور خرچ کرنے میں ابتداء کر ان لوگوں سے جن کا خرچہ تیرے ذمہ ہے، اور بہترین صدقہ مالداری کی پیٹھ سے ہے اور جو پاک دامن رہنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پاک دامن رکھتے ہیں، اور جو بے نیاز ہونے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

ملحوظہ: اس حدیث کو ہشام نے اپنے ابا کے واسطہ سے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی۔

حدیث (۴): ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا درانحالیکہ آپ منبر پر تھے اور صدقہ، پاک دامنی اور بھیک مانگنے کا تذکرہ کررہے تھے: ''اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے'' اوپر کا ہاتھ یعنی خرچ کرنے والا ہاتھ اور نیچے کا ہاتھ یعنی مانگنے والا ہاتھ —— یہ راوی نے یا امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کی شرح کی ہے۔

تشریح: ان احادیث میں نبی ﷺ نے تین باتیں فرمائی ہیں:

۱- خرچ کرکے بالکل خالی ہاتھ نہیں ہوجانا چاہئے، ورنہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پسارنا پڑے گا، جبکہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، پس انسان کو ہمیشہ دینے کی پوزیشن میں رہنا چاہئے، مانگنے کی حالت میں نہیں ہوجانا چاہئے۔

۲- خرچ کرنے میں اس کا لحاظ رہنا چاہئے کہ اہم مصارف کیا ہیں؟ ان میں پہلے خرچ کرے پھر جو بچے وہ درجہ بدرجہ دوسری جگہوں میں خرچ کرے۔

۳- پاک دامنی اور بے نیازی کی دولت سے وہی سرفراز کیا جاتا ہے جو یہ خوبیاں چاہتا ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔

بَابُ الْمَنَّانِ بِمَا أَعْطَى

دے کر احسان جتلانے والا

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے: وہ کسی پر کچھ خرچ کرتے ہیں تو زندگی بھر احسان جتلاتے ہیں، یہ بری عادت ہے، اس سے صدقہ احسان ضائع ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو لوگ خدا کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں ان کے لئے اس کا اجر ہے ان کے رب کے پاس'' پس خرچ کرنے کے بعد کبھی بھی خرچ کئے ہوئے مال کا خیال دل میں نہیں لانا چاہئے، جو لوگ اس خوبی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ان کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے وہ ایسے لوگوں کو نہال کردیں گے۔

[۱۹-] بَابُ الْمَنَّانِ بِمَا أَعْطَى

لِقَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا أَنْفَقُوْا مَنًّا وَلَا أَذًى ﴾ الآية. [البقرة: ۲۶۲]

بَابُ مَنْ أَحَبَّ تَعْجِيْلَ الصَّدَقَةِ مِنْ يَوْمِهَا

جو جلد اسی دن خیرات کرنا پسند کرتا ہے

من یومھا: کا مطلب یہ ہے کہ جس دن خیرات کرنے کا جذبہ ابھرے اسی دن خیرات کرے، ہوسکتا ہے: اگلے دن کوئی

لینے والا نہ رہے، یا خوش حالی باقی نہ رہے یا خیرات کرنے کا جذبہ سرد پڑ جائے، اس لئے جلد اسی دن خیرات کر دینی چاہئے، آج کل نہیں کرنا چاہئے۔

[۲۰-] بَابُ مَنْ أَحَبَّ تَعْجِيْلَ الصَّدَقَةِ مِنْ يَوْمِهَا

[۱۴۳۰-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَهُ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْعَصْرَ فَأَسْرَعَ، ثُمَّ دَخَلَ الْبَيْتَ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ خَرَجَ، فَقُلْتُ أَوْ قِيْلَ لَهُ، فَقَالَ: "كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ أَنْ أُبَيِّتَهُ، فَقَسَمْتُهُ"[راجع: ۸۵۱]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ (باب ۱۵۸، تحفۃ القاری ۳:۱۷۸) میں گذر چکی ہے۔ ایک دن نبی ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر فوراً صفیں چیرتے ہوئے گھر میں تشریف لے گئے اور بہت جلدی سونے کا ایک ٹکڑا لے کر واپس تشریف لائے اور کسی صحابی کو تقسیم کرنے کے لئے دیا، آپؐ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: میرے گھر میں سونے کا ایک ٹکڑا تھا جو صدقہ کا تھا اور مجھے ناپسند ہوا کہ گھر میں رات بھر سونا رہے، اس لئے میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ صدقہ فوراً کر دینا چاہئے، دیر نہیں کرنی چاہئے۔ تِبر کے معنی ہیں: بے ڈھلا سونے کا ڈھلا۔

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلَى الصَّدَقَةِ وَالشَّفَاعَةِ فِيْهَا

خیرات کرنے کے لئے ابھارنا اور خیرات کرنے کی سفارش کرنا

واو: تفسیر کا ہے، صدقہ کی ترغیب دینا اور اس کی سفارش کرنا ایک چیز ہے، کسی کے پاس کوئی مسجد کا یا مدرسہ کا چندہ مانگنے آیا وہ اس کو کسی کے پاس لے گیا اور اس کی رسید بنوائی یہ خیرات پر ابھارنا اور سفارش کرنا ہے اس کا بھی بڑا ثواب ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والا بھلائی کرنے والے کی طرح ہے"

[۲۱-] بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلَى الصَّدَقَةِ وَالشَّفَاعَةِ فِيْهَا

[۱۴۳۱-] حدثنا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَدِيٌّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ عِيْدٍ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، لَمْ يُصَلِّ قَبْلُ وَلاَ بَعْدُ، ثُمَّ مَالَ عَلَى النِّسَاءِ، وَبِلاَلٌ مَعَهُ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَتَصَدَّقْنَ فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُلْبَ وَالْخُرْصَ. [راجع: ۹۸]

وضاحت: یہ حدیث بار بار گذری ہے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے عید کی نماز کے بعد خطبہ دیا پھر عورتوں کے مجمع کے قریب تشریف لے گئے اور ان کو وعظ و نصیحت کی اور ان کو خاص طور پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، یہی تحریض اور سفارش ہے

اور اسی مناسبت سے یہ حدیث یہاں لائے ہیں......... القُلب کے معنی ہیں: کنگن اور الخُرص کے معنی ہیں: سونے یا چاندی کا کڑا۔

[۱٤۳۲-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ أَبِيْ بُرْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ أَبِيْ مُوْسَى، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا جَاءَهُ السَّائِلُ، أَوْ طُلِبَتْ إِلَيْهِ حَاجَةٌ، قَالَ: " اشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا، وَيَقْضِيَ اللّٰهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَاشَاءَ"[انظر: ٦٠٢٧، ٦٠٢٨، ٧٤٧٦]

ترجمہ: جب نبی ﷺ کے پاس کوئی سائل آتا یا آپؐ سے کوئی حاجت طلب کی جاتی (او شک راوی کا بھی ہوسکتا ہے اور تنویع کا بھی) تو آپؐ (صحابہ سے) فرماتے: سفارش کرو ثواب ملے گا (یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ذریعہ جو چاہیں گے فیصلہ کریں گے" یعنی کچھ ہوگا تو سائل کی ضرورت پوری کروں گا، ورنہ انکار کروں گا مگر آپ لوگ سفارش کریں، آپ لوگوں کو سفارش کرنے کا ثواب ملے گا۔

ملحوظہ: اگر کوئی طالب علم کسی استاذ سے اپنی درخواست پر سفارش لکھنے کے لئے کہے تو ضرور سفارش کرے، اس کا ثواب ملے گا، لیکن بعض مرتبہ سفارش حکم بن جاتی ہے اور سامنے والے پر زور پڑتا ہے، مثلاً جس سے سفارش کی گئی ہے وہ سفارش کرنے والے کا شاگرد ہے، چنانچہ وہ اس سفارش کو حکم سمجھتا ہے اس لئے میں عام طور پر طلبہ کی درخواست پر سفارش نہیں کرتا۔

[۱٤۳۳-] حدثنا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَا تُوْكِيْ فَيُوْكَى عَلَيْكِ"

حَدَّثَنِيْ عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، عَنْ عَبْدَةَ، وَقَالَ: " لَاتُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ"

[انظر: ١٤٣٤، ٢٥٩٠، ٢٥٩١]

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "کنجوسی مت کرو ورنہ تمہیں بھی تھوڑا دیا جائے گا" اور عثمان بن ابی شیبہ کی حدیث میں ہے: "گن کر مت رکھو، ورنہ تمہیں بھی گن کر دیا جائے گا"

تشریح: أَوْكىٰ يُوْكِيْ إِيْكَاءً: بٹوہ باندھ کر رکھنا، یعنی کنجوسی کرنا، اس کا مجرد وَكىٰ يَكِيْ وَكْيًا ہے، جس کے معنی ہیں: تھیلی کو ڈوری سے باندھنا، اور أحصى الشيئَ کے معنی ہیں: شمار کرنا، مقدار جاننا، گننا۔ اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ راہِ خدا میں دل کھول کر خرچ کرو، اللہ تعالیٰ بے حساب دیں گے، جو غریبوں پر خرچ کرتا ہے ان کی روزی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے دیتے ہیں، پس جو زیادہ خرچ کرے گا اس کو زیادہ دیا جائے گا اور جو کنجوسی کرے گا اس سے روزی روک لی جائے گی۔

بَابُ الصَّدَقَةِ فِيمَا اسْتَطَاعَ

حسب استطاعت خرچ کرنا

پہلے حدیث آئی ہے: خیر الصدقة ماکان عن ظهر غنیً: بہترین صدقہ وہ ہے جو مالداری کی پیٹھ سے ہو، اُس حدیث کا جو مطلب ہے وہی اس باب کا حاصل ہے، یعنی حیثیت اور استطاعت سے زیادہ خرچ کرنا اور کنگال ہو جانا ٹھیک نہیں، گنجائش کے بقدر ہی خرچ کرنا چاہئے۔

[۲۲-] بَابُ الصَّدَقَةِ فِيمَا اسْتَطَاعَ

[۱۴۳۴-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، ح: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ، عَنْ حَجَّاجِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ ابْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَخْبَرَهُ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ، أَنَّهَا جَاءَ تِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: " لَاتُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ، ارْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ"[راجع: ۱۴۳۳]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "بخیلی مت کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بخیلی کریں گے" (یہ مشاکلۃ کہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں روزی کم دیں گے، پس تھوڑا بھی دو جتنا تمہارے بس میں ہو)

تشریح: یہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی وہی حدیث ہے جو گذشتہ باب میں گذری ہے، یہ حدیث مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ أوْعٰی علیه إیعَاء کے معنی ہیں: بخیلی کرنا، اور اِرْضَخِیْ: امر حاضر واحد مؤنث ہے، رَضَخَ (ف، ض) رَضْخًا کے معنی ہیں: تھوڑا دینا۔

بَابٌ: الصَّدَقَةُ تُكَفِّرُ الْخَطِيْئَةَ

خیرات خطا کو مٹاتی ہے

شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کتاب الزکاۃ کے شروع میں زکات کے دو فائدے بیان کئے ہیں، ایک: نفس کی طرف لوٹنے والا فائدہ یعنی شخصی فائدہ اور دوسرا: ملک وملت کی طرف لوٹنے والا فائدہ یعنی ملکی فائدہ۔ پھر شخصی فائدے تین بیان کئے ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ خیرات سے گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ ذاتی فائدہ ہے۔

[۲۳-] بَابٌ: الصَّدَقَةُ تُكَفِّرُ الْخَطِيْئَةَ

[۱۴۳۵-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ

ابْنُ الْخَطَّابِ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْفِتْنَةِ؟ قَالَ: قُلْتُ: أَنَا أَحْفَظُهُ كَمَا قَالَ، قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ لَجَرِيْءٌ، فَكَيْفَ قَالَ؟ قُلْتُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِيْ أَهْلِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهُ الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْمَعْرُوْفُ ــــ قَالَ سُلَيْمَانُ: قَدْ كَانَ يَقُوْلُ: الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ ــــ قَالَ: لَيْسَ هٰذِهِ أُرِيْدُ، وَلٰكِنِّيْ أُرِيْدُ الَّتِيْ تَمُوْجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ، قَالَ: قُلْتُ: لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَأْسٌ، بَيْنَهَا وَبَيْنَكَ بَابٌ مُغْلَقٌ، قَالَ: فَيُكْسَرُ الْبَابُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، بَلْ يُكْسَرُ. قَالَ: فَإِنَّهُ إِذَا كُسِرَ لَمْ يُغْلَقْ أَبَدًا، قَالَ: قُلْتُ: أَجَلْ! قَالَ فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَهُ مَنِ الْبَابُ؟ فَقُلْنَا لِمَسْرُوْقٍ: سَلْهُ، قَالَ: فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: عُمَرُ، قَالَ: فَقُلْنَا: أَفَعَلِمَ عُمَرُ مَنْ تَعْنِيْ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُوْنَ غَدٍ لَيْلَةً، وَذٰلِكَ أَنِّيْ حَدَّثْتُهُ حَدِيْثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيْطِ. [راجع: ۵۲۵]

وضاحت: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الصلوٰۃ (باب۴) میں گذر چکی ہے، ترجمہ اور شرح وہاں دیکھ لیں، اور یہاں باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: آدمی سے اس کی فیملی، مال واولاد، پاس پڑوس کے لوگوں اور احباب ومتعلقین کے حقوق میں جو کوتاہیاں ہوتی ہیں: نماز، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں، اسی جزء سے باب ثابت کرنا ہے کہ نماز وغیرہ کی طرح صدقہ میں بھی کفارۂ سیئات کی شان ہے، اور یہ صدقہ کا ذاتی فائدہ ہے، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفۃ القاری (۲: ۳۸۴)

بَابُ مَنْ تَصَدَّقَ فِي الشِّرْكِ ثُمَّ أَسْلَمَ

جس نے مسلمان ہونے سے پہلے خیرات کی پھر مسلمان ہوا

ایک شخص نے کفر وشرک کے زمانہ میں صدقہ کیا یا کوئی نیک کام کیا پھر وہ مسلمان ہوگیا تو بحالت کفر اس نے جو نیک کام کیا ہے اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ یہ مشکل مسئلہ ہے کیونکہ قرآن کریم میں صراحت ہے کہ آخرت میں ثواب اسی کو ملے گا جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام کیا ہے ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ (النساء ۱۲۴) اور باب میں حدیث ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد نبی ﷺ سے پوچھا: میں نے زمانہ جاہلیت میں جو صدقہ خیرات کیا ہے، غلام آزاد کئے ہیں، صلہ رحمی کی ہے تو کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''اُن نیک کاموں کی وجہ سے تمہیں اسلام کی دولت ملی ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو بھی نیک اعمال کا اجر ملتا ہے۔ غرض قرآنِ کریم سے کچھ مفہوم ہوتا ہے اور حدیث شریف سے کچھ، اس لئے یہ مسئلہ پیچیدہ ہے، اور حاشیہ میں کئی طرح سے اس کو حل کیا ہے۔

اور میں نے اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا ہے کہ قرآنِ کریم میں آخرت میں نیک اعمال کی جزاء کا بیان ہے اور اس کے لئے ایمان شرط ہے، اور حدیث شریف میں دنیا میں نیک اعمال کی جزاء کا بیان ہے، اور اس کے لئے ایمان شرط نہیں۔ کافر کو

بھی دنیا میں اس کے نیک اعمال کا بدلہ ملتا ہے بلکہ کافر کو اس کی نیکیاں دنیا ہی میں کھلا دی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے (مسلم حدیث ۲۸۰۸) اور ایمان کی توفیق دینا نیکی کھلانے کی ایک صورت ہے۔

[۲۴-] بَابُ مَنْ تَصَدَّقَ فِي الشِّرْكِ ثُمَّ أَسْلَمَ

[۱۴۳۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَارسولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ أَشْيَاءَ كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ: مِنْ صَدَقَةٍ، أَوْ عَتَاقَةٍ، أَوْ صِلَةِ رَحِمٍ، فَهَلْ فِيْهَا مِنْ أَجْرٍ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ" [انظر: ۲۲۲۰، ۲۵۳۸، ۵۹۹۲]

ترجمہ: حکیم بن حزامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! بتلائیں ان کاموں کے بارے میں جن کو میں عبادت کے طور پر زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتا تھا یعنی صدقہ، غلام آزاد کرنا اور صلہ رحمی کرنا، کیا ان کا کچھ اجر ملے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: آپ اسلام لائے ہیں ان نیک کاموں کی وجہ سے جو آپ نے پہلے کئے ہیں یعنی زمانۂ جاہلیت میں آپ نے جو نیک اعمال کئے ہیں، ان کی برکت سے آپ کو اسلام کی دولت ملی ہے، یہی ان نیک کاموں کا اجر ہے۔

بَابُ أَجْرِ الْخَادِمِ إِذَا تَصَدَّقَ بِأَمْرِ صَاحِبِهِ، غَيْرَ مُفْسِدٍ

خادم کا ثواب جب وہ مخدوم کے حکم سے خرچ کرے، مال برباد کئے بغیر

یہ مسئلہ ابھی آیا ہے کہ اگر کوئی شخص خازن (منیجر، سکریٹری) کو صدقہ کرنے کا حکم دے اور خازن خوش دلی سے خرچ کرے اور اس کی نیت مالک کا مال برباد کرنے کی اور اس کا کاروبار بگاڑنے کی نہ ہو تو مالک کی طرح خازن کو بھی ثواب ملتا ہے، اسی طرح عورت شوہر کے مال میں سے خرچ کرے اور اس کی نیت شوہر کا مال برباد کرنے کی اور گھر بگاڑنے کی نہ ہو تو اس کو بھی شوہر کی طرح ثواب ملتا ہے۔

عورت اور خازن وہی چیزیں خرچ کر سکتے ہیں جن کے خرچ کرنے کی صراحۃ یا دلالۃ یا عرفاً اجازت ہے، اور جن چیزوں کے خرچ کرنے کی اجازت نہیں ان کو خرچ کرنا جائز نہیں۔ تفصیل ابھی گذری ہے۔

[۲۵-] بَابُ أَجْرِ الْخَادِمِ إِذَا تَصَدَّقَ بِأَمْرِ صَاحِبِهِ، غَيْرَ مُفْسِدٍ

[۱۴۳۷-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا تَصَدَّقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ زَوْجِهَا، غَيْرَ

مُفْسِدَةٍ، كَانَ لَهَا أَجْرُهَا، وَلِزَوْجِهَا بِمَا كَسَبَ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَلِكَ"

[۱۴۳۸-] حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوْسَى، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "الْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْأَمِيْنُ الَّذِي يُنْفِذُ - وَرُبَّمَا قَالَ: يُعْطِي - مَا أُمِرَ بِهِ، كَامِلاً مُوَفَّرًا طَيِّبًا بِهِ نَفْسُهُ، فَيَدْفَعُهُ إِلَى الَّذِي أُمِرَ لَهُ بِهِ: أَحَدُ الْمُتَصَدِّقَيْنِ"

[انظر: ۲۲۶۰، ۲۳۱۹]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: جب عورت اپنے شوہر کے کھانے میں سے خیرات کرے درانحالیکہ وہ گھر بگاڑنے والی نہ ہوتو عورت کوخرچ کرنے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے، اور شوہر کو کمانے کی وجہ سے اور خازن کے لئے (بھی) اس کے مانند ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: "مسلمان امانت دار خزانچی جونافذ کرے —— اور کبھی کہا: دے —— وہ چیز جس کا حکم دیا گیا ہے پورا پورا، کمی کئے بغیر، خوش دلی کے ساتھ، پس دے وہ اس کوجس کو دینے کا حکم دیا گیا ہے تو وہ دوخیرات کرنے والوں میں سے ایک ہے" یعنی خازن کو بھی خیرات کرنے والے کی طرح ثواب ملے گا۔

تشریح: خازن کو ثواب اس وقت ملتا ہے جب وہ مسلمان ہو، امانت دار ہو، اس نے مالک کے حکم کی تعمیل کی ہو یعنی مالک نے جتنا مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہ پورا مال خرچ کیا ہواس میں کمی نہ کی ہو، اور خوش دلی سے خرچ کیا ہوتو خازن کو بھی ثواب ملے گا۔ اور اگر ایک بھی شرط مفقود ہوتو خازن کو ثواب نہیں ملے گا، پس اگر خازن غیر مسلم ہو، یا امانت دار نہ ہو، یا کم خرچ کرے یا جھک مار کر خرچ کرے، خوش دلی سے خرچ نہ کرے تو خازن کے لئے کوئی ثواب نہیں۔

قصہ مشہور ہے: حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا بڑا کاروبار تھا، اور وہ بڑے فیاض تھے، جب ان کے پاس کوئی ضرورت مند آتا تو وہ منیجر کو پرچہ لکھ دیتے کہ اس کو اتنا دیدو، ایک مرتبہ حضرت نے کسی کے لئے بہت بڑی رقم لکھ دی، منیجر نے بذریعہ تحریر عرض کیا کہ اگر آپ اس طرح خرچ کرتے رہیں گے تو میں کاروبار کیسے چلاؤں گا؟ آپؒ نے جواب لکھا: دکان میری ہے یا آپ کی؟ منیجر نے مجبوراً وہ رقم دی، چونکہ خازن نے مجبوراً دی ہے اس لئے اس کا ثواب گیا، منیجر کو ثواب اسی صورت میں ملے گا جب وہ برضا ورغبت خرچ کرے پورا دے اور امانت داری کے ساتھ دے۔

بَابُ أَجْرِ الْمَرْأَةِ إِذَا تَصَدَّقَتْ أَوْ أَطْعَمَتْ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ

بیوی کا اجر جب وہ شوہر کے گھر سے خیرات کرے یا کھلائے، مال برباد کئے بغیر

عورت کا اگر ذاتی مال ہے تو وہ مالک ہے جو چاہے کرے، جتنا چاہے خرچ کرے، مگر شوہر کے مال میں سے اتنا ہی

خرچہ کرسکتی ہے جس کو خرچ کرنے کی صراحۃً یا دلالۃً یا عرفاً اجازت ہے۔ اور عورت خوش دلی سے اور اچھی نیت سے خرچ کرے، گھر برباد کرنے کی نیت نہ ہو تو اس کو بھی شوہر کی طرح ثواب ملے گا۔

واقعہ: ایک مولوی صاحب نے مسجد میں وعظ کہا، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے خوب فضائل بیان کئے، مجمع میں ان کی اہلیہ بھی تھیں۔ وعظ کے بعد مولوی صاحب تو چائے ناشتہ میں رہے، بیوی نے گھر جا کر سارا گھر راہِ خدا میں لٹا دیا۔ مولوی صاحب جب گھر پہنچے تو دیکھا کہ گھر ویران ہے، پوچھا: خوش نصیب! کیا ہوا؟ ڈاکہ پڑا، گھر کا سامان کیا ہوا؟ بیوی نے کہا: آپ نے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے فضائل بیان کئے تھے، میں نے سارا مال غریبوں میں بانٹ دیا۔ مولوی صاحب کہنے لگے: ہائے وہ وعظ اپنے گھر کے لئے تھوڑے تھا! —— یہ گھر کو برباد کرنے کی ایک مثال ہے۔

[۲۶-] بَابُ أَجْرِ الْمَرْأَةِ إِذَا تَصَدَّقَتْ أَوْ أَطْعَمَتْ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ

[۱۴۳۹-] حدثنا آدمُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ، والأَعْمَشُ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، تَعْنِيْ: " إِذَا تَصَدَّقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا" ح:

[۱۴۴۰-] وَحَدَّثَنِيْ عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا أَطْعَمَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا، غَيْرَ مُفْسِدَةٍ، لَهَا أَجْرُهَا، وَلَهُ مِثْلُهُ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ، لَهُ بِمَا اكْتَسَبَ وَلَهَا بِمَا أَنْفَقَتْ"

[۱۴۴۱-] حدثنا يَحْيىَ بْنُ يَحْيىَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا، غَيْرَ مُفْسِدَةٍ، فَلَهَا أَجْرُهَا، وَلِلزَّوْجِ بِمَا اكْتَسَبَ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ"

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى﴾ الآية، اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقَ مَالٍ خَلَفًا

سخی اور بخیل کے اعمال وانجام کا اختلاف اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے کو اس کا عوض ملتا ہے

سورۃ اللیل میں اللہ تعالیٰ نے رات دن کی اور نر مادہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ ارشاد پاک ہے: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾: قسم

ہے رات کی جب وہ چھا جائے ﴿وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ﴾ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب روشن ہو جائے ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ﴾ اور قسم ہے نر مادہ کی جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے، رات دن زمانے کے دو حصے ہیں اور مذکر و مؤنث ایک نوع کی دو صنفیں ہیں اور ان کے درمیان جو تفاوت ہے وہ ظاہر ہے۔

یہ دو مثالیں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾: ایک انسان وہ ہے جو راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے زندگی گذارتا ہے اور کلمہ حُسنیٰ کی تصدیق کرتا ہے ﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ اور دوسرا انسان وہ ہے جو بخیلی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے بے نیاز بنتا ہے اور کلمہ حسنیٰ کی تکذیب کرتا ہے، یہ دونوں ہی انسان ہیں مگر دونوں میں ایسا ہی تفاوت ہے جیسا تفاوت رات دن میں اور مرد وزن میں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو جس راہ کو اختیار کرتا ہے اور جیسا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہی راہ آسان کرتے ہیں، جو نیک اعمال کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیک اعمال آسان کرتے ہیں اور نیک اعمال فی نفسہ بھی آسان ہیں ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾ اور جو برے اعمال کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے برے اعمال آسان کرتے ہیں اگرچہ برے کام فی نفسہ مشکل ہیں ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾

غرض ان آیات پاک میں أَعْطَىٰ اور بَخِلَ کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ دونوں قسم کے اعمال میں حد درجہ تفاوت ہے جیسا تفاوت رات دن کے درمیان اور مرد وزن کے درمیان ہے، جب دونوں کے اعمال کے درمیان تفاوت ہے تو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دونوں کا نتیجہ مختلف ہوگا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ہر صبح آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں، ایک فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! آپ کی راہ میں خرچ کرنے والے کو اس کا عوض دے، دوسرا فرشتہ آمین کہتا ہے، پھر دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کا مال تباہ کر، دوسرا آمین کہتا ہے پھر دونوں فرشتے آسمان میں چڑھ جاتے ہیں اور ایسا ہر صبح ہوتا ہے، ان فرشتوں کی دعاؤں کا اثر اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے کبھی کوئی تنگ دست نہیں ہوگیا اور سینت کر رکھنے والے بہت سے بھوکے مرجاتے ہیں، ڈاکٹر ہر چیز کھانے سے منع کر دیتا ہے، اب وہ صرف اپنی جمع کی ہوئی دولت کا غم کھاتا ہے! اور آخرت کا تفاوت تو بدیہی ہے بخیل کے لئے جہنم کی سزا ہے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے کے لئے جنت کی دائمی نعمتیں ہیں۔

[۲۷-] بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ﴾ الآية.

اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقَ مَالٍ خَلَفًا

[۱٤٤۲-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ، عَنْ أَبِي الْحُبَابِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الآخَرُ: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا"

بَابُ مَثَلِ الْمُتَصَدِّقِ وَالْبَخِيلِ

خیرات کرنے والے کی اور کنجوس کی حالت

نبی اکرم ﷺ نے سخی اور کنجوس کی حالت ایک مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے، بخیل کا اور خیرات کرنے والے کا حال ان دوشخصوں جیسا ہے جنھوں نے چھاتیوں سے ہنسلیوں تک لوہے کی کُرتیاں (زرہیں) پہن رکھی ہوں، پس جب بھی خیرات کرنے والا خیرات کرتا ہے تو اس کا کرتا کشادہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے پورے بدن کو چھپالیتا ہے، ہاتھوں کی انگلیوں کو بھی چھپالیتا ہے اور آثارِ قدم بھی مٹاتا ہے یعنی وہ کرتا خوب کشادہ اور بڑا ہوجاتا ہے، اور بخیل جب بھی خیرات کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کرتا سکڑ جاتا ہے اور اس کے حلقے بھینچ جاتے ہیں، بخیل ان کو ڈھیلا کرنا چاہتا ہے مگر وہ ڈھیلے نہیں ہوتے۔

اس تمثیل میں انفاق وامساک کی حقیقت اور ان کے اثر کی طرف اشارہ ہے، یعنی جب کسی انسان کے دل میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو اگر وہ فیاض اور سخی دل ہوتا ہے تو اس کو روحانی انشراح حاصل ہوتا ہے اور اس کو مال حقیر وذلیل نظر آنے لگتا ہے پس اس کے لئے مال کو جدا کرنا آسان ہوجاتا ہے اور جتنا زیادہ خرچ کرتا ہے اتنا ہی زیادہ مزہ آتا ہے اور خرچ کرنا آسان ہوتا ہے اور اگر وہ شخص انتہائی حریص ہوتا ہے تو اس کا دل مال کی محبت میں پھنس جاتا ہے، مال کی چمک دمک اس کے دماغ پر حاوی ہوجاتی ہے اور مال خرچ کرنا اس کے لئے دشوار ہوجاتا ہے۔

[۲۸-] بَابُ مَثَلِ الْمُتَصَدِّقِ وَالْبَخِيلِ

[۱٤٤۳-] حدثنا مُوْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ" ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، يَقُولُ: "مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُنْفِقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ، مِنْ ثُدِيِّهِمَا إِلَى تَرَاقِيهِمَا، فَأَمَّا الْمُنْفِقُ فَلَا يُنْفِقُ إِلَّا سَبَغَتْ، أَوْ: وَفَرَتْ عَلَى جِلْدِهِ، حَتّٰى تُخْفِيَ بَنَانَهُ، وَتَعْفُوَ أَثَرَهُ، وَأَمَّا الْبَخِيلُ فَلَا يُرِيدُ أَنْ يُنْفِقَ شَيْئًا، إِلَّا لَزِقَتْ

كُلُّ حَلْقَةٍ مَكَانَهَا، فَهُوَ يُوَسِّعُهَا فَلاَ تَتَّسِعُ"

تَابَعَهُ الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، فِي الْجُبَّتَيْنِ. [انظر: ۱۴۴۴، ۲۹۱۷، ۵۲۹۹، ۵۷۹۷]

[۱۴۴۴-] وَقَالَ حَنْظَلَةُ، عَنْ طَاوُسٍ: "جُنَّتَانِ" وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرٌ، عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "جُنَّتَانِ"[راجع: ۱۴۴۳]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: بخیل اور خیرات کرنے والے کی حالت ان دو شخصوں جیسی ہے، جنھوں نے لوہے کے دو کُرتے پہن رکھے ہوں، ان کی چھاتیوں سے ان کی ہنسلیوں تک، پس رہا خرچ کرنے والا: پس نہیں خرچ کرتا وہ مگر وہ کرتا اس کے پورے بدن کو ڈھانپ لیتا ہے یا فرمایا: ان کے بدن پر پھیل جاتا ہے یہاں تک کہ چھپاتا ہے وہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو اور مٹاتا ہے اس کے نشاناتِ قدم کو، اور رہا بخیل: پس نہیں ارادہ کرتا وہ کچھ خرچ کرنے کا مگر ہر حلقہ اس کی جگہ چپک جاتا ہے پس وہ اس کو ڈھیلا کرتا ہے مگر وہ ڈھیلا نہیں ہوتا۔

لغات: الثَّدْيُ: پستان: مرد یا عورت کا، جمع ثُدِيّ .... التَّرْقُوَة: ہنسلی، جمع التراقی .... الجُنَّة: زرہ، لوہے کا کُرتا جو جنگ میں پہنتے ہیں .... تعفُوَ أثَرَهُ: مٹاتا ہے اس کے نشانِ قدم کو یعنی کُرتا لمبا ہوکر زمین پر گھسٹتا ہے اور قدموں کے نشانات کو مٹا دیتا ہے۔

حدیث کے ایک لفظ میں اختلاف

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ان سے طاؤس اور عبد الرحمٰن بن ہرمز روایت کرتے ہیں، پھر طاؤس سے ان کے صاحبزادے عبداللہ اور حنظلہ بن ابی سفیان روایت کرتے ہیں، عبداللہ کی روایت میں جُبَّتان (دو کُرتے) ہے اور حسن بن مسلم ان کے متابع ہیں یعنی وہ بھی جبتان روایت کرتے ہیں، اور حنظلہ جُنَّتَان (دو زرہیں) روایت کرتے ہیں، اسی طرح عبد الرحمٰن بن ہُرمُز سے ابو الزناد اور جعفر روایت کرتے ہیں، ابو الزناد کی روایت میں جبتان ہے اور جعفر کی روایت میں جُنتان ہے اور، یہی صحیح ہے، کڑیاں زرہ میں ہوتی ہیں۔

بَابُ صَدَقَةِ الْكَسْبِ وَالتِّجَارَةِ

کمائی اور بزنس میں سے خیرات کرنا

جو شخص تجارت کرتا ہے اس کو اپنے کاروبار میں سے صدقہ کرتے رہنا چاہئے، یا کوئی اور ذریعہ معاش ہے مثلاً نوکری کرتا ہے تو اپنی تنخواہ میں سے یا کھیتی باڑی کرتا ہے تو پیداوار میں سے صدقہ کرنا چاہئے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: يَامَعْشَرَ التُّجَّار! إِنَّ الشَّيطان والإثم يَحْضُرَانِ البيعَ فَشُوبُوْا بيعَكم بالصدقة: اے تاجرو! کاروبار میں شیطان اور گناہ دونوں موجود

رہتے ہیں، پس تم اپنے کاروبار کی صدقہ کے ساتھ ملونی کرو (ترمذی حدیث ۱۱۹۳)

لوگ عام طور پر خرید وفروخت میں کچھ نہ کچھ جھوٹ بولتے ہیں اور نوکری پیشہ لوگ اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرتے ہیں، جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے، اور صدقہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو کم کرتا ہے اس لئے کمائی میں سے خیرات کرتے رہنا چاہئے تاکہ نادانستہ جو بات ہوگئی ہو وہ ڈھل جائے، ارشاد پاک ہے: ''اے ایمان والو! جو کچھ تم کماتے ہو اس میں سے پاکیزہ چیزیں خرچ کرو اور جو کچھ ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں اس میں سے بھی، یعنی جو کچھ تم تجارت سے اور دوسرے جائز طریقوں سے کماتے ہو اور جو کچھ تمہیں زمین میں سے پیداوار کی شکل میں ملتا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں راہِ خدا میں خرچ کرو اور ردّی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو، تم (اس کو) خرچ کرتے ہو، حالانکہ تم کبھی اس کو لینے والے نہیں، ہاں چشم پوشی کر جاؤ (تو اور بات ہے) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ستودہ ہیں۔

[۲۹-] بَابُ صَدَقَةِ الْكَسْبِ وَالتِّجَارَةِ

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ [البقرة: ۲۶۷]

بَابٌ: عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَعْمَلْ بِالْمَعْرُوْفِ

ہر مسلمان خیرات کرے، اور جو نہ پائے وہ نیک کام کرے

ہر مسلمان کو خیرات کرنی چاہئے اور اگر غریب ہے، خیرات کی استطاعت نہیں رکھتا تو نیک کام کرے یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ ہر نیک کام پر صدقہ کا اطلاق ہوتا ہے اگرچہ حقیقی صدقہ راہِ خدا میں مال خرچ کرنا ہے، پس نیک کام حکماً صدقہ ہیں اس لئے جس میں خیرات کرنے کی استطاعت نہ ہو اس کو نیک کام کرنے چاہئیں۔

[۳۰-] بَابٌ: عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَعْمَلْ بِالْمَعْرُوْفِ

[۱۴۴۵-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ" فَقَالُوْا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! فَمَنْ لَمْ يَجِدْ؟ فَقَالَ: "يَعْمَلُ بِيَدِهِ، فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ، وَيَتَصَدَّقُ" قَالُوْا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: "يُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ" قَالُوْا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: "فَلْيَعْمَلْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلْيُمْسِكْ عَنِ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا لَهُ صَدَقَةٌ" [انظر: ۶۰۲۲]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے'' لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اگر کسی میں صدقہ کرنے کی استطاعت نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا: ''اپنے ہاتھ سے کام کرے یعنی مزدوری کرے پس خود بھی فائدہ اٹھائے اور

صدقہ بھی کرے" لوگوں نے عرض کیا: اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو؟ آپؐ نے فرمایا: "غمگین ضرورت مند کی مدد کرے" (الْمَلْهُوف: غمگین، جس کا مال ضائع ہو گیا ہو یا کوئی رشتہ دار فوت ہو گیا ہو جلّ ملهوف القلب: سوختہ دل آدمی) صحابہ نے عرض کیا: اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو؟ آپؐ نے فرمایا: "نیک کام کرے اور برائی سے رکے یہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے"

تشریح: جس طرح نیک کام کرنے پر ثواب ملتا ہے برائی سے رکنے پر بھی ثواب ملتا ہے، مگر برائی سے رکنے پر ثواب اس وقت ملتا ہے جب برائی کا موقع ہو اور برائی نہ کرے، مثلاً جھوٹ بولنے کا موقع ہو مگر جھوٹ نہ بولے، یا زنا کا موقع ہو اور زنا نہ کرے تو ثواب ملے گا۔

بابٌ: قَدْرُ كَمْ يُعْطَى من الزَّكَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ وَمَنْ أَعْطَى شَاةً

زکات خیرات کی کتنی مقدار دینی چاہئے؟ اور جو پوری بکری دے

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی غریب کو زکات دیں تو کتنی مقدار دینی چاہئے؟ فقہ میں لکھا ہے کہ ایک ساتھ اتنی زکات دینا کہ غریب صاحب نصاب بن جائے مکروہ ہے۔ نصاب سے کم زکات دینی چاہئے، مگر کبھی غریب کو بڑی رقم کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً: آپریشن کروانا ہے، دو لاکھ کا خرچہ ہے یا مکان بنوانا ہے، اس کے لئے بڑی رقم کی ضرورت ہے، تو علماء نے لکھا ہے کہ تھوڑی تھوڑی رقم دے پھر جب پہلی رقم خرچ ہو جائے تو دوسری رقم دے مگر کبھی اس سے کام نہیں چلتا، ایک ساتھ پوری رقم جمع کرنی ہوتی ہے، پس ایسی مجبوری میں نصاب سے زیادہ بھی زکات دے سکتے ہیں، کیونکہ نصاب سے زیادہ زکات دینا مکروہ ہے مگر زکات ادا ہو جاتی ہے، اور یہاں عذر ہے پس نصاب سے زیادہ زکات دینے کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ مسئلہ کہ غریب کو کتنی زکات دے سکتے ہیں؟ منصوص نہیں بلکہ اجتہادی ہے اور حدیث شریف میں ایک واقعہ آیا ہے، حضرت رحمہ اللہ نے ومن أعطی شاۃ سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، نبی پاک ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو جن کا نام نُسیبہ تھا زکات کی ایک بکری دی تھی، انھوں نے وہ بکری ذبح کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کا گوشت ہدیہ بھیجا، جب نبی ﷺ گھر میں تشریف لائے تو آپؐ نے پوچھا: تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ صدیقہؓ نے عرض کیا: کچھ نہیں ہے، ہاں نسیبہؓ نے اس بکری کا گوشت بھیجا ہے جو آپؐ نے ان کو زکات میں دی تھی، نبی ﷺ نے فرمایا: هَاتِ، فقد بَلَغَتْ مَحِلَّها: لاؤ، کیونکہ زکات اس کے اترنے کی جگہ میں پہنچ گئی، یعنی جب تک زکات غریب کو نہیں دی جاتی: زکات ہے لیکن جب غریب نے زکات پر قبضہ کر لیا تو اب وہ زکات نہیں رہی، کیونکہ ملکیت بدل گئی، اب وہ کسی مالدار کو ہدیہ دے تو اس کے لئے وہ جائز ہے۔

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حضرت رحمہ اللہ نے باب میں اضافہ کیا ہے کہ ایک بکری زکات میں دینے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ ایک بکری نصاب سے کم ہے، نصاب چالیس بکریوں سے بنتا ہے۔

[۳۱-] بابٌ: قَدْرُ كَمْ يُعْطَى من الزَّكَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ وَمَنْ أَعْطَى شَاةً

[۱۴۴۶-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ شِهَابٍ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: بُعِثَ إِلَى نُسَيْبَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ بِشَاةٍ، فَأَرْسَلَتْ إِلَى عَائِشَةَ مِنْهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "عِنْدَكُمْ شَيْئٌ" فَقَالَتْ: لَا، إِلَّا مَا أَرْسَلَتْ بِهِ نُسَيْبَةُ مِنْ ذٰلِكَ الشَّاةِ، فَقَالَ: "هَاتِ، فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا" [انظر: ۱۴۹۴، ۲۵۷۹]

بَابُ زَكَاةِ الْوَرِقِ

چاندی کی زکات

ورِق (بکسر الراء) کے معنی ہیں: چاندی جس کا سکہ نہ ڈھالا گیا ہو، مگر مراد عام ہے خواہ چاندی مضروبہ (ڈھلی ہوئی) ہو یا غیر مضروبہ، سب کا ایک حکم ہے اور چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ یعنی دوسو درہم ہیں جن کی چھ سو بارہ گرام چاندی بنتی ہے اس سے کم میں زکات واجب نہیں، اس کے بعد دو باتیں سمجھنی ہیں:

پہلی بات: سونا اور چاندی دونوں خلقی ثمن ہیں، اس لئے دونوں میں زکات واجب ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، البتہ سونے کا کوئی مستقل نصاب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، کچھ حضرات کہتے ہیں کہ سونے کا کوئی مستقل نصاب نہیں سونا چاندی پر محمول ہے یعنی چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کے بقدر سونا ہو تو اس میں زکات واجب ہے، شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے اور متقدمین میں سے بھی کئی حضرات کی یہی رائے تھی، لیکن جمہور کے نزدیک سونے کا مستقل نصاب ہے اس میں قیمت کا اعتبار نہیں، ساڑھے سات تولہ (بیس مثقال) یعنی ستاسی گرام پوئنٹ پندرہ (87.15) سونے کا نصاب ہے، اور جمہور کی دلیل تین حدیثیں ہیں:

پہلی حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ سونے میں کچھ واجب نہیں تا آنکہ وہ بیس دینار ہو جائے، پھر اگر کسی کے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں آدھا دینار واجب ہے، اس روایت کو ابن وہب مصری نے مرفوع کیا ہے اور شعبہ اور ثوری وغیرہ نے موقوف کیا ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے یعنی کوئی جرح نہیں کی۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے حسن یا صحیح کہا ہے، اور زیلعی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے (ابوداؤد حدیث ۱۵۷۳ باب زکاۃ السائمۃ، نصب الرایہ ۲: ۳۲۸)

دوسری حدیث: حضرات عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی ﷺ ہر بیس دینار یا زیادہ میں سے آدھا دینار لیتے تھے، اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن اسماعیل بن مجمّع انصاری ہے جو ضعیف ہے، مگر بہت ضعیف

نہیں، بخاری میں اس کی روایت تعلیقاً ہے (ابن ماجہ حدیث ۱۷۹۱ باب زکاۃ الورق والذھب)

تیسری حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دوسو درہم سے کم میں کچھ نہیں، اور سونے کے بیس مثقال سے کم میں کچھ نہیں۔ حافظ رحمہ اللہ نے درایہ میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے، یہ حدیث ابوعبیدؒ اور ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں روایت کی ہے (نصب الرایہ ۲: ۳۶۹، مغنی ابن قدامہ ۲: ۵۹۹)

مذکورہ روایات اگرچہ الگ الگ ضعیف ہیں، مگر ضعف شدید نہیں، اور مل کر ایک قوت حاصل کر لیتی ہیں اس لئے قابل استدلال ہیں، چنانچہ فتوی جمہور کے قول پر ہے کہ سونے کا مستقل نصاب ہے چاندی کے نصاب پر محمول نہیں۔

مگر یہ فتوی اس صورت میں ہے جبکہ کسی کے پاس صرف سونا ہو، اور اگر سونے کے ساتھ کچھ چاندی یا روپے بھی ہوں تو پھر سونے کی قیمت لگا کر روپیوں کے ساتھ ملا کر چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوجائیں تو زکات واجب ہے، اس صورت میں سونے کو مستقل جنس شمار نہیں کرتے۔

حالانکہ جمہور نے جب سونے کا مستقل نصاب مان لیا تو وہ مستقل جنس ہوگئی، پس جس طرح بکریوں کو اونٹوں کے ساتھ نہیں ملاتے، اسی طرح سونے کو بھی چاندی کے ساتھ نہیں ملانا چاہئے، مگر فتوی ملانے کا ہے۔

اسی طرح کرنسیاں ثمن عرفی ہیں، کاغذ کے نوٹ حکومتوں کے اعتماد پر زر بنے ہیں، البتہ ان کے پیچھے سونا چاندی ہیں، نوٹ ان کی نمائندگی کرتے ہیں، اس سلسلہ میں بھی مفتیانِ کرام چاندی ہی کا اعتبار کرتے ہیں، اگر چاندی کے نصاب کے بقدر کرنسی ہوجائے تو اس میں وجوب زکات کا فتوی دیتے ہیں۔

حالانکہ نوٹ دو طرح کے ہیں: ہلکے اور بھاری۔ جیسے انڈیا، پاکستان اور بنگلہ دیش کی کرنسی ہلکی کرنسی ہے اور کویتی دینار، پاؤنڈ، ڈالر اور یورو بھاری کرنسیاں ہیں۔ پس ہلکی کرنسی کو تو چاندی پر محمول کرنا چاہئے، کیونکہ چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت قابل لحاظ مال ہوتی ہے، اور بھاری کرنسی کو سونے پر محمول کرنا چاہئے، ستاسی گرام سونے کی قیمت قابل لحاظ مال ہے، چاندی کے نصاب پر محمول نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ قابل لحاظ مال نہیں، اسی طرح اموال تجارت کا حکم ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم

دوسری بات: سونے چاندی اور اموال تجارت میں زکات چالیسواں یعنی ڈھائی فیصد ہے، اور یہ مقدار زکات کی تمام مقداروں سے کم ہے، جو اموال گردش میں رہتے ہیں شریعت مطہرہ نے ان میں زکات کم رکھی ہے اور جو گردش میں نہیں رہتے ان میں نسبتاً زکات زیادہ رکھی ہے، کھیت میں دس من پیداوار ہو تو ایک من عشر واجب ہوگا یعنی دس فیصد اور سونے چاندی کرنسی اور اموال تجارت میں چالیس فیصد زکات ہے، کیونکہ زمین میں سال بھر میں ایک دو مرتبہ پیداوار ہوتی ہے اس لئے اس میں زکات زیادہ رکھی ہے اور سونا چاندی وغیرہ اموال گردش میں رہتے ہیں خرچ ہوتے رہتے ہیں، نیز وہ قابل رغبت اموال ہیں، اس لئے اگر لوگوں کو ان میں سے بہت مقدار خرچ کرنے کے لئے کہا جائے گا تو ان پر بوجھ پڑے گا، اس لئے ان کی زکات تمام زکوتوں سے کم رکھی ہے۔

[۳۲-] بَابُ زَكَاةِ الْوَرِقِ

[١٤٤٧-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ مِنَ الإِبِلِ، وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَادُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ"

حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، سَمِعَ أَبَاهُ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِهٰذَا. [راجع: ١٤٠٥]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اونٹوں کے پانچ سے کم ریوڑ میں زکات نہیں، یعنی اونٹوں کا چھوٹا ریوڑ جس میں زکات واجب ہے پانچ کا ہے اس سے کم میں زکات نہیں اور پانچ میں ایک بکری واجب ہے، اور پانچ اوقیوں (دوسو درہم) سے کم میں زکات نہیں اور پانچ وسق (تین سوصاع) سے کم پیداوار میں زکات نہیں۔

ملحوظہ: اس حدیث میں تین مسئلے ہیں، باب سے متعلق دوسرا مسئلہ ہے اور باقی دو مسئلے آگے آئیں گے۔ اور یہ عمرو بن یحیٰ مازنی کی حدیث ہے ان سے امام مالک رحمہ اللہ بھی روایت کرتے ہیں اور یحیٰ بن سعید انصاری بھی۔

بَابُ الْعَرْضِ فِي الزَّكَاةِ

زکات میں سامان دینا

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ زکات میں استبدال جائز ہے یا نہیں؟ یعنی مال کی جس جنس میں زکات واجب ہوئی ہے اس کے علاوہ کے ذریعہ زکات ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً سونے چاندی یا کرنسی میں زکات واجب ہوئی اور زکات میں کتابیں دی جائیں، یا کتابوں میں زکات واجب ہوئی اور زکات میں کرنسی دی جائے یا لحاف بنوا کر تقسیم کئے جائیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس چیز میں زکات واجب ہوئی ہے وہی چیز دینی ضروری ہے، استبدال جائز نہیں۔ اور احناف کے نزدیک استبدال جائز ہے، امام بخاری رحمہ اللہ احناف کے ساتھ ہیں۔

دلائل:

ا- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے گورنر تھے، وہاں جو مسلمان آباد تھے ان سے حضرت معاذؓ نے فرمایا: پیداوار میں جو عشر یا نصف عشر واجب ہے اس میں جو اور مکئی دینے کے بجائے خمیس اور لبیس (کپڑے) دو۔

خمیس: وہ کپڑا جو پانچ ہاتھ لمبا ہو، اور لبیس بمعنی ملبوس ہے یعنی ہر وہ کپڑا جو پہنا جائے، یمن میں گھر گھر کپڑا تیار ہوتا تھا اور ان کے لئے کپڑا دینا آسان تھا اس لئے حضرت معاذؓ نے فرمایا: عشر میں کپڑا دو اس میں تمہارے لئے بھی سہولت

ہے اور جب وہ کپڑا مدینہ پہنچے گا تو نبی ﷺ کے اصحاب کے لئے بھی مفید اور کارآمد ہوگا۔ غرض حضرت معاذؓ نے پیداوار کے بدلہ میں کپڑا لیا، معلوم ہوا کہ زکات میں استبدال جائز ہے۔

۲- نبی ﷺ نے مدینہ اور قرب وجوار کی زکوتیں وصول کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، کام مکمل کر کے انھوں نے رپورٹ دی کہ سب کی زکوتیں وصول ہوگئیں، صرف حضرت عباسؓ حضرت خالدؓ اور ابن جمیل نے زکات نہیں دی، آپؐ نے فرمایا: ابن جمیل کنگال تھا، اس نے مجھ سے دعا کروائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو نواز دیا، اب اس کو اللہ کا حق دینا بھی بھاری معلوم ہوتا ہے یعنی ابن جمیل سے ناراضگی ظاہر فرمائی، اور حضرت عباس اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما کی طرف سے صفائی دی، آپؐ نے فرمایا: عباسؓ سے میں دوسال کی پیشگی زکات وصول کر چکا ہوں، اس لئے وہ میرے ذمہ ہے[1] اور خالدؓ نے اپنی زکات سے زرہیں (فولاد کے کُرتے جو لڑائی میں پہنے جاتے ہیں) اور دیگر سامان جنگ خرید کر رکھ لیا ہے تا کہ مجاہدین کو جب وہ جنگ کے لئے جائیں یہ چیزیں دیں، غرض حضرت خالدؓ زکات سے آلات حرب خرید کر مجاہدین کو دیتے تھے، معلوم ہوا کہ استبدال جائز ہے۔

۳- ایک مرتبہ نبی ﷺ نے عید کی نماز کے بعد خطبہ دیا پھر عورتوں کے مجمع کے قریب تشریف لے گئے اور ان کو وعظ ونصیحت فرمائی اور خاص طور پر صدقہ کی ترغیب دی، آپؐ نے فرمایا: ''خیرات دو چاہے زیورات میں سے ہو'' چنانچہ عورتوں نے جو زیورات پہن رکھے تھے یعنی کان کی بالیاں اور گلے کے ہار وغیرہ اتار اتار کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالنا شروع کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے کوئی تفصیل نہیں کی کہ نفلی خیرات میں زیور دیں اور جن پر زکات واجب ہے وہ زیور نہ دیں بلکہ جس مال میں زکات واجب ہوئی ہے وہی مال زکات میں دیں، ایسی کوئی تفصیل نہیں فرمائی۔ معلوم ہوا کہ سامان کی زکات میں سونا چاندی اور سونے چاندی کی زکات میں سامان دے سکتے ہیں —— مگر اس واقعہ میں بہ ظاہر نفلی صدقہ مراد ہے، زکات مراد نہیں، لہٰذا اس واقعہ سے استدلال ذرا مشکل ہے۔

۴- نبی ﷺ نے اموال زکات اور ان کے نصاب کے سلسلہ میں ایک تحریر لکھوائی تھی تا کہ عاملین (سفراء) کو اس کی نقلیں دی جائیں، اور وہ اس کے حساب سے زکات وصول کریں، آپؐ کے وصال کے بعد وہ تحریر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

---

(۱) نبی ﷺ کے پاس باہر سے جو لوگ مسلمان ہونے کے لئے یا بیعت ہونے کے لئے یا دین سیکھنے کے لئے آتے تھے اور وہ غریب ہوتے تھے تو آپؐ زکات کے مال سے ان کی مدد کرتے تھے مگر کبھی بیت المال خالی ہوتا تھا اور کوئی ایسا نادار آجاتا تھا جس کی مدد ضروری ہوتی تھی تو آپؐ قرض لے کر اس کی مدد فرماتے تھے، پھر جب زکات وصول ہوتی تو قرض ادا کر دیتے، ایک مرتبہ آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے قرض مانگا، وہ جانتے تھے کہ آپؐ اپنے لئے قرض نہیں لے رہے، چنانچہ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ پر سال پورا ہونے پر جو زکات واجب ہوگی اگر وہ زکات میں ابھی دیدوں تو کیا یہ جائز ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جائز ہے، چنانچہ حضرت عباسؓ نے پیشگی دوسال کی زکات دیدی۔

کے پاس تھی، انھوں نے سفراء کو اس کی نقلیں دیں، ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ زکات وصول کرنے کے لئے گئے تو ان کو بھی نقل دی، اس تحریر میں ایک بات یہ تھی کہ اگر کسی پر بنت مخاض (اونٹنی کا ایک سالہ مادہ بچہ) واجب ہوا ہو اور اس کے ریوڑ میں بنت مخاض نہ ہو اور بنت لبون (دو سالہ مادہ بچہ) ہو تو عامل بنت لبون لیلے اور مالک کو بیس درہم یا دو بکریاں پھیر دے، بنت مخاض کی قیمت کم ہوتی ہے اور بنت لبون کی زیادہ اس لئے زائد قیمت واپس کی جائے، اور کسی کے پاس بنت لبون نہ ہو بلکہ ابن لبون (دو سالہ مذکر بچہ) ہو تو وہ لے لے اور کچھ واپس نہ کرے، کیونکہ بنت مخاض اور ابن لبون کی قیمت برابر ہوتی ہے۔ یہ بنت مخاض کی جگہ بنت لبون یا ابن لبون لینا ہی استبدال ہے۔

ملحوظہ: امام شافعیؒ کے نزدیک بعض مسائل میں تنگی ہے، مثلاً: ان کے نزدیک نمازی کے بدن اور کپڑے پر ذرا بھی نجاست معاف نہیں، اسی طرح وہ فرماتے ہیں: قرآنِ کریم میں زکات کے جو آٹھ مصارف ہیں ان میں سے کم از کم تین مصارف میں اور ہر مصرف میں سے کم از کم تین شخصوں کو زکات دینا ضروری ہے اسی طرح جہاں مال ہے وہیں کے غریبوں کو دینا ضروری ہے، دوسری جگہ بھیجنا جائز نہیں، اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ زکات میں استبدال جائز نہیں اس پر بھی عمل کرنا مشکل ہے۔

اسی طرح ہر فقہ میں کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں جن میں اہل مذہب تنگی محسوس کرتے ہیں، اور یہ منصوص مسائل نہیں ہوتے، بلکہ مستنبط مسائل ہوتے ہیں، ایسے مسائل یا تو رفتہ رفتہ مضمحل ہو جاتے ہیں، یا مفتیانِ کرام دوسرے مجتہدین کے مسلک پر فتوی دیتے ہیں، جیسے مفقود کے مسئلہ میں احناف نے مالکیہ کے مذہب پر فتوی دیا ہے۔

[۳۳-] بَابُ الْعَرْضِ فِي الزَّكَاةِ

[۱-] وَقَالَ طَاوُسٌ: قَالَ مُعَاذٌ لِأَهْلِ الْيَمَنِ: ائْتُونِيْ بِعَرْضٍ ثِيَابٍ: خَمِيْصٍ أَوْ لَبِيْسٍ فِي الصَّدَقَةِ مَكَانَ الشَّعِيْرِ وَالذُّرَةِ، أَهْوَنُ عَلَيْكُمْ، وَخَيْرٌ لِأَصْحَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالْمَدِيْنَةِ.

[۲-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " وَأَمَّا خَالِدٌ فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتُدَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

[۳-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ" فَلَمْ يَسْتَثْنِ صَدَقَةَ الْفَرْضِ مِنْ غَيْرِهَا، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِيْ خُرْصَهَا وَسِخَابَهَا، وَلَمْ يَخُصَّ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ مِنَ الْعُرُوْضِ.

[۱۴۴۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ثُمَامَةُ، أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ الَّتِيْ أَمَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ: " وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَةَ بِنْتِ مَخَاضٍ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ، وَعِنْدَهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ، وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلَى وَجْهِهَا، وَعِنْدَهُ ابْنُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ، وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ"

[انظر: ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۲۴۸۷، ۳۱۰۶، ۵۸۷۸، ۶۹۵۵]

[١٤٤٩-] حدثنا مُؤَمَّلٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَشْهَدُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: لَصَلّٰى قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَرَأَى أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ، فَأَتَاهُنَّ، وَمَعَهُ بِلاَلٌ نَاشِرٌ ثَوْبَهُ، فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ أَنْ يَتَصَدَّقْنَ فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي، وَأَشَارَ أَيُّوْبُ إِلَى أُذُنِهِ وَإِلَى حَلْقِهِ. [راجع: ٩٨]

قولہ بِعَرْضِ ثِیَابٍ: اضافت کے بغیر، ثیاب: یا تو بدل ہے یا عطف بیان ہے اور اضافت بیانیہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ....خمیص (بالصاد) سیاہ مربع چادر اور مشہور سین کے ساتھ خمیس ہے: وہ کپڑا جو پانچ ہاتھ لمبا ہو اور لبیس: ملبوس کے معنی میں ہے یعنی ہر وہ کپڑا جو پہنا جائے .... الدُّرَۃ: بکی .... خُرْص: کان کی بالی ،سِخاب: گلے کا ہار۔

حدیث انسؓ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو وہ تحریر لکھ کر دی جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا یعنی نبی ﷺ نے جو تحریر لکھوائی تھی، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، اس کی نقل حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دی، اس تحریر میں ایک بات یہ تھی: اور جس پر بنت مخاض واجب ہو اور اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو اور اس کے پاس بنت لبون ہو تو اس سے بنت لبون لی جائے، اور صدقہ وصول کرنے والا اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے، اور اگر اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو جیسی اس پر واجب ہوئی ہے یعنی ایک سالہ اور اس کے پاس ابن لبون ہو تو اس سے ابن لبون لیا جائے اور اس کے ساتھ کچھ نہیں، یعنی اس صورت میں عامل کچھ واپس نہیں کرے گا، یہ جو بنت مخاض کی جگہ بنت لبون یا ابن لبون لیا ہے یہی استبدال ہے۔

بَابٌ: لاَ يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلاَ يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ

جدا مویشی کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھا کو جدا نہ کیا جائے

یہ حدیث ہی کے الفاظ ہیں اور لاَ يُجْمَعُ اور لاَ يُفَرَّقُ مضارع منفی ہیں فعل نہی نہیں ہیں، مضارع منفی اور نہی کے درمیان لفظی فرق یہ ہے کہ مضارع منفی پر پیش آتا ہے اور نہی پر جزم، اور معنوی فرق یہ ہے کہ مضارع منفی خبر ہوتی ہے اور فعل نہی انشاء۔ احناف کے نزدیک دونوں مضارع منفی ہیں اور اس میں مالکان مویشی سے بھی خطاب ہے اور ساعی (زکات وصول کرنے والے) سے بھی، مالکانِ مویشی سے کہا گیا کہ جو مواشی جدا ہیں ان کو زیادہ زکات واجب ہونے کے اندیشہ سے جمع نہ کیا جائے، مثلاً دو شخصوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں ان میں دو بکریاں واجب ہیں لیکن اگر وہ جمع کر کے ایک کی بکریاں بتائیں تو ایک بکری واجب ہوگی، ایسی حیلہ بازی نہ کی جائے، اسی طرح جو مواشی جمع ہیں ان کو وجوب زکات کے اندیشہ سے جدا نہ کیا جائے، مثلاً ایک شخص کی چالیس بکریاں ہیں اور دوسرے کی بیس، اول پر ایک بکری واجب ہے اور دوسرے پر کچھ نہیں۔ اب اگر پہلا شخص اپنی چند بکریاں دوسرے کے ریوڑ میں ملا دے تو دونوں پر زکات واجب نہ ہوگی۔ حدیث میں ایسا فریب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اور ساعی سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ زیادہ زکات وصول کرنے کی غرض سے جمع وتفریق نہ کرے مثلاً دو بھائیوں کے پاس انصافاً دوسو دو بکریاں ہیں اور متفرق ہیں، پس ہر ایک پر ایک بکری واجب ہے، ساعی ان کو جمع کرائے اور دوسو دو میں سے تین بکریاں لے: ایسا نہ کرے، بلکہ ملکیت کا اعتبار کر کے زکات لے، یا دو بھائیوں کی ملی ہوئی اسّی بکریاں ہیں، ساعی دو بکریاں لینے کے لئے ان کو جدا کرائے اس سے منع کیا گیا۔

غرض احناف کے نزدیک لایجمع اور لایفرق فعل مضارع منفی ہیں، فعل نہی نہیں ہیں، پس یہ ارشاد انشاء نہیں بلکہ اخبار ہے یعنی جمع وتفریق کے بارے میں خبر دی گئی کہ وہ لغو عمل ہے، زکات پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، زکات کا مدار ملکیت پر ہے جس کی جتنی ملکیت ہوگی اس کے اعتبار سے زکات لی جائے گی، خواہ جانور جمع ہوں یا متفرق۔

اور ائمہ ثلاثہ: لایُجمع اور لایُفرّق کو نہی مانتے ہیں کیونکہ اخبار انشاء کو متضمن ہوتے ہیں۔ اور وہ نہی کا تعلق صرف ساعی سے کرتے ہیں، کیونکہ مالکان کو جمع وتفریق کا ہر وقت اختیار ہے، خواہ ان کی نیت کچھ بھی ہو، اور ان کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر جانور متفرق ہوں اور زکات واجب نہ ہوتی ہو یا کم واجب ہوتی ہو تو ساعی زکات کی خاطر ان کو جمع نہ کرائے، اور جمع ہوں تو جدا نہ کرائے، جس حال میں ہوں اس کا اعتبار کر کے زکات وصول کرے۔

زکات میں خُلطہ کا اعتبار ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا اختلاف اس پر مبنی ہے کہ باب زکات میں خلطہ کا اعتبار ہے یا نہیں؟ خلطہ (بالضم) کے معنی ہیں: شرکت، خاص طور پر مواشی میں شرکت، پھر خلطہ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: خلطۃ الشیوع: جس کو خلطۃ الاعیان اور خلطۃ الاشتراک بھی کہتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ میراث میں ملنے کی وجہ سے یا بخشش میں ملنے کی وجہ سے، یا مشترک رقم سے خریدنے کی وجہ سے مویشی دو آدمیوں میں مشترک (غیر منقسم) ہوں، مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ایک سو بیس بکریاں چھوڑیں اور وارث ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہیں تو بھائی بہن اَثلاثاً ان بکریوں کے مالک ہونگے، اور جب تک وہ بکریاں تقسیم نہیں ہونگی ان میں خلطۃ الشیوع ہوگا۔

دوسری قسم: خلطۃ الجوار ہے جس کو خلطۃ الاوصاف بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کے جانور ملکیت میں متمائز (جدا جدا) ہوں مگر دس باتوں میں (عند الشافعی) اور چھ باتوں میں (عند مالک واحمد) مشترک ہوں [1]

---

(۱) امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک خلطۃ الجوار میں جن چھ باتوں میں اشتراک ہوتا ہے وہ یہ ہیں: (۱) چراگاہ (۲) باڑا (مویشیوں کے رہنے کی جگہ) (۳) چرواہا (۴) دودھ دوہنے کا برتن (۵) بجار (وہ نر جو نسل کشی کے لئے ریوڑ میں رکھا جاتا ہے) (۶) پانی پینے کی جگہ حوض، نہر وغیرہ۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مزید یہ چار چیزیں ضروری ہیں: (۱) کتا (جو ریوڑ کی حفاظت کے لئے رکھا جاتا ہے) (۲) چراگاہ جانے اور لوٹنے کا راستہ (۳) دودھ دوہنے والا (۴) خلطہ کی نیت، اگر اتفاقاً اشتراک ہو گیا ہو تو وہ خلطہ نہیں ۱۲

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: دونوں خلطوں سے دو یا چند مالکوں کے مواشی کَمَالِ رجلٍ واحدٍ (ایک شخص کے مال کی طرح) ہوجاتے ہیں اور خلطہ: وجوبِ زکات اور تقلیل وتکثیر زکوۃ پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وجوبِ زکات کے لئے شرط یہ ہے کہ ہر مالک کی ملکیت بقدر نصاب ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

نفسِ وجوب کی مثال: دو آدمیوں کی چالیس بکریاں ہوں اور کوئی بھی خلطہ ہو تو امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایک بکری واجب ہوگی۔ اور امام مالک اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ ہر مالک کی ملکیت نصاب سے کم ہے۔

تکثیر کی مثال: دو شخصوں کی انصافا دو سو دو بکریاں ہوں اور کوئی بھی خلطہ ہو تو تین بکریاں واجب ہونگی، اور اگر خلطہ نہ ہو تو ہر ایک پر ایک بکری واجب ہوگی، پس خلطہ کی وجہ سے زکات زیادہ ہوگئی۔

تقلیل کی مثال: تین شخصوں کی ایک سو بیس بکریاں ہوں اور کوئی بھی خلطہ ہو تو ایک بکری واجب ہوگی، اور خلطہ نہ ہو تو تین بکریاں واجب ہونگی، پس خلطہ کی وجہ سے زکات کم ہوگئی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلطہ کا مطلق اعتبار نہیں یعنی خلطہ جائز تو ہے مگر باب زکات میں اس کا اعتبار نہیں نہ وجوب میں، نہ تقلیل میں اور نہ تکثیر میں۔ حنفیہ کے نزدیک اعتبار ملکیت کا ہے، چنانچہ پہلی صورت میں کچھ واجب نہ ہوگا، کیونکہ ہر ایک کی ملکیت نصاب سے کم ہے اور دوسری صورت میں دو بکریاں واجب ہونگی، کیونکہ ہر ایک: ایک سو ایک کا مالک ہے اور تیسری صورت میں تین بکریاں واجب ہونگی کیونکہ ہر ایک کی ملک میں چالیس بکریاں ہیں۔

ملحوظہ: جمع وتفریق ملکیت میں مراد ہے مکان میں بالاتفاق مراد نہیں، کیونکہ مکان میں بالاجماع جمع وتفریق کی جائے گی، مثلاً ایک شخص کی چالیس بکریاں ایک چراگاہ میں چرتی ہیں اور دوسری چالیس دوسری چراگاہ میں تو دونوں کو جمع کر کے اسی میں سے ایک بکری لی جائے گی۔

[۳۴-] بَابٌ: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ

وَيُذْكَرُ عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلُهُ.

[۱۴۵۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ثُمَامَةُ، أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ، كَتَبَ لَهُ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ: خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ" [راجع: ۱۴۴۸]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے لکھی زکات کی تفصیل جو نبی ﷺ نے مقرر کی تھی (اس تحریر میں ایک بات یہ تھی) اور جمع نہ کیا جائے متفرق کے درمیان اور جدا نہ کیا جائے جمع کے

درمیان صدقہ کے ڈر سے۔

قولہ: خشیۃ الصدقۃ: دونوں فعلوں کا مفعول لہ ہے، اس میں تنازع فعلان ہے، پس ایک فعل کا ایسا ہی معمول محذوف مانا جائے گا۔

بَابٌ: مَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ

زکات میں جانور دوشریکوں میں سے کسی ایک سے لیا گیا ہوتو دونوں آپس میں ٹھیک لین دین کرلیں

یہ بھی حدیث کے الفاظ ہیں اور من خلیطین: جار مجرور ظرف مستقر ہیں، تقدیر عبارت: ماکان مأخوذا من خلیطین ہے۔ اور اس جملہ کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے اور یہ اختلاف پہلے جملہ میں اختلاف پر مبنی ہے:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: اس جملہ کا تعلق دونوں خلطوں سے ہے، مگر خلطۃ الشیوع میں کچھ لین دین نہیں ہوگا، صرف خلطۃ الجوار میں لین دین ہوگا، مثلاً زید کی چالیس بکریاں اور خالد کی چالیس بکریاں ہیں، اور دونوں نے خلطۃ الجوار کر رکھا ہے تو اسی میں سے ساعی ایک بکری لے گا پھر وہ جس کی بکریوں میں سے لے گا وہ اس کی آدھی قیمت دوسرے سے لے لیگا، کیونکہ دونوں پر آدھی آدھی بکری واجب ہوئی ہے، اور بکری ایک کے جانوروں میں سے لی گئی ہے پس اس کا مالک بکری کی آدھی قیمت اپنے ساتھی سے لے لیگا۔

اور احناف کے نزدیک: اس جملہ کا تعلق صرف خلطۃ الشیوع سے ہے، پس اگر اسی بکریاں انصافا ہوں تو دو بکریاں واجب ہونگی اور کچھ لین دین نہیں ہوگا، اور اثلاثا ہوں تو دوثلث والے پر ایک بکری واجب ہے اور ایک ثلث والے پر کچھ واجب نہیں، کیونکہ نصاب مکمل نہیں۔ پس جو ایک بکری زکات میں لی گئی، اس کا تہائی: دوثلث والا ایک ثلث والے کو دے گا، اور ایک سوبیس بکریاں اثلاثا ہوں تو دو بکریاں واجب ہونگی، پس دوثلث والا: ایک ثلث والے سے ایک بکری کا ثلث لیگا، کیونکہ اس کا ایک ثلث زائد گیا ہے، اور اکسٹھ اونٹ ہوں ایک کے پچیس اور دوسرے کے چھتیس اور خلطۃ الشیوع ہو یعنی املاک متمائزہ نہ ہوں تو ایک بنت مخاض اور ایک بنت لبون واجب ہوگی، پھر ۳۶ والا بنت لبون کے اکسٹھ حصوں میں سے پچیس حصے پچیس والے کو دے گا اور پچیس والا بنت مخاض کے اکسٹھ حصوں میں سے چھتیس حصے: چھتیس والے کو دے گا (یہ دونوں طرف سے لین دین ہوا)

[۳۵-] بَابٌ: مَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ

[۱-] وَقَالَ طَاوُسٌ وَعَطَاءٌ: إِذَا عَلِمَ الْخَلِيْطَانِ أَمْوَالَهُمَا فَلَا يُجْمَعُ مَالُهُمَا.

[۲-] وَقَالَ سُفْيَانُ: لَا تَجِبُ حَتّٰى يَتِمَّ لِهٰذَا أَرْبَعُوْنَ شَاةً وَلِهٰذَا أَرْبَعُوْنَ شَاةً.

[۱۴۵۱-] حدثنا محمد بن عبد الله، قال: حدثني أبي، قال: حدثني ثمامة، أن أنسا حدثه: أن أبا بكر كتب له التي فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم: " وما كان من خليطين، فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية" [راجع: ۱۴۴۸]

۱-حضرت طاؤس اور حضرت عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں: جب دونوں شریک اپنے مویشی پہچانتے ہوں یعنی املاک متمائزہ ہوں تو ان کے مویشی کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: یہ قول مجمل ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ خلطہ کی وجہ سے جو دو یا چند مالکوں کے مویشی کمالِ رجلِ واحد ہوتے ہیں وہ خلطۃ الشیوع میں ہوتے ہیں، خلطۃ الجوار میں نہیں ہوتے تو یہ قول من وجہ ائمہ ثلاثہ کے موافق ہوگا.........اور اگر یہ مطلب ہے کہ باہم لین دین خلطۃ الشیوع میں ہوگا، خلطۃ الجوار میں نہیں ہوگا کیونکہ جب املاک متمائزہ ہیں تو عامل ہر ایک کے مویشی میں سے زکات لے گا، پس اس صورت میں یہ قول حنفیہ کے موافق ہوگا۔

۲-سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دو یا چند مالکوں کے مویشی کو ایک آدمی کے مال کی طرح اس وقت قرار دیں گے جب ہر ایک کی ملکیت بقدر نصاب ہو، دو شخصوں کی چالیس بکریاں ہوں اور ان میں خلطہ ہو تو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اس کو کمال رجل واحد گردانتے ہیں، اور ان میں ایک بکری واجب کرتے ہیں، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: اس صورت میں کمال رجل واحد نہیں ہوں گے کیونکہ ہر ایک کی ملکیت نصاب سے کم ہے، اور دونوں کی چالیس چالیس بکریاں ہوں اور خلطہ ہو تو کمال رجل واحد گردانیں گے، امام مالکؒ اور امام بخاریؒ اسی کے قائل ہیں

بَابُ زَكَاةِ الإِبِلِ

اونٹوں کی زکات

اونٹوں میں زکات فرض ہے۔ جاننا چاہئے کہ سب جانوروں میں زکات فرض نہیں، صرف اونٹ بھیڑ بکری اور گائے بھینس میں زکات فرض ہے، اور شرط یہ ہے کہ جانور سائمہ ہوں یعنی سال بھر یا سال کا اکثر حصہ جنگل کی مباح گھاس پر گذارہ کرتے ہوں اور جن جانوروں کو خرید کر یا اگا کر چارہ کھلایا جاتا ہو وہ علوفہ ہیں، ان میں زکات فرض نہیں، نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ جانور زوائد وفوائد کے لئے پالے گئے ہوں، سواری، بار برداری یا ہل میں جوتنے کے لئے نہ ہوں، جو جانور ان مقاصد کے لئے ہوتے ہیں ان میں زکات واجب نہیں، وہ عوامل کہلاتے ہیں۔

[۳۶-] بَابُ زَكَاةِ الإِبِلِ

ذَكَرَهُ أَبُو بَكْرٍ، وَأَبُو ذَرٍّ، وَأَبُو هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۴۵۲-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْهِجْرَةِ، فَقَالَ: " وَيْحَكَ! إِنَّ شَأْنَهَا شَدِيْدٌ، فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ تُؤَدِّيْ صَدَقَتَهَا؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: " فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا "[انظر: ۲۶۳۳، ۳۹۲۳، ۶۱۶۵]

ترجمہ: ایک بدو نے نبی ﷺ سے ہجرت کی اجازت مانگی، آپؐ نے فرمایا: "باؤلے! ہجرت بہت بھاری عمل ہے!" یعنی آپؐ نے اس کو ہجرت کی اجازت نہیں دی، پھر آپؐ نے پوچھا: کیا تیرے پاس اونٹ ہیں (اور) تو ان کی زکات نکالتا ہے؟ (یہ جملہ باب سے متعلق ہے) اس نے عرض کیا: ہاں، آپؐ نے فرمایا: پس سمندروں کے پرے عمل کر یعنی جہاں بھی رہے عمل کر، اللہ تعالیٰ تیرے عمل میں سے کچھ بھی کم نہیں لیں گے یعنی تیرے عمل کا پورا ثواب دیں گے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دورِ اول میں بھی ہجرت فرضِ عین نہیں تھی، بلکہ فرضِ کفایہ تھی، جیسے نمازِ جنازہ، میت کی تجہیز و تکفین اور عام احوال میں جہاد فرضِ کفایہ ہیں، اگر ہجرت فرضِ عین ہوتی تو نبی ﷺ اس کو ہجرت کرنے کا حکم دیتے۔

بَابُ مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ بِنْتِ مَخَاضٍ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ

جس پر زکات میں بنت مخاض واجب ہوئی، اور وہ اس کے پاس نہیں ہے

ابھی یہ مسئلہ آیا ہے کہ زکات میں استبدال جائز ہے، اُس مسئلہ کی یہاں لمبی تفصیل ہے، زکات میں ادنی سے اعلی کی طرف اور اعلی سے ادنی کی طرف انتقال جائز ہے، مثلاً ایک شخص پر بنت مخاض واجب ہوئی اور اس کے ریوڑ میں بنت مخاض نہیں ہے، بنت لبون ہے یا اس کی برعکس صورت ہے یا جذعہ واجب ہوا اور ریوڑ میں جذعہ نہیں ہے حقہ ہے یا اس کی برعکس صورت ہے تو کیا کرے؟ حدیث میں اس سلسلہ کے چند جزئیے آئے ہیں مگر جو جزئیہ باب میں لیا ہے وہ جزئیہ نہیں لائے، کیونکہ وہ جزئیہ پہلے گذر چکا ہے۔

[۳۷-] بَابُ مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ بِنْتِ مَخَاضٍ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ

[۱۴۵۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ، أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ فَرِيْضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ صلى الله عليه وسلم:

[۱-] مَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ، وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ، أَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا.

[۲-] وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ، وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ

الْجَذَعَةُ، وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ.

[٣-] وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ إِلَّا بِنْتُ لَبُوْنٍ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ، وَيُعْطِيْ شَاتَيْنِ أَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا.

[٤-] وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ، وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ، وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ.

[٥-] وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ، وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ، وَعِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ، وَيُعْطِيْ مَعَهَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ [راجع: ١٤٤٨]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے زکات کا حکم لکھا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے:

۱- جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ ان میں جذعہ (چار سالہ مادہ بچہ) واجب ہوا ہو، اور اس کے پاس جذعہ نہیں، اور اس کے پاس حقہ (تین سالہ مادہ بچہ) ہے تو اس سے حقہ لیا جائے گا اور مالک اس کے ساتھ دو بکریاں دے گا اگر اس کے لئے بکریاں دینا آسان ہو، ورنہ بیس درہم دے گا (یہ اعلی سے ادنی کی طرف انتقال ہے)

۲- اور جس پر حقہ واجب ہوا اور اس کے پاس حقہ نہیں اور اس کے پاس جذعہ ہے تو اس سے جذعہ لیا جائے گا اور ساعی اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے گا (یہ ادنی سے اعلی کی طرف انتقال ہے)

۳- اور جس پر حقہ واجب ہوا اور اس کے پاس وہ نہیں ہے مگر بنت لبون ہے تو اس سے بنت لبون لی جائے گی اور وہ دو بکریاں یا بیس درہم دے گا۔

۴- اور جس پر بنت لبون واجب ہوئی اور اس کے پاس حقہ ہے تو اس سے حقہ لیا جائے اور صدقہ وصول کرنے والا اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے۔

۵- اور جس پر بنت لبون واجب ہوئی اور اس کے پاس بنت لبون نہیں ہے اور اس کے پاس بنت مخاض ہے تو ساعی اس سے بنت مخاض لے اور مالک اس کے ساتھ بیس درہم یا دو بکریاں دے (اس کی برعکس صورت باب والی صورت ہے اور وہ جزئیہ پہلے آچکا ہے اس لئے اس کو نہیں لائے)

ترکیب: صدقۃ الجذعۃ: وغیرہ کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں: (۱) ترکیب اضافی کے ساتھ مرفوع پڑھیں تو بَلَغَتْ کا فاعل ہوگا، متن میں یہی اعراب لگایا ہے، اس صورت میں بَلَغَتْ: وَجَبَتْ کو متضمن ہوگا، اور مفعول کی ضرورت نہ ہوگی (۲) صَدَقَةٌ کو تنوین کے ساتھ مرفوع اور الجذعۃ کو منصوب پڑھیں تو یہ بھی درست ہے، ہندی نسخہ میں یہ اعراب بھی لگایا ہے، اس صورت میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہوگی ای صدقۃُ الإبل، اور الجذعۃَ مفعول بہ ہوگا۔

بَابُ زَكَاةِ الْغَنَمِ

بکریوں کی زکات

بھیڑ بکریوں میں بھی زکات فرض ہے۔ اور باب میں جو حدیث ہے اس میں اونٹوں اور بکریوں کے نصاب کا بیان ہے۔

اونٹوں کا نصاب اور ان کی زکات:

پانچ اونٹوں سے کم میں زکات نہیں، اور پانچ میں ایک ایسی بکری واجب ہے جس کی قربانی جائز ہو یعنی اس کی عمر ایک سال ہو، اور اس میں قربانی کے لئے مانع کوئی عیب نہ ہو، پھر چار اونٹ وَقص ہیں یعنی نو تک یہی فریضہ ہے پھر دس میں دو بکریاں واجب ہیں (ایک نصاب سے دوسرا نصاب عقد کہلاتا ہے اور ان کا درمیان وَقص ہے) اور پندرہ میں تین بکریاں، اور بیس میں چار بکریاں واجب ہیں، اور پچیس میں ایک بنت مخاض واجب ہے یعنی اونٹ کا ایک سالہ مادہ بچہ واجب ہے، پھر یہی فریضہ پینتیس تک ہے اور چھتیس میں ایک بنت لبون یعنی دو سالہ مادہ بچہ واجب ہے اور یہ فریضہ پینتالیس تک ہے اور چھیالیس میں حقہ یعنی تین سالہ مادہ بچہ واجب ہے ساٹھ تک، پھر اکسٹھ میں جذعہ یعنی چار سالہ مادہ بچہ واجب ہے پچھتر تک (زکات میں چار سال سے زیادہ عمر کا اونٹ نہیں لیا جاتا، اس لئے پیچھے لوٹیں گے) اور چھہتر میں دو بنت لبون واجب ہیں کیونکہ یہ چھتیس کا ڈبل ہے، صرف چند زیادہ ہیں، اور یہ فریضہ پینتالیس کے ڈبل تک باقی رہتا ہے پھر اکیانوے میں دو حقے واجب ہیں اور یہ فریضہ ساٹھ کے ڈبل تک یعنی ایک سو بیس تک باقی رہتا ہے۔

پھر یہ قاعدہ کلیہ ہے: "ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ واجب ہے" اور اس قاعدہ کی تطبیق میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ نے ایک سو بیس کے بعد اَربعینات اور خمسینات یعنی چالیسویں اور پچاسویں پر مدار رکھا ہے، پھر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایک سو بیس سے اگر ایک اونٹ بھی زیادہ ہو جائے تو فریضہ بدل جائے گا اور نیا حساب: اَربعینات اور خمسینات والا شروع ہو جائے گا، جتنے چالیس نکلیں گے اتنے بنت لبون اور جتنے پچاس نکلیں گے اتنے حقے واجب ہونگے، چنانچہ ایک سو اکیس میں تین بنت لبون واجب ہونگے کیونکہ اس میں تین چالیس ہیں، پھر ایک سو تیس میں فریضہ بدلے گا ان میں دو بنت لبون اور ایک حقہ واجب ہوگا کیونکہ اس میں دو چالیس اور ایک پچاس ہے۔ اور ایک سو چالیس میں دو حقے اور ایک بنت لبون واجب ہوگی اور ایک سو پچاس میں تین حقے واجب ہونگے، غرض ہر دس پر فریضہ بدلے گا، درمیان کے نو وقص ہونگے اور یہ حساب اسی طرح چلتا رہے گا۔

اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ایک سو اکیس پر فریضہ نہیں بدلے گا بلکہ ایک سو انتیس تک دو حقے ہی واجب رہیں گے، ایک سو تیس پر فریضہ بدلے گا اور حساب اَربعینات اور خمسینات پر دائر ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل باب کی حدیث ہے اس میں ہے: ”جب اونٹ ایک سَو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ ہے“

اور حنفیہ نے حساب کا مدار پچاس پر رکھا ہے ان کے نزدیک ہر پچاس میں حقہ واجب ہے اور چالیس کا اعتبار نہیں۔ احناف ایک سو بیس میں دو حقے واجب کر کے از سر نو حساب شروع کرتے ہیں اور بیس تک چار بکریاں اور پچیس میں بنت مخاض واجب کر کے اس کو ایک سو بیس کے ساتھ ملاتے ہیں، پس مجموعہ میں یعنی ایک سو پینتالیس میں دو حقے اور ایک بنت مخاض واجب ہے، یہی فریضہ ایک سو انچاس تک باقی رہتا ہے۔ پھر ایک سو پچاس میں تین حقے واجب ہوتے ہیں، اور یہ استیناف ناقص ہے اس لئے کہ اس میں بنت لبون نہیں آئی، پھر ایک سو پچاس کے بعد دوبارہ حساب شروع ہوگا اور ہر پانچ میں ایک بکری واجب ہوگی اور پچیس میں ایک بنت مخاض پھر چھتیس میں ایک بنت لبون واجب کر کے اس کو سابق سے ملائیں گے اور مجموعہ ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون واجب ہوگی، یہی فریضہ ایک سو ننانوے تک باقی رہے گا، پھر دو سو میں چار حقے واجب ہونگے، یہ استیناف کامل ہے پھر آخر تک اسی طرح استیناف کامل ہوتا رہے گا، یعنی ہر پچاس کے بعد حساب از سر نو شروع کیا جائے گا اور بنت لبون واجب کر کے اس کو سابق سے ملائیں گے پھر پچاس پورے ہونے پر نیا حِقہ واجب ہوگا۔

اور حنفیہ کا مستدل حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی تحریر ہے جو نبی ﷺ نے ان کو لکھ کر دی تھی، اس میں ہے: **فإذا كانت أكثرَ من ذلك ففي كل خمسين حقة، فما فَضُلَ فإنه يُعاد إلى أول فريضة الإبل، فما كانت أقل من خمس وعشرين ففيه الغنم، في كل خمسِ ذَودٍ شاة**: اس میں صراحت ہے کہ ایک سو بیس کے بعد فریضہ از سر نو شروع کیا جائے گا اور بکریوں سے شروع کیا جائے گا، یہ حدیث نسائی (۲۱۸:۲ **ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول**) میں ہے، اس حدیث پر خصیب بن ناصح کے ضعف کا اعتراض کیا جاتا ہے مگر طحاوی (۲۱۸:۲ **کتاب الزیادات، باب الزکاۃ فی الإبل**) میں ابو عمر الضریر عن حماد کے طریق سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور وہ اسناد صحیح ہے۔

علاوہ ازیں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے آثار (جو بالترتیب ابو داؤد حدیث ۱۵۷۲ **باب زکاۃ السائمۃ** اور امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار حدیث ۳۱۷ **باب زکاۃ الإبل** میں) ہیں ان میں اونٹوں کے نصاب کی تفصیل مسلک احناف کے مطابق ہے، پھر خاص طور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر اس لئے اہمت رکھتا ہے کہ صحیحین کی روایت کے مطابق ان کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس میں آنحضور ﷺ نے دوسرے امور کے ساتھ اسنان الابل بھی لکھوائے تھے (بخاری کتاب الاعتصام **باب ما یکرہ من التعمق الخ** مسلم **کتاب الحج باب فضل المدینۃ**) پس ظاہر یہ ہے کہ آپؓ کی بیان کردہ تفصیلات اس صحیفہ کے مطابق ہونگی۔

اور باب کی حدیث مجمل ہے اور عمرو بن حزم کی حدیث مفصل ہے، پس مجمل کو مفصل کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس کی

وضاحت یہ ہے کہ فی کل خمسین حقۃ حنفیہ کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق بھی صادق آتا ہے اور فی کل أربعین بنت لبون میں ۳۶ سے لے کر ۴۹ تک کے اعداد مراد ہیں۔ اہل عرب کے کلام میں اس قسم کا توسع پایا جاتا ہے، وہ کسور کو چھوڑ دیتے ہیں، صرف عقود کو لیتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک چھتیس سے انچاس تک میں بنت لبون واجب ہوتی ہے پس ان کے مذہب پر بھی اس روایت پر عمل ہوجاتا ہے اور جمع بین الروایات کے لئے یہ تاویل ضروری ہے۔

ملحوظہ: اونٹوں کی زکات خواہ ائمہ ثلاثہ کے قول کے مطابق وصول کریں خواہ حنفیہ کے قول کے مطابق مالیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا، دونوں صورتوں میں مالیت تقریباً برابر ہوتی ہے، اس لئے ابن جریر طبری رحمہ اللہ تخییر کے قائل ہیں کہ جس طرح چاہو زکات وصول کرو، اور دونوں حساب نہایت آسان ہیں، کلکیولیٹر کی ضرورت نہیں۔

بکریوں کا نصاب اور ان کی زکات:

بھیڑ بکریوں کا چھوٹا ریوڑ چالیس کا تجویز کیا گیا ہے، اور اس میں ایک بکری واجب کی ہے اور بڑا ریوڑ تین چالیسوں سے زیادہ کا تجویز کیا ہے، چنانچہ ایک سو اکیس میں دو بکریاں واجب ہیں، اور یہی فریضہ دو سو تک باقی رہتا ہے، اور دو سو ایک میں تین بکریاں واجب ہیں، پھر قاعدہ کلیہ ہے: "ہر سیکڑے میں ایک بکری" اور اس قاعدہ کی تطبیق میں بھی اختلاف ہوا ہے، ائمہ اربعہ کے نزدیک سیکڑہ پورا ہونے پر فریضہ بدلے گا، چنانچہ ان کے نزدیک دو سو ایک سے دو سو ننانوے تک وقص ہے، اس لئے کہ سیکڑہ تین سو ایک پر پورا ہوگا، پورے تین سو پر پورا نہیں ہوگا، پھر قاعدہ کلیہ جاری ہوگا تو چار سو میں چار بکریاں ہونگی اور پانچ سو میں پانچ اور چھ سو میں چھ اسی طرح حساب چلے گا۔ اور حسن بن حیّ کہتے ہیں: جب سیکڑہ شروع ہوگا اس وقت فریضہ بدلے گا، چنانچہ ان کے نزدیک دو سو ایک کے بعد تین سو ایک پر فریضہ بدلے گا اور چار بکریاں واجب ہونگی، پھر چار سو ایک میں پانچ اور پانچ سو ایک میں چھ، وقس علی ہذا۔ یعنی ہر سیکڑہ کے شروع میں اس سیکڑہ کی بکری واجب ہوگی، اور سیکڑہ پورا ہونے تک وہ فریضہ باقی رہے گا۔ اور حدیث سے جمہور کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ: جانوروں میں رأس (سر) گنے جاتے ہیں، ان کی عمروں کا اعتبار نہیں، جو بچہ ایک دن کا ہے وہ بھی شمار ہوگا، البتہ اگر کسی کے پاس بچے ہی ہوں جیسے کسی کے پاس اونٹ کے بیس بچے ہوں (جانور جب تک ماں کا دودھ پیتا ہے بچہ ہے) تو ان میں زکات واجب نہیں، ہاں ساتھ میں ایک بھی بڑا ہے تو زکات واجب ہے۔

[۳۸-] بَابُ زَكَاةِ الْغَنَمِ

[۱۴۵۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُثَنَّى الْأَنْصَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ، أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ هٰذَا الْكِتَابَ، لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ: ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ هٰذِهِ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم

عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ، وَالَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهُ، فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا، وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ:

فِيْ أَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ مِنَ الإِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَثَلَاثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثٰى، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتَّةً وَثَلَاثِيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَأَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ أُنْثٰى، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِيْنَ إِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ، فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَسِتِّيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ يَعْنِيْ سِتَّةً وَسَبْعِيْنَ إِلٰى تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ، فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ إِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ، فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ، وَفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ. وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ مِنَ الإِبِلِ فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا مِنَ الإِبِلِ فَفِيْهَا شَاةٌ.

وَفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا: إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِيْنَ إِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ: شَاةٌ. فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ إِلٰى مِائَتَيْنِ: شَاتَانِ، فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ إِلٰى ثَلَاثِمِائَةٍ فَفِيْهَا ثَلَاثٌ، فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلَاثِمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ، فَإِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ أَرْبَعِيْنَ شَاةً وَاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا.

وَفِي الرِّقَّةِ رُبْعُ الْعُشْرِ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ، إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا.

[راجع: ١٤٤٨]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے یہ تحریر لکھی جب (زکات کی وصولی کے لئے) ان کو بحرین بھیجا:

زکات نامہ

اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن ورحیم ہیں۔ یہ وہ فرض زکات ہے جو آنحضور ﷺ نے مسلمانوں پر مقرر کی ہے اور جس کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے، پس جس مسلمان سے اس تحریر کے مطابق زکات مانگی جائے تو چاہئے کہ وہ دے اور جس سے اس سے زیادہ مانگی جائے تو وہ نہ دے:

چوبیس اونٹوں میں اور اس سے کم میں بکریوں کے ذریعہ زکات ہے، ہر پانچ میں ایک بکری ہے، پس جب اونٹ پچیس ہوجائیں تو پینتیس تک ان میں بنت مخاض ہے، (اُنثی زائد ہے، بنت مخاض مؤنث ہوتی ہے) پس جب وہ چھتیس ہوجائیں پینتالیس تک تو ان میں بنت لبون ہے، پس جب وہ چھیالیس ہوجائیں ساٹھ تک تو ان میں جفتی کے قابل حقہ

ہے، پھر جب وہ اکسٹھ ہوجائیں پچھتر تک تو ان میں جذعہ ہے (پہلے دو ریوڑوں میں دس دس کا اور آخری دو ریوڑوں میں پندرہ پندرہ کا اضافہ اس لئے کیا ہے کہ ایک سالہ اور دو سالہ بچہ بہت زیادہ قیمتی نہیں ہوتا اور تین سالہ اور چار سالہ بچہ قیمتی ہوتا ہے کیونکہ اب وہ بار برداری اور حمل کے قابل ہوجاتا ہے اس لئے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے اس لئے ریوڑ میں پندرہ پندرہ کا اضافہ کیا ہے، اور طَرُوْقَةُ الجمل میں اسی طرف اشارہ ہے یا یہ لفظ بھی زائد ہے جیسے أنثی زائد ہے) پھر جب وہ چھہتر ہوجائیں تو نوے تک ان میں دو بنت لبون ہیں، پھر جب وہ اکیانوے ہوجائیں ایک سو بیس تک تو ان میں جفتی کے قابل دو حقے ہیں، پھر جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ ہے۔ اور جس کے پاس صرف چار اونٹ ہوں اس پر زکات نہیں، مگر یہ کہ مالک چاہے یعنی اگر مالک نفلی صدقہ نکالے تو عامل لے لیگا، پس جب پانچ اونٹ ہوجائیں تو ان میں ایک بکری ہے۔

اور چرنے والی بکریوں میں زکات ہے (سائمہ جانوروں ہی میں زکات ہے، علوفہ میں نہیں) جبکہ وہ چالیس ہوں ایک سو بیس تک: ایک بکری ہے، پھر جب وہ ایک سو بیس سے بڑھ جائیں دو سو تک تو دو بکریاں ہیں، پھر جب وہ دو سے بڑھ جائیں تین سو تک تو ان میں تین بکریاں ہیں، پھر جب وہ تین سو سے بڑھ جائیں تو ہر سیکڑہ میں ایک بکری ہے، پس اگر کسی شخص کی چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہو تو ان میں زکات نہیں، مگر یہ کہ مالک چاہے۔

اور چاندی میں ڈھائی فیصد ہے، پس اگر کسی کے پاس ایک سو نوے درہم ہوں (یا اس کے بقدر چاندی ہو) تو اس پر کچھ نہیں، مگر یہ کہ مالک چاہے (ایک سو نوے سے ایک سو ننانوے درہم یا اس کے بقدر چاندی مراد ہے، عرب کسر چھوڑ دیتے ہیں، دہائیوں کو گنتے ہیں، پیسے پیسے کا حساب کرنا ان کا مزاج نہیں، تفصیل کتاب الزکاۃ باب ۳۲ میں گذر چکی ہے)

بَابٌ: لَايُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ إِلَّا مَاشَاءَ الْمُصَدِّقُ

زکات میں نہایت بوڑھا، اور عیب دار جانور اور بجار نہ لیا جائے مگر عامل چاہے تو لے سکتا ہے

هَرِمَةٌ کے معنی ہیں: بہت بوڑھا جس کے دانت گر گئے ہوں، اور ذاتُ عَوار: ایسا عیب دار جانور جس کی قربانی درست نہیں، اور تَیس کے معنی ہیں: بوک، بجار، بکریوں کے ریوڑ میں جونر ہوتا ہے اس کو بوک کہتے ہیں اور گائے بھینس کے ریوڑ میں جونر ہوتا ہے اس کو بجار کہتے ہیں، اور مصدِّق: عامل، زکات وصول کرنے والا، قسطلانی نے استثناء تینوں کی طرف لوٹایا ہے۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ زکات میں نہایت بوڑھا اور عیب دار جانور اور بوک نہ لیا جائے لیکن اگر عامل کی رائے میں وہ جانور غرباء اور مساکین کے لئے زیادہ مفید ہو تو لے سکتا ہے۔ اس لئے کہ عامل غرباء کا وکیل ہے، یا زکات کی بکریوں کے لئے بوک کی ضرورت ہے تو اس کو لے سکتا ہے، بوک بایں معنی عیب دار ہے کہ اس کی قیمت کم ہوتی ہے اور اس کا گوشت بدبودار ہوتا ہے، مگر بکریوں کے ریوڑ کے لئے اس کی ضرورت ہے، یا لنگڑا جانور ہے مگر موٹا تازہ ہے تو عامل اس کو لے سکتا

ہے۔ رہا بہت بوڑھا جانور تو عامل اس کو کیوں لے گا؟

[۳۹-] بَابٌ: لَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ إِلَّا مَاشَاءَ الْمُصَدِّقُ

[۱٤٥٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ، أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ رَسُوْلَهُ صلى الله عليه وسلم: " وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ، وَلَا تَيْسٌ إِلَّا مَاشَاءَ الْمُصَدِّقُ"

ترجمہ: اور نہ نکالا جائے یعنی نہ دیا جائے زکات میں بہت بوڑھا جانور اور نہ عیب دار جانور اور نہ بجار مگر جس کو زکات وصول کرنے والا چاہے۔

بَابُ أَخْذِ الْعَنَاقِ فِي الصَّدَقَةِ

زکات میں بکری کا چار ماہہ بچہ لینا

عَناق: بکری کا چار ماہ کا بچہ، اگر زکات میں بکری واجب ہو تو ایسی بکری لیں گے جس کی قربانی جائز ہو، ایسا بچہ جس کی قربانی جائز نہیں زکات میں لینا جائز نہیں۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر عامل کی رائے ہو تو وہ بکری کا بچہ بھی لے سکتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے نقصان عمر کو نقصان وصف کے حکم میں رکھا ہے۔ جانور کا بوڑھا ہونا، عیب دار ہونا، اور بوک اور بجار ہونا نقصانِ وصف ہے اس کا لینا عامل کی صوابدید پر موقوف ہے، اسی طرح یہ بھی عامل کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ زکات میں بچہ لے، مگر احناف اس سے متفق نہیں۔ اور حضرتؒ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ استدلال تام نہیں۔

[٤٠-] بَابُ أَخْذِ الْعَنَاقِ فِي الصَّدَقَةِ

[۱٤٥٦-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ح: وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِي عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا. [راجع: ۱٤۰۰]

[۱٤٥٧-] قَالَ عُمَرُ: فَمَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنَّ اللهَ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ بِالْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ. [راجع: ۱۳۹۹]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الزکاۃ کے بالکل شروع میں گذر چکی ہے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین

زکات سے جنگ کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپؐ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے جو لا إلا اللہ کے قائل ہیں؟ پس حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ''اگر وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بکری کا بچہ دیتے تھے اور وہ مجھے نہیں دیں گے تو میں ان سے لڑوں گا'' اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں بکری کا بچہ دیا جاتا تھا اور حضرت ابوبکرؓ فرمارہے ہیں کہ میں بھی لوں گا، مگر یہ استدلال تام نہیں اس لئے کہ راوی کسی لفظ پر نہیں ٹھہرتا، کبھی عِقالا (اونٹ کا پیر باندھنے کی رسی) کہتا ہے اور کبھی عَناقا۔ پس یہ حدیث مبالغہ پر محمول ہے۔

فائدہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو مانعین زکات سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کی انھوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث پیش کررہے تھے، مگر حضرت ابوبکرؓ اپنے موقف پر قائم رہے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو شرح صدر ہوگیا کہ حضرت ابوبکرؓ حق پر ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو شرح صدر ہوا تھا وہ وجدانی تھا، وجدان کی دو قسمیں ہیں: وجدانِ صحیح اور وجدانِ فاسد، قرآن وحدیث اور سلف کے اقوال میں غور کرنے کے بعد جو ذہن بنتا ہے وہ وجدانِ صحیح ہے، اور اپنے طور پر کوئی بات طے کرلی تو وہ وجدانِ فاسد ہے۔ مودودی صاحب کے یہاں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ انھوں نے طے کیا کہ اب ماڈرن زمانہ ہے، اور قرآن وحدیث کی جو تشریحات سلف سے منقول ہیں وہ نئے زمانہ سے ہم آہنگ نہیں، اس لئے انھوں نے اسلام کو ماڈرن بنایا، اور چہرہ کا پردہ، ڈاڑھی اور دیگر اسلامی تشخصات پر ہاتھ صاف کیا، جو وجدانِ فاسد کا نتیجہ ہے۔ وجدان صحیح وہی ہے جو قرآن واحادیث اور آثار سلف کے گہرے مطالعہ کے بعد بنتا ہے اور اسی کا اعتبار ہے۔

بَابٌ: لَا تُؤْخَذُ كَرَائِمُ أَمْوَالِ النَّاسِ فِي الصَّدَقَةِ

زکات میں لوگوں کے عمدہ مال نہ لئے جائیں

زکات میں درمیانی جانور لیا جائے، شاندار جانور نہ لیا جائے تاکہ مالک پر بار نہ پڑے اور نکما بھی نہ لیا جائے تاکہ غرباء کا نقصان نہ ہو......... کرائم: کریمۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: عمدہ چیز۔

[٤١-] بَابٌ: لَا تُؤْخَذُ كَرَائِمُ أَمْوَالِ النَّاسِ فِي الصَّدَقَةِ

[١٤٥٨-] حدثنا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا عَلَى الْيَمَنِ، قَالَ: " إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللهِ، فَإِذَا عَرَفُوْا اللهَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي

يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا فَعَلُوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً، تُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَىٰ فُقَرَائِهِمْ فَإِذَا أَطَاعُوْا بِهَا، فَخُذْ مِنْهُمْ، وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ"[راجع: ۱۳۹۵]

وضاحت: جب آنحضور ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو مختلف ہدایات دی تھیں، ان میں ایک ہدایت یہ تھی کہ زکات میں بہترین اموال نہ لئے جائیں، یہ ظلم ہوگا اور مظلوم کے دل سے جو آہ نکلتی ہے وہ اللہ سے ورے نہیں رکتی، پس کہیں مظلوم کی آہ تمہاری حکومت کی تباہی کا باعث نہ بن جائے اس لئے اس کا خیال رکھنا۔ اسی مناسبت سے یہ حدیث ذکر کی ہے اور یہ حدیث کتاب الزکاۃ کے پہلے باب میں گذر چکی ہے۔ ترجمہ اور شرح وہاں دیکھیں۔

بَابٌ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ

پانچ اونٹوں سے کم میں زکات نہیں

یہ مسئلہ گذر چکا کہ اونٹوں کا چھوٹا ریوڑ پانچ کا بنایا ہے ان سے کم میں کوئی زکات نہیں اور پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب ہے۔

اب یہاں دو سوال ہیں: ایک یہ کہ زکات میں اصل یہ ہے کہ وہ جنسِ مال سے لی جائے، پھر اونٹوں کی زکات میں بکریاں کیوں لی جاتی ہیں؟ دوم: نصاب کوئی مہتم بالشان عدد ہونا چاہئے، اور پانچ اونٹ کوئی بڑا مال نہیں، پھر اتنے اونٹوں میں زکات کیوں واجب کی ہے؟

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ پانچ اونٹ: دو اعتباروں سے مال کی کافی مقدار ہیں:

ایک: اونٹ مویشی میں عظیم الجثہ، کثیر الفائدہ جانور ہے اس کو ذبح کر کے کھایا جاسکتا ہے، اس پر سواری کی جاسکتی ہے اس کے دودھ سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس سے نسل کشی کی جاسکتی ہے، اور اس کے بال اور کھال سے گرم کپڑے بنائے جاسکتے ہیں۔ اس اعتبار سے تھوڑے اونٹ بھی بہت ہیں۔

دوم: بعض لوگ ایسی چند عمدہ اونٹنیاں پالنے پر اکتفا کرتے ہیں جو بہت اونٹنیوں کا کام کرتی ہیں اور قیمت کے اعتبار سے بھی پانچ اونٹ: چالیس پچاس بکریوں کے مساوی ہیں، دورِ نبوی میں اور دورِ خلافت میں ایک اونٹ: آٹھ، دس یا بارہ بکریوں کے برابر سمجھا جاتا تھا، روایات میں بکثرت یہ بات آئی ہے۔ پس پانچ اونٹ: چالیس پچاس بکریوں کے برابر ہوئے اور اتنی بکریوں میں سے ایک بکری لی جاتی ہے، اس لئے پانچ اونٹوں میں سے بھی ایک بکری لی جاتی ہے۔

پہلے سوال کا جواب: اونٹ کا کم از کم ایک سالہ بچہ ہی زکات میں لیا جاسکتا ہے اس سے چھوٹا نہیں لیا جاسکتا، کیونکہ وہ ماں کے دودھ کا محتاج ہوتا ہے، اور بنت مخاض کی مالیت بہت زیادہ ہوتی ہے پانچ اونٹوں میں سے اتنی زیادہ زکات لی جائے گی تو فریضہ بھاری ہو جائے گا، اس لئے پچیس سے کم اونٹوں کی زکات میں بکریاں لی جاتی ہیں (رحمۃ اللہ الواسعہ کتاب الزکاۃ باب ۳)

[٤٢-] بَابٌ: لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ

[١٤٥٩-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الإِبِلِ صَدَقَةٌ"[راجع: ١٤٠٥]

وضاحت: اس حدیث میں تین مسئلے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکات نہیں۔ اس کی تفصیل آگے (باب ۵۶ میں) آئے گی اور باقی دو مسئلے گذر چکے۔

بَابُ زَكَاةِ الْبَقَرِ

گایوں بھینسوں کی زکات

گایوں بھینسوں میں بھی زکات فرض ہے، گائے بھینس ایک جنس ہیں، بقر اسم جنس ہے، اس کی دو صنفیں ہیں جاموس (بھینس) اور ثور (بیل) اسی طرح غنم بھی اسم جنس ہے، اس کی بھی دو صنفیں ہیں: مَعْز (بکرا) اور ضان (بھیڑ)

نصاب: گائے بھینسوں کا چھوٹا ریوڑ تیس کا بنایا ہے اس سے کم میں زکات واجب نہیں، اور تیس میں تبیع یا تبیعة (ایک سالہ مذکر یا مؤنث بچہ) واجب ہوتا ہے، پھر نو وقص ہیں اور چالیس میں مُسِنّ یا مُسِنّة (دو سالہ مذکر یا مؤنث بچہ) واجب ہے، پھر قاعدہ کلیہ ہے: "ہر تیس میں ایک تبیعہ اور ہر چالیس میں ایک مسنّہ" اور اس قاعدہ کو جاری کرنے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک چالیس کے بعد انیس وقص ہے، ساٹھ میں فریضہ بدلے گا کیونکہ پچاس میں کوئی حساب نہیں بنتا۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے تین قول ہیں: اول: صاحبین کے قول کے موافق۔ دوم: چالیس کے بعد مطلق وقص نہیں، ایک بھی بڑھے گا تو اس میں زکات واجب ہوگی، اور زکات مُسِنّہ کی قیمت کے حساب سے لی جائے گی، مثلاً مُسِنّہ کی قیمت اسّی روپے ہے تو اکتالیس میں ایک مسنہ اور دو روپے لیں گے، اور بیالیس میں ایک مسنہ اور چار روپے لیں گے، وعلی ہذا۔
سوم: چالیس کے بعد نو وقص ہیں اور پچاس میں مسنہ کی قیمت کا چوتھائی واجب ہوگا، مسنہ کی قیمت اسّی روپے فرض کی تھی پس پچاس میں ایک مسنہ اور بیس روپے واجب ہونگے، اور ساٹھ میں بالاجماع دو تبیعے واجب ہیں کیونکہ اس میں سے دو تیس نکلتے ہیں، اور ستر میں ایک تبیعہ اور ایک مسنہ ہوگا، کیونکہ اس میں سے ایک تیس اور ایک چالیس نکلتا ہے، اور اسّی میں دو مسنے اور نوے میں تین تبیعے واجب ہونگے وقس علی ہذا۔

ملحوظہ: اونٹ کا مادہ بچہ زیادہ قیمتی ہوتا ہے اس لئے وہاں زکات میں مؤنث بچہ ہی لیا جاتا ہے اور گائے بھینس کے مذکر ومؤنث بچوں کی قیمت یکساں ہوتی ہے اس لئے یہاں مذکر بچہ بھی لے سکتے ہیں اور مؤنث بھی۔

[۴۳-] بَابُ زَكَاةِ الْبَقَرِ

وَقَالَ أَبُوْ حُمَيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَأَعْرِفَنَّ: مَاجَاءَ اللّٰهَ رَجُلٌ بِبَقَرَةٍ لَهَا خُوَارٌ" وَيُقَالُ: جُؤَارٌ. ﴿يَجْأَرُوْنَ﴾ [المؤمنون: ٦٤]: يَرْفَعُوْنَ أَصْوَاتَهُمْ كَمَا تَجْأَرُ الْبَقَرَةُ.

[١٤٦٠-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنِ الْمَعْرُوْرِ ابْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، قَالَ: انْتَهَيْتُ إِلَيْهِ يَعْنِيْ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! أَوْ: وَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! أَوْ كَمَا حَلَفَ: مَا مِنْ رَجُلٍ تَكُوْنُ لَهُ إِبِلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْ غَنَمٌ لَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا، إِلَّا أُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَاتَكُوْنُ وَأَسْمَنَهُ، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا، كُلَّمَا جَازَتْ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُوْلَاهَا، حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ"

رَوَاهُ بُكَيْرٌ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ٦٦٣٨]

معلق روایت: نبی ﷺ نے فرمایا: البتہ ضرور پہچانوں گا میں (اور گیلری میں: لَاعرِفَنَّ: ہے یعنی ہرگز نہ پہچانوں میں) اس شخص کو جو اللہ کے دربار میں گائے اٹھائے ہوئے آئے گا، وہ گائے ریک رہی ہوگی۔ خُوار: گائے بھینس کی آواز کے لئے خاص ہے، اردو میں اس کو رینکنا کہتے ہیں، اور ایک روایت میں خُوار کے بجائے جُؤار ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ سورہ مؤمنون میں ﴿يَجْأَرُوْنَ﴾ آیا ہے یعنی کفار گایوں بھینسوں کی طرح چلا رہے ہونگے، اور یہ وہ گائے بھینس ہے جس کی زکات نہیں نکالی گئی، اس کو اٹھائے ہوئے اللہ کے دربار میں آئے گا اور وہ چلا چلا کر اہل محشر کو اس کی تباہ حالی کی طرف متوجہ کرے گی، یہ زکات نہ نکالنے کی سزا ہے، معلوم ہوا کہ گایوں بھینسوں میں زکات فرض ہے۔

حدیث: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یا فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! یا اس کے مانند کوئی قسم کھائی اور فرمایا: نہیں ہے کوئی شخص جس کے پاس اونٹ، گائے بھینس یا بھیڑ بکریاں ہوں اور ان کی زکات ادا نہ کی ہو، مگر وہ جانور اس کے پاس قیامت کے دن آئیں گے، بڑے سے بڑے اور موٹے سے موٹے ہو کر جو وہ کبھی تھے (یعنی وہ جانور دنیا میں جتنے بڑے اور موٹے ہوئے ہونگے اس حالت میں آئیں گے) وہ اس کو اپنے پاؤں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے، جب جب ان کا آخری گذرے گا تو اس پر ان کا پہلا لوٹ آئے گا (یعنی جب ایک بار سب جانور روندتے ہوئے اور ٹکریں مارتے ہوئے گذر جائیں گے تو دوبارہ اور سہ بارہ اسی طرح گذریں گے اور یہ سزا قیامت کے پورے دن

میں جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے جاری رہے گی) یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کردیئے جائیں گے (پس اگر اس کی سزا پوری ہوگئی تو وہ جنت میں جائے گا ورنہ باقی سزا پانے کے لئے جہنم میں جائے گا)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور بھیڑ بکریوں کی طرح گایوں بھینسوں میں بھی زکات فرض ہے، اگر ان میں زکات فرض نہ ہوتی تو اتنی سخت سزا نہ ہوتی۔

بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الْأَقَارِبِ

رشتہ داروں کو زکات دینا

مستحقین زکات میں اقارب کو اجانب پر ترجیح حاصل ہے، یعنی اجنبیوں کے مقابلہ میں رشتہ داروں کو زکات دینا اولیٰ ہے، اس کا دوہرا ثواب ہے ایک زکات کا دوسرا صلہ رحمی کا۔

جاننا چاہئے کہ صدقہ نافلہ ہر کسی کو دے سکتے ہیں، ماں باپ کو، بیوی بچوں کو، مالداروں کو اور آل رسول کو بھی دے سکتے ہیں، اور صدقہ واجبہ (زکات) دو قسم کے رشتہ داروں کو دینا جائز نہیں ایک وہ جن کے ساتھ ولادت کا تعلق ہے اور دوسرے وہ جن سے نکاح کا تعلق ہے۔ ان دو رشتوں کے علاوہ تمام رشتہ داروں کو اگر وہ غریب ہیں زکات دینا جائز ہے۔ اور نہ صرف جائز ہے بلکہ اس میں دوگنا ثواب ہے۔ تفصیل چند ابواب پہلے (کتاب الزکاۃ باب ۱۵) میں گذر چکی ہے۔

مگر عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ اپنوں کو دینے میں کیا ثواب؟ اس لئے اجنبیوں پر شوق سے خرچ کرتے ہیں اور رشتہ داروں کی مدد کرنے میں بوجھ محسوس کرتے ہیں، یہ مزاج ٹھیک نہیں، رشتہ داروں کا حق مقدم ہے، زکات دینے میں بھی اور مدد کرنے میں بھی۔

اور باب میں دو واقعے ہیں، دونوں بظاہر صدقہ نافلہ سے متعلق ہیں، مگر حضرت ؒ نے صدقہ نافلہ اور صدقہ واجبہ (زکات) کا فرق کئے بغیر باب قائم کیا ہے۔

پہلا واقعہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیرحاء نامی ایک باغ تھا جو مسجدِ نبوی سے متصل تھا، اس کے کنویں کا پانی میٹھا اور ٹھنڈا تھا، نبی پاک ﷺ اکثر وہاں تشریف لے جاتے تھے اور اس کنویں کا پانی نوش فرماتے تھے، وہ باغ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھا، جب آیت کریمہ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ عزوجل یہ فرمارہے ہیں کہ تم کو اس وقت تک نیکی نصیب نہیں ہوسکتی جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز راہ خدا میں خرچ نہ کرو، میرے پاس سب سے زیادہ نفیس یہی باغ ہے، میں اس کو راہِ خدا میں دیتا ہوں، آپ جس طرح چاہیں اس میں تصرف فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: واہ واہ! یہ تو نفع بخش مال ہے! پھر آپ ﷺ نے مشورہ دیا کہ یہ باغ اپنے رشتہ داروں میں بانٹ دو، چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ

عنہ کو بھی اس میں سے دیا، وہ بھی ان کے رشتہ دار تھے، معلوم ہوا کہ خیرات دینے میں اور مدد کرنے میں رشتہ داروں کو مقدم رکھنا چاہئے۔

دوسرا واقعہ: ایک عید میں خطبہ سے فارغ ہو کر نبی پاک ﷺ عورتوں کے مجمع کے قریب تشریف لے گئے اور ان کو نصیحت کی، خاص طور پر صدقہ کی ترغیب دی، چنانچہ عورتوں نے زیورات کا صدقہ کرنا شروع کیا، مگر بعض عورتیں مالدار تھیں، ان کے پاس بڑے زیور تھے جو گھر پر تھے انھوں نے بھی وہ زیور صدقہ کرنے کا ارادہ کیا، ان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جب انھوں نے گھر جا کر اس زیور کو صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو ابن مسعودؓ نے ان سے فرمایا: تم کسی اور کو صدقہ دو اس سے بہتر یہ ہے کہ مجھے دو، میں اس کو اپنے اوپر اور بچوں پر خرچ کروں گا، حضرت زینبؓ نے کہا: اگر ایسا ہو سکتا ہے تو میں آپ کو مقدم رکھوں گی، آپ نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھ آئیں، حضرت ابن مسعودؓ کو شرم آئی، انھوں نے فرمایا: تم ہی پوچھ آؤ، چنانچہ حضرت زینبؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اتفاق سے ایک اور عورت بھی یہی مسئلہ پوچھنے آئی تھی، دونوں نے اجازت چاہی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر آئے، ان سے دونوں نے مسئلہ پوچھوایا اور کہا: ہمارا نام نہ لینا، آپؐ نے پوچھا: کون پوچھ رہی ہیں؟ حضرت بلالؓ نے کہا: ایک تو زینب ہیں، آپؐ نے پوچھا: کونسی زینب؟ حضرت بلالؓ نے کہا: ابن مسعودؓ کی اہلیہ۔ آپؐ نے دونوں کو اندر آنے کی اجازت دیدی، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج آپؐ نے صدقہ کا حکم دیا ہے اور میرے پاس ایک زیور ہے، میں اسے صدقہ کرنا چاہتی ہوں، ابن مسعودؓ کہتے ہیں: وہ اور ان کے بچے اس صدقہ کے زیادہ حق دار ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ابن مسعودؓ نے صحیح کہا، تمہارے شوہر اور تمہارے بچے زیادہ حقدار ہیں ان سے جن پر تم خیرات کرو۔ معلوم ہوا کہ اقارب کو اجانب پر ترجیح حاصل ہے، مگر یہ حدیث بھی بظاہر نفلی صدقہ کے بارے میں ہے۔

[٤٤-] بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الْأَقَارِبِ

وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَهُ أَجْرَانِ: أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَالصَّدَقَةِ"

[١٤٦١-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُوْلُ: كَانَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ، وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ، وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدْخُلُهَا، وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ، قَالَ أَنَسٌ: فَلَمَّا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ قَامَ أَبُوْ طَلْحَةَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُوْلُ: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آل عمران: ٩٢] وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ

بَيْرُحَاءَ، وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ، أَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ، فَضَعْهَا يَارسولَ اللّٰهِ! حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ، قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "بَخْ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ! ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ! وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ، وَإِنِّيْ أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ" فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ: أَفْعَلُ يَارسولَ اللّٰهِ! فَقَسَمَهَا أَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ أَقَارِبِهِ وَبَنِيْ عَمِّهِ. تَابَعَهُ رَوْحٌ، وَقَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَإِسْمَاعِيْلُ، عَنْ مَالِكٍ: "رَايِحٌ" بِالْيَاءِ.

[انظر: ۲۳۱۸، ۲۷۵۲، ۲۷۵۸، ۲۷۶۹، ٤٥٥٤، ٤٥٥٥، ٥٦١١]

قولہ: رابح: یہ لفظ باء کے ساتھ رابح ہے یا یاء کے ساتھ رایح؟ عبداللہ بن یوسف کی روایت میں رابح (باء کے ساتھ) ہے اور روح ان کے متابع ہیں ان کی روایت میں بھی باء ہے مگر امام مالک رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ اور اسماعیل بن ابی اویس یاء کے ساتھ رایح کہتے ہیں، اور رایح کے معنی ہیں: آخرت میں اس کا بڑا ثواب ہے۔

[۱٤٦۲-] حدثنا ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ زَيْدٌ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَوَعَظَ النَّاسَ وَأَمَرَهُمْ بِالصَّدَقَةِ، فَقَالَ: "أَيُّهَا النَّاسُ تَصَدَّقُوْا" فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ فَإِنِّيْ رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ" فَقُلْنَ: وَبِمَ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ، يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ" ثُمَّ انْصَرَفَ. فَلَمَّا صَارَ إِلَى مَنْزِلِهِ جَاءَتْ زَيْنَبُ امْرَأَةُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ: تَسْتَأْذِنُ عَلَيْهِ، فَقِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذِهِ زَيْنَبُ فَقَالَ: "أَيُّ الزَّيَانِبِ؟" فَقِيْلَ: امْرَأَةُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: "نَعَمْ، ائْذَنُوْا لَهَا" فَأُذِنَ لَهَا قَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! إِنَّكَ أَمَرْتَ الْيَوْمَ بِالصَّدَقَةِ وَكَانَ عِنْدِيْ حُلِيٌّ لِيْ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهِ، فَزَعَمَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ وَوَلَدَهُ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ" [راجع: ۳۰٤]

وضاحت: اس حدیث کا شروع کا حصہ کئی بار گذر چکا ہے، اور آخری حصہ پہلی بار آیا ہے۔ شروع کا ترجمہ اور شرح کتاب الحیض (باب ٦ تحفۃ القاری ۲: ۹۰) میں ہے۔

آخری حصہ کا ترجمہ: جب نبی ﷺ عورتوں کو نصیحت فرما کر گھر لوٹے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ زینب رضی اللہ عنہا آئیں، وہ آپؐ کے پاس آنے کی اجازت مانگ رہی تھیں، پس عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ زینب ہیں، آپؐ نے فرمایا: کونسی زینب ہیں؟ عرض کیا گیا: ابن مسعودؓ کی اہلیہ ہیں، آپؐ نے فرمایا: ہاں ان کو اجازت دیدو، چنانچہ ان کو

اندر آنے کی اجازت دیدی گئی، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپؐ نے آج صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے اور میرے پاس ایک زیور ہے، میں نے اس کو صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو ابن مسعودؓ کہتے ہیں: وہ اور ان کے بچے ان سب لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں جن کو میں صدقہ دوں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ابن مسعود نے صحیح کہا: تمہارا شوہر اور تمہارے بچے ان سب سے زیادہ حقدار ہیں جن کو تم صدقہ دو۔

بَابٌ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ فَرَسِهِ صَدَقَةٌ

مسلمان کے گھوڑے میں زکات نہیں

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے ذریعہ جنسِ فرس میں زکات کی نفی کی ہے یعنی گھوڑا خواہ کسی مقصد سے ہو، سواری کے لئے ہو یا نسل کشی کے لئے: اس میں زکات نہیں، البتہ اگر تجارت کے لئے ہو تو بالاجماع زکات واجب ہے۔

گھوڑوں کے سلسلہ میں دو حدیثیں ہیں: ایک حدیث حضرتؒ کی شرط کے مطابق ہے، اس کو لائے ہیں اور دوسری حدیث آپ کی شرط کے مطابق نہیں، وہ ترمذی میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: قد عَفَوْتُ عن صدقةِ الخيل والرقيق: میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکات معاف کردی، یعنی میں اللہ کی طرف سے ان میں زکات نہ ہونے کا اعلان کرتا ہوں (ترمذی حدیث ۶۲۰) یہ حدیث صریح ہے مگر بخاری میں لانے کے قابل نہیں۔

اور دوسری حدیث یہ ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان پر اس کے گھوڑوں میں اور اس کے غلام باندیوں میں زکات نہیں'' مگر ان حدیثوں سے استدلال تام نہیں، کیونکہ ان میں فرس کی مالک کی طرف اضافت ہے، پس اس سے سواری کا گھوڑا مراد ہے، ہر گھوڑا مراد نہیں، چنانچہ تجارت کے گھوڑوں میں بالاجماع زکات فرض ہے، پس جنسِ خیل سے زکات کی نفی کیسے ہوسکتی ہے؟

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ گھوڑے تین مقاصد سے پالے جاتے ہیں: ایک: سواری اور بار برداری وغیرہ کے لئے۔ دوسرے: تجارت کے لئے، تیسرے: تناسل یعنی نسل کشی کے لئے، جو گھوڑے استعمال کے لئے ہیں یعنی بار برداری اور سواری وغیرہ کے لئے ہیں ان میں بالاجماع زکات واجب نہیں، اور تجارت کے گھوڑوں میں بالاجماع زکات واجب ہے، اور جو گھوڑے نسل حاصل کرنے کے لئے ہیں ان میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ان میں زکات واجب نہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے، پھر آپ کے قول کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس گھوڑے اور گھوڑیاں دونوں ہوں تو ان میں زکات واجب ہے اور اگر صرف گھوڑیاں ہوں تو دو قول ہیں: وجوب کا بھی اور عدم وجوب کا بھی اور راجح وجوب کا قول ہے اس لئے کہ دوسرے سے گھوڑا مانگ کر نسل حاصل کرنا ممکن ہے اور اگر صرف گھوڑے ہوں تو بھی دو قول ہیں اور راجح عدم وجوب کا قول ہے، اس لئے کہ صرف گھوڑوں سے نسل حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اور جمہور کا استدلال باب کی حدیث اور ترمذی کی حدیث سے ہے اور ان کا استدلال واضح ہے: نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گھوڑوں اور بُردوں میں زکات کی معافی کا اعلان کیا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیثیں خاص ہیں ان میں صرف ان بُردوں اور گھوڑوں کا ذکر ہے جو سواری، بار برداری یا خدمت کے لئے ہیں، ہر قسم کے غلام باندی اور گھوڑوں کا مسئلہ ان حدیثوں میں نہیں ہے۔ چنانچہ جمہور بھی تجارت کے گھوڑوں اور بردوں میں زکات کے قائل ہیں۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ہے جو انھوں نے صحابہ سے مشورہ کر کے کیا تھا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عرب صرف سواری، بار برداری یا تجارت کے لئے گھوڑے پالتے تھے، نسل حاصل کرنے کے لئے گھوڑے پالنے کا عرب میں رواج نہیں تھا، مگر جب دورِ فاروقی میں فتوحات ہوئیں اور ایران، عراق اور شام وغیرہ ممالک اسلامی حکومت میں شامل ہوئے تو وہاں تناسل کے لئے گھوڑے پالنے کا رواج تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا گیا، آپؓ نے صحابہ سے مشورہ کر کے جواب لکھا کہ ان میں زکات واجب ہے، ہر گھوڑے میں سے ایک دینار (دس درہم) یا قیمت کا چالیسواں حصہ لیا جائے (تفصیل نصب الرایہ ۲: ۳۵۸ و ۳۵۹ میں ہے)

[۴۵-] بَابٌ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ فَرَسِهِ صَدَقَةٌ

[۱۴۶۳-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ فَرَسِهِ وَغُلَامِهِ صَدَقَةٌ" [انظر: ۱۴۶۴]

وضاحت: غُلَامِه میں بھی اضافت ہے۔ اور تمام ائمہ متفق ہیں کہ اس سے وہ غلام باندی مراد ہیں جو خدمت کے لئے ہیں، ہر غلام باندی مراد نہیں۔ اسی طرح فرسہ میں بھی وہ گھوڑے مراد ہیں جو سواری اور بار برداری کے لئے ہیں، ہر گھوڑا مراد نہیں، قران فی النظم قران فی الحکم کا قرینہ ہے۔

بَابٌ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِيْ عَبْدِهِ صَدَقَةٌ

مسلمان کے غلام میں زکات نہیں

غلام باندی دو مقصد سے ہوتے ہیں: خدمت کے لئے اور تجارت کے لئے، جو غلام باندی خدمت کے لئے ہیں ان میں بالاجماع زکات نہیں، اور جو تجارت کے لئے ہیں ان میں بالاجماع زکات ہے۔ جاننا چاہئے کہ آقا پر غلام باندی کا صدقہ فطر واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، یہ حنفیہ کی رائے ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف مسلمان غلام باندی کا صدقہ واجب ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۲: ۶۰۶ میں ہے)

[٤٦-] بَابٌ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ صَدَقَةٌ

[١٤٦٤-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ خُثَيْمِ بْنِ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ح: وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خُثَيْمُ بْنُ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِي عَبْدِهِ وَلاَ فِي فَرَسِهِ "[راجع: ١٤٦٣]

بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى الْيَتَامَى

یتیموں کو زکات دینا

اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ جو بھی زکات کا مستحق ہے اس کو زکات دینے سے زکات ادا ہو جائے گی، قرآنِ کریم میں (التوبہ آیت ٦٠) زکات کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں ان میں سے جس کو بھی زکات دی جائے گی زکات ادا ہو جائے گی، البتہ اس میں اولیٰ غیر اولیٰ کا لحاظ رکھنا چاہئے، جیسے رشتہ داروں کو زکات دینا اولیٰ ہے اجنبیوں کو دینے سے، اسی طرح جن یتیم بچوں کے پاس گذارے کے لئے کچھ نہیں، ان کو زکات دینا دوسرے غریبوں کو دینے سے بہتر ہے، کیونکہ جو غریب ہے مگر بڑی عمر کا ہے وہ مزدوری کر کے پیٹ پال سکتا ہے، لیکن یتیم بچہ کیا کرے گا؟ اس لئے اس کو زکات دینا اولیٰ ہے، یا جیسے علماء فرماتے ہیں: علوم دینیہ کی تحصیل میں جو غریب طلبہ مشغول ہیں ان کو زکات دینا اولیٰ ہے۔ غرض زکات کے جو آٹھ مصارف ہیں ان میں سے کسی بھی مصرف میں زکات دینے سے زکات ادا ہو جائے گی۔ مگر ان میں اولیٰ غیر اولیٰ کا لحاظ رکھنا چاہئے، یہی اس باب کا مقصد ہے۔

[٤٧-] بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى الْيَتَامَى

[١٤٦٥-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ هِلاَلِ بْنِ أَبِي مَيْمُوْنَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ يُحَدِّثُ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم جَلَسَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ، فَقَالَ: " إِنَّ مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِيْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا " فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَوَ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ؟ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقِيْلَ لَهُ: مَا شَأْنُكَ تُكَلِّمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، وَلاَ يُكَلِّمُكَ؟ فَرُئِيْنَا أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ، قَالَ: فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ، وَقَالَ: " أَيْنَ السَّائِلُ؟ " وَكَأَنَّهُ حَمِدَهُ، فَقَالَ: " إِنَّهُ لاَيَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ، وَإِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيْعُ يَقْتُلُ أَوْ يُلِمُّ، إِلاَّ آكِلَةَ الْخَضِرِ، أَكَلَتْ حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ

الشَّمْسِ، فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ وَرَتَعَتْ، وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ مَا أَعْطَى مِنْهُ الْمِسْكِيْنَ وَالْيَتِيْمَ وَابْنَ السَّبِيْلِ" أَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "وَإِنَّهُ مَنْ يَأْخُذُهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَيَكُوْنُ شَهِيْدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[راجع: ۹۲۱]

ترجمہ: عطاء بن یسار کہتے ہیں: انھوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ ایک دن نبی ﷺ (تقریر کے لئے) منبر پر بیٹھے اور ہم آپؐ کے اردگرد بیٹھے، آپؐ نے فرمایا: "مجھے اپنے بعد تم پر جس چیز کا ڈر ہے وہ دنیا کی زیب وزینت ہے جو تم پر کھولی جائے گی" یعنی فتوحات ہونگی جس کے نتیجہ میں مال کی فروانی ہوگی، اور اس کی زیب وزینت آخرت سے غافل کرے گی، پس ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اور خیر شر کو لائے گی؟ یعنی جو جنگیں ہونگی اور فتوحات ہونگی یہ اچھی چیز ہیں اور آپؐ اس کے بارے میں اندیشہ ظاہر فرما رہے ہیں تو کیا اچھی چیز بری چیز کا ذریعہ بن سکتی ہے؟ پس نبی ﷺ خاموش رہے، پس اس شخص سے کہا گیا: تجھے کیا ہوا! تو نبی ﷺ سے بات کرتا ہے اور نبی ﷺ تجھ سے بات نہیں کرتے یعنی مہمل سوال کیوں کر رہا ہے؟ پس ہم نے محسوس کیا کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ راوی کہتے ہیں: پس آپؐ نے چہرۂ مبارک سے پسینہ پونچھا، اور فرمایا: سائل کہاں ہے؟ گویا آپؐ نے اس کے سوال کو پسند کیا۔ پس آپؐ نے فرمایا: "بیشک خیر شر کو نہیں لاتی (مگر خیر کا بے جا استعمال برے نتائج پیدا کرتا ہے، پھر آپؐ نے یہ بات ایک مثال سے سمجھائی:) بیشک موسم بہار جو گھاس اگاتا ہے وہ جانور کو مار دیتی ہے یا ادھ مرا کر دیتی ہے مگر وہ جانور جو ہری گھاس خوب چرے یہاں تک کہ جب اس کی دونوں کوکھیں خوب تن جائیں تو وہ سورج کی طرف منہ کر کے پڑ جائے اور پتلا گوبر کرے اور پیشاب کرے یعنی ٹھیک ہو جائے اور چرے یعنی پھر چرنے لگے۔ اور بیشک مال سرسبز وشاداب ہے (یہ جانوروں کے لحاظ سے تعبیر ہے) اور شیریں ہے (یہ انسانوں کے اعتبار سے ہے) پس بہترین شخص وہ ہے جو مالدار ہو مسلمان ہو، جب تک وہ اپنے مال میں سے مسکینوں پر، یتیموں پر اور مسافروں پر خرچ کرے (یہی جزء باب سے متعلق ہے) یا جیسا نبی ﷺ نے فرمایا: اور بیشک وہ شخص جو بغیر حق کے مال لیتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور شکم سیر نہیں ہوتا یعنی ایسے شخص کی مال کی حرص ختم نہیں ہوتی اور وہ مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔ (بالشر: یأتی کا صلہ ہے، أی: هل يَسْتَجْلِبُ الخيرُ الشرَّ؟ عمدۃ القاری)

تشریح: نبی ﷺ نے مذکورہ حدیث میں یہ بات سمجھائی ہے کہ جو چیز اچھی ہے وہ اچھی ہے، البتہ اگر غلط طریقہ سے استعمال کی جائے تو اچھی چیز بھی بری ہو جاتی ہے، جیسے گھی اور شہد مفید ہیں لیکن سلیقہ سے استعمال کریں تو مفید ہیں، اگر کوئی شخص ایک ساتھ آدھا کلو گھی پی جائے تو لوٹا لے کر بھاگتے بھاگتے تھک جائے گا، یہ غلط استعمال کی وجہ سے ہوا، ورنہ گھی فی نفسہ اچھی چیز ہے۔

ایک واقعہ: میرے خالہ زاد بھائی ایک مرتبہ ایک کلو شہد لائے اور تین دن میں کھا گئے، گرمی کا زمانہ تھا، پورے بدن میں

پھنسیاں نکل آئیں، وہ مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب رحمہ اللہ کے پاس دوا لینے کے لئے گئے، حضرت میرے استاذ اور ماہر حکیم تھے، پالن پور میں رہتے تھے، انھوں نے مسکن دواء دی، دواء لینے کے بعد خالہ زاد بھائی نے پوچھا: حضرت! قرآنِ کریم میں ہے: ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ﴾: شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے اور میں تو شہد کھا کر بیمار پڑ گیا! حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب! قرآن میں ﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ﴾ ہے لِلبھینس نہیں ہے، آپ جو تین دن میں ایک کلو شہد چاٹ گئے، یہ انسان کا کام ہے یا بھینس کا؟ غرض شہد اچھی چیز ہے مگر سلیقہ سے استعمال کیا جائے تو مفید ہے اور بے سلیقہ استعمال کیا جائے تو بیمار پڑ جائے گا۔

یہی بات نبی ﷺ نے مثال سے سمجھائی ہے: جب موسم بہار آتا ہے تو جنگل ہری گھاس سے بھر جاتا ہے اور جانور خوب چرتے ہیں مگر کوئی گھاس سخت ہوتی ہے اس کو بے حد کھانے سے جانور یا تو مر جاتا ہے یا ادھ مرا ہو جاتا ہے اور کوئی گھاس نرم ہوتی ہے، جانور اس کو بے حد کھاتا ہے تو اپھارہ ہو جاتا ہے، پس وہ سورج کی طرف پیٹ کر کے لیٹ جاتا ہے، گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد اسہال شروع ہو جاتے ہیں، پتلا گوبر کرتا ہے اور پیٹ خالی ہو جاتا ہے، تو اٹھ کر چرنے لگتا ہے۔

غرض گھاس اللہ کی نعمت ہے اور اچھی چیز ہے اور جو جانور مر گیا یا ادھ مرا ہو گیا وہ بے حد کھانے کی وجہ سے مرا ہے، اسی طرح مال بھی اچھی چیز ہے اللہ کی بڑی نعمت ہے، مایۂ زندگانی ہے، سرخ روئی کا ذریعہ ہے، دنیا میں بقاء کا سہارا ہے مگر اس کو غلط طور پر کمایا جائے اور غلط جگہوں میں خرچ کیا جائے تو پھر ہلاکت اور بربادی کا سامان ہے، اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، اس سے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی مدد کی جائے تو دنیا میں بھی سرخ رو ہو گا اور آخرت میں بھی بلند درجات حاصل ہونگے۔

بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الزَّوْجِ وَالْأَيْتَامِ فِي الْحَجْرِ

شوہر کو زکات دینا اور اپنی پرورش میں جو یتیم بچے ہیں ان پر زکات خرچ کرنا

الحَجْر: حاء کے زبر کے ساتھ بھی ہے اور زیر کے ساتھ بھی، اور اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ عورت شوہر کو زکات دے سکتی ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء کہتے ہیں: عورت شوہر کو زکات دے سکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے، ان کی نقلی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والا واقعہ ہے، جو تین ابواب پہلے گذرا ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صدقہ دینے کی اجازت دی تھی، اور امام بخاریؒ کے نزدیک صدقہ نافلہ اور صدقہ مفروضہ میں فرق نہیں۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ بیوی کے ذمہ شوہر کا نفقہ نہیں، بلکہ شوہر کے ذمہ بیوی کا نفقہ ہے پس شوہر تو اپنی زکات بیوی کو نہیں دے سکتا، مگر بیوی اپنی زکات شوہر کو دے سکتی ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک زوجین میں سے ایک دوسرے کو زکات نہیں دے سکتا۔ وہ کہتے ہیں: میاں بیوی کا ہاتھ ایک

دوسرے کے مال میں دراز ہوتا ہے یعنی زوجین ایک دوسرے کا مال بے تکلف استعمال کرتے ہیں، پس شوہر نے بیوی کو زکات دی یا بیوی نے شوہر کو زکات دی تو اس کو دوسرا استعمال کرے گا اس لئے پوری طرح مال ملکیت سے نہیں نکلا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نفلی صدقہ کا احتمال ہے اور نفلی صدقہ ہر کسی کو ماں باپ، اولاد، مالدار اور آل رسول کو بھی دے سکتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ کسی مرد یا عورت کی پرورش میں یتیم بچے ہیں تو وہ اپنی زکات ان یتیموں پر خرچ کرسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر ان بچوں کے ساتھ ولادت کا تعلق نہیں ہے تو کرسکتا ہے، اور اگر یتیم پوتے، نواسے پرورش میں ہیں تو دادا دادی، اور نانا نانی اپنی زکات ان پر خرچ نہیں کرسکتے، رہا قبضہ تو وکیل ہو کر لیا یا بچے خود قبضہ کریں گے۔ اور حضرت زینبؓ یا حضرت ابن مسعودؓ کی پرورش میں یتیم بچے تھے: ان پر خیرات کرنے کی نبی ﷺ نے اجازت دی تھی، وہ ان کے اپنے بچے نہیں تھے۔

[٤٨-] بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الزَّوْجِ وَالْأَيْتَامِ فِي الْحَجْرِ

قَالَهُ أَبُوْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[١٤٦٦-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيْقٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ ــــ قَالَ: فَذَكَرْتُهُ لِإِبْرَاهِيْمَ، فَحَدَّثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ، عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بِمِثْلِهِ سَوَاءً ــــ قَالَتْ: كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ" وَكَانَتْ زَيْنَبُ تُنْفِقُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ وَأَيْتَامٍ فِيْ حَجْرِهَا، فَقَالَتْ لِعَبْدِ اللّٰهِ: سَلْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَيَجْزِئُ عَنِّيْ أَنْ أُنْفِقَ عَلَيْكَ، وَعَلَى أَيْتَامٍ لِيْ فِيْ حَجْرِيْ: مِنَ الصَّدَقَةِ؟ فَقَالَ: سَلِيْ أَنْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَانْطَلَقْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَوَجَدْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى الْبَابِ، حَاجَتُهَا مِثْلُ حَاجَتِيْ. فَمَرَّ عَلَيْنَا بِلَالٌ، فَقُلْنَا: سَلِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم: أَيَجْزِئُ عَنِّيْ أَنْ أُنْفِقَ عَلَى زَوْجِيْ وَأَيْتَامٍ لِيْ فِيْ حَجْرِيْ؟ وَقُلْنَا: لَاتُخْبِرْ بِنَا، فَدَخَلَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ: "مَنْ هُمَا؟" قَالَ: زَيْنَبُ، فَقَالَ: "أَيُّ الزَّيَانِبِ؟" قَالَ: امْرَأَةُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: "نَعَمْ وَلَهَا أَجْرَانِ: أَجْرُ الْقَرَابَةِ، وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ"

قولہ: فذکرتہ: اعمش رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو یہ حدیث شقیق عن عمرو بن الحارث عن زینب کی سند سے سنائی تو حضرت ابراہیمؒ نے ایک دوسری سند سے یعنی ابوعبیدۃ عن عمرو بن الحارث عن زینب کی سند سے بعینہ یہی حدیث سنائی، پس عمرو بن الحارث مدار الاسناد ہیں اور ان سے شقیق بھی روایت کرتے ہیں اور ابوعبیدہ بھی۔

قولہ: وکانت زینب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پرورش میں یتیم بچے تھے، وہ ان پر خرچ کرنا چاہتی تھیں اور

اپنے شوہر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر بھی، اور کسی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی پرورش میں یتیم بچے تھے، حضرت زینبؓ ان پر خرچ کرنا چاہتی تھیں، یہ واقعہ کے متعلقات ہیں، اسی طرح پہلے حدیث میں آیا ہے کہ حضرت زینبؓ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی، اور یہاں یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھوایا اور اپنا نام ظاہر نہ کرنے کے لئے کہا، یہ بھی واقعہ کے متعلقات ہیں۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ دوسری عورت سے واقف نہیں تھے، صرف حضرت زینبؓ کو جانتے تھے اس لئے انہی کا نام لیا۔

[۱۴۶۷-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارسولَ اللهِ! أَلِيْ أَجْرٌ أَنْ أُنْفِقَ عَلَى بَنِيْ أَبِيْ سَلَمَةَ، إِنَّمَا هُمْ بَنِيَّ، فَقَالَ: "أَنْفِقِيْ عَلَيْهِمْ، فَلَكِ أَجْرُ مَا أَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ" [انظر: ۵۳۶۹]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر میں ابوسلمہ (سابق شوہر) کے بچوں پر جو میرے بھی بچے ہیں خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: تم ان پر خرچ کرو، تمہیں اُس کا ثواب ملے گا جو تم ان پر خرچ کروگی (مگر حدیث میں صدقہ نافلہ اور صدقہ مفروضہ کی صراحت نہیں، اس لئے اپنی اولاد پر اپنی زکات خرچ کرنے کے جواز پر اس حدیث سے استدلال نہیں ہوسکتا)

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالىٰ: ﴿وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾

غلاموں کی گردن چھڑانے میں، قرض داروں کے قرضہ میں اور راہِ خدا میں زکات خرچ کرنا

قرآنِ کریم میں زکات کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے تین وہ ہیں جو باب میں مذکور ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی تفسیر میں مختلف آثار لائے ہیں:

۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص زکات کی رقم سے غلام باندی خرید کر آزاد کرے تو جائز ہے، زکات ادا ہوجائے گی۔ اسی طرح کوئی شخص حج کے لئے جانا چاہتا ہے اور اس کے پاس انتظام نہیں ہے تو اس کو زکات دے سکتے ہیں۔

تشریح: پہلے مسئلہ میں حنفیہ کے نزدیک زکات ادا نہیں ہوگی، کیونکہ آزاد کرنے کی حقیقت ہے: اپنی ملکیت ختم کرنا، جبکہ زکات ملکیت ختم کرنے سے ادا نہیں ہوتی بلکہ غریب کو مالک بنانے سے ادا ہوتی ہے۔ پس زکات کی رقم سے غلام باندی خرید کر آزاد کرنے سے زکات ادا نہیں ہوگی۔

اور حنفیہ کے نزدیک فی الرقاب کا مطلب ہے مکاتب کو دینا، کسی غلام نے اپنے آقا سے کتابت کر رکھی ہے، کتابت

کرنے سے غلام رقبہ کے اعتبار سے تو غلام رہتا ہے مگر تصرف کے اعتبار سے آزاد ہو جاتا ہے، پس اگر اس کو زکات دی جائے تو وہ مالک ہو جائے گا، اس لئے اس کو زکات دینا جائز ہے تا کہ وہ بدل کتابت بھر کر آزاد ہو جائے۔

قوله: یُذکر عن ابن عباس: صیغہ تمریض سے اس اثر کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی شخص نے زکات کی رقم سے اپنے باپ کو خریدا تو خریدتے ہی باپ آزاد ہو جائے گا، اور زکات ادا ہو جائے گی، اسی طرح کوئی شخص جہاد میں جانا چاہتا ہے اور اس کے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو اس کو زکات دے سکتے ہیں، تا کہ وہ ہتھیار خرید کر جہاد میں جائے یا حج میں جانا چاہتا ہے اس کو زکات دی تو زکات ادا ہو جائے گی۔ پھر حضرتؒ نے سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ تلاوت فرمائی اور فرمایا: ان آٹھ مصارف میں سے جس کو بھی زکات دی جائے گی زکات ادا ہو جائے گی۔

تشریح: پہلے مسئلہ میں احناف کے نزدیک زکات کی رقم سے باپ کو خریدنے سے باپ تو آزاد ہو جائے گا مگر زکات ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکات غریب کو مالک بنانے سے ادا ہوتی ہے، اپنا حق ختم کرنے سے ادا نہیں ہوتی۔

اور فی سبیل اللہ کا مصداق کیا ہے؟ اس سلسلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ سے کچھ مروی نہیں، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک منقطع الغزات مراد ہیں یعنی وہ مجاہدین مراد ہیں جو دشمنانِ اسلام سے لڑنا چاہتے ہیں مگر ان کے پاس اسباب نہیں، ان کو زکات کے مال سے ہتھیار وغیرہ خرید کر دے سکتے ہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک منقطع الحاج مراد ہے، اور فتوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے (تحفۃ القاری ۱: ۲۵۵، تحفۃ الالمعی ۴: ۵۶۳)

۳- نبی پاک ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: خالدؓ نے جنگی سامان روک رکھا ہے، یعنی زکات کی رقم سے ہتھیار خرید رکھے ہیں اور جو جہاد میں جانا چاہتا ہے مگر اس کے پاس ہتھیار نہیں ہوتے اس کو وہ ہتھیار دیتے ہیں۔ عاریت پر دیتے تھے یا مالک بناتے تھے؟ حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں، میرا خیال ہے کہ مالک بناتے تھے، أَدْرَاعٌ: دِرْعٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: زرہ یعنی لوہے کا کرتا۔

۴- ایک صحابی کی کنیت ابو لاس ہے اور نام عبد اللہ یا زیاد ہے وہ کہتے ہیں: ہم حج میں جانا چاہتے تھے اور ہمارے پاس سواریاں نہیں تھیں، پس نبی ﷺ نے زکات کے اونٹوں میں سے ہمیں سواریاں دیں (یہ اونٹ عاریت پر نہیں دیئے تھے بلکہ ان کو مالک بنایا تھا، حَمَلَہ کے معنی ہیں: جانور کا مالک بنانا)

غارم کے معنی: قرآن کریم میں زکات کے جو آٹھ مصارف آئے ہیں ان میں ایک غارم بھی ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک غارم سے مدیون مراد ہے یعنی وہ شخص جس کے پاس مال ہے لیکن اس کا سارا مال یا بعض مال قرض میں مشغول ہے اور قرض ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب مال باقی نہیں رہتا، یہ شخص اگرچہ بظاہر غنی ہے مگر حقیقت میں فقیر ہے، پس اس کو زکات دینا جائز ہے اور اس کے لئے لینا بھی جائز ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غارم وہ شخص ہے جس نے اصلاح ذات البین کے لئے کسی مقتول کی دیت یا کوئی بڑی رقم اپنے سر لی ہو، وہ شخص چندہ کر کے اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکتا ہے، خود استعمال نہیں کرسکتا کیونکہ وہ مالدار ہے۔

[۴۹-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

[۱-] وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: يُعْتِقُ مِنْ زَكَاةِ مَالِهِ، وَيُعْطِيْ فِي الْحَجِّ.

[۲-] وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنِ اشْتَرَى أَبَاهُ مِنَ الزَّكَاةِ جَازَ، وَيُعْطِيْ فِي الْمُجَاهِدِيْنَ، وَالَّذِيْ لَمْ يَحُجَّ، ثُمَّ تَلَا ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾ الآيَةَ: فِيْ أَيِّهَا أُعْطِيَتْ أَجْزَأَتْ.

[۳-] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنَّ خَالِدًا احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

[٤-] وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِيْ لَاسٍ: حَمَلَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ لِلْحَجِّ.

[۱٤٦٨-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: ثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِصَدَقَةٍ، فَقِيْلَ: مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ، وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ، وَعَبَّاسُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فَقِيْرًا، فَأَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ، وَأَمَّا خَالِدٌ فَإِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا، قَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتُدَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَأَمَّا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَعَمُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَهِيَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، وَمِثْلُهَا مَعَهَا"

تَابَعَهُ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيْهِ، وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ: " هِيَ عَلَيْهِ، وَمِثْلُهَا مَعَهَا" وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: حُدِّثْتُ عَنِ الأَعْرَجِ مِثْلَهُ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زکوتیں وصول کرنے کے لئے بھیجا، پس کہا گیا، یعنی حضرت عمرؓ نے رپورٹ دی کہ ابن جمیل، خالد بن الولید اور عباس بن عبدالمطلب نے زکات نہیں دی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ابن جمیل کو ناگوار نہیں ہوئی مگر یہ بات کہ وہ غریب تھا پس اللہ نے اور اس کے رسول نے اس کو بے نیاز کر دیا یعنی اس نے نبی ﷺ سے دعا کروائی، دعا کی برکت سے اس کو مال مل گیا، اب اس کو اللہ کا حق دینا بھی بھاری معلوم ہوتا ہے۔ اور رہے خالدؓ تو آپ لوگ خالدؓ پر ظلم کرتے ہو، یعنی ان کے پاس زکات لینے کیوں گئے؟ انھوں نے تو اپنی زکات کا الگ نظام بنا رکھا ہے انھوں نے فولادی کُرتے اور جنگی سامان راہِ خدا میں روک رکھا ہے۔ اور رہے عباسؓ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں، وہ زکات ان پر خیرات ہے اور اس کے مانند اس کے ساتھ (یہ شعیب کی روایت کے الفاظ ہیں اور ابن ابی الزناد ان کے متابع ہیں۔ اور ابوالزناد کے شاگرد ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہیں: هِيَ عليه یعنی لفظ صدقة نہیں ہے اور ابن جریج ان کے متابع ہیں اور صحیح الفاظ یہی ہیں اور علیه کی ضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں اى: هي عليَّ: وہ زکات میرے ذمہ ہے، آپ

ان سے دوسال کی زکات پیشگی وصول کر چکے تھے)

ملحوظہ: اس حدیث کی تشریح کتاب الزکاۃ باب ۳۳ میں ہے۔

قولہ: وأما العباس فعم رسول اللہ: یہ جملہ مجمل ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شکایت کی تو نبی ﷺ نے حضرت عباس اور حضرت خالد رضی اللہ عنہما کی طرف سے صفائی دی اور ابن جمیل کے طرز عمل پر ناراضگی ظاہر فرمائی، پھر حضرت عمرؓ کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے حضرت عباسؓ کی شکایت نامناسب انداز میں کی ہے، کیونکہ عَمُّ الرجل صِنْوُ أبیہ: آدمی کا چچا اس کے باپ کی جڑ میں سے نکلا ہوا درخت ہے۔ بعض درخت ایسے ہوتے ہیں جن کی جڑ میں سے دوسرے درخت نکلتے ہیں جیسے کھجور، گنا، کیلا اور گیہوں وغیرہ ان کی جڑ میں سے کئی درخت نکلتے ہیں، وہ ایک دوسرے کا صنو کہلاتے ہیں، اسی طرح باپ اور چچا ایک دوسرے کے صنو ہیں، دونوں دادا کی اولاد ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ وہ میرے چچا ہیں وہ میرے لئے بہ منزلہ باپ ہیں، یہاں سے ادب نکلا کہ اگر کسی استاذ کا لڑکا آوارہ ہو اور باپ کو پتہ نہ ہو اور شکایت کرنی ہو تو خوبصورت انداز اختیار کرنا چاہئے، سیدھا یہ کہہ دینا کہ حضرت آپ کا لڑکا سینما دیکھتا ہے مناسب نہیں۔

لغات: نَقَم (ض،س) نَقْمًا: مکروہ جاننا (اوپر یہ ترجمہ کیا ہے) بدلہ دینا یعنی ابن جمیل کا زکات روکنا صرف اس بات کا بدلہ ہے کہ اس نے مجھ سے دعا کروائی اور اللہ نے اس کو نواز دیا......... **أدراع:** دِرْع کی جمع ہے: زرہ، یہ خاص ہے اور عُتُد عام ہے: کوئی بھی جنگی سامان۔

بَابُ الِاسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْئَلَةِ

مانگنے سے بچنے کی کوشش کرنا

حدیثوں میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے کہ آدمی مانگنے سے بچے۔ جاننا چاہئے کہ جو شخص نصاب نامی یا نصاب غیر نامی کا مالک ہے وہ غنی ہے، اس کے لئے نہ تو زکات کا سوال کرنا جائز ہے اور نہ زکات لینا جائز ہے، اس کو زکات دینے سے زکات ادا نہ ہوگی، اور وہ شخص جس کے پاس کوئی نصاب نہیں: نہ نامی نہ غیر نامی مگر اس کے پاس گذارہ کے بقدر ہے اس کو زکات دینا جائز ہے اور اس کے لئے لینا بھی جائز ہے مگر اس کے لئے زکات کا سوال کرنا حرام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو لوگوں سے سوال کرتا ہے درانحالیکہ اس کے پاس اتنا ہے جو اس کو بے نیاز کرتا ہے تو وہ سوال قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں ہوگا (ترمذی حدیث ۶۴۴) اور چوتھا شخص وہ ہے جس کے پاس گذارہ بھی نہیں، یہ شخص زکات کا سوال کر سکتا ہے اور اس کو زکات دینا بھی جائز ہے۔

فائدہ: نصاب دو ہیں: ایک: نصاب نامی (بڑھنے والا نصاب) اس میں صرف قابل زکات اموال شمار ہوتے ہیں، قابل زکات اموال کی چار اجناس ہیں: (۱) اونٹ (۲) بھیڑ بکری (دونوں ایک جنس ہیں) (۳) گائے بھینس (یہ دونوں بھی

ایک جنس ہیں) (۴) سونا چاندی، اموال تجارت اور کرنسی وغیرہ (یہ سب ایک جنس ہیں) ان میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ انضمام نہیں کیا جائے گا (تحفۃ الالمعی ۲: ۵۱۷)

اور دوسرا نصاب: غیر نامی (نہ بڑھنے والا) ہے قابل زکات اموال کے علاوہ جو بھی مال ضرورت سے زائد ہو وہ اس میں شمار ہوتا ہے، یہ مال خواہ کتنا ہی ہو اس میں زکات واجب نہیں۔ البتہ اگر وہ حاجات اصلیہ سے زائد ہے اور چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کے بقدر ہے تو وہ شخص چھوٹے نصاب کا مالک ہے اور اس پر پانچ احکام لازم ہوتے ہیں: (۱) اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے (۲) اس پر قربانی واجب ہے (۳) اس پر نادار نہ کما سکنے والے ددھیالی اور ننھیالی رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے جو ذی رحم محرم ہوں (۴) اس پر حج فرض ہے، زائد مکان اور زائد زمین بیچ کر حج کرنا ضروری ہے (۵) اس کے لئے زکات حرام ہے اگر کوئی اس کو زکات دے گا تو زکات ادا نہیں ہوگی .... اور نصاب نامی کے مالک پر چھ فریضے عائد ہوتے ہیں پانچ یہی اور چھٹا: اس پر ہر سال زکات نکالنا فرض ہے (درمختار ۲: ۳۱۳ باب صدقۃ الفطر)

[۵۰-] بَابُ الِاسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْئَلَةِ

[۱٤٦٩-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ: إِنَّ أُنَاسًا مِنَ الأَنْصَارِ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوْهُ فَأَعْطَاهُمْ [ثُمَّ سَأَلُوْهُ فَأَعْطَاهُمْ] حَتَّى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: " مَايَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ" [انظر: ٦٤٧٠]

ترجمہ: چند انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس آپؐ نے ان کو عطا فرمایا، انھوں نے پھر مانگا آپؐ نے پھر دیا، انھوں نے پھر مانگا آپؐ نے پھر دیا یہاں تک کہ آپؐ کے پاس کچھ نہ رہا۔ پس آپؐ نے فرمایا: "میرے پاس جو کچھ ہوگا میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا، اور جو شخص مانگنے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بچا دیتے ہیں یعنی ایسے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ مانگنے سے بچ جاتا ہے، اور جو بے نیاز بننے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتے ہیں، اور جو شخص ہمت سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر شعار بنا دیتے ہیں اور کسی کو کوئی نعمت نہیں دی گئی صبر سے بہتر اور کشادہ، یعنی صبر کی توفیق سب سے بڑی نعمت ہے۔

تشریح: لفظ خیر عام ہے مگر یہاں مال مراد ہے۔ ارشاد پاک: ﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ میں بھی خیر سے مال مراد ہے، اور استعفاف، استغناء اور صبر میں بڑی نعمت صبر ہے اگر صبر حاصل ہو جائے تو دوسری دونوں چیزیں خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں۔

[۱۴۷۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَحْتَطِبَ عَلٰى ظَهْرِهِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلًا فَيَسْأَلَهُ: أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ"

[انظر: ۱۴۸۰، ۲۰۷۴، ۲۳۷۳]

[۱۴۷۱-] حدثنا مُوْسٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهِ، فَيَبِيْعَهَا، فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ: أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوْهُ"[انظر: ۲۰۷۵، ۲۳۵۳]

حدیث(۱): نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم میں سے ایک شخص رسّی لے اور اپنی پیٹھ پر سوختہ لاد کر لائے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ کسی آدمی کے پاس جائے اور اس سے مانگے: وہ اس کو دے یا نہ دے (یعنی مانگنے میں دو احتمال ہیں: مل بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ملتا اور سوختہ لاکر بیچے گا تو بالیقین کمائے گا پس وہ بہتر ہے)

حدیث(۲): نبی ﷺ نے فرمایا: البتہ یہ بات کہ تم میں سے ایک شخص رسّی لے پس وہ اپنی پیٹھ پر سوختہ لاد کر لائے اور اس کو بیچے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو مانگنے سے بے نیاز کردیں تو یہ اس کے لئے زیادہ بہتر ہے اس سے کہ وہ لوگوں سے مانگے: لوگ اس کو دیں یا دینے سے انکار کردیں۔

تشریح: اس حدیث کا سبق یہ ہے کہ جب تک بازو میں طاقت ہو کما کر کھانا چاہئے۔

[۱۴۷۲-] حدثنا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ، ثُمَّ قَالَ:" يَا حَكِيْمُ! إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ، وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى" فَقَالَ حَكِيْمٌ: فَقُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا، فَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ يَدْعُوْ حَكِيْمًا إِلَى الْعَطَاءِ فَيَأْبٰى أَنْ يَقْبَلَهُ مِنْهُ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَأَبٰى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، فَقَالَ: إِنِّيْ أُشْهِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى حَكِيْمٍ، أَنِّيْ أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهُ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَأْبٰى أَنْ يَأْخُذَهُ، فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيْمٌ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى تُوُفِّيَ. [انظر: ۲۷۵۰، ۳۱۴۳، ۶۴۴۱]

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پس آپؐ نے مجھے عنایت

فرمایا؛ پھر میں نے مانگا تو آپ نے پھر عنایت فرمایا، پھر (تیسری بار) میں نے مانگا تو (بھی) آپ نے عنایت فرمایا، پھر فرمایا: اے حکیم! یہ مال سرسبز وشیریں ہے، پس جو شخص دریا دلی سے مال لیتا ہے اس کے لئے اس میں برکت فرمائی جاتی ہے۔ اور جو شخص نفس کے جھانکنے کے ساتھ مال لیتا ہے اس کے لئے اس میں برکت نہیں فرمائی جاتی۔ اور وہ اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کھاتا ہے مگر شکم سیر نہیں ہوتا (اور) اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، حکیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں آپ کے بعد کبھی کسی کا مال نہیں گھٹاؤں گا، تا آنکہ دنیا سے جدا ہو جاؤں، یعنی اب میں کسی سے کچھ نہیں لوں گا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت حکیمؓ کو ان کا وظیفہ لینے کے لئے بلاتے تھے مگر وہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو بلاتے تھے تا کہ وہ ان کو ان کا وظیفہ دیں مگر حضرت حکیمؓ ان سے بھی کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے، پس حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے مسلمانو! میں آپ لوگوں کو حکیم کے معاملہ میں گواہ بناتا ہوں، میں ان کے سامنے ان کا وہ حق پیش کرتا ہوں جو ان کا اس مال میں ہے پس وہ اس کو لینے سے انکار کرتے ہیں۔ پس حضرت حکیمؓ نے نبی ﷺ کے بعد لوگوں میں سے کسی کا مال نہیں گھٹایا یعنی کسی سے کچھ نہیں لیا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔

لغات: السَّخَاوَة وَالسَّخَاءُ: فیاضی، دریا دلی، سخاوت نفس: رال نہ ٹپکانا .... **الإشراف:** اوپر سے دیکھنا، اسی معنی میں استشراف بھی ہے، یعنی نگاہ اٹھا کر دیکھنا، اشراف نفس: نفس کا جھانکنا، امیدوار رہنا .... **رَزَءَ (ف) ماله رُزْءًا:** مال میں سے کچھ لے کر اس میں کمی کرنا۔

تشریح:

۱- حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے جو بار بار مال کا سوال کیا تھا وہی نفس کا جھانکنا ہے اور اس طرح جو مال حاصل کیا جاتا ہے اس سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا۔

۲- اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، اس کی سات تفسیریں کی گئی ہیں، راجح یہ ہے کہ اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والا ہاتھ ہے اور نیچے کا ہاتھ لینے والا ہاتھ ہے، یعنی آدمی کی خوبی مانگنا نہیں بلکہ دینا ہے۔

۳- مال کو جانوروں کے تعلق سے سرسبز کہا گیا ہے، جانور سبز گھاس خوب کھاتے ہیں اور اس کو شیریں انسانوں کے تعلق سے کہا گیا ہے، انسان میٹھی چیز بہت کھاتا ہے، مال کا بھی یہی حال ہے اس سے آدمی کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔

بَابُ مَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ وَلَا إِشْرَافِ نَفْسٍ

حرصِ نفس اور طلب کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی چیز عنایت فرمائیں

اگر اشرافِ نفس اور طلب کے بغیر کوئی چیز ملے تو اسے لے سکتا ہے، یہ لینا نقائص سے مبرا ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں،

اور آیت کریمہ کسی نسخہ میں ہے، سب نسخوں میں نہیں ہے۔ ارشاد پاک ہے: ''اور مالداروں کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی کا حق ہے (الذاریات آیت:۱۹) محروم: وہ غریب ہے جو کسی سے سوال نہیں کرتا، اس لئے عام طور پر لوگ اس کی حالت سے واقف نہیں ہوتے، اور اس کو کچھ نہیں دیتے، اس لئے وہ محروم رہ جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مالدار اس کی حالت کا پتہ چلالے اور اس کو کچھ دے تو اس کے لئے لینا جائز ہے، کیونکہ مالدار کے مال میں اس کا بھی حق ہے، معلوم ہوا کہ حرصِ نفس اور مانگے بغیر کوئی چیز ملے تو اس کو لے سکتا ہے اس میں کچھ حرج نہیں، یہ آیت کریمہ سے استدلال ہے۔

[۵۱-] بَابُ مَنْ أَعْطَاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ وَلَا إِشْرَافِ نَفْسٍ

﴿وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾

[۱۴۷۳-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ، فَأَقُوْلُ: أَعْطِهِ مَنْ هُوَ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنِّيْ، فَقَالَ: " خُذْهُ، إِذَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ شَيْئٌ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ، وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ" [انظر: ۷۱۶۳، ۷۱۶۴]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ مجھے مال عنایت فرمایا کرتے تھے، پس میں کہتا: یہ اس کو دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے، پس آپؐ نے فرمایا: ''اس کو لے لو، جب تمہارے پاس کچھ مال آئے درانحالیکہ تمہارا نفس اس کی طرف نہ جھانکنے والا ہو نہ مانگنے والا تو اس کو لے لو، ورنہ اس پر رال مت ٹپکاؤ!

قولہ: ومالا: ای مالایکون علی ہذہ الصفۃ: جو مال ایسی حالت کا نہ ہو، بلکہ اس کو مانگنا پڑے یا نفس اس کا بہت زیادہ خواہش مند ہو فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ: پس اس کے پیچھے مت چلا تو اپنے نفس کو، ضمیرہ مفعولِ اول اور نَفْسَكَ مفعولِ ثانی ہے۔

تشریح: جب نبی ﷺ کسی کو کوئی سرکاری کام سونپتے تھے تو اس کا بدلہ عنایت فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی ذمہ داری سونپی، انھوں نے کام سرانجام دیا تو آپؐ نے ان کو کچھ عنایت فرمایا، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو اس کو عنایت فرمائیں۔ اس وقت نبی ﷺ نے ان کو یہ قاعدہ سمجھایا کہ اگر اشرافِ نفس اور طلب کے بغیر کوئی چیز ملے تو اس کو لے لینا چاہئے، اس میں برکت ہوتی ہے۔

بَابُ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا

جو لوگوں سے زیادہ مال جمع کرنے کی نیت سے مانگتا ہے

مانگنے کو کمائی کا ذریعہ اور پیشہ نہیں بنانا چاہئے، قطع نظر اس سے کہ وہ مالدار ہے یا غریب، اور اس کو ضرورت ہے یا نہیں،

جوشخص مانگنے کو پیشہ بنالیتا ہے اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ پیشہ ور سائلوں میں سے بعض بڑے مالدار ہوتے ہیں پھر بھی صبح وشام مانگتے پھرتے ہیں، یہی ان کا پیشہ ہے، اس کی قباحت بیان کرنے کے لئے یہ باب قائم کیا ہے۔

[۵۲-] بَابُ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا

[۱٤٧٤-] حدثنا يَحْيىٰ بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ جَعْفَرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ حَمْزَةَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ"

[۱٤٧٥-] وَقَالَ:" إِنَّ الشَّمْسَ تَدْنُوْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتَّى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوْسَى، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم، وَزَادَ عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ: قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِيْ جَعْفَرٍ: " فَيَشْفَعُ لِيُقْضَى بَيْنَ الْخَلْقِ، فَيَمْشِيْ حَتَّى يَأْخُذَ بِحَلْقَةِ الْبَابِ، فَيَوْمَئِذٍ يَبْعَثُهُ اللهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا، يَحْمَدُهُ أَهْلُ الْجَمْعِ، كُلُّهُمْ، وَقَالَ مُعَلَّى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُسْلِمٍ أَخِي الزُّهْرِيِّ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَسْأَلَةِ. [انظر: ٤٧١٨]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: آدمی برابر لوگوں سے مانگتا ہے، یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ سزا جنسِ عمل سے ہے، اس نے دنیا میں مانگ کر اپنے چہرے کو رسوا کیا اس لئے آخرت میں اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ اس کا چہرہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوگا، اس میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوگا۔

حدیث (۲): اور نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک قیامت کے دن سورج (لوگوں کے) قریب آجائے گا (اور لوگوں کا بدن پسینہ سے شرابور ہوجائے گا) یہاں تک کہ پسینہ آدھے کان تک پہنچ جائے گا، اس حال میں لوگ (اپنی خلاصی کے لئے) حضرت آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کریں گے پھر (آخر میں) نبی ﷺ سے فریاد کریں گے ——— اور عبداللہ بن صالح کی حدیث میں جو بواسطہ لیث: ابن ابی جعفر سے مروی ہے: یہ اضافہ ہے ——— پس نبی ﷺ سفارش کریں گے تاکہ مخلوقات کے درمیان فیصلہ کیا جائے پس آپؐ چلیں گے، یہاں تک کہ (جنت کے) دروازہ کا حلقہ پکڑیں گے، اس دن اللہ تعالیٰ آپؐ کو مقام محمود پر فائز کریں گے۔ اور آپؐ کی تمام اہل محشر تعریف کریں گے۔

اس کے بعد تعلیق ہے اس کی سند بیہقی میں ہے (عمدۃ القاری ۹:۵۸) اور اس سند سے صرف پہلا جزء مروی ہے، یعنی صرف اتنی بات مروی ہے کہ جو شخص مانگنے کو پیشہ بنالیتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے میں

گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی۔

تشریح: یہ شفاعت کی حدیث ہے جو مشہور ہے اور یہاں بہت مختصر ہے، اور مقام محمود (تعریف کیا ہوا مرتبہ) وہ مقام ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محترم ہوگا، سب اس کے ثنا خواں ہونگے، وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سب کے لئے سفارش کرے گا، پھر گنہ گاروں کے لئے سفارش کا دروازہ بھی اسی کے طفیل کھلے گا، یہی وہ مقام ہے جس کا اللہ نے آپؐ سے سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۷۹) میں وعدہ فرمایا ہے (تحفۃ القاری ۲:۴۷۹)

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالىٰ: ﴿لَا يَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ وَكَمِ الْغِنٰى؟

لگ لپٹ کر مانگنے کی ممانعت اور مالداری کی حد کیا ہے؟

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: ضروری سوال میں بھی اصرار کرنا مناسب نہیں، خواہ مال کا سوال ہو یا غیر مال کا، بعض طالب علم دماغ چاٹتا ہے، ایک سوال پورا نہیں ہوتا کہ دوسرا سوال شروع کر دیتا ہے، یہ اصرار ہے، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اگر استاذ کے جواب سے تسلی نہ ہو اور اندازہ ہو جائے کہ استاذ کا علم بس اتنا ہی ہے تو خاموش ہو جانا چاہئے اور کسی دوسرے سے پوچھنا چاہئے یا استاذ کی طبیعت میں انشراح نہ ہو تو بھی دوسرے وقت پوچھنا چاہئے۔ غرض: اصرار مناسب نہیں، نہ مال کے سوال میں اور نہ غیر مال کے سوال میں۔

دوسرا مسئلہ: مالدار کو سوال نہیں کرنا چاہئے، نہ اصرار کے ساتھ نہ بغیر اصرار کے، اور غنیٰ (مالداری) کی کیا مقدار ہے جس کی موجودگی میں سوال حرام ہے؟ باب میں یہ دو مسئلے ہیں اور دلائل میں لف ونشر مشوش (غیر مرتب) ہے، دوسرے مسئلہ کی دلیل پہلے ہے اور پہلے مسئلہ کی بعد میں۔

اور باب ہے: ﴿لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾: یہ پہلا مسئلہ ہے اور یہ قِيَاسَاتُهَا مَعَهَا کے قبیل سے ہے، یعنی مسئلہ کی دلیل بھی اسی آیت میں ہے الگ سے دلیل ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں، پس اگر آیت ہی کو پہلے مسئلہ کی دلیل بنائیں تو پھر لف ونشر مرتب ہوگا، مشوش نہیں ہوگا۔

سوال: جب یہی آیت پہلے مسئلہ کی دلیل ہے تو پھر حضرت رحمہ اللہ نے دوبارہ یہ آیت کیوں لکھی ہے؟

جواب: بخاری شریف کے نسخے مختلف ہیں، اور اختلاف نسخ بعض مرتبہ باعث تشویش ہو جاتا ہے، واضح بات بھی الجھ جاتی ہے، کسی نسخہ میں آیت ہوگی اس لئے یہاں بھی لکھ دی حالانکہ اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ باب میں مذکورہ آیت میں مسئلہ بھی ہے اور دلیل بھی۔

قولہ: وَكَمِ الْغِنٰى؟: مالداری کی کیا مقدار ہے جس کی موجودگی میں سوال کرنا حرام ہے؟ اس سلسلہ میں نبی ﷺ

کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص نہ پائے ایسی مالداری جو اس کو بے نیاز کرے یعنی جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے مگر جس کے پاس بقدر ضرورت مال سامان ہو اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔

اور یہ ایک جامع ارشاد ہے اس کو پھیلانا آپ کا کام ہے اور ترمذی شریف میں حضرت حکیم بن جبیر کی روایت میں ما یغنیہ کی مقدار پچاس درہم یا اس کے بقدر سونا بیان کی گئی ہے۔ شعبہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وجہ سے حکیم بن جبیر پر جرح کی ہے، ان کے خیال میں یہ بہت بڑی رقم ہے، سوال سے مانع تو اس سے کم رقم بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے انھوں نے راویوں کا جائزہ لیا اور حکیم پر تنقید کی کہ اس حدیث میں شاید حکیم نے کچھ گڑبڑ کی ہے، مگر شعبہ رحمہ اللہ کی تنقید ٹھیک نہیں، کیونکہ زمان و مکان اور اہل و عیال کے اختلاف سے لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں، ایک شخص گاؤں میں رہتا ہے اور اس کی فیملی میں بیوی اور ایک دو بچے ہیں ان کے لئے پچاس درہم بڑی رقم ہو سکتی ہے مگر کثیر العیال شخص کے لئے جو دہلی یا بمبئی میں رہتا ہو پچاس درہم بڑی رقم نہیں ہے۔ بلکہ ممکن ہے اتنی رقم اس کی ضرورت کے لئے ناکافی ہو، اس لئے ما یغنیہ کی مقدار کو رائے مبتلی بہ پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اور شعبہ رحمہ اللہ نے جو پچاس درہم کو بڑی رقم قرار دیا ہے اور اس کی وجہ سے حکیم پر جرح کی ہے، علماء نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ تفصیل تحفۃ الالمعی (۲:۵۶۵) میں ہے۔

آیت کا ترجمہ: (صدقات دراصل) اُن حاجت مندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں مقید ہو گئے ہیں (اور اس وجہ سے) وہ لوگ کہیں زمین میں چلنے پھرنے کا امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے، ان کے سوال سے بچنے کی وجہ سے (البتہ) تم ان کو ان کے چہرے کے نشانات سے پہچان سکتے ہو (کیونکہ فقر و فاقہ کے اثرات چہرے سے ظاہر ہو جاتے ہیں) وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے (یہاں باب ہے اور یہ پہلے مسئلہ کی دلیل ہے) اور جو بھی مال خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔

تفسیر: یہ آیت درحقیقت مجاہدین کے بارے میں ہے اور علوم دینیہ کے طالب علم مجاہدین کے ساتھ لاحق ہیں۔ ارشاد ہے: مَنْ خَرَجَ يَطْلُبُ العلمَ فهو في سبيل الله حتّٰى يَرْجِعَ: جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلا وہ راہِ خدا (جہاد) میں ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے۔ پس طالب علم بھی اس آیت کا مصداق ہونگے۔

اور آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ راہِ خدا میں لڑنے کے لئے وقف ہو گئے ہیں یا دینی کاموں میں مشغول ہیں، اس لئے کما نہیں سکتے، اور ان کی خودداری کا حال یہ ہے کہ ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے، اس لئے ناواقف لوگ ان کو مالدار سمجھتے ہیں مگر ان کے چہرے بشرے سے ان کی محتاجگی اور حاجت کا اندازہ ہو جاتا ہے، یہی لوگ واقعی اعانت کے مستحق ہیں، ان پر خرچ کرنا بڑا کارِ ثواب ہے، پس لوگوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کریں اور ان کی امداد و اعانت کریں۔

[۵۳-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿لَايَسْأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ وَكَمِ الْغِنٰى؟

[۱-] وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "وَلَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ"

[۲-] ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيْمٌ﴾

[۱۴۷۶-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ تَرُدُّهُ الْأُكْلَةُ وَالْأُكْلَتَانِ، وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَيْسَ لَهُ غِنًى، وَيَسْتَحْيِيْ، أَوْ: لَا يَسْأَلُ النَّاسَ إِلْحَافًا"[انظر: ۱۴۷۹، ۴۵۳۹]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "مسکین وہ نہیں جو لقمہ لقمہ کے لئے دربدر گھومتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس بقدر ضرورت نہیں، اور وہ شرماتا ہے یعنی مانگتا نہیں۔ یا فرمایا: لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتا"

تشریح: جس شخص کا پیشہ مانگنا ہے وہ مسکین نہیں، بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس بقدر ضرورت نہیں، پھر بھی سوال نہیں کرتا، شرم مانع بنتی ہے اور مجبوری میں مانگتا ہے تو اصرار نہیں کرتا، ایسے شخص کی مدد کرنا اور اس پر خرچ کرنا بڑا کار ثواب ہے، پس یہ حدیث پہلے جزء سے متعلق ہے۔

[۱۴۷۷-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنِ ابْنِ أَشْوَعَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ كَاتِبُ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: أَنِ اكْتُبْ إِلَيَّ بِشَيْءٍ سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَكَتَبَ إِلَيْهِ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيْلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ"[راجع: ۸۴۴]

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سکریٹری (ورّاد) کہتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ مجھے وہ حدیث لکھ کر بھیجیں جو آپ نے نبی ﷺ سے سنی ہے، پس حضرت مغیرہؓ نے ان کو لکھا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین باتوں کو ناپسند کرتے ہیں: قیل وقال کو، مال ضائع کرنے کو، اور بہت زیادہ مانگنے کو"

تشریح: قیل وقال: محاورہ ہے، اردو میں بھی مستعمل ہے اس سے بے فائدہ بکواس مراد ہے —— اور اضاعۃ المال سے مراد: مباح کاموں میں اسراف کرنا ہے، گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا مطلقاً جائز نہیں —— اور کثرت سوال: اصرار والحاح تک مفضی ہوتا ہے اس لئے یہ بھی ناپسندیدہ ہے، اور یہی جزء باب سے متعلق ہے۔

[۱٤۷۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ صَالِحِ ابْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: أَعْطَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَهْطًا، وَأَنَا جَالِسٌ فِيْهِمْ، قَالَ: فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَجُلاً فِيْهِمْ، لَمْ يُعْطِهِ، وَهُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ، فَقُمْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَسَارَرْتُهُ، فَقُلْتُ: مَالَكَ عَنْ فُلاَنٍ؟ وَاللهِ إِنِّيْ لَأُرَاهُ مُؤْمِنًا، قَالَ: "أَوْ مُسْلِمًا" قَالَ: فَسَكَتُّ قَلِيْلاً، ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا أَعْلَمُ فِيْهِ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! مَالَكَ عَنْ فُلاَنٍ؟ وَاللهِ إِنِّيْ لَأُرَاهُ مُؤْمِنًا، قَالَ: "أَوْ مُسْلِمًا" قَالَ: فَسَكَتُّ قَلِيْلاً، ثُمَّ غَلَبَنِيْ مَا أَعْلَمُ فِيْهِ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! مَالَكَ عَنْ فُلاَنٍ؟ وَاللهِ إِنِّيْ لَأُرَاهُ مُؤْمِنًا، قَالَ: "أَوْ مُسْلِمًا" ثَلاَثَ مَرَّاتٍ قَالَ: "إِنِّيْ لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ"

وَعَنْ أَبِيْهِ، عَنْ صَالِحٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِيْ يُحَدِّثُ بِهٰذَا، فَقَالَ فِيْ حَدِيْثِهِ: فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ، فَجَمَعَ بَيْنَ عُنُقِيْ وَكَتِفِيْ، ثُمَّ قَالَ: "أَقْبِلْ أَيْ سَعْدُ! إِنِّيْ لَأُعْطِي الرَّجُلَ" [راجع: ۲۷]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: ﴿فَكُبْكِبُوْا﴾ [الإسراء: ۹٤]: قُلِبُوْا، ﴿مُكِبًّا﴾ أَكَبَّ الرَّجُلُ إِذَا كَانَ فِعْلُهُ غَيْرَ وَاقِعٍ عَلَى أَحَدٍ، فَإِذَا وَقَعَ الْفِعْلُ، قُلْتَ: كَبَّهُ اللهُ لِوَجْهِهِ، وَكَبَبْتُهُ أَنَا.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، هُوَ أَكْبَرُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، وَهُوَ قَدْ أَدْرَكَ ابْنَ عُمَرَ.

۱- یہ حدیث تفصیل سے کتاب الایمان (باب۱۹) میں گذر چکی ہے۔ جب نبی ﷺ نے جعرانہ میں مالِ غنیمت تقسیم کیا تو آپؐ نے نئے مسلمانوں کو جن کے دلوں میں ابھی اسلام راسخ نہیں ہوا تھا تالیف قلب کے لئے مال عطا فرمایا، اور بعض کامل الایمان مسلمانوں کو چھوڑ دیا، ان میں حضرت جُعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب نبی ﷺ نے ان کو کچھ نہیں دیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ جُعیلؓ کو کیوں نہیں دیتے؟ قسم بخدا! میرا گمان ہے کہ وہ مؤمن ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "یا مسلمان ہیں" حضرت سعدؓ بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر یہی بات عرض کی تو آپؐ نے پھر یہی بات فرمائی، جب انھوں نے تیسری مرتبہ عرض کیا تو نبی ﷺ نے ان کی گردن اور مونڈھے کے درمیان مکا مارا، یعنی آپؐ نے ان کے بار بار عرض کرنے کو ناپسند کیا، کیونکہ یہ الحاح اور اصرار تھا جو شرعاً ناپسندیدہ ہے، اور اسی مناسبت سے حضرت رحمہ اللہ یہاں یہ حدیث لائے ہیں، اور حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الایمان (تحفۃ القاری ۱:۲۴۲) میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲- اس حدیث کو صالح بن کیسان نے امام زہری رحمہ اللہ سے بھی روایت کیا ہے اور اسماعیل بن محمد سے بھی، اور مکا

مارنے والی بات صرف اسماعیل کی روایت میں ہے، امام زہریؒ کی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے۔

اور جب نبی ﷺ نے مکا مارا تو حضرت سعدؓ اٹھ کر جانے لگے، انھوں نے خیال کیا کہ نبی ﷺ ناراض ہو گئے، آپؐ نے ان کو بلایا اور فرمایا: ''میں ایک شخص کو دیتا ہوں جبکہ دوسرا شخص مجھے اس سے زیادہ پسند ہوتا ہے اس اندیشہ سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں اوندھے منہ نہ ڈال دیں'' یعنی جو پکا مسلمان ہوتا ہے، اور جس کے دل میں اسلام راسخ ہوتا ہے، جس کے دین وایمان کے بارے میں مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اس کو نہیں دیتا، اس کو اس کے ایمان کے حوالہ کرتا ہوں، اور جو نیا مسلمان ہوا ہے اور ابھی اس کے دل میں اسلام کا پودا جما نہیں اس کو دیتا ہوں تا کہ وہ ایمان میں جم جائے، ایسا نہ ہو کہ وہ الٹے پاؤں پھر جائے، اور اپنی عاقبت خراب کرلے، حضرت جُعَیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کامل الایمان تھے ان کی تالیف قلب کی ضرورت نہیں تھی اس لئے آپؐ نے ان کو مال عنایت نہیں فرمایا، بلکہ ان کو ان کے ایمان کے حوالہ فرمایا۔

۳- صالح بن کیسانؒ: امام زہری رحمہ اللہ سے عمر میں بڑے ہیں، انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ پایا ہے، مگر انھوں نے یہ حدیث امام زہریؒ سے روایت کی ہے، پس یہ روایت الاکابر عن الاصاغر ہے۔

لغت: حدیث میں ایک لفظ یَکُبُّ آیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے معنی بیان کئے ہیں، یہ البیلا (انوکھا) فعل ہے، مزید میں لازم اور مجرد میں متعدی ہے، جبکہ عام طور پر افعال مزید میں متعدی اور مجرد میں لازم ہوتے ہیں، مگر اس فعل کا معاملہ برعکس ہے۔ اور اسی سے قرآن کریم میں ﴿کُبْکِبُوْا﴾ اور ﴿مُکِبًّا﴾ آئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَکَبَّ الرجلُ: إذا کان فعلُه غیرَ واقع علی أحد: جب یہ فعل کسی پر واقع نہ ہو یعنی لازم ہو تو باب افعال سے أکب استعمال کرتے ہیں، فإذا وقع الفعلُ قلتَ کَبَّه اللہ علی وجهه: اور جب یہ فعل کسی پر واقع ہو یعنی متعدی ہو تو مجرد سے کَبَّ (نصر) استعمال کرتے ہیں۔

[۱٤۷۹-] حدثنا إِسْمَاعِیْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ مَالِكٌ، عَنْ أَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: " لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ، تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰکِنِ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُغْنِیْهِ، وَلَا یُفْطَنُ بِهِ فَیُتَصَدَّقُ عَلَیْهِ، وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْأَلُ النَّاسَ" [راجع: ۱٤۷٦]

[۱٤۸۰-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِیَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِیْ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: " لَأَنْ یَأْخُذَ أَحَدُکُمْ حَبْلَهُ، ثُمَّ یَغْدُوَ - أَحْسِبُهُ قَالَ: إِلَی الْجَبَلِ - فَیَحْتَطِبَ، فَیَبِیْعَ، فَیَأْکُلَ وَیَتَصَدَّقَ خَیْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ یَسْأَلَ النَّاسَ"

[راجع: ۱٤۷۰]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس چکر لگائے، اس کو ایک لقمہ اور دو لقمے اور ایک کھجور اور دو کھجوریں پھیریں یعنی در بدر پھرائیں، بلکہ مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں پاتا جو اس کو بے نیاز کرے اور نہ اس کا حال بھانپ لیا جاتا ہے کہ اس کو صدقہ دیا جائے، اور نہ وہ سوال کرنے کے لئے اٹھتا ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: البتہ یہ بات کہ تم میں سے ایک آدمی اپنی رسّی لے پھر صبح کو جائے ـــــ میرا خیال ہے کہ انھوں نے کہا: پہاڑ پر ـــــ پس سوختہ جمع کرے اور اس کو بیچے پس اس میں سے کھائے اور صدقہ کرے یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ لوگوں سے مانگے۔

بَابُ خَرْصِ التَّمْرِ

کھجوروں کا اندازہ لگانا

خرص کے معنی ہیں: کھیتی اور پھلوں کا اندازہ لگانا، جب کھیتی اور پھل آفات سے محفوظ ہو جائیں اور ابھی کھانے کے قابل نہ ہوں، اس وقت حکومت کے کارندے پیداوار کا تخمینہ لگائیں گے، اور پوری تفصیل رجسٹر میں درج کریں گے کہ فلاں کھیت میں اتنا اناج پیدا ہوگا، اور فلاں باغ میں اتنا پھل تیار ہوگا، اور اس میں اتنا عشر یا نصف عشر واجب ہوگا، اس کا نام خرص (تخمینہ لگانا) ہے، پھر جب غلہ سوکھ کر تیار ہو جائے، کھجوریں چھوہارے بن جائیں اور انگور کشمش بن جائیں تو ساعی رجسٹر کے حساب سے زکات وصول کرے گا، اور پوری پیداوار کا عشر یا نصف عشر لے گا۔

اور تخمینہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ارباب زراعت آزاد ہو جائیں گے، جس طرح چاہیں گے کھائیں گے کھلائیں گے اور زکات وصول کرنے والے بھی بے فکر ہو جائیں گے، اب ان کو پیداوار کی نگرانی نہیں کرنی پڑے گی، اور یہ اندیشہ بھی نہیں رہے گا کہ کھیت والے اور باغ والے پیداوار میں سے کچھ چھپا لیں گے۔

اس کے بعد چند باتیں جاننی چاہئیں:

پہلی بات: یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن کے بارے میں غلط فہمی ہے، مشہور یہ ہے کہ احناف کے نزدیک خرص معتبر نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک معتبر ہے، پھر اعتراض ہوتا ہے کہ جب خرص کے سلسلہ میں صحیح حدیث موجود ہے تو احناف اس کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ بات درحقیقت یہ ہے کہ احناف کے قول کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے، جیسے امام اعظم رحمہ اللہ کے اس قول کا کہ بارش طلبی کے لئے نماز نہیں: یہ مطلب سمجھ لیا گیا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نماز مشروع نہیں، حالانکہ ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ بارش طلبی کے لئے نماز ضروری نہیں، نماز کے بغیر بھی استسقاء ہو سکتا ہے (تحفۃ القاری ۳: ۳۴۰) اسی طرح احناف جو کہتے ہیں کہ خرص معتبر نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زمین کا مالک تخمینہ یا اندراج کے غلط ہونے کا دعوی کرے تو خرص معتبر نہیں، اس لئے کہ تخمینہ اور اندراج میں غلطی کا امکان ہے، اور اس صورت میں مقدمہ

کورٹ میں جائے گا، اور قاضی گواہ طلب کرے گا، یا منکر سے قسم لے گا یا کمیشن بھیج کر انکوائری کرائے گا، پھر شہادت سے یا کمیشن کی رپورٹ سے جو پیداوار ثابت ہو اس کی زکات لی جائے گی، خرص کا اعتبار نہیں۔ احناف کے قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حکومت کارندے بھیج کر اندازہ نہیں کروائے گی، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ خرص لازم نہیں اور نہ خرص کرنا ضروری ہے، یہ بات حکومت کی صوابدید پر موقوف ہے۔

دوسری بات: خارص یعنی تاڑنے والے غضب کی نظر رکھتے ہیں، ان کا اندازہ ایسا نپا تلا ہوتا ہے کہ دھڑی دو دھڑی بھی کم وبیش نہیں ہوتا۔ حدیث میں یہ واقعہ آرہا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ تبوک تشریف لے گئے تو وادی القری نامی جگہ سے گذرے، وہاں ایک عورت کا انگور کا باغ تھا جس پر پھل لدے ہوئے تھے اور ابھی کھانے کے قابل نہیں ہوئے تھے، آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: اندازہ کرو، ان بیلوں سے کتنے پھل اتریں گے، پس کسی نے کچھ اندازہ کیا اور کسی نے کچھ، اور نبی ﷺ نے دس وسق کا اندازہ کیا، پھر اس عورت سے فرمایا: جتنے پھل اتریں ان کو یاد رکھنا، واپسی میں آپؐ نے اس عورت سے پوچھا، اس نے بتایا: دس وسق اترے، یعنی صحابہ کے اندازے کم وبیش رہے اور آپؐ کا اندازہ بالکل صحیح نکلا۔

مذاہبِ فقہاء: امام اعظم، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول جدید یہ ہے کہ پوری پیداوار کی زکات لی جائے گی، کارندوں کو اس میں سے کم کرنے کا اختیار نہیں، کیونکہ عشر غریبوں کا حق ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تہائی یا چوتھائی کم کر کے عشر لیا جائے گا، کیونکہ اندازہ زیادہ ہوسکتا ہے، اور چرند وپرند اور چور اچکے نقصان بھی کرتے ہیں، اس لئے کم کر کے عشر لینا قرین انصاف ہے۔

اس سلسلہ میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں ترمذی میں ہیں۔

پہلی حدیث: حضرت عتاب بن اَسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ لوگوں کے پاس ایسا آدمی بھیجتے تھے جو ان کی انگوروں اور ان کی کھجوروں کا اندازہ کرے ـــــ حضرت عتابؓ مکہ اور طائف کے گورنر تھے، فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ نے ان کو وہاں کا گورنر بنایا تھا، اس وقت ان کی عمر صرف اکیس سال تھی، اور نبی ﷺ مدینہ منورہ سے خارص (تاڑنے والا) بھیجا کرتے تھے اور وہ جو اندازہ ٹھہراتا تھا اس کے مطابق زکات وصول کی جاتی تھی، باب عشر سے یہی حدیث متعلق ہے اور اس میں کم کرنے کا ذکر نہیں، اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔

دوسری حدیث: حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی ہے، اس میں تہائی یا چوتھائی کم کرنے کا ذکر ہے، امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کی وجہ سے فرماتے ہیں: تہائی یا چوتھائی کم کر کے باقی کا عشر لیا جائے گا، مگر جمہور کے نزدیک یہ حدیث غیر مسلموں کے ساتھ مزارعت اور مساقات کی ہے، فتح خیبر کے بعد صحابہ نے اپنی زمینیں یہود کو بٹائی پر دی تھیں، نبی ﷺ ان کا بھی تخمینہ کرواتے تھے اور اندازہ سے تہائی یا چوتھائی کم کر کے لینے کا حکم تھا کیونکہ وہ مالکان کا حق تھا، عشر کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں (دیکھئے: تحفۃ الالمعی ۲: ۵۵۸)

[٥٤-] بَابُ خَرْصِ التَّمْرِ

[١٤٨١-] حدثنا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَبَّاسٍ السَّاعِدِيِّ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم غَزْوَةَ تَبُوْكَ، فَلَمَّا جَاءَ وَادِيَ الْقُرَى، إِذَا امْرَأَةٌ فِي حَدِيْقَةٍ لَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِأَصْحَابِهِ: " اخْرُصُوْا" وَخَرَصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَشَرَةَ أَوْسُقٍ، فَقَالَ لَهَا: " أَحْصِيْ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا"

فَلَمَّا أَتَيْنَا تَبُوْكَ قَالَ: " أَمَا إِنَّهَا سَتَهُبُّ اللَّيْلَةَ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ، وَلَا يَقُوْمَنَّ أَحَدٌ، وَمَنْ كَانَ مَعَهُ بَعِيْرٌ فَلْيَعْقِلْهُ" فَعَقَلْنَاهَا، وَهَبَّتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَأَلْقَتْهُ بِجَبَلَيْ طَيِّءٍ.

وَأَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بَغْلَةً بَيْضَاءَ، وَكَسَاهُ بُرْدًا، وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ.

فَلَمَّا أَتَى وَادِيَ الْقُرَى، قَالَ لِلْمَرْأَةِ: " كَمْ جَاءَ حَدِيْقَتُكِ؟" قَالَتْ: عَشَرَةَ أَوْسُقٍ: خَرْصَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " إِنِّيْ مُتَعَجِّلٌ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَمَنْ أَرَادَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَعَجَّلَ مَعِيْ فَلْيَتَعَجَّلْ" فَلَمَّا قَالَ ابْنُ بَكَّارٍ كَلِمَةً مَعْنَاهَا: أَشْرَفَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ، قَالَ: " هٰذِهِ طَابَةُ" فَلَمَّا رَأَى أُحُدًا قَالَ: " هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ دُوْرِ الْأَنْصَارِ؟" قَالُوْا: بَلٰى. قَالَ: "دُوْرُ بَنِي النَّجَّارِ، ثُمَّ دُوْرُ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ، ثُمَّ دُوْرُ بَنِي سَاعِدَةَ، أَوْ: دُوْرُ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، وَفِي كُلِّ دُوْرِ الْأَنْصَارِ، يَعْنِي خَيْرًا"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: كُلُّ بُسْتَانٍ عَلَيْهِ حَائِطٌ فَهُوَ حَدِيْقَةٌ، وَمَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ حَائِطٌ لَا يُقَالُ حَدِيْقَةٌ.

[انظر: ١٨٧٢، ٣١٦١، ٣٧٩١، ٤٤٢٢]

[١٤٨٢-] وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ: حَدَّثَنِيْ عَمْرٌو: " ثُمَّ دَارُ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، ثُمَّ بَنِي سَاعِدَةَ" وَقَالَ سُلَيْمَانُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ، عَنْ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ"

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کیا، جب آپؐ وادی القری میں پہنچے تو اچانک ایک عورت کو دیکھا جو اپنے باغ میں تھی، پس نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: تاڑو (یعنی اندازہ کرو کہ کتنے پھل اتریں گے) اور نبی ﷺ نے دس وسق کا اندازہ کیا، پس آپؐ نے اس عورت سے فرمایا: گن رکھ جو اس میں سے نکلے یعنی جب پھل اترے تو یاد رکھنا کہ کتنا اترا؟

پس جب ہم تبوک پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: سنو! بیشک (ھا: ضمیر قصہ ہے) آج رات سخت ہوا چلے گی، اور (جب ہوا چلے تو) تم میں سے کوئی ہرگز کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کا پیر باندھ دے یعنی اگلے پیر میں رسّی باندھ کر اونٹ کو

بٹھادے، پس ہم نے اونٹوں کو باندھ دیا، اور سخت آندھی چلی، پس ایک شخص کھڑا ہوا تو ہوا نے اس کو قبیلہ طی کے دو (مشہور) پہاڑوں کے درمیان ڈال دیا۔

اور ایلہ کے بادشاہ نے نبی ﷺ کے پاس ایک سفید خچر ہدیۃً بھیجا، اور آپؐ نے اس کو ہدیہ کے جواب میں چادر پہنائی اور آپؐ نے اس کے لئے ان کا سمندر لکھا یعنی ساحلی علاقہ کا پٹہ لکھ کر دیا۔

پس جب آپؐ (واپسی میں) وادی القری میں پہنچے تو اس عورت سے پوچھا: تیرے باغ میں کتنا پھل پیدا ہوا؟ اس نے کہا: دس وسق، وہی جو نبی ﷺ نے تاڑا تھا۔

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میں مدینہ کی طرف جلدی چل رہا ہوں، پس تم میں سے جو میرے ساتھ جلدی مدینہ پہنچنا چاہے تو چاہئے کہ جلدی کرے، پھر سہل بن بکار نے ایک لفظ کہا (راوی اس کو بھول گیا) اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ نظر آنے لگا تو آپؐ نے فرمایا: یہ طابہ ہے (طابہ اور طیبہ ہم معنی ہیں) پس جب احد پہاڑ نظر آیا تو آپؐ نے فرمایا: یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں (پھر آپؐ نے انصار کے قبیلوں کے مراتب قائم کئے، فرمایا) کیا میں تمہیں انصار کے بہترین قبیلہ کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپؐ نے فرمایا: بنوالنجار کا قبیلہ، پھر بنوعبدالاشہل کا قبیلہ، پھر بنوساعدہ کا۔ یا فرمایا: بنوالحارث کا قبیلہ اور انصار کے سبھی قبائل میں خیر ہے —— بنوساعدہ اور بنو الحارث میں اول کون ہے؟ روایت میں شک ہے اور یہ وہیب کی روایت ہے، اور سلیمان بن بلال بھی عمرو بن یحییٰ سے اس کو روایت کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں ہے، اس میں تیسرا نمبر بنوحارثہ کا ہے، پھر چوتھا نمبر بنوساعدہ کا۔

تشریح: انصار (اوس وخزرج) کے بہت سے بطون ہیں، نبی ﷺ نے ان میں سے چار بطون کو بالترتیب بہتر قرار دیا ہے، جو یہ ہیں:

۱- بنوالنجار: نسبت: نجاری: خزرج کا بطن ہے۔ حضرت انسؓ اسی بطن سے ہیں اور یہی بطن: نبی ﷺ کی ننھیال ہے۔

۲- بنوعبدالاشہل: نسبت: اشہلی: اوس کا بطن ہے۔ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اسی بطن سے ہیں۔

۳- بنوالحارث: نسبت: حارثی: خزرج کا بطن ہے۔ حضرت رافع بن خدیج حارثی رضی اللہ عنہ اسی بطن سے ہیں۔

۴- بنوساعدہ: نسبت ساعدی: خزرج کا بطن ہے۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ اسی بطن سے ہیں۔

حدیقہ: وہ باغ ہے جس کی چہار دیواری کھینچی گئی ہو، اور جس کی چہار دیواری نہ ہو وہ حدیقہ نہیں کہلاتا۔

بَابُ الْعُشْرِ فِيْمَا يُسْقَى مِنْ مَاءِ السَّمَاءِ وَالْمَاءِ الْجَارِيْ

بارش اور جاری پانی سے سینچی ہوئی پیداوار میں عشر

اس باب میں دو مسئلے ہیں: ایک اصل ہے، دوسرا ضمنی:

پہلا مسئلہ: باغات اور کھیتوں میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس میں بھی زکات واجب ہے جبکہ زمین عشری ہو، اور اس زکات کے لئے مخصوص لفظ 'عشر' ہے، زرعی پیداوار میں سے دسواں حصہ لیا جائے یا بیسواں، دونوں کے لئے لفظ عشر (دسواں) مستعمل ہے۔ اگر کھیت اور باغ کی سینچائی پر خرچ نہ کیا گیا ہو، نہ محنت کرنی پڑی ہو، بارش کے پانی سے یا قریب سے جو نہر گذر رہی ہے اس کے پانی سے باغ کی سینچائی ہوئی ہو تو پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہے۔ اور اگر سینچائی پر خرچ کیا گیا ہے، موٹر سے پانی نکال کر سینچائی کی ہے یا محنت کی ہے یعنی کنویں سے پانی کھینچ کر سینچائی کی ہے تو نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

دوسرا مسئلہ: شہد میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کا کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں؟ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک شہد میں عشر واجب نہیں، اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے، اور یہ اختلاف اس شہد میں ہے جو کھیت، باغ، بیابان اور پہاڑوں میں سے حاصل کیا گیا ہو اور اگر شہد کی تجارت ہے تو اس میں بالاجماع زکات واجب ہے۔

جاننا چاہئے کہ جن دو اماموں کے نزدیک شہد میں عشر واجب نہیں، ان کی دلیل عدم دلیل ہے، وہ کہتے ہیں: اس مسئلہ میں کوئی ایسی صحیح صریح حدیث نہیں ہے جس سے شہد میں عشر واجب کیا جاسکے، اس لئے شہد میں عشر واجب نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، چنانچہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول لائے ہیں کہ شہد میں عشر واجب نہیں۔

اور قائلین وجوب کا استدلال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں متعدد حدیثیں ہیں اگر چہ وہ ضعیف ہیں مگر مجموعہ حسن لغیرہ اور قابل استدلال ہے۔ اس لئے شہد میں عشر واجب ہے، اور اس مسئلہ میں سب سے بہتر حضرت ابو سیارہ مُتعی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے شہد کی مکھیاں پالی ہیں، آپؐ نے فرمایا: اس کا عشر ادا کرو، یہ حدیث ابن ماجہ (ص:۱۳۱) میں ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ قائلین وجوب کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ شہد کا کوئی نصاب ہے یا نہیں؟ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دس مشکیزے نصاب ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی نصاب نہیں۔ اور یہ نص فہمی کا اختلاف ہے، حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "شہد کے دس مشکیزوں میں ایک مشکیزہ ہے" (ترمذی حدیث ۶۲۷) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث میں 'نصاب' کا بیان ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: دس مشکیزوں سے کم شہد میں عشر واجب نہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث میں 'حساب' کا بیان ہے یعنی شہد میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں محنت نہیں کرنی پڑتی، پس قلیل و کثیر کی تفریق کے بغیر زکات واجب ہے۔

سوال: مذکورہ دونوں مسئلوں میں کیا تعلق ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں مسئلوں کو ساتھ کیوں بیان کیا ہے؟

جواب: علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بارش اور چشموں کا پانی بھی بہتا ہے اور شہد بھی بہنے والی چیز ہے اس مناسبت

سے دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے، مگر اس سے بہتر وجہ یہ ہے کہ درختوں سے جو پھل اترے گا اس میں تو عشر یا نصف عشر واجب ہوگا، مگر ان درختوں پر مکھیوں نے جو شہد بنایا ہے اس میں امام بخاریؒ کے نزدیک کچھ واجب نہیں، اس مناسبت سے ان دونوں مسئلوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔

[٥٥-] بَابُ الْعُشْرِ فِيْمَا يُسْقَى مِنْ مَاءِ السَّمَاءِ وَالْمَاءِ الْجَارِيْ

وَلَمْ يَرَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فِي الْعَسَلِ شَيْئًا.

[١٤٨٣-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ بْنُ يَزِيْدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا: الْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ: نِصْفُ الْعُشْرِ"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: هٰذَا تَفْسِيْرُ الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ لَمْ يُوَقِّتْ فِي الْأَوَّلِ، يَعْنِيْ حَدِيْثَ ابْنِ عُمَرَ: " فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ" وَبَيَّنَ فِيْ هٰذَا وَوَقَّتَ، وَالزِّيَادَةُ مَقْبُوْلَةٌ وَالْمُفَسَّرُ يَقْضِيْ عَلَى الْمُبْهَمِ، إِذَا رَوَاهُ أَهْلُ الثَّبْتِ، كَمَا رَوَى الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يُصَلِّ فِي الْكَعْبَةِ، وَقَالَ بِلَالٌ: قَدْ صَلَّى، فَأُخِذَ بِقَوْلِ بِلَالٍ، وَتُرِكَ قَوْلُ الْفَضْلِ.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پیداوار میں جس کو بارش اور چشموں کے پانی نے سینچا ہے یا وہ زمین عَثَرِی ہے: دسواں حصہ ہے۔ اور اس پیداوار میں جو پانی بردار اونٹنی کے ذریعہ سینچی گئی ہے: بیسواں حصہ ہے۔

تشریح: عَثَرِی: کھجور وغیرہ کے اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درمیان سے یا پاس سے نہر گذر رہی ہو، اور درختوں کو نیچے سے نمی مل رہی ہو، اس پیداوار میں عشر واجب ہے، کیونکہ سینچائی پر نہ تو خرچ کیا گیا ہے نہ محنت۔

قال أبو عبد الله إلخ: یہ عبارت اس باب کی ہے یا اگلے باب کی؟ اس سلسلہ میں بخاری کے نسخے مختلف ہیں، ہم نے اپنے نسخہ کی پیروی کی ہے، اس لئے اس باب میں یہ عبارت لکھی ہے، اور اگلے باب میں بھی کھڑی دو قوسوں کے درمیان اس کو لکھا ہے اور وہاں ترجمہ اور شرح کی ہے کیونکہ وہی اس کی موزون جگہ ہے۔

بَابٌ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ

پانچ وسق سے کم میں زکات نہیں

یہ حدیث ہی کے الفاظ ہیں، اور اس میں ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک عشر کا بیان ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) اس وقت واجب ہوتا ہے جب پیداوار کم سے کم پانچ وسق ہو۔ اس سے کم

پیداوار میں عشر واجب نہیں، اور یہ بھی شرط ہے کہ پیداوار ذخیرہ کرنے کے قابل ہو، جو چیزیں جلدی خراب ہوجاتی ہیں جیسے ٹماٹر، لوکی، بیگن، پالک وغیرہ ان میں عشر واجب نہیں۔ اس کے لئے تعبیر ہے :مَالَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ۔ غرض جمہور کے نزدیک پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: ایک: پیداوار سال بھر ذخیرہ کرکے رکھی جاسکتی ہو، دوسری: پیداوار پانچ وسق یا اس سے زائد ہو، جب یہ دونوں شرطیں جمع ہونگی تب عشر واجب ہوگا، ورنہ نہیں۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے، خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ اور سال بھر باقی رہنے والی ہو یا جلدی خراب ہونے والی، اور مذکورہ حدیث کی تین توجیہیں کی گئی ہیں:

پہلی توجیہ: اس حدیث میں غلہ کے تاجر کی زکات کا بیان ہے، زمین کی پیداوار کے نصاب کا بیان نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے تاجروں کی سہولت کے لئے لم سم ایک حساب بتلایا ہے کہ جس تاجر کے پاس پانچ وسق (۹۷۶ کلو آٹھ سو گرام) غلہ ہو اس پر زکات فرض ہے، غلہ کی یہ مقدار پانچ اوقیہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ عید الفطر میں مفتی اور قاضی کی طرف سے صدقۃ الفطر کی رقم کا اعلان ہوتا ہے کہ نصف صاع گیہوں کی یہ قیمت ہے، یہ لوگوں کی سہولت کے لئے ہے، کیونکہ نصف صاع کتنا وزن ہے؟ پھر عام دکانوں پر ایک ریٹ ہوتا ہے اور راشن کی دکان پر دوسرا ریٹ ہوتا ہے اس لئے ہر شخص کے لئے رقم کی تعیین دشوار ہوتی ہے اس لئے مفتی ایک رقم کا اعلان کرتا ہے یا جیسے امام محمد رحمہ اللہ نے رَی کے کنوؤں کے پانی کا اندازہ کیا اور فرمایا: دو سو سے تین سو ڈول نکال دو، کنواں پاک ہوجائے گا، یہ بھی ایک لم سم اندازہ ہے، اسی طرح یہاں بھی نبی ﷺ نے غلہ کے تاجر کو موٹا حساب بتلایا ہے کہ پانچ وسق غلہ یا پھل پانچ اوقیہ چاندی کی قیمت کے برابر ہوتے ہیں، پس جس تاجر کے پاس پانچ وسق غلہ ہے اس پر زکات واجب ہے (یہ توجیہ کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق (۲۳۸:۲) میں ہے)

دوسری توجیہ: اس حدیث میں عَرِیَّہ (عطیہ) کا بیان ہے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ تھا کہ باغ یا کھیت کا مالک چند درخت یا چند کیاریاں کسی رشتہ دار کو یا دوست کو دیدیتا تھا تاکہ ان درختوں پر جو پھل آئے یا ان کیاریوں میں جو پیداوار ہو اس کو وہ استعمال کرے، شریعت نے پانچ وسق سے کم میں عریہ کی اجازت دی ہے یعنی جب ساعی زکات وصول کرنے کے لئے آئے اور مالک اسے بتائے کہ میں نے یہ درخت یا کیاریاں عریہ دی ہیں یعنی میں نے عشر ادا کردیا ہے تو پانچ وسق سے کم میں اس کی بات مان لی جائے گی، ساعی اس پیداوار کا عشر نہیں لے گا، اور اگر پیداوار پانچ وسق سے زیادہ ہے تو مالک کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔ مصدِّق ان کا عشر وصول کرے گا (یہ توجیہ معارف السنن (۲۰۸:۵) میں ہے۔

تیسری توجیہ: اس حدیث کا مدعیٰ یہ ہے کہ پانچ وسق اور زیادہ غلے کا عشر بیت المال میں پہنچانا ضروری ہے، اور اس سے کم کی زکات مالکان خود تقسیم کرسکتے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے جو شخص عشر وصول کرنے کے لئے آتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کھیت کھیت جاکر زکات وصول کرے، کسی ایک جگہ بیٹھ کر لوگوں کو قابل زکات اموال

وہاں لانے کا مکلف بنانا اور وہیں بیٹھے ہوئے زکوتیں وصول کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے: لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ (ابوداؤد ۱:۲۲۵) یعنی نہ تو لوگوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مصدق کو پریشان کرنے کے لئے اموال زکات (مویشی) لے کر دور چلے جائیں اور نہ ساعی کے لئے جائز ہے کہ وہ لوگوں کو کسی ایک جگہ قابل زکات اموال لانے کا مکلف بنائے، بلکہ اسے گھر گھر اور کھیت کھیت جا کر زکات وصول کرنی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ عامل دھڑی دو دھڑی اناج کے لئے ایک کھیت سے دوسرے کھیت نہیں جاسکتا، اس کا وقت ضائع ہوگا، عامل کے لئے بھی دشواری ہے اور بیت المال کا بھی نقصان ہے۔ حکومت کا ٹرک کہاں کہاں گھومے گا؟ بلکہ ساعی صرف وہاں جائے گا جہاں کم از کم دس بوریاں پیدا ہوئی ہوں تا کہ عشر میں کم از کم ایک بوری ملے، اس سے کم پیداوار کا عشر مالکان خود غریبوں کو دیں گے، اگر مصدق وہاں پہنچے اور مالک زکات ادا کرنے کا دعوی کرے تو پانچ وسق سے کم میں دعوی قبول کیا جائے گا، زیادہ میں دعوی قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ پانچ وسق اور زیادہ کی زکات بیت المال کو ادا کرنا ضروری ہے (معارف السنن ۵:۲۱۲)

امام اعظم رحمہ اللہ کے مستدلات:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دلائل قرآن وحدیث کے عمومات ہیں۔ سورۃ البقرہ (آیت ۲۶۷) میں ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾: اے ایمان والو! خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے پیدا کی ہے تمہارے لئے زمین سے۔ اور سورۃ الانعام (آیت ۱۴۱) میں ہے: ﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ﴾: کھاؤ ان کے پھلوں میں سے جس وقت وہ پھل دیں، اور ادا کرو اللہ کا حق جس دن اس کو کاٹو۔ اور سورۃ التوبہ (آیت ۱۰۲) میں ہے: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾: ان کے مال میں سے زکات لیجئے۔

اسی طرح گذشتہ باب میں حدیث گذری ہے کہ جس باغ اور جس کھیت کی سینچائی بارش اور چشموں کے پانی سے ہوئی ہو اس میں عشر واجب ہے، اور جس کی سینچائی پانی بردار اونٹنی کے ذریعہ کی گئی ہو اس میں نصف عشر واجب ہے، ان آیات واحادیث میں زرعی پیداوار میں جس حق کا ذکر ہے وہ مطلق ہے، اس میں قلیل وکثیر کی تفریق نہیں کی گئی ہے، یہی عمومات امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل ہیں (تحفۃ الالمعی ۲:۵۳۲)

فائدہ: وسق: غلوں اور پھلوں کا پیمانہ ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، پس پانچ وسق ۳۰۰ صاع ہوئے، اور صاع: چار مد کا، اور مد: احناف کے نزدیک دو رطل کا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے۔ اور رطل عراقی چار سو سات گرام کا ہوتا ہے، پس ایک صاع احناف کے نزدیک تین کلو دو سو اکسٹھ گرام ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو کلو ایک سو تہتر گرام ہے، اور ایک وسق احناف کے نزدیک ایک سو پچانوے کلو تین سو ساٹھ گرام ہے اور پانچ وسق: نو سو چھہتر کلو

آٹھ سو گرام ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چھ سو اکیاون کلو نوے گرام ہے۔

[٥٦-] بَابٌ: لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ

[١٤٨٤-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَيْسَ فِيمَا أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَلاَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ مِنَ الإِبِلِ الذَّوْدِ صَدَقَةٌ، وَلاَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ"[راجع: ١٤٠٥]

[قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: هٰذَا تَفْسِيرُ الأَوَّلِ، لِأَنَّهُ لَمْ يُوَقِّتْ فِي الأَوَّلِ، يَعْنِي حَدِيثَ ابْنِ عُمَرَ: " فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ" وَبَيَّنَ فِي هٰذَا وَوَقَّتَ، وَالزِّيَادَةُ مَقْبُولَةٌ، وَالْمُفَسَّرُ يَقْضِي عَلَى الْمُبْهَمِ إِذَا رَوَاهُ أَهْلُ الثَّبْتِ، كَمَا رَوَى الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يُصَلِّ فِي الْكَعْبَةِ، وَقَالَ بِلاَلٌ: قَدْ صَلَّى، فَأُخِذَ بِقَوْلِ بِلاَلٍ وَتُرِكَ قَوْلُ الْفَضْلِ]

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث پہلی حدیث (گذشتہ باب کی حدیث) کی تفسیر ہے، اس لئے کہ پہلی حدیث میں یعنی ابن عمرؓ کی حدیث میں کہ جس کھیتی کی بارش کے پانی سے سینچائی ہوئی ہو عشر ہے: نصاب کی کوئی مقدار مذکور نہیں ہے اور اس حدیث میں (یعنی ابوسعید کی حدیث میں) نصاب کی مقدار بیان کی گئی ہے اور اس کی تعیین کی ہے۔ اور زیادتی قبول کی جاتی ہے، اور مفصل حدیث فیصلہ کرتی ہے مجمل حدیث کا، جبکہ اس کا راوی ثقہ ہو، جیسے فضل بن عباسؓ نے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پڑھی ہے، پس حضرت بلالؓ کا قول لیا گیا اور فضل بن عباسؓ کا قول چھوڑ دیا گیا۔

تشریح: جمہور بشمول امام بخاریؒ کے نزدیک صرف اس زرعی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے جو ذخیرہ کی جاسکتی ہے اور وہ پانچ وسق یا زیادہ ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نہ قابل ذخیرہ ہونا شرط ہے، نہ نصاب شرط ہے بلکہ ہر زرعی پیداوار میں عشر واجب ہے، خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ، اور ذخیرہ کی جاسکتی ہو یا نہیں، اور ان کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہے جو گذشتہ باب میں آئی ہے، وہ حدیث مطلق ہے، اس میں نہ نصاب کی شرط ہے نہ پیداوار کے قابل ذخیرہ ہونے کی، بلکہ مطلقاً عشر واجب ہونے کی بات ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس استدلال کا جواب دیتے ہیں: فرماتے ہیں: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث مبہم ہے یعنی اس میں اجمال ہے، کوئی تفصیل نہیں، اس میں نہ یہ بات ہے کہ پیداوار کتنی ہونی چاہئے؟ اور نہ یہ ہے کہ پیداوار کیسی ہونی چاہئے؟ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی باب کی حدیث مفسَّر (مفصل) ہے، اس میں صراحت ہے کہ پیداوار کم از کم پانچ وسق

ہونی چاہئے، اور ظاہر ہے پانچ وسق پیداوار وہی جمع ہوسکتی ہے جو ذخیرہ کی جاسکتی ہو، ٹماٹر، بیگن اور لوکی وغیرہ پانچ وسق جمع نہیں ہوسکتے، وہ اس سے پہلے ہی سڑ جائیں گے۔ پس حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث میں دو باتیں زائد ہیں: ایک: پیداوار کم از کم پانچ وسق ہو، دوسری: وہ ذخیرہ کی جاسکتی ہو۔

اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے، نیز یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ مفسَّر (مفصل) اور مبہم (مجمل) میں سے مفسر کو لیں گے، جیسے فضل بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کعبہ شریف میں نماز نہیں پڑھی، اور حضرت بلالؓ کہتے ہیں: پڑھی ہے، پس حضرت بلالؓ کی حدیث لیں گے کیونکہ وہ واضح ہے اور حضرت فضل کی روایت نہیں لیں گے کیونکہ وہ غیر مفسر ہے۔ اسی طرح یہاں بھی حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث لیں گے کیونکہ وہ مفسر اور واضح ہے اور ابن عمرؓ کی حدیث مبہم اور غیر واضح ہے، اس لئے اس کو نہیں لیں گے (۱)

پہلا جواب: امام بخاری رحمہ اللہ نے جو دو قاعدے بیان کئے ہیں وہ دونوں قاعدے صحیح ہیں، مگر وہ یہاں جاری نہیں ہوتے، کیونکہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ مسئلوں سے متعلق ہیں، ایک مسئلہ سے متعلق نہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث عشر کے بارے میں ہے اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں غلہ کے تاجر کی زکات کا نصاب ہے۔ عشر کے بارے میں وہ حدیث نہیں ہے، پس حضرت رحمہ اللہ کا ایک حدیث کو مبہم اور دوسری کو مفسر قرار دینا اور مبہم کو مفسر کی طرف لوٹانا غور طلب ہے۔

دوسرا جواب: اگر دونوں روایتوں کو باب عشر سے متعلق مان لیں، تو پھر ایک روایت کو ترجیح دینے سے بہتر دونوں کو جمع کرنا ہے، ترجیح سے تطبیق بہتر ہے، اور تطبیق یہ ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے اس کا تعلق گورنمنٹ سے ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث عام ہے، پس مطلب یہ ہوگا کہ پانچ وسق اور زیادہ پیداوار کی زکات گورنمنٹ وصول کرے گی، مالکان خود غریبوں کو نہیں دے سکتے، کیونکہ پانچ وسق اور زیادہ کی زکات بیت المال کو ادا کرنا ضروری ہے اور پانچ وسق سے کم کی زکات مالکان خود غریبوں کو دے سکتے ہیں، حکومت وصول نہیں کرے گی، کیونکہ عامل دھڑی دو دھڑی اناج کے لئے ایک کھیت سے دوسرے کھیت نہیں جاسکتا، اس میں عامل کے لئے بھی دشواری ہے اور بیت المال کا بھی نقصان ہے۔ حکومت کا ٹرک کہاں کہاں گھومے گا؟ بلکہ ساعی صرف وہاں جائے گا جہاں کم از کم دس بوریاں پیدا ہوئی ہوں، تاکہ عشر میں کم از کم ایک بوری ملے، اسی طرح سبزیوں اور ترکاریوں کی زکات بھی گورنمنٹ وصول نہیں کرے گی، کیونکہ جب تک ساعی عشر وصول کرے گا اور غریبوں میں تقسیم کرے گا وہ خراب ہوجائیں گی، بلکہ ان کا عشر مالکان خود غرباء تک پہنچائیں گے۔

(۱) یاد رہے کہ یہ وہم ہے، نفی والی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے اور حضرت فضلؓ سے تو کعبہ میں نماز پڑھنا مروی ہے ان کی روایت مسند احمد میں ہے۔

بَابُ أَخْذِ صَدَقَةِ التَّمْرِ عِنْدَ صِرَامِ النَّخْلِ، وَهَلْ يُتْرَكُ الصَّبِيُّ فَيَمَسُّ تَمْرَ الصَّدَقَةِ؟

کھجوروں کا عشر پھلوں کی تڑائی کے وقت لینا، اور کیا بچے کو عشر کی کھجوریں چھونے دی جائیں گی؟

اس باب میں دو مسئلے ہیں اور دونوں میں گہرا ربط ہے: پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ پھلوں کو اور غلوں کو گاہ کر اور سوکھا کر تیار کرنا مالکان کی ذمہ داری ہے، جب پھل اور غلے اسٹور کرنے کے قابل ہو جائیں تب ساعی زکات لینے آئے گا۔ الصِّرام کے معنی ہیں: پھل توڑنا، ظاہر ہے کھجوریں ایک ساتھ نہیں ٹوٹتیں، جب خوشے میں پانچ دس دانے پک جاتے ہیں تو خوشہ کاٹ لیا جاتا ہے، پھر اسے دھوپ میں رسّی وغیرہ سے باندھ کر لٹکا دیا جاتا ہے، پھر جب چھوہارے بن جاتے ہیں تو ڈنڈا بجا کر دانے الگ کر لئے جاتے ہیں، پھر ان کو کسی کونے میں ڈھیر کر دیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے گھر کے بچے ان سے کھیلیں گے اور کھائیں گے بھی، پس دوسرا مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ بچوں کو ان سے کھیلنے کی اور کھانے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ ابھی ان کا عشر نہیں نکالا گیا، اس طرح یہ دونوں مسئلے ایک ساتھ ہو گئے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، حل چلایا ہے یعنی مسئلہ قارئین کے حوالہ کیا ہے کہ حدیث پڑھ کر خود فیصلہ کرو، اور میری رائے یہ ہے کہ اگر خرص ہو چکا ہے تو بچے کھیل بھی سکتے ہیں اور کھا بھی سکتے ہیں، کیونکہ رجسٹر میں جو اندراج ہے ساعی اس کے مطابق عشر لے گا پس بچے کھیلیں یا کھائیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے! اور اگر پیداوار کا خرص نہیں ہوا تو پھر بچوں کو کھانے اور کھیلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، جب تک اللہ کا حق (غریبوں کا حق) اس میں سے نکل نہ جائے، کسی کو کھانے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

[٥٧-] بَابُ أَخْذِ صَدَقَةِ التَّمْرِ عِنْدَ صِرَامِ النَّخْلِ، وَهَلْ يُتْرَكُ الصَّبِيُّ فَيَمَسُّ تَمْرَ الصَّدَقَةِ؟

[١٤٨٥-] حدثنا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الْأَسَدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُؤْتَى بِالتَّمْرِ عِنْدَ صِرَامِ النَّخْلِ، فَيَجِيْءُ هٰذَا بِتَمْرِهِ، وَهٰذَا مِنْ تَمْرِهِ، حَتَّى يَصِيْرَ عِنْدَهُ كَوْمًا مِنْ تَمْرٍ، فَجَعَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَلْعَبَانِ بِذٰلِكَ التَّمْرِ، فَأَخَذَ أَحَدُهُمَا تَمْرَةً، فَجَعَلَهُ فِي فِيْهِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَخْرَجَهَا مِنْ فِيْهِ، فَقَالَ: "أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ آلَ مُحَمَّدٍ لاَ يَأْكُلُوْنَ الصَّدَقَةَ؟"

[انظر: ١٤٩١، ٣٠٧٢]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ کے پاس کھجوریں لائی جاتیں جب کھجوریں ٹوٹتیں، پس یہ اپنی کھجوریں لاتا اور وہ اپنی کھجوریں لاتا، یہاں تک کہ آپ کے پاس کھجوروں کا ڈھیر لگ جاتا، پس حسنین رضی اللہ عنہما

ان کھجوروں سے کھیلا کرتے تھے، پس ان میں سے کسی ایک نے ایک کھجور لی اور اپنے منہ میں رکھ لی، نبی ﷺ نے اس کو دیکھ لیا، آپؐ نے وہ کھجور اس کے منہ سے نکال دی اور فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ خاندانِ محمد زکات نہیں کھاتا!

تشریح: مدینہ منورہ میں جو باغ والے تھے جب کھجوریں پک جاتیں اور سوکھ کر چھوہارے بن جاتے تو وہ ان کی زکوٰت لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے اور مسجدِ نبوی میں ایک طرف ڈھیر کر دیتے، معلوم ہوا کہ چھوہارے بن جانے تک باغ والے کی ذمہ داری ہے، اور آپؐ نے نواسے کے منہ سے صدقہ کی کھجور نکال دی، معلوم ہوا کہ عشر نکالنے سے پہلے بچوں کو کھجوریں نہیں کھانے دی جائیں گی۔

بَابٌ: مَنْ بَاعَ ثِمَارَهُ أَوْ نَخْلَهُ أَوْ أَرْضَهُ أَوْ زَرْعَهُ وَقَدْ وَجَبَ فِيْهِ الْعُشْرُ أَوِ الصَّدَقَةُ فَأَدَّى الزَّكَاةَ مِنْ غَيْرِهِ، أَوْ بَاعَ ثِمَارَهُ وَلَمْ تَجِبْ فِيْهِ الصَّدَقَةُ

عشر یا زکات واجب ہونے کے بعد پھل، کھجور کا درخت، زمین یا کھیتی بیچی اور زکات دوسرے مال سے ادا کی یا زکات واجب ہونے سے پہلے پھل بیچا تو درست ہے

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ وجوبِ عشر وزکات کے بعد پھل، کھجور کے درخت، زمین اور تجارتی سامان وغیرہ بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ جب خارص نے پھلوں کا تخمینہ لگا کر رجسٹر میں اندراج کر لیا تو عشر ثابت ہو گیا، یا مالِ تجارت پر حولانِ حول ہو گیا تو زکات واجب ہو گئی، اب وجوبِ عشر وزکات کے بعد پھل یا پھل دار درخت، یا جس زمین میں درخت یا کھیتی کھڑی ہے وہ زمین یا تجارت کا سامان فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ احناف کے نزدیک کر سکتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں کر سکتے، وہ فرماتے ہیں: جب تک حق واجب ادا نہ ہو جائے نہ پھل بیچنا جائز ہے نہ درخت، نہ زمین اور نہ سامانِ تجارت، اور وجوبِ عشر وزکات سے پہلے بیچنا بالاتفاق جائز ہے، اختلاف صرف ان پھلوں، درختوں، زمین اور تجارت کے سامان میں ہے جن میں عشر وزکات واجب ہو چکے ہیں۔

اور حنفیہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک بیع اس لئے درست ہے کہ ان کے نزدیک زکات وعشر میں استبدال جائز ہے، پس وجوبِ زکات کے بعد جو پھل یا سامان بیچ دیا ہے اس کی زکات اور عشر رقم کے ذریعہ یا بازار سے پھل اور اناج خرید کر ادا کر دے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک استبدال جائز نہیں، بلکہ جس چیز میں زکات واجب ہوئی ہے اسی کو زکات میں دینا ضروری ہے، اس لئے ان کے نزدیک حق واجب ادا کئے بغیر بیچنا جائز نہیں۔

استدلال:

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "پھل مت بیچو، یہاں تک کہ ان کا کارآمد ہونا ظاہر ہو جائے" اس ارشاد میں نبی ﷺ نے

بیع کی صحت کو بدوّصلاح پر موقوف کیا ہے، یعنی اگر پھل کار آمد ہو گئے ہیں تو بیچنا جائز ہے ورنہ نہیں، عشر وزکات واجب ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس پر بیع کی صحت کو موقوف نہیں کیا، پس دونوں صورتوں میں بیچنا جائز ہے، عشر وزکات واجب ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ یہ اس حدیث سے استدلال ہے، اور حدیث کی شرح کتاب البیوع میں آئے گی —— اب باب کا ترجمہ سنیے:

مَنْ باع ثمارَہ: جس نے اپنے باغ کے پھل بیچے، او نخلَہ: یا اپنے کھجور کے درخت بیچے، او ارضَہ: یا درخت زمین کے ساتھ بیچے، او زرعَہ: یا اپنی کھیتی بیچی، وقد وجب فیہ العشرُ او الصدقۃُ: درانحالیکہ اس میں زکات یا عشر واجب ہو چکا ہے یعنی پھل اور اناج کا خرص ہو گیا ہے یا مالِ تجارت پر حولان حول ہو گیا ہے، فادّی الزکاۃَ من غیرہ: پس اس نے اس کے علاوہ مال سے زکات ادا کی یعنی جس چیز میں زکات واجب ہوئی تھی اس کے علاوہ چیز زکات میں دی تو بیچ سکتا ہے او باع ثمارہ ولم تجب فیہ الصدقۃ: یا اپنا پھل بیچا درانحالیکہ ان میں زکات واجب نہیں ہوئی تو بھی درست ہے۔

دلیل: وقولُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: پھلوں کو مت بیچو یہاں تک کہ ان کا کار آمد ہونا ظاہر ہو جائے (حدیث پوری ہوئی) فلم یحظُر البیعَ بعد الصلاح علی احد: نبی ﷺ نے پھل کار آمد ہونے کے بعد کسی کو بھی بیچنے سے منع نہیں فرمایا، ولم یخص من وجبت علیہ الزکاۃ ممن لم تجب اور نہ آپؐ نے اس شخص کی تخصیص کی جس پر زکات واجب ہوئی ہے، اس شخص سے جس پر زکات واجب نہیں ہوئی، یعنی آپؐ نے بیع کی صحت کو بدوّ صلاح پر موقوف کیا، وجوبِ عشر وزکات پر موقوف نہیں کیا، پس بدوّ صلاح سے پہلے تو پھل بیچنا جائز نہیں اور بدوّصلاح کے بعد بیچنا جائز ہے خواہ ان میں زکات واجب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، یہ اس حدیث سے استدلال ہے۔

[۵۸-] بَابٌ: مَنْ بَاعَ ثِمَارَهُ أَوْ نَخْلَهُ أَوْ أَرْضَهُ أَوْ زَرْعَهُ وَقَدْ وَجَبَ فِيهِ الْعُشْرُ أَوِ الصَّدَقَةُ فَأَدَّى الزَّكَاةَ مِنْ غَيْرِهِ، أَوْ بَاعَ ثِمَارَهُ وَلَمْ تَجِبْ فِيهِ الصَّدَقَةُ

وَقَوْلُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " لَاتَبِيْعُوْا الثَّمَرَةَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا" فَلَمْ يَحْظُرِ الْبَيْعَ بَعْدَ الصَّلَاحِ عَلَى أَحَدٍ، وَلَمْ يَخُصَّ مَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ الزَّكَاةُ مِمَّنْ لَمْ تَجِبْ.

[۱۴۸۶-] حدثنا حَجَّاجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، وَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاحِهَا، قَالَ:" حَتَّى تَذْهَبَ عَاهَتُهُ" [انظر: ۲۱۸۳، ۲۱۹۴، ۲۱۹۹، ۲۲۴۷، ۲۲۴۹]

[۱۴۸۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيْدَ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ

صَلَاحُهَا [انظر: ۲۱۸۹، ۲۱۹۶، ۲۳۸۱]

[۱۴۸۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِيَ، قَالَ: حَتّٰى تَحْمَارَّ. [انظر: ۲۱۹۵، ۲۱۹۷، ۲۱۹۸، ۲۲۰۸]

حدیث (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کھجوروں کو بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ ان کا کار آمد ہونا ظاہر ہوجائے، اور جب ابن عمرؓ سے پوچھا جاتا کہ پھلوں کا کارآمد ہونا کیا ہے؟ تو فرماتے: یہاں تک کہ اس کی آفت ٹل جائے یعنی پھل آفتوں سے محفوظ ہوجائیں۔

تشریح: ابن عمرؓ نے بدوّ صلاح کی جو تفسیر کی ہے حنفیہ نے اسی کو لیا ہے، ان کے نزدیک بدوّ صلاح کی تعریف ہے: الأمنُ من العاهات والآفات، لا الحادثات: غلہ اور پھل کا بیماریوں اور آفتوں سے محفوظ ہوجانا نہ کہ حادثات سے محفوظ ہونا، پھلوں اور غلوں میں ایک وقت تک بیماریاں آتی ہیں، جب وہ مرحلہ گذر جاتا ہے تو پھل اور غلے محفوظ ہوجاتے ہیں، البتہ کوئی حادثہ آسکتا ہے جیسے اولے گرے، جس سے پھل جھڑ گئے یہ بات بدوّ صلاح میں شامل نہیں، مزید تفصیل کتاب البیوع میں آئے گی۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ ان کا کارآمد ہونا ظاہر ہوجائے۔

حدیث (۳): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ وہ سرخ ہوجائیں۔

تشریح: ثِمار: ثمر کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: کوئی بھی پھل، مگر عربی میں لفظ ثمر سے کھجور مراد لیتے ہیں، اور زَهَا يَزْهُوْ زَهْوًا کے لفظی معنی ہیں: حسن المنظر ہونا، جب کھجوریں پکنے کے قریب آتی ہیں تو بڑا خوشنما منظر ہوتا ہے، اور مراد ہے: کھجوریں پیلی یا سرخ پڑجائیں، کھجوریں شروع میں ہری ہوتی ہیں اور پکنے کے قریب بعض سرخ ہوجاتی ہیں اور بعض پیلی پڑجاتی ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے بدوّ صلاح کی یہ تفسیر لی ہے، کھجور کے بارے میں حتّٰی یَزْهُو آیا ہے، پس جب کھجوریں پیلی یا سرخ ہوجائیں تو بدوّ صلاح ہوگیا۔ تفصیل کتاب البیوع میں آئے گی۔

بَابٌ: هَلْ يَشْتَرِيْ صَدَقَتَهُ؟

کیا آدمی اپنی دی ہوئی زکات خرید سکتا ہے؟

اس باب میں دو مسئلے ہیں، ایک اصل ہے دوسرا ضمنی:

پہلا مسئلہ: ایک شخص نے کسی غریب کو کوئی چیز صدقہ دی، وہ غریب اس چیز کو بیچ رہا ہے تو صدقہ دینے والا اس کو خرید سکتا ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ خرید سکتا ہے اس لئے کہ ملکیت بدلنے سے چیز بدل جاتی ہے اور یہ قاعدہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ماخوذ ہے، ان کو صدقہ میں گوشت ملا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر بریرہؓ اس میں سے ہمیں دے گی تو ہمارے لئے ہدیہ ہوگا۔

اور باب کی حدیث میں یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی کو گھوڑا دیا تا کہ وہ اللہ کے راستہ میں اس پر جہاد کریں، وہ گھوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھا، اتفاق سے ان صحابی کو ضرورت پیش آئی، انھوں نے وہ گھوڑا بیچنے کے لئے بازار میں لاکر کھڑا کیا، جب حضرت عمرؓ نے اس کو بکتے دیکھا تو اس کو خریدنے کا ارادہ کیا، پھر خیال آیا کہ پہلے نبی ﷺ سے معلوم کر لینا چاہئے، چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا: ''اپنی خیرات واپس مت لو''

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خیرات واپس کہاں لے رہے تھے؟ وہ تو خریدنا چاہتے تھے؟ جواب: جب حضرت عمرؓ خریدیں گے تو وہ صحابی محابات (بہت زیادہ رعایت) کریں گے، یہ محابات ایک طرح سے صدقہ کا کچھ حصہ واپس لینا ہے، نبی ﷺ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

اور اگر پوری قیمت پر خریدتے تو بھی ٹھیک نہیں تھا، کیونکہ نفس ابھی اس چیز سے پوری طرح ہٹا نہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی چیز خیرات کردے تو دل اس چیز سے جھاڑلے، دل کے کسی گوشے میں اس کی چاہت باقی نہ رہے، اگر صدقہ کے بعد بھی نفس اس چیز کی طرف جھکتا ہے تو صدقہ کامل نہیں ہوا۔

دوسرا مسئلہ: کسی دوسرے کے صدقہ کو خریدنے میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا صدقہ خریدنے سے منع کیا تھا، دوسرے کا صدقہ خریدنے سے منع نہیں کیا، نیز اس میں محابات اور اشراف نفس کا احتمال بھی نہیں ہے اس لئے دوسرے کے صدقہ کو خریدنے میں کچھ حرج نہیں۔

[۵۹-] بَابٌ: هَلْ يَشْتَرِىْ صَدَقَتَهُ؟

وَلَا بَأْسَ أَنْ يَشْتَرِىَ صَدَقَةَ غَيْرِهِ، لِأَنَّ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم إِنَّمَا نَهَى الْمُتَصَدِّقَ خَاصَّةً عَنِ الشِّرَاءِ، وَلَمْ يَنْهَ غَيْرَهُ.

[۱۴۸۹-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُحَدِّثُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ تَصَدَّقَ بِفَرَسٍ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ، فَوَجَدَهُ يُبَاعُ، فَأَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَهُ، ثُمَّ أَتَى النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم، فَاسْتَأْمَرَهُ فَقَالَ: "لَاتَعُدْ فِىْ صَدَقَتِكَ" فَبِذٰلِكَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَتْرُكُ أَنْ يَبْتَاعَ شَيْئًا تَصَدَّقَ بِهِ إِلَّا جَعَلَهُ صَدَقَةً. [انظر: ۲۷۷۵، ۲۹۷۱، ۳۰۰۲]

[۱٤٩٠-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُوْلُ: حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَأَضَاعَهُ الَّذِيْ كَانَ عِنْدَهُ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهُ، وَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَبِيْعُهُ بِرُخْصٍ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "لَا تَشْتَرِهِ، وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ، وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ، فَإِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِهِ"

[انظر: ۲٦۲۳، ۲٦۳٦، ۲۹۷۰، ۳۰۰۳]

حدیث (۱): حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جہاد میں استعمال کرنے کے لئے گھوڑا دیا، پھر انھوں نے اس گھوڑے کو بکتا ہوا پایا تو انھوں نے اس کو خریدنے کا ارادہ کیا، پھر وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے مشورہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اپنا صدقہ واپس مت لو، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ جب بھی خیرات میں دی ہوئی کوئی چیز خریدتے تو اس کو (دوبارہ) صدقہ کردیتے۔

تشریح: اگر کوئی شخص صدقہ یا ہدیہ دے اور کوئی شرط لگائے تو اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں، مثلاً: کسی کو قلم ہدیہ دیا اور شرط لگائی کہ آپ اس سے تصنیف کریں گے، اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں، موہوب لہ اس قلم کو بیچ سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑا اس لئے دیا تھا کہ اس کو جہاد میں استعمال کیا جائے مگر موہوب لہ نے اس کو بیچ دیا، کیونکہ اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں تھا۔

حدیث (۲): حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے (ایک شخص کو) جہاد کرنے کے لئے ایک گھوڑا دیا، پس اس نے اس کو ضائع کردیا یعنی گھوڑے کی ٹھیک سے ٹہل نہیں کی، پس میں نے اس کو خریدنے کا ارادہ کیا اور میں نے گمان کیا کہ وہ اس کو سستا بیچے گا، پس میں نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: تم اس کو مت خریدو اور اپنا صدقہ واپس مت لو، اگرچہ وہ آپؓ کو ایک درہم میں دے، اس لئے کہ خیرات کرکے واپس لینے والا ایسا ہے جیسا قئی کرکے چاٹ لینے والا!

تشریح: صدقہ خیرات میں رجوع نہیں ہوسکتا، ہدیہ میں رجوع ہوسکتا ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک سات موانع ہیں اگر ان میں سے کوئی مانع پایا جائے تو رجوع نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی مانع موجود نہ ہو تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے رجوع ہوسکتا ہے، مگر مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے ہبہ کرکے واپس لینے والے کو اس کتے کے مانند قرار دیا ہے جو اپنی قئی چاٹ لیتا ہے۔

کتے کو جب کوئی مردار ملتا ہے تو بے تحاشہ کھاتا ہے، یہاں تک کہ چلنا دشوار ہوجاتا ہے۔ پس وہ قئی کرکے خود کو ہلکا کرلیتا ہے، پھر جب اس کو کھانا نہیں ملتا اور بھوکا ہوتا ہے اور اپنی قئی پر سے گذرتا ہے تو اسی کو کھا کر پیٹ بھرلیتا ہے (تفصیل کتاب الھبہ میں آئے گی)

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَآلِهِ

نبی ﷺ اور آپؐ کے خاندان کے لئے صدقہ کا حکم

نبی ﷺ پر اور آپؐ کے خاندان پر زکات حرام ہے، ان کو زکات دینے سے زکات ادا نہیں ہوگی، اور نہ ان کے لئے زکات لینا جائز ہے۔ اور آلِ رسول جن پر زکات حرام ہے: اس سے پانچ خاندان مراد ہیں: (۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد (۲) حارث بن عبدالمطلب کی تمام اولاد (۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد (۴) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد (۵) اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد۔ ان سب کے لئے زکات حرام ہے۔

اور نبی ﷺ کی نرینہ اولاد سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھی، اس لئے خود آپؐ کی اولاد اور اولاد در اولاد کا سلسلہ تو چلا نہیں، البتہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد آپؐ کی اولاد ہے، اور یہی آل رسول اور خاندانِ رسول ہیں۔ اور لوگ صرف انہی کے لئے زکات کی حرمت جانتے ہیں حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری اولاد اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بے شمار اولاد موجود ہے۔ ان سب کے لئے زکات حرام ہے مگر اب ان کی پہچان بھی باقی نہیں رہی۔

اور نبی ﷺ اور آپؐ کے خاندان کے لئے زکات کی حرمت تین وجوہ سے ہے:

پہلی وجہ: مسلم شریف میں حدیث ہے کہ صدقات لوگوں کا میل ہیں (مشکوۃ حدیث ۱۸۲۳) پس وہ آپؐ کے اور آپؐ کے خاندان کے لائق نہیں۔

دوسری وجہ: جو مال کسی چیز کے عوض میں لیا جاتا ہے یعنی خرید و فروخت کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے یا کسی منفعت کے عوض میں ملتا ہے یعنی ملازمت یا اجارہ کے طور پر حاصل ہوتا ہے اس میں تو کوئی خبث نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ہماری چیز یا ہمارے نفع کا عوض ہے، پس کمائی کرنے کے بہترین ذرائع یہی ہیں۔ اسی طرح جو ہدیہ ملتا ہے وہ بھی طیب ہے کیونکہ اس میں مودت ومحبت اور عزت واحترام کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے مگر ان کے علاوہ جو مال حاصل ہوتا ہے یعنی خیرات کے طور پر ملتا ہے اس کے لینے میں ذلت واہانت ہے۔ اور دینے والے کی لینے والے پر برتری اور احسان کا پہلو بھی ہے، چند ابواب پہلے حدیث گذری ہے کہ: ”اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے“ اس حدیث میں اسی برتری اور احسان کے پہلو کی طرف اشارہ ہے، اس لئے مال حاصل کرنے کا یہ طریقہ بدترین ذریعۂ معاش ہے، یہ پیشہ نہایت پاکیزہ لوگوں کے لائق نہیں، نہ ان لوگوں کے شایانِ شان ہے جن کو ملت میں نہایت اہم مقام حاصل ہے یعنی یہ مال خاندانِ نبوت کے لئے سزاوار نہیں۔

تیسری وجہ: اگر آپؐ اپنی ذات کے لئے زکات لیتے یا اپنے خاندان کے لئے جائز قرار دیتے جن کا فائدہ آپؐ ہی کا فائدہ ہے تو اندیشہ تھا کہ بدگمانی کرنے والے آپؐ کی شان میں نازیبا بات کہتے، وہ طعن کرتے کہ اپنی عیش کوشی کے لئے لوگوں پر ٹیکس لگایا ہے۔ اس لئے آپؐ نے اس دروازہ کو بالکل بند کردیا، اور صاف اعلان کردیا کہ زکات کی منفعت لوگوں ہی

کی طرف لوٹنے والی ہے۔ تُؤخَذُ من أغنیائھم وترد علی فقرائھم: زکات ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں کو لوٹادی جائے گی، یعنی زکات کا یہ نظام فقراء پر مہربانی، مساکین پر نوازش، حاجت مندوں کی خوش حالی اور ان کو فلاکت سے بچانے کے لئے قائم کیا گیا ہے، اس میں آپؐ کا اور آپؐ کے خاندان کا کچھ حصہ نہیں (مزید وضاحت تحفۃ الالمعی (۵۷۲:۲) اور رحمۃ اللہ الواسعہ (۷۷:۴) میں ہے)

فائدہ: نبی ﷺ کے خاندان کے غریبوں کے لئے شریعت نے متبادل یہ تجویز کیا ہے کہ غنیمت کے خمس (پانچویں حصہ) میں ذوی القربی کا حصہ رکھا ہے، لیکن اب جبکہ غنیمت نہیں رہی تو کیا آلِ رسول میں جو غریب ہیں ان کو زکات دی جاسکتی ہے؟ پرانے زمانہ سے یہ مسئلہ اختلافی چلا آرہا ہے۔ حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہان پوری رحمہ اللہ جو میرے استاذ ہیں اور دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی تھے اور سادات میں سے تھے ان کے پاس لکھا ہوا نسب نامہ موجود تھا، ان کا سلسلہ نسب پیرانِ پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے یعنی وہ قادری سادات میں سے تھے، حضرت مفتی صاحبؒ یہ فتوی دیا کرتے تھے کہ فی زمانہ سادات کو زکات دینا جائز ہے، کیونکہ شریعت نے جو متبادل تجویز کیا ہے وہ باقی نہیں رہا (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۵۷۴:۲) میں ہے)

[۶۰-] بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَآلِهِ

[۱٤۹۱-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ، فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "كِخْ كِخْ" لِيَطْرَحَهَا، ثُمَّ قَالَ: "أَمَا شَعَرْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ!" [راجع: ۱٤۷۵]

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لی اور منہ میں رکھ لی، پس نبی ﷺ نے فرمایا: تھوتھو! تاکہ وہ اس کو نکال دیں، پھر فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے!

بَابُ الصَّدَقَةِ عَلَى مَوَالِي أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے زکات جائز ہے

نبی ﷺ نے اور آپؐ کے خاندان نے جن غلاموں کو آزاد کیا ہے ان پر تو زکات حرام ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: موالی القوم من أنفسھم (بخاری، مشکوۃ حدیث ۳۰۴۴) یعنی آزاد کردہ غلاموں کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے جس نے ان کو آزاد کیا ہے، پس جس طرح نبی ﷺ پر اور آپؐ کے خاندان پر زکات حرام ہے ان کے موالی پر بھی حرام ہے، مگر ازواج مطہرات کے موالی پر زکات حرام نہیں، کیونکہ جن پانچ خاندانوں پر زکات حرام ہے ازواج مطہرات ان میں سے نہیں تھیں،

پس ان کے موالی کوزکات دینا جائز ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ تھیں صدقہ دیا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: لها صدقة ولنا هدية: معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے موالی کوزکات دے سکتے ہیں۔

[٦١-] بَابُ الصَّدَقَةِ عَلٰى مَوَالِيْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

[١٤٩٢-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: وَجَدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم شَاةً مَيْتَةً، أُعْطِيَتْهَا مَوْلَاةٌ لِمَيْمُوْنَةَ مِنَ الصَّدَقَةِ، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "هَلَّا انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا؟" قَالُوْا: إِنَّهَا مَيْتَةٌ، قَالَ: "إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا" [انظر: ٢٢٢١، ٥٥٣١، ٥٥٣٢]

ترجمہ: نبی ﷺ نے ایک مری ہوئی بکری دیکھی جو آپ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی کسی آزاد کردہ باندی کو صدقہ میں سے دی تھی (یہی جزء باب سے متعلق ہے) (لوگ اس کو پھینکنے کے لئے لے جارہے تھے) آپ نے فرمایا: تم لوگ اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟ انھوں نے عرض کیا: یہ مردار ہے! آپ نے فرمایا: اس کا کھانا ہی حرام ہے۔

تشریح: دباغت کے بعد مردار کی کھال سے انتفاع جائز ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے البتہ مردار کی کھال دباغت سے پہلے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور یہ مسئلہ تفصیل سے کتاب البیوع میں آئے گا۔

[١٤٩٣-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حدثنا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيْرَةَ لِلْعِتْقِ، وَأَرَادَ مَوَالِيْهَا أَنْ يَشْتَرِطُوْا وَلَاءَهَا، فَذَكَرَتْ عَائِشَةُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "اشْتَرِيْهَا، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ" قَالَتْ: وَأُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِلَحْمٍ، فَقُلْتُ: هٰذَا مَا تُصُدِّقَ بِهِ عَلٰى بَرِيْرَةَ، فَقَالَ: "هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ" [راجع: ٤٥٦]

وضاحت: یہ حدیث گذر چکی ہے، حضرت بریرہؓ ایک یہودی کی باندی تھیں، انھوں نے اپنے آقا سے ایک بڑی رقم پر کتابت کا معاملہ کر لیا تھا، اور مدد مانگنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تھیں، آپؓ نے ان کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ کیا، یہودی آقا نے ولاء کی شرط لگائی، انھوں نے نبی ﷺ سے یہ بات دریافت کی تو آپ نے فرمایا: تم خرید کر آزاد کر دو ولاء اس کو ملے گی جو آزاد کرے گا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

ایک مرتبہ ان کو کسی نے صدقہ کا گوشت دیا، گھر میں گوشت پک رہا تھا کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور کھانا طلب فرمایا، چنانچہ جو چٹنی روٹی میسر تھی پیش کی گئی، آپ نے فرمایا: گوشت کی خوشبو آرہی ہے کیا اس میں ہمارا حصہ نہیں؟ عرض کیا گیا:

یارسول اللہ! یہ صدقہ کا گوشت ہے جو کسی نے بریرہؓ کو دیا ہے، آپؐ نے فرمایا: بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے لیکن اگر وہ ہمیں دیں گی تو وہ ہمارے لئے ہدیہ ہوگا، معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے موالی کو صدقہ دیا جاسکتا ہے (باقی تفصیل تحفۃ القاری (۲:۳۰۴) میں گذری ہے)

فائدہ: اس حدیث میں یاد رکھنے کی خاص بات یہ ہے کہ ولاء کی شرط اعتاق میں تھی جو از قبیل یمین ہے، بیع میں شرط نہیں تھی، پس بیع بھی درست ہوئی اور اعتاق بھی، اور شرط فاسد ہوگئی، کیونکہ جو معاملات از قبیل یمین ہوتے ہیں اگر ان میں شرط فاسد لگائی جائے تو وہ شرط خود فاسد ہوجاتی ہے اور معاملہ درست رہتا ہے (تفصیل تحفۃ القاری (۲:۳۰۷) میں گذر چکی ہے)

بَابٌ: إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ

جب زکات ایک کے پاس سے دوسرے کے پاس منتقل ہوجائے

اس باب میں وہی مسئلہ ہے جو ابھی بیان کیا گیا کہ ملک بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں، یعنی جب تک زکات مالک کی ملکیت میں ہے زکات ہے اور وہ مالدار کے لئے جائز نہیں، مگر جب اس پر غریب کا قبضہ ہوگیا، تو ملکیت بدل گئی، اب وہ زکات نہیں رہی، اب اگر وہ کسی مالدار کو ہدیہ دے تو اس کے لئے جائز ہے۔

اور یہ قاعدہ حضرت بریرہ اور حضرت نُسیبہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں سے بنایا گیا ہے، حضرت بریرہؓ کو صدقہ میں گوشت ملا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر بریرہ اس میں سے ہمیں دے گی تو ہمارے لئے ہدیہ ہوگا'' اسی طرح نبی ﷺ نے حضرت نُسیبہؓ کو زکات کی ایک بکری دی تھی انھوں نے وہ بکری ذبح کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کا گوشت بھیجا، جب نبی ﷺ گھر میں تشریف لائے اور کھانا طلب فرمایا تو صدیقہؓ نے عرض کیا: کھانے کے لئے کچھ نہیں، ہاں نُسیبہ نے اس بکری کا گوشت بھیجا ہے جو آپؐ نے ان کو زکات میں دی ہے، آپؐ نے فرمایا: هَاتِ فقد بَلَغَت مَحِلَّهَا: لاؤ، کیونکہ زکات اس کے اترنے کی جگہ میں پہنچ گئی یعنی جب تک زکات غریب کو نہیں دی گئی تھی زکات تھی، لیکن جب غریب نے زکات پر قبضہ کرلیا تو اب وہ زکات نہیں رہی، کیونکہ ملکیت بدل گئی، اب غریب کسی کو ہدیہ دے تو اس کے لئے وہ جائز ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

[٦٢-] بَابٌ: إِذَا تَحَوَّلَتِ الصَّدَقَةُ

[١٤٩٤-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيْرِيْنَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ، قَالَتْ: دَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى عَائِشَةَ، فَقَالَ: "هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ؟" فَقَالَتْ: لاَ، إِلَّا شَيْئٌ بَعَثَتْ بِهِ إِلَيْنَا نُسَيْبَةُ، مِنَ الشَّاةِ الَّتِيْ بَعَثْتَ لَهَا مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ:

"إِنَّهَا قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا" [راجع: ١٤٤٦]

[١٤٩٥-] حدثنا يَحْيَى بْنُ مُوْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أُتِيَ بِلَحْمٍ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيْرَةَ، فَقَالَ: "هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ" وَقَالَ أَبُوْ دَاوُدَ: أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ: سَمِعَ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ٢٥٧٧]

حوالہ: پہلی حدیث کتاب الزکاۃ (باب ۳۱) میں گذری ہے اور دوسری حدیث ابھی گذری ہے اور اس کو قتادہؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور قتادہ پر تدلیس کا الزام ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری سند پیش کی، جس میں سماعت کی صراحت ہے۔

بَابُ أَخْذِ الصَّدَقَةِ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ وَتُرَدُّ فِي الْفُقَرَاءِ حَيْثُ كَانُوْا

مالداروں سے زکات لینا اور غریبوں کو دینا وہ جہاں کے بھی ہوں

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ مالداروں سے زکات لے کر غریبوں پر خرچ کی جائے گی، خواہ وہ کہیں کے ہوں، جن لوگوں کی زکات ہے انہی کے غریبوں پر خرچ کرنا ضروری نہیں، البتہ ان کا حق مقدم ہے، پہلے ان کے غریبوں پر خرچ کی جائے پھر جو بچے وہ دوسرے غریبوں پر خرچ کی جائے۔

[٦٣-] بَابُ أَخْذِ الصَّدَقَةِ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ وَتُرَدُّ فِي الْفُقَرَاءِ حَيْثُ كَانُوْا

[١٤٩٦-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِيْنَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ: "إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوْا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ. فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ، وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لَكَ بِذٰلِكَ، فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ" [راجع: ١٣٩٥]

حوالہ: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الزکاۃ کے پہلے باب میں گذری ہے، ترجمہ اور شرح وہاں دیکھیں۔

قولہ: فإياك وكرائم أموالهم: اگر وہ زکات دینا منظور کرلیں تو ان کے بہترین مالوں سے بچو (کرائم أموالهم درحقیقت مرکب توصیفی ہے أي أموالٌ كريمةٌ) اور مظلوم کی بددعا سے بچو، اس لئے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان

کوئی پردہ نہیں، یعنی مظلوم کی آہ سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے۔

بَابُ صَلاَةِ الإِمَامِ وَدُعَائِهِ لِصَاحِبِ الصَّدَقَةِ

امیر المؤمنین کا زکات لانے والے کو دعا دینا

عطف تفسیری ہے یعنی صلوٰۃ بمعنی دعا ہے، صلوٰۃ کے ایک معنی ہیں: غایت انعطاف یعنی انتہائی درجہ کا میلان، اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ غیر نبی کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، غیر نبی پر تبعاً تو صلوٰۃ وسلام بھیج سکتے ہیں مگر مستقلاً بھیجنا جائز نہیں، اس لئے حضرت رحمہ اللہ عطف تفسیری لائے کہ یہ صلوٰۃ بمعنی دعا ہے، جب کوئی امیر المؤمنین کے پاس زکات لے کر آئے تو امام کو چاہئے کہ اس کو دعا دے، اس سے اس کا دل خوش ہوگا۔

سوال (۱): جب صلاۃ سے دعا مراد ہے تو پھر لفظ صلاۃ کیوں لائے، لفظ 'دعا' کافی تھا؟

جواب: حدیث میں لفظ صلاۃ آیا ہے، اس لئے اس لفظ کو لائے ہیں۔

سوال (۲): جب صلاۃ انبیاء کے ساتھ خاص ہے تو نبی ﷺ نے غیر انبیاء کے لئے لفظ صلاۃ کیوں استعمال کیا؟

جواب: صاحب حق کو حق ہے کہ وہ اپنا حق کسی کو دیدے، آنحضور ﷺ پیغمبر ہیں، صلاۃ ان کا حق ہے، پس آپؐ کو اختیار ہے کہ کسی اور کے لئے یہ لفظ استعمال فرمائیں، لیکن غیر نبی کو حق نہیں کہ جو انبیاء کا حق ہے وہ اس کو اپنے لئے یا کسی اور کے لئے استعمال کرے۔

جیسے: ایک شخص بڑا آدمی ہے، کسی مدرسہ کا شیخ الحدیث ہے، اس کا باپ اس کو نام لے کر پکارتا ہے کہ عبدالرحمٰن! فلاں کام کر، پس باپ کو تو یہ حق ہے لیکن اس کے شاگرد کو اس طرح پکارنے کا حق نہیں۔

اسی طرح صلاۃ وسلام انبیاء کا خاص حق ہے، اور ان کو اختیار ہے کہ وہ غیر نبی کے لئے یہ لفظ استعمال کریں، مگر غیر نبی کو یہ حق نہیں کہ وہ انبیاء کا حق غیر انبیاء کے لئے استعمال کرے۔

قولہ: خذ من أموالهم: قرآن میں بھی لفظ صلاۃ آیا ہے اور حدیث میں بھی، اس لئے حضرت رحمہ اللہ باب میں لفظ صلوٰۃ لائے پھر عطف تفسیری لا کر اس کے معنی بیان کئے کہ یہ لفظ دعا کے معنی میں ہے۔

[٦٤-] بَابُ صَلاَةِ الإِمَامِ وَدُعَائِهِ لِصَاحِبِ الصَّدَقَةِ

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ [التوبة: ١٠٣]

[١٤٩٧-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ، قَالَ: "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلاَنٍ" فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ، فَقَالَ: "اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى" [انظر: ٤١٦٦، ٦٣٣٢، ٦٣٥٩]

آیتِ پاک: آپ اُن کے مالوں میں سے صدقہ لیں، آپ اُن کو اس کے ذریعہ (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے، اوران کے لئے دعا کریں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے باعث طمانینت ہے۔

حدیث: ابن ابی اوفی کہتے ہیں: جب نبی ﷺ کے پاس کوئی قوم اپنی زکات لے کر آتی تو آپؐ فرماتے: "اے اللہ! فلاں کے خاندان پر رحم فرما!" چنانچہ میرے ابا بھی اپنی زکات لے کر پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ! ابواوفی کے خاندان پر رحم فرما!"

تشریح: زکات پہنچانا مالدار کی ذمہ داری ہے، وہ امیر المؤمنین پر عامل پر اور غریب پر کوئی احسان نہیں کرتا، پھر بھی جو زکات لے کر آئے امیر المؤمنین کو، اس کے عامل کو اور غریب کو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، اور اس کو دعا دینی چاہئے، یہی نبی ﷺ کا طریقہ ہے۔

بَابُ مَا يُسْتَخْرَجُ مِنَ الْبَحْرِ

جو چیزیں سمندر سے نکالی جاتی ہیں

حنفیہ کے نزدیک سمندر میں سے جو چیز نکلے اس میں کوئی چیز واجب نہیں، سمندر میں سے موتی، مونگے، عنبر اور مچھلی نکلتی ہے ان میں کوئی چیز واجب نہیں۔

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عنبر رکاز (خزانہ) نہیں ہے، بلکہ وہ ایسی چیز ہے جسے سمندر نے کنارے پر پھینک دیا ہے —— رکاز میں خمس واجب ہے اور عنبر رکاز نہیں، پس اس میں کچھ واجب نہیں۔

۲- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عنبر اور موتیوں میں خمس (پانچواں حصہ) واجب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ تردید کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے رکاز میں خمس واجب کیا ہے اور جو چیز سمندر سے نکلتی ہے وہ رکاز نہیں، پس موتیوں اور عنبر میں کچھ واجب نہیں۔

حدیث: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو پہلی مرتبہ آئی ہے اور مختصر آئی ہے، اور آگے چھ مرتبہ اور آئے گی، یہ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے۔ ایک شخص نے دوسرے سے معین مدت کے لئے ایک ہزار دینار قرض مانگا، ایک ہزار دینار آج کے سات آٹھ لاکھ روپے ہوتے ہیں، جس سے قرض مانگا گیا تھا اس نے ضامن مانگا، قرض خواہ نے اللہ کو ضامن دیا، مالدار نیک بندہ تھا اس نے اس ضمانت پر قرض دیدیا، قرض خواہ قرض لے کر وطن چلا گیا اور اپنی ضرورت پوری کرلی، جب مدت پوری ہونے آئی تو وہ قرض کے ہزار دینار لے کر ساحل پر آیا، مگر اتفاق سے کشتی نہیں ملی، وہ بہت پریشان ہوا اس نے ایک ترکیب سوچی، ایک موٹی لکڑی لی، اس کو کرید کر کھوکھلا کیا، اور ہزار دینار اور ایک پرچہ اس میں رکھا، اس میں پوری صورت حال لکھ دی، اور وہ لکڑی سمندر میں چھوڑ دی۔

اُدھر قرض خواہ ساحل پر آیا تا کہ مقروض کا استقبال کرے مگر اس دن کوئی کشتی نہیں آئی، وہ مایوس ہو کر لوٹنے لگا، اچانک اس نے دیکھا کہ ایک لکڑی تیرتی ہوئی آ رہی ہے، اس نے سوچا خالی ہاتھ لوٹنے سے بہتر یہ ہے کہ یہ لکڑی لیتا جاؤں، جلانے کے کام آئے گی، گھر جا کر جب اس کو چیرا تو اس میں سے ہزار دینار اور پرچہ نکلا، وہ اپنا قرض پا کر خوش ہو گیا۔

اُدھر اس بندے نے سوچا کہ اللہ جانے وہ ہزار دینار قرض خواہ کو ملے یا نہیں، چنانچہ اس نے دوسرے ہزار دینار جمع کئے اور ایک دو دن کے بعد جب کشتی ملی تو ان کو لے کر قرض خواہ کے پاس پہنچا اور وقت پر قرض ادا نہ کر سکنے کی معذرت کی اور ہزار دینار پیش کئے، اس بندے نے کہا: تم نے اللہ کے بھروسے پر لکڑی میں رکھ کر جو پیسے بھیجے تھے وہ مجھے مل گئے ہیں، اپنے پیسے واپس لے جاؤ۔

استدلال:

نبی ﷺ نے یہ واقعہ موضع استحسان میں بیان کیا ہے، اور خمس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، اگر خمس واجب ہوتا تو آپؐ اس کا تذکرہ کرتے۔ معلوم ہوا کہ سمندر میں سے جو چیز نکلے اس میں خمس واجب نہیں۔

مگر یہ استدلال غور طلب ہے، دینار سمندر سے نہیں نکلے تھے، بلکہ سمندر میں بہہ کر آئے تھے، اور وہ مباح الاصل بھی نہیں تھے، بلکہ وہ مدیون نے دائن کو بھیجے تھے، ان کے ساتھ پرچہ بھی تھا، پس ان کو سمندر سے نکلنے والی چیز قرار دینا کیسے درست ہے؟

[٦٥-] بَابُ، مَا يُسْتَخْرَجُ مِنَ الْبَحْرِ

[١-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَيْسَ الْعَنْبَرُ بِرِكَازٍ، هُوَ شَيْئٌ دَسَرَهُ الْبَحْرُ.

[٢-] وَقَالَ الْحَسَنُ: فِي الْعَنْبَرِ وَاللُّؤْلُؤِ الْخُمُسُ.

[قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ:] وَإِنَّمَا جَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الرِّكَازِ الْخُمُسَ، لَيْسَ فِي الَّذِيْ يُصَابُ فِي الْمَاءِ.

[١٤٩٨-] وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَنْ يُسْلِفَهُ أَلْفَ دِيْنَارٍ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ، فَخَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَلَمْ يَجِدْ مَرْكَبًا، فَأَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا، فَأَدْخَلَ فِيْهَا أَلْفَ دِيْنَارٍ، فَرَمَى بِهَا فِي الْبَحْرِ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِيْ كَانَ أَسْلَفَهُ، فَإِذَا بِالْخَشَبَةِ، فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا - فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ - فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ" [انظر: ٢٠٦٣، ٢٢٩١، ٢٤٠٤، ٢٤٣٠، ٢٧٣٤، ٦٢٦١]

ملحوظہ: یہاں یہ حدیث تعلیقاً ہے اور کتاب البیوع (باب۱۰ حدیث ۲۰۶۳) میں موصولاً ہے۔

بَابٌ: فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ

رکاز میں پانچواں حصہ ہے

رِکاز: رَکَزَ فِی الأرض (ن) سے ہے، اس کے معنی ہیں: زمین میں گاڑنا، اور مراد ہے خزانہ، خزانے دو قسم کے ہیں: ایک: وہ جو انسانوں نے زمین میں گاڑے ہیں ان کو دفینہ کہتے ہیں۔ دوسرے: وہ جو قدرت نے زمین میں پیدا کئے ہیں جیسے سونا، چاندی، لوہا اور کوئلہ وغیرہ۔

احناف کے نزدیک دونوں رکاز ہیں اور دونوں میں خمس واجب ہے یعنی اگر کسی کو دفینہ ملے یا قدرتی خزانہ ملے تو دونوں میں سے پانچواں حصہ حکومت لے گی، اور چار حصے پانے والے کے ہونگے۔ اور ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک صرف دفینے رکاز ہیں، قدرتی کھانیں رکاز نہیں، پس ان کے نزدیک صرف دفینوں میں خمس واجب ہے قدرتی کھانوں میں خمس واجب نہیں۔

فائدہ: دفائن اہل اسلام بالاتفاق بحکم لقطہ ہیں، جو اس کو پائے اس پر مالک کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک اگر مالک نہ ملے تو اٹھانے والا چاہے وہ مالدار ہو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ اور احناف کے نزدیک اگر وہ غریب ہے تو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے اور مالدار ہے تو خیرات کرنا ضروری ہے (لقطہ کے احکام تحفۃ الالمعی (۳۰۱:۴) میں ہیں) اور اگر زمانہ جاہلیت کا یا بہت قدیم زمانہ کے لوگوں کا دفن کیا ہوا مال ہے تو وہ بحکم غنیمت ہے، اس میں سے پانچواں حصہ حکومت لے گی، باقی چار حصے پانے والے کے ہیں۔

[٦٦-] بَابٌ: فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ

[١-] وَقَالَ مَالِكٌ وَابْنُ إِدْرِيْسَ: الرِّكَازُ دِفْنُ الْجَاهِلِيَّةِ، فِيْ قَلِيْلِهِ وَكَثِيْرِهِ: الْخُمُسُ، وَلَيْسَ الْمَعْدِنُ بِرِكَازٍ، وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَعْدِنِ: "جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ"

[٢-] وَأَخَذَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ مِنَ الْمَعَادِنِ مِنْ كُلِّ مِائَتَيْنِ خَمْسَةً.

[٣-] وَقَالَ الْحَسَنُ: مَا كَانَ مِنْ رِكَازٍ فِيْ أَرْضِ الْحَرْبِ فَفِيْهِ الْخُمُسُ، وَمَا كَانَ مِنْ أَرْضِ السِّلْمِ فَفِيْهِ الزَّكَاةُ، وَإِنْ وَجَدْتَ لُقَطَةً فِيْ أَرْضِ الْعَدُوِّ فَعَرِّفْهَا، فَإِنْ كَانَتْ مِنَ الْعَدُوِّ فَفِيْهَا الْخُمُسُ.

[٤-] وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: الْمَعْدِنُ رِكَازٌ مِثْلُ دِفْنِ الْجَاهِلِيَّةِ، لِأَنَّهُ يُقَالُ: أَرْكَزَ الْمَعْدِنُ: إِذَا أُخْرِجَ مِنْهُ شَيْئٌ.

قِيْلَ لَهُ: فَقَدْ يُقَالُ لِمَنْ وُهِبَ لَهُ الشَّيْئُ، أَوْ رَبِحَ رِبْحًا كَثِيْرًا، أَوْ كَثُرَ ثَمَرُهُ: أَرْكَزْتَ.

ثُمَّ نَاقَضَهُ: قَالَ: لَا بَأْسَ أَنْ يَكْتُمَهُ، وَلَا يُؤَدِّيَ الْخُمُسَ.

[۱۴۹۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "الْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ" [انظر: ۲۳۵۵، ۶۹۱۲، ۶۹۱۳]

۱- امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں: رکاز جاہلی دفینے ہیں۔ (دِفن (بکسر الدال) بمعنی دفینہ ہے) یعنی اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے لوگوں نے جو مال زمین میں گاڑا ہے وہ رکاز ہے، اس کے تھوڑے میں بھی اور زیادہ میں بھی خمس ہے (کیونکہ وہ مال غنیمت ہے) اور قدرتی کھان رکاز نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے کھان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ رائگاں ہے یعنی اس میں کوئی حق شرعی واجب نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔

تشریح: دونوں اماموں نے مذکورہ حدیث سے استدلال اس طرح کیا ہے کہ معادن (سونے چاندی کی کھانوں) اور رکاز (جاہلیت کے دفینوں) میں مقابلہ ڈالا گیا ہے، اور رکاز میں خمس واجب کیا ہے اور معدن کو رائگاں بتایا ہے، پس رکاز میں تو گورنمنٹ کا حق (پانچواں حصہ) ہے مگر معدن میں کچھ نہیں، بلکہ اس میں حولانِ حول کے بعد زکات واجب ہوگی۔

اور حنفیہ کے نزدیک دونوں میں خمس واجب ہے، دفینہ میں بھی اور کھان سے نکلے ہوئے سونے چاندی میں بھی اور کھان رائگاں ہے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کھان میں کوئی حادثہ پیش آئے اور جانی یا مالی نقصان ہو جائے تو کھان کے مالک پر کوئی تاوان نہیں، اور قرینہ سابقہ جملے ہیں: حدیث میں تین جملے ایک شاکلہ (انداز) پر آئے ہیں: (۱) چوپایے کا زخم رائگاں ہے یعنی اگر جانور مالک کے ہاتھ سے چھوٹ جائے یا کھونٹے سے کھل جائے اور کسی کو زخمی کردے یا ہلاک کردے یا کوئی مالی نقصان کردے تو خون اور نقصان رائگاں ہے۔ (۲) کنواں رائگاں ہے یعنی کنواں کھودتے وقت اگر کوئی مزدور گر کر ہلاک ہو جائے تو مالک پر اس کی دیت نہیں وہ خون رائگاں ہے۔ (۳) کھان رائگاں ہے یعنی اگر کھان میں کوئی حادثہ پیش آئے اور کوئی مر جائے تو کھان کے مالک پر اس کا ضمان نہیں —— یہ تینوں جملے ایک شاکلہ پر ہیں، اور بطور مثال ہیں، اس قسم کی صورتوں میں خون اور نقصان رائگاں ہوتا ہے مالک پر کوئی ضمان نہیں ہوتا۔

مگر المعدن جبار سے غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ کھان سے جو سونا چاندی نکلے اس میں کچھ واجب نہیں، وہ سارا مالک کا ہے، اس لئے اگلا جملہ بڑھایا: وفی الرکاز الخمس یعنی جو خزانہ نکلے اس میں خمس ہے۔ پس معدن اور رکاز میں مقابلہ نہیں ڈالا گیا، بلکہ فی الرکاز الخمس سے غلط فہمی دور کی گئی ہے۔

۲- حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کھانوں میں سے ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم لیتے تھے، یعنی ڈھائی فیصد زکات لیتے تھے۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک رکاز میں خمس واجب ہے اور معاون میں زکات، حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی معادن میں سے ڈھائی فیصد زکات لیتے تھے ـــــ حضرت عمر رحمہ اللہ تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال مجتہدین پر حجت نہیں ہوتے اس لئے اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔

۳- امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے دو قول ذکر کئے ہیں، اور حافظ رحمہ اللہ نے دوسرے قول کے بعد لکھا ہے کہ دونوں کے ایک معنی ہیں (فتح) مگر ہم معنی قرار دینا بھی مشکل ہے:

پہلا قول: ماکان من رکازٍ فی أرض الحرب ففیه الخُمُسُ، وماکان من أرض السِّلْمِ ففیه الزکاۃ: جو بھی رکاز دارالحرب میں ملے اس میں خمس ہے، اور جو صلح کی زمین میں ملے اس میں زکات ہے (مگر رکاز کیا ہے؟ اس کی اس قول میں وضاحت نہیں، اس لئے یہ قول باب سے غیر متعلق ہے)

دوسرا قول: وإن وَجَدتَّ لُقَطَةً فِی أرضِ العدوِ فعَرِّفها، فإن کانت من العدوِّ ففیها الخمس: اگر تم دشمن کی زمین میں کوئی لقطہ (گری پڑی چیز) پاؤ تو مالک کو تلاش کرو، پس اگر وہ چیز دشمن (غیر مسلم) کی ہو تو اس میں خمس ہے (یہ قول رکاز سے متعلق نہیں ہے، بلکہ لقطہ سے متعلق ہے، اس لئے یہ قول بھی باب سے غیر متعلق ہے)

۴- اور بعض لوگ (امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ) کہتے ہیں: کھانیں بھی رکاز ہیں، جیسے دفینے رکاز ہیں، ان میں سے حکومت خمس لے گی، باقی چار اخماس کھان پانے والے کے ہیں۔

دلیل: اور ان کے قول کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ أرْکَزَ المعدِنُ کے معنی ہیں: کھان میں سے کوئی چیز نکالی گئی۔ معلوم ہوا کہ جو چیز کھان سے نکلے وہ بھی رکاز ہے۔

پہلا اعتراض: یہ دلیل غلط ہے، کیونکہ کسی کو کوئی چیز ہبہ کی جائے، یا کسی کو تجارت میں بہت نفع ہو، یا کسی کے باغ میں بہت پھل آئیں تو بھی کہتے ہیں: أرْکَزْتَ: تیرے وارے نیارے ہو گئے! حالانکہ ان صورتوں میں زمین سے کوئی چیز نہیں نکالی گئی، معلوم ہوا کہ فعل أرْکَزَ کے لئے زمین سے کوئی نکالنا ضروری نہیں، اس لئے بعض الناس کی مذکورہ دلیل غلط ہے۔

دوسرا اعتراض: بعض الناس ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ کھان میں خمس واجب ہے، دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی کے گھر یا زمین میں کھان ملے، اور وہ اس کو ظاہر نہ کرے یعنی حکومت کو پتہ نہ چلنے دے اور خمس ادا نہ کرے تو جائز ہے، یہ اپنی پہلی بات کو توڑنا ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب: أرْکَزَ المَعْدِنُ سے معلوم نہیں کس نے امام اعظمؒ کے قول کے لئے استدلال کیا ہے، عربی میں یہ محاورہ مستعمل نہیں، بلکہ أرْکَزَ الرجلُ محاورہ ہے، جب کسی کو کوئی چیز ہبہ میں ملتی ہے، یا بڑا نفع ہوتا ہے یا بہت آمدنی ہوتی ہے تو أرْکَزَ الرجلُ کہتے ہیں، أرکز المعدنُ کلام عرب نہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کئی پشتوں سے عربوں کے درمیان

بودوباش رکھتے تھے، وہ ایسی غلطی کیسے کرسکتے ہیں؟

جاننا چاہئے کہ مجتہدین کے اقوال کے دلائل خود مجتہدین نے بیان نہیں کئے، بعد کے حضرات نے وہ دلائل جوڑے ہیں پس اگر کسی قول کی کوئی دلیل غلط ہوجائے تو مجتہدین اس کے ذمہ دار نہیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کی اصل دلیل: حدیث وفی الرکاز الخمس ہے، اور یہ نص فہمی کا اختلاف ہے۔ امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس حدیث کا مطلب کچھ ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کچھ، جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب: امام بخاری رحمہ اللہ نے حنفیہ کی بات پوری طرح نہیں سمجھی، حنفیہ کہتے ہیں: اگر کسی شخص کے گھر میں یا کھیت میں سونے چاندی کی کھان نکلے، اور وہ غریب (مستحق زکات) ہو، اور وہ حکومت کو خمس ادا نہ کرے، بلکہ خود استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا بھی حق ہے، اور اس کو اندیشہ ہے کہ اگر خمس حکومت کو دے گا تو معلوم نہیں اس کا حق ملے گا یا نہیں؟ پس اگر وہ غریب ہونے کی وجہ سے اس خمس کو رکھ لے تو کچھ حرج نہیں۔ پس یہ بات وجوب خمس کے قول کے معارض نہیں۔

اور اس کی نظیر یہ ہے: احناف کہتے ہیں: تعریف کے بعد جب مالک نہ ملے تو لقطہ کا تصدق واجب ہے پھر کہتے ہیں: اگر پڑی چیز پانے والا غریب ہو تو خود استعمال کرسکتا ہے، ان دونوں باتوں میں تعارض نہیں، کیونکہ غریب کا استعمال کرنا اپنی ذات پر تصدق ہے۔

فائدہ: بخاری شریف میں چوبیس جگہ قال بعض الناس آیا ہے، ان میں سے یہ پہلی جگہ ہے، اور یہ معرکۃ الآراء بحثیں ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ اکثر جگہ بعض الناس سے حنفیہ کو مراد لیتے ہیں، بلکہ امام اعظم رحمہ اللہ کو مراد لیتے ہیں، اور شروع سال میں بتلایا تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ عنفوانِ شباب میں کچھ ایسی باتیں پیش آئی ہیں جن کی وجہ سے ان کو فقہ حنفی سے بُعد ہوگیا تھا، اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہیں، جس کی وجہ سے انھوں نے ائمہ احناف کی طرف کئی مسائل کا غلط انتساب کیا ہے (انوار الباری ۱:۵)

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''چوپایہ یعنی اس کا زخم رائگاں ہے، اور کنواں رائگاں ہے، اور کھان رائگاں ہے، اور رکاز یعنی نکلنے والے سونے چاندی میں خمس واجب ہے''

تشریح: یہاں حدیث کے الفاظ ہیں: العجماءُ جُبَار، اور آگے کتاب الدیات (حدیث ۶۹۱۲) میں الفاظ ہیں: العجماء جُرْحُها جُبار: چوپایے کا زخم رائگاں ہے۔ العجماء: جانور، اور جُرح اور جَرح کے معنی ہیں: زخم یا زخمی کرنا، اول حاصل مصدر ہے اور ثانی مصدر، اور جُبار کے معنی ہیں: رائگاں، أی لا ضمان فیه (مزید تفصیل کے لئے تحفۃ الالمعی (۵۵۶:۲) دیکھیں)

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ وَمُحَاسَبَةِ الْمُصَدِّقِيْنَ مَعَ الإِمَامِ

زکات کے محکمہ میں کام کرنے والے اور حکومت کا ان پر کڑی نظر رکھنا

حکومت کی طرف سے جو لوگ زکات وصول کرنے کے لئے جائیں اور جو اس کی تقسیم پر مامور ہوں وہ العاملین علیہا ہیں، ان کی تنخواہ زکات کے فنڈ سے دی جائے گی، اگرچہ مالدار ہوں، کیونکہ قرآن کریم (التوبہ آیت:۶۰) میں زکات کے جو آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک مصرف العاملین علیہا بھی ہے۔

جاننا چاہئے کہ دور اول میں وصولی کا محکمہ اور تقسیم کا محکمہ ایک ہی تھا، عاملین زکوۃ وصول کرنے کے بعد وہیں غریبوں میں تقسیم بھی کردیا کرتے تھے، بعد میں یہ دونوں محکمے الگ الگ ہوگئے، اب وصولی کرنے والے صرف وصولی کریں گے اور تقسیم کرنے والے تقسیم کریں گے، ان کے پاس ملک کے غرباء کی فہرست ہوگی، اور وہ ہر ایک کا حق اس کے گھر پہنچائیں گے، اور یہ دونوں: وصولی کرنے والے اور تقسیم کرنے والے العاملین علیہا ہیں۔

دوسرا مسئلہ: حکومت کو چاہئے کہ اس محکمہ پر کڑی نظر رکھے، مالیات کا معاملہ بڑا نازک معاملہ ہے، شیطان ورغلا کر گڑبڑ کراتا ہے، اس لئے امام کو عاملین کا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے۔

قولہ: ومحاسبة المصدقين مع الإمام: حضرت الاستاذ قدس سرہ نے فرمایا: یہ الٹا ہوگیا، محاسبة الإمام مع المصدقين ہونا چاہئے، کیونکہ محاسبہ امام کرے گا، مصدق محاسبہ نہیں کرے گا۔

[۶۷-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ وَمُحَاسَبَةِ الْمُصَدِّقِيْنَ مَعَ الإِمَامِ

[۱۵۰۰-] حدثنا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَجُلًا مِنَ الأَسْدِ، عَلٰى صَدَقَاتِ بَنِيْ سُلَيْمٍ، يُدْعٰى ابْنَ اللُّتْبِيَّةِ، فَلَمَّا جَاءَ حَاسَبَهُ. [راجع: ۹۲۵]

ترجمہ: ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے ایک شخص کو جو قبیلہ بنواسد کا تھا قبیلہ بنوسلیم کی زکاتیں وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا اس کا نام ابن اللتبیہ تھا، جب وہ آیا تو آپؐ نے اس سے بازپرس کی۔

تشریح: یہ حدیث یہاں مختصر ہے، تفصیلی حدیث آگے آئے گی، نبی پاک ﷺ نے قبیلۂ بنواسد کے ایک شخص کو جس کا نام ابن اللتبیہ تھا زکاتیں وصول کرنے کے لئے بھیجا، جب وہ زکاتیں وصول کرکے آیا تو مال کا ایک حصہ آپؐ کو دیا اور ایک پوٹلی لے کر گھر جانے لگا، نبی ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ مجھے ملا ہے، آپؐ نے فرمایا: ''تو اپنی ماں کے گھر بیٹھتا، پھر میں دیکھتا تجھے کیسا ہدیہ ملتا ہے!'' یعنی ہم نے عامل بنا کر بھیجا اس لئے تجھے ہدیہ ملا، پس یہ مال تیرا نہیں بیت

المال کا ہے۔ گورنمنٹ کے کارندوں کو جو ہدایا ملتے ہیں وہ رشوت ہوتے ہیں، تاکہ وہ وصولی میں نرمی کریں پس ان کے لئے اس ہدیہ کا لینا جائز نہیں۔

بَابُ اسْتِعْمَالِ إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَأَلْبَانِهَا لِأَبْنَاءِ السَّبِيْلِ

مسافر زکات کے اونٹ اور ان کا دودھ استعمال کرسکتا ہے

مصارف زکات میں ایک ابن السبیل بھی ہے، اس کے لفظی معنی ہیں: راستہ کا بیٹا اور مراد مسافر ہے، کوئی شخص اپنی جگہ مالدار ہے مگر سفر میں ضرورت مند ہو گیا، اس کا زادراہ ختم ہو گیا یا مال چوری ہو گیا تو اس کو زکات دے سکتے ہیں، اور زکات میں اعیان (چیزیں) بھی دے سکتے ہیں اور منافع بھی۔ زکات کی اونٹنی کا دودھ منافع ہیں، جب اعیان دے سکتے ہیں تو منافع بدرجۂ اولیٰ دے سکتے ہیں، پہلے حدیث گذری ہے کہ قبیلہ عُرینہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے اور مسلمان ہوئے، مدینہ کی آب وہوا ان کو موافق نہیں آئی، ان کو جَوی بیماری ہوگئی، آپؐ نے ان کو زکات کے اونٹوں میں بھیج دیا اور فرمایا: ''ان کا دودھ اور موت پیو'' نبی ﷺ نے ان کو زکات کے اونٹ نہیں دیئے تھے بلکہ ان کا دودھ دیا تھا۔ غرض غریب مسافر کو زکات دے سکتے ہیں۔

[۶۸-] بَابُ اسْتِعْمَالِ إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَأَلْبَانِهَا لِأَبْنَاءِ السَّبِيْلِ

[۱۵۰۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىٰ، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ اجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ، فَرَخَّصَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَأْتُوْا إِبِلَ الصَّدَقَةِ، فَيَشْرَبُوْا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا، فَقَتَلُوْا الرَّاعِيَ، وَاسْتَاقُوْا الذَّوْدَ، فَأَرْسَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأُتِيَ بِهِمْ، فَقَطَّعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَسَمَّرَ أَعْيُنَهُمْ، وَتَرَكَهُمْ بِالْحَرَّةِ يَعَضُّوْنَ الْحِجَارَةَ.

تَابَعَهُ أَبُوْ قِلَابَةَ، وَحُمَيْدٌ، وَثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ. [راجع: ۲۳۳]

حوالہ: اس حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الوضوء (باب ۶۶ تحفۃ القاری ۱: ۵۶۸) میں دیکھیں۔

بَابُ وَسْمِ الإِمَامِ إِبِلَ الصَّدَقَةِ بِيَدِهِ

امیر المؤمنین کا اپنے ہاتھ سے زکات کے اونٹوں پر نشان لگانا

مویشی پر نشان لگاتے ہیں، جیسے دھوبی کپڑوں پر نشان لگاتے ہیں، جنگل میں سب کے جانور ایک ساتھ چرتے ہیں، اس لئے لوگ جانوروں پر مخصوص نشان لگاتے ہیں تاکہ اپنے جانوروں کو پہچان سکیں، صدقہ کے اونٹوں کو امیر المؤمنین خود نشان لگائے تو لگا سکتا ہے، نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے صدقہ کے اونٹوں کو نشان لگائے ہیں، حضرت انس رضی

اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دن صبح سویرے میں اپنے سوتیلے بھائی عبداللہ کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا تا کہ آپؐ اس کی تحنیک کریں، میں نے دیکھا کہ آپؐ کے دست مبارک میں داغنے کا آلہ ہے، آپؐ اس سے زکات کے اونٹوں کو نشان لگا رہے تھے۔

[٦٩-] بَابُ وَسْمِ الإِمَامِ إِبِلَ الصَّدَقَةِ بِيَدِهِ

[١٥٠٢-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَمْرٍو الأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: غَدَوْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ لِيُحَنِّكَهُ، فَوَافَيْتُهُ فِيْ يَدِهِ الْمِيْسَمُ، يَسِمُ إِبِلَ الصَّدَقَةِ.

[انظر: ٥٥٤٢، ٥٨٢٤]

لغات: تحنیک: کھجور چبا کر نومولود بچہ کے تالو میں چپکانا ...... وَافی فلانا: کسی کے پاس اچانک آنا .... المِیْسَم: داغ لگانے کا آلہ، وَسَمَ یَسِمُ (ض) وَسْمًا وَسِمَةً: داغ کر خاص نشان لگانا۔
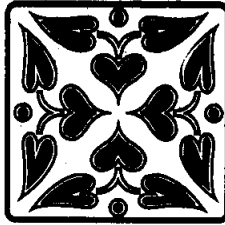
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَابُ فَرْضِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

صدقۃ الفطر کی فرضیت کا بیان

ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک صدقۃ الفطر فرض ہے، اور حنفیہ کے نزدیک واجب، فرض اور واجب میں عمل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، دونوں پر عمل ضروری ہے ـــــ اور ابو العالیہ، عطاء بن ابی رباح اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ بھی صدقۃ الفطر کی فرضیت کے قائل ہیں، یہ سب حضرات تابعین ہیں، اور تابعین کے اقوال مجتہدین پر حجت نہیں ہوتے۔

[۷۰-] بَابُ فَرْضِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

وَرَأَى أَبُوْ الْعَالِيَةِ، وَعَطَاءٌ، وَابْنُ سِيْرِيْنَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ فَرِيْضَةً.

[۱۵۰۳-] حدثنا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَهْضَمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ: مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ.

[انظر: ۱۵۰۴، ۱۵۰۷، ۱۵۰۹، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ختم رمضان کی زکات مقرر کی، کھجور سے ایک صاع اور جَو سے ایک صاع، غلام اور آزاد پر، مرد اور عورت پر، چھوٹے اور بڑے پر: مسلمانوں میں سے (اس کا العبد سے تعلق ہے یعنی اس سے حال ہے) اور عید کی نماز کے لئے نکلنے سے پہلے اس کو ادا کرنے کا حکم دیا۔

تشریح:

۱- لفظ فَرَضَ سے استدلال کیا ہے، حالانکہ اس سے فقہاء والا فرض مراد نہیں، یہ تو بعد کی اصطلاح ہے جو نصوص میں مراد

نہیں لی جاتی، بلکہ اس کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی مقرر کرنا، اور مقرر کرنا فقہاء کے فرض و واجب دونوں پر صادق آتا ہے۔

۲- ائمہ ثلاثہ اور محدثین اعلی درجہ کی خبر واحد سے فرضیت ثابت کرتے ہیں، اور مسئلہ باب میں اعلی درجہ کی روایات موجود ہیں اس لئے وہ صدقۃ الفطر کی فرضیت کے قائل ہوئے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے اگر چہ وہ اعلی درجہ کی ہو فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ اخبار آحاد مفید ظن ہوتی ہیں اس لئے وہ صدقۃ الفطر کے وجوب کے قائل ہوئے ہیں، پس یہ طریق استدلال کا اختلاف ہے دلائل کا اختلاف نہیں ——— اور حدیث میں اور بھی مسائل ہیں جو آگے آئیں گے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلَى الْعَبْدِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

صدقۃ الفطر مسلمان غلام وغیرہ پر ہے

صاحب نصاب پر اس کا اور اس کے نابالغ بچوں کا اور اس کے غلام باندیوں کا صدقۃ الفطر واجب ہے، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، البتہ آقا پر صرف مسلمان غلام باندیوں کا صدقہ واجب ہے یا ہر غلام باندی کا؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک صرف مسلمان بردوں کا صدقہ واجب ہے اور احناف کے نزدیک ہر غلام باندی کا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر صدقہ واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل باب کی حدیث ہے اس میں من المسلمین کی قید ہے، اس حدیث کو نافع رحمہ اللہ سے ایوب سختیانی، عبید اللہ عمری اور ان کے علاوہ متعدد حضرات روایت کرتے ہیں، مگر سب اس حدیث میں من المسلمین نہیں بڑھاتے، صرف امام مالک رحمہ اللہ یہ اضافہ کرتے ہیں، مگر ان کے متعدد متابع ہیں وہ بھی نافع رحمہ اللہ سے اس اضافہ کے ساتھ حدیث روایت کرتے ہیں۔ گذشتہ باب میں نافع کے صاحبزادے عمر کی روایت گذری ہے وہ بھی اپنے ابا سے اس اضافہ کے ساتھ حدیث روایت کرتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ نے اس اضافہ کو لیا ہے کیونکہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے، چنانچہ ان کے نزدیک مولی پر صرف مسلمان بردوں کا صدقہ فرض ہے۔

اور ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کافر احکام شرع کا مکلف نہیں، پس اس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں۔ اور احناف کے نزدیک ہر بردہ کا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر صدقہ واجب ہے، اور احناف نے بھی اس زیادتی کو لیا ہے، ان کے نزدیک بھی آقا پر مسلمان بردوں کا صدقہ واجب ہے، مگر احناف نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے، اور یہ مسئلہ کہ غیر مسلم بردوں کا صدقہ واجب نہیں: مفہوم مخالف ہے، جو احناف کے نزدیک معتبر نہیں، چنانچہ حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے غیر مسلم غلام باندیوں کا صدقہ بھی نکالا کرتے تھے (فتح الباری ۳: ۳۷۱) اور یہ کہنا کہ نفلی طور پر نکالتے ہونگے بلاوجہ کا احتمال ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ صدقہ کافر غلام باندی پر واجب نہیں ہوتا، بلکہ آقا پر واجب ہوتا ہے جو

مسلمان ہے اور مکلّف ہے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث کو نافع رحمہ اللہ سے من المسلمین کے اضافہ کے ساتھ متعدد حضرات روایت کرتے ہیں اور یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ صرف امام مالک رحمہ اللہ اس اضافہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لوگوں میں سے صرف امام مالک رحمہ اللہ اس اضافہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں، دوسرے ائمہ جیسے ایوب سختیانی اور عبید اللہ عمری وغیرہ یہ اضافہ روایت نہیں کرتے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے جو متابع ہیں وہ اعلی درجہ کے رواۃ نہیں ہیں۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ليس فيمن روى هذه الزيادة أحد مثل مالك (فتح)

[۷۱-] بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلَى الْعَبْدِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

[۱۵۰۴-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى: مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ [راجع: ۱۵۰۴]

ملحوظہ: باب میں تمام نسخوں میں وغیرہ ہے، مگر اس کی مراد واضح نہیں، اور فتح الباری میں ہے: ويؤيده عطف الصغير عليه: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصحیف ہے، صحیح والصغیر ہے، مگر حدیث میں صغیر کا تذکرہ نہیں ہے۔ فاللہ اعلم

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ

صدقۃ الفطر جَو سے ایک صاع ہے

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ہر غلّے کا خواہ منصوص ہو یا غیر منصوص یعنی حدیثوں میں اس کا ذکر آیا ہو یا نہ آیا ہو: صدقۃ الفطر ایک صاع ہے، اور احناف کے نزدیک گیہوں اور اس سے بنی ہوئی چیزوں سے جیسے گیہوں کا آٹا، گیہوں کا دلیا اور گیہوں کی سوجی وغیرہ سے نصف صاع ہے، اور باقی غلوں سے ایک صاع، اور کشمش میں احناف کا ایک قول صاع کا بھی ہے مگر وہ قول شاذ ہے، اور غیر منصوص غلوں سے جیسے چاول اور چنے وغیرہ سے نصف صاع گیہوں کی قیمت یا دوسرے غلوں کے ایک صاع کی قیمت کے برابر ہے۔

اور اس اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا صاع چھوٹا (پانچ رطل اور تہائی رطل) ہے اور احناف کا صاع بڑا (آٹھ رطل) ہے، اب اگر ائمہ ثلاثہ نصف صاع گندم واجب کریں گے تو غریب کو مٹھی بھر غلہ ملے گا، اور احناف کا نصف صاع خاصی مقدار ہے اس لئے انھوں نے گیہوں میں نصف صاع واجب کیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لفظ طعام کے مصداق میں اختلاف ہوا ہے، اس کی تفصیل آئندہ باب میں آرہی ہے۔

[۷۲-] بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ

[۱۵۰۵-] حدثنا قَبِيْصَةُ بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا نُطْعِمُ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ. [انظر: ۱۵۰۶، ۱۵۰۸، ۱۵۱۰]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم جَو سے ایک صاع کھلایا کرتے تھے یعنی دیا کرتے تھے (اور یہ اجماعی مسئلہ ہے)

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ

صدقۃ الفطر کھانے سے ایک صاع ہے

طَعَام (کھانے) کا مصداق کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ نے گندم کو مصداق قرار دیا ہے اور حنفیہ نے مکئی کو، نبی ﷺ کے زمانہ میں طعام کا مصداق مکئی تھا، بعد میں مصداق بدل گیا۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر علاقہ کا طعام (کھانا، بھات) وہ ہوتا ہے جو وہاں عام طور پر کھایا جاتا ہے، نبی ﷺ کے زمانہ میں عام طور پر مکئی کھائی جاتی تھی، اور جَو کا دوسرا نمبر تھا، پس آپؐ کے زمانہ کا 'طعام' مکئی ہے گندم: دورِ اول میں گراں اور کم یاب تھا، امراء ہی اس کو کھاتے تھے، مساکین کو وہ نصیب نہیں ہوتا تھا۔ خاندانِ بنواُبیرق کے بشیر نامی منافق نے جو چوری کی تھی اس واقعہ میں حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے کہ جب شام سے کوئی تاجر میدہ لاتا تھا تو متمول آدمی اس کو خرید لیتا تھا، اور اپنے لئے خاص کر لیتا تھا، اور بال بچے کھجور اور جَو کھاتے تھے (ترمذی ۲: ۱۲۸، کتاب التفسیر، سورۃ النساء) پھر جب عراق اور شام فتح ہوئے تو عرب میں گندم بکثرت آنے لگا، اور وہ سستا بھی ہوگیا، اس لئے لوگ اس کو عام طور پر استعمال کرنے لگے، پس طعام کا مصداق بدل گیا، چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے زمانہ میں طعام سے گیہوں مراد لیا جاتا تھا، اس لئے انھوں نے حدیث میں طعام سے گیہوں مراد لیا ہے، حالانکہ یہ زمانہ کی تبدیلی کا اثر تھا، جیسے حدیث: **تحریمها التكبير** میں تکبیر کے معنی ہیں: اللہ کی بڑائی بیان کرنا، پھر اللہ اکبر کہنے پر اس کا اطلاق ہونے لگا، اس لئے ائمہ ثلاثہ نے حدیث میں بھی اللہ اکبر کہنا مراد لیا، حالانکہ یہ عرف حادث تھا، اسی طرح طعام بمعنی گندم عرف حادث ہے، نصوص میں وہ مراد نہیں، نصوص میں اس کا مصداق مکئی ہے۔

[۷۳-] بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ

[۱۵۰۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ سَرْحٍ الْعَامِرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ، يَقُوْلُ: كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ

طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًامِنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ. [راجع: ۱۵۰۵]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم صدقہ فطر نکالا کرتے تھے طعام سے ایک صاع یا جو سے ایک صاع یا کھجور سے ایک صاع، یا خشک کئے ہوئے دودھ سے ایک صاع، یا کشمش سے ایک صاع۔

تشریح:

۱-اس حدیث میں لفظ طعام آیا ہے ائمہ ثلاثہ نے اس سے گندم مراد لیا ہے اور احناف کے نزدیک اس سے مکئی مراد ہے۔

۲-أَقِطْ: خشک کیا ہوا دودھ۔ عربوں میں اس کا رواج تھا، وہ دودھ کو پھاڑتے تھے، پھر اس کو خشک کر کے کھاتے تھے۔

لسان العرب میں ہے: الأَقِطُ: شيئٌ يُتَّخَذُ من اللبنِ المَخِيضِ، يُطْبَخُ ثم يُتْرَكُ حتى يَمْصُلَ: اقط. ایک چیز ہے جو ہلائے ہوئے دودھ سے بنائی جاتی ہے، پھر پکایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا پانی ٹپک جاتا ہے —— اور کشمش میں احناف کا ایک قول صاع کا ہے مگر وہ قول شاذ ہے، اور مختار قول نصف صاع کا ہے۔

۳-احناف جو گندم سے نصف صاع صدقہ واجب کہتے ہیں: ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) نبی پاک ﷺ نے مکہ میں منادی کرائی کہ ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، بڑا ہو یا چھوٹا، گندم میں سے نصف صاع اور دیگر غلوں میں سے ایک صاع، یہ حدیث ترمذی (حدیث ۶۶۷) میں ہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیثوں میں گندم پر بغیر قید کے طعام کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(۲) طحاوی میں ثعلبة بن أبی صُعیر، عن أبیه کی سند سے مرفوع روایت ہے کہ کھجور اور جو سے ایک صاع اور گندم سے نصف صاع ادا کرو۔

(۳) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گندم سے دو مد نکالا کرتے تھے (طحاوی) مد احناف کے نزدیک دو رطل کا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے۔

(۴) سعید بن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے گندم سے نصف صاع صدقہ مقرر کیا —— یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن سعید بن المسیب کے مراسیل بالاتفاق معتبر ہیں (یہ تینوں روایتیں طحاوی جلد اول باب مقدار صدقة الفطر میں ہیں)

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ

صدقۃ الفطر چھوہاروں سے ایک صاع ہے

منصوص اجناس میں قیمت کا اعتبار نہیں، آج ایک صاع چھوہاروں کی قیمت نصف صاع گندم کی قیمت سے بہت زیادہ ہے مگر اس میں قیمت کا اعتبار نہیں، بلکہ وزن کا اعتبار ہے، ہاں غیر منصوص میں قیمت کا اعتبار ہے۔

[۷۴-] بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ

[۱۵۰۷-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِزَكَاةِ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْصَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَجَعَلَ النَّاسُ عِدْلَهُ مُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ [راجع: ۱۵۰۳]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: پس لوگوں نے گندم کے دو مد (نصف صاع) کو ایک صاع کے برابر کردیا، یعنی اب لوگ صدقۃ الفطر نصف صاع گندم نکالتے ہیں (مگر میں ایک ہی صاع نکالتا ہوں) —— چونکہ بعد میں گندم سستا ہوگیا تھا اس لئے ابن عمرؓ گندم کا بھی ایک صاع نکالتے تھے، آج بھی گندم چھوہاروں سے ارزاں ہے، پس صدقۃ الفطر ایک صاع گندم نکالنا چاہئے۔

بَابُ صَاعٍ مِنْ زَبِيْبٍ

صدقۃ الفطر کشمش سے ایک صاع ہے

احناف کے نزدیک کشمش سے نصف صاع واجب ہے، اور ایک صاع کا بھی قول ہے مگر وہ شاذ ہے، مختار قول پہلا ہے۔

[۷۵-] بَابُ صَاعٍ مِنْ زَبِيْبٍ

[۱۵۰۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيْرٍ، سَمِعَ يَزِيْدَ بْنَ أَبِيْ حَكِيْمٍ الْعَدَنِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَسْلَمَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عِيَاضُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ سَرْحٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا نُعْطِيْهَا فِيْ زَمَانِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ، فَلَمَّا جَاءَ مُعَاوِيَةُ، وَجَاءَتِ السَّمْرَاءُ، قَالَ: أُرَى مُدًّا مِنْ هٰذَا يَعْدِلُ مُدَّيْنِ. [راجع: ۱۵۰۵]

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے زمانہ میں نکالا کرتے تھے طعام سے ایک صاع، یا کھجور سے ایک صاع، یا جو سے ایک صاع، یا کشمش سے ایک صاع۔ پس جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (مدینہ آئے) اور گندم آنے لگا یعنی جب عراق اور شام فتح ہوئے اور عرب میں بکثرت گندم آنے لگا تو حضرت معاویہؓ نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ گندم کا ایک مد دوسرے غلوں کے دو مد کے برابر ہے۔

تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے اور انھوں نے تقریر کی، اور یہ مسئلہ بیان کیا کہ گندم کا ایک مد دوسرے غلوں کے دو مد کے برابر ہے، یعنی گندم کا نصف صاع کھجور وغیرہ کے ایک صاع کے

برابر ہے، پس صدقۃ الفطر میں نصف صاع گندم دینا کافی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیمت کا اعتبار کرکے یہ مسئلہ بیان کیا تھا، کیونکہ ان کے علم میں گندم کے سلسلہ کی کوئی حدیث نہیں تھی، اور انھوں نے اس کو غیر منصوص غلہ سمجھا تھا، اور غیر منصوص غلوں میں قیمت کا اعتبار ہے۔ مگر بعد میں جن صحابہ کے پاس گندم کے بارے میں حدیث تھی انھوں نے وہ حدیث بیان کرنی شروع کی جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قول کی تائید ہوئی، جیسے آنحضور ﷺ کے زمانہ میں عراق کی طرف سے حج وعمرہ کے لئے آنے والا کوئی نہیں تھا، اس لئے اہل مشرق کی میقات ذات عرق جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کی تھی لوگوں سے مخفی تھی، لوگ چار ہی میقاتوں کو جانتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عراق فتح ہوا اور وہاں سے لوگ حج وعمرہ کے لئے آنے لگے تو آپؓ سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ احرام کہاں سے باندھیں؟ آپؓ نے ذات عرق سے ان کو احرام باندھنے کا حکم دیا، بعد میں جن لوگوں کے پاس اس سلسلہ کی حدیثیں تھیں وہ انھوں نے بیان کیں، اسی طرح دورِ اول میں عرب میں گندم کم تھا، اس لئے اس سلسلہ کی حدیثیں لوگوں سے مخفی تھیں، مگر بعد میں جب شام وعراق سے گندم آنے لگا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ بیان کیا تو جن لوگوں کے پاس اس سلسلہ کی حدیثیں تھیں وہ انھوں نے بیان کیں۔

بَابُ الصَّدَقَةِ قَبْلَ الْعِيْدِ

نمازِ عید سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کرنا

احناف کے نزدیک صدقۃ الفطر عید سے پہلے دینا بھی جائز ہے، مگر بہتر عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے ادا کرنا ہے، تاکہ جن لوگوں کا گذارہ دہاڑی پر ہے جو روز کماتے کھاتے ہیں جب ان کو صبح سویرے دن بھر کا خرچہ مل جائے گا، تو وہ فکر معاش سے فارغ ہوکر عید پڑھنے جائیں گے، اور دس پندرہ دن پہلے صدقہ دیدیا جائے گا، تو عید آتے آتے ختم ہوجائے گا، اور عید کی نماز کے بعد دیں گے تو عید کے دن فکر معاش سے فارغ نہیں ہونگے، اس لئے عید کے دن عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ دینا افضل ہے۔

فائدہ: احناف کے نزدیک عید سے جتنا بھی چاہیں مقدم صدقۃ الفطر ادا کرنا جائز ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رمضان شروع ہونے کے بعد کسی بھی وقت ادا کر سکتے ہیں، رمضان شروع ہونے سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عید سے ایک یا دو دن مقدم کر سکتے ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً تقدیم جائز نہیں۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ صدقۃ الفطر میں نفس وجوب اور وجوب ادا ساتھ ہیں یا الگ؟ احناف کے نزدیک الگ ہیں جیسے زکوٰۃ میں الگ ہیں اس لئے ان کے نزدیک علی الاطلاق تقدیم جائز ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۲:۶۰۸) میں ہے۔

[۷۶-] بَابُ الصَّدَقَةِ قَبْلَ الْعِيْدِ

[۱۵۰۹-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلاَةِ[راجع: ۱۵۰۳]

[۱۵۱۰-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عُمَرَ حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا نُخْرِجُ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، قَالَ: أَبُوْ سَعِيْدٍ: وَكَانَ طَعَامَنَا الشَّعِيْرُ وَالزَّبِيْبُ وَالْأَقِطُ وَالتَّمْرُ"

[راجع: ۱۵۰۵]

ملحوظہ: لفظ طعام حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بار بار آیا ہے، اور وہ خود فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ہمارا طعام جَو، کشمش، خشک کیا ہوا دودھ اور کھجور تھا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت گیہوں نہیں تھا، گیہوں طعام کا مصداق بعد میں بنا ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلَى الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ

صدقۃ الفطر آزاد اور غلام پر واجب ہے

اوپر باب من المسلمین کی قید کے ساتھ آیا تھا اور یہاں بغیر قید کے آیا ہے، اور حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک اتنا فرق بھی نیا باب قائم کرنے کے لئے کافی ہے ـــــ حضرتؒ نے امام زہری رحمہ اللہ کا قول لکھا ہے کہ اگر غلام باندی تجارت کے لئے ہوں تو ان میں زکوۃ بھی واجب ہے، اور صدقۃ الفطر بھی اور اگر صرف خدمت کے لئے ہوں تو پھر زکوۃ واجب نہیں، صرف صدقۃ الفطر واجب ہے۔ مگر اس کا کوئی قائل نہیں، کیونکہ دو سنتیں اکٹھا نہیں ہوتیں، اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ نے ابن شہاب رحمہ اللہ کا جو قول لکھا ہے مجھے اس کی کوئی سند نہیں ملی۔ پھر انھوں نے ابوعبید کی کتاب الاموال سے امام زہریؒ کا قول نقل کیا ہے: ليس على الملوك زكاة، ولا يزكى عند سيده إلا زكاة الفطر: غلاموں پر زکوۃ نہیں، اور ان کی طرف سے ان کا آقا بھی زکات نہیں دے گا ہاں صدقۂ فطر دے گا، یہی رائے جمہور فقہاء کی ہے۔

[۷۷-] بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلَى الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الْمَمْلُوْكِيْنَ لِلتِّجَارَةِ: يُزَكَّى فِي التِّجَارَةِ، وَيُزَكَّى فِي الْفِطْرِ.

[۱۵۱۱-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ

عُمَرَ، قَالَ: فَرَضَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم صَدَقَةَ الْفِطْرِ، أَوْ قَالَ: رَمَضَانَ، عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ، صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، فَعَدَلَ النَّاسُ بِهِ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ، فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُعْطِي التَّمْرَ، فَأَعْوَزَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنَ التَّمْرِ، فَأَعْطَى شَعِيْرًا، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُعْطِي عَنِ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ، حَتَّى إِنْ كَانَ لَيُعْطِي عَنْ بَنِيَّ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُعْطِيْهَا الَّذِيْنَ يَقْبَلُوْنَهَا، وَكَانُوْا يُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ. [راجع: ۱۵۰۳]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: بَنِيَّ يَعْنِي بَنِي نَافِعٍ، قَالَ كَانُوْا يُعْطُوْنَ لِيُجْمَعَ، لَا لِلْفُقَرَاءِ.

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے مرد وزن اور آزاد وغلام پر چھوہاروں سے ایک صاع یا جو سے ایک صاع صدقۃ الفطر —— یا فرمایا: صدقۂ رمضان —— مقرر فرمایا، پھر لوگوں نے گندم کے نصف صاع کو ایک صاع کے برابر کر دیا۔ اور ابن عمرؓ چھوہارے دیا کرتے تھے (ایک سال) مدینہ منورہ میں چھوہارے کم ہوگئے تو آپؓ نے جو دیئے۔ اور ابن عمرؓ (گھر کے) چھوٹے بڑے سب کی طرف سے صدقۃ الفطر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ میرے (حضرت نافع کے) بچوں کی طرف سے بھی دیتے تھے، اور ابن عمرؓ ان کو دیتے تھے جو (گورنمنٹ کی طرف سے) صدقہ فطر وصول کرتے تھے، اور عید الفطر سے ایک دو دن پہلے دیتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بنیّ سے نافع رحمہ اللہ کے بیٹے مراد ہیں، امام بخاریؒ کہتے ہیں: لوگ صدقۃ الفطر دیا کرتے تھے تا کہ جمع کیا جائے یعنی گورنمنٹ کی طرف سے جو وصول کرنے آتے تھے ان کو دیتے تھے اور وہ جمع کر کے غرباء میں تقسیم کرتے تھے، لوگ خود براہ راست غرباء کو نہیں دیتے تھے۔

تشریح: باپ پر صرف نابالغ بچوں کا صدقہ فطر واجب ہے بالغ بچوں کا صدقہ واجب نہیں اور اگر نابالغ بچے کے پاس مال ہو تو اس کا صدقہ اس کے مال میں واجب ہوگا، باپ پر واجب نہیں ہوگا، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ اور غلام باندیوں کا صدقہ آقا پر واجب ہے، اور شوہر پر بیوی کا صدقہ واجب نہیں، اگر بیوی صاحب نصاب ہے تو اس کا صدقہ اسی پر واجب ہے، البتہ اگر باپ بالغ بچوں کا اور شوہر بیوی کا صدقہ نکالے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما گھر کے چھوٹے بڑے حتی کہ اپنے مولیٰ نافع کے بچوں کا بھی صدقہ نکالتے تھے، اور میں بھی چھوٹے بڑے سب بچوں کا اور ان کی اولاد کا صدقہ نکالتا ہوں، البتہ ان کے حکم سے یا علم واطلاع سے ہونا ضروری ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ

صدقۃ الفطر خورد وکلاں پر واجب ہے

نابالغ پر اگر مالدار ہے بالاجماع صدقۂ فطر واجب ہے، اور زکات واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ احناف

کے نزدیک نابالغ پر زکات واجب نہیں، اس لئے کہ حدیث میں ہے: تین شخصوں سے قلم اٹھادیا گیا ہے یعنی وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں، ان میں ایک نابالغ بچہ بھی ہے (مشکوۃ حدیث ۳۲۸۷) اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نابالغ بچہ پر جو مالدار ہو زکات بھی واجب ہے اور صدقۂ فطر بھی، یہ مسئلہ ترمذی میں آئے گا اور تفصیل تحفۃ الالمعی (۲: ۵۵۴) میں ہے۔

[۷۸-] بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ

قَالَ أَبُوْ عَمْرٍو: وَرَآى عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَابْنُ عُمَرَ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ وَطَاوُسٌ وَعَطَاءٌ وَابْنُ سِيْرِيْنَ أَنْ يُزَكَّى مَالُ الْيَتِيْمِ، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: يُزَكَّى مَالُ الْمَجْنُوْنِ.

[۱۵۱۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ، وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ. [راجع: ۱۵۰۳]

قَالَ أبو عَمرو: کتاب میں مذکور سب حضرات کہتے ہیں: یتیم (نابالغ بچے) کے مال میں زکات واجب ہے، اور ابن شہاب زہری پاگل کے مال میں بھی زکات واجب کہتے ہیں۔ مگر یہ عبارت نہ مصری نسخہ میں ہے نہ فتح الباری میں، نہ عمدۃ القاری میں، اور احناف کے نزدیک نابالغ اور پاگل کے مال میں زکات واجب نہیں، وہ مکلف نہیں۔

﴿الحمدللہ! کتاب الزکات کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾
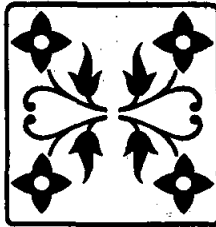
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابُ الْمَنَاسِك

مناسك: مَنْسِك (بفتح السين و كسرها) کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: عبادت کی جگہ، قربانی کی جگہ، قربانی، پھر حج کے افعال وارکان کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا۔

بَابُ وُجُوْبِ الْحَجِّ وَفَضْلِهِ

حج کی فرضیت اور اس کی اہمیت

اس باب میں دو مسئلے ہیں: پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حج فرض ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حج کی کیا اہمیت ہے؟ حضرت رحمہ اللہ نے سورۂ آل عمران کی آیت (۹۷) لکھی ہے اس سے دونوں جزء ثابت ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور لوگوں کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے بیت اللہ کا قصد کرنا لازم ہے جو اس تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو (اس سے پہلا جزء ثابت ہوا) اور جو حکم نہ مانے تو بیشک اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں'' یعنی جو قدرت کے باوجود حج نہ کرے اسے جان لینا چاہئے کہ خداوند قدوس کو کسی کی پرواہ نہیں، اس کے مفہوم مخالف سے حج کی اہمیت نکلتی ہے، یعنی جو اس فریضہ کو بجالائے گا اس کو فائدہ پہنچے گا، اور جو روگردانی کرے گا اس کا نقصان ہوگا۔

اور حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص زاد (توشہ) اور ایسے راحلہ (سواری) کا مالک ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہنچائے پھر بھی حج نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے'' (ترمذی حدیث ۸۰۲) یہ یہودی یا عیسائی ہو کر مرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ حج نہ کرنے پر وعید ہے یعنی جس کو استطاعت بدنی اور استطاعت مالی حاصل ہو پھر بھی حج نہ کرے تو اللہ کو اس کی قطعی پرواہ نہیں۔ اس حدیث سے میں نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ معرض فتن میں رہتا ہے، وہ کسی بھی وقت فتنہ کا شکار ہو سکتا ہے، بلکہ اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے ایسا بھی ہو سکتا ہے، اور حج کرنے سے ایمان پر مہر لگ جاتی ہے اور ارتداد کا خطرہ ٹل جاتا ہے، یہ حج کا فائدہ ہے اور یہ بات ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ کے مفہوم مخالف سے بھی نکلتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵- کِتَابُ الْمُنَاسِكِ

[۱-] بَابُ وُجُوْبِ الْحَجِّ وَفَضْلِهِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ﴾ [آل عمران:۹۷]

[۱۵۱۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ الْفَضْلُ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الآخَرِ، فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا، لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: "نَعَمْ" وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

[انظر: ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۴۳۹۹، ۶۲۲۸]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: فضل بن عباسؓ سواری پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے، پس قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی، پس فضل بن عباسؓ اس کو دیکھنے لگے اور وہ فضلؓ کو دیکھنے لگی، اور نبی ﷺ فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیرنے لگے، پس اس عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بیشک حج کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا اس کے بندوں پر مقرر کیا ہوا حکم (یہاں باب ہے) اس نے میرے باپ کو اس حال میں پایا ہے کہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، وہ اونٹ پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے، پس کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

تشریح: حجۃ الوداع میں جب نبی ﷺ عرفہ سے مزدلفہ آئے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے اونٹ پر پیچھے بیٹھے تھے، پھر جب مزدلفہ سے منی کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ تنہا اونٹ پر سوار تھے، لیکن جب آپؐ وادی محسّر سے آگے بڑھے تو دیکھا کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما پیدل جا رہے ہیں، آپؐ نے ان کو پیچھے بٹھا لیا، پھر راستہ میں قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آپؐ سے مسئلہ پوچھا، جب وہ عورت مسئلہ پوچھ رہی تھی تو حضرت فضلؓ اس کو دیکھ رہے تھے، اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور وہ حضرت فضلؓ کو دیکھ رہی تھی، نبی ﷺ نے ہاتھ سے فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ساتھ تھے کسی موقعہ پر انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ نے اپنے بھتیجے کی گردن کیوں پھیری تھی؟ آپؐ نے فرمایا: لڑکا بھی جوان تھا اور لڑکی بھی۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں شیطان ان کا حج خراب نہ کرے، احرام میں اگر بیوی ساتھ ہو تو

زن وشوئی کے معاملات کا تصور بھی دل میں نہیں لانا چاہئے، یہ بھی ایک درجہ میں رفث ہے، اس سے بھی حج میں نقصان آتا ہے، اور غیر عورت کے بارے میں دل میں کوئی خیال لانا تو نہایت بری بات ہے، اس لئے آنحضور ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ پھیر دیا، کیونکہ دونوں جوان تھے، شیطان کسی کے بھی دل میں کوئی وسوسہ ڈال سکتا تھا۔

اور اس حدیث سے چند مسئلے نکلتے ہیں:

۱- عورت احرام میں چہرہ نہیں چھپائے گی، اس کا احرام چہرہ میں ہے، تفصیل آگے آئے گی۔

۲- عورت کے لئے اگر مجبوری ہو اور وہ پردہ نہ کرسکتی ہو تو مرد پر نظر پھیر لینا واجب ہے۔ آنحضور ﷺ نے اسی وجہ سے حضرت فضلؓ کی گردن پھیری تھی۔

۳- وہ مرد جس سے معاملہ متعلق ہے عورت کو دیکھ سکتا ہے، مثلاً عورت بیمار ہے اور وہ ڈاکٹر کو اپنے بدن کا وہ حصہ جسے چھپانا ضروری ہے دکھا رہی ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور ڈاکٹر بھی دیکھ سکتا ہے اس کے لئے بھی مجبوری ہے، مگر وہاں جو دوسرے لوگ ہیں ان کے لئے کوئی مجبوری نہیں، ان پر نظریں پھیر لینا واجب ہے۔

۴- نبی ﷺ نے جو حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ گھمایا تھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ پوچھی تھی، کیونکہ احکام کو سمجھ کر اخذ کرنا ضروری ہے، قرآنِ کریم میں ہے: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ حکمت سے مراد احکام کی یہی مصلحتیں ہیں۔

قوله: إن فريضة الله على عباده في الحج: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، اور اس کے دو مطلب ہیں: ایک: جب حج کی فرضیت نازل ہوئی اس وقت میرے ابا اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتے تھے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب آیت نازل ہوئی اس وقت استطاعت بدنی تھی، لیکن اب بڑھاپے کی وجہ سے، بہت کمزور ہو گئے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ استطاعت بدنی: نفس وجوب کے لئے شرط ہے یا وجوب ادا کے لئے؟ اس میں اختلاف ہے:

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک نفس وجوب کے لئے شرط ہے پس اگر کوئی شخص، بہت بوڑھا ہے، سواری پر بیٹھ نہیں سکتا، نہ ارکانِ حج ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور ایسی حالت میں زاد و راحلہ کا مالک ہوا تو اس پر حج کرنا یا حج بدل کرانا یا حج کی وصیت کرنا فرض نہیں، کیونکہ جب اس میں حج کرنے کی طاقت ہی نہیں تو اس پر حج فرض کرنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ ہاں اگر اسے استطاعت مالی کے ساتھ استطاعت بدنی بھی حاصل تھی مگر حج میں تاخیر کی یہاں تک کہ قدرت اور قوت ختم ہو گئی تو بالاتفاق اس پر حج فرض ہے، اگر خود نہ کرسکے تو حج بدل کرائے یا وصیت کرے۔

اور صاحبین کے نزدیک استطاعت بدنی وجوب ادا کے لئے شرط ہے، نفس وجوب کے لئے شرط نہیں۔ پس جسے استطاعت مالی کے ساتھ استطاعت بدنی بھی حاصل ہو اس پر تو خود حج کرنا فرض ہے وہ حج بدل نہیں کرا سکتا، اور جسے استطاعت بدنی حاصل نہیں اور وہ زاد و راحلہ کا مالک ہوا تو اس پر حج بدل کرانا یا وصیت کرنا ضروری ہے۔

اور حدیث باب سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ سائلہ کے باپ پر شیخ کبیر ہونے کی حالت میں حج فرض ہوا تھا، پس اس سے صاحبین کے قول کی تائید ہوتی ہے، مگر یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حج فرض ہونے کے بعد شیخ فانی ہوگیا ہو، پس حدیث امام صاحب کے قول کے موافق ہوگی۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿يَأْتُوْكَ رِجَالاً وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ، لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ فِجَاجًا: الطُّرُقُ الْوَاسِعَةُ

پیدل حج کرنا بھی مشروع ہے اور سوار ہوکر بھی

جاننا چاہئے کہ حج کی فرضیت کے لئے استطاعت بدنی تو شرط ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، کیونکہ قرآنِ کریم میں ہے: ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾: اس شخص پر حج فرض ہے جو بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے، البتہ استطاعت مالی یعنی زاد وراحلہ شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص پیدل مکہ پہنچ سکتا ہے اور راستہ میں کما کر کھا سکتا ہے اس پر حج فرض ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک استطاعت بدنی کے ساتھ استطاعت مالی یعنی زاد وراحلہ بھی فرضیت حج کے لئے شرط ہے، اگر دونوں میں سے کوئی بھی استطاعت نہ ہو تو حج فرض نہیں ہوگا۔

جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، سب روایتیں ضعیف ہیں اور شرط کا درجہ فرض کا درجہ ہے، اس کے ثبوت کے لئے نہایت مضبوط دلیل درکار ہے، اس لئے امام مالک رحمہ اللہ زاد وراحلہ کو شرط نہیں کہتے، اور دیگر ائمہ کہتے ہیں: ان روایات سے استطاعت مالی کی فرضیت ثابت نہیں کرنی، وہ تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے، قرآن میں جو ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ ہے اس سے استطاعت بدنی کے ساتھ استطاعت مالی بھی مراد ہے۔ روایات نے اس کی وضاحت اور تفسیر کی ہے، اور اشتراط کے لئے تو روایت کا اعلیٰ درجہ کا ہونا ضروری ہے، مگر مجمل کی تفسیر کے لئے یہ بات ضروری نہیں، ضعیف روایتوں سے بھی تفسیر ہوسکتی ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک بیچ کی راہ نکالی ہے کہ پیدل اور سوار: دونوں طریقوں سے حج کرنا مشروع ہے، قریب اور بعید دونوں کی مصلحتوں کی شریعت نے رعایت کی ہے، پس قریب کے آدمی کے لئے جو پیدل حج کرسکتا ہے زاد وراحلہ شرط نہیں، لیکن جو لوگ دور رہتے ہیں، ان کے لئے زاد وراحلہ شرط ہے۔

آیت کریمہ: اور آیت یہاں سے شروع ہوتی ہے: ﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾: اور لوگوں میں حج کا اعلان کردیں ــــ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس حج کو آؤ! اس اعلان سے بیت اللہ کا حج شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی حج ہوتا تھا اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حاکم اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان کرنے کا حکم ملا تو آپؑ نے عرض کیا: پروردگار! میری آواز کہاں تک پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آپ کا کام اعلان کرنا ہے، آواز پہنچانا میرا کام ہے، چنانچہ اس اعلان کو آسمان وزمین کے سب لوگوں نے سن لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اصلاب آباء میں جو لوگ تھے انھوں نے بھی اعلان سن لیا، اور جس کی قسمت میں حج تھا اس نے لبیک پکارا۔

آگے اعلانِ حج کی غایت کا بیان ہے: ﴿یَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّأْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ﴾: لوگ آپ کے پاس پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہوکر آئیں گے، وہ اونٹنیاں ہر گہری گھاٹی سے آئیں گی —— فَجّ: مفرد، جمع: فِجَاجٌ ہے اور معنی ہیں: کشادہ راستہ، جی ٹی روڈ، عمیق کے معنی ہیں: گہرا، اور مراد ہے: دور دراز سے آئیں گے۔ اور ضامِر کے معنی ہیں: دبلی اونٹنی، یعنی لوگ اتنی دور سے آئیں گے کہ اونٹنیاں دبلی ہوجائیں گی، یعنی آنے والے ہر حال میں آئیں گے خواہ ان کو سواری میسر ہو یا نہ ہو، اور اتنی دور مسافت سے آئیں گے کہ سواریاں مشقت سفر سے ہلکان ہوجائیں گی، چنانچہ اس وقت سے آج تک ہزاروں سال گذر چکے ہیں، مگر حج کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ دور جاہلیت میں بھی اگرچہ عرب بت پرستی میں مبتلا ہوگئے تھے مگر حج کرتے تھے۔

حج کے مصالح: ﴿لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾: تاکہ وہ اپنے فوائد میں حاضر ہوں یعنی حج بے مصلحت نہیں ہے اس میں دینی اور دنیوی منافع ہیں، اس کا سب سے بڑا دینی فائدہ یہ ہے کہ اس سے زندگی بھر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ آگے حدیث آرہی ہے کہ جس شخص نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس میں بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے بچا رہا تو وہ حج سے ایسی حالت میں لوٹے گا جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ حج کرنے سے ایمان پر مہر لگ جاتی ہے اب اس کے مرتد ہونے کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔

اور دنیا کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے محتاجگی دور ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے سفر حج وعمرہ میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس سے فقر وفاقہ دور ہوتا ہے، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ پے بہ پے کرو، کیونکہ دونوں فقر ومحتاجگی اور گناہوں کو اس طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دور کردیتی ہے، اور حج مقبول کا ثواب بس جنت ہی ہے، یعنی دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر وفاقہ اور محتاجگی وپریشان حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینان قلبی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں: اس عظیم الشان اجتماع کے ذریعہ بہت سے سیاسی، تمدنی اور اقتصادی فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کتاب الحج کے شروع میں حج کے سات فائدے بیان کئے ہیں، طلبہ کو رحمۃ اللہ الواسعہ میں ان کو دیکھ لینا چاہئے۔

[۲-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ، لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾[الحج:۲۷و۲۸] ﴿فِجَاجًا﴾[نوح: ۲۰]: الطُّرُقُ الْوَاسِعَةُ

[۱۵۱۴-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ عِيْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَالِمَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَرْكَبُ رَاحِلَتَهُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، ثُمَّ يُهِلُّ حِيْنَ تَسْتَوِيْ بِهِ قَائِمَةً. [راجع: ۱۶۶]

[۱۵۱۵-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيْدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، سَمِعَ عَطَاءً، يُحَدِّثُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ إِهْلَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، حِيْنَ اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ.

رَوَاهُ أَنَسٌ، وَابْنُ عَبَّاسٍ يَعْنِيْ حَدِيْثَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُوْسٰى.

حدیث (۱): ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپؐ ذوالحلیفہ میں اپنی سواری پر سوار ہوئے، پھر لبیک پکارا، جب آپؐ کو لے کر سواری سیدھی کھڑی ہوئی۔

حدیث (۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ سے احرام شروع فرمایا، جب آپؐ کو لے کر سواری سیدھی کھڑی ہوئی۔

تطبیق: دونوں حدیثوں کا یہ جزء کہ آپؐ کو لے کر سواری سیدھی کھڑی ہوئی: باب سے متعلق ہے۔

تشریح: جب نبی ﷺ نے حج فرمایا تو ۲۵ ذی القعدہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں رک گئے، یہ اہل مدینہ کی میقات ہے اور مدینہ منورہ سے تقریباً پانچ چھ کلومیٹر پر ہے، وہاں آپؐ نے عصر تا فجر چار نمازیں ادا کیں، اس قیام کا مقصد یہ تھا کہ سب رفقاء جمع ہو جائیں، اور آگے سفر ایک ساتھ ہو، اگلے دن طلوع شمس کے بعد آپؐ نے ذوالحلیفہ میں ایک درخت کے پاس احرام کا دوگانہ پڑھا اور تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کیا، مگر اس کا علم صرف ان لوگوں کو ہوا جو وہاں موجود تھے، پھر جب اونٹنی آپؐ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپؐ نے تلبیہ پڑھا، احرام باندھنے کے بعد بار بار تلبیہ پڑھا جاتا ہے، یہ افضل ذکر ہے، پس کچھ لوگوں نے یہی تلبیہ سنا اور ان کو غلط فہمی ہوئی کہ آپؐ نے اب احرام شروع کیا، چنانچہ انھوں نے یہی روایت کیا۔ پھر جب اونٹنی آپؐ کو لے کر بیداء نامی ٹیلے پر چڑھی تو آپؐ نے پھر تلبیہ پڑھا، کچھ لوگوں نے یہی تلبیہ سنا اور انھوں نے اس کو پہلا تلبیہ سمجھا اور یہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ آپؐ نے بیداء سے احرام باندھا، مگر صحیح بات یہ ہے کہ آپؐ نے مسجد کے پاس درخت کے قریب احرام شروع کیا ہے، یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے۔

(ابوداؤد حدیث ۱۷۷۰ باب وقت الإحرام)

بَابُ الْحَجِّ عَلَى الرَّحْلِ

کجاوے پر حج کرنا

اس باب میں سفر حج میں سادگی اور ترک تکلف کی تعلیم ہے، سوار ہو کر حج کے لئے جاسکتے ہیں، پیدل جانا ضروری نہیں، مگر سفر حج میں سادگی ہونی چاہئے، تکلفات سے بچنا چاہئے۔

۱۳ ذی الحجہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو اپنے توڑے ہوئے عمرہ کی قضا کی ہے تو وہ اپنے بھائی کے اونٹ پر قَتَب پر بیٹھی ہیں۔ قَتَب کے معنی ہیں: پالان، چھوٹا کجاوہ، بڑے کجاوہ کے پیچھے چھوٹا کجاوہ ہوتا ہے اس کو قتب کہتے ہیں، جیسے سائیکل کے پیچھے کیریر ہوتا ہے، اس کو حَقَب بھی کہتے ہیں، اتنی سادگی سے انھوں نے عمرہ کیا تھا۔

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ حج کے لئے کجاوے مضبوط باندھو، کیونکہ حج دو جہادوں میں سے ایک جہاد ہے، یعنی جب جہاد سے لوٹو تو حج کرو، یہ بھی ایک جہاد ہے، معلوم ہوا کہ اونٹ پر کجاوے میں بیٹھ کر سفر حج کر سکتے ہیں، مگر سادگی ہونی چاہئے۔

[۳-] بَابُ الْحَجِّ عَلَى الرَّحْلِ

[۱۵۱۶-] وَقَالَ أَبَانٌ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ مَعَهَا أَخَاهَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ، فَأَعْمَرَهَا مِنَ التَّنْعِيمِ، وَحَمَلَهَا عَلٰى قَتَبٍ.

وَقَالَ عُمَرُ: شُدُّوا الرِّحَالَ فِي الْحَجِّ، فَإِنَّهُ أَحَدُ الْجِهَادَيْنِ. [راجع: ۲۹۴]

[۱۵۱۷-] وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ، عَنْ ثُمَامَةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ، قَالَ: حَجَّ أَنَسٌ عَلٰى رَحْلٍ، وَلَمْ يَكُنْ شَحِيحًا، وَحَدَّثَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم حَجَّ عَلٰى رَحْلٍ، وَكَانَتْ زَامِلَتَهُ.

[۱۵۱۸-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيْمَنُ بْنُ نَابِلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! اعْتَمَرْتُمْ وَلَمْ أَعْتَمِرْ، قَالَ: "يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ! اذْهَبْ بِأُخْتِكَ، فَأَعْمِرْهَا مِنَ التَّنْعِيمِ" فَأَحْقَبَهَا عَلٰى نَاقَةٍ، فَاعْتَمَرَتْ. [راجع: ۲۹۴]

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک کجاوہ پر حج کیا، اور وہ بخیل نہیں تھے، اور انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا ہے، اور اسی پر آپ کا سامان لدا ہوا تھا۔

تشریح: اونٹ پر کجاوہ باندھ کر سفر کرنا سادہ سفر ہے، اور ٹھاٹھ کا سفر یہ ہے کہ اونٹ پر ہودج باندھا جائے۔ ہودہ پورا کمرہ ہوتا ہے، اس میں شان سے بیٹھتے ہیں اور سامان دوسرے اونٹ پر ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس مال کی کمی نہیں

تھی، اللہ نے ان کو مال سے خوب نوازا تھا اور وہ بخیل بھی نہیں تھے، پھر بھی انھوں نے کجاوہ پر سفر حج کیا اور بیان کیا کہ نبی ﷺ نے بھی کجاوے پر حج کیا ہے۔ یہ انتہائی درجہ کی سادگی ہے، حضرت انسؓ نے آپؐ کی سنت پر عمل کیا ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْحَجِّ الْمَبْرُوْرِ

حج مقبول کی فضیلت

المبرور کے لفظی معنی ہیں: نیکی والا، اور مرادی معنی ہیں: مقبول، مقبول حج وہ ہے جو رفث وفسوق سے پاک ہو، زن وشوئی کی باتیں رفث کہلاتی ہیں، حالت احرام میں میاں بیوی کے درمیان مذاق کی بھی گنجائش نہیں۔

اور فسق وفسوق مصدر ہیں، اور ان کے معنی ہیں: صلاح کے راستہ سے ہٹ جانا، یعنی احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرنا، اور مادہ کے اصل معنی ہیں: نکل جانا، اور پہلے یہ بات آئی ہے کہ اسلام کے دو سرکل (دائرے) ہیں ایک چھوٹا سرکل ہے اور ایک بڑا، اور گناہ چار ہیں، دو گناہ: ذنب اور خطیہ سرکل کے اندر ہیں اور دو گناہ: سیءہ اور معصیہ سرکل سے باہر ہیں، پس جو بندہ سیءہ یا معصیہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ فاسق ہے، یعنی وہ دین داری کے دائرہ سے باہر ہو گیا، اس لئے حج میں رفث وفسوق سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ حج مقبول نہ ہوگا (تفصیل تحفۃ الألمعی (۳: ۲۰۱) میں ہے)

[٤-] بَابُ فَضْلِ الْحَجِّ الْمَبْرُوْرِ

[١٥١٩-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: "إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ" قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "جِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "حَجٌّ مَبْرُوْرٌ" [راجع: ٢٦]

فائدہ: حج مقبول کی ایک ظاہری علامت ہے اور ایک باطنی۔ ظاہری علامت یہ ہے کہ مسائل کا لحاظ کر کے حج کیا گیا ہو، جو حج کے فرائض وواجبات، سنن ومستحبات ہیں ان پر پوری طرح عمل کیا ہو، اور جو ممنوعات ہیں ان سے اجتناب کیا ہو، اور باطنی علامت علماء نے یہ لکھی ہے کہ حج کے بعد زندگی بدل جائے، اگر پہلے ڈاڑھی منڈاتا تھا، کاروبار میں گھپلا کرتا تھا، گالی گلوچ کرتا تھا تو حج کے بعد اس کی زندگی بدل جائے، وہ نیک صالح بن جائے اور اپنی زندگی کا ورق پلٹ دے۔ اور اگر پہلے نیک تھا تو حج کے بعد اس کی نیکی میں اضافہ ہو جائے (تحفۃ القاری ۱: ۲۴۰)

[١٥٢٠-] حدثنا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حَبِيْبُ بْنُ أَبِيْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! نَرَى الْجِهَادَ أَفْضَلَ الْعَمَلِ، أَفَلَا نُجَاهِدُ؟ قَالَ: "لَا، لٰكِنَّ أَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ" [انظر: ١٨٦١، ٢٧٨٤، ٢٨٧٥، ٢٨٨٦]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم جہاد کو سب سے افضل عمل دیکھتے ہیں، قرآن وحدیث میں جہاد کی بہت فضیلت آئی ہے، پس کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، تمہارے لئے افضل جہاد مقبول حج ہے''

تشریح: عورت صنف نازک ہے، ناتواں اور کمزور ہے، ان کو بھاری ذمہ داریوں سے سبک دوش رکھا گیا ہے، جہاد بھاری ذمہ داری ہے وہ بڑا صبر آزما اور مشکل کام ہے، جب میدان کارزار گرم ہوتا ہے تو سورماؤں کے پتے پانی ہوتے ہیں، اور کلیجہ منہ کو آتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر جہاد فرض نہیں کیا، بلکہ ان کے لئے اس کا متبادل تجویز کیا ہے، اور وہ شرائط کی پابندی کے ساتھ کیا ہوا حج ہے، حضرت عمرؓ نے ابھی فرمایا ہے کہ حج بھی ایک جہاد ہے۔

[۱۵۲۱-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارٌ أَبُو الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، يَقُوْلُ: "مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" [انظر: ۱۸۱۹، ۱۸۲۰]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کے لئے حج کیا پس (احرام میں) نہ بیوی کے ساتھ زن وشوئی کی باتیں کیں نہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا تو وہ لوٹے گا اس دن کی طرح جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

تشریح: حج مبرور کے لئے خادشات (زخمی کرنے والی باتوں) سے بچنا ضروری ہے، منفی پہلو سے بھی اور مثبت پہلو سے بھی۔ منفی پہلو سے خادشات رفث وفسوق وغیرہ ہیں، حج میں ان سے بچنا ضروری ہے، اور مثبت پہلو سے فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات پر پوری طرح عمل کرنا ہے، تب گناہ دھل جائیں گے —— اور اللہ کے لئے حج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حج ہی کی نیت ہو، کاروبار کے لئے نہ گیا ہو، نہ حاجی کہلانے کا جذبہ کارفرما ہو۔

بَابُ فَرْضِ مَوَاقِيْتِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حج وعمرہ کے لئے مواقیت کی تعیین

مواقیت: میقات کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: کسی کام کا مقررہ وقت یا جگہ، مواقیتُ الصلاۃ: نماز کے مقررہ اوقات، مواقیتُ الحاجّ: حاجی کے احرام باندھنے کے مقررہ مقامات۔ اور حج کے لغوی معنی ہیں: قصد وارادہ، اور مرادی معنی ہیں: مخصوص وقت میں مخصوص طریقہ پر بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا۔ اور عمرہ کے معنی ہیں: زیارت، اور مرادی معنی ہیں: مخصوص طریقہ پر بیت اللہ کی زیارت کرنا، پس عمرہ بھی حج ہے، حج: حجِ اکبر (بڑا حج) ہے، اور عمرہ حج اصغر (چھوٹا حج) ہے، اور فرض لغوی معنی میں ہے: مقرر کرنا، متعین کرنا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ابھی مواقیت کا بیان شروع نہیں ہورہا، مواقیت کا بیان باب ۷ سے شروع ہوگا، پھر اس باب کا اور آئندہ باب کا مقصد کیا ہے؟ تو جاننا چاہئے کہ یہ باب اور آئندہ باب گذشتہ باب سے پیوستہ ابواب ہیں۔ ان ابواب میں خادشات کا بیان ہے۔ شریعت نے حج وعمرہ کے لئے احرام باندھنے کی جگہیں (مواقیت) مقرر کئے ہیں، پس احرام انہی جگہوں سے باندھنا چاہئے، نہ تقدیم جائز ہے نہ تاخیر۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تقدیم جائز نہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے، ورنہ مواقیت کی تعیین بے فائدہ ہوگی، اور حج: حج مبرور نہیں ہوگا، اسی طرح توشہ لئے بغیر حج یا عمرہ کے لئے نکلنا تقوی کو متاثر کرتا ہے، جبکہ تقوی ہی عبادت کی روح ہے، اور تقوی (دل کا جذبہ) ہی اللہ کے یہاں پہنچتا ہے، باقی ظاہری امور تو یہاں رہ جاتے ہیں۔

[۵-] بَابُ فَرْضِ مَوَاقِيْتِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

[۱۵۲۲-] حدثنا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنِيْ زَيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ، أَنَّهُ أَتَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فِيْ مَنْزِلِهِ، وَلَهُ فُسْطَاطٌ وَسُرَادِقٌ، فَسَأَلْتُهُ: مِنْ أَيْنَ يَجُوْزُ أَنْ أَعْتَمِرَ؟ قَالَ: فَرَضَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِأَهْلِ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ، وَلِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ.

[راجع: ۱۳۳]

ترجمہ: زید بن جبیر رحمہ اللہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ان کے ڈیرے میں پہنچے، اور ان کے لئے خیمہ اور شامیانہ تھا، میں نے ان سے پوچھا: عمرہ کا احرام کہاں سے باندھوں؟ آپؓ نے فرمایا: نبی ﷺ نے اہل نجد کے لئے قرن المنازل، اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جُحفہ مقرر کیا ہے (پس میقات ہی سے احرام باندھنا چاہئے، نہ تقدیم جائز ہے نہ تاخیر، ورنہ تعیین بے فائدہ ہوگی)

لغات: فُسطاط: مطلق خیمہ یا اون کا خیمہ، جمع فَساطِیط.......... سُرَادِق: شامیانہ، کپڑے کا سائبان، جمع سُرَادِقَات۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خاندان کے ساتھ حج کے لئے آئے ہیں، اس لئے خیمہ کھڑا کیا ہے تاکہ اس میں عورتیں اور بچے رہیں، اور شامیانہ بھی لگایا ہے تاکہ اس میں مرد رہیں، پس یہ ضرورت ہے، ٹھاٹھ نہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾

خرچ ضرور ساتھ لیا کرو، توشہ کا فائدہ تقوی ہے

یہ گذشتہ سے پیوستہ باب سے مربوط باب ہے، حج مبرور کے لئے مثبت پہلو سے یہ بھی ضروری ہے کہ جب حج کے

لئے نکلے تو توشہ لے کر نکلے، تا کہ کسی پر بوجھ نہ بنے، کچھ لوگ بالکل خالی ہاتھ حج کے لئے نکلتے تھے، وہ خود کو متوکل (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) کہتے تھے، پھر مانگ کر کھاتے تھے۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ سامان سفر ضرور لے لیا کرو، اس لئے کہ توشہ کا فائدہ تقوی ہے، اور مانگنے سے بچنا بھی تقوی ہے، جو لوگ توشہ ساتھ نہیں لیتے وہ دوسروں پر بوجھ بنتے ہیں، اور حج مبرور کے لئے ضروری ہے کہ دوسروں پر بوجھ نہ بنے۔

[٦-] بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾

[١٥٢٣-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بِشْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ، عَنْ وَرْقَاءَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ وَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ، وَيَقُوْلُوْنَ: نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ، فَإِذَا قَدِمُوْا مَكَّةَ سَأَلُوْا النَّاسَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾[البقرة: ١٩٧] رَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ مُرْسَلاً.

ترجمہ: ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ یمن کے لوگ حج کیا کرتے تھے اور توشہ ساتھ نہیں لیتے تھے، اور کہتے تھے: ہم اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔ پھر جب وہ مکہ آتے تو لوگوں سے مانگتے، پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کہ سامان سفر ساتھ لے لو، بیشک توشہ کا فائدہ تقوی ہے (اس حدیث کو سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے مرسل روایت کیا ہے، یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نہیں کیا، اس کو عکرمہؒ کا قول قرار دیا ہے، اور ورقاءؒ نے ابن عباسؓ کا قول قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے)

بَابُ مُهَلِّ أَهْلِ مَكَّةَ لِلْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

مکہ والے حج اور عمرہ کا احرام کہاں سے باندھیں؟

اب ابواب المواقیت شروع ہو رہے ہیں۔ مُھَلّ (میم کے پیش اور ہاء کے زبر کے ساتھ) احرام باندھنے کی جگہ إھلال سے ظرف مکان۔ تین قسم کے لوگ ہیں: آفاقی، حِلّی اور حرمی۔ حرم شریف کے اندر کا باشندہ حرمی ہے، اور حرم شریف اور مواقیت کے درمیان کا باشندہ حِلّی ہے، اور میقات سے باہر کا باشندہ آفاقی ہے۔

آفاقی: میقات سے احرام باندھے گا، حج کا بھی اور عمرہ کا بھی، حج اور عمرہ کا احرام ایک طرح کا ہوتا ہے صرف نیت کا فرق ہے، اور حِلّی اپنے گھر سے یا حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھے گا۔ اور حرمی خواہ حقیقی حرمی ہو یا حکمی: حج کا احرام حرم سے باندھے گا۔ چاہے گھر سے باندھے چاہے مسجدِ حرام سے۔ اور عمرہ کا احرام حرم سے نکل کر حل سے باندھے گا۔

جاننا چاہئے کہ جو مکہ کا باشندہ ہے وہ حقیقی حرمی ہے اور جو باہر سے مکہ آیا ہے اور اس نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہے وہ حکماً حرمی ہے، وہ عمرہ کا احرام حرم سے نکل کر حل سے باندھے گا تا کہ گونہ سفر متحقق ہو، اور حج کا احرام گھر سے یا مسجدِ حرام سے

باندھے گا، کیونکہ حاجی کو منی پھر عرفہ پھر مزدلفہ جانا ہوتا ہے پس سفر متحقق ہو جاتا ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمہ قائم کیا ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مکہ کا باشندہ حج کا احرام بھی مکہ سے باندھے گا اور عمرہ کا احرام بھی۔ جمہور اس کے قائل نہیں، ان کے نزدیک مکہ کا باشندہ حج کا احرام تو مکہ سے باندھے گا مگر عمرہ کا احرام حرم سے نکل کر حل سے باندھے گا۔

فائدہ (۱): حرم: بیت اللہ کے گرد مخصوص جگہ کا نام ہے جس کی نشان لگا کر تعیین کر دی گئی ہے جو مدینہ کی جانب تین میل، عراق کی جانب سات میل، جعرانہ کی جانب نو میل اور جدہ کی جانب دس میل ہے (قسطلانی ۴: ۱۱۵) اور حرم سے باہر اور میقات کے اندر کی جگہ حل کہلاتی ہے اور میقات سے باہر کی دنیا آفاق ہے اور میقات پانچ ہیں: ذوالحلیفہ، جُحفة، قرن المنازل، یلملم اور ذات عرق۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

فائدہ (۲): شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے تعیین مواقیت کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس حالت میں پہنچنا مطلوب ہے کہ سر میں مٹی بھری ہوئی ہو، جسم سے بو آرہی ہو، اور نفس نشاط جوانی میں بے لگام نہ ہو۔ اور یہ مقصد احرام کے ساتھ حاضری ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، رہی یہ بات کہ احرام کہاں سے باندھا جائے؟ تو اصل یہ ہے کہ لوگ اپنے گھروں سے احرام باندھ کر چلیں لیکن ایسا حکم دینے میں لوگوں کے لئے دقت تھی، کیونکہ کسی کا وطن مکہ سے ایک ماہ کے مسافت پر ہے، کسی کا دو ماہ کی، اور کسی کا اور زیادہ دوری پر۔ اس لئے ضروری ہوا کہ مکہ مکرمہ کے گرد احرام باندھنے کے لئے کچھ ایسے مقامات متعین کئے جائیں جہاں سے لوگ احرام باندھیں، ان مقامات سے احرام کو مؤخر نہ کریں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقامات واضح اور مشہور ہوں، کوئی بھی ان سے ناواقف نہ ہو، اور آفاق والے ان مقامات سے گذرتے ہوں یعنی وہ عام گذرگاہ ہو، چنانچہ نبی ﷺ نے ایسے مقامات کا جائزہ لیا، اور مذکورہ بالا پانچ مقامات احرام باندھنے کے لئے مقرر فرمائے۔

[۷-] بَابُ مُهَلِّ أَهْلِ مَكَّةَ لِلْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

[۱۵۲٤-] حدثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ.

[انظر: ۱۵۲٦، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۸٤٥]

ترجمہ: نبی ﷺ نے مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لئے جُحفہ، نجد والوں کے لئے قرن المنازل اور یمن والوں کے لئے یلملم مقرر کیا۔ یہ مقامات ان جگہوں کے باشندوں کے لئے بھی ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی ہیں

جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے ان مقامات پر سے گذریں اور جو ان مقامات سے وَرے حلّ میں ہیں، پس وہ جہاں سے چاہیں احرام باندھیں، یہاں تک کہ مکہ والے مکہ سے۔

تشریح:

۱- پانچویں مقامات ذاتُ عرق ہے، وہ اہل عراق کی میقات ہے، اور جس راستہ میں کوئی میقات نہ ہو اس میں محاذات کا اعتبار ہے۔

۲- اس حدیث میں ہے کہ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں وہ اپنے گھر سے احرام باندھیں حتی کہ مکہ والے مکہ سے احرام باندھیں۔ اور نبی ﷺ نے حج اور عمرہ میں فرق نہیں کیا، معلوم ہوا کہ مکہ والے حج کا احرام بھی مکہ سے باندھیں گے اور عمرہ کا احرام بھی، یہ اس حدیث سے استدلال ہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے خود قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب مفسّر اور مبہم روایتیں جمع ہوں تو مفسّر کو لیں گے اور مبہم کو چھوڑ دیں گے، یہ روایت مبہم ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنعیم سے عمرہ کرنے کی روایت مفسّر ہے، پس اس کو لیں گے اور اس روایت کو مفسّر روایت کی طرف لوٹائیں گے۔

بَابُ مِيقَاتِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَلَا يُهِلُّونَ قَبْلَ ذِي الْحُلَيْفَةِ

مدینہ والوں کی میقات، اور وہ لوگ ذوالحلیفہ سے پہلے احرام نہ باندھیں

باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ ہے، مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے پانچ چھ میل پر یہ مقام واقع ہے۔ یہ بعید ترین میقات ہے، یہاں سے مکہ مکرمہ تقریباً دوسو میل ہے، بلکہ آج کل کے راستہ سے تقریباً ڈھائی سو میل ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے مدینہ والوں کے لئے بعید ترین میقات مقرر کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے، جو رحمۃ اللہ الواسعہ (۱۹۶:۴) میں ہے۔

دوسرا مسئلہ: احرام باندھے بغیر میقات سے بڑھنا بالاتفاق جائز نہیں، اور اگر کوئی بڑھ جائے تو اس پر واپس لوٹ کر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، اور اگر بغیر احرام کے حرم میں پہنچ گیا تو دم واجب ہوگا۔ اور میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں، میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، وہ فرماتے ہیں: ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے پانچ چھ میل پر واقع ہے، احرام کو مقدم کرنے میں کوئی پریشانی نہیں تھی، پھر بھی نبی ﷺ نے گھر سے احرام نہیں باندھا، بلکہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، معلوم ہوا کہ میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز نہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ میقات دو ہیں: زمانی اور مکانی۔ زمانی میقات شوال سے شروع ہوتی

ہے، اس سے مقدم حج کا احرام باندھنا جائز نہیں، پس میقات مکانی سے بھی مقدم احرام باندھنا جائز نہیں۔ اور ائمہ اربعہ کے نزدیک تقدیم جائز ہے، وہ فرماتے ہیں: تقدیم کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں۔

اور زمانی میقات سے تقدیم اس لئے جائز نہیں کہ حج کے مہینے مقرر کردیئے گئے ہیں، پس حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ اور نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا تھا اور پوری رات وہاں گذاری تھی، اور پہلے سے اس کا ارادہ تھا تاکہ سب رفقاء وہاں جمع ہوجائیں اور آگے کا سفر ایک ساتھ ہو، اس لئے نبی ﷺ نے احرام کو مقدم نہیں فرمایا۔

[۸-] بَابُ مِيْقَاتِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ، وَلاَ يُهِلُّوْنُ قَبْلَ ذِي الْحُلَيْفَةِ

[۱۵۲۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَأَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَأَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ" قَالَ عَبْدُ اللهِ: وَبَلَغَنِيْ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ" [راجع: ۱۳۳]

قَالَ عَبْدُ اللهِ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اور یمن والے یلملم سے احرام باندھیں، یعنی شروع کے تین مواقیت تو حضرت ابن عمرؓ نے نبی ﷺ سے براہِ راست سنے ہیں، اور چوتھی میقات صحابہ کے واسطہ سے سنی ہے۔

بَابُ مُهَلِّ أَهْلِ الشَّامِ

شام والوں کی احرام باندھنے کی جگہ

شام اور مغربی علاقوں سے آنے والوں کی میقات جُحفۃ ہے، اس کا دوسرا نام مَهْيَعَة ہے، یہ میقات مکہ معظمہ سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

[۹-] بَابُ مُهَلِّ أَهْلِ الشَّامِ

[۱۵۲۶-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: وَقَّتَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، فَهُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ أَهْلِهِ، وَكَذَاكَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا [راجع: ۱۵۲٤]

قوله: كذالك: مستقل جملہ ہے، ترجمہ: پس جو ہو مواقیت سے ورے یعنی حرم کی طرف پس اس کی احرام باندھنے کی جگہ اس کے گھر سے ہے، اور اسی طرح یعنی جو حرم سے اور قریب ہو وہ بھی اپنے گھر سے احرام باندھے، یہاں تک کہ مکہ والے مکہ سے (حج کا) احرام باندھیں۔

بَابُ مُهَلِّ أَهْلِ نَجْدٍ

نجد والوں کی احرام باندھنے کی جگہ

نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات قرن المنازل ہے، یہ مکہ معظمہ سے تقریباً ۳۵ میل مشرق میں نجد کے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

[۱۰-] بَابُ مُهَلِّ أَهْلِ نَجْدٍ

[۱۵۲۷-] حدثنا عَلِيٌّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ وَقَّتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، ح:

[۱۵۲۸-] قَالَ: وَحَدَّثَنِيْ أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "مُهَلُّ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذُوْ الْحُلَيْفَةِ، وَمُهَلُّ أَهْلِ الشَّامِ مَهْيَعَةُ، وَهِيَ الْجُحْفَةُ، وَأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ"

قَالَ ابْنُ عُمَرَ: زَعَمُوْا أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ وَلَمْ أَسْمَعْهُ: "وَمُهَلُّ أَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ"

[راجع: ۱۳۳]

بَابُ مُهَلِّ مَنْ كَانَ دُوْنَ الْمَوَاقِيْتِ

جو لوگ میقات سے حرم کی طرف رہتے ہیں ان کے احرام باندھنے کی جگہ

دُون المواقيت: یعنی حل کے باشندے، حل میں رہنے والے اپنے گھر سے یا حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھیں۔

[۱۱-] بَابُ مُهَلِّ مَنْ كَانَ دُوْنَ الْمَوَاقِيْتِ

[۱۵۲۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، وَلِأَهْلِ

نَجْدٍ قَرْنًا، فَهُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ، مِمَّنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمِنْ أَهْلِهِ، حَتَّى إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا. [راجع: ١٥٢٤]

بَابُ مُهَلِّ أَهْلِ الْيَمَنِ

یمن والوں کی احرام باندھنے کی جگہ

یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات یلملم ہے، یہ تہامہ کی ایک معروف پہاڑی ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً چالیس میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔

[۱۲-] بَابُ مُهَلِّ أَهْلِ الْيَمَنِ

[١٥٣٠-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، هُنَّ لِأَهْلِهِنَّ، وَلِكُلِّ آتٍ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِمْ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ. [راجع: ١٥٢٤]

بَابٌ: ذَاتُ عِرْقٍ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ

عراق والوں کی میقات ذات عرق ہے

عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے ذات عرق میقات ہے، یہ جگہ مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق کے راستہ پر واقع ہے، یہ مکہ معظمہ سے پچاس میل کی دوری پر واقع ہے، اہل مشرق کی یہ میقات خود نبی ﷺ نے مقرر فرمائی ہے، مگر شروع میں لوگوں سے یہ مخفی رہی، لوگ چار ہی میقات جانتے تھے، کیونکہ نبی ﷺ کے زمانہ میں عراق کی طرف سے حج وعمرہ کے لئے آنے والا کوئی نہیں تھا، وہاں مسلمان آباد نہیں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عراق فتح ہوا اور وہاں سے لوگ حج وعمرہ کے لئے آنے لگے، تو شروع میں قرن المنازل سے احرام باندھ کر آتے تھے، مگر ان کو پریشانی ہوتی تھی، کیونکہ یہ میقات ان کے راستہ سے ہٹی ہوئی تھی، اور یہی ان کے لئے قریب ترین میقات تھی، انھوں نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی، آپؓ نے ان کے لئے ذات عرق میقات مقرر فرمائی، کیونکہ یہ جگہ قرن المنازل کے محاذات میں تھی، بعد میں جن لوگوں کے پاس اس سلسلہ کی حدیثیں تھیں وہ انھوں نے بیان کیں، جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی تائید ہوئی۔

[۱۳-] بَابٌ: ذَاتُ عِرْقٍ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ

[۱۵۳۱-] حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا فُتِحَ هٰذَانِ الْمِصْرَانِ أَتَوْا عُمَرَ، فَقَالُوْا: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَدَّ لِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا، وَهُوَ جَوْرٌ عَنْ طَرِيْقِنَا، وَإِنَّا إِنْ أَرَدْنَا قَرْنًا شَقَّ عَلَيْنَا، قَالَ: فَانْظُرُوْا حَذْوَهَا مِنْ طَرِيْقِكُمْ، فَحَدَّ لَهُمْ ذَاتَ عِرْقٍ.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب یہ دونوں شہر (کوفہ وبصرہ) فتح ہوئے تو وہاں کے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! بیشک نبی ﷺ نے نجد والوں کے لئے قرن المنازل میقات مقرر فرمائی ہے اور وہ جگہ ہمارے راستہ سے ہٹی ہوئی ہے، اور ہم اگر قرن المنازل کا قصد کریں یعنی اس راستہ سے آئیں تو ہمیں پریشانی ہوتی ہے، آپؓ نے فرمایا: تم اپنے راستہ میں اس کے محاذات میں کوئی جگہ دیکھو، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے ذات عرق کو مقرر فرمایا۔

بَابُ الصَّلَاةِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ

ذوالحلیفہ میں نماز پڑھنا

نبی ﷺ کا معمول تھا: جب آپؐ حج یا عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے تو ذوالحلیفہ میں پہلا پڑاؤ کرتے، تاکہ تمام ساتھی تیار ہوکر وہاں اکٹھا ہوجائیں، پھر اگلی منزل کے لئے سفر شروع ہو، حجۃ الوداع میں میدانِ ذوالحلیفہ میں ایک کیکر کے درخت کے پاس آپؐ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، آپؐ نے اسی درخت کے نیچے احرام کا دوگانہ پڑھا ہے، پھر تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی جگہ پہلا پڑاؤ ڈالتے تھے اور وہیں دوگانہ پڑھ کر احرام شروع کرتے تھے، اب اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے، جس میں نہانے دھونے کا معقول انتظام ہے، لوگ وہیں سے احرام باندھتے ہیں، حضرت ابن عمرؓ کے زمانہ میں بھی وہاں مسجد بن گئی تھی۔

[۱٤-] بَابُ الصَّلَاةِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ

[۱۵۳۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَصَلّٰى بِهَا، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ. [راجع: ٤٨٤]

ترجمہ: نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ میں پتھریلی زمین میں اپنی اونٹنی بٹھائی یعنی پڑاؤ ڈالا، اوراسی میدان میں دوگانہ پڑھا، اورابن عمرؓ بھی ایسا کرتے تھے (بطحاء اس میدان کو کہتے ہیں جہاں پانی کی رو سے سنگریزے جمع ہوگئے ہوں)

بَابُ خُرُوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى طَرِيْقِ الشَّجَرَةِ

نبی ﷺ کا درخت کے راستے سے نکلنا

ذوالحلیفہ: بڑا میدان ہے، اس میں کیکر کا ایک بڑا درخت تھا، جب نبی ﷺ حج یا عمرہ کے لئے نکلتے تو اس درخت کے راستہ سے نکلتے تھے، اوراسی درخت کے پاس پڑاؤ ڈالتے، اور واپسی میں معرّس کے راستہ سے لوٹتے، یہ راستہ بھی میدانِ ذوالحلیفہ میں ہے، معرّس کے معنی ہیں: رات گذارنے کی جگہ، آپؐ واپسی میں یہاں رات گذار کر صبح مدینہ میں داخل ہوتے تھے، اوراس کی وجہ تحفۃ القاری (۳۴۵:۲) میں ہے۔

[۱۵-] بَابُ خُرُوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى طَرِيْقِ الشَّجَرَةِ

[۱۵۳۳-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَخْرُجُ مِنْ طَرِيْقِ الشَّجَرَةِ، وَيَدْخُلُ مِنْ طَرِيْقِ الْمُعَرَّسِ، وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا خَرَجَ إِلٰى مَكَّةَ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِ الشَّجَرَةِ، وَإِذَا رَجَعَ صَلّٰى بِذِي الْحُلَيْفَةِ بِبَطْنِ الْوَادِيْ، وَبَاتَ حَتّٰى يُصْبِحَ. [راجع: ۴۸۴]

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ درخت کے راستہ سے نکلا کرتے تھے (یہ وہی درخت ہے جس کے پیچھے نبی ﷺ نے احرام کا دوگانہ پڑھا ہے، اور جہاں اب مسجد ذوالحلیفہ بنی ہوئی ہے) اور مدینہ میں رات گذارنے کے راستے سے داخل ہوتے تھے (یہ راستہ بھی میدان ذوالحلیفہ میں ہے، اوراسی میں وادی عقیق ہے) اور رسول اللہ ﷺ جب مکہ کی طرف نکلتے تھے تو درخت والی مسجد (مسجد ذوالحلیفہ) میں نماز پڑھتے تھے، اور جب لوٹتے تو ذوالحلیفہ میں وادی (عقیق) کے درمیان میں نماز پڑھتے تھے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "اَلْعَقِيْقُ وَادٍ مُبَارَكٌ"

نبی ﷺ کا ارشاد کہ عقیق مبارک میدان ہے

عقیق کے معنی ہیں: وہ میدان جس کو قدیم زمانہ میں سیلاب نے وسیع کردیا ہو، اور مدینہ کے پاس اور جزیرۃ العرب میں عقیق نام کے متعدد میدان ہیں، ایک میدان ذوالحلیفہ میں بھی ہے، اسی سے لگواں معرّس ہے، یہ میدان مبارک کیوں ہے؟

اس کی وجہ کسی روایت میں نہیں آئی، اور یہ واقعہ ہے کہ مختلف عوامل سے زمان ومکان میں فضیلت پیدا ہوتی ہے، یہ مضمون علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد کے شروع میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور العقیق واد مبارك دراصل فرشتہ کا قول ہے، اس نے خواب میں نبی ﷺ سے یہ بات کہی ہے، پھر آپؐ نے لوگوں کو یہ بات بتائی تو یہ آپ کا بھی ارشاد ہوگیا۔

[۱۶-] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "الْعَقِيْقُ وَادٍ مُبَارَكٌ"

[۱۵۳٤-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ، وَبِشْرُ بْنُ بَكْرٍ التِّنِّيْسِيُّ، قَالاَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عِكْرِمَةُ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: إِنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِوَادِي الْعَقِيْقِ يَقُوْلُ: "أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّيْ فَقَالَ: صَلِّ فِيْ هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ، وَقُلْ: عُمْرَةٌ فِيْ حَجَّةٍ" [انظر: ۲۳۳۷، ۷۳٤۳]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے وادی عقیق میں نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پاس آج رات (خواب میں) میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) آیا، پس اس نے کہا: اس مبارک میدان میں نماز پڑھیں، اور عمرة فی حجة کہیں یعنی میں عمرہ کا احرام حج کے احرام میں ملاتا ہوں یعنی قران کرتا ہوں۔

قولہ: عمرة کو اکثر محدثین نے مرفوع پڑھا ہے، پس یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای: هذه عمرة فی حجة، اور بعض نے منصوب پڑھا ہے، پس یہ فعل محذوف کا مفعول ہے، ای: جعلتها عمرةً فی حجة۔

تشریح: یہ حدیث بخاری شریف میں تین جگہ ہے، اور سب جگہ تقریباً یہی الفاظ ہیں، مگر اس کی مراد واضح نہیں، کیونکہ یہ واقعہ حج سے واپسی کا ہے، اور اس موقعہ پر احرام نہیں تھا، پس اس تلبیہ کا کیا موقع ہے! اور اس واقعہ کی تفصیل آئندہ روایت میں ہے۔

[۱۵۳۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ أُرِيَ وَهُوَ فِيْ مُعَرَّسٍ بِذِي الْحُلَيْفَةِ بِبَطْنِ الْوَادِيْ، قِيْلَ لَهُ: إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ!

وَقَدْ أَنَاخَ بِنَا سَالِمٌ، يَتَوَخَّى الْمُنَاخَ الَّذِيْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُنِيْخُ، يَتَحَرَّى مُعَرَّسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ أَسْفَلُ مِنَ الْمَسْجِدِ الَّذِيْ بِبَطْنِ الْوَادِيْ، بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الطَّرِيْقِ وَسَطٌ مِنْ ذٰلِكَ.

[راجع: ٤٨٣]

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ (خواب) دکھلائے گئے، درانحالیکہ آپ ذوالحلیفہ میں وادی (عقیق) کے درمیان

میں معرّس (رات گذارنے کی جگہ) میں تھے، آپؐ سے (خواب میں) کہا گیا: بے شک آپ سنگریزوں والے بابرکت میدان میں ہیں!

(موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں:) اور سالم رحمہ اللہ نے ہم کو وہاں ٹھہرایا، قصد کرتے تھے وہ اس جگہ کا جہاں ابن عمرؓ اونٹ بٹھایا کرتے تھے، قصد کرتے تھے ابن عمرؓ نبی ﷺ کے رات گذارنے کی جگہ کا، اور وہ جگہ اس مسجد سے نیچے ہے جو وادی کے درمیان ہے، (پڑاؤ ڈالنے والے) لوگوں اور راستہ کے بالکل بیچ میں ہے۔

تشریح: پہلے آیا ہے کہ جب آپؐ کسی غزوہ سے یا حج یا عمرہ سے لوٹتے تو وادی (عقیق) کے درمیان سے گذرتے، اور جب آپؐ وادی (عقیق) کے بیچ سے اوپر چڑھتے تو بطحاء (سنگریزوں والی جگہ) میں جو وادی عقیق کے مشرقی کنارہ پر واقع ہے وہاں اونٹ بٹھاتے، اور وہاں رات گذارتے، یہاں تک کہ صبح کرتے، یہی جگہ معرّس ہے، اور اسی جگہ آپؐ نے خواب دیکھا ہے، چنانچہ آپؐ نے وادی عقیق میں تشریف لے جا کر نماز پڑھی۔

یہ جگہ اس مسجد کے پاس نہیں ہے جو پتھروں کی بنی ہوئی ہے، اور نہ اس ٹیلے پر ہے جس پر مسجد بنی ہوئی ہے بلکہ وہاں ایک گہری وادی تھی، ابن عمرؓ اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے، اس وادی کے بیچ میں ریت کے تودے تھے، نبی ﷺ وہاں نماز پڑھا کرتے تھے، پس اس میں پانی کی رَو سنگریزوں کو دھکیل لائی، یہاں تک کہ وہ جگہ چھپ گئی جہاں ابن عمرؓ نماز پڑھا کرتے تھے (تحفۃ القاری ۲: ۳۴۵)

بَابُ غَسْلِ الْخَلُوْقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنَ الثِّيَابِ

کپڑوں سے خوشبو تین مرتبہ دھونا

الخَلوق والخِلاق: ایک قسم کی خوشبو جس کا جزء اعظم زعفران ہوتا ہے۔ جعرانہ میں جہاں نبی ﷺ نے حنین کی غنیمت تقسیم فرمائی ہے تین دن قیام رہا ہے، وہاں سے صحابہ احرام باندھ کر مکہ جاتے تھے اور عمرہ کرتے تھے۔ اس موقعہ کا قصہ ہے: ایک بدّو نے عمرہ کا احرام باندھا اور جبہ پہن رکھا ہے، اور اس پر اور بدن پر خلوق لگا رکھا ہے، کسی نے اس کو مسئلہ بتایا کہ احرام کی حالت میں جبہ پہننا اور خوشبو لگانا جائز نہیں، مگر جو غلطی ہوگئی اس کا کیا؟ اس نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا: آپؐ خاموش رہے، پھر آپؐ پر وحی کے آثار طاری ہوئے، جب آپ پر وحی آتی تو جو بھی موجود ہوتا آپ کو کپڑا اوڑھا دیتا —— ایک صحابی ہیں حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ رکھا تھا کہ جب نبی ﷺ پر وحی آئے تو مجھے دکھانا، چنانچہ جب وحی کے آثار شروع ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت یعلیٰؓ کو لائے اور ان کا سر کپڑے کے نیچے گھسایا اور کہا: دیکھ وحی اس طرح آتی ہے۔ جب وحی پوری ہوئی تو آپؐ نے اعرابی سے فرمایا: ”جبہ نکال دے، اور خوشبو تین مرتبہ دھوڈال اور جس طرح حج کرتا ہے عمرہ کر“

اب چند باتیں سمجھنی ہیں:

۱- حالت احرام میں خوشبو لگانا اور سلا ہوا کپڑا پہننا جنایت ہے، مگر آپؐ نے اس کو جنایت قرار نہیں دیا کیونکہ یہ صورت پہلی بار پیش آئی تھی۔ پس یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے۔

۲- وہ اعرابی جبہ نکال کر رکھ لے گا، اور بدن سے خوشبو دھو کر بے سلا کپڑا پہن لے گا، اس لئے جبہ دھونا ضروری نہیں، لیکن اگر کسی نے ناواقفی میں احرام کی چادر میں خوشبو لگائی ہو اور اس کے پاس دوسری چادر نہ ہو تو وہ اس کو دھو کر استعمال کر سکتا ہے اس طرف اشارہ کرنے کے لئے حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ میں من الثیاب بڑھایا ہے، ورنہ حدیث میں کپڑا دھونے کا ذکر نہیں۔

۳- ناپاک کپڑے کے پاک کرنے کا جو طریقہ فقہ میں لکھا ہے کہ تین مرتبہ دھوؤ اور ہر بار نچوڑو اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

[۱۷-] بَابُ غَسْلِ الْخَلُوْقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنَ الثِّيَابِ

[۱۵۳۶-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ النَّبِيْلُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ، أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ يَعْلَى أَخْبَرَهُ، أَنَّ يَعْلَى قَالَ لِعُمَرَ: أَرِنِيْ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ يُوْحَى إِلَيْهِ، قَالَ: فَبَيْنَمَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْجِعْرَانَةِ، وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، جَاءَ هُ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَارسولَ اللهِ! كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ، وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِطِيْبٍ؟ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سَاعَةً، فَجَاءَ هُ الْوَحْيُ فَأَشَارَ عُمَرُ إِلَى يَعْلَى، فَجَاءَ يَعْلَى، وَعَلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثَوْبٌ، قَدْ أُظِلَّ بِهِ، فَأَدْخَلَ رَأْسَهُ، فَإِذَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مُحْمَرُّ الْوَجْهِ، وَهُوَ يَغِطُّ، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ، فَقَالَ: " أَيْنَ الَّذِيْ سَأَلَ عَنِ الْعُمْرَةِ؟" فَأُتِيَ بِرَجُلٍ، فَقَالَ: " اغْسِلِ الطِّيْبَ الَّذِيْ بِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَانْزِعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ، وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجَّتِكَ" فَقُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَرَادَ الإِنْقَاءَ حِيْنَ أَمَرَهُ أَنْ يَغْسِلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. [انظر: ۱۷۸۹، ۱۸۴۷، ۴۳۲۹، ۴۹۸۵]

حدیث کا آخر: حضرت عمرؓ نے یعلیٰؓ کو اشارہ کیا، پس یعلیٰؓ آئے اور نبی ﷺ پر ایک کپڑا تھا جو آپ کو اوڑھایا گیا تھا، پس حضرت یعلیٰؓ نے کپڑے میں اپنا سر گھسایا، پس اچانک رسول اللہ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے، اور آپ خراٹے لے رہے ہیں، پھر آپؐ سے یہ کیفیت دور کی گئی، یعنی وحی پوری ہوگئی، تو آپؐ نے پوچھا: وہ شخص کہاں ہے جس نے عمرہ کے بارے میں پوچھا تھا؟ پس ایک شخص لایا گیا، آپؐ نے فرمایا: جو خوشبو تیرے بدن پر ہے اسے تین مرتبہ دھو ڈال، اور جبہ نکال دے اور عمرہ میں اس طرح کر جس طرح اپنے حج میں کرتا ہے۔ ابن جریجؒ نے عطاءؒ سے پوچھا: تین مرتبہ دھونے کا حکم آپؐ نے صفائی کے لئے دیا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں۔

بَابُ الطِّيْبِ عِنْدَ الإِحْرَامِ، وَمَا يَلْبَسُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُحْرِمَ؟ وَيَتَرَجَّلُ وَيَدَّهِنُ

احرام شروع کرتے وقت خوشبو لگانا، اور احرام میں کیا کپڑے پہنے؟

اور احرام سے پہلے سر میں تیل کنگھا کرنا

اس باب میں تین مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: احرام شروع کرنے سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے، نبی ﷺ نے جب احرام باندھا تھا تو احرام باندھنے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو خوشبو لگائی تھی۔ جاننا چاہئے کہ کان میں عطر کا پھاہا رکھنا جائز نہیں، اسی طرح اگر کسی نے احرام کی چادر میں خوشبو لگائی تو جب تک وہ چادر بدن پر ہے کچھ حرج نہیں، لیکن جب ایک مرتبہ چادر بدن سے الگ کردی تو اب اس کو اوڑھنا جائز نہیں۔ اس لئے چادر میں خوشبو نہیں لگانی چاہئے، اور بدن پر بھی جہاں کپڑا لگے خوشبو نہیں لگانی چاہئے، کیونکہ کپڑا خوشبودار ہوجائے گا تو اس کو دوبارہ اوڑھنے سے جنابت لازم آئے گی۔ اور نبی ﷺ نے سر میں خوشبو لگائی تھی، وہاں کپڑا نہیں لگتا، پس ایسی جگہ خوشبو لگا سکتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: جب احرام شروع کرے تو کیا کپڑے پہنے؟ یہ مستقل مسئلہ ہے اور آگے دوسرے باب میں آرہا ہے۔

تیسرا مسئلہ: اگر کوئی احرام شروع کرنے سے پہلے سر کو اچھی طرح دھو کر تیل کنگھا کر کے پھر احرام باندھے تو ایسا کرسکتا ہے، باب میں یہ تین مسئلے ہیں، اس کے بعد آثار ہیں اور ان میں بھی مسائل ہیں، مذکورہ تین مسئلوں کے دلائل نہیں ہیں۔

[۱۸-] بَابُ الطِّيْبِ عِنْدَ الإِحْرَامِ، وَمَا يَلْبَسُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُحْرِمَ؟ وَيَتَرَجَّلُ وَيَدَّهِنُ

[۱-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَشُمُّ الْمُحْرِمُ الرَّيْحَانَ، وَيَنْظُرُ فِي الْمِرْآةِ، وَيَتَدَاوَى بِمَا يَأْكُلُ: الزَّيْتَ وَالسَّمْنَ.

[۲-] وَقَالَ عَطَاءٌ: يَتَخَتَّمُ، وَيَلْبَسُ الْهِمْيَانَ.

[۳-] وَطَافَ ابْنُ عُمَرَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَقَدْ حَزَمَ عَلَى بَطْنِهِ بِثَوْبٍ.

[٤-] وَلَمْ تَرَ عَائِشَةُ بِالتُّبَّانِ بَأْسًا، لِلَّذِيْنَ يَرْحَلُوْنَ هَوْدَجَهَا.

[۱۵۳۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ، فَذَكَرْتُهُ لِإِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ: مَا تَصْنَعُ بِقَوْلِهِ؟

[۱۵۳۸-] حَدَّثَنِي الأَسْوَدُ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِي مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَهُوَ مُحْرِمٌ.

[۱۵۳۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لِإِحْرَامِهِ حِيْنَ يُحْرِمُ، وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ. [انظر: ۱۷۵۴، ۵۹۲۲، ۵۹۲۸، ۵۹۳۰]

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: محرم پھول سونگھ سکتا ہے، اور آئینہ میں دیکھ سکتا ہے، اور خوشبودار کھانے کی چیزوں سے علاج کرسکتا ہے، جیسے زیتون اور گھی یعنی زیتون کو پیس کر بدن پر لگا سکتا ہے۔

تشریح: حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے نزدیک محرم کے لئے پھول سونگھنا مکروہ ہے، حنفیہ اور مالکیہ اسی کے قائل ہیں، اور شوافع کے نزدیک حرام ہے (عمدۃ القاری ۹: ۱۵۳)

۲- حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں: محرم انگوٹھی پہن سکتا ہے اور ہمیانی باندھ سکتا ہے، لوگ احرام کے اوپر ایک پٹی باندھتے ہیں اس میں جیب ہوتی ہے، اس میں پیسہ وغیرہ رکھتے ہیں، اس کو ہمیانی کہتے ہیں، احرام میں اس کو باندھنے میں کچھ حرج نہیں۔

۳- ابن عمر رضی اللہ عنہما بحالت احرام طواف کررہے تھے اور انھوں نے پیٹ پر ایک کپڑا باندھ رکھا تھا۔

۴- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج یا عمرہ کے لئے جاتیں تو ہودہ میں بیٹھتی تھیں (ہودہ: اردو تلفظ ہے اور عربی تلفظ ہودج ہے: عماری، کجاوہ جو اونٹ اور ہاتھی پر بیٹھنے کے لئے رکھتے ہیں) اس کو اتارنے اور اونٹ پر رکھنے کے لئے کم از کم دو مزدور چاہئیں، وہ مزدور بھی احرام میں ہوتے تھے، جب وہ ہودہ کو اتاریں گے یا اونٹ پر رکھیں گے تو ستر کھلنے کا اندیشہ ہے، اس لئے حضرت عائشہؓ نے ان کے بارے میں فرمایا: اگر وہ انڈرویر پہنیں تو کچھ حرج نہیں —— مگر ائمہ اربعہ اس سے متفق نہیں، کیونکہ انڈرویر بدن کی ساخت پر سیا جاتا ہے اور جو کپڑے بدن کی ساخت پر سیے گئے ہوں احرام میں ان کو پہننا جائز نہیں۔

حدیث (۱): سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عمر (احرام سے پہلے) زیتون کا تیل لگاتے تھے، پس میں نے یہ بات ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: ابن عمرؓ کے عمل کی کیا ضرورت ہے؟ مجھ سے اسودؒ نے بواسطہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کیا کہ گویا میں نبی ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں، درانحالیکہ آپؐ احرام میں تھے، یعنی احرام شروع کرنے سے پہلے مانگ میں جو خوشبو ڈالی تھی احرام شروع کرنے کے بعد وہ خوشبو باقی تھی۔

تشریح:

۱- ہمارا ملک گرم مرطوب ہے، اگر ہم سال بھر بدن میں تیل نہ لگائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر عرب کا ملک گرم خشک ہے وہاں ہفتہ میں ایک مرتبہ جسم میں تیل لگانا پڑتا ہے، ورنہ بدن پھٹنے لگتا ہے۔ اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما احرام باندھنے سے پہلے بدن میں زیتون کا تیل لگاتے تھے پھر نہا کر احرام باندھتے تھے، ابن عمرؓ کا یہ عمل سعید بن جبیرؒ نے ابراہیم نخعیؒ سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: فعل صحابی کی ضرورت نہیں، اس سلسلہ میں حدیث مرفوع موجود ہے، پھر انھوں نے حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کی حدیث سنائی کہ انھوں نے احرام سے پہلے نبی ﷺ کو مشک ملی ہوئی خوشبو لگائی اور مانگ میں پسی ہوئی خوشبو بھری جو احرام شروع کرنے کے بعد بھی نظر آتی تھی، جب احرام شروع کرنے سے پہلے مشک لگا سکتے ہیں جو اعلی درجہ کی خوشبو ہے تو تیل بدرجۂ اولی لگا سکتے ہیں۔

۲- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فعل صحابی کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب حدیث مرفوع موجود نہ ہو، اگر حدیث مرفوع موجود ہو تو پھر فعل صحابی کی ضرورت نہیں، اگر فعل صحابی حدیث مرفوع کے موافق ہے تو سبحان اللہ اور خلاف ہے تو حدیث مرفوع لیں گے اور فعل صحابی کو چھوڑ دیں گے۔ یہ قاعدہ اس حدیث سے نکلا۔

حدیث (۲): صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نبی ﷺ کو احرام شروع کرنے سے پہلے خوشبو لگاتی تھی جب آپ احرام شروع فرماتے اور جب احرام کھولتے طواف زیارت سے پہلے۔

تشریح: جمہور کے نزدیک احرام سے پہلے ہر قسم کی خوشبو لگانا بلا کراہیت جائز ہے، خواہ وہ دیر تک باقی رہنے والی ہو یا جلدی اڑ جانے والی ہو، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو احرام سے پہلے مشک ملی ہوئی خوشبو لگائی ہے جو دیرپا ہوتی ہے، اور امام مالک اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک احرام سے پہلے ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر احرام کے بعد باقی رہے، اور احرام کھولنے کے بعد طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور یہ مسئلہ آگے (کتاب الحج باب ۱۴۳ میں) آرہا ہے۔

بَابُ مَنْ أَهَلَّ مُلَبِّدًا

جس نے بال چپکا کر احرام باندھا

لبّد الشعرَ کے معنی ہیں: لیس دار چیز یا گوند سے بالوں کو چپکانا۔ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں مدینہ سے مکہ دس دن میں پہنچتے تھے، اور سارا علاقہ ریتیلا تھا، ہوائیں چلتی تھیں، گرد و غبار اڑتا تھا اور آدمی کا برا حال ہو جاتا تھا، اس لئے نبی ﷺ نے کسی لیس دار مادے سے بالوں کو چپکایا تاکہ بال بکھر نہ جائیں، اور ان میں گرد و غبار نہ گھسے، اب کوئی بال نہیں چپکاتا کیونکہ اب ایک دو دن میں احرام کھل جاتا ہے بلکہ بعض مرتبہ ایک دن بھی نہیں لگتا، پھر بند گاڑیوں میں سفر ہوتا ہے وہاں گرد و غبار کا گذر نہیں، اس لئے اب کوئی تلبید نہیں کرتا، اور نہ تلبید کی ضرورت ہے۔

[۱۹-] بَابُ مَنْ أَهَلَّ مُلَبِّدًا

[۱۵۴۰-] حدثنا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُهِلُّ مُلَبِّدًا. [انظر: ۱۵۴۹، ۵۹۱۴، ۵۹۱۵]

ترجمہ: ابن عمرؓ نے نبی ﷺ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا درانحالیکہ آپؐ نے لیس دار مادے سے بال چپکار کھے تھے۔

بَابُ الإِهْلَالِ عِنْدَ مَسْجِدِ ذِی الْحُلَیْفَةِ

ذوالحلیفہ میں نماز پڑھنے کی جگہ کے پاس احرام باندھنا

نبی ﷺ جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تھے تو آپؐ کے خیمہ کے پاس باجماعت نماز کے لئے جگہ ہموار کرلی جاتی تھی، وہیں اذان ہوتی تھی اور وہیں نمازیں پڑھی جاتی تھیں، حج کے لئے جب روانگی ہوئی اور پہلا پڑاؤ ذوالحلیفہ میں ہوا تو وہاں بھی نماز کے لئے جگہ تیار کی گئی، یہی مسجد ہے، اس جگہ کے قریب ایک کیکر کا درخت تھا، آپؐ نے اس کے نیچے احرام کا دوگانہ پڑھا، پھر تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کیا، اب ٹھیک اسی جگہ مسجد بنی ہوئی ہے اور اس میں نہانے دھونے کا معقول انتظام ہے۔

[۲۰-] بَابُ الإِهْلَالِ عِنْدَ مَسْجِدِ ذِی الْحُلَیْفَةِ

[۱۵۴۱-] حدثنا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوْسَی بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ یَقُوْلُ: مَا أَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ، یَعْنِیْ مَسْجِدَ ذِی الْحُلَیْفَةِ.

ترجمہ: نہیں تلبیہ پڑھا رسول اللہ ﷺ نے مگر مسجد کے پاس، مراد لے رہے ہیں ابن عمرؓ ذوالحلیفہ کی مسجد کو۔

بَابٌ: مَالَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّیَابِ

وہ کپڑے جو محرم نہیں پہن سکتا

باب کی حدیث میں سائل نے مثبت پہلو سے سوال کیا ہے کہ محرم کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ اور نبی ﷺ نے منفی پہلو سے جواب دیا ہے کہ یہ یہ کپڑے نہیں پہن سکتا، اور آپؐ نے جواب کا انداز اس لئے بدلا ہے کہ جو کپڑے احرام میں پہن سکتے ہیں وہ بے شمار ہیں اور جو ممنوع ہیں وہ محدود ہیں، اس لئے ان کو بیان فرمایا۔

[۲۱-] بَابٌ: مَالَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّیَابِ

[۱۵۴۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: یَارسولَ اللّٰهِ! مَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّیَابِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "لَا یَلْبَسُ الْقَمِیْصَ،

وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ، إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ أَوْ وَرْسٌ" [راجع: ۱۳٤]
قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ، وَلَا يَتَرَجَّلُ، وَلَا يَحُكُّ جَسَدَهُ، وَيُلْقِي الْقَمْلَ مِنْ رَأْسِهِ وَجَسَدِهِ فِي الْأَرْضِ.

ترجمہ: ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! محرم کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: محرم کرتا نہ پہنے، نہ پگڑیاں باندھے، نہ پائجامے پہنے، نہ کرتے کے ساتھ ملا ہوا سر پوش اوڑھے اور نہ چمڑے کے موزے پہنے، مگر جو شخص چپل نہ پائے تو چاہئے کہ وہ خفین پہنے اور چاہئے کہ وہ ان کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے، اور نہ کوئی ایسا کپڑا پہنے جس کو زعفران یا ورس نے چھویا ہو، یعنی ان میں رنگا گیا ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محرم سر دھو سکتا ہے اور کنگھی نہ کرے اور بدن نہ کھجائے، اور سر اور بدن میں سے جوں زمین پر ڈال دے۔

وہ کپڑے جو محرم کے لئے ممنوع ہیں:

ا و ۲- کرتا اور پائجامہ: محرم ان کو نہیں پہن سکتا اور یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں، وہ احرام کی حالت میں شلوار اور قمیص پہن سکتی ہیں۔ اور علماء نے تنقیح مناط کر کے اس سے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ جو کپڑا بدن کی ساخت پر سیا گیا ہو یا بُنا گیا ہو وہ محرم کے لئے جائز نہیں، مثلاً کُرتا، جبہ، پائجامہ، پتلون، بنیان، چڈی، نیکر، جانگیہ وغیرہ محرم نہیں پہن سکتا، اور وہ کپڑا جو بدن کی ساخت پر نہیں سیا گیا جیسے لنگی بدن کی ساخت پر نہیں سی جاتی بلکہ اس کے دو کنارے ملا کر آگے سے سی دیتے ہیں اس لئے محرم اس کو پہن سکتا ہے۔

۳ و ۴- ٹوپی اور پگڑی: محرم ان کو بھی نہیں پہن سکتا، اور تنقیح مناط کر کے علماء نے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ احرام میں مرد کے لئے سر ڈھانکنا منع ہے، اسی طرح چہرہ ڈھانکنا بھی منع ہے، کیونکہ احرام کی حالت میں عورت کے لئے چہرہ ڈھانکنا منع ہے تو مرد کے لئے بدرجہ اولیٰ منع ہے، مرد کا احرام سر اور چہرہ میں ہے اور عورت کا احرام صرف چہرے میں ہے، عورت کے لئے سر چھپانا جائز ہے، چہرہ چھپانا جائز نہیں۔

البتہ اگر سونے کی حالت میں بے خبری میں کوئی چادر کھینچ لے اور سر ڈھانپ لے تو گناہ نہیں، حدیث میں ہے: تین شخصوں سے قلم اٹھا دیا گیا ہے یعنی وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں، ان میں سے ایک سونے والا بھی ہے (مشکوٰۃ ۳۲۸۷) اور چھتری سے سایہ کرنا سر ڈھانپنا نہیں، کیونکہ اس کے اور سر کے درمیان فاصلہ رہتا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے چھت کے نیچے رہنا بالاتفاق جائز ہے۔

اور بَرَانِس: بُرنُس کی جمع ہے، بُرنُس وہ ٹوپی ہے جو جبہ کے ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے، اور لمبی ٹوپی کو بھی بُرنُس کہتے ہیں۔

۵- چمڑے کے موزے: پہننا بھی جائز نہیں، یعنی پیروں میں بھی احرام ہے اور چونکہ چپل کے بغیر چلنا دشوار ہے اس لئے تلوے اور کعبین (ٹخنوں) سے نیچے ڈھانک سکتے ہیں، البتہ ٹخنے کھلے رکھنے ضروری ہیں، اور ٹخنے دو ہیں: ایک: وہ جہاں تک وضو میں پاؤں دھونا ضروری ہے، یعنی پیر کی دونوں جانبوں میں ابھری ہوئی ہڈیاں، دوسرے: پاؤں کا اوپری حصہ جہاں بال اگتے ہیں، یہ بھی ٹخنے ہیں۔ دونوں ٹخنے کھلے رکھنے ضروری ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کسی کے پاس چپل نہ ہوں تو خفین کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے پھر پہنے، معلوم ہوا کہ پاؤں کے تلوے اور کعبین سے نیچے کا حصہ احرام میں داخل نہیں، اس کو ڈھانک سکتے ہیں، پس محرم جوتی پہن سکتا ہے کیونکہ وہ کاٹے ہوئے خف کی طرح ہوتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسے چپل پہنے جس کے تسمے چوڑے نہ ہوں۔

۶- جو کپڑا زعفران یا ورس میں رنگا گیا ہو: اس کو محرم نہیں پہن سکتا، اور یہ مسئلہ مرد وزن سب کے لئے ہے، اور علماء نے تنقیح مناط کر کے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ ہر وہ کپڑا جو خوشبودار رنگ میں رنگا گیا ہو یا خوشبو میں بسایا گیا ہو محرم نہیں پہن سکتا، نہ مرد پہن سکتا ہے نہ عورت، اور ممانعت کی وجہ خوشبو ہے رنگ نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے احرام کی حالت میں مُعصفر (زرد رنگ میں رنگا ہوا) کپڑا پہنا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتوی ہے کہ محرم معصفر کپڑا پہن سکتا ہے (یہ فتوی اور حضرت عائشہؓ کا عمل آگے دوسرے باب میں آرہا ہے)

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے چند مسائل بیان کئے ہیں: محرم سر دھو سکتا ہے اور نہا بھی سکتا ہے، مگر کنگھی نہ کرے نہ سر اور بدن کھجلائے، کیونکہ بال ٹوٹیں گے اور یہ جنابت ہے اور مجبوری ہو تو احتیاط سے کھجلائے تاکہ بال نہ ٹوٹیں، اور احرام میں جوں مارنا بھی جائز نہیں، اگر جوں ہاتھ میں آجائے تو زمین پر ڈال دے، مارے نہیں۔

بَابُ الرُّكُوبِ وَالِارْتِدَافِ فِي الْحَجِّ

حج کے سفر میں سوار ہونا اور سواری پر کسی کو پیچھے بٹھانا

احرام میں سواری پر سوار ہو سکتے ہیں، اور سواری پر کسی کو پیچھے بھی بٹھا سکتے ہیں، کوئی کہے کہ یہ تو بدیہی مسائل ہیں، اس کے لئے ابواب قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ دقیق مسائل اور اختلافی مسائل بیان کرنا ہی حضرتؒ کے پیش نظر نہیں ہوتا، بلکہ ساری فقہ اسلامی پیش کرنا آپ کے پیش نظر رہتا ہے۔ عوام کے لئے یہ موٹے مسائل بھی ضروری ہیں۔

[۲۲-] بَابُ الرُّكُوبِ وَالِارْتِدَافِ فِي الْحَجِّ

[۱۵۴۳، ۱۵۴۴-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ

يُونُسَ الْأَيْلِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ أُسَامَةَ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ عَرَفَةَ إِلَى الْمُزْدَلِفَةِ، ثُمَّ أَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ إِلَى مِنًى، قَالَ: فَكِلَاهُمَا قَالَ: لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُلَبِّيْ حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

[الحديث: ۱۵٤۳، انظر: ۱٦۸٦] [الحديث: ۱۵٤٤، انظر: ۱٦۷۰، ۱٦۸۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرفہ سے مزدلفہ تک نبی ﷺ کی سواری پر پیچھے بیٹھے تھے، پھر مزدلفہ سے منی تک فضل بن عباسؓ پیچھے بیٹھے تھے، اور وہ دونوں کہتے ہیں: نبی ﷺ برابر تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپؐ نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی۔

تشریح: حج وعمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ افضل ذکر ہے، پس احرام کی حالت میں بار بار تلبیہ پڑھنا چاہئے، پھر جب دس ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرے تو تلبیہ بند کردے۔ اور عمرہ میں جب طواف کے لئے کعبہ کے پاس پہنچے اور حجر اسود کو بوسہ دے تو تلبیہ بند کردے، یہ جمہور کا مذہب ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب عرفہ کا قصد کرے تو تلبیہ بند کردے، اور عمرہ میں اگر میقات سے احرام باندھا ہے تو جب حدود حرم میں داخل ہو تو تلبیہ بند کردے اور اگر حل سے احرام باندھا ہے تو جب مکہ کی آبادی میں داخل ہو یا مسجد حرام میں داخل ہو تو تلبیہ بند کردے۔

بَابُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ وَالْأَرْدِيَةِ وَالْأُزُرِ

کپڑے، چادریں اور لنگیاں جو محرم پہن سکتا ہے

أَرْدِيَة: رِدَاء کی جمع ہے: چادر، اور أُزُر: إزار کی جمع ہے: لنگی۔ یہ باب مثبت پہلو سے ہے، محرم چادر بھی اوڑھ سکتا ہے لنگی بھی باندھ سکتا ہے، اور کپڑے کونسے پہن سکتا ہے؟ اس کی تفصیل باب میں مذکور آثار میں ہے۔

[۲۳-] بَابُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ وَالْأَرْدِيَةِ وَالْأُزُرِ

[۱-] وَلَبِسَتْ عَائِشَةُ الثِّيَابَ الْمُعَصْفَرَةَ، وَهِيَ مُحْرِمَةٌ، وَقَالَتْ: لَا تَلَثَّمْ، وَلَا تَبَرْقَعْ، وَلَا تَلْبَسْ ثَوْبًا بِوَرْسٍ وَلَا زَعْفَرَانٍ.

[۲-] وَقَالَ جَابِرٌ: لَا أَرَى الْمُعَصْفَرَ طِيْبًا.

[۳-] وَلَمْ تَرَ عَائِشَةُ بَأْسًا بِالْحُلِيِّ، وَالثَّوْبِ الْأَسْوَدِ، وَالْمُوَرَّدِ، وَالْخُفِّ لِلْمَرْأَةِ.

[٤-] وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُبَدِّلَ ثِيَابَهُ.

۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے احرام میں عصفر میں رنگے ہوئے کپڑے پہنے، اور فرمایا: عورت احرام میں ڈھاٹا نہ

باندھے، اور نہ نقاب ڈالے اور نہ ورس اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہنے۔

لغات: العُصفو: ایک زرد رنگ کی بوٹی جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں.......... تَلَثَّمَتِ الْمَرأۃ: ڈھاٹا باندھنا، منہ پر کپڑے کی پٹی باندھنا.......... تبرْقَعَت المراۃ: برقع اوڑھنا، نقاب ڈالنا.......... بِوَرْسٍ: أی مصبوغاً بورس الوَرْس: ایک قسم کا پودا جو رنگائی کے کام میں لایا جاتا ہے، اور ہندوستان، عرب اور ملک حبشہ میں پیدا ہوتا ہے۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تین مسئلے بیان کئے ہیں:

(۱) عصفر میں رنگا ہوا کپڑا پہننا جائز ہے، انھوں نے احرام میں پہنا ہے، جمہور کی بھی یہی رائے ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ منع کرتے ہیں، اور اس کو جنایت قرار دیتے ہیں۔ اور اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ معصفر کپڑے میں خوشبو ہوتی ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک اس میں خوشبو نہیں ہوتی اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ہوتی ہے۔ جیسے ویکس میں خوشبو ہے یا نہیں؟ اور احرام میں ویکس لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ میرے نزدیک لگا سکتے ہیں، کیونکہ اس میں خوشبو نہیں ہے، بلکہ بدبو ہے، مگر بعض مفتیانِ کرام کے نزدیک اس میں خوشبو ہے، چنانچہ وہ منع کرتے ہیں۔

پھر اگر معصفر کپڑے میں خوشبو ہے تو وہ نئے کپڑے میں ہوتی ہے، جب بار بار دھونے کی وجہ سے خوشبو ختم ہو جائے، اور صرف رنگ رہ جائے تو پہن سکتے ہیں، کیونکہ احرام میں خوشبودار کپڑا ممنوع ہے، رنگین کپڑا ممنوع نہیں۔

(۲) عورت کا احرام چہرے میں ہے، جتنا حصہ وضو میں دھونا فرض ہے عورت کے لئے احرام میں اس کو کھلا رکھنا ضروری ہے، پس عورت کسی طرح چہرے کو نہ چھپائے، نہ ڈھاٹا باندھے نہ نقاب ڈالے، مگر اجنبیوں سے پردہ کرنا ضروری ہے، اور اس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، مثلاً پنکھا ہاتھ میں رکھے، اور بس وغیرہ میں چہرے کے سامنے پنکھا کر کے بیٹھے، یا ایسا نقاب ڈالے جو چہرے سے نہ لگے، دور رہے۔

(۳) ورس اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا احرام میں نہ مرد پہن سکتا ہے نہ عورت، اور وجہ ممانعت خوشبو ہے۔

۲- حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں معصفر کپڑے کو خوشبودار نہیں سمجھتا (یہی جمہور کی رائے ہے)

۳- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک عورت احرام میں زیور، کالا کپڑا، گلابی کپڑا (جبکہ خوشبودار نہ ہو) اور چمڑے کے موزے پہن سکتی ہے۔

۴- ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: محرم کپڑے بدل سکتا ہے۔

[۱۵۴۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَى ابْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: انْطَلَقَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْمَدِينَةِ بَعْدَ مَا تَرَجَّلَ وَادَّهَنَ، وَلَبِسَ إِزَارَهُ وَرِدَاءَهُ، هُوَ وَأَصْحَابُهُ، فَلَمْ يَنْهَ عَنْ شَيْءٍ مِنَ الْأَرْدِيَةِ وَالْأُزُرِ أَنْ تُلْبَسَ، إِلَّا الْمُزَعْفَرَةَ الَّتِي تَرْدَعُ عَلَى الْجِلْدِ، فَأَصْبَحَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، رَكِبَ رَاحِلَتَهُ حَتَّى

اسْتَوَى عَلَى الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ، هُوَ وَأَصْحَابُهُ، وَقَلَّدَ بُدْنَهُ. وَذٰلِكَ لِخَمْسٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ، فَقَدِمَ مَكَّةَ لِأَرْبَعِ لَيَالٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ، وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَلَمْ يَحِلَّ مِنْ أَجْلِ بُدْنِهِ لِأَنَّهُ قَلَّدَهَا، ثُمَّ نَزَلَ بِأَعْلَى مَكَّةَ عِنْدَ الْحَجُوْنِ وَهُوَ مُهِلٌّ بِالْحَجِّ، وَلَمْ يَقْرَبِ الْكَعْبَةَ بَعْدَ طَوَافِهِ بِهَا حَتَّى رَجَعَ مِنْ عَرَفَةَ، وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ يُقَصِّرُوْا مِنْ رُؤُسِهِنَّ، ثُمَّ يَحِلُّوْا. وَذٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ بَدَنَةٌ قَلَّدَهَا، وَمَنْ كَانَتْ مَعَهُ امْرَأَتُهُ فَهِيَ لَهُ حَلَالٌ، وَالطِّيْبُ وَالثِّيَابُ. [انظر: ۱۶۲۵، ۱۷۳۱]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ منورہ سے تیل کنگھا کر کے نکلے، یعنی نہادھو کر نکلے، اور آپؐ نے اور آپؐ کے اصحاب نے چادریں اور لنگیاں پہنیں (یہی جزء باب سے متعلق ہے) اور آپؐ نے کسی چادر اور لنگی کے پہننے سے منع نہیں کیا (اُن سے پہلے مِن پوشیدہ ہے) مگر اس زعفرانی چادر اور لنگی سے جس سے زعفران بدن پر جھڑ رہی ہو، یعنی بدن خوشبودار ہو رہا ہو، پس آپؐ نے ذوالحلیفہ میں صبح کی (اور صبح میں) اپنی سواری پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ بیداء نامی ٹیلے پر چڑھے، پس آپؐ نے اور آپؐ کے اصحاب نے تلبیہ پڑھا اور آپؐ نے اپنے اونٹوں کو ہار پہنایا، اور یہ نکلنا اس وقت ہوا جب ذی قعدہ کی پانچ راتیں باقی رہ گئیں یعنی ۲۵ ذی قعدہ کو ذوالحلیفہ سے روانہ ہوئے، پس آپؐ مکہ پہنچے جب ذی الحجہ کی چار راتیں گذر گئیں یعنی ۴؍ ذی الحجہ کو مکہ پہنچے (مکہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے) آپؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، اور اپنی ہدی ساتھ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے احرام نہیں کھولا، اس لئے کہ آپؐ نے ان کو ہار پہنایا تھا، پھر آپؐ نے مکہ کے بالائی حصہ میں حجون قبرستان کے قریب پڑاؤ ڈالا، درانحالیکہ آپؐ حج کا احرام باندھے ہوئے تھے اور آپؐ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد کعبہ کے پاس نہیں گئے یعنی اور کوئی طواف نہیں کیا، یہاں تک کہ عرفہ سے لوٹے اور آپؐ نے اپنے اصحاب کو بیت اللہ کا طواف کرنے کا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم دیا۔ پھر انھوں نے اپنے سروں کو کتروایا یعنی پٹھے بنوائے (مصری نسخہ میں، فتح الباری اور عمدۃ القاری میں رؤسھم: مذکر کی ضمیر ہے اور وہی صحیح ہے) پھر وہ حلال ہوگئے، اور یہ ان لوگوں نے کیا جن کے پاس ایسی ہدی نہیں تھی جس کو انھوں نے ہار پہنایا ہو، اور جس کے ساتھ بیوی تھی اس کے لئے بیوی حلال ہوگئی اور خوشبو لگانا اور کپڑے پہننا بھی حلال ہوگیا، یعنی احرام مکمل کھل گیا۔

تشریح:

۱- نبی ﷺ مدینہ منورہ سے نہادھو کر تیل کنگھا کر کے روانہ ہوئے، اور ذوالحلیفہ میں رات گذاری وہاں رات میں سب ازواج سے مباشرت فرمائی، اور آخر میں ایک غسل کیا، پھر طلوع شمس کے بعد احرام کا دوگانہ پڑھا اور احرام شروع کیا۔

۲- عرب ابتدائی پندرہ راتوں کے لئے خَلَوْن اور آخری پندرہ راتوں کے لئے بَقِيْن استعمال کرتے ہیں۔

۳- ذوالحلیفہ سے سب حضرات بشمول نبی ﷺ حج کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے تھے، کیونکہ جاہلیت سے یہ تصور چلا

آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ ہے، اور شریعت کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے سب نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، پھر مکہ پہنچنے پر وحی آئی کہ جس کے ساتھ قربانی نہیں ہے وہ حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دے یعنی نیت بدل دے اور افعال عمرہ کر کے احرام کھول دے، چنانچہ لوگوں نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا، اور آپؐ نے احرام نہیں کھولا، کیونکہ آپؐ کے ساتھ ہدی تھی، اور آپؐ نے حج کے احرام کے ساتھ عمرہ کا احرام ملالیا، پس آپؐ قارن ہو گئے۔

۴- نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر سب سے پہلے طواف کیا پھر سعی کی، مگر احرام نہیں کھولا، کیونکہ آپؐ کے ساتھ قربانیاں تھیں، جب تک وہ ذبح نہ ہوں احرام نہیں کھول سکتے تھے، اس لئے آپؐ نے حج کے ساتھ عمرہ کی نیت کر لی، اب آپؐ قارن ہو گئے اور آپؐ نے تلبیہ پڑھا: لبیك عمرةً في حجة: یہ اس موقع پر آپؐ نے تلبیہ پڑھا تھا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپؐ نے حج کے احرام کے ساتھ عمرہ کا احرام ملالیا ہے۔

اور آنحضور ﷺ نے مکہ پہنچنے پر جو طواف کیا تھا وہ عمرہ کا طواف تھا یا طواف قدوم تھا؟ ائمہ ثلاثہ اس کو طواف قدوم قرار دیتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ اس کو طواف عمرہ قرار دیتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس کے بعد سعی کی ہے، اور طواف قدوم کے بعد سعی نہیں ہے اور وہ حج کی سعی بھی نہیں تھی کیونکہ آپؐ نے طواف زیارت کے بعد بھی سعی کی ہے، اس لئے حنفیہ کے نزدیک قارن پر دو طواف اور دو سعی ہیں اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

۵- نبی ﷺ نے مکہ پہنچ کر ایک طواف کیا پھر چار دن مکہ میں رہے، آپؐ ۴؍ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے ہیں، پھر آٹھ کو منی کے لئے نکلے ہیں، ان چار دنوں میں آپؐ نے کوئی طواف نہیں کیا حالانکہ مکہ میں افضل عبادت طواف ہے۔ آپؐ نے ایسا تشریع کے مقصد سے کیا تھا، اگر آپ طواف کرتے تو لوگ اس کو ضروری سمجھ لیتے، جیسے شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں بالقصد تہجد نہیں پڑھا، کیونکہ پورا جزیرۃ العرب جمع تھا، اگر آپؐ تہجد پڑھتے تو لوگ اس کو ضروری سمجھ لیتے، اسی طرح اگر آپؐ نفلی طواف کرتے تو لوگ اس کو ضروری سمجھ لیتے اس لئے آپؐ نے ان چار دنوں میں کوئی طواف نہیں کیا۔

بَابُ مَنْ بَاتَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ حَتَّى أَصْبَحَ

جس نے ذوالحلیفہ میں رات گذاری یہاں تک کہ صبح ہوئی

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ میقات پر بغیر احرام کے رہ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ میں بغیر احرام کے رات گذاری ہے اور سب ازواج سے صحبت فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ میقات پر بغیر احرام کے رہ سکتے ہیں البتہ احرام کے بغیر میقات سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

[۲۴-] بَابُ مَنْ بَاتَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ حَتّٰی أَصْبَحَ

قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم.

[۱۵۴۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ یُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَیْجٍ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّی النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم بِالْمَدِیْنَةِ أَرْبَعًا، وَبِذِی الْحُلَیْفَةِ رَكْعَتَیْنِ، ثُمَّ بَاتَ حَتّٰی أَصْبَحَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ، فَلَمَّا رَكِبَ رَاحِلَتَهُ وَاسْتَوَتْ بِهِ أَهَلَّ.
[راجع: ۱۰۸۹]

[۱۵۴۶-] حدثنا قُتَیْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَیُّوْبُ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم صَلَّی الظُّهْرَ بِالْمَدِیْنَةِ أَرْبَعًا، وَصَلَّی الْعَصْرَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ رَكْعَتَیْنِ، قَالَ: وَأَحْسِبُهُ بَاتَ بِهَا حَتّٰی أَصْبَحَ. [راجع: ۱۰۸۹]

حوالہ: یہ حدیثیں ابواب تقصیر الصلاۃ (باب ۵ تحفۃ القاری ۳: ۴۲۳) میں گذر چکی ہیں، اور یہاں ثم بات حتی اصبح سے استدلال ہے۔

بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالإِهْلَالِ

تلبیہ زور سے پڑھنا

تلبیہ میں رفع صوت مطلوب ہے، کیونکہ ذکر اگر مسلسل سرا کیا جائے تو طبیعت تھک جاتی ہے اور ہلکے جہر سے کیا جائے تو نشاط رہتا ہے۔ علاوہ ازیں: حج میں جو مصلحتیں ملحوظ ہیں ان میں سے ایک مصلحت اللہ کا بول بالا کرنا ہے اور زور سے تلبیہ پڑھنا اس مقصد کی تکمیل کرتا ہے، اس لئے اس کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے، مگر عورت سرا تلبیہ پڑھے، کیونکہ اس کی آواز بھی ستر ہے، البتہ اگر عورت تنہا ہو تو زور سے تلبیہ پڑھ سکتی ہے۔

[۲۵-] بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالإِهْلَالِ

[۱۵۴۸-] حدثنا سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ، عَنْ أَیُّوْبَ، عَنْ أَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّی النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم بِالْمَدِیْنَةِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا، وَالْعَصْرَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ رَكْعَتَیْنِ، وَسَمِعْتُهُمْ یَصْرُخُوْنَ بِهِمَا جَمِیْعًا.

قوله: یصرخون بهما: ای بالحج والعمرة یعنی جنھوں نے حج کا احرام باندھا تھا حجۃ الوداع میں وہ بھی تلبیہ زور

سے پڑھتے تھے، اور جنھوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، جبکہ نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا، حدیبیہ کے سال اور عمرۃ القضاء کے سال وہ بھی تلبیہ زور سے پڑھتے تھے، اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ حجۃ الوداع کے سال سب نے ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھا تھا۔

بَابُ التَّلْبِيَةِ

تلبیہ کا بیان

احرام تلبیہ سے شروع ہوتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک کوئی بھی ذکر تلبیہ کے قائم مقام ہوجاتا ہے، یعنی حج یا عمرہ کی نیت کرنے کے بعد کوئی بھی اللہ کا ذکر کیا جائے مثلاً الحمد للہ کہا یا سبحان اللہ کہا تو احرام شروع ہوگیا، یہ ذکر تلبیہ کے قائم مقام ہوجائے گا۔ اور باب کی حدیثوں میں تلبیہ کا تذکرہ ہے۔

[۲۶-] بَابُ التَّلْبِيَةِ

[۱۵۴۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ تَلْبِيَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَاشَرِيْكَ لَكَ" [راجع: ۱۵۴۰]

[۱۵۵۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِيْ عَطِيَّةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنِّيْ لَأَعْلَمُ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُلَبِّيْ: " لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ"

تَابَعَهُ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، وَقَالَ شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ، قَالَ: سَمِعْتُ خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِيْ عَطِيَّةَ، قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ.

تلبیہ کا ترجمہ: میں بار بار حاضر ہوں، اے اللہ! میں بار بار حاضر ہوں۔ میں بار بار حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں بار بار حاضر ہوں (آپ کا کوئی شریک نہیں: یعنی آپ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہورہا ہوں) بے شک حمد وثنا اور نعمتیں اور فرمان روائی آپ کے لئے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں یعنی تینوں باتوں میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔

لغت: لَبٌّ: مصدر بمعنی صفت ہے، لَبَّ بالمکان (ن) لَبًّا: قیام کرنا، برقرار رہنا، اور تثنیہ (حالت نصبی جری میں) لَبَّیْنِ ہے، اس کی ضمیر خطاب کی طرف اضافت کی گئی ہے، اس لئے تثنیہ کا نون گر گیا ہے، اور یہ تثنیہ تکرار کے لئے ہے، جیسے کرتین (سورۃ الملک) یعنی میں اطاعت کے لزوم کی وجہ سے بار بار حاضر ہوں۔

تشریح: آنحضور ﷺ حج اور عمرہ میں یہی تلبیہ پڑھتے تھے، اس تلبیہ میں چار جگہ وقف کرنا مستحب ہے، عبارت میں علامت وقف لگا کر اس کی نشاندہی کردی گئی ہے۔ اور تلبیہ میں یہ الفاظ اس لئے پسند کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے مولیٰ کی بندگی پر برقرار رہنے کی ترجمانی کرتے ہیں، اور اس کو یہ بات یاد دلاتے ہیں کہ اب وہ بندگی کے لئے کمربستہ ہے، پس اس کو عبادت کا پورا پورا حق ادا کرنا چاہئے۔ اور تلبیہ میں دو مرتبہ لاشریك لك شامل کیا گیا ہے، کیونکہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنے بتوں کی تعظیم کرتے تھے اور تلبیہ میں ان کا بھی تذکرہ کرتے تھے، وہ کہتے تھے: لاشریك لك إلا شریكا هو لك تَمْلِكُه وما مَلَكَ یعنی آپ کا کوئی شریک نہیں، مگر وہ شریک جو آپ کا ہے جس کے آپ مالک ہیں اور وہ مالک نہیں، چنانچہ مشرکین کی تردید کے لئے اور مسلمانوں کے تلبیہ کو مشرکوں کے تلبیہ سے جدا کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ میں یہ جملے بڑھائے ہیں۔

سند کا بیان: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آخری جملہ: لاشریك لك: نہیں ہے۔ اور یہ روایت سلیمان اعمشؒ سے سفیان ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ نقل کرتے ہیں، سفیان کی اسناد میں اعمش کے استاذ عمارہ ہیں، اور شعبہ کی اسناد میں خیثمہ بن عبدالرحمٰن جُعفی، پھر دونوں ابوعطیہ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

اور اکثر محدثین کا خیال ہے کہ دونوں سندیں صحیح ہیں، اور ابوحاتم رازی کی کتاب العلل میں رائے یہ ہے کہ ثوریؒ کی سند راجح ہے، کیونکہ ابو معاویہ: اعمش سے اسی طرح روایت کرتے ہیں، پس یہ متابعت تامہ ہے، اور شعبہ کی سند وہم ہے، کیونکہ ان کا کوئی متابع نہیں۔

بَابُ التَّحْمِیْدِ وَالتَّسْبِیْحِ وَالتَّکْبِیْرِ قَبْلَ الإِهْلَالِ عِنْدَ الرُّکُوْبِ عَلَى الدَّابَّةِ

سواری پر سوار ہوتے وقت تلبیہ پڑھنے سے پہلے تسبیح وتحمید وتکبیر کہنا

نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ میں کیکر کے درخت کے پاس احرام کا دوگانہ پڑھا، اور تلبیہ کہہ کر احرام شروع کیا، پھر جب روانگی کا وقت آیا اور اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو آپؐ نے پھر تلبیہ پکارا۔ پھر تسبیح وتحمید وتکبیر کہتے ہوئے چلے، یہاں تک کہ جب بیداء ٹیلے پر چڑھے تو پھر زور سے تلبیہ پڑھا۔

احرام میں تلبیہ افضل ذکر ہے، مگر دیگر اذکار بھی کرسکتے ہیں، کیونکہ ایک ہی ذکر زبان کا لقلقہ[1] (محض آواز) بن جاتا ہے، زبان سے الفاظ نکلتے ہیں اور دل ودماغ غیر حاضر ہوتے ہیں، اس لئے اذکار بدلتے رہنا چاہئے، جیسے مکہ میں افضل عبادت طواف ہے، لیکن قرآن بھی پڑھ سکتے ہیں، نفلیں بھی پڑھ سکتے ہیں، ذکر واذکار بھی کرسکتے ہیں، اسی طرح احرام میں بھی دیگر اذکار جائز ہیں۔

(۱) لقلقہ کے اصل معنی ہیں: سارس کی آواز، سارس ایک پرندہ ہے، نر اور مادہ ساتھ رہتے ہیں، اور ساتھ اڑتے ہیں، اور اڑتے ہوئے خاص قسم کی آواز نکالتے ہیں، یہ لقلقہ ہے ۱۲

[۲۷-] بَابُ التَّحْمِيدِ وَالتَّسْبِيحِ وَالتَّكْبِيرِ قَبْلَ الإِهْلَالِ عِنْدَ الرُّكُوبِ عَلَى الدَّابَّةِ

[۱۵۵۱-] حدثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ مَعَهُ بِالْمَدِينَةِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا، وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ بَاتَ بِهَا حَتَّى أَصْبَحَ، ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ: حَمِدَ اللهَ وَسَبَّحَ وَكَبَّرَ، ثُمَّ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ، وَأَهَلَّ النَّاسُ بِهِمَا، فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَ النَّاسَ فَحَلُّوْا، حَتَّى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ أَهَلُّوْا بِالْحَجِّ، قَالَ: وَنَحَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَدَنَاتٍ بِيَدِهِ قِيَامًا، وَذَبَحَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِالْمَدِينَةِ كَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: قَالَ بَعْضُهُمْ: هٰذَا، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ أَنَسٍ. [راجع: ۱۰۸۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں یعنی نماز پوری پڑھی، قصر نہیں کیا کیونکہ ابھی سفر شروع نہیں ہوا تھا۔ اور ہم آپؐ کے ساتھ تھے اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں یعنی قصر کیا، اور ذوالحلیفہ میں رات گذاری یہاں تک کہ صبح کی، پھر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب آپؐ کی سواری آپ کو لے کر بیداء نامی ٹیلہ پر چڑھی تو آپؐ نے اللہ کی حمد وثناء کی، اور پاکی بیان کی اور بڑائی بیان کی (یہاں باب ہے) پھر حج وعمرہ کا تلبیہ پکارا یعنی احرام شروع کیا (یہ اختلاف روات ہے، اس وقت عمرہ کا تصور نہیں تھا) اور لوگوں نے بھی دونوں کا تلبیہ پکارا، پس جب ہم مکہ مکرمہ آئے تو آپؐ نے لوگوں کو (عمرہ کرکے احرام کھولنے کا) حکم دیا، پس لوگوں نے احرام کھول دیا، یہاں تک کہ یوم الترویہ (آٹھ ذی الحجہ) آگیا تو لوگوں نے حج کا احرام باندھا۔ راوی کہتا ہے: اور نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کچھ اونٹ (۶۳ اونٹ) نحر کئے درانحالیکہ وہ کھڑے تھے (اونٹ میں نحر مسنون ہے، اور نحر کھڑے کھڑے کیا جاتا ہے) اور نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں دو چتکبرے مینڈھے ذبح کئے (یہ عید الاضحیٰ کے موقعہ کی روایت ہے) امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض روات ایوب سختیانی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے درمیان مجہول واسطہ بڑھاتے ہیں۔

تشریح:

۱- جب سواری آپ کو لے کر بیداء نامی ٹیلہ پر چڑھی تو آپؐ نے تسبیح وتحمید اور تکبیر کہی پھر تلبیہ پڑھا یعنی احرام شروع کیا: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، یعنی احرام شروع کرنے سے پہلے تسبیح وتحمید اور تکبیر کہی مگر یہ بات صحیح نہیں۔ آپؐ نے کیکر کے درخت کے پاس دوگانۂ احرام پڑھ کر احرام شروع کیا تھا مگر جن لوگوں نے پہلی بار یہ تلبیہ سنا انھوں۔ نے یہی روایت کیا کہ آپؐ نے یہاں سے احرام شروع کیا۔

۲- صحابہ نے مکہ پہنچ کر عمرہ کرکے احرام کھول دیا، اگر انھوں نے حج وعمرہ دونوں کا تلبیہ پکارا تھا تو قران ہوگیا، پس عمرہ

کر کے احرام کیسے کھولیں گے؟ یہ اشکال ہے، صحیح بات یہ ہے کہ اس وقت عمرہ کا تصور نہیں تھا۔

۳- آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ ذبح کئے تھے، تریسٹھ اونٹ آپؐ مدینہ منورہ سے ساتھ لائے تھے، باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے، اور آپؐ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح کئے، پھر آپؐ تھک گئے تو باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کئے، اور سو اونٹ اس لئے ذبح کئے تھے کہ سب حاجیوں کو گوشت پہنچے۔ اس سفر میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ ساتھ تھے، اور اکثر غریب تھے، ان کو گوشت پہنچے اس مقصد سے آپؐ نے یہ قربانیاں کی تھیں۔

۴- آنحضور ﷺ کو مدینہ منورہ میں تریسٹھ اونٹوں کا ملنا اور تریسٹھ اونٹ ذبح کر کے آپ کا تھک جانا اس میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہوگی، اور اس سے زیادہ عجیب اشارہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں ۶۳ ویں سورت سورۃ المنافقین کی آخری آیت ہے: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا﴾: ہرگز ڈھیل نہ دے گا اللہ کسی کو جب اس کا وقت آپہنچے گا، اس میں بھی اشارہ ہے کہ آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہوگی، مگر یہ اشارہ امت کی سمجھ میں بعد میں آیا اور اس کو نکتہ بعد الوقوع کہتے ہیں۔

بَابُ مَنْ أَهَلَّ حِيْنَ اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ

جس نے تلبیہ پکارا جب اونٹنی اس کو لے کر کھڑی ہوئی

یہ ایک روایت ہے کہ جب سواری آپ کو لے کر کھڑی ہوئی تب آپؐ نے تلبیہ پڑھا اور احرام شروع کیا، مگر واقعہ ایسا نہیں۔

[۲۸-] بَابُ مَنْ أَهَلَّ حِيْنَ اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ

[۱۵۵۲-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَهَلَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ قَائِمَةً [راجع: ۱۶۶]

بَابُ الإِهْلَالِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ

قبلہ رخ ہو کر تلبیہ پڑھنا

دوگانہ احرام پڑھ کر قبلہ رخ ہو کر تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کرنا چاہئے، اور سواری پر ہو تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اونٹ کو قبلہ رخ کرتے تھے پھر تلبیہ پڑھ کر احرام شروع کرتے تھے، مگر ایسا کرنا ضروری نہیں۔

[۲۹-] بَابُ الإِهْلَالِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ

[۱۵۵۳-] وَقَالَ أَبُوْ مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ

إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ، أَمَرَ بِرَاحِلَتِهِ فَرُحِلَتْ، ثُمَّ رَكِبَ، فَإِذَا اسْتَوَتْ بِهِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ قَائِمًا، ثُمَّ يُلَبِّى، حَتَّى يَبْلُغَ الْحَرَمَ، ثُمَّ يُمْسِكُ، حَتَّى إِذَا جَاءَ ذَا طُوًى بَاتَ بِهِ حَتَّى يُصْبِحَ، فَإِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ اغْتَسَلَ، وَزَعَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَعَلَ ذٰلِكَ، تَابَعَهُ إِسْمَاعِيْلُ عَنْ أَيُّوْبَ فِى الْغَسْلِ.

[انظر: ١٥٥٤، ١٥٧٣، ١٥٧٤]

ترجمہ: نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب فجر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھ لیتے تو سواری کو تیار کرنے کا حکم دیتے، پس سواری تیار کی جاتی، پھر آپؓ سوار ہوتے، پس جب سواری آپؓ کو لے کر کھڑی ہوتی تو اس کو قبلہ رخ کرتے، کھڑی ہونے کی حالت میں، پھر تلبیہ پڑھتے، یہاں تک کہ حرم میں پہنچ جاتے یعنی حرم میں پہنچنے تک وقفہ وقفہ سے تلبیہ پڑھتے رہتے، پھر (حرم میں پہنچ کر) تلبیہ بند کردیتے، یہاں تک کہ جب ذوطوی نامی جگہ میں پہنچتے تو وہاں رات گذارتے، یہاں تک کہ صبح کرتے، پھر جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو غسل کرتے (پھر مکہ میں داخل ہوتے) اور فرماتے: نبی ﷺ اسی طرح کرتے تھے، اور اسماعیل کی روایت میں بھی غسل کرکے مکہ میں داخل ہونے کا مضمون ہے وہ روایت آگے آرہی ہے۔

تشریح: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر عمرہ کرنے والا میقات سے احرام باندھ کر آیا ہے تو حدودِ حرم میں داخل ہوتے ہی تلبیہ بند کردے گا، مذکورہ حدیث ان کی دلیل ہے، تفصیل (کتاب الحج باب ۲۲ میں) گذر چکی ہے۔

[١٥٥٤-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيْعِ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا أَرَادَ الْخُرُوْجَ إِلَى مَكَّةَ ادَّهَنَ بِدُهْنٍ لَيْسَ لَهُ رَائِحَةٌ طَيِّبَةٌ، ثُمَّ يَأْتِى مَسْجِدَ ذِى الْحُلَيْفَةِ فَيُصَلِّى، ثُمَّ يَرْكَبُ، فَإِذَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ قَائِمَةً أَحْرَمَ ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُ.

[راجع: ١٥٥٣]

ترجمہ: نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ کے ارادہ سے (یعنی حج یا عمرہ کے لئے) نکلتے تو ایسا تیل لگاتے جس میں خوشبو نہ ہوتی، پھر مسجد ذوالحلیفہ میں آتے اور دوگانہ احرام ادا کرتے پھر سوار ہوتے پس جب آپؓ کو لے کر سواری سیدھی کھڑی ہوجاتی تو احرام شروع کرتے یعنی تلبیہ پڑھتے، پھر فرماتے: میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

بَابُ التَّلْبِيَةِ إِذَا انْحَدَرَ فِى الْوَادِىْ

جب میدان میں اترے تو تلبیہ پڑھنا

سفرِ حج وعمرہ میں جب کسی بلند جگہ چڑھے تو تلبیہ پڑھے اور جب نشیب میں اترے تو بھی تلبیہ پڑھے، یہ مستحب ہے۔

[۳۰-] بَابُ التَّلْبِيَةِ إِذَا انْحَدَرَ فِي الْوَادِيْ

[۱۵۵۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَذَكَرُوْا الدَّجَّالَ، أَنَّهُ قَالَ: "مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ: كَافِرٌ" قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَمْ أَسْمَعْهُ، وَلَكِنَّهُ قَالَ: "أَمَّا مُوْسَى كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ إِذِ انْحَدَرَ فِي الْوَادِيْ يُلَبِّيْ"[انظر: ۳۳۵۵، ۵۹۱۳]

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے، پس لوگوں نے دجال کا تذکرہ کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان 'کافر' لکھا ہوگا" مجاہدؒ کہتے ہیں: پس ابن عباسؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے یہ بات نہیں سنی، البتہ یہ بات سنی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "رہے موسیٰ تو گویا میں ان کو دیکھ رہا ہوں جب وہ نشیب میں اترے تو تلبیہ پڑھ رہے ہیں"

تشریح: یہ خواب ہے، نبی ﷺ نے خواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ حج کے لئے مکہ آئے ہیں، جب ان کی سواری نشیبی جگہ میں اترتی تو وہ تلبیہ پڑھتے۔ انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا، مگر تمام انبیاء نے حج بیت اللہ کا کیا ہے۔

بَابٌ: كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ؟

حائضہ اور نفاس والی عورت احرام کس طرح باندھے؟

جو عورت حالت حیض میں یا نفاس میں ہو، اور اس کو حج یا عمرہ کا احرام باندھنا ہو تو اس کو نہا کر اور بالوں کو سنوار کر احرام باندھنا چاہئے۔ یہ نہانا اگرچہ غیر مفید ہے کیونکہ وہ حالت حیض میں ہے تاہم اسے نہا کر احرام باندھنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب عمرہ کا احرام توڑا تھا اور حج کا احرام باندھا تھا تو بالوں کو کھول کر، نہا کر اور بالوں میں تیل کنگھا کر کے احرام باندھا تھا۔ یہاں روایت میں اگرچہ نہانے کا تذکرہ نہیں ہے مگر ابوداؤد (حدیث ۱۷۸۵) میں اسی حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

ملحوظہ: ایسا ہی ایک باب کتاب الحیض (باب ۱۸) میں گذرا ہے، وہاں صرف حائضہ کا تذکرہ تھا اور یہاں نفساء کا بھی ذکر ہے اور اتنا فرق حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک نیا باب قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔

[۳۱-] بَابٌ: كَيْفَ تُهِلُّ الْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ؟

أَهَلَّ: تَكَلَّمَ بِهِ، وَاسْتَهْلَلْنَا وَأَهْلَلْنَا الْهِلاَلَ: كُلُّهُ مِنَ الظُّهُوْرِ، وَاسْتَهَلَّ الْمَطَرُ: خَرَجَ مِنَ السَّحَابِ، ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾[المائدة:۳] وَهُوَ مِنِ اسْتِهْلاَلِ الصَّبِيِّ.

[۱۵۵۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ،

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَأَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْىٌ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ لَايَحِلُّ حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيْعًا" فَقَدِمْتُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ، وَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَشَكَوْتُ ذٰلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "انْقُضِيْ رَأْسَكِ، وَامْتَشِطِيْ، وَأَهِلِّيْ بِالْحَجِّ، وَدَعِي الْعُمْرَةَ" فَفَعَلْتُ، فَلَمَّا قَضَيْنَا الْحَجَّ أَرْسَلَنِيْ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ إِلَى التَّنْعِيْمِ، فَاعْتَمَرْتُ، فَقَالَ: "هٰذِهِ مَكَانُ عُمْرَتِكِ" قَالَتْ: فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا أَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ حَلُّوْا، ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا آخَرَ بَعْدَ أَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنًى، وَأَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَاحِدًا. [راجع: ۲۹٤]

لغت: باب میں تُهِلُّ آیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اس کے معنی بیان کرتے ہیں: أَهَلَّ کے معنی ہیں: تکلّم بہ: کوئی بات بولنا، کہیں گے: أَهَلَّ بِالتَّلْبِيَةِ: زور سے تلبیہ پڑھا۔ اور استَهْلَلْنَا الهلال اور أَهْلَلْنَا الهلالَ کے معنی ہیں: چاند دیکھنا۔ اور سب میں مشترک معنی ہیں: ظاہر ہونا۔ جب آدمی کوئی بات بولتا ہے تو مافی الضمیر ظاہر ہوتا ہے، اور چاند جب ظاہر ہوتا ہے اسی وقت نظر آتا ہے۔ اور استَهَلَّ المطرُ کے معنی ہیں: بارش کا آواز کے ساتھ زور سے برسنا۔ اور سورۃ المائدہ (آیت ۳) میں جو ارشاد ہے: ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾: وہ چیز جس کے ذریعہ اللہ کے علاوہ کو پکارا گیا ہو یعنی جو جانور غیر اللہ کے نام زد کردیا گیا ہو (وہ حرام ہے، اگرچہ اس کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے) اس آیت میں جو أُهِلَّ ہے وہ استَهَلَّ الصبی سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: بچہ کا پیدائش کے وقت زور سے رونا۔

وضاحت: حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھا تھا، جب وہ مکہ کے قریب مقام سَرِف میں پہنچیں تو ماہواری شروع ہوگئی۔ نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ سب ارکان ادا کریں، صرف بیت اللہ کا طواف نہ کریں، اس وقت تک ان کا حج کا احرام تھا، پھر اگلے دن صبح جب قافلہ مکہ پہنچا تو وحی آئی کہ جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدل دے، اور طواف وسعی کر کے اور سر منڈا کر یا قصر کرا کر احرام کھول دے، چونکہ حضرت عائشہؓ کے پاس قربانی نہیں تھی اس لئے انھوں نے نیت بدل دی اور پاکی کے انتظار میں رہیں، مگر آٹھ تاریخ تک پاک نہ ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا: "تم احرام توڑ دو اور بال کھول لو اور تیل کنگھا کر کے حج کا احرام باندھ لو" ابوداؤد کی حدیث (نمبر ۱۷۸۵) میں غسل کا ذکر بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح پاک عورت احرام باندھے گی، حائضہ اور نفاس والی عورت بھی اسی طرح احرام باندھے گی (یہ حدیث متعدد بار گذر چکی ہے اور پہلی مرتبہ کتاب الحیض کے پہلے باب (تحفۃ القاری ۲: ۸۰) میں آئی ہے)

بَابُ مَنْ أَهَلَّ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَإِهْلَالِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

جس نے نبی ﷺ کی حیات میں آپؐ کے احرام جیسا احرام باندھا

اگر کوئی شخص احرام باندھتے وقت حج یا عمرہ کی تعیین نہ کرے، گول مول احرام باندھے تو اس کا حکم یہ ہے کہ طواف شروع کرنے سے پہلے تعیین کرنا ضروری ہے، اگر تعیین کئے بغیر طواف شروع کر دیا تو وہ احرام خود بخود عمرہ کا ہو جائے گا —— اور باب میں دو روایتیں ہیں:

پہلی روایت: حضرت علی رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں یمن سے آئے تھے اور نبی ﷺ کے لئے ۳۷ اونٹ لے کر آئے تھے[1] اور ۶۳ اونٹ آپؐ مدینہ سے لائے تھے۔ حضرت علیؓ نے مبہم احرام باندھا تھا، یہ نیت کی تھی کہ جیسا نبی ﷺ نے احرام باندھا ہے ویسا احرام باندھتا ہوں، جب وہ مکہ پہنچے تو آپؐ نے ان سے پوچھا: تم نے کیسا احرام باندھا ہے، میرے ساتھ تمہاری اہلیہ ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے یہ نیت کی ہے کہ جیسا نبی ﷺ کا احرام ہے ویسا میرا احرام ہے، آپؐ نے فرمایا: میرے ساتھ قربانیاں ہیں اس لئے میرا احرام نہیں کھل سکتا، پس تمہارا احرام بھی نہیں کھل سکتا (اور آپؐ نے ان کو اپنی قربانیوں میں شریک کر لیا)

دوسری حدیث: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے، انھوں نے بھی ویسا ہی مبہم احرام باندھا تھا جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باندھا تھا، آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام کھول دو، چنانچہ انھوں نے طواف وسعی کر کے احرام کھول دیا، آنحضور ﷺ نے ان کو یہ حکم اس لئے دیا تھا کہ ان کے ساتھ قربانی نہیں تھی۔

[۳۲-] بَابُ مَنْ أَهَلَّ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَإِهْلَالِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۵۵۷-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ جَابِرٌ: أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلِيًّا أَنْ يُقِيمَ عَلَى إِحْرَامِهِ. وَذَكَرَ قَوْلَ سُرَاقَةَ.

[انظر: ۱۵۶۸، ۱۵۷۰، ۱۶۵۱، ۱۷۸۵، ۲۵۰۶، ۴۳۵۲، ۷۲۳۰، ۷۳۶۷]

وَزَادَ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "بِمَا أَهْلَلْتَ يَا عَلِيُّ؟" قَالَ: بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. قَالَ: "فَأَهْدِ وَامْكُثْ حَرَامًا كَمَا أَنْتَ"

[۱۵۵۸-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ الْهُذَلِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ،

(۱) تحفۃ الالمعی (۳۶۲:۳) میں ہے کہ ۳۳ اونٹ لائے تھے وہ تسامح ہے ۱۲

قَالَ:سَمِعْتُ مَرْوَانَ الْأَصْفَرَ،عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ:قَدِمَ عَلِيٌّ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْيَمَنِ، فَقَالَ:"بِمَا أَهْلَلْتَ؟" قَالَ: بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ:"لَوْلاَ أَنَّ مَعِيَ الْهَدْىَ لَأَحْلَلْتُ"

قوله:وذكر قول سُراقة: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سراقہ بن مالکؓ کی بات ذکر کی (یہ حدیث آگے باب عمرة التنعیم (حدیث ۱۷۸۵) میں آرہی ہے)

قوله: فَأَهْدِ: پس تم قربانی کرو، اور احرام ہی میں رہو، جیسے اب ہو۔

قوله:لو لاَ: آپؐ نے فرمایا: "اگر میرے ساتھ قربانیاں نہ ہوتیں تو میں (عمرہ کرکے) احرام کھول دیتا"

[۱۵۵۹-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَى قَوْمِي بِالْيَمَنِ، فَجِئْتُ وَهُوَ بِالْبَطْحَاءِ، فَقَالَ: "بِمَا أَهْلَلْتَ؟" فَقُلْتُ: أَهْلَلْتُ كَإِهْلاَلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" هَلْ مَعَكَ مِنْ هَدْيٍ؟" قُلْتُ: لاَ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَطُوفَ بِالْبَيْتِ، فَطُفْتُ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ أَمَرَنِي فَأَحْلَلْتُ، فَأَتَيْتُ امْرَأَةً مِنْ قَوْمِي فَمَشَطَتْنِي، أَوْ: غَسَلَتْ رَأْسِي، فَقَدِمَ عُمَرُ فَقَالَ: إِنْ نَأْخُذْ بِكِتَابِ اللهِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُنَا بِالتَّمَامِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى:﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾[البقرة: ١٩٦]وَإِنْ نَأْخُذْ بِسُنَّةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ حَتَّى نَحَرَ الْهَدْىَ. [انظر: ١٥٦٥، ١٧٢٤، ١٧٩٥، ٤٣٤٦، ٤٣٩٧]

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے نبی ﷺ نے میری قوم کی طرف یمن بھیجا، پس میں آیا درانحالیکہ آپ بطحاء (محصّب) میں تھے، آپؐ نے پوچھا: تم نے کیسا احرام باندھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے ویسا احرام باندھا ہے جیسا نبی ﷺ نے باندھا ہے۔ آپؐ نے پوچھا: تمہارے ساتھ قربانی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں، آپؐ نے مجھے بیت اللہ کا طواف کرنے کا حکم دیا، پس میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، پس آپؐ نے مجھے (احرام کھولنے کا) حکم دیا، چنانچہ میں نے احرام کھول دیا، پھر میں خاندان کی ایک عورت کے پاس آیا (جو محرم تھی) اس نے میرے سر میں کنگھی کی یا کہا: میرا سر دھویا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے یعنی ان کا زمانہ آیا، پس انھوں نے کہا: اگر ہم قرآن کو لیں تو وہ ہمیں حج اور عمرہ پورا کرنے کا حکم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو" اور اگر ہم نبی ﷺ کی سنت لیں تو آپؐ نے احرام نہیں کھولا یہاں تک کہ قربانی کی۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ حکم جاری کیا تھا کہ کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ نہ کرے، بلکہ عمرہ کے لئے مستقل سفر کرے، اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ حج کے علاوہ دنوں میں بھی بیت اللہ آباد ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ حکم جاری کیا تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں، مگر لوگ حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کرنے لگے اور کعبہ شریف

پورے سال آباد ہو گیا۔

عام لوگ تو اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال نہیں کر سکتے تھے، آپؓ کا رعب مانع تھا، مگر خاص لوگ سوال کرتے تھے، اور حضرت عمرؓ ان کو گول مول جواب دیتے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حضرت عمرؓ سے دوستانہ تعلقات تھے، انھوں نے اس سلسلہ میں گفتگو کی کہ آپؓ نے جو حکم دیا ہے وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ حجۃ الوداع میں میں نے عمرہ کیا ہے اور نبی ﷺ نے مجھے عمرہ کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا ہے، حضرت عمرؓ نے ان کو جواب دیا کہ اگر یہ مسئلہ قرآن کریم سے لیا جائے تو اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو، یعنی اگر عمرہ کا احرام باندھا ہے تو عمرہ پورا کرو، اور حج کا احرام باندھا ہے تو حج پورا کرو، اس آیت کی رو سے حج کا احرام عمرہ سے بدلنا صحیح نہیں، اور نبی ﷺ کا طریقہ دیکھا جائے تو آپؐ نے ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھا تھا اور دس ذی الحجہ کو قربانی کر کے آپؐ نے احرام کھولا تھا، عمرہ کر کے احرام نہیں کھولا تھا۔

غرض آیتِ کریمہ کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کا احرام باندھا ہے اس کو پورا کرنا ضروری ہے، تبدیلی نہیں کر سکتے۔ اور حضور ﷺ کی سنت بھی یہی ہے، آپؐ نے بھی احرام نہیں کھولا تھا، پس حجۃ الوداع میں جو حج کا احرام عمرہ کے احرام سے بدلنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اس سال کے ساتھ خاص تھا۔ اور سب لوگ ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھ کر آئے تھے، اس لئے اب بھی حج ہی کا احرام باندھ کر آؤ، عمرہ کا احرام باندھ کر مت آؤ۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: ﴿اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُوْمَاتٌ، فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ ﴿يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ؟ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾

احکامِ حج کی دو آیتیں

ایامِ حج پانچ ہیں، نو ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک، اور اشہرِ حج دو ماہ تیرہ دن ہیں، یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے تیرہ دن، درحقیقت ذی الحجہ کے بارہ تیرہ دن ہیں، مگر عرب کسر چھوڑ دیتے ہیں اس لئے وہ دو ماہ دس دن بولتے ہیں۔

اور ان کے اشہرِ حج ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مہینے حج کی میقاتِ زمانی ہیں، میقات دو ہیں: ایک: میقاتِ مکانی، اور وہ پانچ ہیں، ان کا بیان گذر چکا، دوسری: میقاتِ زمانی، اور وہ یہ دو مہینے دس دن ہیں، اور میقاتِ زمانی کا مطلب یہ ہے کہ شوال سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے، جیسے میقاتِ مکانی سے احرام کو مقدم کرنا جائز ہے مگر بہت زیادہ مقدم کرنا مکروہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خراسان اور کرمان سے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے، اسی طرح میقاتِ زمانی سے تقدیم بھی مکروہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ حج کا احرام نہ باندھا جائے مگر اشہرِ حج میں۔ اگر کوئی شخص حج کا احرام شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے باندھ لے تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک

درست ہے، مگر مکروہ ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک درست نہیں، وہ احرام عمرہ کا احرام سمجھا جائے گا۔

پہلی آیت: حج معلوم مہینے ہیں، پس جو شخص حج کے مہینوں میں حج کا احرام باندھے وہ فحش بات نہ کرے، نہ کوئی گناہ کا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے۔

تفسیر: میاں بیوی کے درمیان زن وشوئی سے تعلق رکھنے والی باتیں رفث کہلاتی ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک بیوی سے یہ باتیں کرے تو رفث ہے ورنہ نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ بیوی سے کرے یا مردوں کے سامنے کرے ہر صورت میں رفث ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حالتِ احرام میں یہ شعر پڑھا ہے:

وَهُنَّ يَمْشِيْنَ بِنَا هَمِيْسًا ❁ إِنْ يَصْدُقِ الطَّيْرُ نَنِكْ لَمِيْسًا

آپؓ سے کہا گیا: آپ احرام کی حالت میں رفث کر رہے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا: رفث اس وقت ہے جب عورت ساتھ ہو، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم احرام کی حالت میں عشقیہ اشعار پڑھتے تھے (فتح القدیر ۲: ۳۴۵) مگر جب ائمہ ثلاثہ اس کو بھی رفث کہتے ہیں تو اس سے بھی بچنا چاہئے۔

فسق اور فسوق: دونوں مصدر ہیں، ان کے معنی ہیں: حق وصلاح کے راستہ سے ہٹ جانا، اور مادے کے اصل معنی ہیں: کسی چیز سے نکل جانا، اسلام کے دو دائرے (سرکل) ہیں ایک: چھوٹا دائرہ ہے، وہ دینداری کا دائرہ ہے اور دوسرا: بڑا دائرہ ہے، وہ ایمان کا دائرہ ہے، بڑے دائرہ سے نکلنے والا کافر ہے اور چھوٹے دائرہ سے نکلنے والا فاسق۔ حج میں فسق وفجور یعنی سیئہ اور معصیت سے بچنا ضروری ہے ورنہ حج مقبول نہ ہوگا۔

جدال: ساتھیوں سے لڑنا، جھگڑنا، حج کے دوران اس سے بچنا ضروری ہے۔ حج کے سفر میں معمولی باتوں پر جھگڑا ہو جاتا ہے، پس اس سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، جو ان تین چیزوں سے بچے گا اس کا حج مقبول ہوگا، اور اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے گا جیسے ابھی اس کو اس کی ماں نے جنا ہے (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۳: ۲۰۱) میں ہے)

دوسری آیت: کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا: سورج ایک حال پر رہتا ہے، مگر چاند ایک حال پر نہیں رہتا، ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کا ایک پس منظر تھا۔ صحابہ نے نبی ﷺ سے یہ بات اس لئے پوچھی تھی کہ عرب کا ملک گرم ہے، اور عرب میں پہاڑ بہت ہیں، وہاں کچھ پیدا نہیں ہوتا، مدینہ اور طائف میں تو تھوڑا بہت پیدا ہو جاتا ہے مگر ملک کی ضرورت کو پورا نہیں کرتا اس لئے عربوں کی معیشت کا مدار اسفار پر تھا، سال میں ایک مرتبہ شام جاتے تھے اور ایک مرتبہ یمن، اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اور اونٹ پورے دن نہیں چل سکتے، زمین گرم ہو جاتی ہے، زیادہ سے زیادہ نو بجے تک چل سکتے ہیں، پھر سفر روک دینا پڑتا ہے، پھر شام کو جب موسم ٹھنڈا ہوتا تب سفر شروع کرتے، دن میں سفر نہیں کر سکتے تھے، اس لئے دن کی تلافی رات میں کرتے تھے، اور چاند جیسا تیرہ، چودہ اور پندرہ راتوں میں کامل ہوتا ہے اگر ایسا ہی پورا

مہینہ کامل رہے تو سفر پُر لطف ہوجائے، یہ پس منظر تھا جس کی وجہ سے سوال کیا تھا کہ جس طرح سورج ہمیشہ ایک حال پر رہتا ہے چاند ایک حال پر کیوں نہیں رہتا؟ پس آیت پاک نازل ہوئی کہ لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں ہلالوں کے بارے میں؟
أهِلَّة: جمع لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ساری دنیا کا ہلال ایک نہیں ہوسکتا۔ اگر ساری دنیا کا ہلال ایک ہوتا تو مفرد ہلال آتا، أهلة جمع نہ لاتے، بہرحال لوگ آپ ﷺ سے مہینہ کے شروع کے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپؐ ان کو جواب دیں: مہینہ کے شروع کے چاند لوگوں کے لئے اوقات مقرر کرتے ہیں اور حج کے لئے وقت مقرر کرتے ہیں۔ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حج کو الگ کیوں کیا؟ مواقیت للناس کافی تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مہینہ کے نئے چاند ساری دنیا کے لئے الگ الگ تاریخیں مقرر کریں گے، جہاں چاند نظر آئے گا وہاں مہینہ شروع ہوگا اور جہاں چاند نظر نہیں آئے گا وہاں مہینہ شروع نہیں ہوگا، صرف حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں ساری دنیا کے مسلمان اپنی تاریخیں چھوڑ کر مکہ کی قمری تاریخ کے اعتبار سے معین دن میں حج کریں گے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شریعت نے کچھ احکام سورج سے متعلق کئے ہیں اور کچھ چاند سے، وہ احکام جن کو سال میں دائر نہیں کرنا ان کو سورج سے متعلق کیا ہے۔ اور جن احکام کو سال میں دائر کرنا ہے ان کو چاند سے متعلق کیا ہے، جیسے رمضان کو سال میں دائر کرنا ہے اس لئے اس کو چاند سے متعلق کیا ہے تاکہ کبھی اور کہیں رمضان سردیوں میں آئے اور کبھی اور کہیں گرمیوں میں، اور نمازیں سال بھر پڑتی ہیں، گرمی اور سردی کا اس پر اثر نہیں پڑتا اس لئے ان کو سورج سے متعلق کیا ہے ــــــ یہ میں نے بہت مختصر طور پر سمجھایا ہے، اس کی بہت تفصیل ہے، اور میرے خطبات کا مجموعہ "علمی خطبات جلد دوم" میں اس موضوع پر پوری ایک تقریر ہے، اور تحفۃ الالمعی (۳:۵۵) میں بھی تفصیل ہے۔

[۳۳-] بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: ﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُوْمَاتٌ، فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوْقَ وَلاَجِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ ﴿يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ؟ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾

[۱-] وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَشْهُرُ الْحَجِّ: شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لاَ يُحْرِمَ بِالْحَجِّ إِلاَّ فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ.

[۳-] وَكَرِهَ عُثْمَانُ أَنْ يُحْرِمَ مِنْ خُرَاسَانَ أَوْ كِرْمَانَ.

[۱۵۶۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ، وَلَيَالِي الْحَجِّ وَحُرُمِ الْحَجِّ، فَنَزَلْنَا بِسَرِفَ، قَالَتْ: فَخَرَجَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: "مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ مَعَهُ هَدْىٌ فَأَحَبَّ أَنْ يَجْعَلَهَا عُمْرَةً فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْىُ فَلاَ" قَالَتْ: فَالآخِذُ بِهَا وَالتَّارِكُ لَهَا

مِنْ أَصْحَابِهِ، قَالَتْ: فَأَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وَرِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَكَانُوْا أَهْلَ قُوَّةٍ، وَكَانَ مَعَهُمُ الْهَدْىُ، فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى الْعُمْرَةِ، قَالَتْ: فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ: "مَا يُبْكِيْكِ يَا هَنْتَاهْ؟" قُلْتُ: سَمِعْتُ قَوْلَكَ لِأَصْحَابِكَ فَمُنِعْتُ الْعُمْرَةَ، قَالَ: "وَمَا شَأْنُكِ؟" قُلْتُ: لَا أُصَلِّي، قَالَ: "فَلَا يَضُرُّكِ إِنَّمَا أَنْتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِ آدَمَ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكِ مَا كَتَبَ عَلَيْهِنَّ، فَكُوْنِيْ فِيْ حَجِّكِ، فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَرْزُقَكِيْهَا" قَالَتْ: فَخَرَجْنَا فِي حَجَّتِهِ حَتّٰى قَدِمْنَا مِنًى، فَطَهُرْتُ، ثُمَّ خَرَجْتُ مِنْ مِنًى، فَأَفَضْتُ بِالْبَيْتِ، قَالَتْ: ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ فِي النَّفْرِ الْآخِرِ حَتّٰى نَزَلَ الْمُحَصَّبَ، وَنَزَلْنَا مَعَهُ، فَدَعَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِيْ بَكْرٍ، فَقَالَ: "اخْرُجْ بِأُخْتِكَ مِنَ الْحَرَمِ فَلْتُهِلَّ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ افْرُغَا ثُمَّ ائْتِيَا هٰهُنَا، فَإِنِّيْ أَنْظُرُكُمَا حَتّٰى تَأْتِيَانِيْ" قَالَتْ: فَخَرَجْنَا حَتّٰى إِذَا فَرَغْتُ وَفَرَغَ مِنَ الطَّوَافِ، ثُمَّ جِئْتُهُ بِسَحَرٍ فَقَالَ: "هَلْ فَرَغْتُمْ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، فَآذَنَ بِالرَّحِيْلِ فِيْ أَصْحَابِهِ، فَارْتَحَلَ النَّاسُ فَمَرَّ مُتَوَجِّهًا إِلَى الْمَدِيْنَةِ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: يَضِيْرُ: مِنْ ضَارَ يَضِيْرُ ضَيْرًا، وَيُقَالُ: ضَارَ يَضُوْرُ ضَوْرًا، وَضَرَّ يَضُرُّ ضَرًّا.

[راجع: ۲۹٤]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ حج کے مہینوں میں اور حج کی راتوں میں اور حج کے موسم میں (تینوں کے معنی ایک ہیں) نکلے، پس ہم سرف مقام میں اترے (یہ جگہ مکہ کے قریب ہے) صدیقہؓ کہتی ہیں: پس نبی ﷺ اپنے صحابہ کی طرف (خیمہ سے) نکلے اور فرمایا: ''تم میں سے جس کے پاس ہدی نہ ہو اور وہ حج کے احرام کو عمرہ کے احرام سے بدلنا پسند کرے چاہئے کہ وہ یہ کام کرے اور جس کے ساتھ قربانی ہو وہ یہ کام نہ کرے'' صدیقہؓ کہتی ہیں: پس صحابہ میں سے کسی نے اس ارشاد پر عمل کیا اور کسی نے نہیں کیا۔ صدیقہؓ کہتی ہیں: رہے نبی ﷺ اور آپؐ کے بعض صحابہ جو قوت رکھتے تھے اور وہ اپنی قربانی ساتھ لائے تھے: وہ عمرہ نہیں کر سکتے تھے۔ صدیقہؓ کہتی ہیں: پس نبی ﷺ میرے پاس آئے درانحالیکہ میں رو رہی تھی، آپؐ نے پوچھا: اری! کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا: میں نے آپؐ کی بات سنی جو آپؐ نے صحابہ سے فرمائی، اور میں عمرہ سے روک دی گئی ہوں، آپؐ نے پوچھا: کیا بات ہوئی؟ میں نے عرض کیا: میں نماز نہیں پڑھتی یعنی ماہواری شروع ہوگئی ہے، آپؐ نے فرمایا: اس کا غم نہ کرو، تم آدم علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی ہو، لکھا ہے اللہ نے تم پر یعنی مقرر کیا ہے وہی جوان پر لکھا ہے، تم اپنے حج میں رہو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہیں عمرہ بھی نصیب کردیں۔ صدیقہؓ کہتی ہیں: پس ہم آپؐ کے ساتھ حج میں نکلے یہاں تک کہ (دس ذی الحجہ کو) ہم منیٰ میں آئے پس میں پاک ہوگئی، پھر میں منیٰ سے نکلی اور میں نے طواف افاضہ (زیارت) کیا، صدیقہ کہتی ہیں: پھر میں تیرہ ذی الحجہ کو (النفر الأول: بارہ ذی الحجہ کو اور النفر الآخر: تیرہ ذی الحجہ کو کہتے ہیں) نبی ﷺ کے ساتھ نکلی، یہاں تک کہ آپؐ محصّب نامی میدان میں اترے

اور ہم آپؐ کے ساتھ اترے، پس آپؐ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اپنی بہن کو حرم سے باہر لے جاؤ، وہاں سے وہ عمرہ کا احرام باندھیں، پھر تم دونوں عمرہ سے فارغ ہو کر یہاں آجاؤ، میں تمہارا یہاں انتظار کروں گا، یہاں تک کہ تم میرے پاس آجاؤ۔ صدیقہؓ کہتی ہیں: پس ہم نکلے یہاں تک کہ میں اور عبدالرحمٰن طواف سے فارغ ہو کر سحری کے وقت آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے پوچھا: کیا تم فارغ ہو گئے؟ میں نے کہا: جی ہاں، پس آپؐ نے اپنے اصحاب میں کوچ کا اعلان کیا، پس لوگوں نے کوچ کیا اور آپ ﷺ مدینہ کی طرف چلے۔

لغات: فی حُرَم الحج: حج کے محترم مہینوں میں، الحُرْمَة کی جمع، بمعنی عظمت وعزت اور الحُرُم (بضمتین): محترم جیسے الاشهر الْحُرُم: چار حرمت والے مہینے .... هَنْتَاه: اری عورت، اری بھولی بھالی، مرد کے لئے یَاهَنَهْ اور یَا هَنَاهْ کہتے ہے .... فَلَا یَضُرُّكِ: پس وہ (حیض) تمہیں ضرر نہیں پہنچائے گا، ضَرَّه (ن) ضَرًّا وَضَرَارًا: تکلیف پہنچانا، نقصان کرنا۔ اور ایک نسخہ میں فَلَا یُضِیْرُكِ ہے یہ ضَیْرٌ (اجوف یائی) یا ضَوْر (اجوف واوی) سے ہے۔ ضَارَ یَضِیْرُ ضَیْرًا: نقصان پہنچانا۔ الضَّیْر: نقصان، قرآن میں ہے: ﴿قَالُوْا: لَاضَیْرَ، إِنَّا إِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ اور ضَارَ (ن) ضَوْرًا الشیئ فلانا کے معنی بھی ہیں: نقصان پہنچانا، پس تینوں کے معنی ایک ہیں۔

بَابُ التَّمَتُّعِ وَالإِقْرَانِ وَالإِفْرَادِ بِالْحَجِّ، وَفَسْخِ الْحَجِّ لِمَنْ لَمْ یَکُنْ مَعَهُ هَدْیٌ

حج تمتع قران اور افراد کا بیان، اور قربانی ساتھ نہ ہو تو حج کو عمرہ سے بدل دینا

حج کی تین قسمیں ہیں: افراد، تمتع اور قران، جو مکہ یا داخل میقات کا باشندہ ہے وہ تمتع اور قران نہیں کر سکتا، وہ صرف حج افراد کرے گا، اور اس پر قربانی اور طواف وداع واجب نہیں۔ اور آفاقی تینوں قسم کا حج کر سکتے ہیں۔

حج کرنے کا طریقہ: حج کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک: مکہ کے باشندوں کے لئے خواہ وہ مکہ کے اصلی باشندے ہوں یا حج تمتع کی نیت سے باہر سے آئے ہوں، اور عمرہ کا احرام کھول کر مکہ میں مقیم ہو گئے ہوں، دوسرا: آفاقی کے لئے یعنی میقات سے باہر کے رہنے والوں کے لئے۔

مکہ سے حج کرنے کا طریقہ: حاجی مکہ ہی سے احرام باندھے، خواہ گھر سے باندھے یا مسجد حرام سے، اور احرام میں ان امور سے اجتناب کرے: (۱) جماع اور اس کے اسباب (بوس وکنار) سے (۲) سر منڈانے سے اور بدن کے کسی بھی حصہ کے بال کٹوانے سے (۳) ناخن ترشوانے سے (۴) سلا ہوا کپڑا پہننے سے (۵) سر ڈھانکنے سے (۶) خوشبو لگانے سے (۷) شکار کرنے سے (۸) اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح کرنے سے۔ یہ آٹھ باتیں ممنوعات احرام کہلاتی ہیں، پھر آٹھ ذی الحجہ کو منی جائے وہاں ظہر سے نو ذی الحجہ کی صبح تک پانچ نمازیں پڑھے، پھر نو ذی الحجہ کی صبح کو وہاں سے عرفہ کے لئے روانہ ہو، منی کا یہ قیام ضروری نہیں، صرف سنت ہے۔ پس اگر کوئی مکہ سے نو ذی الحجہ کو سیدھا عرفہ چلا جائے تو بھی درست ہے۔ اور

میدانِ عرفہ میں نو ذی الحجہ کی شام تک رکا رہے۔ یہاں مسجد نمرہ میں ظہر وعصر: ظہر کے وقت میں ایک ساتھ پڑھے اور نماز سے فارغ ہو کر عرفہ کے کاموں میں یعنی ذکر واذکار اور دعا میں لگ جائے، اسی کا نام وقوف عرفہ ہے، اور یہ حج کا سب سے اہم رکن ہے۔ اور عرفہ کے کاموں میں سب سے اہم دعا میں مشغول ہونا ہے، پھر وہاں سے غروب آفتاب کے بعد لوٹے، اور ابھی مغرب نہ پڑھے، مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء ایک ساتھ ادا کرے، اور مزدلفہ میں رات گذارے، فجر کی نماز کے بعد وقوف مزدلفہ کرے، یعنی ذکر واذکار اور دعا میں مشغول ہو، پھر وہاں سے طلوع آفتاب سے کچھ پہلے منی کے لئے روانہ ہو جائے، اور منی میں پہنچ کر جمرۂ عقبہ کی رمی کرے، پھر قربانی اگر ساتھ ہو تو اس کو ذبح کرے، یہ قربانی (مفرد کے لئے) سنت ہے، پھر احرام کھول دے، خواہ سر منڈوائے یا بال ترشوائے۔ اب بیوی کے علاوہ سب چیزیں حلال ہوگئیں (البتہ خوشبو لگانے میں اختلاف ہے، تفصیل آگے آرہی ہے) پھر طواف زیارت کرے (یہ حج کا دوسرا رکن ہے اور فرض ہے) اس کے بعد بیوی اور خوشبو بھی حلال ہو جاتی ہے، اور طواف زیارت کا وقت دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے تک ہے، البتہ حائضہ جب بھی پاک ہو طواف زیارت کرے، اس کے بعد صفا ومروہ کے درمیان سعی کرے (اور اگر حج کا احرام باندھ کر نفل طواف کر کے سعی کر لی ہے تو اب طواف زیارت کے بعد سعی نہ کرے) پھر منی میں قیام کرے اور روزانہ تینوں جمرات کو کنکریاں مارے، بارہ کی رمی کے بعد حج مکمل ہو گیا، پھر اگر مکی ہے تو اس پر طواف وداع نہیں، اور آفاقی ہے تو روانگی کے وقت طواف وداع کرے، یہ طواف واجب ہے، مگر جو عورت واپسی کے وقت ماہواری میں ہو اس پر واجب نہیں، وہ طواف وداع کئے بغیر وطن لوٹ سکتی ہے۔

آفاق سے حج کرنے کا طریقہ: میقات سے حج کا احرام باندھے، پھر اگر سیدھا عرفہ چلا جائے تو اس پر طواف قدوم نہیں اور اگر وقوف عرفہ سے پہلے مکہ میں داخل ہو تو طواف قدوم کرے، یہ طواف سنت ہے، اور اس میں رمل کرے اور اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرے، مگر سعی اسی وقت واجب نہیں، اس کو مؤخر بھی کر سکتا ہے، یعنی طواف زیارت کے بعد بھی سعی کر سکتا ہے، پھر حالت احرام میں رہے، یہاں تک کہ وقوف عرفہ کرے، اور ذی الحجہ کو رمی کرے اور سر منڈا کر یا بال ترشوا کر احرام کھول دے، اس کے بعد طواف زیارت کرے، اور اس میں رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے، لیکن اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہ کی ہو تو طواف زیارت میں رمل اور طواف کے بعد سعی بھی کرے۔

حج تمتع کا طریقہ: آفاقی حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچے، اور اپنا عمرہ پورا کرے اور احرام کھول دے، پھر حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں رہے، یعنی وطن نہ لوٹے، پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے، اور حج ادا کرے، متمتع پر قربانی واجب ہے۔

حجِ قران کا طریقہ: آفاقی میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ حرام باندھے، پھر احناف کے نزدیک: مکہ پہنچ کر پہلے طواف قدوم کرے، یہ سنت ہے، پھر عمرہ کا طواف کرے، اور اس کے بعد عمرہ کی سعی کرے، یہ افعال عمرہ ہیں۔ پھر احرام کی

حالت میں مکہ میں ٹھہرا رہے اور نفل طواف وغیرہ عبادتیں کرتا رہے، پھر حج کرے اور وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت کرے اور اس کے بعد حج کی سعی کرے، یہ حج کا طواف اور سعی ہیں، پس قارن پر احناف کے نزدیک دو طواف اور دو سعی لازم ہیں، ایک عمرہ کا طواف اور سعی دوسرا حج کا طواف اور سعی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قارن مکہ میں پہنچ کر صرف طواف قدوم کرے، یہ سنت طواف ہے، پھر احرام کی حالت میں ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ حج کرے اور دس ذی الحجہ کو طواف کرے اور اس کے بعد سعی کرے، یہ طواف وسعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے اور قارن پر بالا جماع قربانی واجب ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے مگر روایات میں اختلاف ہے، سترہ صحابہ سے عمدہ سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ آپؐ نے قران کیا تھا اور پانچ صحابہ سے تمتع کرنا مروی ہے اور چار صحابہ سے افراد کرنا مروی ہے، اور سب روایتیں ٹھیک ہیں (معارف السنن ۶: ۲۷۶)

اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ نے ذو الحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا، اس لئے کہ جاہلیت سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور شریعت کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپؐ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا [1] افراد کی روایات کا محمل یہی ہے یعنی ان رواۃ نے آپؐ کی ابتدائی حالت کا تذکرہ ہے —— پھر مکہ پہنچتے ہی نیا حکم آیا کہ لوگ حج کا احرام عمرہ سے بدل دیں، اور افعال عمرہ کر کے احرام کھول دیں (تحفۃ القاری ۴: ۸۱) جب آپؐ نے لوگوں کو یہ حکم سنایا اور جن کے پاس ہدی نہیں تھی ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا تو لوگوں پر یہ حکم بھاری ہوا، کیونکہ حج میں گنتی کے چند دن باقی رہ گئے تھے۔ نبی ﷺ چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے تھے۔ اور احرام کھولنے کا مطلب تھا بیویوں سے فائدہ اٹھانا، اور پہلے سے جو تصور چلا آرہا تھا وہ ذہنوں پر مسلط تھا، اس لئے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اس حال میں حج کریں گے کہ ہماری شرم گاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو: میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، تم سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والا اور تم سے زیادہ خیر کا طالب ہوں، اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی عمرہ کر کے احرام کھول دیتا (مشکوٰۃ حدیث ۲۵۵۹) اس تقریر کے بعد صحابہ کے ذہنوں سے بوجھ ہٹ گیا، اور جو لوگ ہدی ساتھ نہیں لائے تھے انھوں نے ارکانِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا، اور آپؐ کے لئے مجبوری یہ تھی کہ آپؐ قربانیاں ساتھ لائے تھے جب تک وہ ذبح نہ ہوں آپؐ احرام نہیں کھول سکتے تھے، اس لئے آپؐ نے حج کے ساتھ عمرہ کی نیت کرلی، اب آپ قارن ہو گئے، قران کی روایات اس آخری حالت کے اعتبار سے ہیں ——

(۱) جاننا چاہئے کہ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر کیا جاتا تھا مگر اس میں فساد در آیا تھا، اور جب تک وحی کے ذریعہ اس کی اصلاح نہ ہو اسی طریقہ پر حج کرنا تھا، اور چونکہ پہلے سے یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا پاپ ہے اور نیا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپؐ نے ذو الحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا ۱۲

اور تمتع کے لغوی معنی ہیں: فائدہ اٹھانا، چونکہ آپؐ نے بھی ایک سفر میں حج وعمرہ بصورت قران ادا فرمایا تھا اس لئے رواۃ نے اس کو تمتع سے تعبیر کر دیا۔

مذاہبِ فقہاء: تمام ائمہ کے نزدیک تینوں طریقوں پر حج کرنا جائز ہے، البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک قران افضل ہے، پھر تمتع، پھر افراد، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے برعکس ہے، یعنی سب سے افضل حج افراد ہے پھر تمتع پھر قران۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہ تمتع ہے جس میں ہدی ساتھ نہ لایا ہو، پھر افراد پھر قران، اور وہ تمتع جس میں ہدی ساتھ لایا ہو وہ بحکم قران ہے، کیونکہ قران کی طرح اس تمتع میں بھی احرام نہیں کھلتا۔

اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کی ابتدائی حالت کا اعتبار کیا، آپؐ نے ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا، اور تمتع کو دوسرے نمبر پر رکھا کہ وہ افراد کے مشابہ ہے، اس میں عمرہ الگ ادا کیا جاتا ہے اور حج الگ، اور امام اعظم رحمہ اللہ نے آخری حالت کا اعتبار کیا کیونکہ قاعدہ ہے: العِبرۃُ بالخواتیم اور ان کے نزدیک تمتع دوسرے نمبر پر اس وجہ سے ہے کہ وہ قران کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں میں ایک سفر میں حج اور عمرہ کئے جاتے ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کی تمنا اور خواہش کا لحاظ کیا۔ آپؐ نے تمنا کی تھی: لو استقبلتُ مِنْ أمری ما استَدْبَرْتُ لم أَسُقِ الھدیَ وَلَأَحْلَلْتُ: اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ آگے یہ حکم آئے گا تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا، اور احرام کھول دیتا، پس وہ تمتع جس میں ہدی ساتھ نہ لایا ہو افضل ہے، پھر اس کے مشابہ افراد ہے، کیونکہ تمتع میں حج علاحدہ کیا جاتا ہے اس کو عمرہ کے ساتھ ملایا نہیں جاتا، پس اس کی افراد کے ساتھ مشابہت قوی ہے، لہٰذا افراد دوسرے نمبر پر ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ نے قرآن کو جو افضل نہیں کہا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قران میں حج اور عمرہ کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک طواف زیارت اور اس کے بعد کی سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہوتی ہے اور احناف کے نزدیک عمرہ کا طواف اور سعی الگ ہیں، اور حج کا طواف اور سعی الگ ہیں، چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قران میں افعال کم ہو جاتے ہیں اس لئے وہ اس کو افضل نہیں کہتے، اور اسی وجہ سے قارن اور متمتع پر جو قربانی واجب ہے اس کو دم جبر کہتے ہیں، دم شکر نہیں کہتے، دم شکر میں سے مالدار اور غریب سب کھا سکتے ہیں اور دم جبر کا گوشت صرف غریبوں کے لئے ہے، قربانی کرنے والا اور مالدار اس میں سے نہیں کھا سکتے۔ امام شافعی، امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک یہ دم: دم جبر ہے، ان کے نزدیک جو افعال میں کمی ہوگئی ہے اس کی تلافی کے لئے یہ دم ہے۔ اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ دم شکر ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک سفر میں دو کام کرنے کی توفیق دی اس کے شکریہ میں یہ قربانی ہے، اور دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ ذبح کئے تھے، اور ہر اونٹ میں سے ایک بوٹی کاٹی تھی، پھر اس کو پکا کر آپؐ نے شوربہ پیا تھا، ان سو اونٹوں میں آپؐ کی حج کی قربانی بھی تھی، آپؐ نے اس کو علاحدہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، پس معلوم ہوا کہ متمتع اور قارن کی قربانی دم شکر ہے دم جبر نہیں۔

جاننا چاہئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جو حج افراد افضل ہے وہ وہ حج افراد ہے جس کے بعد حاجی وطن لوٹنے سے پہلے مکہ (حل) سے ایک عمرہ بھی کرے، اگر وہ صرف حج کر کے لوٹے گا تو وہ افراد افضل نہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ حج وعمرہ جو دو الگ الگ سفروں میں کئے گئے ہوں ــــ خواہ پہلے حج کیا ہو یا عمرہ ــــ وہ سب سے افضل ہے، حج قران سے بھی وہ افضل ہے۔

باب کا دوسرا مسئلہ: حج کو فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی نیت بدل کر حج کا احرام عمرہ سے بدل سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض حضرات اس کو جائز کہتے ہیں، کیونکہ حجۃ الوداع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حج کے احرام کو عمرہ سے بدلا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے تھی، مگر چاروں ائمہ متفق ہیں کہ یہ جائز نہیں۔ یہ رخصت خاص اسی سال کے لئے تھی، اور دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: حج فسخ کرنے کی یعنی حج کا احرام عمرہ سے بدلنے کی رخصت ہمارے لئے خاص ہے یا سب کے لئے یہ رخصت ہے، آپؐ نے فرمایا: تمہارے لئے خاص ہے، (قسطلانی ۴: ۱۷۱) پس اب حج کو فسخ کرنا جائز نہیں، میقات سے جو احرام باندھ کر آیا ہے اسی کو پورا کرنا ضروری ہے۔

[۳۴-] بَابُ التَّمَتُّعِ وَالإِقْرَانِ وَالإِفْرَادِ بِالْحَجِّ، وَفَسْخِ الْحَجِّ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ

[۱۵۶۱-] حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَلاَ نُرَى إِلاَّ أَنَّهُ الْحَجُّ، فَلَمَّا قَدِمْنَا تَطَوَّفْنَا بِالْبَيْتِ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَنْ لَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ أَنْ يَحِلَّ، فَحَلَّ مَنْ لَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ، وَنِسَاؤُهُ لَمْ يَسُقْنَ فَأَحْلَلْنَ.

قَالَتْ عَائِشَةُ: فَحِضْتُ فَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ، فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ، قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! يَرْجِعُ النَّاسُ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ، وَأَرْجِعُ أَنَا بِحَجَّةٍ! قَالَ: "وَمَا طُفْتِ لَيَالِيَ قَدِمْنَا مَكَّةَ؟" قُلْتُ: لاَ، قَالَ: "فَاذْهَبِيْ مَعَ أَخِيْكِ إِلَى التَّنْعِيْمِ فَأَهِلِّيْ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ مَوْعِدُكِ كَذَا وَكَذَا"

وَقَالَتْ صَفِيَّةُ: مَا أُرَانِيْ إِلاَّ حَابِسَتَهُمْ، فَقَالَ: "عَقْرَى حَلْقَى! أَوَ مَا طُفْتِ يَوْمَ النَّحْرِ؟" قَالَتْ: قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: "لاَبَأْسَ انْفِرِيْ"

قَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُصْعِدٌ مِنْ مَكَّةَ، وَأَنَا مُنْهَبِطَةٌ عَلَيْهَا، أَوْ أَنَا مُصْعِدَةٌ وَهُوَ مُنْهَبِطٌ مِنْهَا. [راجع: ۲۹۴]

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نکلے، اور نہیں دیکھتے تھے ہم مگر یہ بات کہ وہ حج ہے یعنی سب نے حج کا احرام باندھا تھا، اس وقت عمرہ کا کوئی تصور نہیں تھا، پس جب ہم مکہ پہنچے تو ہم نے یعنی صحابہ نے بیت

اللہ کا طواف کیا (صدیقہؓ اس وقت نماز نہیں پڑھتی تھیں) پس آپؐ نے ان لوگوں کو جو ہدی ساتھ نہیں لائے تھے حکم دیا کہ وہ حلال ہو جائیں، چنانچہ جو لوگ ہدی ساتھ نہیں لائے تھے وہ حلال ہو گئے، اور آپؐ کی ازواج بھی ہدیاں ساتھ نہیں لائی تھیں چنانچہ وہ بھی حلال ہو گئیں ـــــ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں: پس مجھے ماہواری آگئی، اس لئے میں نے بیت اللہ کا طواف نہیں کیا، پس جب محصّب کی رات (۱۴ ذی الحجہ کی رات) آئی تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ حج اور عمرہ کر کے لوٹیں گے، اور میں (صرف) حج کر کے لوٹوں گی! آپؐ نے پوچھا: "جب ہم مکہ پہنچے تھے تو تم نے افعالِ عمرہ نہیں کئے تھے؟" میں نے کہا: نہیں! آپؐ نے فرمایا: "پس تم اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم جاؤ اور عمرہ کا احرام باندھو، پھر تمہارے وعدے کی جگہ یہ اور یہ ہے یعنی فلاں جگہ میں آ کر مجھ سے ملو، میں تمہارا انتظار کروں گا۔

اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں دیکھتی میں مجھ کو مگر میں لوگوں کو روکنے والی ہوں! (وہ ۱۳ تاریخ کو حائضہ ہو گئی تھیں، پس جب تک وہ پاک ہو کر طواف وداع نہیں کریں گی قافلہ مدینہ روانہ نہیں ہو سکے گا) آپؐ نے فرمایا: "موئی پیڑ مٹی! کیا اور تم نے یوم النحر (۱۰ تاریخ) کو طواف (زیارت) نہیں کیا؟" صدیقہ کہتی ہیں: میں نے کہا: کیوں نہیں! یعنی طواف زیارت کر لیا ہے، آپؐ نے فرمایا: "کوئی مضائقہ نہیں، سفر شروع کرو (کیونکہ حائضہ پر طواف وداع نہیں)

صدیقہؓ کہتی ہیں: پس نبی ﷺ نے مجھ سے ملاقات کی درانحالیکہ آپ مکہ سے چڑھنے والے تھے، اور میں مکہ میں اترنے والی تھی، یا میں چڑھنے والی تھی اور آپ مکہ سے اترنے والے تھے یعنی ایسی جگہ ملاقات ہوئی کہ ایک چڑھائی پر چڑھ رہا تھا اور دوسرا اتر رہا تھا۔

لغت: عَقْرىٰ: عَقِير کا مؤنث ہے، جیسے جَرْحىٰ: جريح کا، اور دونوں کے معنی ہیں: زخمی (لسان العرب مادہ ع ق ر) میں نے اس کا ترجمہ: موئی کیا ہے۔ اور حَلْقى کو عَقْرىٰ کے وزن پر ڈھالا گیا ہے، حَلْق کے معنی ہیں مونڈنا، میں نے اس کا ترجمہ: پیڑ مٹی یعنی نشان مٹی کیا ہے۔ اور عَقْرىٰ حَلْقىٰ: کا محاورہ صورت حال پر ناگواری ظاہر کرنے کے لئے عورت کے لئے بولتے ہیں۔ اور اردو میں موئی پیڑ مٹی کہتے ہیں، اور مرد کے لئے موا پیڑ مٹا بولتے ہیں۔

[۱۵۶۲-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ نُوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ، وَأَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْحَجِّ، فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ، أَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لَمْ يَحِلُّوْا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ. [راجع: ۲۹٤]

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال نکلے، پس ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا یعنی قران کیا اور بعض نے صرف حج کا احرام باندھا یعنی حج افراد کیا (یہ

باتیں آخری حالت کے اعتبار سے کہی ہیں) اور نبی ﷺ نے صرف حج کا احرام باندھا (یہ ابتدائی حالت کے اعتبار سے کہا ہے) پس رہا وہ جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا وہ حلال نہیں ہوئے یہاں تک کہ یوم النحر آگیا۔

[۱۵۶۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا، وَعُثْمَانُ يَنْهَى عَنِ الْمُتْعَةِ، وَأَنْ يُجْمَعَ بَيْنَهُمَا، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ عَلِيٌّ أَهَلَّ بِهِمَا: لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ، قَالَ: مَا كُنْتُ لِأَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِقَوْلِ أَحَدٍ. [انظر ۱۵۶۹]

ترجمہ: مروان بن الحکم کہتا ہے: میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، (اور حج کا تذکرہ چھڑا) حضرت عثمانؓ نے تمتع اور حج وعمرہ کو جمع کرنے سے یعنی قران کرنے سے منع کیا، جب حضرت علیؓ نے یہ بات سنی تو انھوں نے دونوں کا احرام باندھا اور اس طرح تلبیہ پڑھا: لبیک بحجة وعمرة اور فرمایا: میں نبی ﷺ کی سنت کو کسی کی بات کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتا۔

تشریح: پہلے بتایا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ حکم نافذ کیا تھا کہ کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ نہ کرے، مگر آپؓ نے مصلحتاً یہ حکم نافذ کیا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے مسئلہ کے طور پر منع کیا، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی مسئلہ کے طور پر منع کیا تو لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا، کیونکہ جب نبی ﷺ نے حج اور عمرہ ایک ساتھ کیا ہے تو وہ ناجائز کیسے ہوسکتا ہے؟

فائدہ: یہ مروان کی روایت ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی روایت لی ہے، سنن اربعہ میں بھی اس راوی کی روایت ہے، مگر امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کی روایت نہیں لی۔ یاد رہے کہ مروان صحابی نہیں ہے، تابعی ہے اور اسماعیلی نے امام بخاریؒ کی خردہ گیری کی ہے کہ ایسے ظالم کی روایت کیوں لی؟ (تہذیب)

[۱۵۶۴-] حدثنا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانُوْا يَرَوْنَ أَنَّ الْعُمْرَةَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ مِنْ أَفْجَرِ الْفُجُوْرِ فِي الْأَرْضِ، وَيَجْعَلُوْنَ الْمُحَرَّمَ صَفَرَ، وَيَقُوْلُوْنَ: إِذَا بَرَأَ الدَّبَرْ، وَعَفَا الْأَثَرْ، وَانْسَلَخَ صَفَرْ، حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرْ.
قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابُهُ صَبِيْحَةَ رَابِعَةٍ، مُهِلِّيْنَ بِالْحَجِّ، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً، فَتَعَاظَمَ ذٰلِكَ عِنْدَهُمْ، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيُّ الْحِلِّ؟ قَالَ: "حِلٌّ كُلُّهُ" [راجع: ۱۰۸۵]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: لوگ اشہر حج میں عمرہ کرنے کو زمین میں سب سے بڑا گناہ سمجھتے تھے اور وہ محرم کو صفر کر لیتے تھے اور کہتے تھے: جب اونٹ کی پیٹھ کا زخم ٹھیک ہو جائے اور حاجیوں کے نشاناتِ قدم مٹ جائیں اور صفر

گذر جائے تو عمرہ کرنے والوں کے لئے عمرہ کرنا درست ہوگیا —— آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ (ذی الحجہ کی) چوتھی تاریخ کی صبح کو (مکہ) پہنچے درانحالیکہ وہ حج کا تلبیہ پکار رہے تھے، یعنی سب نے حج کا احرام باندھ رکھا تھا، پس آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ وہ حج کا احرام عمرہ سے بدل دیں، پس یہ حکم لوگوں پر بھاری ہوا، انھوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیسا حلال ہونا؟ آپؐ نے فرمایا: ''مکمل حلال ہونا''

تشریح:

۱-لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے تصور میں مطلقاً اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ تھا، یہ بات صحیح نہیں، بلکہ ان کا گمان یہ تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ ہے، دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے چاروں عمرے اشہر حج (ذی قعدہ) میں کئے ہیں، مگر کفار نے کوئی اعتراض نہیں کیا کہ اشہر حج میں عمرہ کرنے کیوں آئے ہو؟

۲-اسلام سے پہلے عربوں میں 'لوند' کا سسٹم جاری تھا، لوند: وہ مہینہ جو ہر تیسرے سال قمری کیلنڈر میں بڑھایا جاتا ہے تاکہ وہ شمسی کیلنڈر کے مطابق ہوجائے اور مہینے گردش نہ کریں، ہندو کیلنڈر بھی قمری ہے، وہ بھی ہر تین سال میں ایک مہینہ بڑھاتے ہیں، عربی میں اس کو کبیسہ کہتے ہیں۔ اسلام نے اس کو ختم کردیا سورۃ التوبہ کی (آیت ۳۶) نازل ہوئی: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اسی طرح ایک دوسری رسم عربوں میں یہ جاری تھی کہ وہ محرم اور صفر کو آگے پیچھے کردیتے تھے، صفر کو پہلے لے آتے تھے اور محرم کو مؤخر کردیتے تھے، قرآن میں اس کو اَلنَّسِیْءُ کہا گیا ہے۔ اسلام نے اس کو بھی ختم کردیا۔ اور وہ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم تین مہینے مسلسل اشہر حرام ہیں، ان میں جنگ نہیں کرسکتے تھے، اور عربوں کی معیشت کا مدار جنگوں پر تھا، لڑتے تھے، مال غنیمت لاتے تھے اور کھاتے تھے، اس لئے جب گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں رہتا تھا تو صفر کو مقدم کرکے جنگ شروع کردیتے تھے۔ حدیث میں اس رسم کا تذکرہ ہے۔ اور قرآنِ کریم کی سورۃ التوبہ کی آیت ۳۷ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

۳-عرب اشہر حج میں عمرہ نہیں کرتے تھے اور صفر میں بھی نہیں کرتے تھے، وہ کہتے تھے: إذا بَرَأَ الدَّبَرْ: جب اونٹ کی پیٹھ کا زخم مندمل ہوجائے، ذی الحجہ میں حج کیا ہے، اور کجاوے کی لکڑی سے اونٹ کی پیٹھ زخمی ہوگئی ہے جب وہ زخم ٹھیک ہوجائے۔ وَعَفَا الأَثَرْ: اور حاجیوں کے آنے جانے کی وجہ سے راستوں میں جو نشاناتِ قدم پڑگئے ہیں وہ مٹ جائیں۔ وَانْسَلَخَ الصفر: اور ماہ صفر گذر جائے تو حَلَّتِ العمرة لِمن اعْتَمَرْ: عمرہ کرنا جائز ہوگیا، جو چاہے عمرہ کرے، اسلام نے اس رسم کو بھی ختم کردیا، اب عمرہ صرف حج کے پانچ دنوں میں مکروہ ہے، پھر ۱۴ ذی الحجہ سے عمرہ کرسکتے ہیں۔

[۱۵۶۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَنِي بِالْحِلِّ.

[راجع: ۱۵۵۹]

[۱۵۶۶-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهَا قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللَّهِ! مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوْا بِعُمْرَةٍ، وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ؟ قَالَ: " إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي، وَقَلَّدْتُ هَدْيِي، فَلاَ أَحِلُّ حَتَّى أَنْحَرَ"[انظر: ۱۶۹۷، ۱۷۲۵، ۴۳۹۸، ۵۹۱۶]

حدیث: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لوگوں کا کیا حال ہے کہ انھوں نے عمرہ کرکے احرام کھول دیا، اور آپؐ اپنے عمرہ سے حلال نہیں ہوئے؟ آپؐ نے فرمایا: میں نے سر کے بال چپکا رکھے ہیں، اور اپنی قربانی کے جانوروں کو ہار پہنایا ہے، پس میں حلال نہیں ہونگا، یہاں تک کہ میں قربانی کروں۔

[۱۵۶۷-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ جَمْرَةَ نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ الضُّبَعِيُّ، قَالَ: تَمَتَّعْتُ، فَنَهَانِي نَاسٌ، فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَمَرَنِي، فَرَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَجُلاً يَقُوْلُ لِي: حَجٌّ مَبْرُوْرٌ وَعُمْرَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ! فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: سُنَّةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ قَالَ لِي: أَقِمْ عِنْدِي، وَأَجْعَلُ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي، قَالَ شُعْبَةُ: فَقُلْتُ: لِمَ؟ فَقَالَ: لِلرُّؤْيَا الَّتِي رَأَيْتُ. [انظر: ۱۶۸۸]

ترجمہ: ابو جمرہ کہتے ہیں: میں نے حج تمتع (کا ارادہ) کیا، لوگوں نے مجھے منع کیا (حضرت عمرؓ نے جو مصلحتاً منع کیا تھا وہ بات ابھی لوگوں کے ذہنوں میں تھی) پس میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا: انھوں نے مجھے تمتع کرنے کا حکم دیا، پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے: تیرا حج مبرور ہوا اور تیرا عمرہ مقبول ہوا، میں نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنا خواب سنایا، پس آپؓ نے فرمایا: یہ نبی ﷺ کا طریقہ ہے، پھر آپؓ نے مجھ سے کہا: میرے پاس رُک جا، میں اپنے مال (تنخواہ) میں تیرا بھی حصہ لگاؤں گا۔ شعبہؒ کہتے ہیں: میں نے ابو جمرہ سے پوچھا: آپ کو کیوں روکا؟ انھوں نے کہا: اسی خواب کی وجہ سے جو میں نے دیکھا تھا۔

تشریح: ابو جمرہ نیک آدمی تھے، اللہ کی طرف سے ان کو خواب میں خوشخبری سنائی گئی، یہ ان کے نیک ہونے کی دلیل ہے، اور فارسی اچھی جانتے تھے، اور بصرہ فارسی علاقہ تھا اور حضرت ابن عباسؓ وہاں کے گورنر تھے، اس لئے ابن عباسؓ نے ان سے فرمایا: میرے پاس رک جا، مجھے جو وظیفہ ملتا ہے اس میں سے تجھے بھی دونگا۔ چنانچہ وہ آپؓ کے پاس دو ماہ ٹھہرے۔

[۱۵۶۸-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ شِهَابٍ، قَالَ: قَدِمْتُ مُتَمَتِّعًا مَكَّةَ بِعُمْرَةٍ، فَدَخَلْنَا قَبْلَ التَّرْوِيَةِ بِثَلاَثَةِ أَيَّامٍ، فَقَالَ لِي أُنَاسٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ: تَصِيْرُ الآنَ حَجَّتُكَ مَكِّيَّةً، فَدَخَلْتُ عَلَى عَطَاءٍ أَسْتَفْتِيْهِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: أَنَّهُ حَجَّ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ سَاقَ الْبُدْنَ

مَعَهُ، وَقَدْ أَهَلُّوْا بِالْحَجِّ مُفْرَدًا، فَقَالَ لَهُمْ: "أَحِلُّوْا مِنْ إِحْرَامِكُمْ بِطَوَافِ الْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَقَصِّرُوْا، ثُمَّ أَقِيْمُوْا حَلاَلاً، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ فَأَهِلُّوْا بِالْحَجِّ، وَاجْعَلُوْا الَّتِي قَدِمْتُمْ بِهَا مُتْعَةً" فَقَالُوْا: كَيْفَ نَجْعَلُهَا مُتْعَةً وَقَدْ سَمَّيْنَا الْحَجَّ؟ فَقَالَ: "افْعَلُوْا مَا أَمَرْتُكُمْ، فَلَوْلاَ أَنِّي سُقْتُ الْهَدْيَ لَفَعَلْتُ مِثْلَ الَّذِي أَمَرْتُكُمْ، وَلَكِنْ لاَ يَحِلُّ مِنِّي حَرَامٌ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ، فَفَعَلُوْا"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: أَبُوْ شِهَابٍ لَيْسَ لَهُ مُسْنَدٌ إِلاَّ هٰذَا. [راجع: ۱۵۵۶]

ترجمہ: ابوشہاب موسیٰ بن نافع ہذلی کوفی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں تمتع کی نیت سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آیا، اور یوم الترویہ (آٹھ ذی الحجہ) سے تین دن پہلے پہنچا، پس مجھ سے مکہ کے کچھ لوگوں نے کہا: اب تمہارا حج مکی ہوگا (یعنی تم عمرہ کر کے احرام کھول دوگے، پھر آٹھ کو مکہ سے حج کا احرام باندھوگے پس تمہارا حج مکی ہوگا، اور تم گھاٹے میں رہوگے، اگر میقات سے حج کا احرام باندھ کر آتے تو زیادہ ثواب ملتا۔ ابوشہاب کہتے ہیں) پس میں حضرت عطاء رحمہ اللہ کے پاس مسئلہ پوچھنے گیا: انھوں نے فرمایا: مجھ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا، جس دن قربانی کے جانور اپنے ساتھ ہانکے، یعنی حجۃ الوداع میں اور لوگوں نے حج افراد کا احرام باندھا، پس نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: تم بیت اللہ کا طواف کر کے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کر کے احرام کھول دو، اور بال کتروادو، پھر حلال ہونے کی حالت میں (مکہ میں) رہو، یہاں تک کہ جب آٹھ تاریخ آئے تو حج کا احرام باندھو، اور اس حج کو جس کا احرام باندھ کر آئے ہو تمتع بنالو، صحابہ نے عرض کیا: ہم اس کو تمتع کیسے بنائیں، ہم نے تو حج کا احرام باندھا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جیسا میں کہتا ہوں ایسا کرو، اگر میں قربانی نہ لاتا تو میں بھی وہی کرتا جس کا میں نے تم کو حکم دیا ہے، لیکن میرے لئے ممنوعاتِ احرام حلال نہیں، تا آنکہ قربانی اس کی جگہ پہنچ جائے، یعنی جب تک قربانی ذبح نہ ہوجائے میں احرام نہیں کھول سکتا، پس لوگوں نے ایسا ہی کیا یعنی لوگوں نے جو کہا کہ تمہارا حج مکی ہوگیا اور ثواب گھٹ گیا یہ صحیح نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوشہاب کی صرف یہی ایک مرفوع حدیث ہے۔

[۱۵۶۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ الأَعْوَرُ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، قَالَ: اخْتَلَفَ عَلِيٌّ وَعُثْمَانُ وَهُمَا بِعُسْفَانَ فِي الْمُتْعَةِ، فَقَالَ عَلِيٌّ: مَا تُرِيْدُ إِلَى أَنْ تَنْهَى عَنْ أَمْرٍ فَعَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صل الله عليه وسلم؟ فَقَالَ عُثْمَانُ دَعْنِيْ عَنْكَ!

ترجمہ: سعید بن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان عُسفان مقام میں حج تمتع کے سلسلہ میں اختلاف ہوا (حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو تمتع کرنے سے منع کیا) پس حضرت علیؓ نے کہا: آپؓ کیا چاہتے ہیں: اس کام سے روکتے ہیں جو نبی ﷺ نے کیا ہے؟ پس حضرت عثمانؓ نے کہا: چھوڑیں آپ مجھے اپنے سے، یعنی مجھ

سے اس مسئلہ میں گفتگو مت کرو، پس جب حضرت علیؓ نے یہ دیکھا (کہ حضرت عثمانؓ اس مسئلہ میں بات نہیں کرنا چاہتے) تو انھوں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا (کیونکہ حج تمتع جائز ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منع کرنا مصلحتاً تھا)

بَابُ مَنْ لَبَّى بِالْحَجِّ وَسَمَّاهُ

جس نے حج کا تلبیہ پڑھا اور اس کو نامزد کیا

تلبیہ میں ایک آدھ بار حج یا عمرہ کا ذکر کرنا چاہئے، اگرچہ نیت کافی ہے، جب پہلی مرتبہ تلبیہ پڑھے تو اگر حج کا احرام ہے تو لبیک بحجة کہے اور عمرہ کا احرام ہے تو لبیک بعمرة کہے، اور دونوں کا احرام ہے تو لبیک بحجة و عمرة کہے، پھر آگے صراحت ضروری نہیں، صرف نیت کافی ہے۔

[۳۵-] بَابُ مَنْ لَبَّى بِالْحَجِّ وَسَمَّاهُ

[۱۵۷۰-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُوْلُ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: قَدِمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ نَقُوْلُ: لَبَّيْكَ بِالْحَجِّ، فَأَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَجَعَلْنَاهَا عُمْرَةً. [راجع: ۱۵۵۹]

بَابُ التَّمَتُّعِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

نبی ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کا تمتع کرنا

اس باب کا مقصد تمتع کی مشروعیت ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اس سے منع کیا تھا وہ مصلحتاً تھا، اور حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے اس سے مسئلہ کے طور پر منع کیا: جو صحیح نہیں تھا، کیونکہ عام طور پر مسلمان غریب ہیں اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، وہ حج کے لئے الگ سفر کریں اور عمرہ کے لئے الگ سفر کریں، اتنی گنجائش مسلمانوں کے پاس نہیں، اس لئے شریعت نے ایک ہی سفر میں دونوں کی اجازت دی ہے۔

[۳۶-] بَابُ التَّمَتُّعِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

[۱۵۷۱-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مُطَرِّفٌ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: تَمَتَّعْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَنَزَلَ الْقُرْآنُ، قَالَ رَجُلٌ بِرَأْيِهِ مَاشَاءَ. [انظر: ۴۵۱۸]

ترجمہ: حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے نبی ﷺ کے زمانہ میں تمتع کیا، اور قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے،

ارشاد پاک ہے: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾: جو عمرہ سے فائدہ اٹھائے حج کے ساتھ یعنی قران یا تمتع کرے اس پر قربانی واجب ہے ـــــ (پھر) ایک شخص نے اپنی رائے سے کہا جو چاہا، مراد حضرت عثمان یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾

تمتع اور قران اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں

تمتع اور قران صرف آفاقی کا حق ہے، حرم اور حل کے رہنے والے تمتع اور قران نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ قریب ہیں جب چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں، اس لئے ان کو حج الگ کرنا چاہئے اور عمرہ الگ۔ اور جو دور کے رہنے والے ہیں ان کے لئے حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کرنے میں پریشانی ہے، اس لئے ان کے لئے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنے کی اجازت ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں: یہ یعنی حج اور عمرہ ایک سفر میں کرنا اس شخص کے لئے ہے جس کی فیملی مسجد حرام میں نہیں رہتی، یعنی جو مکہ کا یا اس کے اردگرد کا باشندہ نہیں ہے وہی تمتع اور قران کر سکتا ہے۔

[۳۷-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾

[۱۵۷۲-] وَقَالَ أَبُوْ كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْبَصْرِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مَعْشَرٍ الْبَرَّاءُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ غِيَاثٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ الْحَجِّ، فَقَالَ: أَهَلَّ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْأَنْصَارُ وَأَزْوَاجُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَأَهْلَلْنَا، فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اجْعَلُوْا إِهْلَالَكُمْ بِالْحَجِّ عُمْرَةً إِلَّا مَنْ قَلَّدَ الْهَدْيَ" طُفْنَا بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَأَتَيْنَا النِّسَاءَ، وَلَبِسْنَا الثِّيَابَ، وَقَالَ: "مَنْ قَلَّدَ الْهَدْيَ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ" ثُمَّ أَمَرَنَا عَشِيَّةَ التَّرْوِيَةِ أَنْ نُهِلَّ بِالْحَجِّ، فَإِذَا فَرَغْنَا مِنَ الْمَنَاسِكِ جِئْنَا، فَطُفْنَا بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَقَدْ تَمَّ حَجُّنَا وَعَلَيْنَا الْهَدْيُ. كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ﴾ إِلٰى أَمْصَارِكُمْ، الشَّاةُ تُجْزِئُ، فَجَمَعُوْا نُسُكَيْنِ فِيْ عَامٍ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَهُ فِيْ كِتَابِهِ وَسَنَّهُ نَبِيُّهُ صلى الله عليه وسلم، وَأَبَاحَهُ لِلنَّاسِ غَيْرَ أَهْلِ مَكَّةَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة: ۱۹۶] وَأَشْهُرُ الْحَجِّ الَّتِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ: شَوَّالٌ، وَذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ. فَمَنْ تَمَتَّعَ فِيْ هٰذِهِ الْأَشْهُرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ أَوْ صَوْمٌ.

وَالرَّفَثُ: الْجِمَاعُ، وَالْفُسُوْقُ: الْمَعَاصِيْ، وَالْجِدَالُ: الْمِرَاءُ.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ان سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا، انھوں نے فرمایا: مہاجرین، انصار اور نبی ﷺ کی سب ازواج نے حجۃ الوداع میں (حج کا) احرام باندھا، اور ہم نے (بھی) احرام باندھا، پس جب ہم مکہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنے حج کے احرام کو عمرہ بنادو، مگر جس نے ہدی کو ہار پہنایا ہے" (یعنی جو قربانی ساتھ لایا ہے وہ ایسا نہ کرے) پس ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی اور عورتوں سے مقاربت کی، اور سلے ہوئے کپڑے پہنے، اور آپؐ نے فرمایا: "جس نے ہدی کو ہار پہنایا ہے وہ احرام نہیں کھول سکتا یہاں تک کہ ہدی اس کی ذبح ہونے کی جگہ میں پہنچ جائے" پھر آپؐ نے آٹھ ذی الحجہ کی شام کو ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم حج کا احرام باندھیں، پس جب ہم حج کے ارکان سے فارغ ہوگئے تو ہم مکہ آئے اور ہم نے بیت اللہ کا طواف (زیارت) کیا اور صفا ومروہ کی سعی کی، پس ہمارا حج مکمل ہوگیا۔ اور ہم پر قربانی واجب ہوگئی، جیسا اللہ عزوجل فرماتے ہیں: "جو قربانی میسر ہو وہ پیش کرو، اور جو قربانی نہ پائے وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے اور سات روزے اپنے وطن لوٹ کر رکھے" ایک بکری بھی کافی ہے، یعنی دم تمتع اور قران میں بڑا جانور ذبح کرنا ضروری نہیں، بکری کی قربانی بھی کافی ہے، پس لوگوں نے دونوں عبادتیں یعنی حج اور عمرہ ایک ہی سال میں جمع کیں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اپنی کتاب میں اتارا اور نبی ﷺ نے اس کو جاری کیا، اور مکہ والوں کے علاوہ لوگوں کے لئے اس کو جائز رکھا (یہاں باب ہے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "یہ یعنی تمتع اور قران اس شخص کے لئے ہیں جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہیں رہتے" —— اور اشہر حج جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے: شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہیں، پس جو ان مہینوں میں تمتع کرے اس پر قربانی یا روزے واجب ہیں، اور رفث کے معنی ہیں: جماع، اور فسوق کے معنی ہیں: گناہ کے کام، اور جدال کے معنی ہیں: جھگڑا کرنا۔

تشریح:

۱- اگر متمتع اور قارن کے پاس قربانی نہ ہو، تو اس کو دس روزے رکھنے ہونگے، تین روزے حج میں اور سات روزے گھر لوٹ کر رکھے، اور جو تین روزے حج سے پہلے رکھنے ہیں وہ اشہر حج میں حج کا احرام باندھ کر رکھنے ہیں، مگر مستحب یہ ہے کہ سات تا نو ذی الحجہ کے روزے رکھے، اور باقی سات روزے حج کے بعد مکہ میں بھی رکھ سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾: یہ دس روزے کامل ہیں، تلك مبتدا ہے اور عشرة كاملة مرکب توصیفی خبر ہے، اور عشرة کا معدود صیام محذوف ہے (جمل حاشیہ جلالین) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تین روزے مکہ میں رکھے ہیں اور جو سات روزے وطن میں رکھے ہیں: سب کامل ہیں، ان میں ناقص کوئی نہیں، اور یہ بات اس لئے فرمائی کہ کوئی خیال کرسکتا تھا کہ جو تین روزے مکہ میں حج کا احرام باندھ کر رکھے ہیں وہ تو کامل ہیں اور جو سات روزے وطن آکر رکھے ہیں وہ اس کے برابر نہیں، پس کیوں نہ سب روزے حج میں رکھے جائیں، پس فرمایا کہ دسوں روزے کامل ہیں، ان میں کوئی روزہ ناقص نہیں، پس یہ وہم ذہن سے نکال دو اور حکم شرعی کے مطابق عمل کرو۔

۲-تمتع کے لئے ضروری ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کیا ہو، کسی نے رمضان میں عمرہ کیا پھر مکہ میں رہ گیا اور موسم حج میں حج کیا تو وہ حج تمتع نہیں، کیونکہ اس نے اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا، اس لئے اس پر نہ قربانی ہے نہ دس روزے۔

۳-امام بخاری رحمہ اللہ نے رفث کے معنی بیان کئے ہیں: جماع، جبکہ اس کے اصل معنی ہیں: احرام میں زن وشوئی کی باتیں کرنا۔ اور فسوق مصدر ہے، اس کے اصل معنی ہیں: کسی چیز سے نکل جانا، کہتے ہیں: فَسَقَتِ الرُّطَبَۃُ عن قشرھا: کھجور گابھے سے نکل آئی۔ اور گناہوں کا ارتکاب بھی دین داری کے دائرہ سے نکال دیتا ہے اس لئے اس کو فسوق (نکلنا) کہتے ہیں۔

بَابُ الْاِغْتِسَالِ عِنْدَ دُخُوْلِ مَكَّةَ

مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا

جب مکہ قریب آئے تو سنت یہ ہے کہ نہادھو کر احرام کی صاف ستھری چادریں پہن کر مکہ میں داخل ہو اور طواف کرے، اس میں کعبہ شریف کی تعظیم ہے، مگر اب لوگ بسوں میں سفر کرتے ہیں اور بے بس ہوتے ہیں، اس لئے موقعہ ہو تو جدہ میں نہالے، ورنہ مکہ پہنچ کر نہائے۔

[۳۸-] بَابُ الْاِغْتِسَالِ عِنْدَ دُخُوْلِ مَكَّةَ

[۱۵۷۳-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، أَخْبَرَنَا أَيُّوْبُ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِذَا دَخَلَ أَدْنَى الْحَرَمِ أَمْسَكَ عَنِ التَّلْبِيَةِ، ثُمَّ يَبِيْتُ بِذِيْ طُوًى، ثُمَّ يُصَلِّيْ بِهِ الصُّبْحَ، وَيَغْتَسِلُ، وَيُحَدِّثُ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ. [راجع: ۱۵۵۳]

بَابُ دُخُوْلِ مَكَّةَ نَهَارًا وَلَيْلًا

دن یا رات میں مکہ میں داخل ہونا

آنحضور ﷺ مکہ مکرمہ میں دن میں داخل ہوئے تھے، مگر حضرت رحمہ اللہ نے باب میں لیلا بڑھایا ہے، اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ رات میں داخل ہونا بھی جائز ہے۔ اور نبی ﷺ جو دن میں داخل ہوئے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا قافلہ ستر اسّی ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا، پس اگر آپ رات میں داخل ہوتے تو لوگ بے چین ہو جاتے، علاوہ ازیں اس کا یہ فائدہ بھی تھا کہ لوگ مناسک دیکھیں اور سیکھیں، اس لئے آپ مکہ سے باہر ذی طوی مقام میں رک گئے، تاکہ جو لوگ پیچھے ہیں وہ آجائیں، اور وہاں سے ساتھ چلیں اور مکہ میں پہنچ کر آپ کے ساتھ طواف وغیرہ میں شریک ہوں اور مناسک سیکھیں۔

[۳۹-] بَابُ دُخُولِ مَكَّةَ نَهَارًا وَلَيْلًا

بَاتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِذِي طُوًى حَتَّى أَصْبَحَ، ثُمَّ دَخَلَ مَكَّةَ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ.

[۱۵۷۴-] حدثنا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَاتَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِذِي طُوًى حَتَّى أَصْبَحَ، ثُمَّ دَخَلَ مَكَّةَ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ.

[راجع: ۱۵۵۳]

بَابٌ: مِنْ أَيْنَ يَدْخُلُ مَكَّةَ؟ وَبَابٌ: مِنْ أَيْنَ يَخْرُجُ مِنْ مَكَّةَ؟

مکہ مکرمہ میں کہاں سے داخل ہو، اور کہاں سے نکلے؟

حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے تھے، بیت اللہ سے منی کی جانب بالائی حصہ ہے، اور مکہ کا مشہور قبرستان حجون اسی طرف ہے، اور حج سے فارغ ہوکر مکہ کے زیریں حصہ (مسفلہ) سے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی ہے، اور راستہ بدلنے کی وجہ یہ تھی کہ منی سے لوگ مکہ آرہے تھے، پس اگر آپ جس راستہ سے آئے تھے اسی راستہ سے لوٹتے تو آنے والوں کے ساتھ مزاحمت ہوتی، اور دوسری حکمت وہ ہے جو عیدین میں راستہ بدلنے کی ہے، یعنی دونوں راستوں میں مسلمانوں کی شوکت کا اظہار ہو، اور امراء کے لئے حفاظت خودی کا سامان ہو۔

[۴۰-] بَابٌ: مِنْ أَيْنَ يَدْخُلُ مَكَّةَ؟

[۱۵۷۵-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، حَدَّثَنِي مَعْنٌ، حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَدْخُلُ مَكَّةَ مِنَ الثَّنِيَّةِ الْعُلْيَا، وَيَخْرُجُ مِنَ الثَّنِيَّةِ السُّفْلٰى.

[انظر: ۱۵۷۶]

وضاحت: مکہ شریف کی مشرقی اور مغربی جانبوں میں پہاڑی سلسلہ ہے، اور ان کے بیچ میں جو راستہ ہوتا ہے وہ ثنیہ (گھاٹی کا راستہ) کہلاتا ہے۔

[۴۱-] بَابٌ: مِنْ أَيْنَ يَخْرُجُ مِنْ مَكَّةَ؟

[۱۵۷۶-] حدثنا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ الْبَصْرِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ مَكَّةَ مِنْ كَدَاءٍ مِنَ الثَّنِيَّةِ الْعُلْيَا الَّتِي بِالْبَطْحَاءِ، وَخَرَجَ مِنَ الثَّنِيَّةِ السُّفْلٰى. [راجع: ۱۵۷۵]

[۱۵۷۷-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالاَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمَّا جَاءَ إِلَى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلاَهَا، وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا. [انظر: ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۴۲۹۰، ۴۲۹۱]

[۱۵۷۸-] حدثنا مَحْمُوْدٌ، حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءٍ، وَخَرَجَ مِنْ كُدًى مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ [راجع: ۱۵۷۷]

[۱۵۷۹-] حدثنا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءٍ مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ، قَالَ هِشَامٌ: وَكَانَ عُرْوَةُ يَدْخُلُ عَلَى كِلْتَيْهِمَا مِنْ كَدَاءٍ وَكُدًى، وأَكْثَرُ مَا يَدْخُلُ مِنْ كُدًى، وَكَانَتْ أَقْرَبَهُمَا إِلَى مَنْزِلِهِ. [راجع: ۱۵۷۷]

[۱۵۸۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءٍ مِنْ أَعْلَى مَكَّةَ، وَكَانَ عُرْوَةُ أَكْثَرَ مَا يَدْخُلُ مِنْ كُدًى، وَكَانَ أَقْرَبَهُمَا إِلَى مَنْزِلِهِ. [راجع: ۱۵۷۷]

[۱۵۸۱-] حدثنا مُوْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَامَ الْفَتْحِ مِنْ كَدَاءٍ، وَكَانَ عُرْوَةُ يَدْخُلُ مِنْهُمَا كِلْتَيْهِمَا، وَكَانَ أَكْثَرَ مَا يَدْخُلُ مِنْ كُدًى أَقْرَبِهِمَا إِلَى مَنْزِلِهِ، قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: كَدَاءٌ وَكُدًى مَوْضِعَانِ. [راجع: ۱۵۷۷]

لغات اور وضاحت: کَدَاء (ممدود): ایک بلند ٹیلہ تھا، جنت المعلیٰ کے پاس .... کُدًی (مقصور): مکہ کی نشیبی جانب میں ایک جگہ کا نام ہے .... بَطْحَاء: سنگریزوں والی زمین .... حضرت عروہ جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں: جب مکہ جاتے تو دونوں جانبوں سے داخل ہوتے، معلوم ہوا کہ کسی خاص جانب سے داخل ہونا ضروری نہیں، اور وہ زیادہ تر زیریں حصہ سے داخل ہوتے، کیونکہ ان کا گھر اس جانب سے قریب تھا۔

بَابُ فَضْلِ مَكَّةَ وَبُنْيَانِهَا

مکہ مکرمہ اور اس کی تعمیر کی اہمیت

بَنَی (ض) بِنَاءً وَبُنْيَانًا: تعمیر کرنا، بنانا (حسّی اور معنوی دونوں تعمیریں)

اس باب میں مکہ معظمہ کی فضیلت کا بیان ہے اور یہ بیان ہے کہ مکہ کب اور کیسے آباد ہوا؟ حضرت رحمہ اللہ نے سورۂ بقرہ کی آیات (۱۲۶-۱۲۸) لکھی ہیں، ان کی تفصیل بہت ہے اور خلاصہ چار باتیں ہیں:

پہلی بات: کعبہ شریف کے معمار اور مزدور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہیں، جو اولوالعزم پیغمبر ہونے کے علاوہ ایک خلیل اللہ اور دوسرے ذبیح اللہ ہیں، ایسی عظیم ہستیوں نے کعبہ شریف تعمیر کیا، جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ اس لئے کعبہ شریف کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو فضیلت حاصل ہوئی، پس باب کا پہلا جزء فضل مکۃ ثابت ہوا۔

دوسری بات: کعبہ شریف اور مکہ شریف پوری دنیا کا مرکز ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے پانی تھا، اور اللہ کا عرش پانی پر تھا، جب آسمان وزمین کی تخلیق کا وقت آیا تو جس جگہ کعبہ شریف ہے وہاں پانی میں جوش پیدا ہوا اور بلبلے اٹھنے لگے، جس سے پانی میں انجماد شروع ہوا، جیسے کیتلی میں جس میں پانی گرم کیا جاتا ہے پتھر جم جاتا ہے، اسی طرح بیت اللہ کی جگہ ہزاروں سال جوش اور بلبلے اٹھنے کی وجہ سے انجماد شروع ہوا، پھر وہاں سے زمین کا پھیلاؤ شروع ہوا، گویا بیت اللہ شریف وہ نقطۂ اولیں ہے جہاں سے یہ وسیع وعریض زمین پھیل کر انسانوں کے لئے ٹھکانہ بنی ہے، اس وجہ سے کعبہ شریف کو اور اس کی وجہ سے مکہ معظمہ کو مرکزیت حاصل ہوئی، پس اس سے بھی کعبہ شریف کی اور اس کے واسطے سے مکہ شریف کی فضیلت نکلی۔

تیسری بات: مکہ شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے آباد ہوا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شیر خوار فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر شام سے چلے اور جہاں آج کعبہ ہے وہاں ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ میں ان کو چھوڑ دیا، یہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی، اور پانی کا بھی نام ونشان نہیں تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام ماں بیٹے کو وہاں چھوڑ کر اور ان کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کا ایک تھیلا رکھ کر لوٹنے لگے، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے چلیں، انھوں نے آپ سے پوچھا: ''آپ ہمیں ایسے میدان میں چھوڑ کر کہاں چل دیئے جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ مونس نہ غم خوار؟'' وہ بار بار یہ پوچھتی جارہی تھیں، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جارہے تھے، آخر حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا: ''کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟'' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں! میں تم کو خدائے پاک کے حکم سے چھوڑ کر جارہا ہوں، حضرت ہاجرہؓ نے کہا: تب اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کریں گے۔ یہ کہہ کر وہ واپس لوٹ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے، جب وہ ایسی جگہ پہنچے کہ اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہوگئے تو آپ رُکے اور کعبہ شریف کی طرف رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی: ''اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو بن کھیتی والے میدان میں آپ کے محترم گھر کے پاس آباد کیا ہے، اے ہمارے پالنہار! تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں، لہٰذا آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کردیجئے اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت فرمایئے تاکہ وہ شکر گذار بنیں'' (سورہ ابراہیم ۳۷) غرض مکہ شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے آباد ہوا ہے، پس اس سے بھی مکہ شریف کی فضیلت نکلی۔

چوتھی بات: دنیا کا دستور ہے: جہاں بادشاہ کا محل بنتا ہے وہاں چاروں طرف مکانات بننے شروع ہوجاتے ہیں اور جلد

وہاں بستی بس جاتی ہے، کعبہ شریف خدائے عز وجل کا گھر ہے جو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، پس جب مکہ مکرمہ میں اللہ کا گھر بنا تو چاروں طرف گھر بننے لگے اور مکہ مکرمہ آباد ہوگیا، اور ہر بادشاہ کے محل کا آنگن ہوتا ہے اور بیت اللہ کا آنگن حرم شریف ہے۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے آباد ہونے کی دعا کی، اور جب وہاں اللہ کا گھر بنا تو مکہ آباد ہوگیا ——— یہ میں نے مذکورہ آیات سے فضل مکہ کی چار وجوہ نکالی ہیں، آپ غور کریں گے تو ان کے علاوہ بھی وجوہ نکلیں گی۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ اور مختصر وضاحت: ''اور یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے کعبہ شریف کو لوٹنے کی اور امن والی جگہ بنایا'' ——— مَثَابَة کے معنی ہیں: لوٹنے کی جگہ، اکٹھا ہونے کی جگہ، پوری دنیا سے مسلمان ہر سال یہاں اکٹھا ہوتے ہیں اور لوٹ کر آتے ہیں، اور وہاں کوئی کسی پر زیادتی نہیں کرتا، یہ بھی کعبہ شریف اور مکہ شریف کی فضیلت کی ایک وجہ ہے ——— ''اور مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ'' ——— مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا ہے، کہتے ہیں: اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں، اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر اللہ کے حکم سے لوگوں کو حج کے لئے پکارا ہے، اس پتھر کے پاس طواف کا دوگانہ پڑھنا مستحب ہے۔ فضل مکہ کی ایک وجہ یہ پتھر بھی ہے ——— ''اور ہم نے ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کو خوب پاک رکھو، طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے یعنی نماز پڑھنے والوں کے لئے'' ——— یعنی کعبہ شریف نہایت پاکیزہ مقام ہے وہاں کوئی برائی نہ ہونے پائے، اور ناپاک آدمی اس کا طواف نہ کرے، اور اس کو دوسری آلودگیوں سے بھی پاک صاف رکھا جائے ——— ''اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے پروردگار! اس کو ایک امن والا شہر بنا دیجئے اور وہاں بسنے والوں کو پھلوں کی روزی عنایت فرمائیے، ان لوگوں کو جو ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ نے فرمایا: اور اس شخص کو بھی جو کفر کرے تھوڑے دن نفع پہنچاؤں گا، پھر اس کو جبراً دوزخ کے عذاب کی طرف لے جاؤں گا، اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے'' ——— جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا اس وقت مکہ شریف محض ایک اجڑ میدان تھا، چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی! الٰہی! اپنے فضل سے یہاں ایک شہر بسا دیجئے جو امن والا ہو، تاکہ تیرا گھر ہمیشہ آباد رہے، اور یہاں کے ایمان دار لوگوں کو پھلوں کی روزی دیجئے، کفار کے لئے دعا نہ کی تاکہ وہ جگہ کفر کی گندگی سے پاک رہے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ دنیا میں کفار کو بھی رزق دیا جائے گا۔ رزق کا حال امامت جیسا نہیں ہے کہ اہل ایمان کے سواء کسی کو نہ ملے، البتہ آخرت میں کفار کا انجام برا ہے ——— ''اور یاد کرو اس وقت کو جب اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) بنیادیں کعبہ شریف کی اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی (اور دعا کر رہے تھے) اے ہمارے پروردگار! قبول فرمائیے ہمارے اس کام کو (کعبہ شریف کی تعمیر کو) بیشک آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں، اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنائیے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا مطیع بنائیے، اور ہم کو حج کا طریقہ سکھلائیے اور ہم کو معاف

فرمایئے، بیشک آپ ہی توجہ فرمانے والے، مہربانی فرمانے والے ہیں'' (ماخوذ از تفسیر ہدایت القرآن وفوائد عثمانی)

[٤٢-] بَابُ فَضْلِ مَكَّةَ وَبُنْيَانِهَا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا، وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى، وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ، وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا، وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ، مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، قَالَ: وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيْلًا، ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النَّارِ، وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ، وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيْلُ: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ، وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ، وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا، وَتُبْ عَلَيْنَا، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرة: ١٢٦-١٢٨]

[١٥٨٢-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: لَمَّا بُنِيَتِ الْكَعْبَةُ ذَهَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَعَبَّاسٌ يَنْقُلَانِ الْحِجَارَةَ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: اجْعَلْ إِزَارَكَ عَلَى رَقَبَتِكَ، فَخَرَّ إِلَى الْأَرْضِ، فَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: "أَرِنِيْ إِزَارِيْ" فَشَدَّهُ عَلَيْهِ. [راجع: ٣٦٤]

حوالہ: یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ (ثیاب المصلی باب ٨) میں تفصیل سے گذر چکی ہے، اور یہاں اس حدیث کو پیش کرنے کی غرض یہ ہے کہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے مزدوری نہیں کی، بلکہ آقائے دوجہاں نے بھی مزدوری کی ہے۔ بیت اللہ شریف کے معمار خلیل اللہ ہیں اور پہلے مزدور ذبیح اللہ ہیں اور آخری مزدور حبیب اللہ ہیں (تحفۃ القاری ٢: ١٩١)

[١٥٨٣-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ أَخْبَرَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَهَا: "أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ قَوْمَكِ حِيْنَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ اقْتَصَرُوْا عَنْ قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيْمَ"، فَقُلْتُ: يَارسولَ اللّٰهِ! أَلَا تَرُدُّهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيْمَ؟ قَالَ: "لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَفَعَلْتُ" فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَئِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ سَمِعَتْ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، مَا أُرَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَرَكَ اسْتِلَامَ الرُّكْنَيْنِ اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحِجْرَ، إِلَّا أَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يُتَمَّمْ عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيْمَ. [راجع: ١٢٦]

وضاحت: یہ حدیث گذر چکی ہے (دیکھئے تحفۃ القاری ١: ٤٣٣)

حدیث کا آخر: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث آنحضور ﷺ سے سنی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ حطیم سے متصل جو دو کونے ہیں ان کا نبی ﷺ استلام اس لئے نہیں کرتے تھے کہ وہ بنائے ابراہیمی پر نہیں ہیں۔ (کعبہ شریف کے دو کونے (رکن یمانی اور جس کونے میں حجر اسود ہے) یہ دونوں اپنی اصل بنیادوں پر ہیں، اور حطیم کی طرف کے دو کونے اپنی اصل بنیادوں پر نہیں ہیں اس لئے آپؐ نے ان کا استلام نہیں کیا)

[۱۵۸۴-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، حَدَّثَنَا الْأَشْعَثُ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْجَدْرِ: أَمِنَ الْبَيْتِ هُوَ؟ قَالَ: "نَعَمْ" قُلْتُ: فَمَا لَهُمْ لَمْ يُدْخِلُوْهُ فِي الْبَيْتِ؟ قَالَ: " إِنَّ قَوْمَكِ قَصُرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ" قُلْتُ: فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا؟ قَالَ: "فَعَلَ ذٰلِكَ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوْا مَنْ شَاؤُا وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَاؤُا، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ: أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ، وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ" [راجع: ۱۲۶]

ترجمہ: صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے حطیم کے بارے میں پوچھا: کیا وہ بیت اللہ کا جزء ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا: پس لوگوں نے اس کو بیت اللہ میں داخل کیوں نہیں کیا؟ آپؐ نے فرمایا: تیری قوم کے پاس مال کم تھا (تعمیر کعبہ کے لئے جو چندہ جمع ہوا تھا وہ ناکافی تھا، اس لئے کعبہ چھوٹا بنایا) میں نے پوچھا: اور دروازہ اونچا رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تیری قوم نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ جس کو چاہیں داخل ہونے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔ اور اگر تیری قوم نئی مسلمان نہ ہوئی ہوتی اور ان کے قلوب کے بگڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا، اور اس کے دروازہ کو زمین سے ملا دیتا (الجَدْر: دیوار، گھیرا، جمع جُدْران)

[۱۵۸۵-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " لَوْلَا حَدَاثَةُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَنَقَضْتُ الْبَيْتَ، ثُمَّ لَبَنَيْتُهُ عَلَى أَسَاسِ إِبْرَاهِيْمَ، فَإِنَّ قُرَيْشًا اسْتَقْصَرَتْ بِنَاءَهُ، وَجَعَلْتُ لَهُ خَلْفًا" وَقَالَ أَبُوْ مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: خَلْفًا يَعْنِيْ بَابًا. [راجع: ۱۲۶]

[۱۵۸۶-] حدثنا بَيَانُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ ابْنُ هَارُوْنَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَهَا: "يَا عَائِشَةُ، لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ، لَأَمَرْتُ بِالْبَيْتِ فَهُدِمَ، فَأَدْخَلْتُ فِيْهِ مَا أُخْرِجَ مِنْهُ، وَأَلْزَقْتُهُ بِالْأَرْضِ، وَجَعَلْتُ لَهُ بَابَيْنِ، بَابًا شَرْقِيًّا وَبَابًا غَرْبِيًّا، فَبَلَغْتُ بِهِ أَسَاسَ إِبْرَاهِيْمَ" فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَمَلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ عَلَى هَدْمِهِ، قَالَ يَزِيْدُ: وَشَهِدْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ حِيْنَ هَدَمَهُ وَبَنَاهُ، وَأَدْخَلَ فِيْهِ مِنَ الْحِجْرِ، وَقَدْ رَأَيْتُ

أَسَاسَ إِبْرَاهِيمَ حِجَارَةً كَأَسْنِمَةِ الْإِبِلِ، قَالَ جَرِيْرٌ: فَقُلْتُ لَهُ: أَيْنَ مَوْضِعُهُ؟ قَالَ: أُرِيْكَهُ الْآنَ، فَدَخَلْتُ مَعَهُ الْحِجْرَ، فَأَشَارَ إِلَى مَكَانٍ، فَقَالَ: هَاهُنَا، قَالَ جَرِيْرٌ: فَحَزَرْتُ مِنَ الْحِجْرِ سِتَّةَ أَذْرُعٍ أَوْ نَحْوَهَا.
[راجع: ۱۲۶]

دوسری حدیث کا آخر: اسی حدیث کی وجہ سے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے (اپنی خلافت کے زمانہ میں) کعبہ شریف کو گرایا، یزید بن رومان کہتے ہیں: میں حضرت ابن الزبیرؓ کے ساتھ تھا جب انھوں نے کعبہ شریف گرایا اور بنایا، اور حطیم کو اندر لیا، اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کے پتھر دیکھے اونٹوں کی کوہانوں کی طرح۔ جریر کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کہاں تھی؟ یزید نے کہا: میں تجھے ابھی دکھاتا ہوں، پس میں یزید کے ساتھ حطیم میں گیا، انھوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہاں۔ جریر کہتے ہیں: پس میں نے حطیم کی دیوار سے تقریباً چھ ہاتھ کا اندازہ کیا یعنی حطیم کی طرف جو کعبہ شریف کی دیوار ہے اس سے چھ ہاتھ کے قریب وہ جگہ تھی۔ بیت اللہ وہیں تک تھا، پورا حطیم بیت اللہ میں شامل نہیں۔

مسئلہ: حطیم کا بیت اللہ میں شامل ہونا خبر واحد سے ثابت ہے جو دلیل ظنی ہے، اس لئے صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔

بَابُ فَضْلِ الْحَرَمِ

حرم شریف کی فضیلت

حرم شریف بیت اللہ کے ارد گرد مخصوص جگہ کا نام ہے، جس کی ستون کھڑی کر کے نشاندہی کر دی گئی ہے، جو مدینہ منورہ کی جانب تین میل، عراق کی جانب سات میل، جعرانہ کی جانب نو میل اور جدہ کی جانب دس میل ہے (حاشیہ) اور یہ حدیں اللہ عزوجل کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر کی ہیں۔ پس کعبہ شریف اللہ کا گھر ہے، یعنی متبرک مقام ہے اور حرم اس کا صحن ہے، اس لئے جو کعبہ شریف کی فضیلت ہے وہی حرم کی ہے، اور یہی باب کا مدعی ہے۔

پہلی آیت کا ترجمہ: مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو حرمت (عزت) دی، اور اسی کی ہے ہر چیز، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوؤں۔

تفسیر: شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے، اس کا ایک حرم (صحن) ہے، وہ حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہیں بلکہ خود اللہ عزوجل نے مقرر کیا ہے، یہی حرم کی فضیلت ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ: کیا ہم نے ان کو ٹھکانہ نہیں دیا پناہ والے حرم میں (یہاں باب ہے) جہاں پر پھل پہنچتا ہے (وہاں کے باشندوں کے لئے یہ) ہماری طرف سے روزی کا انتظام ہے، مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

تفسیر: کفار مکہ کہتے تھے: اگر ہم مسلمان ہوجائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہوجائے گا، اور ہم پر چڑھائی کردے گا اور ہمیں مکہ سے نکال دے گا، اللہ نے فرمایا: اب ان کی دشمنی سے کس کی پناہ میں ہو؟ یہی حرم کا ادب مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کرکے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے، پس جس پاک ہستی نے اس شہر کو امن والا اور محترم بنایا ہے اور کفر وشرک کے باوجود تم کو پناہ دی ہے کیا وہ ایمان وتقوی والی زندگی اختیار کرنے پر تمہیں پناہ نہیں دے گا؟

[٤٣-] بَابُ فَضْلِ الْحَرَمِ

[١-] وَقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا، وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ، وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾[النمل: ٩١]

[٢-] وَقَوْلُهُ: ﴿أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ، رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا، وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[القصص: ٥٧]

[١٥٨٧-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيْدِ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ: " إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللهُ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ، إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا"[راجع: ١٣٤٩]

حوالہ: حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب العلم باب ۳۷ (تحفۃ القاری ۱: ۳۹۶) میں ہے۔

بَابُ تَوْرِيْثِ دُوْرِ مَكَّةَ وَبَيْعِهَا وَشِرَائِهَا، وَأَنَّ النَّاسَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سَوَاءٌ خَاصَّةً

مکہ کے مکانوں کی توریث اور ان کی بیع وشراء، اور یہ بات کہ لوگ صرف مسجد حرام میں برابر ہیں

مکہ مکرمہ کی وہ جگہیں جہاں حج کے ارکان ادا کئے جاتے ہیں، جیسے بیت اللہ، مسجد حرام، سعی کی جگہ، منی، مزدلفہ اور عرفات وغیرہ: یہ جگہیں مسلمانوں کے لئے وقف ہیں، ان میں کسی کا مالکانہ حق تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

اور مکہ مکرمہ کے دیگر مکانات اور حرم کی باقی زمینیں بعض کے نزدیک وقف عام ہیں، ان کا فروخت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں، نہ ان میں میراث جاری ہوسکتی ہے۔ اور یہ امام اعظم اور حضرت اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ وغیرہ کی پہلی رائیں تھیں۔ اور جمہور کے نزدیک بشمول امام بخاری رحمہ اللہ مکہ کے مکانات اور زمینیں ملکِ خاص ہیں، پس ان کی خرید وفروخت اور ان کو کرایہ پر دینا درست ہے۔ اور ان میں میراث بھی جاری ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جمہور کے موافق جواز کی روایت بھی مروی ہے، اور فتوی اسی پر ہے کہ ملکِ خاص ہیں، ان کی خرید وفروخت اور کرایہ پر دینا درست ہے، درمختار میں ہے: وجاز بیعُ بیوتِ مکۃ وأرضِہا بلاکراھۃ، وبہ قال

الشافعي، وبه يفتي (شامی ۵:۲۷۸) پس مفتی بہ قول کے اعتبار سے تو اب کوئی اختلاف نہیں رہا۔ مگر پہلے یہ مسئلہ معرکۃ الآراء تھا، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر کئی باب قائم کئے ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں مناظرہ بھی ہوا ہے اور انھوں نے اپنے فتوی سے رجوع بھی کیا ہے (روح المعانی)

اور جب اختلاف تھا تو جمہور اضافتوں سے استدلال کرتے تھے، اضافتیں ملکیت پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے: ﴿أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾: مسلمان "اپنے گھروں" سے ناحق نکالے گئے، اور فتح مکہ کے موقعہ پر اعلان کیا گیا تھا من أغلق بابه فهو آمن، ومن دخل دارَ أبي سفيان فهو آمن، اور مکہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیل کے لئے حضرت صفوانؓ سے ایک مکان خریدا تھا۔

اور امام اعظم اور حضرت اسحاق رحمہما اللہ سورۃ الحج کی (آیت ۲۵) سے استدلال کرتے تھے، یہ آیت امام بخاریؒ نے باب میں لکھی ہے: "بے شک جن لوگوں نے دینِ اسلام کا انکار کیا، اور وہ اللہ کے راستے سے یعنی دین اسلام سے اور مسجدِ حرام سے روکتے ہیں، جس کو ہم نے تمام لوگوں کے لئے بنایا ہے، جس میں مقامی باشندہ اور باہر سے آنے والا برابر ہیں"

البادی اور الباد کے معنی ہیں: الطاری: باہر سے آنے والا، اور اس کا مقابل العاکف ہے یعنی مقامی باشندہ، اس سے معکوفا ہے، جس کے معنی ہی: روکا ہوا، پس مقامی باشندے عاکف ہیں۔

ان حضرات کا استدلال یہ تھا کہ حرم شریف مسجدِ حرام کا اہم جزء ہے، اس لئے آیت میں مسجدِ حرام بول کر پورا حرم شریف مراد لیا گیا ہے، کیونکہ حدیبیہ کے سال جو صورت پیش آئی تھی وہ یہی تھی کہ کفار مکہ نے آپؐ کو صرف مسجدِ حرام سے نہیں روکا تھا، بلکہ حدودِ حرم میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے دوسرے جزء میں اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ مسجدِ حرام سے خاص کعبہ شریف مراد ہے، پورا حرم مراد نہیں، کیونکہ مسجدِ حرام: در اصل کعبہ شریف کا نام ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۴۴) میں ہے: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾: نماز میں آپؐ اپنا چہرہ کعبہ شریف کی طرف پھیر لیجئے، پھر اس مسجد کو بھی مسجد حرام کہنے لگے جو بیت اللہ کے گرد بنائی گئی ہے، اور اسی کے حکم میں تمام مناسک ہیں یعنی وہ جگہیں ہیں جہاں حج کے ارکان ادا کئے جاتے ہیں، پورا حرم شریف اس سے مراد نہیں۔

[٤٤-] بَابُ تَوْرِيْثِ دُوْرِ مَكَّةَ وَبَيْعِهَا وَشِرَائِهَا، وَأَنَّ النَّاسَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سَوَاءٌ خَاصَّةً لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُرِدْ فِيْهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾[الحج: ٢٥]

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: الْبَادِيْ: الطَّارِئُ، مَعْكُوْفًا: مَحْبُوْسًا.

[۱۵۸۸-] حدثنا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَيْنَ تَنْزِلُ: فِيْ دَارِكَ بِمَكَّةَ؟ فَقَالَ: "وَهَلْ تَرَكَ عَقِيْلٌ مِنْ رِبَاعٍ أَوْ: دُوْرٍ؟" وَكَانَ عَقِيْلٌ وَرِثَ أَبَا طَالِبٍ: هُوَ وَطَالِبٌ، وَلَمْ يَرِثْهُ جَعْفَرٌ وَلاَ عَلِيٌّ شَيْئًا، لِأَنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ، وَكَانَ عَقِيْلٌ وَطَالِبٌ كَافِرَيْنِ. فَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ: لاَيَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ.

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَكَانُوْا يَتَأَوَّلُوْنَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَنَصَرُوْا أُوْلٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ الآيَةَ [الأنفال: ۷۲]

[انظر: ۳۰۵۸، ۴۲۸۲، ۶۷۶۴]

ترجمہ: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ مکہ میں کہاں اتریں گے: اپنے گھر میں؟ آپؐ نے فرمایا: "کیا عقیل نے کوئی جائداد یا فرمایا گھر چھوڑا ہے؟" یعنی مکہ میں ہمارا گھر کہاں ہے، سب کچھ عقیل نے بیچ کھایا ہے اور عقیل اور طالب: ابوطالب کے وارث بنے تھے اور حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو وارثت میں کچھ نہیں ملا تھا، اس لئے کہ وہ دونوں مسلمان تھے، اور عقیل اور طالب کافر تھے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا ــــ ابن شہاب کہتے ہیں: اور لوگ اللہ عزوجل کے اس قول سے استدلال کرتے تھے: بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وطن چھوڑا، اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے ان کو ٹھکانہ دیا ان میں سے بعض بعض کے وارث ہیں۔

تشریح:

۱- ابوطالب کی وفات کے بعد ان کا گھر عقیل کے حصہ میں آیا تھا، اس وقت عقیل اور طالب کافر تھے، اس لئے ان دونوں کو میراث ملی تھی، اور حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کو میراث نہیں ملی تھی کیونکہ وہ مسلمان تھے، اور عقیل کو وارثت میں جو گھر ملا تھا وہ انھوں نے بیچ کھایا تھا۔ معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کے مکانوں میں وارثت جاری ہوتی ہے، اور ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

۲- کوئی مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، کیونکہ سورۃ انفال کی آیت ۷۲ کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کروائی گئی تھی، اور اس کی بنیاد پر میراث ملتی تھی، اس لئے کہ مہاجرین کے اکثر رشتہ دار کافر تھے، اور کافر کی میراث مسلمان کو نہیں ملتی، اس لئے مؤاخات کی بنیاد پر مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا وارث بنایا گیا تھا، پھر جب مکہ والے سبھی مسلمان ہوگئے تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اور اس کی جگہ دوسری آیت ﴿وَأُوْلُوْا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ نازل ہوئی۔

بَابُ نُزُوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ

نبی ﷺ کا مکہ میں اترنا

یہ ذیلی باب ہے، اوپر بتایا ہے کہ جمہور کا استدلال اضافات سے ہے، اضافت ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گذشتہ حدیث میں نبی ﷺ نے اپنے خاندان کے مکانوں کو عقیل کی طرف منسوب کیا ہے، یہ دلیل ہے کہ وہ مکان ان کی ملک تھا، پس اس کو بیچا خریدا جاسکتا ہے، اور عقیل کو وہ مکان وارثت میں ملا تھا، معلوم ہوا کہ مکہ کے مکانوں میں وارثت جاری ہوتی ہے۔

[٤٥-] بَابُ نُزُوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: نُسِبَتِ الدُّوْرُ إِلٰى عَقِيْلٍ، وَتُوْرَثُ الدُّوْرُ، وَتُبَاعُ وَتُشْتَرٰى.

[١٥٨٩-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ أَرَادَ قُدُوْمَ مَكَّةَ: "مَنْزِلُنَا غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِخَيْفِ بَنِيْ كِنَانَةَ، حَيْثُ تَقَاسَمُوْا عَلَى الْكُفْرِ" [انظر: ١٥٩٠، ٣٨٨٢، ٤٢٨٤، ٤٢٨٥، ٧٤٧٩]

[١٥٩٠-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْغَدِ يَوْمَ النَّحْرِ، وَهُوَ بِمِنًى: "نَحْنُ نَازِلُوْنَ غَدًا بِخَيْفِ بَنِيْ كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوْا عَلَى الْكُفْرِ" يَعْنِيْ بِذٰلِكَ الْمُحَصَّبَ. وَذٰلِكَ أَنَّ قُرَيْشًا وَكِنَانَةَ تَحَالَفَتْ عَلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَوْ: بَنِي الْمُطَّلِبِ: أَنْ لَا يُنَاكِحُوْهُمْ، وَلَا يُبَايِعُوْهُمْ حَتّٰى يُسْلِمُوْا إِلَيْهِمُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم.

وَقَالَ سَلَامَةُ، عَنْ عُقَيْلٍ، وَيَحْيَى بْنُ الضَّحَّاكِ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، وَقَالَا: بَنِيْ هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ، قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: بَنِي الْمُطَّلِبِ أَشْبَهُ. [راجع: ١٥٨٩]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے جب ۱۳ ذی الحجہ کو منی سے مکہ لوٹنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: "اگر اللہ نے چاہا تو کل خیف بنی کنانہ میں ہمارا اترنا ہوگا، جہاں انھوں نے کفر پر جمے رہنے کی قسمیں کھائی تھیں۔

تشریح: خیف کے معنی ہیں: دامن کوہ، اور کنانہ آنحضور ﷺ کے اوپر کے دادا ہیں، اور حضرت رحمہ اللہ کا استدلال اضافت سے ہے، اور اس کا جواب یہ ہے کہ اضافت تو مجازی بھی ہوتی ہے، کہتے ہیں: یہ فلاں طالب علم کا کمرہ ہے، حالانکہ وہ مدرسہ کی ملک ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے یوم النحر سے اگلے دن یعنی گیارہ ذی الحجہ کو فرمایا جبکہ آپ منی میں تھے کہ کل ہم خیف بنی کنانہ میں اتریں گے، جہاں قریش نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں، آپ نے خیف بنی کنانہ سے محصّب مراد لیا ہے۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ قریش اور کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ــــ یا کہا: بنو المطلب ــــ کے بارے میں قسمیں کھائیں کہ وہ ان کو لڑکی نہ دیں گے نہ لیں گے، نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے جب تک وہ نبی ﷺ کو ان کے حوالے نہیں کریں گے ــــ ولید کی روایت میں بنی عبد المطلب اور بنی المطلب میں شک ہے اور سلامۃ بن روح اور یحییٰ بن الضحاک کی روایت میں بے شک بنی المطلب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے، کیونکہ بنو عبد المطلب تو بنو ہاشم میں آگئے۔

تشریح: خیف بنی کنانہ، محصّب، ابطح اور بطحاء ایک ہی جگہ کے نام ہیں، اور یہ وہی میدان ہے جہاں قریش نے قسمیں کھائی تھیں، اور آپ کا، ابو طالب کا، بنو ہاشم کا اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کیا تھا کہ جب تک وہ نبی ﷺ کو سپرد نہ کریں ان کے ساتھ کوئی راہ و رسم نہ رکھی جائے، چنانچہ تین سال آپ نے اور آپ کے خاندان نے مشقت کے ساتھ کاٹے، پھر آپ نے اطلاع دی کہ قریش نے جس عہد نامہ کو خانہ کعبہ میں لٹکایا ہے اس کو دیمک چاٹ گئی ہے، تب جا کر قید سے نجات ملی، اور بائیکاٹ ختم ہوا۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا ﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو محترم گھر (کعبہ شریف) کے پاس بسایا

اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے، اور جب قرآنِ کریم کی آیت لکھ دی تو اب روایت کی ضرورت بھی نہیں، اور یہ بھی ذیلی باب ہے، اور استدلال ﴿عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ سے ہے، جو جگہ مُسبَل (وقف) اور مشترک ہے وہ بیتك المحرم (کعبہ شریف) ہے، اور اس کے اردگرد کا حرم مملوکہ ہے۔

محولہ آیات کا ترجمہ: اور یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا فرمائی:

۱- اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا شہر بنا دیجئے یعنی یہاں کے لوگوں کو ہر قسم کے اندیشوں سے محفوظ رکھیے۔

۲- اور مجھے اور میرے لڑکوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھئے ــــ نبی شرک و بت پرستی، بلکہ گناہ سے بھی محفوظ ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود اولاد کو شرک و بت پرستی سے بچانے کی دعا کرنا ہے، اور دعا کی اہمیت جتانے کے لئے خود کو بھی دعا میں شامل کیا ہے ــــ اے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے ــــ یعنی یہ مورتیاں بہت خطرناک ہیں، انھوں نے بہت سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے ــــ پس جو شخص میرے طریقہ پر چلا وہ یقیناً میرا ہے، اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو آپ یقیناً بے حد درگذر فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں ــــ یعنی آپ اپنی رحمت

سے اس کو توبہ کی توفیق دیں اور دین حق کی طرف لوٹا کر اس کا گناہ معاف فرمادیں، پھر وہ میرا ہو جائے گا۔

۳- اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ــــ یعنی بنی اسماعیل کو ــــ بن کھیتی والے میدان میں، آپ کے محترم گھر کے پاس آباد کیا ہے، اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں، پس آپ کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کر دیجئے، اور ان کو پھلوں کی روزی عنایت فرمایئے، تاکہ وہ شکر گذار بنیں!

[٤٦-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ، رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِنَ النَّاسِ، فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهُ مِنِّيْ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ۝ رَبَّنَا إِنِّيْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ، رَبَّنَا لِيُقِيْمُوْا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِيْ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾

کعبہ شریف لوگوں کے بقاء کا سبب ہے

یہ بھی ذیلی باب ہے اور البیت الحرام سے استدلال ہے کہ مشترک جگہ صرف کعبہ شریف ہے، مکہ مکرمہ کے باقی مکان مملوکہ ہیں۔

آیت پاک کا ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو محترم گھر اور لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے (چنانچہ جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے تو جلد قیامت آجائے گی) اور عزت والے مہینہ کو بھی، اور حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی، اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں۔

[٤٧-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ ﴾

[١٥٩١-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوْ السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ" [انظر: ١٥٩٦]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: حبشہ کا چھوٹی پنڈلیوں والا کعبہ شریف کو اجاڑ دے گا۔

تشریح: بیت اللہ شریف کو اجاڑنے کی ہر زمانہ میں کوششیں کی گئی ہیں، آج بھی جاری ہیں اور قیامت تک کی جاتی رہیں گی، مگر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوئی نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے: ''لوگ بیت اللہ پر حملہ کرنے سے باز نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ ایک لشکر حملہ آور ہوگا، جب وہ بیداء (چٹیل زمین) میں ہوگا تو ان کے اگلے اور ان کے پچھلے سب دھنسا دیئے جائیں گے'' (ترمذی حدیث ۲۱۸۱) لیکن جب قیامت کا قیام منظور ہوگا، اور دنیا کی بساط پلٹنے کا وقت آئے گا تو حبشہ کا ایک شخص جس کی چھوٹی پنڈلیاں ہونگی یعنی ناقص الخلقت ہوگا، لشکر لے کر آئے گا اور کعبہ شریف کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا، پھر مسلمان کعبہ شریف کی تعمیر نو نہیں کرسکیں گے، مگر ادھر ہی نمازیں پڑھتے رہیں گے اور حج بھی ہوتا رہے گا، پھر رفتہ رفتہ لوگوں کے ذہن سے کعبہ شریف کا تصور نکل جائے گا، اور قیامت قائم ہوجائے گی۔

استدلال: حبشہ کا یہ شخص صرف بیت اللہ کو اجاڑے گا، دوسرے گھروں کو نہیں اجاڑے گا، کیونکہ بیت اللہ سے اس کی دشمنی ہوگی، دوسرے مکانات لوگوں کے ہیں ان سے کوئی دشمنی نہیں ہوگی، جیسے ابرہہ نے جب بیت اللہ پر چڑھائی کی تو فوج نے سب کے مویشی پکڑ لئے، ان میں عبدالمطلب کے بھی اونٹ تھے، عبدالمطلب ان کو لینے کے لئے گئے، ابرہہ نے آپ کا اعزاز کیا وہ قوم کے سردار تھے، اور اللہ عزوجل نے ان کو حسن و جمال اور وقار و دبدبہ بھی عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے ہر شخص مرعوب ہوجاتا تھا، ابرہہ عبدالمطلب کو دیکھ کر مرعوب ہوگیا اور نہایت اکرام واحترام کے ساتھ پیش آیا۔ گفتگو شروع ہوئی تو عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا، ابرہہ کو بڑا تعجب ہوا اس نے کہا: آپ نے مجھ سے اپنے اونٹوں کے بارے میں کہا اور خانہ کعبہ کے بارے میں جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ومذہب ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا، عبدالمطلب نے جواب دیا: میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے میں نے اونٹوں کا مطالبہ کیا اور کعبہ شریف کا مالک خدا ہے وہ خود اپنے گھر کی حفاظت کرلے گا، اس واقعہ میں بھی عبدالمطلب نے اپنی ملکیت اور خدا کی ملکیت کو جدا جدا کیا ہے، اسی طرح چھوٹی پنڈلیوں والا صرف کعبہ کو اجاڑے گا، سارے مکہ کو نہیں اجاڑے گا، کیونکہ ان گھروں سے اس کو کوئی دشمنی نہیں ہوگی، وہ لوگوں کے گھر ہیں، اگر وہ اللہ کی ملکیت ہوتے تو وہ مکہ کے سارے گھروں کو ڈھادیتا، یہ حدیث سے استدلال ہے اور بہت گہرا استدلال ہے۔

[۱۵۹۲-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ عَاشُوْرَاءَ، قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ رَمَضَانُ، وَكَانَ يَوْمًا تُسْتَرُ فِيْهِ الْكَعْبَةُ، فَلَمَّا فَرَضَ اللهُ رَمَضَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ شَاءَ أَنْ يَصُوْمَهُ فَلْيَصُمْهُ، وَمَنْ شَاءَ أَنْ يَتْرُكَهُ فَلْيَتْرُكْهُ" [انظر: ۱۸۹۳، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۳۸۳۱، ۴۵۰۲، ۴۵۰۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: لوگ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے دس محرم کا روزہ رکھتے تھے، اور اسی دن کعبہ شریف پر (نیا) پردہ ڈالا جاتا تھا، پس جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا چاہے رکھے، اور جو نہ رکھنا چاہے نہ رکھے''

تشریح: تستر فيه الكعبة: سے استدلال ہے، پہلے یوم عاشوراء میں کعبہ شریف کا غلاف بدلا جاتا تھا، اب حکومت عرفہ کے دن جب سب حاجی عرفہ چلے جاتے ہیں کعبہ شریف کا غلاف بدلتی ہے، یہاں یہ سوال ہے کہ صرف کعبہ شریف ہی کو کپڑا کیوں اوڑھایا جاتا ہے، مکہ کے دوسرے مکانوں کو کپڑا کیوں نہیں اوڑھایا جاتا؟ اس کی صرف یہی ایک وجہ ہے کہ کعبہ شریف اللہ کا گھر ہے اس لئے اس کو نیا غلاف پہنایا جاتا ہے، اور دوسرے مکان لوگوں کے مملوکہ ہیں، پس جس کا جی چاہے ان پر رنگ روغن کرائے اور جو نہ چاہے نہ کرائے، یہ استدلال ہے۔

[۱۵۹۳-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "لَيُحَجَّنَّ الْبَيْتُ وَلَيُعْتَمَرَنَّ بَعْدَ خُرُوْجِ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ"

تَابَعَهُ أَبَانُ، وَعِمْرَانُ، عَنْ قَتَادَةَ، وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: " لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُحَجَّ الْبَيْتُ" وَالْأَوَّلُ أَكْثَرُ، قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: سَمِعَ قَتَادَةُ عَبْدَ اللّٰهِ، وَعَبْدُ اللّٰهِ أَبَا سَعِيْدٍ.

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: البتہ ضرور بیت اللہ کا قصد کیا جاتا رہے گا اور ضرور بیت اللہ کی زیارت کی جاتی رہے گی یعنی حج وعمرہ کا سلسلہ جاری رہے گا، یاجوج وماجوج کے نکلنے کے بعد بھی۔

تشریح:

۱- حَجَّ (ن) حَجًّا کے لغوی معنی ہیں: قصد کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: خاص دنوں میں خاص طریقہ پر کعبہ شریف کی زیارت کرنا یعنی حج کرنا اور اعتمَرَ المكانَ: کے معنی بھی قصد وزیارت کرنا ہیں۔ اور اسی سے عمرہ ہے۔ اور ان دونوں عبادتوں کے نام حج وعمرہ اس لئے ہیں کہ دونوں میں بیت اللہ کی زیارت کا قصد کیا جاتا ہے، پس عمرہ چھوٹا اور حج بڑا حج ہے۔

۲- اور اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ صرف بیت اللہ ہی کا قصد کیا جاتا رہے گا، مکہ شریف کے دوسرے مکانوں کا قصد نہیں کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ بیت اللہ میں اور دوسرے مکانوں میں فرق ہے۔

سند اور متن کا اختلاف:

اس حدیث کو قتادہ رحمہ اللہ سے ابان بن یزید اور عمران قطان نے بھی روایت کیا ہے اور ان کی حدیثوں کا متن وہی ہے جو حجاج کی حدیث کا ہے، اور عبد الرحمٰن بن مہدی نے شعبہ رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے، اور وہ قتادہؒ سے روایت

کرتے ہیں، مگر ان کی حدیث کا متن یہ ہے: ''جب تک بیت اللہ کا حج کیا جاتا رہے گا قیامت قائم نہیں ہوگی''

فیصلہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے متن کو ترجیح دی ہے مگر میرا خیال ہے کہ ترجیح دینے کی ضرورت نہیں، دونوں متن صحیح ہیں، اور دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ خروج یاجوج وماجوج کے بعد بھی حسی کعبہ موجود رہے گا اور اس کا حج بھی اور عمرہ بھی جاری رہے گا، پھر جب ذوالسویقتین کعبہ شریف کو ڈھادے گا تو خیالی کعبہ کا حج اور عمرہ ہوگا۔ اور اسی خیالی کعبہ کی طرف نمازیں پڑھی جائیں گی، پھر ایک عرصہ کے بعد لوگوں کے ذہنوں سے خیالی کعبہ بھی نکل جائے گا اور نہ کوئی نماز پڑھنے والا رہے گا نہ حج وعمرہ کرنے والا، پس قیامت قائم ہوجائے گی۔ غرض پہلے متن میں شروع کے احوال کا ذکر ہے جب حسی کعبہ موجود ہوگا، اور دوسرے متن میں آخری احوال کا ذکر ہے جب نہ صرف یہ کہ حسی کعبہ موجود نہیں رہے گا بلکہ خیالی کعبہ بھی لوگوں کے ذہنوں سے نکل جائے گا، پس دونوں متن صحیح ہیں، کسی ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں۔

بَابُ كِسْوَةِ الْكَعْبَةِ

کعبہ شریف کا لباس

ابھی اوپر والا ہی سلسلہ چل رہا ہے، نئے ابواب شروع نہیں ہوئے، اور باب میں یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ ابووائل کعبہ شریف میں چابی بردار شیبہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھے تھے، شیبہ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اسی جگہ بیٹھے تھے، انھوں نے مجھ سے فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ کعبہ کے اندر تہہ خانہ میں جو سونا اور چاندی ہے وہ سب نکال کر غریب مسلمانوں میں تقسیم کردوں، کعبہ شریف کے تہہ خانہ میں خزانہ ہے، کہتے ہیں: سونے کا ایک ہرن ہے، اور وہ چڑھاوے کا ہے، زمانۂ جاہلیت میں کعبہ شریف پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ خزانہ نکال کر تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو شیبہ نے منع کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ آپؓ سے پہلے دو حضرات گذرے ہیں، آنحضور ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ان دونوں کو معلوم تھا کہ کعبہ کے تہہ خانہ میں سونے چاندی کا خزانہ ہے، اور دونوں کے زمانہ میں فلاکت (غریبی) آپؓ کے زمانہ سے زیادہ تھی، پھر بھی ان حضرات نے وہ خزانہ نکال کر تقسیم نہیں کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں اپنے دوساتھیوں کی اقتداء کروں گا، یعنی میں بھی وہ خزانہ نکال کر تقسیم نہیں کروں گا، چنانچہ آج تک وہ خزانہ اسی تہہ خانہ میں ہے، مگر تہہ خانہ بند ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کعبہ شریف کے احوال اور مکہ کے دوسرے مکانوں کے احوال مختلف ہیں، کعبہ پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے اور اس کو کپڑا پہنایا جاتا تھا کیونکہ وہ اللہ کا گھر ہے، اور دوسرے مکان لوگوں کے مملوکہ ہیں، اس لئے نہ ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے نہ ان کو کپڑا پہنایا جاتا تھا۔ یہ اس حدیث سے استدلال ہے۔

مسئلہ: اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ اگر کسی وقف کی آمدنی زائد از ضرورت ہو اور مستقبل بعید تک وقف کو اس آمدنی کی

ضرورت نہ ہوتو اس کو ہم جنس دوسرے وقف میں خرچ کر سکتے ہیں اور دوسرے ہم جنس وقف کو بھی ضرورت نہ ہوتو غیر جنس میں بھی خرچ کر سکتے ہیں، کعبہ شریف کے اندر جو خزانہ ہے وہ وقف ہے اور کعبہ کو اس کی ضرورت نہیں، اور دوسرا کوئی کعبہ نہیں، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو نکال کر غرباء میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔

سوال: باب: کعبہ کے لباس کے بارے میں ہے۔اور حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں!

جواب: کعبہ میں جو خزانہ ہے وہ چڑھاوے کا ہے، اور کعبہ کے لئے جو کپڑا آتا تھا وہ بھی چڑھاوا ہوتا تھا اس مناسبت سے یہ حدیث لائے ہیں۔

[٤٨-] بَابُ كِسْوَةِ الْكَعْبَةِ

[١٥٩٤-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَاصِلٌ الْأَحْدَبُ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، قَالَ: جِئْتُ إِلَى شَيْبَةَ، ح: وَحَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ، قَالَ: جَلَسْتُ مَعَ شَيْبَةَ عَلَى الْكُرْسِيِّ فِي الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: لَقَدْ جَلَسَ هٰذَا الْمَجْلِسَ عُمَرُ، فَقَالَ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَدَعَ فِيْهَا صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ إِلَّا قَسَمْتُهُ، فَقُلْتُ: إِنَّ صَاحِبَيْكَ لَمْ يَفْعَلَا، قَالَ: هُمَا الْمَرْآنِ أَقْتَدِيْ بِهِمَا [انظر: ٧٢٧٥]

وضاحت: صَفراء: پیلا، مراد سونا ہے۔ بیضاء: سفید، مراد چاندی ہے............ هما الْمَرْآن: وہ دو حضرات: میں ان کی پیروی کرونگا۔

بَابُ هَدْمِ الْكَعْبَةِ

کعبہ شریف کو ڈھانا

یہ بھی گذشتہ سلسلہ کا باب ہے، اور تقابل تضاد ہے، جب چھوٹی پنڈلیوں والا آئے گا تو صرف کعبہ ڈھائے گا، مکہ کے دوسرے مکانوں کو نہیں ڈھائے گا، کیونکہ اس کی خانۂ خدا سے دشمنی ہوگی، لوگوں کے مکانوں سے دشمنی نہیں ہوگی، اس لئے ان کے مکانوں کو نہیں اجاڑے گا، صرف بیت اللہ کو اجاڑے گا۔ معلوم ہوا کہ بیت اللہ اور دیگر مکانات کے احکام مختلف ہیں۔

[٤٩-] بَابُ هَدْمِ الْكَعْبَةِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "يَغْزُوْ جَيْشُ الْكَعْبَةَ، فَيُخْسَفُ بِهِمْ"

[١٥٩٥-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ الْأَخْنَسِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ابْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "كَأَنِّيْ بِهِ أَسْوَدُ

أَفْحَجُ يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا"

[١٥٩٦-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوْ السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ" [راجع: ١٥٩١]

معلق حدیث: ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کرے گا، پس ان کو دھنسا دیا جائے گا۔

تشریح: ابھی بتایا ہے کہ کعبہ شریف کو ڈھانے کی قیامت تک کوششیں ہوتی رہیں گی، مگر اللہ تعالیٰ سب کو ناکام کر دیں گے، چنانچہ ایک لشکر حملہ آور ہوگا، جب وہ بیداء (ویران علاقہ) میں ہونگے تو سب دھنسا دیئے جائیں گے۔

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں: ایک کالا پھڈا کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا رہا ہے!

لغت: أَفْحَج: بروزن أَفْعَل: صفتِ مشبہ، فَحِج (س) فَحَجًا وَفَحَّجَ فِيْ مِشْيَتِهِ: چلتے ہوئے پیروں کے اگلے حصہ کو قریب اور ایڑیوں کو دور کرنا۔ پھڈا: وہ شخص جو آڑے ترچھے پیر رکھے۔ اور اینٹ سے اینٹ بجانا: محاورہ ہے، یعنی ویران کرنا، ڈھانا، اکھاڑنا۔

حدیث (۲): نبی ﷺ نے فرمایا: "چھوٹی پنڈلیوں والا جو حبشہ سے آئے گا: کعبہ شریف کو اجاڑے گا"

بَابُ مَاذُكِرَ فِي الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ

حجر اسود کے بارے میں روایت

اب ابواب کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہیں اور کعبہ شریف کے احوال بیان کرتے ہیں، کعبہ شریف کے مشرق جنوب والے کونے میں ایک پتھر لگا ہوا ہے اس کو حجر اسود کہتے ہیں۔ حجر اسود جنت کا پتھر ہے جس کو کعبہ شریف کے کونے میں لگایا گیا ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو جنت کی نشانی کے طور پر ان کو وہ پتھر دیا گیا تھا، پھر وہ کعبہ شریف کے اندر رکھ دیا گیا، کعبہ شریف حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل تعمیر ہوا ہے، زمین پر پہلے فرشتوں کو بسایا گیا تھا، انھوں نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا، پھر جنات کو اور آخر میں انسانوں کو بسایا گیا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حجر اسود جب جنت سے اترا تھا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا، پھر انسانوں کے گناہوں نے اس کو میلا کر دیا، یعنی جب انسانوں نے اس کا استلام کیا تو چونکہ سب انسان فرشتے نہیں ہوتے بعض بندے گنہ گار بھی ہوتے ہیں اس لئے ان کے گناہوں کا اس پر اثر پڑا اور وہ میلا ہو گیا اور ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: "حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے ہیروں میں سے دو ہیرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور مٹا دیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کا نور نہ مٹاتے تو وہ مشرق و مغرب کی درمیانی چیزوں کو روشن کر دیتے (ترمذی حدیث ۸۶۵، و ۸۶۶) یہ دونوں حدیثیں صرف ترمذی میں ہیں، دیگر کتب خمسہ میں نہیں ہیں (تحفۃ الالمعی ۳: ۲۷۶)

اور امام بخاری رحمہ اللہ ایک دوسری حدیث لائے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ حج یا عمرہ کے لئے تشریف لائے، جب طواف کے لئے کعبہ شریف کے پاس پہنچے تو حجر اسود کو چوما پھر اس سے فرمایا: میں تجھے چوم رہا ہوں مگر میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ فائدہ، یعنی تو محض پتھر ہے معبود نہیں۔ اور اگر میں نے نبی ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا، پھر آپؓ نے حجر اسود کو چوما۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات حجر اسود کو نہیں سنائی تھی بلکہ لوگوں کو سنائی تھی، آپؓ کے ساتھ بڑا مجمع تھا، چنانچہ مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات طے ہے کہ کعبہ شریف معبود نہیں، ملت کی شیرازہ بندی کے لئے بیت اللہ شریف کو قبلہ مقرر کیا گیا ہے، کیونکہ بیت اللہ تجلی ربانی کا مرکز ہے، اور روئے زمین کا نقطۂ اولیں ہے، جہاں سے یہ ساری زمین پھیلی ہے، اور وہ پہلا اللہ کا گھر ہے جو روئے زمین پر بنایا گیا ہے اس لئے اس کو قبلہ مقرر کیا گیا ہے (تفصیل تحفۃ القاری ۲: ۲۵۲ میں ہے)

اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد اور عمل سے یہ بات واضح ہوئی کہ جو حکم قرآن وحدیث سے ثابت ہو اس کو بے چون وچرا قبول کر لینا چاہئے، خواہ اس کی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، حجر اسود بالیقین ایک پتھر ہے، اس میں معبودیت کی شان نہیں، مگر جب نبی ﷺ نے اس کو چوما ہے تو ہم بھی چومیں گے، اگرچہ اس کی حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے، اس سے زیادہ تفصیل تحفۃ الالمعی (۳: ۲۵۹) میں ہے۔

[۵۰-] بَابُ مَاذُكِرَ فِي الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ

[۱۵۹۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عُمَرَ: أَنَّهُ جَاءَ إِلَى الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَبَّلَهُ، فَقَالَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ. [انظر: ۱۶۰۵، ۱۶۱۰]

بَابُ إِغْلَاقِ الْبَيْتِ، وَيُصَلِّي فِي أَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ

بیت اللہ کو لاک کرنا، اور بیت اللہ کے جونسے کونے میں چاہے نماز پڑھے

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: انتظامی مصالح کے پیش نظر بیت اللہ کا اور دوسری مسجدوں کا دروازہ بند رکھ سکتے ہیں، اور یہ باب ایک وہم دور کرنے کے لئے لائے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ﴾: اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکے، اور مسجدوں کو بند کرنا گویا اللہ کے ذکر سے روکنا ہے، ایک شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے، تلاوت کرنا چاہتا ہے، اور مسجد بند ہے تو یہ اللہ کے ذکر سے روکنا ہے، اور ایسا شخص ظالم

ہے۔اس وہم کودور کرنے کے لئے یہ باب لائے ہیں کہ انتظامی مصالح سے اگر بیت اللہ کا یا کسی دوسری مسجد کا دروازہ بند کیا جائے تو جائز ہے، یہ صورت مذکورہ آیت کا مصداق نہیں۔

دوسرا مسئلہ: جو شخص کعبہ شریف کے اندر ہے وہ جدھر چاہے نماز پڑھ سکتا ہے، اور جو باہر ہے اس کو کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنی ہوگی، مگر جو اندر ہے اس کے چاروں طرف کعبہ ہے، اس لئے جدھر چاہے نماز پڑھے۔

[۵۱-] بَابُ إِغْلَاقِ الْبَيْتِ، وَيُصَلِّيْ فِي أَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ

[۱۵۹۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْبَيْتَ هُوَ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَبِلَالٌ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ، فَأَغْلَقُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ، فَلَمَّا فَتَحُوْا كُنْتُ أَوَّلَ مَنْ وَلَجَ، فَلَقِيْتُ بِلَالًا فَسَأَلْتُهُ: هَلْ صَلّٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: نَعَمْ، بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ" [راجع: ۳۹۷]

حوالہ: یہ حدیث بار بار گذری ہے، اور پہلی مرتبہ کتاب الصلوٰۃ (آداب المساجد باب ۸۱) میں آئی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ کعبہ شریف کے اندر تشریف لے گئے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ ساتھ تھے، اور اندر سے دروازہ بند کردیا تھا تاکہ بھیڑ نہ ہوجائے۔ معلوم ہوا کہ انتظامی مصالح سے مسجد کا دروازہ بند کرسکتے ہیں۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

کعبہ شریف میں نماز پڑھنا

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بیت اللہ میں فرائض وواجبات پڑھنا جائز نہیں، نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک فرائض وواجبات بھی پڑھ سکتے ہیں۔ امام مالکؒ استقبال قبلہ کے مسئلہ میں فرائض ونوافل میں فرق کرتے ہیں، جیسے سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھ سکتے ہیں، اور فرض نماز نہیں پڑھ سکتے۔ معلوم ہوا کہ استقبال قبلہ کے باب میں فرائض ونوافل میں فرق ہے، دیگر ائمہ کہتے ہیں: کوئی فرق نہیں، اور سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کا جواز عذر کی وجہ سے ہے، اگر عذر نہ ہوتو فرائض ونوافل میں کوئی فرق نہیں، اور جب کعبہ شریف کے اندر نفل پڑھ سکتے ہیں تو فرض وواجب بھی پڑھ سکتے ہیں۔

[۵۲-] بَابُ الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

[۱۵۹۹-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ مَشَى قِبَلَ الْوَجْهِ حِيْنَ يَدْخُلُ، وَيَجْعَلُ الْبَابَ قِبَلَ الظَّهْرِ، يَمْشِيْ

حَتّٰى يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِيْ قِبَلَ وَجْهِهِ قَرِيْبًا مِنْ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ فَيُصَلِّيْ، يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِيْ أَخْبَرَهُ بِلَالٌ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى فِيْهِ، وَلَيْسَ عَلٰى أَحَدٍ بَأْسٌ أَنْ يُصَلِّيَ فِيْ أَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ. [راجع: ۳۹۷]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بیت اللہ میں جاتے تو بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد سامنے کی طرف چلتے اور بیت اللہ کا دروازہ پیٹھ پیچھے کر لیتے، چلتے یہاں تک کہ ان کے اور ان کے سامنے والی دیوار کے درمیان تقریباً تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا، پس وہاں نماز پڑھتے، آپؓ قصد کرتے تھے اس جگہ کا جس کے بارے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بتلایا تھا کہ نبی ﷺ نے وہاں نماز پڑھی ہے، اور کسی پر کوئی تنگی نہیں کہ بیت اللہ کے جس کونے میں چاہے نماز پڑھے (تفصیل تحفۃ القاری (۲:۳۶۱) میں ہے)

بَابُ مَنْ لَمْ يَدْخُلِ الْكَعْبَةَ

جو شخص کعبہ شریف میں نہ جائے

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ دخول کعبہ مناسک میں شامل نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ بار بار حج کے لئے جاتے تھے، مگر بیت اللہ میں نہیں جاتے تھے، معلوم ہوا کہ دخول کعبہ مناسک میں نہیں۔

[۵۳-] بَابُ مَنْ لَمْ يَدْخُلِ الْكَعْبَةَ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحُجُّ كَثِيْرًا وَلَا يَدْخُلُ.

[۱۶۰۰-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أَبِيْ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفٰى، قَالَ: اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَطَافَ بِالْبَيْتِ، وَصَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَمَعَهُ مَنْ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الْكَعْبَةَ؟ قَالَ: لَا. [انظر: ۱۷۹۱، ۴۱۸۸، ۴۲۵۵]

ترجمہ: عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں: نبی ﷺ نے عمرہ کیا پس بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے طواف کا دوگانہ پڑھا۔ اور آپؐ کے ساتھ وہ لوگ تھے جو آپؐ کو لوگوں سے چھپائے ہوئے تھے، یعنی حفاظت کر رہے تھے، پس ابن ابی اوفی سے ایک شخص نے پوچھا: کیا نبی ﷺ (اس موقعہ پر) کعبہ شریف میں گئے تھے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔

تشریح: یہ عمرۃ القضاء کا واقعہ ہے، اس وقت مکہ میں کوئی کافر نہیں تھا، معاہدہ کے مطابق سب مکہ سے تین دن کے لئے

نکل گئے تھے، پھر بھی صحابہؓ نے آنحضور ﷺ کی حفاظت کا پورا انتظام کیا تھا، جب آپؐ طواف وسعی فرماتے یا نماز پڑھتے تو صحابہ قریب رہتے، تاکہ کوئی گزند نہ پہنچائے۔ اس موقعہ پر آپؐ خانہ کعبہ میں تشریف نہیں لے گئے تھے، کیونکہ کعبہ غیروں کے قبضہ میں تھا۔

بَابُ مَنْ كَبَّرَ فِي نَوَاحِي الْكَعْبَةِ

جس نے کعبہ کے کونوں میں تکبیر کہی

فتح مکہ کے موقعہ پر جب تک کعبہ شریف کے اندر سے تمام مورتیاں نکال کر باہر نہیں کردی گئیں، آنحضور ﷺ کعبہ شریف کے اندر تشریف نہیں لے گئے، پھر جب اندر گئے تو چاروں کونوں میں تکبیر کہی اور کعبہ شریف کو غسل دیا، پھر دوگانہ پڑھا، اس طرح دونوں روایتیں جمع ہوجاتی ہیں، کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے کعبہ شریف کے چاروں کونوں میں صرف تکبیر کہی ہے، نماز نہیں پڑھی، اور دوسری روایت میں ہے کہ نماز پڑھی ہے، ان میں تطبیق یہ ہے کہ کعبہ شریف میں جاتے ہی چاروں کونوں میں تکبیر کہی ہے، پھر غسل دیا ہے اور نکلتے وقت دوگانہ ادا فرمایا ہے۔

[٥٤-] بَابُ مَنْ كَبَّرَ فِي نَوَاحِي الْكَعْبَةِ

[١٦٠١-] حدثنا أَبُوْ مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوْبُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا قَدِمَ أَبىٰ أَنْ يَدْخُلَ الْبَيْتَ وَفِيْهِ الآلِهَةُ، فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ، فَأَخْرَجُوْا صُوْرَةَ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ عليهما السلام، فِي أَيْدِيْهِمَا الأَزْلَامُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ! أَمَا وَاللّٰهِ قَدْ عَلِمُوْا أَنَّهُمَا لَمْ يَسْتَقْسِمَا بِهَا قَطُّ" فَدَخَلَ الْبَيْتَ فَكَبَّرَ فِي نَوَاحِيْهِ، وَلَمْ يُصَلِّ فِيْهِ. [راجع: ٣٩٨]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب (کعبہ شریف کے پاس) آئے تو آپؐ نے بیت اللہ کے اندر جانے سے انکار کردیا، درانحالیکہ اس میں مورتیاں ہیں، پس آپؐ نے ان کے بارے میں حکم دیا، پس وہ نکالی گئیں، پس لوگوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی صورتیں (مجسمے) نکالے درانحالیکہ ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر تھے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ مشرکین کو تباہ کرے! سنو! خدا کی قسم! مشرکین بالیقین جانتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے کبھی بھی فال کے تیروں سے سٹہ نہیں کھیلا، پھر آپ بیت اللہ میں تشریف لے گئے اور اس کے کونوں میں تکبیر کہی، اور اس میں نماز نہیں پڑھی۔

تشریح: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ میں نماز پڑھی ہے اور حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہما انکار کرتے ہیں، اور علماء نے حضرت بلالؓ کی حدیث کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ مثبت ہے۔ تفصیل (تحفۃ القاری ۲:۲۳۳ میں) گذر چکی ہے، اور میں نے تطبیق کی صورت اوپر ذکر کی ہے۔

بَابٌ: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الرَّمَلِ؟

طواف میں رمل کا آغاز کس طرح ہوا؟

رمل: خاص انداز کی چال کا نام ہے، جس میں طاقت وقوت کا اظہار ہوتا ہے، اور وہ انداز یہ ہے کہ آدمی چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر، کندھے ہلاتا ہوا چلے، جس طرح پہلوان اکھاڑے میں چلتا ہے۔

جس طواف کے بعد سعی کرنی ہو اس طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا اور باقی چار چکروں میں عادت کے موافق چلنا مسنون ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سن ۷ ہجری میں جب نبی ﷺ نے صحابہ کے ساتھ عمرۃ القضاء کیا تو مشرکین نے آپس میں کہا: مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے لاغر ونحیف کر دیا ہے، پس آؤ دیکھیں وہ طواف اور سعی کس طرح کرتے ہیں اس سے ان کی حالت کا اندازہ ہو جائے گا، نبی ﷺ کو یہ بات وحی سے معلوم ہوئی، تو آپؐ نے صحابہ کو طواف میں رمل کرنے کا حکم دیا، مشرکین طواف کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کہنے لگے: کون کہتا ہے کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں؟ یہ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہیں، کود کود کر طواف کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس وقت کعبہ شریف کے صرف اس حصہ میں رمل کرنے کا حکم دیا تھا جہاں سے طواف کا منظر مشرکین کو نظر آ رہا تھا، اور کعبہ کی اوٹ میں لوگ حسب معمول چلے تھے، پھر جب مشرکین ہٹ گئے تو باقی چکر حسب معمول پورے کئے، مگر حجۃ الوداع میں آپؐ نے پورے تین چکروں میں رمل کیا ہے، اوٹ میں بھی رمل کیا ہے جب کہ وہاں کوئی مشرک نہیں تھا۔ پس شروع میں رمل کا مقصد چاہے کچھ رہا ہو مگر اب وہ مناسک میں داخل ہے۔

اسی طرح آپؐ نے جب سعی فرمائی تو صفا مروہ کے درمیان ایک مخصوص حصہ میں دوڑے، اس کا مقصد بھی قوت کا مظاہرہ تھا، پھر یہ عمل مناسک میں شامل ہو گیا۔ اب اس مخصوص حصہ میں جس کی دوہرے نشانوں کے ذریعہ نشاندہی کر دی گئی ہے دوڑنا سنت ہے، اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں دوڑی تھیں، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کا شدت پیاس سے تڑپنا ماں سے دیکھا نہ گیا تو وہ بچہ کو وہیں چھوڑ کر چل دیں، قریب میں صفا پہاڑی تھی، وہ اس پر اس خیال سے چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے، مگر کوئی نظر نہ آیا، وہ بیتابی کی حالت میں وہاں سے اتریں جب برساتی نالے میں پہنچیں تو دوڑتی ہوئی اتریں اور دوسری طرف چڑھ گئیں، دوسری طرف مروہ پہاڑی ہے، اس پر چڑھیں وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا تو بیتابی کی حالت میں وہاں سے اتر کر صفا پہاڑی کی طرف چلیں، اور نالے میں دوڑتی ہوئی اتریں اور چڑھیں، اس طرح سات مرتبہ کیا، پس وہاں دوڑنے کی ایک وجہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا دوڑنا بھی ہے، ایک عمل کی متعدد حکمتیں ہو سکتی ہیں۔

[٥٥-] بَابٌ: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الرَّمَلِ؟

[١٦٠٢-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، هُوَ ابْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابُهُ، فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ: إِنَّهُ يَقْدَمُ عَلَيْكُمْ وَفْدٌ، وَهَنَهُمْ حُمَّى يَثْرِبَ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَرْمُلُوْا الْأَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ، وَأَنْ يَمْشُوْا مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ، وَلَمْ يَمْنَعْهُ أَنْ يَأْمُرَهُمْ أَنْ يَرْمُلُوْا الْأَشْوَاطَ كُلَّهَا إِلَّا الإِبْقَاءُ عَلَيْهِمْ.

[انظر: ٤٢٥٦]

ترجمہ: ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپؐ کے اصحاب (مکہ) پہنچے تو مشرکین نے کہا: تمہارے پاس ایک وفد آرہا ہے، جس کو یثرب (مدینہ) کے بخار نے کمزور کردیا ہے۔ پس نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تین چکروں میں اکڑ کر چلیں اور دو یمنی کونوں کے درمیان عام چال چلیں، اور آپؐ کو تمام چکروں میں رمل کا حکم دینے سے نہیں روکا مگر لوگوں پر مہربانی نے۔

تشریح: صحابہ کرام بخار سے واقعی لاغر ہوگئے تھے، اس لئے ساتوں چکروں میں رمل کرنے میں پریشانی تھی اس لئے صرف تین چکروں میں رمل کا حکم دیا، اور ان میں بھی جب اوٹ میں جاتے تو عام چال چلتے تھے، مگر مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ پورے چکر میں دوڑ رہے ہیں، چنانچہ وہ مرعوب ہوکر وہاں سے چل دیئے، مگر حجۃ الوداع میں آپؐ نے پورے تین چکروں میں رمل کیا ہے، اس لئے یہی مسنون ہے۔

بَابُ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ حِيْنَ يَقْدَمُ مَكَّةَ أَوَّلَ مَا يَطُوْفُ وَيَرْمُلُ ثَلَاثًا

جب مکہ پہنچے تو پہلے طواف میں حجر اسود کو چھوئے، اور چومے اور تین چکروں میں اکڑ کر چلے

جب مکہ مکرمہ پہنچے تو سب سے پہلے طواف قدوم کرے اور طواف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کعبہ شریف کے پاس پہنچ کر سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کرے، یعنی اس کو چھوئے اور چومے، پھر دائیں جانب چلے، اور سات چکر لگائے، اور ہر چکر میں حجر اسود کا استلام کرے، اور اژدحام ہو تو حجر اسود کے مقابل کھڑا ہوکر ہاتھ سے یا لکڑی وغیرہ سے چھوئے اور اس کو چومے، اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے، اور شروع کے تین چکروں میں رمل کرے، اگر طواف قدوم کے بعد سعی کرے، اور سعی نہ کرنی ہو تو رمل نہ کرے، پھر طواف زیارت میں رمل کرے کیونکہ اس کے بعد حج کی سعی ہے اور عمرہ میں بھی طواف کے بعد سعی ہے اس لئے رمل کرے۔ غرض جس طواف کے بعد سعی ہے اس میں رمل مسنون ہے، اور جس طواف کے بعد سعی نہیں اس میں رمل مسنون نہیں۔

[٥٦-] بَابُ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ حِيْنَ يَقْدَمُ مَكَّةَ أَوَّلَ مَا يَطُوْفُ وَيَرْمُلُ ثَلَاثًا

[١٦٠٣-] حدثنا أَصْبَغُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ يَقْدَمُ مَكَّةَ، إِذَا اسْتَلَمَ الرُّكْنَ الْأَسْوَدَ أَوَّلَ مَا يَطُوْفُ، يَخُبُّ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ مِنَ السَّبْعِ. [انظر: ١٦٠٤]

بَابُ الرَّمَلِ فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حج اور عمرہ میں رمل کرنا

رمل: حج کے طواف میں بھی مسنون ہے اور عمرہ کے طواف میں بھی۔ چونکہ طواف عمرہ کے بعد سعی ہے اس لئے اس میں رمل مسنون ہے، اور حج میں اگر طواف قدوم یا طواف زیارت کے بعد سعی کرنی ہو تو اس میں رمل مسنون ہے ورنہ نہیں۔

[٥٧-] بَابُ الرَّمَلِ فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

[١٦٠٤-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ، قَالَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَعَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ، وَمَشَى أَرْبَعَةً فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ.

تَابَعَهُ اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ كَثِيْرُ بْنُ فَرْقَدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ١٦٠٣]

[١٦٠٥-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالَ لِلرُّكْنِ: أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اسْتَلَمَكَ مَا اسْتَلَمْتُكَ، فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ قَالَ: وَمَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ؟ إِنَّمَا كُنَّا رَاءَيْنَا الْمُشْرِكِيْنَ، وَقَدْ أَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ: شَيْئٌ صَنَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ. [راجع: ١٥٩٧]

[١٦٠٦-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: مَا تَرَكْتُ اسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ فِيْ شِدَّةٍ وَلَا رَخَاءٍ، مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَسْتَلِمُهُمَا، فَقُلْتُ لِنَافِعٍ، أَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَمْشِيْ بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ؟ قَالَ: إِنَّمَا كَانَ يَمْشِيْ لِيَكُوْنَ أَيْسَرَ لِاسْتِلَامِهِ. [انظر: ١٦١١]

وضاحت: نبی ﷺ نے عمرۃ القضاء میں بھی رمل کیا تھا اور حجۃ الوداع میں بھی، عمرۃ القضاء میں یہ عمل مشرکوں کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لئے اور مسلمانوں کا غلبہ دکھانے کے لئے کیا تھا، مگر حجۃ الوداع میں مکہ میں کوئی مشرک نہیں تھا

پھر بھی آپؐ نے پورے تین چکروں میں رمل کیا، پس شروع میں رمل کا مقصد چاہے کچھ رہا ہو مگر بعد میں اس کو مناسک میں شامل کرلیا گیا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں رمل کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، کیونکہ رمل قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے کیا گیا تھا، اور اب مکہ میں کوئی مشرک نہیں رہا تھا، اس لئے آپؓ نے رمل کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، مگر پھر آپؓ نے خیال کیا کہ شاید اس کا کوئی اور سبب ہو، جو ختم ہونے والا نہ ہو اس لئے آپؓ نے رمل نہیں چھوڑا، اور یہ بات اس طرح سمجھ میں آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بھی یہ عمل کیا ہے، جبکہ وہاں کوئی مشرک نہیں تھا۔

آخری حدیث: ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں نے ان دونوں رکنوں کا (حجر اسود اور رکن یمانی کا) استلام نہیں چھوڑا نہ بھیڑ میں اور نہ چھیڑ میں، جب سے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا استلام کرتے دیکھا ہے۔ میں نے نافع سے پوچھا: کیا ابن عمرؓ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان چلتے تھے؟ انھوں نے کہا: (ہاں) اس لئے چلتے تھے کہ حجر اسود کے استلام میں آسانی ہو۔

تشریح: دیگر صحابہ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر چھیڑ ہوتی اور آسانی سے استلام ممکن ہوتا تو استلام کرتے، ورنہ نہیں۔ مگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما استلام کر کے ہی آگے بڑھتے تھے، اور اسی لئے رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان رمل نہیں کرتے تھے، بلکہ بھیڑ کے ساتھ آہستہ چلتے تھے، اور حجر اسود کا استلام کر کے آگے بڑھتے تھے۔

بَابُ اسْتِلَامِ الرُّكْنِ بِالْمِحْجَنِ

چھڑی سے حجر اسود کا استلام کرنا

استلام کے معنی ہیں: حجر اسود کو ہاتھ سے چھونا یا بوسہ دینا، اور مِحجَن کے معنی ہیں: ٹیڑھے سر والا ڈنڈا، چھڑی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں طواف زیارت اونٹ پر بیٹھ کر کیا ہے، آپؐ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی، جب آپؐ حجر اسود کے قریب سے گذرتے تو اس چھڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ فرماتے اور تکبیر کہہ کر آگے بڑھ جاتے، یہ جو چھڑی سے اشارہ کیا یہی چھڑی کے ذریعہ استلام ہے۔

مسئلہ: اگر ہاتھ اور چھڑی وغیرہ حجر اسود کو لگے تو ان کو چومے، اور صرف اشارہ کیا ہو چھڑی وغیرہ حجر اسود سے لگی نہ ہو تو ان کو نہ چومے بلکہ تکبیر کہہ کر آگے بڑھ جائے۔

[۵۸-] بَابُ اسْتِلَامِ الرُّكْنِ بِالْمِحْجَنِ

[۱۶۰۷-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، وَيَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: طَافَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي

حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلٰى بَعِيْرِهِ، يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ.

تَابَعَهُ الدَّرَاوَرْدِيُّ، عَنِ ابْنِ أَخِي الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمِّهِ. [انظر: ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۳۲، ۵۲۹۳]

وضاحت: یہ روایت یونس کی ہے۔ انھوں نے امام زہریؒ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان عبید اللہ کا واسطہ ذکر کیا ہے، لیکن لیث، اسامہ بن زید اور زمعہ بن صالح بھی امام زہریؒ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں، اور وہ یہ واسطہ ذکر نہیں کرتے، بلکہ امام زہریؒ بلغني عن ابن عباس کہتے ہیں، اس لئے امام بخاریؒ امام زہریؒ کے بھتیجے کی سند لائے، وہ بھی عبید اللہ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں، پس یہ واسطہ والی روایت صحیح ہے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَسْتَلِمْ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ

جس نے صرف یمن کی طرف کے دو کونوں کا استلام کیا

کعبہ شریف کے چار کونے ہیں، حطیم کی طرف کے دو کونے رکن شامی کہلاتے ہیں ان کا استلام نہیں کیا جاتا، اور رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگایا جاتا ہے چوما نہیں جاتا، اور حجر اسود کو ہاتھ بھی لگانا ہے اور چومنا بھی ہے۔ اور پہلے بتلایا ہے کہ حطیم کی طرف کے دونوں کونے اپنی اصل جگہ پر نہیں ہیں، اس لئے نبی ﷺ نے ان کا استلام نہیں کیا، یہ وجہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے، جو گذر چکی ہے۔

[۵۹-] بَابُ مَنْ لَمْ يَسْتَلِمْ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ

[۱۶۰۸-] وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ، أَنَّهُ قَالَ: وَمَنْ يَتَّقِيْ شَيْئًا مِنَ الْبَيْتِ؟ وَكَانَ مُعَاوِيَةُ يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: إِنَّهُ لَا نَسْتَلِمُ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ، فَقَالَ: لَيْسَ شَيْئٌ مِنَ الْبَيْتِ بِمَهْجُوْرٍ، وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَسْتَلِمُهُنَّ كُلَّهُنَّ.

[۱۶۰۹-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ. [راجع: ۱۶۶]

ترجمہ: ابو الشعثاء نے کہا: اور کعبہ کی کسی چیز سے کون بچتا ہے؟ یعنی کعبہ کے ہر کونے کا استلام کرنا چاہئے، ہر کونہ برکت والا ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چاروں کونوں کا استلام کرتے تھے، پس ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم ان دو (شامی) کونوں کا استلام نہیں کرتے، پس ان سے (حضرت معاویہؓ نے) کہا: کعبہ کی کوئی چیز متروک نہیں یعنی کعبہ کا ہر جزء بابرکت ہے، پس شامی کونوں کا بھی استلام کرنا چاہئے۔ اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سب کونوں کا

استلام کرتے تھے۔

تشریح: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے وہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے شامی کونوں کا استلام نہیں کیا، پس حدیث لیں گے، اور حضرت معاویہؓ کے عمل کو نہیں لیں گے۔ اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو بنائے ابراہیمی پر قائم کیا تھا، پھر انھوں نے چاروں کونوں کا استلام کیا تھا، ان کے خیال میں نبی ﷺ نے شامی کونوں کا استلام اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ بنائے ابراہیمی پر قائم نہیں تھے، پھر جب حجاج نے کعبہ کا اس طرف کا حصہ توڑ کر حسب سابق کردیا تو اب عمل سنت کے مطابق ہوتا ہے۔

بَابُ تَقْبِيْلِ الْحَجَرِ

حجر اسود کو چومنا

تقبیل (چومنا، بوسہ دینا) حجر اسود کے ساتھ خاص ہے، رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگائیں گے چومیں گے نہیں، اس کو چومنا بدعت ہے۔

[٦٠-] بَابُ تَقْبِيْلِ الْحَجَرِ

[١٦١٠-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ، حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، أَخْبَرَنَا وَرْقَاءُ، أَخْبَرَنَا زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَبَّلَ الْحَجَرَ وَقَالَ: لَوْلاَ أَنِّىْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَبَّلَكَ مَا قَبَّلْتُكَ. [راجع: ١٥٩٧]

[١٦١١-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَرَبِيٍّ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ عَنِ اسْتِلاَمِ الْحَجَرِ؟ فَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ، قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ زُحِمْتُ؟ أَرَأَيْتَ إِنْ غُلِبْتُ؟ قَالَ: اجْعَلْ 'أَرَأَيْتَ' بِالْيَمَنِ، رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ. [راجع: ١٦٠٦]

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ الْفِرَبْرِيُّ: وَجَدْتُ فِيْ كِتَابِ أَبِيْ جَعْفَرٍ: قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: الزُّبَيْرُ بْنُ عَدِيٍّ كُوْفِيٌّ، وَالزُّبَيْرُ بْنُ عَرَبِيٍّ بَصْرِيٌّ.

دوسری حدیث: ایک شخص نے ابن عمرؓ سے حجر اسود کے استلام کے بارے میں پوچھا: انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو حجر اسود کو ہاتھ لگاتے ہوئے اور اس کو چومتے ہوئے دیکھا ہے، اس نے کہا: بتلایئے اگر میں بھیڑ کیا جاؤں؟ میں مغلوب ہوجاؤں؟ یعنی بھیڑ ہو اور استلام نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ آپؓ نے فرمایا: أَرَأَيْتَ (بتلایئے) یمن میں رکھ (سائل

یمن کا ہوگا) میں نے نبی ﷺ کو حجر اسود کو ہاتھ لگاتے ہوئے اور اس کو چومتے ہوئے دیکھا ہے۔

فربری کہتے ہیں: میں نے (بخاری کے ورّاق) ابو جعفر کی کتاب میں یہ عبارت پائی ہے: امام بخاریؒ نے فرمایا: زبیر دو ہیں، ایک کے باپ کا نام عدی ہے وہ کوفہ کے رہنے والے ہیں، اور دوسرے کے باپ کا نام عربی ہے، وہ بصرہ کے رہنے والے ہیں، اس حدیث کا راوی یہی دوسرا زبیر ہے۔

وضاحت: شروع سال میں بتلایا تھا کہ بخاری شریف کے راوی محمد بن یوسف فربریؒ ہیں، انھوں نے امام بخاریؒ سے وفات والے سال عنفوانِ شباب میں بخاری پڑھی ہے۔ اور ابو جعفرؒ: بخاری رحمہ اللہ کے ورّاق (مسودہ نویس) ہیں، فربریؒ کہتے ہیں: میں نے جو بخاری پڑھی ہے اس میں تو یہ عبارت نہیں ہے، مگر ابو جعفر کے نسخہ میں ہے۔

بَابُ مَنْ أَشَارَ إِلَى الرُّكْنِ إِذَا أَتَى عَلَيْهِ، وَبَابُ التَّكْبِيْرِ عِنْدَ الرُّكْنِ

جو شخص حجر اسود کی طرف اشارہ کرے جب اس پر پہنچے، اور تکبیر کہے

یہ دو باب ہیں۔ طواف کرنے والا جب بھی حجر اسود پر پہنچے تو اس کو چھوئے اور چومے، اور اژدحام ہو اور چومنا مشکل ہو تو اس کو ہاتھ یا چھڑی وغیرہ لگا کر ان کو چومے، اور یہ بھی دشوار ہو تو اس کی طرف ہاتھ سے یا کسی چیز سے اشارہ کرے اور تکبیر کہے۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر بیٹھ کر طواف زیارت کیا تھا، آپؐ جب حجر اسود کے سامنے سے گذرتے تو چھڑی سے اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے، اور ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرنے کی صورت میں ہاتھ کو نہیں چومے گا، اسی طرح حجر اسود کی طرف پھرنا بھی ضروری نہیں، صرف استقبال (منہ کرنا) کافی ہے۔

[۶۱-] بَابُ مَنْ أَشَارَ إِلَى الرُّكْنِ إِذَا أَتَى عَلَيْهِ

[۱۶۱۲-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: طَافَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْبَيْتِ عَلَى بَعِيْرٍ، كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ.
[راجع: ۱۶۰۷]

[۶۲-] بَابُ التَّكْبِيْرِ عِنْدَ الرُّكْنِ

[۱۶۱۳-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: طَافَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالْبَيْتِ عَلَى بَعِيْرٍ كُلَّمَا أَتَى الرُّكْنَ أَشَارَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ كَانَ عِنْدَهُ وَكَبَّرَ. [راجع: ۱۶۰۷]

تَابَعَهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ.

بَابُ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ قَبْلَ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى بَيْتِهِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا

جب مکہ پہنچے تو گھر جانے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرے، پھر دوگانہ پڑھے، پھر صفا کی طرف نکلے

شارحین کرام کے نزدیک اس باب سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تردید مقصود ہے۔ وہ دو باتیں فرماتے تھے: ایک: یہ کہ میقات سے جو بھی شخص حج کا احرام باندھ کر مکہ آئے اور اس کے ساتھ قربانی نہ ہو تو طواف شروع کرتے ہی اس کا حج کا احرام عمرہ کا احرام ہو جائے گا، اور اس پر عمرہ کے ارکان ادا کر کے احرام کھولنا ضروری ہوگا، جیسا کہ حجۃ الوداع میں صحابہ نے کیا تھا۔ دوسری: یہ کہ طواف پورا کرتے ہی سعی سے پہلے بیوی حلال ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباسؓ کے ان اقوال کی تردید مقصود ہے۔

مگر میرا خیال ہے کہ یہ مقصد نہیں ہے بلکہ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ جو عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آئے اسے مکہ پہنچ کر سب سے پہلے عمرہ سے فارغ ہونا چاہئے، طواف وسعی کر کے اور طواف کا دوگانہ پڑھ کر اپنے گھر یا قیام گاہ میں جانا چاہئے، پھر حلق یا قصر کروائے، پھر جو چاہے کرے، مگر پردیسی کے لئے ایسا کرنے میں پریشانی ہے، وہ سامان کہاں رکھے گا، اجنبی جگہ ہے، پس اگر وہ قیام کا انتظام کر کے افعال عمرہ کرے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔

[۶۳-] بَابُ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ قَبْلَ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى بَيْتِهِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا

[۱۶۱۴و۱۶۱۵-] حدثنا أَصْبَغُ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: ذَكَرْتُ لِعُرْوَةَ، قَالَ: فَأَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ: أَنَّ أَوَّلَ شَيْئٍ بَدَأَ بِهِ حِيْنَ قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ تَوَضَّأَ، ثُمَّ طَافَ، ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً، ثُمَّ حَجَّ أَبُوْ بَكْرٍ، وَعُمَرُ مِثْلَهُ.

ثُمَّ حَجَجْتُ مَعَ أَبِيْ: الزُّبَيْرِ، فَأَوَّلُ شَيْئٍ بَدَأَ بِهِ الطَّوَافُ، ثُمَّ رَأَيْتُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارَ يَفْعَلُوْنَهُ، وَقَدْ أَخْبَرَتْنِيْ أُمِّيْ أَنَّهَا أَهَلَّتْ هِيَ، وَأُخْتُهَا، وَالزُّبَيْرُ، وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ بِعُمْرَةٍ. فَلَمَّا مَسَحُوا الرُّكْنَ حَلُّوْا.

[الحديث: ۱۶۱۴، انظر: ۱۶۴۱]؛ [الحديث: ۱۶۱۵، انظر: ۱۶۴۲، ۱۷۹۶]

حدیث: اس حدیث کا شروع کا حصہ مسلم شریف میں ہے۔ ابو الاسود محمد بن عبد الرحمٰن نوفلی مدنی جو حضرت عروہ رحمہ اللہ کے یتیم (پرورش کردہ) تھے ان سے ایک عراقی نے کہا: میرے لئے حضرت عروہؒ سے مسئلہ پوچھو کہ کوئی شخص حج کا احرام

باندھے تو مکہ پہنچتے ہی جب طواف کرے گا تو وہ حلال ہو جائے گا یا نہیں؟ پس اگر وہ جواب دیں کہ وہ حلال نہیں ہوگا تو ان سے کہو: ایک شخص (ابن عباسؓ) ایسا کہتے ہیں، محمد کہتے ہیں: پس میں نے حضرت عروہؒ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: جب تک حج پورا نہ کرے حلال نہیں ہوگا۔ محمد کہتے ہیں: پھر وہ شخص مجھے ملا، میں نے اس کو یہ جواب سنایا تو اس نے کہا: حضرت عروہؒ سے کہو: ایک صاحب یہ بتلاتے ہیں کہ نبی ﷺ حلال ہو گئے تھے اور حضرت اسماء اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی ایسا کرتے تھے، محمد کہتے ہیں: پھر میں حضرت عروہؒ کے پاس آیا اور ان سے یہ بات ذکر کی، حضرت عروہؒ نے پوچھا: وہ شخص کون ہے؟ محمد نے کہا: میں اس کو نہیں جانتا، حضرت عروہؒ نے کہا: وہ خود میرے پاس کیوں نہیں آتا؟ شاید وہ عراقی ہے! (عراقی مسائل میں جھک کرتے ہیں) پھر حضرت عروہؒ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حج فرمایا، پس مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے مکہ پہنچ کر سب سے پہلے وضوء کیا، پھر طواف کیا، اور آپؐ کا احرام عمرہ کا احرام نہیں ہوا، پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ایسا ہی کیا (حدیث ۱۶۱۴ پوری ہوئی)

پھر میں نے اپنے ابا حضرت زبیرؓ کے ساتھ حج کیا پس انھوں نے بھی سب سے پہلے طواف کیا پھر میں نے مہاجرین اور انصار کو اسی طرح کرتے دیکھا۔ اور مجھے میری امی (حضرت اسماءؓ) نے بتایا کہ انھوں نے اور ان کی بہن (حضرت عائشہؓ) نے اور ان کے شوہر حضرت زبیر بن العوامؓ نے اور فلاں اور فلاں نے عمرہ کا احرام باندھا، پس جب انھوں نے حجر اسود کا استلام کیا تو وہ حلال ہو گئے، یعنی اگر عمرہ کا احرام باندھا ہے تو افعال عمرہ کر کے حلال ہو جائے گا، اور حج کا احرام باندھا ہے تو جب حج پورا کرے گا تب حلال ہوگا، اس کا حج کا احرام خود بخود عمرہ کا احرام نہیں ہو جائے گا۔

قوله: فلما مسحوا الركن حلوا: کا مطلب یہ ہے کہ افعال عمرہ کر کے حلال ہو گئے، صرف حجر اسود کا استلام مراد نہیں۔

[۱۶۱٦-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَى ابْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ سَعَى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ، وَمَشَى أَرْبَعَةً، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. [راجع: ١٦٠٣]

[١٦١٧-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ الطَّوَافَ الْأَوَّلَ يَخُبُّ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ، وَيَمْشِيْ أَرْبَعَةً، وَأَنَّهُ كَانَ يَسْعَى بَطْنَ الْمَسِيْلِ إِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ [راجع: ١٦٠٣]

استدلال: دونوں حدیثیں ایک ہیں، اور استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ پہنچتے ہی طواف کیا ہے۔ مگر فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر نماز تیار ہو تو پہلے نماز پڑھے، پھر طواف کرے، اسی طرح عورت جوان ہو یا خوبصورت ہو تو رات کا انتظار

کرے (فتح) پس اجنبی بھی پہلے قیام کا انتظام کرے، پھر اطمینان سے طواف کے لئے جائے۔

بَابُ طَوَافِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ

عورتوں کا مردوں کے ساتھ طواف کرنا

مردوزن ایک ساتھ طواف وسعی کر سکتے ہیں، مردوں کے لئے الگ اور عورتوں کے لئے الگ وقت مقرر کرنا خلافِ سنت، اور صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے، البتہ پردے کا خیال رکھنا ضروری ہے، جب بھیڑ کم ہو تو مرد کعبہ شریف کے قریب چلیں اور عورتیں کنارہ پر چلیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی طرح طواف کرتی تھیں، یہ اختلاط سے بچنے کا ایک طریقہ ہے، ابن ہشام (مکہ کے گورنر) نے الگ الگ وقت مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عطاء رحمہ اللہ نے نکیر کی، فرمایا: ازواج مطہرات نے مردوں کے ساتھ طواف کیا ہے، غرض مردوزن کے لئے طواف وسعی کا الگ الگ وقت مقرر کرنا سنت اور توارث کے خلاف ہے۔

[٦٤-] بَابُ طَوَافِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ

[١٦١٨-] وَقَالَ لِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، قَالَ: ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ إِذْ مَنَعَ ابْنُ هِشَامٍ النِّسَاءَ الطَّوَافَ مَعَ الرِّجَالِ، قَالَ: كَيْفَ تَمْنَعُهُنَّ وَقَدْ طَافَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَعَ الرِّجَالِ؟ قُلْتُ: بَعْدَ الْحِجَابِ أَوْ قَبْلُ؟ قَالَ: إِيْ لَعَمْرِيْ، لَقَدْ أَدْرَكْتُهُ بَعْدَ الْحِجَابِ، قُلْتُ: كَيْفَ يُخَالِطُهُنَّ الرِّجَالُ؟ قَالَ: لَمْ يَكُنْ يُخَالِطُهُنَّ، كَانَتْ عَائِشَةُ تَطُوْفُ حَجْرَةً مِنَ الرِّجَالِ، لَا تُخَالِطُهُمْ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ: انْطَلِقِيْ نَسْتَلِمْ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ، قَالَتْ: انْطَلِقِيْ عَنْكِ، وَأَبَتْ، يَخْرُجْنَ مُتَنَكِّرَاتٍ بِاللَّيْلِ، فَيَطُفْنَ مَعَ الرِّجَالِ، وَلٰكِنَّهُنَّ كُنَّ إِذَا دَخَلْنَ الْبَيْتَ قُمْنَ حِيْنَ يَدْخُلْنَ، وَأُخْرِجَ الرِّجَالُ، وَكُنْتُ آتِيْ عَائِشَةَ أَنَا وَعُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهِيَ مُجَاوِرَةٌ فِيْ جَوْفِ ثَبِيْرٍ، قُلْتُ: وَمَا حِجَابُهَا؟ قَالَ: هِيَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ لَهَا غِشَاءٌ، وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهَا غَيْرُ ذٰلِكَ، وَرَأَيْتُ عَلَيْهَا دِرْعًا مُوَرَّدًا.

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں: مجھے عطاء بن ابی رباحؒ نے بتایا کہ جب ابن ہشامؒ نے (جو ہشام بن عبدالملک کی طرف سے مکہ کا گورنر تھا) عورتوں کو مردوں کے ساتھ طواف کرنے سے منع کیا تو حضرت عطاء نے اس سے کہا: آپ عورتوں کو کیسے روکتے ہیں جبکہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات نے مردوں کے ساتھ طواف کیا ہے؟ (یہاں باب ہے) میں نے (ابن جریج نے) پوچھا: پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد یا پہلے؟ عطاء نے کہا: ہاں میری زندگی کی قسم! میں نے ان کو پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ہی پایا ہے، میں نے کہا: عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط کیسے جائز ہوگا؟ عطاء نے کہا: اختلاط نہیں

ہوتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مردوں سے بچتے ہوئے طواف کرتی تھیں، ان کے ساتھ ملتی نہیں تھیں، پس ایک عورت نے کہا: ام المؤمنین! چلئے حجر اسود کا استلام کریں۔ صدیقہؓ نے فرمایا: تو جا مجھے رہنے دے اور ساتھ جانے سے انکار کر دیا، پس عورتیں رات میں نکلتی تھیں درانحالیکہ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں، پس وہ مردوں کے ساتھ طواف کرتی تھیں، لیکن جب بیت اللہ کے اندر جانے کا وقت آتا تو کھڑی رہتیں، اور مرد نکالے جاتے (پھر عورتیں اندر جاتیں) اور میں اور عبید بن عمیر حضرت عائشہؓ کے پاس جایا کرتے تھے درانحالیکہ وہ (مزدلفہ میں) ثبیر پہاڑ کی جڑ میں ٹھہری ہوئی تھیں، میں نے پوچھا: ان کا پردہ کیا تھا؟ عطاء نے کہا: وہ ایک ترکی ڈیرے میں تھیں۔ اس پر پردہ تھا، ہمارے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا، اور میں نے ان کو گلابی کرتا پہنے ہوئے دیکھا۔

[۱۶۱۹-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنِّيْ أَشْتَكِيْ فَقَالَ: " طُوْفِيْ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ" فَطُفْتُ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حِيْنَئِذٍ يُصَلِّيْ إِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ، وَهُوَ يَقْرَأُ ﴿وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَسْطُوْرٍ﴾ [انظر: ٤٦٤]

حوالہ: یہ حدیث گذر چکی ہے، حجۃ الوداع میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بیمار ہوں، کمزوری کی وجہ سے طواف کرنے کی ہمت نہیں، آپؐ نے فرمایا: لوگوں کے پیچھے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کرو۔ یہاں باب ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچتے ہوئے طواف کریں گے۔ مزید وضاحت تحفۃ القاری (۳۱۹:۲) میں ہے۔

بَابُ الْكَلَامِ فِي الطَّوَافِ، وَبَابٌ: إِذَا رَأَى سَيْرًا أَوْ شَيْئًا يُكْرَهُ فِي الطَّوَافِ قَطَعَهُ

دورانِ طواف بات چیت کرنا اور طواف میں کوئی تسمہ یا نامناسب چیز دیکھے تو کاٹ دینا

طواف نماز کے مانند ہے، مگر طواف کے دوران بات چیت کرنا جائز ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ طواف کے درمیان باتیں کرتا رہے، طواف کے دوران ذکر واذکار اور دعائیں کرنی چاہئیں، اور کوئی ضروری بات ہو تو کر سکتا ہے۔ طواف کے دوران کوئی شناسا مل گیا اور دعا سلام کر لی تو کچھ مضائقہ نہیں۔ نبی ﷺ طواف کر رہے تھے، آپؐ نے دو آدمیوں کو دیکھا انھوں نے تسمے سے یا دھاگے سے یا کسی اور چیز سے اپنے ہاتھ باندھ رکھے تھے، آپؐ نے تسمہ کاٹ دیا اور فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ کر لے چل، یعنی اگر ساتھ رکھنا ہے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلو۔

[٦٥-] بَابُ الْكَلَامِ فِي الطَّوَافِ

[١٦٢٠-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ، أَنَّ طَاوُسًا أَخْبَرَهُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم مَرَّ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، بِإِنْسَانٍ رَبَطَ يَدَهُ إِلَى إِنْسَانٍ بِسَيْرٍ أَوْ بِخَيْطٍ أَوْ بِشَيْءٍ غَيْرِ ذٰلِكَ، فَقَطَعَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ: "قُدْ بِيَدِهِ" [انظر: ١٦٢١، ٦٧٠٢، ٦٧٠٣]

لغات: اگر جانور کو پیچھے سے ہانکا جائے تو اس کے لئے سَاقَ يَسُوْقُ سَوْقًا ہے، اسی سے سائق ہے، اور آگے سے کھینچا جائے تو اس کے لئے قَادَ يَقُوْدُ قَوْدًا ہے، اسی سے قائد ہے، اسی سے قُدْ: فعل امر ہے......... السَّيْرُ من الجِلد: لمبا تراشا ہوا چمڑے وغیرہ کا ٹکڑا، تسمہ، جمع سُیُوْر......... زِمَام: لگام۔

[٦٦-] بَابٌ: إِذَا رَأَى سَيْرًا أَوْ شَيْئًا يُكْرَهُ فِي الطَّوَافِ: قَطَعَهُ

[١٦٢١-] حدثنا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَجُلًا يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِزِمَامٍ أَوْ غَيْرِهِ فَقَطَعَهُ. [راجع: ١٦٢٠]

بَابٌ: لَايَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَلَا يَحُجُّ مُشْرِكٌ

کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف نہ کرے، اور کوئی مشرک حج نہ کرے

ستر عورت کے مسئلہ میں طواف اور نماز کا حکم ایک ہے، نماز میں جتنا ننگا پا چھپانا فرض ہے طواف میں بھی فرض ہے، اور جتنا ننگا پا کھلنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے طواف بھی باطل ہوجاتا ہے، اور مسلمان ہونا تو شرط ہے ہی، غیر مسلم کیا طواف کرے گا؟ حدیث شریف میں دونوں مسئلے ایک ساتھ ہیں اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے باب میں دونوں کا ذکر کیا، مگر اصل مسئلہ پہلا ہے۔

[٦٧-] بَابٌ: لَايَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَلَا يَحُجُّ مُشْرِكٌ

[١٦٢٢-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: ثَنَا يُونُسُ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ بَعَثَهُ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي أَمَّرَهُ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، يَوْمَ النَّحْرِ فِي رَهْطٍ يُؤَذِّنُ فِي النَّاسِ: أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ. [راجع: ٣٦٩]

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ (باب۱۰) میں تفصیل سے گذر چکی ہے، حج ۸ہجری میں فرض ہوا ہے اور ۹ہجری میں مسلمانوں نے پہلا حج کیا ہے، وہ حج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کرایا تھا، اس موقع پر براءت کا بھی اعلان کیا گیا تھا، اور بعض دوسرے اعلانات بھی کئے گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ خاص براءت کا اعلان کرتے تھے اور دوسرے اعلانات دوسرے صحابہ کرتے تھے، ان میں سے ایک اعلان یہ تھا کہ آئندہ کوئی بیت اللہ کا ننگے طواف نہیں کرے گا۔ یہی جزء باب سے متعلق ہے، مزید تفصیل تحفۃ القاری (۲: ۱۹۵) میں ہے۔

بَابٌ: إِذَا وَقَفَ فِي الطَّوَافِ

جب طواف میں ٹھہر جائے

اگر کسی عذر سے طواف منقطع کرنا پڑے مثلاً حدث پیش آگیا، یا نماز شروع ہوگئی تو نماز اور وضو کرنے کے بعد بناء کرے، یعنی جہاں تک طواف کیا ہے وہاں سے آگے طواف کرے، از سرِ نو طواف شروع کرنا ضروری نہیں، بلکہ جو شوط (چکر) بیچ میں چھوڑا ہے اس کو بھی از سرِ نو کرنا ضروری نہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ وہ چکر شروع سے (حجر اسود سے) شروع کرے۔ اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، حنفیہ نماز میں بھی بناء کے قائل ہیں اور طواف میں بھی، یعنی حنفیہ کے نزدیک اگر نماز میں حدث پیش آجائے تو از سرِ نو نماز پڑھنا ضروری نہیں، بناء کرسکتا ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز میں بناء جائز نہیں، طواف میں جائز ہے۔

اثر: حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک شخص طواف کر رہا تھا اور نماز کھڑی ہوگئی، وہ طواف موقوف کرکے نماز میں مشغول ہوگیا، یا کھڑا تھا، کسی نے دھکا دے کر اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا تو سلام پھیرنے کے بعد بناء کرے، یعنی جہاں طواف چھوڑا ہے وہاں سے طواف شروع کرے۔ حضرت ابن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں کوئی حدیث نہیں لکھی، اور کہاں سے لکھتے جب اس مسئلہ میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ جاننا چاہئے کہ قرآنِ کریم میں سب مسائل نہیں ہیں، بہت سے مسائل احادیث شریفہ میں ہیں، اور بعض مسائل نہ قرآن میں ہیں نہ حدیثوں میں، وہ اجتہادی مسائل ہیں، اگر قرآن وحدیث میں سب مسائل ہوتے تو اجتہاد کی ضرورت نہیں تھی، یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے۔ اور امام بخاریؒ نے حضرت عطاءؒ کے قول سے استدلال کیا ہے، اور احناف نے طواف پر نماز کو قیاس کیا ہے، کیونکہ دونوں کا حکم ایک ہے، اور ائمہ ثلاثہ نے قیاس نہیں کیا، اور بناء کے مسئلہ میں طواف کا حکم الگ رکھا ہے، اور نماز کا الگ۔

[٦٨-] بَابٌ: إِذَا وَقَفَ فِي الطَّوَافِ

وَقَالَ عَطَاءٌ فِيمَنْ يَطُوْفُ، فَتُقَامُ الصَّلاَةُ، أَوْ يُدْفَعُ عَنْ مَكَانِهِ: إِذَا سَلَّمَ يَرْجِعُ إِلَى حَيْثُ قُطِعَ عَلَيْهِ فَيَبْنِيْ، وَيُذْكَرُ نَحْوُهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ.

بَابٌ: طَافَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَصَلّٰى لِسُبُوْعِهِ رَكْعَتَيْنِ

نبی ﷺ نے طواف کیا، اور طواف کا دوگانہ پڑھا

طواف کا دوگانہ سنت ہے یا واجب؟ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک واجب ہے، لیکن یہ واجب لغیرہ ہے، لہٰذا اگر کوئی طواف کا دوگانہ نہ پڑھے تو دم سے تلافی نہیں ہوگی۔

چھوٹے دواماموں کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے طواف کا دوگانہ پڑھا ہے: یہ فعلی روایت ہے اور فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، اور بڑے دو امام کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مواظبت تامہ کے ساتھ دوگانہ طواف پڑھا ہے، ایک بار بھی آپؐ نے یہ دوگانہ نہیں چھوڑا، اور صرف فعلی روایت سے تو وجوب ثابت نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ قرائن منضمہ ہوں تو وجوب ثابت ہوتا ہے، اور یہاں قرائن منضمہ مواظبت تامہ اور آیت پاک ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ ہیں اس لئے طواف کا دوگانہ واجب ہے۔

[٦٩-] بَابٌ: طَافَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَصَلّٰى لِسُبُوْعِهِ رَكْعَتَيْنِ

[١-] وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ لِكُلِّ سُبُوْعٍ رَكْعَتَيْنِ.

[٢-] وَقَالَ إِسْمَاعِيْلُ بْنُ أُمَيَّةَ: قُلْتُ لِلزُّهْرِيِّ: إِنَّ عَطَاءً يَقُوْلُ: تُجْزِئُهُ الْمَكْتُوْبَةُ مِنْ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ، فَقَالَ: السُّنَّةُ أَفْضَلُ، لَمْ يَطُفِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سُبُوْعًا قَطُّ إِلَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ.

[١٦٢٣-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ: أَيَقَعُ الرَّجُلُ عَلٰى امْرَأَتِهِ فِي الْعُمْرَةِ قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ؟ قَالَ: قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، ثُمَّ صَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَقَالَ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ٢١] [راجع: ٣٩٥]

[١٦٢٤-] قَالَ: وَسَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: لَا يَقْرَبُ امْرَأَتَهُ حَتّٰى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. [راجع: ٣٩٦]

دوسرا اثر: اسماعیل بن امیہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے ذکر کیا کہ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں: طواف کے بعد فرض نماز پڑھنا کافی ہے، طواف کا دوگانہ پڑھنا ضروری نہیں، ابن شہابؒ نے فرمایا: سنت کی پیروی افضل ہے، نبی ﷺ نے طواف کے سات پھیروں کے بعد ہمیشہ دوگانہ پڑھا ہے، اسی مواظبت تامہ کی وجہ سے دو امام دوگانہ طواف کو واجب کہتے ہیں۔

حدیث: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الصلوٰۃ (باب ۳۰) میں گذر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ

رائے تھی کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہے وہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کرسکتا ہے۔ حضرت کی یہ رائے کسی نے نہیں لی، کیونکہ عمرہ طواف وسعی کے بعد مکمل ہوتا ہے، چنانچہ طلبہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے تو گول مول جواب دیا۔ مگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دوٹوک جواب دیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے سے پہلے بیوی سے صحبت کرنا جائز نہیں اور مسئلہ یہی ہے (مزید تفصیل تحفۃ القاری ۲:۲۳۱ میں ہے)

بَابُ مَنْ لَمْ يَقْرُبِ الْكَعْبَةَ وَلَمْ يَطُفْ حَتَّى يَخْرُجَ إِلَى عَرَفَةَ وَيَرْجِعَ بَعْدَ الطَّوَافِ الْأَوَّلِ

جو شخص پہلے طواف کے بعد کعبہ کے پاس نہیں گیا، اور طواف نہیں کیا، یہاں تک کہ عرفہ کے لئے نکلا اور لوٹا

نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں مکہ مکرمہ پہنچ کر سب سے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر صفا مروہ کی سعی کی، پھر دس ذی الحجہ تک کوئی طواف نہیں کیا، پھر عرفہ سے لوٹنے کے بعد دس ذی الحجہ کو طواف کیا اور اس کے بعد سعی کی، باب میں یہی بات بیان کی ہے۔ آنحضور ﷺ چار ذی الحجہ کو مکہ پہنچے اور آٹھ کو منی کے لئے روانہ ہوئے، یعنی حج سے پہلے چار دن مکہ میں رہے اور مکہ میں افضل عبادت طواف ہے، مگر آپؐ نے ان چار دنوں میں کوئی طواف نہیں کیا، کیونکہ اگر آپؐ نفلی طواف کرتے تو لوگ اس کو ضروری سمجھ لیتے، جیسے آپؐ نے مزدلفہ کی رات میں تہجد نہیں پڑھا، اگر آپؐ تہجد پڑھتے تو لوگ اس کو ضروری سمجھ لیتے۔

اور آپؐ نے مکہ پہنچ کر جو طواف کیا تھا ائمہ ثلاثہ اس کو طواف قدوم کہتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے۔ اور حنفیہ اس کو عمرہ کا طواف کہتے ہیں، ان کے نزدیک قارن پر دو طواف اور دو سعی ہیں (تفصیل چند ابواب کے بعد آرہی ہے) اور حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ طواف قدوم کے بعد سعی نہیں ہے، اور نبی ﷺ نے پہلے طواف کے بعد سعی کی ہے، باب کی حدیث میں اس کی صراحت ہے، اس کا انکار ممکن نہیں، پس اس کو طواف قدوم نہیں کہہ سکتے، وہ عمرہ کا طواف تھا۔

اور طواف قدوم کی جو کہ سنت ہے عمرہ کے طواف میں نیت کر لی تھی، جیسے اگر کوئی مسجد میں جا کر فوراً سنتیں پڑھے اور تحیۃ المسجد کی نیت کرلے تو تحیۃ المسجد کا بھی ثواب مل جاتا ہے، پھر حج کا طواف اور اس کی سعی دس ذی الحجہ کو کی تھی۔

[۷۰-] بَابُ مَنْ لَمْ يَقْرُبِ الْكَعْبَةَ وَلَمْ يَطُفْ حَتَّى يَخْرُجَ إِلَى عَرَفَةَ وَيَرْجِعَ بَعْدَ الطَّوَافِ الْأَوَّلِ

[۱۶۲۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ فَطَافَ سَبْعًا، وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَلَمْ يَقْرُبِ الْكَعْبَةَ بَعْدَ طَوَافِهِ بِهَا، حَتَّى رَجَعَ مِنْ عَرَفَةَ. [راجع: ۱۵۴۵]

بَابُ مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ خَارِجًا مِنَ الْمَسْجِدِ

جس نے طواف کا دوگانہ مسجد حرام سے باہر پڑھا

طواف کا دوگانہ مقام ابراہیم پر پڑھنا ضروری نہیں، مستحب ہے، لہٰذا اگر مقام ابراہیم پر اژدحام ہو تو مسجد میں کہیں بھی دوگانہ پڑھ سکتے ہیں، بلکہ حرم سے باہر اپنی قیام گاہ پر اور اپنے وطن میں آکر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ آئے، فجر کی نماز کے بعد آپؓ کو روانہ ہونا تھا، آپؓ نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روانہ ہوگئے، جب ذوطوی نامی مقام میں پہنچے جو حرم سے باہر ہے اس وقت تک سورج بلند ہو چکا تھا، پس آپؓ سواری سے اترے اور طواف کا دوگانہ پڑھا۔ معلوم ہوا کہ حرم سے باہر بھی طواف کا دوگانہ پڑھ سکتے ہیں۔

[۷۱-] بَابُ مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ خَارِجًا مِنَ الْمَسْجِدِ

[۱۶۲۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ح: قَالَ: وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ ابْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ مَرْوَانَ يَحْيَى بْنُ أَبِيْ زَكَرِيَّا الْغَسَّانِيُّ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: وَهُوَ بِمَكَّةَ، وَأَرَادَ الْخُرُوْجَ، وَلَمْ تَكُنْ أُمُّ سَلَمَةَ طَافَتْ بِالْبَيْتِ، وَأَرَادَتِ الْخُرُوْجَ، فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ لِلصُّبْحِ فَطُوْفِيْ عَلٰى بَعِيْرِكِ، وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ" فَفَعَلَتْ ذٰلِكَ فَلَمْ تُصَلِّ حَتّٰى خَرَجَتْ.

[راجع: ٤٦٤]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا، جبکہ آپؐ مکہ میں تھے، اور مکہ سے روانہ ہونے کا ارادہ کر رہے تھے اور حضرت ام سلمہؓ نے طواف (وداع) نہیں کیا تھا اور انھوں نے بھی روانہ ہونے کا ارادہ کیا، پس نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: جب فجر کی اقامت کہی جائے تو تم لوگوں کے نماز پڑھنے کے دوران اونٹ پر بیٹھ کر طواف کر لینا (عروہ کہتے ہیں:) حضرت ام سلمہؓ نے اسی طرح کیا، اور انھوں نے نماز یعنی دوگانہ طواف نہیں پڑھا، یہاں تک کہ مکہ سے نکل گئیں (باہر نکل کر کہیں پڑھا، یہی جزء باب سے متعلق ہے)

تشریح: اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ نبی ﷺ ۱۴ ذی الحجہ کی رات میں آدھی رات کے قریب مدینہ منورہ روانہ ہوئے ہیں پس حضرت ام سلمہؓ کا نماز فجر کے وقت طواف وداع کرنا کیسے ممکن ہے؟ اس سلسلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ یہ طواف وداع نہیں تھا بلکہ طواف عمرہ تھا۔ تفصیل تحفۃ القاری (۳۱۹:۲) میں ہے۔

بَابُ مَنْ صَلَّى رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ خَلْفَ الْمَقَامِ

جس نے طواف کا دوگانہ مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھا

یہ باب دفع دخل مقدر کے طور پر لائے ہیں، اوپر مسئلہ آیا ہے کہ طواف کا دوگانہ کہیں بھی پڑھ سکتے ہیں، پس کوئی خیال کرسکتا تھا کہ جب کہیں بھی پڑھ سکتے ہیں تو مقام ابراہیم پر پڑھنے کی کوئی فضیلت نہیں رہی، اس لئے یہ باب لائے کہ بیشک کہیں بھی پڑھ سکتے ہیں مگر مقام ابراہیم پر پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے۔

[۷۲-] بَابُ مَنْ صَلَّى رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ خَلْفَ الْمَقَامِ

[۱۶۲۷-] حدثنا آدمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُوْلُ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا، وَقَدْ قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[الأحزاب: ۲۱]

[راجع: ۳۹۵]

بَابُ الطَّوَافِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ

فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد طواف کرنا

فجر کی نماز کے بعد طلوع سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد غروب سے پہلے طواف کرنا بالا جماع جائز ہے، اگرچہ طواف بحکم نماز ہے، اور ان دو وقتوں میں نفل نماز ممنوع ہے، مگر طواف جائز ہے، اس مسئلہ میں طواف بحکم نماز نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز کے بعد طواف کیا ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان وقتوں میں طواف کا دوگانہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ چھوٹے دو امام جو دوگانہ طواف کو سنت کہتے ہیں: اجازت دیتے ہیں اور بڑے دو امام جو واجب کہتے ہیں: منع کرتے ہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، نہ کوئی واضح بات کہی ہے، اور روایات و آثار بھی مختلف لائے ہیں، پس ایسا لگتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک ان وقتوں میں طواف کا دوگانہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔

[۷۳-] بَابُ الطَّوَافِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ

[۱-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ.

[۲-] وَطَافَ عُمَرُ بَعْدَ صَلاَةِ الصُّبْحِ، فَرَكِبَ حَتَّى صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ بِذِي طُوًى.

[۱۶۲۸-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ الْبَصْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ حَبِيْبٍ، عَنْ عَطَاءٍ،

عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ نَاسًا طَافُوْا بِالْبَيْتِ بَعْدَ صَلاَةِ الصُّبْحِ، ثُمَّ قَعَدُوْا إِلَى الْمُذَكِّرِ، حَتَّى إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامُوْا يُصَلُّوْنَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَعَدُوْا حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّاعَةُ الَّتِي يُكْرَهُ فِيْهَا الصَّلاَةُ قَامُوْا يُصَلُّوْنَ.

آثار: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اوران کے صاحبزادے عبداللہ کا عمل مختلف تھا، ابن عمرؓ فجر کی نماز کے بعد طلوع شمس سے پہلے طواف کا دوگانہ پڑھتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد طواف کیا، پھر فوراً سوار ہوکر چل دیئے اور ذوطوی میں طواف کا دوگانہ پڑھا، اس وقت سورج نکل کر بلند ہو چکا تھا۔ حضرت ابن عمرؓ کے عمل سے جواز نکلتا ہے اور حضرت عمرؓ کے عمل سے عدم جواز۔ بڑے دواماموں نے حضرت عمرؓ کے عمل کو لیا ہے کیونکہ وہ اپنے صاحبزادے سے افقہ (بڑے فقیہ) تھے۔

حدیث: کچھ لوگوں نے فجر کی نماز کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا پھر وہ وعظ کی مجلس میں بیٹھ گئے (مسجد میں کوئی صاحب وعظ کہہ رہے تھے، ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور طواف کا دوگانہ نہیں پڑھا) یہاں تک کہ جب سورج نکلنے لگا تو کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ لوگ بیٹھ گئے یہاں تک کہ جب وہ گھڑی آئی جس میں نماز مکروہ ہے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

تشریح: اس حدیث میں ہمارے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان حضرات نے فجر کے بعد دوگانہ نہیں پڑھا، کیونکہ وہ نماز کا وقت نہیں تھا، معلوم ہوا کہ مسئلہ یہی ہے کہ اس وقت نماز نہ پڑھی جائے، پھر جب روشنی پھیل گئی تو ان لوگوں نے خیال کیا کہ سورج نکل آیا ہے، اس لئے انھوں نے دوگانہ پڑھا، حالانکہ اس وقت تک سورج پوری طرح بلند نہیں ہوا تھا، اس لئے صدیقہؓ نے ان پر نکیر کی۔

[۱۶۲۹-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَنْهَى عَنِ الصَّلاَةِ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوْبِهَا.

[۱۶۳۰-] حدثنا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبِيْدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ رُفَيْعٍ، قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَطُوْفُ بَعْدَ الْفَجْرِ، وَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ.

[۱۶۳۱-] قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ: وَرَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَيُخْبِرُ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَدْخُلْ بَيْتَهَا إِلاَّ صَلاَّهُمَا. [راجع: ۵۹۰]

حدیث (۱): ابن عمرؓ نے نبی ﷺ کو سورج نکلتے وقت اور سورج غروب ہوتے وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے

ہوئے سنا ہے (یہ حدیث مطلق ہے، اس کے عموم میں طواف کا دوگانہ بھی آتا ہے، پس ان دووقتوں میں طواف کا دوگانہ پڑھنا جائز نہیں)

حدیث (۲): عبدالعزیزؒ نے ابن الزبیرؓ کو دیکھا، وہ فجر کے بعد طواف کرتے تھے اور دوگانہ پڑھتے تھے، اور انھوں نے ابن الزبیرؓ کو دیکھا کہ وہ عصر کے بعد دونفلیں پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ جب بھی ان کے گھر میں آئے تو آپؐ نے دونفلیں پڑھیں۔

حوالہ: فجر اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ کتاب الصلوۃ باب ۳۰ (تحفۃ القاری ۲: ۴۴۰) اور حدیث کتاب الصلوۃ باب ۳۳ (تحفۃ القاری ۲: ۴۴۸) میں گذر چکی ہے۔

بَابُ الْمَرِيْضِ يَطُوْفُ رَاكِبًا

بیمار سوار ہوکر طواف کرسکتا ہے

مریض، معذور اور بوڑھا آدمی سوار ہوکر طواف کرسکتا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے طواف عمرہ یا طواف وداع اونٹ پر بیٹھ کر کیا ہے، کیونکہ وہ بیمار تھیں، اور کوئی عذر نہ ہو تو بڑے دواماموں کے نزدیک فرض طواف پیدل کرنا ضروری ہے، اگر عذر کے بغیر سوار ہوکر طواف زیارت کرے گا تو دم واجب ہوگا، اور ویل چیر پر طواف کرنا سوار ہوکر طواف کرنا ہے، اسی طرح کوئی شخص اٹھا کر طواف کرائے یہ بھی سوار ہوکر طواف کرنا ہے، بلاعذر ایسا کرنے سے بڑے دواماموں کے نزدیک دم واجب ہوگا۔ اور چھوٹے دواماموں کے نزدیک پیدل طواف زیارت کرنا سنت ہے پس اگر کوئی عذر کے بغیر بھی سوار ہوکر طواف کرے تو جائز ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اونٹ پر سوار ہوکر طواف زیارت کیا ہے، جبکہ آپؐ کو کوئی عذر نہیں تھا، بڑے دوامام کہتے ہیں: نہیں، معقول عذر تھا، آپؐ نے سوار ہوکر طواف اس لئے کیا تھا کہ سب لوگ آپؐ کو طواف کرتے ہوئے دیکھیں، اور طواف کا طریقہ سیکھیں، اور بڑے دواماموں کی دلیل مشہور حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے، البتہ طواف میں بات چیت کرنا جائز ہے، اور فرض نماز کھڑے ہوکر پڑھنا ضروری ہے، پس طواف بھی پیدل کرنا ضروری ہے۔

(ترمذی حدیث ۹۴۸)

[۷۴-] بَابُ الْمَرِيْضِ يَطُوْفُ رَاكِبًا

[۱۶۳۲-] حدثنا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم طَافَ بِالْبَيْتِ وَهُوَ عَلٰى بَعِيْرٍ، كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ أَشَارَ

إِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِي يَدِهِ، وَكَبَّرَ. [راجع: ١٦٠٧]

[١٦٣٣-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنِّيْ أَشْتَكِيْ، فَقَالَ: "طُوْفِيْ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ" فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّيْ إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ، وَهُوَ يَقْرَأُ بِـ: ﴿الطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَسْطُوْرٍ﴾ [راجع: ٤٦٤]

بَابُ سِقَايَةِ الْحَاجِّ

حاجیوں کوزمزم پلانا

نبی ﷺ کے زمانہ میں حاجیوں کی خدمت کے مختلف صیغے تھے، اور وہ قریش کے مختلف خاندانوں میں تقسیم تھے، ان میں سے ایک خدمت سقایہ تھی، یعنی کنویں سے زم زم کھینچ کر حاجیوں کو پلانا، یہ خدمت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی، اب یہ خدمت حکومت انجام دیتی ہے۔

اس باب میں عمل سقایہ کا استحسان بیان کیا ہے، منی کے دنوں میں راتیں منی میں گذارنا سنت ہے، مگر حضرت عباس ؓ نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ذمہ سقایہ ہے، اگر میں رات منی میں گذاروں تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، چنانچہ آپ ؐ نے ان کو مکہ میں رات گذارنے کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ منی میں رات گذارنا جو سنت ہے اس سے زیادہ اہم سقایہ کی خدمت ہے، یہی سقایہ کا استحسان ہے۔

[٧٥-] بَابُ سِقَايَةِ الْحَاجِّ

[١٦٣٤-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: اسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ، فَأَذِنَ لَهُ. [انظر: ١٧٤٣، ١٧٤٤، ١٧٤٥]

[١٦٣٥-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ شَاهِيْنَ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم جَاءَ إِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقَى، فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا فَضْلُ اذْهَبْ إِلَى أُمِّكَ، فَأْتِ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِشَرَابٍ مِنْ عِنْدِهَا، فَقَالَ: "اسْقِنِيْ" قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ أَيْدِيَهُمْ فِيْهِ، قَالَ: "اسْقِنِيْ" فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ أَتَى زَمْزَمَ وَهُمْ يَسْقُوْنَ، وَيَعْمَلُوْنَ فِيْهَا، فَقَالَ: "اعْمَلُوْا فَإِنَّكُمْ عَلَى عَمَلٍ صَالِحٍ" ثُمَّ قَالَ: "لَوْلَا أَنْ تُغْلَبُوْا لَنَزَلْتُ حَتَّى أَضَعَ الْحَبْلَ عَلَى هٰذِهِ" يَعْنِيْ عَاتِقَهُ، وَأَشَارَ إِلَى عَاتِقِهِ.

دوسری حدیث: نبی ﷺ سقایہ (سبیل، پانی پلانے کی جگہ) کے پاس آئے اور پانی طلب فرمایا (آپؐ اونٹ پر تھے) حضرت عباسؓ نے (صاحبزادے سے) کہا: فضل! اپنی امی کے پاس جا اور نبی ﷺ کے لئے ان کے پاس سے پینے کا پانی لا، آپؐ نے فرمایا: مجھے اسی میں سے پلاؤ، انھوں نے عرض کیا: لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں (پس یہ پانی آپؐ کے مناسب نہیں) آپؐ نے فرمایا: مجھے اسی میں سے پلاؤ، پس آپؐ نے اس میں سے پیا، پھر زم زم کے کنویں کے پاس آئے درانحالیکہ لوگ پانی پلا رہے تھے اور کنویں پر کام کر رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: کام کرو تم اچھا کام کر رہے ہو، پھر فرمایا: اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم ہرا دیئے جاؤ گے تو میں (سواری سے) اترتا۔ یہاں تک کہ رسّی کو یہاں رکھتا یعنی اپنے کندھے پر رکھتا۔

تشریح: آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ خود پانی کھینچ کر پیتا اور لوگوں کو پلاتا لیکن اگر میں ایسا کروں گا تو اس کو سنت سمجھ کر ہر کوئی ایسا کرے گا، اور تمہارے ہاتھ سے یہ خدمت نکل جائے گی۔ اس لئے میں تمہارے کام میں دخل نہیں دیتا، آنحضور ﷺ کی اس خواہش سے سقایہ کا استحسان نکلا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي زَمْزَمَ

فضیلتِ زم زم کی روایت

زم زم کی فضیلت میں بہت روایات ہیں، علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں زم زم کی فضیلت کا باب قائم کیا ہے اور سب روایات جمع کی ہیں، اور حضرت رحمہ اللہ دو روایتیں لائے ہیں:

پہلی روایت: معراج کی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: میرے گھر کی چھت کھولی گئی، درانحالیکہ میں مکہ میں تھا، پس جبرئیلؑ اترے اور انھوں نے میرا سینہ چاک کیا، پھر اس کو زم زم سے دھویا، پھر ایک سونے کا تھال لائے جو ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا، اس (ایمان و حکمت) کو میرے سینہ میں انڈیل دیا، پھر سینہ کو بند کر دیا، پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے لے کر سماء دنیا پر چڑھے، پس جبرئیلؑ نے سماء دنیا کے دربان سے کہا: کھولو! اس نے پوچھا: کون؟ کہا: جبرئیلؑ۔

تشریح: زم زم کی اہمیت و برکت کی وجہ ہی سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قلب مبارک کو اس سے دھویا ہے اور آنحضور ﷺ نے اس کو بدن کی گہرائیوں میں پہنچانے کے لئے کھڑے ہو کر نوش فرمایا ہے، یہی زم زم کی فضیلت ہے۔

اور دوسری حدیث پر عکرمہ رحمہ اللہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب نبی ﷺ نے زمزم نوش فرمایا تھا تو آپؐ اونٹ پر سوار تھے، پھر آپؐ نے کھڑے ہو کر کیسے نوش فرمایا؟ ایسا ہی اعتراض حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ہے کہ نبی ﷺ ۱۴ ذی الحجہ کی شب میں مدینہ کے لئے روانہ ہوئے ہیں، پھر حضرت ام سلمہؓ کا نماز فجر کے وقت طواف وداع کرنا کیسے ممکن ہے؟

اور میں نے اس دوسرے اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ طواف وداع کا واقعہ نہیں ہے، بلکہ طواف عمرہ کا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کا زمزم کھڑے ہو کر پینا صحیح ہے۔ مگر طواف زیارت کے بعد کا یہ واقعہ نہیں ہے، آپؐ نے کسی اور موقعہ پر کھڑے

ہوکر زمزم نوش فرمایا ہے۔

[۷۶-] بَابُ مَاجَاءَ فِي زَمْزَمَ

[۱۶۳۶-] وَقَالَ عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: كَانَ أَبُوْ ذَرٍّ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " فُرِجَ سَقْفِيْ وَأَنَا بِمَكَّةَ، فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فَفَرَجَ صَدْرِيْ، ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ، مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَإِيْمَانًا، فَأَفْرَغَهَا فِيْ صَدْرِيْ ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِيْ فَعَرَجَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ لِخَازِنِ سَمَاءِ الدُّنْيَا: افْتَحْ. قَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرَئِيْلُ"[راجع: ۳۴۹]

[۱۶۳۷-] حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ قَالَ: سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ، قَالَ عَاصِمٌ: فَحَلَفَ عِكْرِمَةُ: مَاكَانَ يَوْمَئِذٍ إِلَّا عَلَى بَعِيْرٍ. [انظر: ۵۶۱۷]

بَابُ طَوَافِ الْقَارِنِ

قران کرنے والے کا طواف

قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے یا دو طواف اور دو سعی؟ یعنی قران میں افعالِ حج اور افعالِ عمرہ میں تداخل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک تداخل ہوتا ہے، پس قارن صرف ایک طواف اور ایک سعی کرے گا، یعنی دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت اور اس کے بعد سعی کرے گا، یہ طواف اور سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں، عمرہ کے لئے الگ سے طواف وسعی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک تداخل نہیں ہوتا پس قارن عمرہ کے لئے طواف وسعی الگ کرے گا اور حج کے لئے الگ۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ائمہ ثلاثہ کے پاس بھی متعدد دلائل ہیں اور احناف کے پاس بھی۔ اور دونوں کی حدیثوں میں کچھ نہ کچھ کلام ہے (علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اعلاء السنن میں وہ سب روایتیں جمع کی ہیں) اور اختلاف کی بنیاد نص فہمی کا اختلاف ہے۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں تین طواف کئے ہیں، ایک مکہ میں پہنچتے ہی طواف کیا ہے، دوسرا: طوافِ زیارت کیا ہے اور تیسرا: طوافِ وداع کیا ہے، پہلا طواف جو آپؐ نے مکہ میں پہنچتے ہی کیا تھا وہ طوافِ قدوم تھا یا طوافِ عمرہ؟ ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے کہ وہ طوافِ قدوم تھا، اور آپؐ نے دس ذی الحجہ کو جو طواف کیا ہے وہ حج اور عمرہ دونوں کے لئے تھا، اور اس کے بعد جو سعی کی تھی وہ بھی حج وعمرہ دونوں کے لئے تھی۔ اور احناف کا خیال یہ ہے کہ وہ عمرہ کا

طواف تھا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے اس کے بعد سعی کی تھی، جیسا کہ ابھی حدیث میں گذرا ہے۔ اور طواف قدوم کے بعد بالاتفاق سعی نہیں ہے، پھر دس ذی الحجہ کو حج کا طواف اور سعی کی تھی، اس لئے احناف کے نزدیک قارن پر دو طواف اور دو سعی واجب ہیں اور اسی میں احتیاط ہے اور احناف اختلاف روایات کے وقت عبادت میں احتیاط والا پہلو لیتے ہیں (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۳۵۲:۳) میں ہے)

[۷۷-] بَابُ طَوَافِ الْقَارِنِ

[۱۶۳۸-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَأَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا. فَقَدِمْتُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَلَمَّا قَضَيْنَا حَجَّنَا أَرْسَلَنِيْ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِلَى التَّنْعِيْمِ، فَاعْتَمَرْتُ، فَقَالَ: "هٰذِهِ مَكَانَ عُمْرَتِكِ" فَطَافَ الَّذِيْنَ أَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ، ثُمَّ حَلُّوْا، ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا آخَرَ بَعْدَ أَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنًى، وَأَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَاحِدًا. [راجع: ۲۹٤]

استدلال: حدیث کے آخری جزء: وأما الذين جمعوا سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے کہ قارن پر ایک طواف اور ایک سعی ہے۔ اور احناف کے نزدیک اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قارن تھے انھوں نے مکہ پہنچ کر ایک طواف کیا یعنی صرف عمرہ کا طواف کیا، طواف قدوم نہیں کیا، کیونکہ وہ سنت ہے، عمرہ کے طواف میں اس کی نیت کی جاسکتی ہے، الگ سے طواف قدوم کرنے کی ضرورت نہیں، جیسے مسجد میں داخل ہونے والا سنتوں یا فرضوں میں تحیۃ المسجد کی نیت کرسکتا ہے، پس یہ حدیث محکم الدلالہ نہیں۔

قولہ: فاهللنا بعمرة: مجاز ہے، حجۃ الوداع میں سب نے حج کا احرام باندھا تھا پھر مکہ پہنچ کر بعض نے جن کے پاس ہدی نہیں تھی حج کا احرام عمرہ سے بدل دیا تھا۔ تفصیل گذر چکی ہے، اور یہ حدیث پہلی بار کتاب الحیض باب ا (تحفۃ القاری ۷۹:۲) میں گذری ہے۔

[۱۶۳۹-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ دَخَلَ ابْنُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، وَظَهْرُهُ فِي الدَّارِ، فَقَالَ: إِنِّيْ لَا آمَنُ أَنْ يَكُوْنَ الْعَامَ بَيْنَ النَّاسِ قِتَالٌ، فَيَصُدُّوْكَ عَنِ الْبَيْتِ، فَلَوْ أَقَمْتَ! فَقَالَ قَدْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، فَإِنْ يُحَلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ أَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، ثُمَّ قَالَ: أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ أَوْجَبْتُ مَعَ عُمْرَتِيْ حَجًّا، قَالَ: ثُمَّ قَدِمَ فَطَافَ

لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا. [انظر: ١٦٤٠، ١٦٩٣، ١٧٠٨، ١٧٢٩، ١٨٠٦، ١٨٠٧، ١٨٠٨، ١٨١٠، ١٨١٢، ١٨١٣، ٤١٨٣، ٤١٨٤، ٤١٨٥]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ان کے صاحبزادے عبداللہ آئے (باپ بیٹے دونوں کا نام عبداللہ تھا) درانحالیکہ آپؓ کی سواری گھیر میں تیار تھی (اور آپؓ حج کے لئے نکلنے کا ارادہ کر رہے تھے) صاحبزادے نے عرض کیا: مجھے اندیشہ ہے کہ اس سال لوگوں میں جنگ شروع ہوجائے اور وہ آپؓ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیں، پس کاش آپؓ گھر رہیں یعنی اس سال حج نہ کریں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: نبی ﷺ (حدیبیہ کے سال عمرہ کا احرام باندھ کر) نکلے تھے، پس آپؐ کے اور بیت اللہ کے درمیان کفار آڑ بن گئے، پس اگر میرے اور بیت اللہ کے درمیان کوئی آڑے آئے گا تو میں وہی کروں گا جو نبی ﷺ نے کیا تھا، کیونکہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔ پھر فرمایا: تم گواہ رہو میں نے عمرہ کے ساتھ حج کی بھی نیت کرلی، راوی کہتے ہیں: پھر ابن عمرؓ مکہ پہنچے تو دونوں کے لئے ایک طواف کیا۔

تشریح: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر چلے تھے، جب بیداء ٹیلے پر پہنچے تو فرمایا: عمرہ اور حج کا معاملہ یکساں ہے، اگر احصار واقع ہوگا تو حج میں بھی ہوگا اور عمرہ میں بھی، پس میں قران کرتا ہوں چنانچہ آپؓ نے عمرہ کے احرام کے ساتھ حج کا احرام بھی شامل کرلیا، اور قدید سے قربانی کا جانور خرید کر ساتھ لے لیا، پھر آپؓ کے مکہ پہنچنے سے پہلے جنگ ختم ہوگئی، چنانچہ آپؓ مکہ پہنچے اور ایک طواف کیا، یعنی عمرہ کا طواف کیا اور اسی میں طوافِ قدوم کی نیت کرلی، الگ سے طوافِ قدوم نہیں کیا، اور ائمہ ثلاثہ اس کا دوسرا مطلب لیتے ہیں، پس یہ روایت بھی محکم الدلالہ نہیں۔

[١٦٤٠-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَرَادَ الْحَجَّ، عَامَ نَزَلَ الْحَجَّاجُ بِابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقِيْلَ لَهُ: إِنَّ النَّاسَ كَائِنٌ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ، وَإِنَّا نَخَافُ أَنْ يَصُدُّوْكَ، فَقَالَ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ٢١] إِذَنْ أَصْنَعُ كَمَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، إِنِّي أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ أَوْجَبْتُ عُمْرَةً، ثُمَّ خَرَجَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِظَاهِرِ الْبَيْدَاءِ، قَالَ: مَا شَأْنُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ إِلَّا وَاحِدٌ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ أَوْجَبْتُ حَجًّا مَعَ عُمْرَتِيْ، وَأَهْدَى هَدْيًا اشْتَرَاهُ بِقُدَيْدٍ، وَلَمْ يَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ، فَلَمْ يَنْحَرْ وَلَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ، وَلَمْ يَحْلِقْ وَلَمْ يُقَصِّرْ، حَتَّى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ، فَنَحَرَ وَحَلَقَ، وَرَأَى أَنْ قَدْ قَضَى طَوَافَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ بِطَوَافِهِ الْأَوَّلِ، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: كَذٰلِكَ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ١٦٣٩]

وضاحت: یہ اوپر والی حدیث ہی ہے جو قدرے تفصیل سے آئی ہے۔

قولہ: ولم یزد علی ذلك: یعنی مکہ پہنچ کر نہ قربانی کی، نہ احرام کھولا، نہ حلق کرایا، نہ قصر کرایا، یہاں تک کہ دس ذی الحجہ کو

قربانی کی پھر سر منڈا کر احرام کھولا۔

ورأى أن قد قضى: دیکھا ابن عمرؓ نے کہ انھوں نے ادا کر دیا حج اور عمرہ کا طواف اپنے پہلے طواف کے ذریعہ یعنی پہلا طواف جو عمرے کے لئے کیا تھا اسی سے حج کا طوافِ قدوم بھی ہو گیا، اس سے احناف کے سمجھے ہوئے مطلب کی تائید ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ نبی ﷺ نے بھی یہی کیا ہے، اب تقریباً معنی متعین ہو گئے کہ آپؐ نے بھی پہلے طواف میں جو عمرہ کے لئے تھا طوافِ قدوم کی نیت کی تھی۔

بَابُ الطَّوَافِ عَلَى وُضُوْءٍ

باوضو طواف کرنا

جس طرح نماز کے لئے طہارت اور ستر عورت ضروری ہیں، طواف کے لئے بھی ضروری ہیں، پس اگر کوئی شخص بے وضو طواف زیارت کر لے تو دوبارہ باوضو طواف کرے اور کوئی دم نہیں۔ اور اگر وطن لوٹ گیا مگر ابھی میقات کے اندر ہے تو لوٹ جائے اور طواف کا اعادہ کرے، اور میقات سے نکل گیا تو دم سے تلافی ہو جائے گی۔

[۷۸-] بَابُ الطَّوَافِ عَلَى وُضُوْءٍ

[۱۶۴۱-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ عِيْسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ الْقُرَشِيِّ، أَنَّهُ سَأَلَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ: قَدْ حَجَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَأَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ أَنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ بَدَأَ بِهِ حِيْنَ قَدِمَ أَنَّهُ تَوَضَّأَ، ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً، ثُمَّ حَجَّ أَبُوْبَكْرٍ، فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ بَدَأَ بِهِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً، ثُمَّ عُمَرُ مِثْلُ ذٰلِكَ، ثُمَّ حَجَّ عُثْمَانُ، فَرَأَيْتُهُ أَوَّلُ شَيْءٍ بَدَأَ بِهِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً، ثُمَّ مُعَاوِيَةُ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، ثُمَّ حَجَجْتُ مَعَ الزُّبَيْرِ: أَبِيْ فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ بَدَأَ بِهِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً، ثُمَّ رَأَيْتُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارَ يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ، ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً، ثُمَّ آخِرُ مَنْ رَأَيْتُ فَعَلَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ، ثُمَّ لَمْ يَنْقُضْهَا عُمْرَةً، وَهٰذَا ابْنُ عُمَرَ عِنْدَهُمْ، فَلَا يَسْأَلُوْنَهُ؟ وَلَا أَحَدٌ مِمَّنْ مَضَى، مَاكَانُوْا يَبْدَؤُوْنَ بِشَيْءٍ حِيْنَ يَضَعُوْنَ أَقْدَامَهُمْ مِنَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ لَايَحِلُّوْنَ. وَقَدْ رَأَيْتُ أُمِّيْ وَخَالَتِيْ حِيْنَ تَقْدَمَانِ لَا تَبْدَءَ انِ بِشَيْءٍ أَوَّلَ مِنَ الْبَيْتِ، تَطُوْفَانِ بِهِ ثُمَّ إِنَّهُمَا لَا تَحِلَّانِ. [راجع: ۱۶۱۴]

[۱۶۴۲-] وَقَدْ أَخْبَرَتْنِيْ أُمِّيْ أَنَّهَا أَهَلَّتْ هِيَ، وَأُخْتُهَا، وَالزُّبَيْرُ، وَفُلَانٌ، وَفُلَانٌ بِعُمْرَةٍ، فَلَمَّا مَسَحُوْا الرُّكْنَ حَلُّوْا. [راجع: ۱۶۱۵]

وضاحت: یہ حدیث ابھی چند ابواب پہلے گذری ہے، آنحضور ﷺ جب حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ مکرمہ پہنچ کر آپؐ نے سب سے پہلے وضو کیا پھر بیت اللہ کا طواف کیا، یہی جزء باب سے متعلق ہے۔

قولہ: ثم آخر من رأیتُ فعل ذلك: پھر سب سے آخر میں میں نے ابن عمرؓ کو ایسا کرتے دیکھا۔ انھوں نے حج کو توڑ کر عمرہ نہیں بنایا اور یہ عبداللہ بن عمرؓ ان کے پاس موجود ہیں یعنی حیات ہیں، لوگ ان سے کیوں نہیں پوچھتے؟ اور جتنے اگلے لوگ گذرے ہیں وہ سب بیت اللہ کے طواف سے شروع کرتے تھے جب وہ اپنا قدم رکھتے تھے، یعنی مکہ پہنچتے تھے، پھر وہ حلال نہیں ہوتے تھے یعنی ان کا حج کا احرام عمرہ سے نہیں بدلتا تھا۔

بَابُ وُجُوْبِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَجُعِلَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ

سعی کی فرضیت، اور وہ شعائر اللہ سے ہیں

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صفا مروہ کے درمیان سعی فرض ہے۔ اور احناف کے نزدیک واجب، فرض اور واجب میں عمل کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا، دونوں پر عمل ضروری ہے، البتہ اگر کوئی شخص سعی کئے بغیر وطن لوٹ جائے تو جب تک مکہ کے قریب ہے اس پر مکہ واپس لوٹنا اور سعی کرنا بالاجماع ضروری ہے، اور اگر دور آ گیا، اور مکہ واپس لوٹنا مشکل ہے تو حنفیہ کے نزدیک دم سے سعی کی تلافی ہو جائے گی۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واپس لوٹنا اور سعی کرنا ضروری ہے، دم سے تلافی نہیں ہوگی، اور باب میں لفظ وجوب بمعنی فرض ہے۔

اور باب کے دوسرے جزء میں سعی کی حکمت کا بیان ہے، کوئی خیال کر سکتا ہے کہ صفا مروہ تو دو پہاڑیاں ہیں، ان کے درمیان چکر لگانا کیوں ضروری ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ صرف دو پہاڑیاں نہیں ہیں، بلکہ دونوں شعائر اللہ میں سے ہیں اس لئے ان کی سعی مقرر کی گئی ہے۔ شَعَائر: شَعِیرۃ کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: علامت، خاص نشانی اور اصطلاحی معنی ہیں: وہ چیز جو کسی مذہب کی مخصوص علامت ہو جس کو دیکھتے ہی سمجھ لیا جائے کہ اس کا تعلق فلاں مذہب سے ہے، مثلاً جہاں بھی مندر نظر آتا ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ ہندؤں کی عبادت گاہ ہے، صلیب عیسائیوں کا شعار ہے، مسجد، مینارے، اذان اور قرآن اسلام کے شعائر ہیں اور اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، نبی کعبہ اور نماز۔ ان کے علاوہ بھی اسلام کے شعائر ہیں ان میں سے صفا مروہ بھی ہیں، اس لئے ان کی سعی مقرر کی گئی ہے، اور اُس انعام کی یادگار میں مناسک میں اس کو شامل کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر فرمایا تھا۔

[۷۹-] بَابُ وُجُوْبِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَجُعِلَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ

[۱۶۴۳-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ عُرْوَةُ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ لَهَا: أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾[البقرة: ١٥٨] فَوَ اللّٰهِ مَا عَلٰى أَحَدٍ جُنَاحٌ أَنْ لَا يَطُوْفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، قَالَتْ: بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابْنَ أُخْتِيْ! إِنَّ هٰذِهِ لَوْ كَانَتْ كَمَا أَوَّلْتَهَا عَلَيْهِ، كَانَتْ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، وَلٰكِنَّهَا أُنْزِلَتْ فِي الْأَنْصَارِ، كَانُوْا قَبْلَ أَنْ يُسْلِمُوْا يُهِلُّوْنَ لِمَنَاةَ الطَّاغِيَةِ الَّتِيْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَهَا عِنْدَ الْمُشَلَّلِ، فَكَانَ مَنْ أَهَلَّ يَتَحَرَّجُ أَنْ يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَمَّا أَسْلَمُوْا سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذٰلِكَ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا كُنَّا نَتَحَرَّجُ أَنْ نَطُوْفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ الْآيَةَ. قَالَتْ عَائِشَةُ: وَقَدْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم الطَّوَافَ بَيْنَهُمَا، فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَتْرُكَ الطَّوَافَ بَيْنَهُمَا.

ثُمَّ أَخْبَرْتُ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ! مَا كُنْتُ سَمِعْتُهُ، وَلَقَدْ سَمِعْتُ رِجَالًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَذْكُرُوْنَ أَنَّ النَّاسَ - إِلَّا مَنْ ذَكَرَتْ عَائِشَةُ مِمَّنْ كَانَ يُهِلُّ لِمَنَاةَ - كَانُوْا يَطُوْفُوْنَ كُلُّهُمْ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَمَّا ذَكَرَ اللّٰهُ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ فِي الْقُرْآنِ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كُنَّا نَطُوْفُ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَنْزَلَ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، فَلَمْ يَذْكُرِ الصَّفَا، فَهَلْ عَلَيْنَا مِنْ حَرَجٍ أَنْ نَطَّوَّفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ؟ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ الْآيَةَ، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: فَأَسْمَعُ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي الْفَرِيْقَيْنِ كِلَيْهِمَا، فِي الَّذِيْنَ كَانُوْا يَتَحَرَّجُوْنَ أَنْ يَطُوْفُوْا بِالْجَاهِلِيَّةِ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَالَّذِيْنَ يَطَّوَّفُوْنَ، ثُمَّ تَحَرَّجُوْا أَنْ يَطَّوَّفُوْا بِهِمَا فِي الْإِسْلَامِ مِنْ أَجْلِ أَنَّ اللّٰهَ أَمَرَ بِالطَّوَافِ بِالْبَيْتِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الصَّفَا، حَتّٰى ذَكَرَ ذٰلِكَ بَعْدَ مَا ذَكَرَ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ.

[انظر: ١٧٩٠، ٤٤٩٥، ٤٨٦١]

ترجمہ: عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپؓ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں کیا فرماتی ہیں: ''بیشک صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ان کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں'' خدا کی قسم! (اس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ) کوئی صفا ومروہ کی سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بھانجے! تم نے بری بات کہی، اگر وہ بات ہوتی جو تم نے کہی ہے تو (تعبیر) لاجناح علیه أن لایطوف بهما ہوتی، لیکن یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، وہ اسلام سے پہلے منات کا احرام باندھا کرتے تھے، جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے، جو مشلّل مقام میں تھا، اور انصار میں سے جو (منات کا) احرام باندھتا وہ صفا مروہ کی سعی کو برا سمجھتا تھا، پس جب وہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے پوچھا: انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم صفا اور مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ بیشک صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا طریقہ نبی ﷺ نے جاری کیا ہے پس کسی کے لئے ان

کی سعی کو چھوڑنا جائز نہیں (یہی جزء باب سے متعلق ہے)

(زہریؒ کہتے ہیں) میں نے یہ بات ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: یہی علم ہے! میں نے آج تک یہ بات نہیں سنی، میں نے متعدد علماء سے سنا ہے وہ سب کہتے تھے کہ لوگ ـــ ان لوگوں کے علاوہ جن کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تذکرہ کیا ہے جو منات بت کے لئے احرام باندھتے تھے ـــ سب (اسلام سے پہلے) صفا ومروہ کا طواف کیا کرتے تھے، پس جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیت اللہ کے طواف کا حکم اتارا اور صفا مروہ کا تذکرہ نہیں کیا تو لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم صفا مروہ کا طواف کیا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا تو ذکر فرمایا ہے، اور صفا ومروہ کا ذکر نہیں کیا تو کیا ہم پر صفا ومروہ کا طواف کرنے میں کوئی گناہ ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ نازل فرمائی۔ ابوبکر کہتے ہیں: میں سنتا ہوں یعنی سمجھتا ہوں کہ یہ آیت دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان کے بارے میں بھی جو زمانۂ جاہلیت میں صفا مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتے تھے اور ان کے بارے میں بھی جو سعی کرتے تھے۔ پھر مسلمان ہونے کے بعد ان کے طواف کو گناہ سمجھا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا اور صفا ومروہ کا تذکرہ نہیں کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کے بعد ان کے طواف کا بھی ذکر فرمایا۔

تشریح:

۱۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ نے جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اللہ پاک نے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۸) میں ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا ومروہ کے درمیان سعی کرے'' اس آیت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ میں سعی واجب نہیں حالانکہ سعی ضروری ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: آپ آیت کا مطلب صحیح نہیں سمجھے، اگر سعی جائز ہوتی، ضروری نہ ہوتی تو تعبیر یہ ہوتی: **فلاجناح علیه أن لایطوف بهما**: حج اور عمرہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔

پھر حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ سمجھائی کہ آخر قرآنِ کریم میں یہ تعبیر کیوں ہے؟ فرمایا: انصار زمانۂ جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے، وہ ان کو خدا نہیں مانتے تھے، بلکہ وہ منات کی عبادت کرتے تھے، منات: عرب کی ایک بڑی مورتی تھی جیسے لات اور عزی بڑی مورتیاں تھیں، آپ کسی مندر میں جائیں تو جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی مورتیاں دیکھیں گے اور اندر ایک بڑی مورتی ہوگی، یہ **الطاغیة** (انتہائی سرکش) ہے، اور منات کی مورتی مشلّل مقام پر رکھی ہوئی تھی۔ انصار اس کی عبادت کرتے تھے اور اسی کے نام پر احرام باندھتے تھے اور صفا مروہ پر اساف اور نائلہ نامی دو بت رکھے ہوئے تھے، ان کو انصار خدا نہیں مانتے تھے، اس لئے وہ صفا مروہ کی سعی نہیں کرتے تھے، پھر جب اسلام آیا اور وہ بت وہاں سے ہٹادیئے گئے تب بھی انصار کو سعی کرنے میں حرج محسوس ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو سمجھایا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی ان بتوں کی وجہ سے نہیں کی

جاتی ہے، اس کی وجہ کچھ اور ہے، لہٰذا بے تکلف سعی کرو، دل میں کوئی خیال نہ لاؤ، لاجناح کی تعبیر اس لئے اختیار کی گئی ہے۔ غرض یہ اباحت کی تعبیر نہیں ہے بلکہ انصار کے دلوں سے بوجھ ہٹانے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے (مزید تفصیل تحفۃ القاری ۳: ۴۱۳-۴۱۴ میں ہے)

۲- جب امام زہری رحمہ اللہ نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کو یہ بات بتائی تو وہ خوشی سے اچھل پڑے اور کہنے لگے: واہ! علم تو یہ ہے، یہ ایک بالکل نئی بات ہے، ہم تو آج تک یہ سنتے آئے ہیں کہ جب آیت: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ نازل ہوئی تو ان لوگوں نے جو زمانۂ جاہلیت میں صفا مروہ کی سعی کیا کرتے تھے نبی ﷺ سے عرض کیا: اللہ عزوجل نے قرآنِ کریم میں بیت اللہ کے طواف کا ذکر تو کیا ہے مگر صفا مروہ کی سعی کا تذکرہ نہیں کیا، پس کیا صفا و مروہ کی سعی کرنے میں کوئی گناہ ہے؟ اس پر یہ آیت: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ نازل ہوئی۔ پس عام علماء نے جو شانِ نزول بیان کیا ہے وہ بھی صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو بیان کیا ہے وہ بھی صحیح ہے۔

قوله: وقد سَنَّ رسولُ اللهِ: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ سعی کی فرضیت یا وجوب سنت سے یعنی وحی غیر متلو سے ثابت ہے، قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔ جیسے صدقۂ فطر اور قربانی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہیں، ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان دونوں کا ثبوت احادیث سے ہے، وہ سنت جو واجب اور مستحب کے درمیان ہے وہ مراد نہیں، چنانچہ ائمہ ثلاثہ بھی صدقۂ فطر اور قربانی کے ترک کے روادار نہیں، اسی طرح یہاں بھی سنت بمعنی ثابت بالسنہ ہے، فقہی سنت مراد نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

دو ہرے نشانوں کے درمیان دوڑنے کی روایت

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ صفا مروہ کے درمیان کہاں دوڑنا مسنون ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: دار بنی عباد سے زُقاق بنی ابی حسین تک دوڑنا سنت ہے، اب اس جگہ کو دوہرے نشانوں کے ذریعہ مشخص کر دیا گیا ہے، ان کے درمیان مردوں کے لئے دوڑنا سنت ہے۔

[۸۰-] بَابُ مَاجَاءَ فِي السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: السَّعْيُ مِنْ دَارِ بَنِي عَبَّادٍ إِلَى زُقَاقِ بَنِي أَبِي حُسَيْنٍ.

[۱۶۴۴-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا طَافَ الطَّوَافَ الْأَوَّلَ خَبَّ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا، وَكَانَ يَسْعَى بَطْنَ الْمَسِيلِ إِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَقُلْتُ لِنَافِعٍ: أَكَانَ عَبْدُ اللهِ يَمْشِي إِذَا

بَلَغَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ يُزَاحِمَ عَلَى الرُّكْنِ، فَإِنَّهُ كَانَ لَا يَدَعُهُ حَتَّى يَسْتَلِمَهُ.

[راجع: ١٦٠٣]

[١٦٤٥-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ فِي عُمْرَةٍ، وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، أَيَأْتِي امْرَأَتَهُ؟ فَقَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعًا، وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. [راجع: ٣٩٥]

[١٦٤٦-] وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ: لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتَّى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

[راجع: ٣٩٦]

[١٦٤٧-] حدثنا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ تَلَا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [راجع: ٣٩٥]

[١٦٤٨-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ: أَكُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، لِأَنَّهَا كَانَتْ مِنْ شَعَائِرِ الْجَاهِلِيَّةِ حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [انظر: ٤٤٩٦]

[١٦٤٩-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّمَا سَعَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِيُرِيَ الْمُشْرِكِيْنَ قُوَّتَهُ. وَزَادَ الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِثْلَهُ. [انظر: ٤٢٥٧]

آخری حدیث: ابن عباسؓ کہتے ہیں: نبی ﷺ بیت اللہ اور صفا مروہ کے درمیان صرف اس لئے دوڑتے تھے کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھائیں۔

تشریح: جب آنحضور ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لائے تو مشرکین مسلمانوں کا طواف اور سعی دیکھنے کے لئے جبل قُیَیْقِعَان پر جمع ہوگئے تھے، کیونکہ ان کو خبر پہنچی تھی کہ مدینہ کے بخار نے مسلمانوں کو کمزور کردیا ہے، آنحضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ نے صحابہ کو طواف میں رمل کرنے کا حکم دیا۔ جب مشرکین نے مسلمانوں کو اکڑ کر طواف کرتے دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے اور یہ کہہ کر چل دیئے: کون کہتا ہے: مسلمان کمزور ہوگئے ہیں؟ پھر جب آپؐ سعی کے لئے صفا پر

تشریف لے گئے تو کچھ اور مشرکین جنھوں نے طواف کا منظر نہیں دیکھا تھا اسی پہاڑ پر آبیٹھے، وہاں سے دوہرے نشانوں کے درمیان کا حصہ نظر آتا تھا، چنانچہ آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اس حصہ میں دوڑیں، جب کفار نے مسلمانوں کو اس حصہ میں دوڑتے دیکھا تو وہ یہ سمجھے کہ مسلمان صفا ومروہ کے درمیان پورا چکر دوڑتے ہوئے سعی کررہے ہیں، پس وہ حیران رہ گئے، کیونکہ صفا مروہ کے درمیان لمبا فاصلہ ہے، حالانکہ دوڑنا دوہرے نشانوں کے درمیان تھا، پھر جب آنحضور ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے تو آپؐ نے طواف میں رَمَل بھی کیا اور آپؐ دوہرے نشانوں کے درمیان دوڑے بھی، جبکہ مکہ میں کوئی مشرک نہیں تھا، پس اب یہ دونوں عمل مناسک میں داخل ہیں۔

بَابٌ: تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، وَإِذَا سَعَى عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

حائضہ طواف کے علاوہ ارکانِ حج وعمرہ ادا کرے، اور بے وضو صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: حائضہ حج اور عمرہ کے تمام ارکان ادا کرے، صرف طواف نہ کرے، طواف کے لئے طہارت شرط ہے، حدیث میں ہے: "کعبہ کا طواف نماز کی طرح ہے" نیز بیت اللہ مسجد میں ہے، اور حائضہ کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں، اور سعی طواف کے بعد ہے اس لئے سعی بھی نہ کرے، ان کے علاوہ حج وعمرہ کے تمام ارکان ادا کرے۔

دوسرا مسئلہ: سعی کے لئے وضو ضروری نہیں، حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حائضہ ہوگئی تھیں، آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا: حج کے تمام ارکان ادا کرو، صرف طواف نہ کرو، آپؐ نے صرف طواف کو مستثنیٰ کیا، معلوم ہوا کہ حائضہ سعی کرسکتی ہے کیونکہ سعی کے لئے طہارت شرط نہیں۔

مسئلہ: کسی عورت نے طوافِ زیارت کرلیا اور ابھی سعی نہیں کی تھی کہ حائضہ ہوگئی (طواف کے بعد فوراً سعی ضروری نہیں) پس وہ سعی کرسکتی ہے، کیونکہ سعی کے لئے طہارت شرط نہیں، اور مَسعیٰ (سعی کرنے کی جگہ) مسجد سے خارج ہے۔

ملحوظہ: کتاب الحیض (باب ۷) میں بھی اس قسم کا ایک باب آیا ہے۔ مگر وہاں دوسرا مسئلہ نہیں تھا، پس یہ نیا باب ہوگیا۔

[۸۱-] بَابٌ: تَقْضِي الْحَائِضُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، وَإِذَا سَعَى عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

[۱۶۵۰-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ،

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: قَدِمْتُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ، وَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، قَالَتْ: فَشَكَوْتُ ذٰلِكَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " افْعَلِيْ كَمَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ"[راجع: ۲۹۴]

[۱۶۵۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، ح: وَقَالَ لِيْ خَلِيْفَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَبِيْبٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: أَهَلَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم هُوَ وَأَصْحَابُهُ بِالْحَجِّ، وَلَيْسَ مَعَ أَحَدٍ مِنْهُمْ هَدْيٌ غَيْرَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَطَلْحَةَ، وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَمَعَهُ هَدْيٌ، فَقَالَ: أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَصْحَابَهُ أَنْ يَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً وَيَطُوْفُوْا، ثُمَّ يُقَصِّرُوْا وَيَحِلُّوْا، إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ، فَقَالُوْا: نَنْطَلِقُ إِلٰى مِنًى، وَذَكَرُ أَحَدِنَا يَقْطُرُ مَنِيًّا! فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ:" لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ، وَلَوْلَا أَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَأَحْلَلْتُ"

وَحَاضَتْ عَائِشَةُ فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنَّهَا لَمْ تَطُفْ بِالْبَيْتِ، فَلَمَّا طَهُرَتْ طَافَتْ بِالْبَيْتِ، قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! تَنْطَلِقُوْنَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ وَأَنْطَلِقُ بِحَجٍّ! فَأَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا إِلَى التَّنْعِيْمِ، فَاعْتَمَرَتْ بَعْدَ الْحَجِّ. [راجع: ۱۵۵۷]

قولہ:وقدم علی: حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تھے اور قربانی کے اونٹ ساتھ لائے تھے مگر آنحضور ﷺ کے حساب میں لائے تھے، چنانچہ آپؐ نے ان کو اپنی قربانی میں شامل کرلیا، اس لئے انھوں نے بھی قران کیا۔

قولہ:ننطلق إلی منی: جب آنحضور ﷺ نے جن کے پاس ہدی نہیں تھی ان کو عمرہ کرکے احرام کھولنے کا حکم دیا تو لوگوں پر یہ حکم شاق گذرا، کیونکہ حج میں گنتی کے چند دن باقی رہ گئے تھے، اور احرام کھولنے کا مطلب تھا بیویوں سے فائدہ اٹھانا، اور پہلے سے جو تصور چلا آرہا تھا وہ ذہنوں پر مسلط تھا، اس لئے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اس حال میں حج کریں گے کہ ہماری شرم گاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی؟ نبی ﷺ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ آئندہ یہ حکم آنے والا ہے تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا اور احرام کھول دیتا۔

قولہ: وَأنطلق بحج: حج کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی سب ازواج حج اور عمرہ کرکے لوٹیں گی اور میں صرف حج کرکے لوٹوں گی! یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے عمرہ کا احرام توڑ دیا تھا۔ شوافع کہتے ہیں: حضرت عائشہؓ نے عمرہ توڑا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ حج کا احرام ملالیا تھا یعنی صدیقہؓ قارنہ ہوگئی تھیں اور انھوں نے ایک طواف اور ایک سعی کی تھی، اور حنفیہ کے نزدیک وہ مفردہ تھیں، اور یہ جملہ ان کی دلیل ہے، اگر صدیقہؓ نے عمرہ کے ساتھ حج کا احرام ملایا ہوتا یعنی قران کیا ہوتا تو یہ بات کیوں کہتیں؟

[١٦٥٢-] حدثنا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا أَنْ يَخْرُجْنَ، فَقَدِمَتِ امْرَأَةٌ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِيْ خَلَفٍ، فَحَدَّثَتْ أَنَّ أُخْتَهَا كَانَتْ تَحْتَ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، قَدْ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، وَكَانَتْ أُخْتِيْ مَعَهُ فِيْ سِتِّ غَزَوَاتٍ، قَالَتْ: كُنَّا نُدَاوِيْ الْكَلْمٰى، وَنَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى، فَسَأَلَتْ أُخْتِيْ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: هَلْ عَلٰى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ؟ فَقَالَ: " لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا، وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَلَمَّا قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا، أَوْ قَالَتْ: سَأَلْنَاهَا، قَالَتْ: وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَبَدًا إِلَّا قَالَتْ: بِيَبَا! فَقُلْتُ: أَسَمِعْتِ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ، بِيَبَا! فَقَالَتْ:" لِتَخْرُجِ الْعَوَاتِقُ وَذَوَاتُ الْخُدُوْرِ أَوْ: الْعَوَاتِقُ ذَوَاتُ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضُ فَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى" فَقُلْتُ: آلْحَائِضُ؟ فَقَالَتْ: أَوَ لَيْسَ تَشْهَدُ عَرَفَةَ؟ وَتَشْهَدُ كَذَا وَتَشْهَدُ كَذَا؟[راجع: ٣٢٤]

حوالہ: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الحیض باب ۲۳ (تحفۃ القاری ۲: ۱۲۲) میں گذر چکی ہے، اور یہاں أو لیس تشهد عرفة سے استدلال ہے کہ حائضہ عرفہ، منی اور مزدلفہ وغیرہ سب جگہ جائے گی یعنی تمام ارکان حج (طواف کے علاوہ) ادا کرے گی.........قوله: بِیَبَا: اس کی اصل بِأَبِیْ ہے اور جار مجرور مُفَدّٰی سے متعلق ہیں، اور اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ پر جو آفت آنی مقدر ہو وہ آپؐ پر نہ آئے میرے باپ پر آئے۔

بَابُ الإِهْلَالِ مِنَ الْبَطْحَاءِ وَغَيْرِهَا لِلْمَكِّيِّ وَالْحَاجِّ إِذَا خَرَجَ إِلَى مِنًى

مکی اور متمتع جب حج کے لئے منی روانہ ہوں تو بطحاء وغیرہ سے احرام باندھیں

مکہ کے اصل باشندے اور وہ لوگ جنھوں نے حج تمتع کیا ہے اور عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہے ان کو حج کا احرام آٹھ ذی الحجہ کو جب وہ منی روانہ ہوں: باندھنا چاہئے، یوم الترویہ سے پہلے احرام نہیں باندھنا چاہئے، مجبوری ہو تو الگ بات ہے، مثلاً کسی نے حج تمتع کیا اور اس کے پاس نہ قربانی ہے اور نہ قربانی کے لئے پیسے: اس کو حج سے پہلے تین روزے رکھنے ہونگے اور حج کا احرام باندھ کر رکھنے ہونگے، وہ شخص احرام یوم الترویہ سے مقدم باندھے گا۔ لیکن اگر ایسی کوئی مجبوری نہ ہو تو آٹھ ذی الحجہ کو جب منی روانہ ہو اس وقت احرام باندھے۔

بطحاء: سنگریزوں والا میدان، عرب میں ایسے میدان بہت ہیں، دور اول میں باہر سے جو لوگ حج کے لئے آتے تھے وہ مکہ سے باہر میدانوں میں پڑاؤ ڈالتے تھے، نبی ﷺ نے بھی باہر ہی پڑاؤ ڈالا تھا، اور آٹھ ذی الحجہ کو وہیں سے منی تشریف لے گئے تھے۔

[۸۲-] بَابُ الإِهْلَالِ مِنَ الْبَطْحَاءِ وَغَيْرِهَا لِلْمَكِّيِّ وَالْحَاجِّ إِذَا خَرَجَ إِلَى مِنًى

[۱-] وَسُئِلَ عَطَاءٌ عَنِ الْمُجَاوِرِ يُلَبِّيْ بِالْحَجِّ، فَقَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُلَبِّيْ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ إِذَا صَلَّى الظُّهْرَ وَاسْتَوَى عَلَى رَاحِلَتِهِ.

[۲-] وَقَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ: قَدِمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَحْلَلْنَا حَتَّى يَوْمِ التَّرْوِيَةِ، وَجَعَلْنَا مَكَّةَ بِظَهْرٍ لَبَّيْنَا بِالْحَجِّ.

[۳-] وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ: أَهْلَلْنَا مِنَ الْبَطْحَاءِ.

[٤-] وَقَالَ عُبَيْدُ بْنُ جُرَيْجٍ لِابْنِ عُمَرَ: رَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ، وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتَّى يَوْمِ التَّرْوِيَةِ، فَقَالَ: لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يُهِلُّ حَتَّى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ.

۱- حضرت عطاء رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: مجاور یعنی مکی کب تلبیہ پڑھے؟ یعنی کب احرام باندھے؟ آپؒ نے فرمایا: حضرت ابن عمرؓ جب حج کے لئے مکہ مکرمہ آتے تو عمرہ کرکے احرام کھول دیتے، پھر یوم الترویہ کو یعنی آٹھ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز پڑھ کر منی جاتے اور جب اونٹ پر بیٹھ جاتے تو تلبیہ پڑھتے تھے یعنی احرام شروع کرتے تھے، معلوم ہوا کہ مکی اور متمتع جب منی روانہ ہوں تب حج کا احرام باندھیں، مقدم نہ کریں۔

۲- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عطاءؒ کی روایت ہے: ہم نبی ﷺ کے ساتھ مکہ آئے، پس ہم ۸ ذی الحجہ تک حلال رہے۔ اور جب مکہ کو پیٹھ پیچھے چھوڑا یعنی منی روانہ ہوئے تو حج کا تلبیہ پڑھا، یعنی احرام شروع کیا۔

۳- اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابوالزبیر کی روایت میں ہے کہ ہم نے بطحاء سے حج کا احرام باندھا، یعنی جہاں پڑاؤ ڈالا تھا وہیں سے حج کا احرام باندھ کر منی روانہ ہوئے۔

۴- عبید نے ابن عمرؓ سے کہا: سب لوگ ذی الحجہ کا چاند نظر آتے ہی حج کا احرام باندھ لیتے ہیں اور آپؓ آٹھ ذی الحجہ کو باندھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا جب تک آپؐ (ذوالحلیفہ میں) اونٹنی پر سوار نہیں ہوئے، احرام نہیں باندھا، اس لئے ابن عمرؓ بھی چلتے وقت احرام باندھتے تھے۔

بَابٌ: أَيْنَ يُصَلِّي الظُّهْرَ فِيْ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ

۸ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کہاں پڑھے؟

آٹھ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز منی میں پڑھنی چاہئے، نبی ﷺ آٹھ ذی الحجہ کو منی تشریف لے گئے تھے، اور ظہر تا فجر پانچ نمازیں وہاں پڑھی تھیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ آپؐ نے منی میں قیام اس لئے فرمایا تھا

کہ سب لوگ مکہ سے وہاں پہنچ کر جمع ہوجائیں اور ۹ ذی الحجہ کو سب ایک ساتھ عرفہ جائیں، کیونکہ اگر آپؐ مکہ سے سیدھے عرفہ جاتے تو شام تک لوگ آتے رہتے اور بہت سے لوگ شام تک بھی نہ پہنچتے، اس لئے آپؐ آٹھ تاریخ کو منی تشریف لے گئے تاکہ سب وہاں جمع ہوجائیں۔ غرض منی کے قیام کا مناسک سے بہت زیادہ گہرا تعلق نہیں، اس لئے اگر کوئی مکہ سے یا میقات سے سیدھا عرفہ چلا جائے تو بھی کچھ حرج نہیں۔

[۸۳-] بَابٌ: أَيْنَ يُصَلِّي الظُّهْرَ فِي يَوْمِ التَّرْوِيَةِ

[۱۶۵۳-] حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْأَزْرَقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قُلْتُ: أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ؟ قَالَ: بِمِنًى، قُلْتُ: فَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ؟ قَالَ: بِالْأَبْطَحِ، ثُمَّ قَالَ: افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ. [انظر: ۱۶۵۴، ۱۷۶۳]

[۱۶۵۴-] حدثنا عَلِيٌّ، سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَيَّاشٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، قَالَ: لَقِيتُ أَنَسًا ح: وَحَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ: خَرَجْتُ إِلَى مِنًى يَوْمَ التَّرْوِيَةِ فَلَقِيتُ أَنَسًا ذَاهِبًا عَلَى حِمَارٍ، فَقُلْتُ: أَيْنَ صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم هٰذَا الْيَوْمَ الظُّهْرَ؟ فَقَالَ: أُنْظُرْ حَيْثُ يُصَلِّي أُمَرَاؤُكَ فَصَلِّ. [راجع: ۱۶۵۳]

ترجمہ: عبدالعزیز نے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: مجھے وہ بات بتلائیں جو آپؐ نے نبی ﷺ سے محفوظ کی ہے یعنی مسئلہ نہ بتائیں، آنحضور ﷺ کا عمل بتائیں کہ آپؐ نے آٹھ ذی الحجہ کو ظہر اور عصر کہاں پڑھی ہیں؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: منی میں، میں نے کہا: یوم النفر (تیرہ ذی الحجہ) کو عصر کہاں پڑھی ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ابطح (محصّب) میں، پھر فرمایا: ''وہی کر جو تیرے امراء کریں'' —— قوله: انظر حيث يصلي أمراء ك فَصَلِّ: دیکھ جہاں تیرے حاکم نماز پڑھیں وہیں تو بھی پڑھ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منی اور محصب کا قیام ضروری نہیں، لہٰذا اپنے امیر کی پیروی کرو، وہ جہاں قیام کریں اور نماز پڑھیں تم بھی وہاں نماز پڑھو۔

ملحوظہ: اب حج میں اتنا اژدحام ہوتا ہے کہ امارت کا نظام معطل ہوگیا ہے، اب ہر شخص مسائل جان کر خود عمل کرے۔

بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى

منی میں نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟

حاجی منی میں نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟ یہ مسئلہ تفصیل سے أبواب تقصير الصلاة باب ۲ (تحفۃ القاری ۳: ۴۱۷)

میں گذر چکا ہے اور تینوں حدیثیں بھی گذری ہیں، وہاں دیکھ لیں۔

[۸۴-] بَابُ الصَّلاَةِ بِمِنًى

[۱۶۵۵-] حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلاَفَتِهِ.[راجع: ۱۰۸۲]

[۱۶۵۶-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ، قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَآمَنُهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ[راجع: ۱۰۸۳]

[۱۶۵۷-] حدثنا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم رَكْعَتَيْنِ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ، وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمُ الطُّرُقُ، فَيَا لَيْتَ حَظِّي مِنْ أَرْبَعٍ: رَكْعَتَانِ مُتَقَبَّلَتَانِ.

[راجع: ۱۰۸۴]

قولہ: ثم تفرقت بكم الطرق: پھر تمہاری راہیں الگ الگ ہوگئیں، کاش میرا حصہ چار رکعتوں کے بدل دو مقبول رکعتیں ہوتیں۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نقد کیا ہے، انھوں نے اپنی خلافت کے آخری سالوں میں منی وغیرہ میں نماز پوری پڑھانی شروع کی تھی، تفصیل گذر چکی ہے۔

بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ

عرفہ کے دن روزہ رکھنا

عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کے روزے کی بڑی فضیلت آئی ہے، اس روزہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں (ترمذی حدیث ۷۴۰) اس لئے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا بالا جماع مستحب ہے، البتہ حاجی کے لئے عرفہ کے دن عرفہ کے میدان میں روزہ رکھنا اولیٰ ہے یا نہ رکھنا؟ اس میں اختلاف ہے، اور احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے عرفہ کے کاموں میں خلل پڑے تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔ اور اگر روزہ رکھنے سے عرفہ کے کاموں میں خلل نہ پڑے تو روزہ رکھنا بہتر ہے۔

اور آنحضور ﷺ نے عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھا تھا، جب نبی ﷺ وقوف عرفہ کئے ہوئے تھے تو خواتین میں یہ مسئلہ چھڑا کہ آج آپؐ کا روزہ ہے یا نہیں؟ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے یہ بات جاننے کے لئے آپؐ کے پاس دودھ بھیجا، آپؐ نے نوش فرمایا، معلوم ہوا کہ روزہ نہیں تھا۔

بعض حضرات نے اس حدیث کی وجہ سے میدانِ عرفات میں روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم عرفہ کے دن عرفہ کے میدان میں روزہ رکھتے تھے (فتح الباری ۴: ۲۰۷) اور آنحضور ﷺ نے مصلحتاً روزہ نہیں رکھا تھا، اگر آپؐ عرفہ کے دن عرفہ کے میدان میں روزہ رکھتے تو سب لوگ رکھتے اور سب کے لئے میدانِ عرفات میں روزہ رکھنا مشکل ہے، اس لئے آپؐ نے روزہ نہیں رکھا۔ تفصیل تحفۃ الألمعی (۳: ۱۲۳) میں ہے۔

[۸۵-] بَابُ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ

[۱۶۵۸-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَالِمٌ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلٰى أُمِّ الْفَضْلِ، عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ: شَكَّ النَّاسُ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَبَعَثْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ.

[انظر: ۱۶۶۱، ۱۹۸۸، ۵۶۰۴، ۵۶۱۸، ۵۶۳۶]

بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيْرِ إِذَا غَدَا مِنْ مِنًى إِلٰى عَرَفَةَ

جب منی سے عرفہ روانہ ہو تو تلبیہ اور تکبیر کہے

حاجی کے لئے افضل عمل کیا ہے، تلبیہ یا تکبیر؟ پہلے بتلایا ہے کہ شروع ذی الحجہ سے تیرہ تاریخ تک افضل عمل تکبیر ہے اور حاجی کے لئے افضل عمل کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دونوں عمل یکساں ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات نے جب نبی ﷺ کے ساتھ حج کیا تو آپ لوگ جب عرفہ کی طرف روانہ ہوئے تو تلبیہ پڑھتے تھے یا تکبیر؟ حضرت انسؓ نے فرمایا: ہم میں سے بعض تلبیہ پڑھتے تھے اور بعض تکبیر، اور نبی ﷺ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی، معلوم ہوا کہ دونوں عمل یکساں ہیں۔

[۸۶-] بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيْرِ إِذَا غَدَا مِنْ مِنًى إِلٰى عَرَفَةَ

[۱۶۵۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ الشَّامِيُّ، قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِبْنِ أَبِيْ بَكْرٍ الثَّقَفِيِّ، أَنَّهُ سَأَلَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلٰى عَرَفَةَ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم؟ فَقَالَ: كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ، فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ، وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ مِنَّا فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ. [راجع: ۹۷۰]

بَابُ التَّهْجِيْرِ بِالرَّوَاحِ يَوْمَ عَرَفَةَ

عرفہ کے دن زوال کے بعد جلدی جانا

۹ذی الحجہ کو عرفات میں جانا ہوتا ہے، وہاں زوال تک کوئی کام نہیں، زوال کے بعد امام ظہر وعصر ایک ساتھ مسجدِ نمرہ میں پڑھاتا ہے، اس کے بعد وقوف عرفہ کا وقت شروع ہوتا ہے۔ التهجير بالرواح کے معنی ہیں: زوال کے بعد جلدی جانا یعنی زوال ہوتے ہی مسجدِ نمرہ میں نماز کے لئے جانا، پھر جبل رحمت پر وقوف کے لئے جانا۔

[۸۷-] بَابُ التَّهْجِيْرِ بِالرَّوَاحِ يَوْمَ عَرَفَةَ

[۱۶۶۰-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ الشَّامِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، قَالَ: كَتَبَ عَبْدُ الْمَلِكِ إِلَى الْحَجَّاجِ أَنْ لَا يُخَالِفَ ابْنَ عُمَرَ فِي الْحَجِّ، فَجَاءَ ابْنُ عُمَرَ، وَأَنَا مَعَهُ يَوْمَ عَرَفَةَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ، فَصَاحَ عِنْدَ سُرَادِقِ الْحَجَّاجِ، فَخَرَجَ وَعَلَيْهِ مِلْحَفَةٌ مُعَصْفَرَةٌ، فَقَالَ: مَالَكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ فَقَالَ: الرَّوَاحَ إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ، قَالَ: هٰذِهِ السَّاعَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَأَنْظِرْنِي حَتّٰى أُفِيْضَ عَلَى رَأْسِي ثُمَّ أَخْرُجَ، فَنَزَلَ حَتّٰى خَرَجَ الْحَجَّاجُ، فَسَارَ بَيْنِي وَبَيْنَ أَبِي، فَقُلْتُ: إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَاقْصُرِ الْخُطْبَةَ، وَعَجِّلِ الْوُقُوْفَ، فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلَى عَبْدِ اللهِ، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ عَبْدُ اللهِ قَالَ: صَدَقَ. [انظر: ۱۶۶۲، ۱۶۶۳]

وضاحت: جس سال عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما شہید کئے گئے اس سال حجاج نے حج کرایا تھا، اور عبدالملک بن مروان نے اس کو لکھا تھا کہ ابن عمرؓ سے مسائل معلوم کر کے حج کرائے اور کسی مسئلہ میں ان کی مخالفت نہ کرے۔

ترجمہ: سالم کہتے ہیں: عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ وہ ابن عمرؓ کی حج کے مسائل میں مخالفت نہ کرے، پس ابن عمرؓ عرفہ کے دن زوال ہوتے ہی آئے اور میں (سالم) ان کے ساتھ تھا۔ آپؓ نے حجاج کے خیمہ کے پاس زور سے آواز دی، پس حجاج نکلا درانحالیکہ اس نے معصفر چادر اوڑھ رکھی تھی، اس نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! (ابن عمرؓ کی کنیت) کیا بات ہے؟ آپؓ نے فرمایا: چلیے، اگر آپ سنت کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا: اس وقت؟ یعنی ابھی تو زوال ہی ہوا ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہاں اسی وقت، اس نے کہا: آپؓ مجھے اتنی مہلت دیں کہ میں نہالوں، پھر چلوں، پس ابن عمرؓ سواری سے اترے (اور انتظار کیا) یہاں تک کہ حجاج (نہا کر) نکلا، پس وہ میرے اور میرے ابا کے درمیان چلنے لگا، پس میں نے کہا: اگر آپ سنت کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو تقریر مختصر کریں اور وقوف میں جلدی کریں (یہاں باب ہے) پس حجاج حضرت ابن عمرؓ کی طرف دیکھنے لگا، پس جب ابن عمرؓ نے یہ دیکھا (کہ وہ تائید چاہتا ہے) تو فرمایا: سالم نے صحیح کہا۔

بَابُ الْوُقُوْفِ عَلَى الدَّابَّةِ بِعَرَفَةَ

عرفہ میں سواری پر وقوف کرنا

نبی ﷺ نے میدانِ عرفات میں اونٹ پر وقوف کیا تھا، اور غروب تک اونٹ پر تشریف فرما رہے تھے، اسی پر سب کام کئے تھے، لوگوں کو مختلف ہدایتیں دینا، حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا اور لوگوں کو مسائل بتانا سب کام اونٹ پر سے کر رہے تھے اور ساتھ ہی ذکر ودعا میں بھی مشغول تھے، اور آپؐ نے اونٹ پر وقوف اس لئے کیا تھا کہ لوگ آپؐ کو دیکھیں اور وقوف کا طریقہ سیکھیں۔

[۸۸-] بَابُ الْوُقُوْفِ عَلَى الدَّابَّةِ بِعَرَفَةَ

[۱۶۶۱-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ: أَنَّ أُنَاسًا اخْتَلَفُوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ صَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ بِصَائِمٍ، فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ، وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيْرِهِ، فَشَرِبَهُ. [راجع: ۱۶۵۸]

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِعَرَفَةَ

عرفہ میں ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھنا

تمام ائمہ متفق ہیں کہ حاجی عرفہ میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر کرے گا، یعنی عرفہ میں ظہر وعصر کو ایک ساتھ ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھے گا، اور مزدلفہ میں جمع کرنے کے لئے صرف احرام شرط ہے، جس نے بھی حج کا احرام باندھ رکھا ہے وہ عشائین کو جمع کرے گا، خواہ وہ امام المسلمین کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا اپنے ڈیرے میں باجماعت پڑھے یا تنہا پڑھے۔ اور عرفات میں جمع کرنے کے لئے بالاجماع احرام شرط ہے، اور امام المسلمین کی اقتداء میں نماز ادا کرنا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے، لہٰذا جو شخص مسجد نمرہ میں امیر الموسم کی اقتداء میں نماز ادا کرے گا وہی جمع بین الصلوٰتین کر سکتا ہے، اور جو مرد وزن اپنے خیموں میں نماز پڑھیں خواہ جماعت سے پڑھیں یا تنہا ان کے لئے جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان کے لئے ہر نماز اس کے وقت میں پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں۔ اور مسجدِ نمرہ میں جمع بین الصلوٰتین کا حکم اس وجہ سے ہے کہ وہاں مجبوری ہے، اگر لوگ پہلے ظہر کی نماز مسجد میں ادا کریں، پھر جبل رحمت پر وقوف کے لئے جائیں، پھر عصر کے وقت دوبارہ مسجد میں آکر عصر ادا کریں پھر

جبل رحمت پر جا کر وقوف کریں تو سارا وقت آنے جانے میں خرچ ہو جائے گا، اس لئے شریعت نے مسجدِ نمرہ میں جمع بین الصلوٰتین کی اجازت دی، اور جو اپنے خیمہ میں نماز پڑھ رہا ہے اس کے لئے کوئی مجبوری نہیں، پس اس کے لئے جمع کرنے کی اجازت نہیں، دیگر فقہاء بشمول صاحبین ہر شخص کو جمع بین الصلوٰتین کی اجازت دیتے ہیں، خواہ امیر الموسم کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا اپنے خیمہ میں جماعت کے ساتھ پڑھے، یا تنہا پڑھے، ہر صورت میں جمع کرسکتا ہے۔

[۸۹-] بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ بِعَرَفَةَ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا فَاتَتْهُ الصَّلاَةُ مَعَ الإِمَامِ جَمَعَ بَيْنَهُمَا.

[۱۶۶۲-] وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ: كَيْفَ تَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ؟ فَقَالَ سَالِمٌ: إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَهَجِّرْ بِالصَّلاَةِ يَوْمَ عَرَفَةَ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: صَدَقَ، إِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ. فَقُلْتُ لِسَالِمٍ: أَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم؟ فَقَالَ سَالِمٌ: وَهَلْ تَتَّبِعُوْنَ فِي ذٰلِكَ إِلَّا سُنَّتَهُ [راجع: ۱۶۶۰]

اثر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عرفات میں ہر حال میں ظہرین کو جمع کرتے تھے، خواہ امام الموسم کی اقتداء میں نماز ادا کریں یا اپنے ڈیرے میں تنہا یا باجماعت پڑھیں، جمہور اسی کے قائل ہیں۔

حدیث: سالم کہتے ہیں: جس سال حجاج نے ابن الزبیر کے مقابلہ کے لئے مکہ میں فوج اتاری اس سال اس نے ابن عمرؓ سے پوچھا: آپ لوگ عرفہ کے دن عرفہ میں ٹھہرنے کی جگہ میں کیا کرتے تھے؟ پس سالمؒ نے کہا: اگر آپ سنت کی پیروی کرنا چاہتے ہیں تو عرفہ کے دن زوال ہوتے ہی نماز پڑھائیں، پس ابن عمرؓ نے فرمایا: سالم نے صحیح کہا: بیشک صحابہ سنت کے مطابق ظہرین کو جمع کیا کرتے تھے (زہری کہتے ہیں) میں نے سالم سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے ایسا کیا ہے؟ سالم نے جواب دیا: اور نہیں پیروی کرتے تم مگر آپ کی سنت کی یعنی یہ آنحضور ﷺ ہی کی سنت ہے جس کی امت پیروی کرتی ہے۔

بَابُ قَصْرِ الْخُطْبَةِ بِعَرَفَةَ

عرفہ میں خطبہ مختصر دینا

جس طرح جمعہ سے پہلے دو خطبے ہیں، عرفہ میں ظہر سے پہلے بھی دو خطبے ہیں، ان میں امام مناسک سکھائے گا، پھر ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھائے گا، مگر امام کو چاہئے کہ تقریر مختصر کرے تا کہ لوگ نماز سے جلدی فارغ ہو جائیں اور وقوف عرفہ میں لگ جائیں۔

[۹۰-] بَابُ قَصْرِ الْخُطْبَةِ بِعَرَفَةَ

[۱۶۶۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ كَتَبَ إِلَى الْحَجَّاجِ أَنْ يَأْتَمَّ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِي الْحَجِّ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ، جَاءَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا مَعَهُ حِيْنَ زَاغَتْ أَوْ: زَالَتِ الشَّمْسُ، فَصَاحَ عِنْدَ فُسْطَاطِهِ: أَيْنَ هٰذَا؟ فَخَرَجَ إِلَيْهِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: الرَّوَاحَ، فَقَالَ: الْآنَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ: أَنْظِرْنِيْ أُفِيْضُ عَلَيَّ مَاءً، فَنَزَلَ ابْنُ عُمَرَ، حَتَّى خَرَجَ، فَسَارَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ أَبِيْ، فَقُلْتُ: لَوْ كُنْتَ تُرِيْدُ أَنْ تُصِيْبَ السُّنَّةَ الْيَوْمَ فَاقْصُرِ الْخُطْبَةَ، وَعَجِّلِ الْوُقُوْفَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: صَدَقَ. [راجع: ۱٦٦٠]

بَابُ التَّعْجِيْلِ إِلَى الْمَوْقِفِ

وقوف کی جگہ میں جلدی پہنچنا

مسجدِ نمرہ میں ظہرین پڑھ کر جلدی موقف یعنی جبل رحمت پر پہنچ کر وقوف شروع کر دینا چاہئے، عرفہ بہت وسیع میدان ہے اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، اس پورے میدان میں کہیں بھی وقوف کیا جا سکتا ہے۔ مگر اصل موقف جبل رحمت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل رحمت کے دامن میں وقوف کیا تھا، اور آنحضور ﷺ نے بھی وہیں وقوف کیا تھا، مگر اب لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے، اور وہ سب جبل رحمت کے قریب وقوف نہیں کر سکتے اس لئے پریشانی سے بچنے کے لئے اور عبادت میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے میں جبل رحمت کے قریب نہیں جاتا، خیمہ میں وقوف کرتا ہوں تاکہ دلجمعی کے ساتھ عرفہ کے کاموں میں مشغول رہ سکوں۔

بَابُ التَّعْجِيْلِ إِلَى الْمَوْقِفِ

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: يُزَادُ فِي هٰذَا الْبَابِ هَمْ هٰذَا الْحَدِيْثُ: حَدِيْثُ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، وَلٰكِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُدْخِلَ فِيْهِ غَيْرَ مُعَادٍ.

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گذشتہ باب میں امام مالک رحمہ اللہ کی جو حدیث آئی ہے وہ اس باب میں بھی لکھی جا سکتی ہے، مگر چونکہ مکرر حدیث لکھنا میرا طریقہ نہیں اس لئے میں وہ حدیث یہاں نہیں لکھ رہا، میں چاہتا ہوں کہ اس باب میں ایسی حدیث لکھوں جو مکرر نہ ہو (جب حدیث کی سند بدل جاتی ہے تو حدیث بدل جاتی ہے، اس حدیث کی دوسری سند ابھی حضرت کے پاس نہیں ہے اس لئے نہیں لکھی)

ملحوظہ: بعد میں علماء نے کتاب کا جائزہ لیا تو ایک سو اڑسٹھ حدیثیں مکرر پائی گئیں، یعنی بخاری شریف میں اتنی حدیثیں بعینہ ایک سند سے ہیں۔

سوال: جب حضرت رحمہ اللہ نے خود لکھا ہے کہ میں مکرر حدیثیں نہیں لکھتا، پھر یہ حدیثیں مکرر کیوں ہیں؟

جواب: بخاری شریف سولہ سال میں لکھی گئی ہے اور وہ ایک ضخیم کتاب ہے، اتنی بڑی کتاب میں نظر چوک سکتی ہے، ایسی بھول ہر انسان سے ہوتی ہے، لہٰذا اگر یہ حدیثیں مکرر ہیں تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

قولہ: هَمْ: یہ فارسی لفظ ہے، اور أیضا کے معنی میں ہے، عربی میں بہت سے الفاظ اردو فارسی کے مستعمل ہیں، عربوں نے ان کو اپنا لیا ہے، حضرتؒ کے زمانہ میں لفظ 'ہم' عربی میں مستعمل ہوگا، اس لئے حضرتؒ نے اس کو استعمال کیا ہے۔

ملحوظہ: یہ باب مصری نسخہ میں نہیں ہے، اس لئے اس پر باب کا نمبر نہیں لگایا۔

بَابُ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ

وقوف عرفہ کا بیان

حج کا سب سے اہم رکن وقوف عرفہ ہے، حج کے دو بڑے رکن ہیں، وقوف عرفہ اور طواف زیارت، طواف زیارت کا وقت دس کی صبح صادق سے بارہ کے غروب تک ہے، اس دوران اگر کوئی شخص طواف زیارت نہیں کر سکا تو دم واجب ہوگا، لیکن اگر وقوف عرفہ رہ گیا تو تلافی کی کوئی صورت نہیں، اس حج کو پورا کرے اور آئندہ سال اس کی قضاء کرے۔

وقوف عرفہ کا وقت: ذی الحجہ کی نو تاریخ کے زوال سے اگلے دن کی صبح صادق تک ہے، پھر امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ پورا وقت یکساں ہے۔ جو شخص نو کے زوال سے اگلے دن کی صبح صادق تک کسی بھی وقت حج کا احرام باندھ کر عرفات میں آگیا اس کا حج ہو گیا —— اور دیگر ائمہ کے نزدیک: دن کے ساتھ رات کا ایک حصہ ملانا بھی ضروری ہے اور رات کی دن سے زیادہ اہمیت ہے —— پھر احناف اور شوافع کے نزدیک: اگر کسی نے صرف دن کا وقوف کیا اور رات کا کوئی حصہ اس کے ساتھ نہیں ملایا یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے نکل آیا تو اس پر دم واجب ہے، اور اگر رات میں وقوف کیا اور دن کا کوئی حصہ اس کے ساتھ نہیں ملایا تو کچھ واجب نہیں —— اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک: اگر صرف دن میں وقوف کیا اور غروب سے پہلے عرفات سے نکل گیا تو اس کا حج نہیں ہوا، اور اگر صرف رات میں وقوف کیا اور دن میں وقوف نہیں کیا تو حج صحیح ہو گیا، مگر دم واجب ہے (تحفۃ الالمعی ۳: ۲۸۳)

[۹۱-] بَابُ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ

[١٦٦٤-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنْتُ أَطْلُبُ بَعِيْرًا لِي، ح: وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، قَالَ: أَضْلَلْتُ بَعِيْرًا لِي، فَذَهَبْتُ أَطْلُبُهُ يَوْمَ عَرَفَةَ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَاقِفًا بِعَرَفَةَ، فَقُلْتُ: هٰذَا وَاللّٰهِ مِنَ الْحُمْسِ، فَمَا شَأْنُهُ هٰهُنَا؟

ترجمہ: جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرا اونٹ گم ہوگیا، میں عرفہ کے دن اس کو تلاش کرنے کے لئے نکلا، پس میں نے نبی ﷺ کو عرفہ میں وقوف کئے ہوئے دیکھا، میں نے دل میں سوچا: بخدا! یہ تو حُمس میں سے ہیں، یہ یہاں کیوں ہیں؟

تشریح:

۱- زمانۂ جاہلیت میں حج میں جو خرابیاں در آئی تھیں ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ قریش اور ان کے ہم مذہب حج میں عرفہ نہیں جاتے تھے، مزدلفہ میں رک جاتے تھے، باقی لوگ عرفات سے لوٹتے تھے، قریش کہتے تھے: ہم حُمس (دین میں مضبوط) ہیں اور ہم قطین اللہ (اللہ کے گھر کے باسی) ہیں، ہم حرم سے نہیں نکلیں گے، حالانکہ وہ تجارت کے لئے شام اور یمن جاتے تھے، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قریشی تھے، وہ مزدلفہ میں رک گئے تھے، باقی لوگ عرفہ گئے تھے، یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے، اتفاق سے ان کا اونٹ گم ہوگیا وہ اپنا اونٹ تلاش کرتے ہوئے عرفہ پہنچ گئے، وہاں انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ عرفہ میں وقوف کئے ہوئے تھے، انھوں نے سوچا: ان کا یہاں کیا کام، یہ تو حُمس میں سے ہیں؟ یعنی یہ عرفہ میں کیوں آئے ہیں، ان کو تو مزدلفہ میں رک جانا چاہئے تھا۔

۲- انبیاء کرام کی نبوت سے پہلے بھی نامناسب باتوں سے حفاظت کی جاتی ہے، تعمیر کعبہ کے وقت جب آپ کو موزون پتھر ملا اور آپ نے اس کو اٹھانے کے لئے لنگی کھولنے کا ارادہ کیا تو بیہوش ہوکر گر پڑے، جب ہوش آیا تو لنگی بندھی ہوئی تھی، اسی طرح مکہ میں ایک تقریب میں آپ تشریف لے گئے، جاتے ہی سو گئے، جب ناچ گانا ختم ہوگیا تب آپ کی آنکھ کھلی، اسی طرح قریش عرفہ نہیں جاتے تھے، مزدلفہ ہی میں رک جاتے تھے، مگر آپ کے لئے کوئی سبب بنا اور آپ عرفہ تشریف لے گئے۔

۳- آنحضور ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے، اور ہجرت سے پہلے کتنے حج کئے ہیں؟ یہ بات صحیح روایات میں مروی نہیں، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تین حج کئے ہیں، دو ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد، یہ روایت قابل اعتماد نہیں، تفصیل تحفۃ الالمعی (۳: ۲۰۷) میں ہے۔

[۱۶۶۵-] حدثنا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ عُرْوَةُ: كَانَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ عُرَاةً إِلَّا الْحُمْسَ، وَالْحُمْسُ قُرَيْشٌ وَمَا وَلَدَتْ، وَكَانَتِ الْحُمْسُ يَحْتَسِبُوْنَ عَلَى النَّاسِ، يُعْطِي الرَّجُلُ الرَّجُلَ الثِّيَابَ، يَطُوْفُ فِيهَا، وَتُعْطِي الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ الثِّيَابَ، تَطُوْفُ فِيهَا، فَمَنْ لَمْ تُعْطِهِ الْحُمْسُ طَافَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا، وَكَانَ يُفِيْضُ جَمَاعَةُ النَّاسِ مِنْ عَرَفَاتٍ، وَتُفِيْضُ

الْحُمْسُ مِنْ جَمْعٍ، قَالَ: وَأَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ هٰذِهِ الآيَةَ نَزَلَتْ فِي الْحُمْسِ ﴿ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ [البقرة: ۱۹۹] قَالَ: كَانُوْا يُفِيْضُوْنَ مِنْ جَمْعٍ، فَدُفِعُوْا إِلَى عَرَفَاتٍ. [انظر: ٤٥٢٠]

ترجمہ: عروہ کہتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں حُمس کے علاوہ سب لوگ ننگے طواف کیا کرتے تھے، اور حُمس: قریش اور ان کی اولاد تھی، اور حمس بہ نیت ثواب لوگوں کو کپڑے دیا کرتے تھے، مرد: مردوں کو دیتے تھے، وہ ان میں طواف کرتے تھے، اور عورتیں: عورتوں کو دیتی تھیں، وہ ان میں طواف کرتی تھیں، اور جس کو حمس کپڑے نہیں دیتے تھے وہ ننگا طواف کرتا تھا، اور سب لوگ عرفات سے لوٹتے تھے اور حُمس مزدلفہ سے لوٹتے تھے۔ ہشام کہتے ہیں: مجھ سے میرے ابا نے بواسطہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کیا کہ یہ آیت حُمس کے بارے میں نازل ہوئی ہے: ''پھر تم وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں'' عروہ کہتے ہیں: قریش مزدلفہ سے لوٹتے تھے، پھر عرفہ کی طرف دھکا دیئے گئے، یعنی عرفہ جا کر وہاں سے لوٹنے کا حکم دیا گیا۔

تشریح:

۱- زمانۂ جاہلیت میں حج میں چند خرابیاں در آئی تھیں ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ قریش کے دیئے ہوئے کپڑوں ہی میں لوگ طواف کرتے تھے، اور جس کو کپڑا نہیں ملتا تھا وہ ننگا طواف کرتا تھا، اسی لئے سن ۹ ہجری میں اعلان کیا گیا کہ آئندہ کوئی بیت اللہ کا ننگے طواف نہیں کرے گا۔ اور دوسری خرابی یہ پیدا ہوگئی تھی کہ سب لوگ منیٰ سے عرفہ جاتے تھے، اور قریش اور ان کی اولاد مزدلفہ میں رک جاتی تھی، اس رسم کو ختم کرنے کے لئے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۹ نازل ہوئی، اور قریش کو عرفہ جا کر لوٹنے کا حکم دیا گیا۔

۲- قریش: نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے، یہ آنحضور ﷺ کے اجداد میں ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ فہر کا لقب قریش تھا، یہ بھی اجداد میں ہیں، اور ان کی اولاد کو قریشی کہتے ہیں (ماخوذ از سیرۃ المصطفیٰ ۱: ۲۳) .... اور حُمس کے لغوی معنی ہیں: دین میں ٹھوس، مضبوط .... اور فعل أفاض إفاضۃ: عرفہ سے لوٹنے کے لئے مستعمل ہے .... اور مزدلفہ کا دوسرا نام جَمع ہے۔

بَابُ السَّيْرِ إِذَا دَفَعَ مِنْ عَرَفَةَ

جب عرفہ سے لوٹے تو تیز چلے

جب عرفہ سے مزدلفہ لوٹے تو تیز چلے تا کہ جلدی مزدلفہ پہنچے اور کچھ دیر آرام کرنے کا موقعہ ملے، نبی ﷺ اونٹ پر مزدلفہ کی طرف لوٹے ہیں، آپ کی رفتار عَنَق تھی، یہ ایک چال کا نام ہے، اردو میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں، اور حاشیہ میں اس کے معنی کئے ہیں: السیر السریع۔ یعنی آنحضور ﷺ اونٹنی پر تیز چل رہے تھے، اور جہاں چھیڑ ہوتی آپ کی چال نَصّ ہو جاتی، اس کے لئے بھی اردو میں کوئی لفظ نہیں، یہ عَنَق سے تیز چال ہے۔

لغات: العَنَق: اونٹوں اور گھوڑوں کی تیز رفتار .... نَصَّ الدابةَ: چوپائے کو تیز دوڑانا۔

[۹۲-] بَابُ السَّيْرِ إِذَا دَفَعَ مِنْ عَرَفَةَ

[۱۶۶۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ أُسَامَةُ وَأَنَا جَالِسٌ: كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَسِيْرُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ؟ قَالَ: كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ، فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ.

قَالَ هِشَامٌ: وَالنَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ، قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: فَجْوَةٌ: مُتَّسَعٌ، وَالْجَمِيْعُ فَجَوَاتٌ وَفِجَاءٌ، وَكَذٰلِكَ رَكْوَةٌ وَرِكَاءٌ ﴿مَنَاصٍ﴾ [ص: ۳]: لَيْسَ حِيْنَ فِرَارٍ. [انظر: ۲۹۹۹، ۴۴۱۳]

لغات: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَجْوَة کے معنی ہیں: کشادہ جگہ، اس کی جمع فَجَوَات اور فِجاء ہے جیسے رَكْوَة (چھوٹا ڈول) کی جمع رِكاءٌ ہے، اور سورۂ ص میں جو ﴿مَنَاصٍ﴾ آیا ہے اس کے معنی ہیں: بھاگنا، ﴿وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ﴾: کفار کے لئے بھاگنے کا موقع نہیں۔

قولہ: مَنَاص: ليس حِيْنَ فِرَارٍ: یہ عبارت بعض نسخوں میں ہے۔ نَصّ اور مَنَاص کا مادہ ایک سمجھ لیا گیا ہے اس لئے نص کی مناسبت سے مناص کے معنی بیان کئے ہیں، جبکہ نصّ مضاعف ہے اور مناص (مصدر میمی یا اسم ظرف) معتل (اجوف واوی) ہے، نَاصَ (ن) نَوْصًا: بھاگنا، نَاصَ الفرسُ: گھوڑے کا بھاگنے کے لئے سر اٹھانا، پس جس نسخہ میں یہ عبارت نہیں ہے وہ راجح ہے (حاشیہ)

بَابُ النُّزُوْلِ بَيْنَ عَرَفَةَ وَجَمْعٍ

عرفہ اور مزدلفہ کے درمیان اترنا

جب نبی ﷺ عرفہ سے مزدلفہ لوٹے تھے تو راستہ میں آپؐ نے پیشاب کی ضرورت محسوس کی اور کسی گھاٹی میں اتر کر پیشاب کیا، پھر ہلکا وضو کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! نماز پڑھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: نماز آگے ہے، یعنی مزدلفہ میں جا کر نماز پڑھیں گے، یہ جو آنحضور ﷺ عرفہ اور مزدلفہ کے درمیان اترے ہیں اس مناسبت سے حضرت رحمہ اللہ نے یہ باب رکھا ہے، حالانکہ آنحضور ﷺ کا وہاں اترنا اتفاقی تھا، یہ اترنا مناسک میں شامل نہیں۔

[۹۳-] بَابُ النُّزُوْلِ بَيْنَ عَرَفَةَ وَجَمْعٍ

[۱۶۶۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ

كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم حَيْثُ أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ، مَالَ إِلَى الشِّعْبِ، فَقَضَى حَاجَتَهُ، فَتَوَضَّأَ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَتُصَلِّيْ؟ قَالَ: "الصَّلاَةُ أَمَامَكَ" [راجع: ۱۳۹]

[۱۶۶۸-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ، غَيْرَ أَنَّهُ يَمُرُّ بِالشِّعْبِ الَّذِيْ أَخَذَهُ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَيَدْخُلُ فَيَنْتَفِضُ، وَيَتَوَضَّأُ، وَلاَ يُصَلِّيْ حَتَّى يُصَلِّيَ بِجَمْعٍ. [راجع: ۱۰۹۱]

[۱۶۶۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ حَرْمَلَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ قَالَ: رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ عَرَفَاتٍ، فَلَمَّا بَلَغَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الشِّعْبَ الْأَيْسَرَ الَّذِيْ دُوْنَ الْمُزْدَلِفَةِ أَنَاخَ، فَبَالَ، ثُمَّ جَاءَ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ الْوَضُوْءَ، فَتَوَضَّأَ وُضُوْءً خَفِيْفًا، فَقُلْتُ: الصَّلاَةَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: "الصَّلاَةُ أَمَامَكَ" فَرَكِبَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَتَّى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ، فَصَلَّى، ثُمَّ رَدِفَ الْفَضْلُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم غَدَاةَ جَمْعٍ. [راجع: ۱۳۹]

[۱۶۷۰-] قَالَ كُرَيْبٌ، فَأَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ الْفَضْلِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتَّى بَلَغَ الْجَمْرَةَ. [راجع: ۱۵۴۴]

وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عرفہ سے واپسی میں جس گھاٹی میں نبی ﷺ نے پیشاب کیا تھا، وہاں اتر کر پیشاب اور وضو کرتے، حضرت ابن عمرؓ کی شان نرالی تھی، انھوں نے ان جگہوں کو یاد رکھا تھا جہاں نبی ﷺ نے حج کے سفر میں اتفاقاً نماز پڑھی تھی، ابن عمرؓ وہاں اتر کر نماز پڑھتے تھے، بلکہ جہاں آپؐ قضائے حاجت کے لئے اترے ہیں ان جگہوں کو بھی یاد رکھا تھا، وہاں بھی اترتے تھے، اور استنجاء کرنے کی ہیئت بنا کر بیٹھتے تھے، مگر استنجاء نہیں کرتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مزاج دوسرا تھا، وہ ایسی جگہوں کو غیر معمولی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ تفصیل (تحفۃ القاری ۲: ۳۴۲) میں ہے۔

بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالسَّكِيْنَةِ عِنْدَ الإِفَاضَةِ وَإِشَارَتِهِ إِلَيْهِمْ بِالسَّوْطِ

عرفہ سے لوٹتے وقت نبی ﷺ کا سکون سے چلنے کا حکم دینا اور لوگوں کی طرف کوڑے سے اشارہ کرنا

جب عرفہ سے واپسی ہوتی ہے تو ہر ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اور دھکامکی ہوتی ہے، یہ ٹھیک نہیں، اطمینان سے چلنا چاہئے، چھیڑ ہو تو تیز چلے اور بھیڑ ہو تو لوگوں کا خیال رکھے۔ نبی ﷺ جب عرفہ سے لوٹے تو آپؐ نے

محسوس کیا کہ پیچھے لوگ اونٹوں کو مار رہے ہیں اور بھگا رہے ہیں، آپؐ نے کوڑا اونچا کر کے خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر فرمایا: "لوگو! اطمینان سے چلو، سواریاں بھگانا کوئی نیکی کا کام نہیں"

[۹۴-] بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالسَّكِيْنَةِ عِنْدَ الإِفَاضَةِ، وَإِشَارَتِهِ إِلَيْهِمْ بِالسَّوْطِ

[۱۶۷۱-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سُوَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ أَبِيْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ مَوْلَى وَالِبَةَ الْكُوْفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ عَرَفَةَ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَرَاءَهُ زَجْرًا شَدِيْدًا وَضَرْبًا لِلإِبِلِ، فَأَشَارَ بِسَوْطِهِ إِلَيْهِمْ، وَقَالَ: " أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالإِيْضَاعِ"
أَوْضَعُوْا: أَسْرَعُوْا﴿ خِلاَلَكُمْ﴾ [التوبة: ٤٧] مِنَ التَّخَلُّلِ: بَيْنَكُمْ﴿وَفَجَّرْنَا خِلاَلَهُمَا﴾[الكهف: ٣٣]: بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ عرفہ سے لوٹے پس آپؐ نے اپنے پیچھے بہت شور اور اونٹوں کو مارنے کی آواز سنی، پس آپؐ نے اپنے کوڑے سے لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: لوگو! اطمینان کو لازم پکڑو، یعنی اطمینان سے چلو، اس لئے کہ تیز چلنا کوئی ثواب کا کام نہیں۔

لغات: حدیث میں ایضاع (مصدر) آیا ہے، جس کے معنی ہیں: سوار کا جانور کو تیز دوڑانا، اور أَوْضَعُوْا کے معنی ہیں: أَسْرَعوا، یعنی تیز چلنا۔ سورۂ توبہ (آیت ۴۷) میں ہے: ﴿لَأَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ﴾ وہ گھوڑے دوڑاتے ہیں تمہارے درمیان۔ خللکم: تَخَلُّل سے ہے اور اس کے معنی ہیں: تمہارے درمیان، اسی طرح سورۂ کہف (آیت ۳۳) میں ہے: ﴿وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾: اور بہادی ہم نے ان کے درمیان نہر، خلال کے معنی ہیں: درمیان۔

بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھنا

جس نے بھی حج کا احرام باندھ رکھا ہے وہ مغرب اور عشاء مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں پڑھے گا، عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھنا جائز نہیں، اور جس کا حج کا احرام نہیں وہ مغرب: مغرب کے وقت میں اور عشاء: عشاء کے وقت میں پڑھے گا، اس کے لئے جمع کرنا جائز نہیں (کتاب الحج باب ۸۹)

[۹۵-] بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

[۱۶۷۲-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُوْلُ: دَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ عَرَفَةَ، فَنَزَلَ الشِّعْبَ، فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ، وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ، فَقُلْتُ لَهُ: الصَّلاَةُ؟ فَقَالَ: "الصَّلاَةُ أَمَامَكَ" فَجَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ، ثُمَّ أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيْرَهُ فِيْ مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيْمَتِ الصَّلاَةُ فَصَلَّى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا. [راجع: ۱۳۹]

حوالہ: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الوضوء باب ٦ (تحفۃ القاری ۱: ۴۵۲) میں گذری ہے۔

بَابُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يَتَطَوَّعْ

جس نے مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھیں اور سنتیں نہیں پڑھیں

جب نبی ﷺ نے مزدلفہ میں عشائین کو جمع کیا تو ان کے درمیان سنتیں نہیں پڑھی تھیں، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مزدلفہ میں عشائین کے درمیان نفلیں نہیں پڑھنی چاہئیں مگر یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں مغرب کے بعد سنتیں پڑھی ہیں، اسی لئے حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ میں مَن رکھا ہے۔ اور آنحضور ﷺ نے سنتیں مصلحتاً نہیں پڑھی تھیں، آپ بہت سے مستحب کام عام مجمع میں نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ ان کو لازم نہ سمجھ لیں۔

[۹۶-] بَابُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يَتَطَوَّعْ

[۱۶۷۳-] حدثنا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ ذِئْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: جَمَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ، كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِإِقَامَةٍ، وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا، وَلاَ عَلَى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا. [راجع: ۱۰۹۱]

[۱۶۷۴-] حدثنا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلاَلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيْدَ الْخَطْمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبُوْ أَيُّوْبَ الأَنْصَارِيُّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم جَمَعَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ.

[انظر: ۴۴۱۴]

قوله: بإقامة: یعنی مغرب اور عشاء میں سے ہر ایک کے لئے تکبیر کہی (اذان سے قطع نظر)..........قوله: ولا على

الو: نبی ﷺ نے نہ مغرب کے بعد سنتیں پڑھیں نہ عشاء کے بعد — اور دوسری روایت میں مغرب کے بعد سنتیں نہ پڑھنے کا اشارہ ہے، جمع اسی صورت میں متحقق ہوگا۔

بَابُ مَنْ أَذَّنَ وَأَقَامَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا

جس نے مغرب وعشاء میں سے ہر ایک کے لئے اذان واقامت کہی

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کے لئے ایک اذان اور ایک تکبیر کہی جائے گی یا دو اذانیں اور دو تکبیریں یا ایک اذان اور دو تکبیریں؟ اس سلسلہ میں حاشیہ میں چھ قول ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا راجح قول یہ ہے کہ ایک اذان اور دو تکبیریں کہی جائیں گی، یعنی مغرب کے لئے اذان بھی کہیں گے اور تکبیر بھی، اور عشاء کے لئے صرف تکبیر کہیں گے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دو اذانیں اور دو تکبیریں کہی جائیں گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک اذان اور ایک تکبیر ہے یعنی مغرب کے لئے اذان بھی ہے اور تکبیر بھی اور عشاء کے لئے نہ اذان ہے نہ تکبیر، اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ اگر مغرب کے بعد فوراً عشاء پڑھی جائے تو عشاء کے لئے تکبیر کی ضرورت نہیں، ایک تکبیر کافی ہے۔ اور اگر دونوں نمازوں کے درمیان فصل ہو، جیسے نبی ﷺ نے مغرب پڑھا کر وقفہ کیا تھا تاکہ لوگ اونٹوں پر سے سامان اتارلیں اور اونٹوں کو باندھ دیں، پھر عشاء پڑھائی تھی، ایسی صورت میں عشاء کے لئے الگ تکبیر کہنی چاہئے۔ اور فاصلہ زیادہ ہوجائے تو اذان بھی کہنی چاہئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں مغرب پڑھائی، پھر کھانا تناول فرمایا، پھر اذان کہی گئی اور عشاء پڑھائی۔

[۹۷-] بَابُ مَنْ أَذَّنَ وَأَقَامَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا

[۱۶۷۵-] حدثنا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ، يَقُوْلُ: حَجَّ عَبْدُ اللّٰهِ، فَأَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ حِيْنَ الْأَذَانِ بِالْعَتَمَةِ أَوْ قَرِيْبًا مِنْ ذٰلِكَ، فَأَمَرَ رَجُلًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ، وَصَلّٰى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ دَعَا بِعَشَائِهِ فَتَعَشّٰى، ثُمَّ أَمَرَ - أُرَىٰ - رَجُلًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ، قَالَ عَمْرٌو: وَلَا أَعْلَمُ الشَّكَّ إِلَّا مِنْ زُهَيْرٍ، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ لَا يُصَلِّيْ هٰذِهِ السَّاعَةَ إِلَّا هٰذِهِ الصَّلَاةَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: هُمَا صَلَاتَانِ تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا: صَلَاةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ، وَالْفَجْرُ حِيْنَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُهُ.

[انظر: ۱۶۸۲، ۱۶۸۳]

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حج کیا، پس ہم اس وقت مزدلفہ پہنچے جب عشاء کی اذان ہوتی ہے یا اس کے قریب، پس آپؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا اس نے اذان کہی اور تکبیر کہی، پھر آپؓ نے مغرب پڑھائی اور مغرب کے بعد دو سنتیں پڑھیں پھر شام کا کھانا طلب فرمایا، پس کھانا تناول فرمایا، پھر ایک شخص کو ـــ میرا خیال ہے ـــ حکم دیا پس اس نے اذان اور تکبیر کہی۔ عمرو کہتے ہیں: یہ زُہیر کا شک ہے یعنی اُرَی زہیر کا قول ہے، پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر جب صبح صادق ہوئی تو فرمایا: بیشک نبی ﷺ اس وقت فجر کی نماز نہیں پڑھتے تھے، مگر اس دن میں اس جگہ میں یعنی صبح صادق کے بعد فوراً فجر کی نماز پڑھنے کا معمول نہیں تھا، مگر آپؐ نے مزدلفہ میں صبح صادق ہوتے ہی فوراً فجر کی نماز پڑھی تھی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: یہ دو نمازیں اپنی جگہ سے ہٹائی گئی ہیں، مغرب کی نماز لوگوں کے مزدلفہ آنے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور فجر کی نماز صبح کی پو پھٹتے ہی پڑھی جاتی ہے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے فجر کی نماز مسجد مشعر حرام میں پڑھائی تھی، پھر جبل قزح کے دامن میں وقوف کیا تھا، اور سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے تھے، اور مسجد مشعر حرام سے جبل قزح تک جانے میں کافی وقت لگتا ہے، اس لئے آپؐ نے صبح صادق ہوتے ہی فجر کی نماز پڑھی تھی۔

بَابُ مَنْ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِلَيْلٍ، فَيَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، وَيَدْعُوْنَ، وَيُقَدِّمُ إِذَا غَابَ الْقَمَرُ

جو رات میں خاندان کے کمزوروں کو آگے بھیج دے، پس وہ مزدلفہ میں ٹھہریں اور دعا کریں، پھر جس وقت چاند غروب ہو ان کو آگے بھیج دے

عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کو عرفہ سے منیٰ بھیج دینا جائز ہے۔ ان پر مزدلفہ میں رات گذارنا اور وقوف مزدلفہ کرنا واجب نہیں۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں ازواج کو اور خاندان کے بچوں کو عرفہ سے منیٰ بھیج دیا تھا، اور یہ تاکید فرمائی تھی کہ جب مزدلفہ سے گذرو تو تھوڑی دیر رک جانا اور ذکر و اذکار اور دعاؤں میں مشغول ہونا، پھر جب چاند چھپ جائے تو رات ہی میں منیٰ چلے جانا۔ جاننا چاہئے کہ مزدلفہ میں رات گذارنا سنت ہے اور صبح صادق کے بعد وقوف واجب ہے، مگر یہ ایسا واجب ہے جو عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

حج میں چھ واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے: (۱) طوافِ زیارت پیدل کرنا واجب ہے مگر بیماری کی صورت میں سوار ہو کر بھی جائز ہے (۲) حج کی سعی بھی پیدل کرنا واجب ہے مگر بیماری کے عذر سے سوار ہو کر بھی کر سکتے ہیں (۳) طوافِ زیارت کا وقت بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے تک ہے مگر حیض و نفاس کے عذر کی وجہ سے تاخیر بھی جائز ہے (۴) حاجی پر طوافِ وَداع واجب ہے مگر روانگی کے وقت اگر کوئی عورت حیض یا نفاس میں ہو تو اس پر واجب نہیں (۵) احرام کھولنے کے لئے سر کے بال منڈانا یا کتروانا واجب ہے لیکن اگر بال نہ ہوں یا سر میں زخم ہو تو واجب

نہیں (۶) وقوف مزدلفہ واجب ہے مگر عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے واجب نہیں، وہ وقوف مزدلفہ چھوڑ سکتے ہیں۔

[۹۸-] بَابُ مَنْ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ بِلَيْلٍ، فَيَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، وَيَدْعُوْنَ، وَيُقَدِّمُ إِذَا غَابَ الْقَمَرُ

[۱۶۷۶-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ سَالِمٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُقَدِّمُ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ، فَيَقِفُوْنَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ، فَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مَا بَدَا لَهُمْ، ثُمَّ يَرْجِعُوْنَ قَبْلَ أَنْ يَقِفَ الإِمَامُ وَقَبْلَ أَنْ يَدْفَعَ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَقْدَمُ مِنًى لِصَلاَةِ الْفَجْرِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَقْدَمُ بَعْدَ ذٰلِكَ، فَإِذَا قَدِمُوْا رَمَوُا الْجَمْرَةَ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ: أَرْخَصَ فِيْ أُولٰئِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: سالم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے خاندان کے کمزوروں کو پہلے بھیج دیا کرتے تھے، پس وہ رات میں مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرتے تھے اور اللہ کا ذکر کرتے تھے جتنا ان کا جی چاہتا، پھر وہ امام المسلمین کے وقوف کرنے اور روانہ ہونے سے پہلے ہی (منیٰ کی طرف) چل دیتے تھے، پس بعض فجر کی نماز کے وقت منیٰ پہنچ جاتے تھے اور بعض اس کے بعد، اور وہ منیٰ میں پہنچ کر جمرہ کی رمی کر لیتے تھے (دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے اگلے دن کی صبح صادق تک ہے) اور ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: نبی ﷺ نے ان کمزوروں کو یہ سہولت دی ہے۔

[۱۶۷۷-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ. [انظر: ۱۶۷۸، ۱۸۵۶]

[۱۶۷۸-] حدثنا عَلِيٌّ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ يَزِيْدَ، سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: أَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ ضَعَفَةِ أَهْلِهِ.

ملحوظہ: بچہ ہونا کمزور ہونا ہے اسی طرح عورت ہونا بھی کمزور ہونا ہے۔

[۱۶۷۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ مَوْلَى أَسْمَاءَ، عَنْ أَسْمَاءَ: أَنَّهَا نَزَلَتْ لَيْلَةَ جَمْعٍ عِنْدَ الْمُزْدَلِفَةِ، فَقَامَتْ تُصَلِّيْ، فَصَلَّتْ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَتْ: يَا بُنَيَّ! هَلْ غَابَ الْقَمَرُ؟ قُلْتُ: لاَ، فَصَلَّتْ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَتْ: يَا بُنَيَّ! هَلْ غَابَ الْقَمَرُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَتْ: فَارْتَحِلُوْا، فَارْتَحَلْنَا فَمَضَيْنَا حَتَّى رَمَتِ الْجَمْرَةَ، ثُمَّ رَجَعَتْ فَصَلَّتِ الصُّبْحَ فِيْ مَنْزِلِهَا، فَقُلْتُ لَهَا: يَا هَنْتَاهُ! مَا أُرَانَا إِلَّا قَدْ غَلَّسْنَا، قَالَتْ: يَا بُنَيَّ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَذِنَ لِلظُّعُنِ.

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا آزاد کردہ عبد اللہ کہتا ہے: حضرت اسماءؓ مزدلفہ کی رات مزدلفہ میں اتریں۔ پس نماز

پڑھنے لگیں، تھوڑی دیر نماز پڑھتی رہیں پھر پوچھا: بیٹے! چاند چھپ گیا؟ میں نے کہا: نہیں، پھر وہ تھوڑی دیر نماز پڑھتی رہیں پھر پوچھا: بیٹے! چاند چھپ گیا؟ میں نے کہا: ہاں، پس انھوں نے کہا: سفر شروع کرو، پس ہم نے سفر شروع کیا، اور ہم جمرات کے پاس سے گذرے، یہاں تک کہ انھوں نے جمرہ کو کنکریاں ماریں، پھر واپس لوٹیں، اور اپنے ڈیرے میں فجر کی نماز پڑھی، میں نے ان سے عرض کیا: بی بی! میرا خیال ہے: ہم نے اندھیرے میں رمی کی، انھوں نے فرمایا: بیٹے! نبی ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے .... الظُعُن جمع ہے، مفرد الظَعون و الظَعونۃ ہے، اور معنی ہیں: بار بردار اونٹ، ہودہ اٹھانے والا اونٹ، اور یہاں مراد عورت ہے۔

[۱۶۸۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، هُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةَ جَمْعٍ، وَكَانَتْ ثَقِيْلَةً ثَبِطَةً، فَأَذِنَ لَهَا. [انظر: ۱۶۸۱]

[۱۶۸۱-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: نَزَلْنَا الْمُزْدَلِفَةَ، فَاسْتَأْذَنَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم سَوْدَةُ أَنْ تَدْفَعَ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ، وَكَانَتِ امْرَأَةً بَطِيْئَةً، فَأَذِنَ لَهَا فَدَفَعَتْ قَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ، وَأَقَمْنَا حَتّٰى أَصْبَحْنَا نَحْنُ ثُمَّ دَفَعْنَا بِدَفْعِهِ، فَلَأَنْ أَكُوْنَ اسْتَأْذَنْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَمَا اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مَفْرُوْحٍ بِهِ.

لغات: ثَقِيْلَة: وزنی، بھاری .... ثَبِطَة: بھاری، وزنی (دونوں مترادف ہیں)

حدیث (۲): صدیقہؓ فرماتی ہیں: ہم مزدلفہ میں اترے، پس حضرت سودہؓ نے نبی ﷺ سے لوگوں کے ہجوم سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت مانگی، اور وہ بھاری بدن کی عورت تھیں، پس آپؐ نے ان کو اجازت دیدی، چنانچہ وہ لوگوں کے ہجوم سے پہلے منیٰ چلی گئیں، اور ہم صبح تک وہیں رہے، پھر ہم آپؐ کے روانہ ہونے کے ساتھ روانہ ہوئے، پس اگر میں نبی ﷺ سے اجازت لے لیتی جیسے سودہؓ نے اجازت لی تھی تو مجھے آپ کی رفاقت کی خوشی سے زیادہ خوشی ہوتی۔

تشریح: أحبُّ إليَّ من مَفْرُوْحٍ به: ادبی جملہ ہے، صبح تک جو آنحضور ﷺ کی رفاقت حاصل رہی یہ وہ چیز ہے جس پر خوش ہوا گیا، رفاقت کی اسی خوشی میں صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت نہیں چاہی تھی، پھر جب بھیڑ سے دوچار ہونا پڑا تو اندازہ ہوا کہ اس خوشی سے بہتر یہ تھا کہ وہ بھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح اجازت لے کر رات ہی میں منیٰ چلی جاتیں۔

بَابٌ: مَنْ يُصَلِّي الْفَجْرَ بِجَمْعٍ

جو شخص مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھے

حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے دو نمازیں معمول سے ہٹ کر پڑھی تھیں، ایک: مغرب کی نماز مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے

وقت میں پڑھی تھیں، اور دوسری: فجر کی نماز صبح صادق ہوتے ہی فوراً پڑھی تھی۔ یہاں طالب علم کا سوال ہے کہ عرفات میں عصر کی نماز بھی معمول سے ہٹ کر پڑھی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خطابی گفتگو میں اگرچہ الفاظ عام ہوتے ہیں لیکن پیش نظر خاص معاملہ ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے مزدلفہ میں یہ بات فرمائی تھی، پس مزدلفہ کے تعلق سے ان دو نمازوں کی تخصیص ہے۔

[۹۹-] بَابٌ: مَنْ يُصَلِّي الْفَجْرَ بِجَمْعٍ

[۱۶۸۲-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُمَارَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلّٰى صَلَاةً لِغَيْرِ مِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ: جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا. [راجع: ۱۶۷۵]

[۱۶۸۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيْلُ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ إِلَى مَكَّةَ، ثُمَّ قَدِمْنَا جَمْعًا، فَصَلَّى الصَّلَاتَيْنِ، كُلَّ صَلَاةٍ وَحْدَهَا بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، وَالْعَشَاءُ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ، قَائِلٌ يَقُوْلُ: طَلَعَ الْفَجْرُ، وَقَائِلٌ يَقُوْلُ: لَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ حُوِّلَتَا عَنْ وَقْتِهِمَا فِي هٰذَا الْمَكَانِ: الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، فَلَا يَقْدَمُ النَّاسُ جَمْعًا حَتّٰى يُعْتِمُوْا، وَصَلَاةَ الْفَجْرِ هٰذِهِ السَّاعَةَ" ثُمَّ وَقَفَ حَتّٰى أَسْفَرَ، ثُمَّ قَالَ: لَوْ أَنَّ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَفَاضَ الْآنَ أَصَابَ السُّنَّةَ، فَمَا أَدْرِيْ أَقَوْلُهُ كَانَ أَسْرَعَ أَمْ دَفْعُ عُثْمَانَ، فَلَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ. [راجع: ۱۶۷۵]

حدیث (۱): ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو کوئی نماز اس کے وقت سے ہٹ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا مگر دو نمازیں: آپؐ نے (مزدلفہ میں) مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھا، اور فجر کی نماز اس کے وقت یعنی معمول سے پہلے پڑھی۔

حدیث (۲): عبدالرحمٰن کہتے ہیں: میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ (عراق سے) مکہ کی طرف نکلا، پس ہم مزدلفہ میں پہنچے، پس آپؓ نے دو نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، ان میں سے ہر نماز علاحدہ اذان اور تکبیر کے ساتھ پڑھی، اور دونوں نمازوں کے درمیان شام کا کھانا کھایا، پھر فجر کی نماز پڑھی، جب صبح صادق طلوع ہوئی، ایسے وقت کہ کوئی کہنے والا کہتا: صبح صادق ہوگئی، اور کوئی کہتا: ابھی نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا: بیشک نبی ﷺ نے فرمایا ہے: یہ دو نمازیں: (۱) مغرب اور عشاء اس جگہ میں اس کے وقت سے ہٹادی گئی ہیں، پس لوگ مزدلفہ میں نہیں پہنچتے مگر جب اندھیرا ہوجاتا ہے یعنی اس مجبوری میں مغرب میں تاخیر کی جاتی ہے (۲) اور فجر کی نماز اس گھڑی میں یعنی جلدی پڑھی جائے، وہ بھی اپنے وقت سے ہٹادی گئی ہے۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ نے وقوف کیا، یہاں تک کہ روشنی پھیل گئی، پھر فرمایا: اگر امیر المؤمنین اس وقت مزدلفہ

سے لوٹیں تو وہ سنت کے موافق ہوگا (عبدالرحمن کہتے ہیں) پس میں نہیں جانتا کہ ابن مسعودؓ کا کہنا پہلے تھا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لوٹنا یعنی ابھی حضرت ابن مسعودؓ کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عثمانؓ منیٰ کے لئے روانہ ہوگئے، پس ابن مسعودؓ برابر تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی کی (پھر تلبیہ موقوف کردیا)

بَابٌ: مَتَى يُدْفَعُ مِنْ جَمْعٍ؟

مزدلفہ سے کب چلے؟

مشرکین مزدلفہ سے اس وقت لوٹتے تھے جب سورج نکل آتا تھا، مزدلفہ میں جبل قزح کے دامن میں وقوف کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہیں وقوف کیا تھا، یہ پہاڑ مشرقی جانب ہے، سورج اس کی اوٹ سے نکلتا ہے، دوسری طرف ثبیر پہاڑ ہے جب اس کی چوٹی پر دھوپ پڑتی تھی تو مشرکین مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوتے تھے، وہ کہتے تھے: أَشْرِقْ ثَبِيْرُ لِكَيْ نُغِيْرُ: ثبیر چمک جا تاکہ ہم روانہ ہوں، مگر جب نبی ﷺ نے حج فرمایا تو آپؐ سورج نکلنے سے پہلے ہی مزدلفہ سے روانہ ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنے عمل سے مشرکین کی مخالفت کی، یعنی مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے میں تبدیلی کردی تھی، نبی ﷺ نے اس کی اصلاح کردی۔

[۱۰۰-] بَابٌ: مَتَى يُدْفَعُ مِنْ جَمْعٍ؟

[۱۶۸۴-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُوْنٍ، يَقُوْلُ: شَهِدْتُ عُمَرَ، صَلَّى بِجَمْعٍ الصُّبْحَ، ثُمَّ وَقَفَ، فَقَالَ: إِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا لَا يُفِيْضُوْنَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَيَقُوْلُوْنَ: أَشْرِقْ ثَبِيْرُ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَالَفَهُمْ، ثُمَّ أَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ. [انظر: ۳۸۳۸]

عمرو بن میمون کہتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، آپؓ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھائی، پھر وقوف کیا، پس فرمایا: بیشک مشرکین نہیں لوٹتے تھے تا آنکہ سورج نکل آتا، اور کہا کرتے تھے: ثبیر چمک جا، اور بیشک نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سورج طلوع ہونے سے پہلے لوٹ گئے۔

بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيْرِ غَدَاةَ النَّحْرِ حِيْنَ يَرْمِيْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ، وَالْارْتِدَافِ فِي السَّيْرِ

تلبیہ پڑھنا اور تکبیر کہنا جب دس کی صبح کو جمرہ کی رمی کرے، اور سواری پر پیچھے کسی کو بٹھانا

جب مزدلفہ سے منیٰ جائیں گے تو تلبیہ پڑھتے ہوئے جائیں گے، اور تکبیر، تسبیح اور تحمید کا ورد بھی کرسکتے ہیں۔ اور منیٰ پہنچ

کر جمرۂ عقبی کی رمی کریں گے، اور رمی کے ساتھ ہی تلبیہ بند کردیں گے، نبی ﷺ مزدلفہ سے واپسی میں برابر تلبیہ پڑھ رہے، پھر جب جمرۂ عقبہ کی رمی کی تو تلبیہ پڑھنا بند کردیا۔ اس موقع پر حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آپؐ کے ردیف تھے، اور جب عرفہ سے مزدلفہ آئے تھے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ردیف تھے، اس دوران بھی آپؐ برابر تلبیہ پڑھ رہے تھے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے باب میں دو حدیثیں لکھی ہیں، دونوں میں صرف تلبیہ کا ذکر ہے، تکبیر کا ذکر نہیں، جبکہ باب میں تکبیر کا بھی ذکر ہے، اس سلسلہ میں علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ باب میں جتنے اجزاء ہوں، سب کا حدیث میں ذکر ضروری نہیں، بعض مرتبہ امام بخاری رحمہ اللہ دیگر احادیث کو پیش نظر رکھ کر بھی باب قائم کرتے ہیں جو بخاری میں کسی اور جگہ یا کسی اور کتاب میں ہوتی ہے، تا کہ طالب علم اس حدیث کو تلاش کرے۔

[۱۰۱-] بَابُ التَّلْبِيَةِ وَالتَّكْبِيرِ غَدَاةَ النَّحْرِ حِينَ يَرْمِي جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ، وَالْإِرْتِدَافِ فِي السَّيْرِ

[۱۶۸۵-] حدثنا أَبُوْعَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَرْدَفَ الْفَضْلَ، فَأَخْبَرَ الْفَضْلُ أَنَّهُ لَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتَّى رَمَى الْجَمْرَةَ.
[راجع: ۱۵۲۴]

[۱۶۸۶و۱۶۸۷-] حدثنا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِيْ، عَنْ يُوْنُسَ الْأَيْلِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ أُسَامَةَ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ عَرَفَةَ إِلَى الْمُزْدَلِفَةِ، ثُمَّ أَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ إِلَى مِنًى، قَالَ: فَكِلَاهُمَا قَالَ: لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُلَبِّيْ حَتَّى رَمَىٰ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ. [راجع: ۱۵۴۳، ۱۵۴۴]

بَابٌ: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾

حج کے ساتھ عمرہ کرنا

حج کے سفر میں عمرہ سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں، یعنی حج اور عمرہ دونوں کرسکتے ہیں، خواہ قران کی شکل میں کرے یا تمتع کی شکل میں، اور دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے: "پس جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ سے حج کے ساتھ (الی آخرہ) اس میں تمتع اور قران دونوں صورتیں آگئیں۔ اس باب میں بس اتنا ہی مسئلہ ہے، اور آیت کریمہ میں جو دیگر مسائل ہیں وہ آگے آئیں گے۔

[۱۰۲-] بَابٌ: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾
إِلَى قَوْلِهِ: ﴿حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة: ۱۹۶].

[۱۶۸۸-] حَدَّثَنِيْ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا

أَبُوْ جَمْرَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الْمُتْعَةِ، فَأَمَرَنِيْ بِهَا، وَسَأَلْتُهُ عَنِ الْهَدْيِ فَقَالَ: فِيْهَا جَزُوْرٌ أَوْ بَقَرَةٌ أَوْ شَاةٌ أَوْ شِرْكٌ فِيْ دَمٍ، قَالَ: وَكَأَنَّ نَاسًا كَرِهُوْهَا، فَنِمْتُ فَرَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ إِنْسَانًا يُنَادِيْ: حَجٌّ مَبْرُوْرٌ، وَمُتْعَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ، فَأَتَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ! سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم.
وَقَالَ آدَمُ، وَوَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ، وَغُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ: عُمْرَةٌ مُتَقَبَّلَةٌ، وَحَجٌّ مَبْرُوْرٌ. [راجع: ۱۵۶۷]

وضاحت: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الحج باب ۳۴ (حدیث ۱۵۶۷) میں گذر چکی ہے۔ ابو جمرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا: قرآن میں ہے: ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ یعنی متمتع اور قارن قربانی پیش کریں جو قربانی آسانی سے میسر ہو، پس قربانی کیا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اونٹ، گائے اور بکری میں سے جس کی بھی قربانی کر سکتا ہے کرے، اور بڑے جانور میں ساتواں حصہ بھی رکھ سکتا ہے، شِرك کے معنی ہیں: حصہ۔

بَابُ رُكُوْبِ الْبُدْنِ

ہدی کے اونٹ پر سوار ہونا

البُدْن: البَدَنَة کی جمع ہے اس کے معنی ہیں: بڑا جانور، جس جانور میں قربانی کے سات حصے ہو سکتے ہیں وہ بدنہ ہے، اور جب بقرہ کے مقابلہ میں آئے تو اس سے اونٹ مراد ہوتا ہے، بلکہ بغیر مقابلہ کے بھی عام طور پر اونٹ مراد لیتے ہیں۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ ہدی کے جانور پر سواری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چاروں ائمہ متفق ہیں کہ ہدی کے جانور پر سواری کرنا یا اس کا دودھ استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ ہدایا شعائر اللہ میں داخل ہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اور ہدی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی علامتیں بنایا ہے'' پس ہدایا کا احترام لازم ہے، اور ان سے انتفاع میں ان کی اہانت ہے، اس لئے ہدی کے جانور پر سواری کرنا یا اس کا دودھ استعمال کرنا جائز نہیں، البتہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ضرورت کے وقت انتفاع جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اضطرار (مجبوری) کی حالت میں انتفاع جائز ہے، مثلاً سواری کا جانور مر گیا، اور وہ چلنے سے معذور ہے یا مکہ بہت دور ہے اور دوسری کوئی سواری میسر نہیں تو ہدی کے اونٹ پر سواری کر سکتا ہے، یا سخت بھوک لگی ہو اور کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں تو ہدی کے جانور کا دودھ پی سکتا ہے۔

حنفیہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے: ارْكَبْهَا بالمعروف إذا أُلْجِئْتَ إِلَيها حتى تجدَ ظَهْرًا: بدنہ پر معروف طریقہ پر سواری کرو جب تم اس کی طرف مجبور ہو جاؤ، یعنی اس پر سوار ہوئے بغیر چارہ نہ رہے، تا آنکہ سواری کے لئے دوسرا جانور پاؤ (مسلم ۱: ۴۲۶ باب جواز ركوب البدنة الخ)

اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ہدی کے جانور پر مطلقاً سوار ہونا جائز ہے، ان کا استدلال: ﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ سے ہے، اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اونٹ کو ہانک رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جا، اس نے

عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ہدی ہے، آپؐ نے پھر فرمایا: سوار ہوجا، اس نے پھر یہی کہا، آپؐ نے دوسری مرتبہ یا تیسری مرتبہ میں فرمایا: باؤلے! سوار ہوجا، (ویلك اور ویحك دونوں مترادف ہیں اور بطور تکیہ کلام کے استعمال ہوتے ہیں، ان کے ذریعہ ڈانٹنا یا برا کہنا مقصود نہیں ہوتا)

مگر ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ ہدایا شعائر اللہ میں سے ہیں، اس لئے قابل احترام ہیں، اوران سے انتفاع میں ان کی ہتک ہے، پس مجبوری ہی میں انتفاع کی گنجائش ہے، اور مذکورہ حدیث حاجت پر محمول ہے۔

[۱۰۳-] بَابُ رُكُوْبِ الْبُدْنِ

لِقَوْلِهِ: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوْا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا﴾ إِلَى قَوْلِهِ﴿ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[الحج: ۳۶ و ۳۷]

قَالَ مُجَاهِدٌ: سُمِّيَتِ الْبُدْنَ لِبُدْنِهَا، وَالْقَانِعُ: السَّائِلُ، وَالْمُعْتَرُّ: الَّذِىْ يَعْتَرُّ بِالْبُدْنِ مِنْ غَنِىٍّ أَوْ فَقِيْرٍ، وَشَعَائِرُ اللهِ: اسْتِعْظَامُ الْبُدْنِ وَاسْتِحْسَانُهَا، وَالْعَتِيْقُ: عِتْقُهُ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، يُقَالُ: وَجَبَتْ: سَقَطَتْ إِلَى الْأَرْضِ، وَمِنْهُ وَجَبَتِ الشَّمْسُ.

[۱۶۸۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِى الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَجُلاً يَسُوْقُ بَدَنَةً، فَقَالَ" ارْكَبْهَا" فَقَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: "ارْكَبْهَا" فَقَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: " ارْكَبْهَا وَيْلَكَ" فِى الثَّانِيَةِ أَوْ فِى الثَّالِثَةِ.[انظر: ۱۷۰۶، ۲۷۵۵، ۶۱۶۰]

[۱۶۹۰-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، وَشُعْبَةُ، قَالَا: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَجُلاً يَسُوْقُ بَدَنَةً، فَقَالَ:" ارْكَبْهَا" قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، فَقَالَ:"ارْكَبْهَا" قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ:" ارْكَبْهَا" ثَلاَثًا.[انظر: ۲۷۵۴، ۶۱۵۹]

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ، لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ، فَاذْكُرُوْا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ، فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوْا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ، كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ، كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوْا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ، وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

ترجمہ وتفسیر: سورت الحج میں ہدی کی اہمیت، اس کے ذبح کا طریقہ اور قربانی کے گوشت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ قربانی اونٹوں کے علاوہ گائے بھینس اور بھیڑ بکریوں کی بھی درست ہے۔ اور ہدی بھی سب کی ہوسکتی ہے۔ مگر بکریوں کا چلنا دشوار ہے، اور بھینس عرب میں نہیں ہوتی، اور گائے بہت کمیاب ہے اس لئے لوگ زیادہ تر اونٹ ہی کو ہدی کے طور پر لے جاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہے: ـــــ اور ہدی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے دین کی علامتیں بنایا ہے ـــــ یعنی

ہدی کے اونٹ بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ جب یہ اونٹ مکہ مکرمہ کے لئے چلتے ہیں تو پورے راستہ میں حج کا اعلان ہوتا ہے، لوگوں کو ترغیب ہوتی ہے کہ وہ بھی اللہ کے گھر چلیں۔ پس جب شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیزگاری سے ہے تو ان ہدیوں کا بھی احترام کرنا چاہئے — تمہارے لئے ان میں خیر ہے — یعنی ان کو ادب کے ساتھ قربان کرنے میں بہت سے دینی اور دنیوی فوائد ہیں — پس تم ان پر کھڑے ہونے کی حالت میں اللہ کا نام لو — یعنی بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرو۔ اور اونٹ کے ذبح کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کیا جائے۔ پھر اس کا داہنا یا بایاں ہاتھ باندھ دیا جائے۔ پھر سینہ اور گردن کے درمیانی گھڑے میں زخم لگایا جائے — پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ، اور قناعت پسند اور طالبِ احسان کو کھلاؤ — یعنی جب سارا خون نکل جائے، اور وہ ٹھنڈے ہو کر پہلو کے بل گر پڑیں تو ان کا گوشت خود بھی استعمال کرو، اور حاجت مندوں میں بھی تقسیم کرو — حاجت مند دو قسم کے ہیں: ایک: قناعت پسند یعنی وہ لوگ محتاج ہیں مگر صبر سے بیٹھے ہیں، سوال نہیں کرتے۔ دوسرے: وہ جو طلب گار بن کر سامنے آتے ہیں، مگر منہ سے کچھ نہیں کہتے۔ صورت بھیں حالت میرس کی تصویر ہوتے ہیں۔ دونوں قسم کے لوگوں کو کھلانے کا حکم ہے — اس طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم اللہ کا شکر بجالاؤ — یعنی ایسے تن و توش کے جانور جو تم سے جثہ میں اور قوت میں کہیں زیادہ ہیں تمہارے قبضہ میں کر دیئے، تاکہ تم ان سے خدمات لو اور آسانی سے ذبح کر کے کھاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ جس کا شکر بجالانا ضروری ہے — قربانی دوسرے مذاہب میں ایک مشرکانہ رسم ہے۔ اسلام میں محض ایک توحیدی عبادت ہے، خدائے واحد کی طرف سے دھیان ہٹانے والی نہیں، عین اس کی طرف توجہ جمانے والی، رشتۂ عبودیت کو اور محکم کرنے والی! (ماجدی)

عرب جاہلیت میں قربانی کر کے اس کا گوشت بتوں کے سامنے رکھتے تھے، اور خون ان پر ملتے تھے۔ اسی طرح اللہ کے نام کی قربانی کا گوشت کعبہ کے سامنے لا کر رکھتے تھے اور خون کعبہ کی دیواروں پر لگاتے تھے۔ دیگر مشرکین بھی دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھا کر یہی عمل کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بلی کی خوشبو دیوتا محسوس کرتے ہیں۔ اور اسے کھاتے ہیں۔ ان پر رد کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی اس بات کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ قربانی جب اللہ کے لئے کی گئی ہے تو اس کا گوشت کھانا اور کھال سے فائدہ اٹھانا جائز کیوں ہے؟ ارشاد ہے: — اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ ان کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے — یعنی قربانی ایک عبادت ہے۔ اللہ کے پاس اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، نہ وہ قربانی سے مقصود ہے۔ اس لئے اس کا استعمال جائز ہے۔ قربانی سے مقصود اللہ کا ذکر ہے، اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ یہی اخلاص کی کیفیت اللہ کے یہاں پہنچتی ہے۔ قربانی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم نے کس خوش دلی اور جوشِ محبت سے اپنی ایک قیمتی چیز اللہ کی بارگاہ میں پیش کی ہے — اس طرح ان کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم اللہ کی عظمت بیان کرو اِس نعمت پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی — یعنی اللہ نے تمہیں اپنی محبت اور

عبودیت کے اظہار کی یہ راہ سمجھائی، اور ایک جانور کی قربانی کو اپنی جان کی قربانی کا قائم مقام کر دیا۔ اس نعمت پر تم جتنی بھی بڑائی بیان کرو کم ہے ـــــ اور آپ نیکوکاروں کو خوش خبری سنا دیجئے ـــــ کہ تمہیں آخرت میں تمہاری نیکیوں کا بڑا اجر ملنے والا ہے۔

لغات:

۱- مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: بدنہ (اونٹ) کو بدنہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ موٹا تازہ اور بڑا ہوتا ہے (گائے بھینس بھی بکری کی بہ نسبت بڑی ہوتی ہے اس لئے ان کو بھی بدنہ کہتے ہیں)

۲- القانع کے معنی ہیں: مانگنے والا، اور المعترّ: وہ شخص جو زبان سے کچھ نہ کہے، مگر قربانی کے گوشت کے پاس آ کر کھڑا ہو جائے خواہ وہ مالدار ہو یا غریب، کیونکہ قربانی کا گوشت مالدار کو بھی دے سکتے ہیں، اور دونوں سائل ہیں مگر اول حقیقتاً سائل ہے وہ زبان سے مانگ رہا ہے اور ثانی حکماً سائل ہے اس کا سراپا مانگ رہا ہے۔ پس قربانی کا گوشت دونوں کو کھلاؤ۔

۳- شعائر اللہ کے حضرت رحمہ اللہ نے معنی نہیں بیان کئے بلکہ تفسیر کی ہے، یعنی قربانی کے اونٹوں کو موٹا کرو، ان کو پسند کرو اور ان کا احترام کرو، اونٹوں کو شعائر بنانے کا یہی مطلب ہے۔ اور ان سے انتفاع میں ان کی ہتک ہے اس لئے چاروں ائمہ متفق ہیں کہ بلا ضرورت ہدایا پر سواری کرنا اور ان کا دودھ استعمال کرنا جائز نہیں۔

۴- عتیق: فعیل کا وزن ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے: آزاد کیا ہوا، جباروں کے قہر سے یہ گھر آزاد ہے، وہ اس کو ڈھا نہیں سکتے۔

۵- وَجَبَت: کے معنی ہیں: زمین پر گر جانا، اسی سے وجبتِ الشمس ہے، یعنی سورج ڈوب گیا۔

بَابُ مَنْ سَاقَ الْبُدْنَ مَعَهُ

جو شخص ہدی کے اونٹوں کو ساتھ لے گیا

حاجی قربانی کا جانور ساتھ لے جا سکتا ہے، آنحضور ﷺ حجۃ الوداع میں مدینہ منورہ سے تریسٹھ اونٹ ساتھ لے گئے تھے، اور ذو الحلیفہ میں اپنے دست مبارک سے ان کا اشعار فرمایا تھا، پھر حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تھا، آنحضور ﷺ کے پاس خدام تھے اس لئے ان کے ساتھ ہدی کے اونٹ مکہ روانہ کئے تھے، لیکن اگر کوئی خود لے کر مکہ جائے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔

[۱۰۴-] بَابُ مَنْ سَاقَ الْبُدْنَ مَعَهُ

[۱۶۹۱-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى

الْحَجِّ، وَأَهْدَى، فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَبَدَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ، ثُمَّ أَهَلَّ بِالْحَجِّ، فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ، فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ أَهْدَى، فَسَاقَ الْهَدْيَ، وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ، فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ، قَالَ لِلنَّاسِ: " مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدَى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَجَّهُ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَهْدَى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ، ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ. فَمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ، وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ" فَطَافَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ أَوَّلَ شَيْءٍ، ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ وَمَشَى أَرْبَعًا، فَرَكَعَ حِيْنَ قَضَى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَأَتَى الصَّفَا، فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ أَطْوَافٍ، ثُمَّ لَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى قَضَى حَجَّهُ، وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ، وَأَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ، ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ، وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ أَهْدَى وَسَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ.

[١٦٩٢-] وَعَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي تَمَتُّعِهِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ، فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَهُ بِمِثْلِ الَّذِي أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم.

وضاحت: تمتع کے لغوی معنی ہیں: فائدہ اٹھانا یعنی ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنا، پس قران کو بھی لغوی معنی کے اعتبار سے تمتع کہا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلی حدیث کے شروع میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہمانے فرمایا: تَمَتَّعَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرے سے فائدہ اٹھایا حج کے ساتھ ملا کر یعنی قران کیا .... فساق معه الهدى: یہ مجاز ہے، آنحضور ﷺ نے اپنی قربانیاں حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ بھیجی تھیں .... فَأَهَلَّ بالعمرة: یہ اختلاف روایت ہے، کیونکہ اس وقت عمرہ کا کوئی تصور نہیں تھا، سب نے بشمول نبی ﷺ ذوالحلیفہ سے صرف حج کا احرام باندھا تھا .... وأفاض فطاف بالبيت: یہ طواف زیارت ہے .... وفعل مثل: جس کے پاس ہدی تھی اس نے بھی دس ذی الحجہ کو قربانی کر کے احرام کھولا .... وساق الهدى: عطف تفسیری ہے۔

ملحوظہ: دوسری حدیث (۱۶۹۲) میں پہلی حدیث (۱۶۹۱) کا حوالہ ہے، اور اس کی پوری سند مسلم شریف (حدیث ۱۲۲۸) میں ہے۔

بَابُ مَنِ اشْتَرَى الْهَدْيَ مِنَ الطَّرِيْقِ

جس نے راستہ سے ہدی خریدی

قربانی کا جانور ساتھ لے کر چلنا ضروری نہیں، راستہ سے بھی خرید سکتے ہیں، بلکہ مکہ سے بھی خرید سکتے ہیں، قربانی کے

دنوں میں مکہ میں جانور بکتے ہیں ان کو خرید کر قربانی کرسکتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قُدَید سے قربانی خریدی تھی۔

[۱۰۵-] بَابُ مَنِ اشْتَرَى الْهَدْىَ مِنَ الطَّرِيْقِ

[۱۶۹۳-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ لِأَبِيْهِ: أَقِمْ، فَإِنِّي لَا آمَنُهَا أَنْ تُصَدَّ عَنِ الْبَيْتِ، قَالَ: إِذًا أَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ فَأَنَا أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ عَلَى نَفْسِيَ الْعُمْرَةَ، فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ، قَالَ: ثُمَّ خَرَجَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، وَقَالَ: مَا شَأْنُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ إِلَّا وَاحِدٌ، ثُمَّ اشْتَرَى الْهَدْىَ مِنْ قُدَيْدٍ، ثُمَّ قَدِمَ فَطَافَ لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا، فَلَمْ يَحِلَّ حَتَّى حَلَّ مِنْهُمَا جَمِيْعًا. [راجع: ۱۶۳۹]

حوالہ: یہ حدیث تفصیل سے کتاب الحج باب ۷۷ میں گذر چکی ہے۔

بَابُ مَنْ أَشْعَرَ وَقَلَّدَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ أَحْرَمَ

جس نے ذوالحلیفہ میں اشعار کیا اور ہار پہنایا پھر احرام باندھا

حجۃ الوداع میں آنحضور ﷺ نے ذوالحلیفہ میں اپنی قربانیوں کا اشعار فرمایا تھا اور ان کے گلوں میں چپلوں کا ہار ڈالا تھا، لفظ اشعار کے معنی ہیں: علامت لگانا۔ آنحضور ﷺ نے اشعار اس طرح کیا تھا کہ اونٹ کی کوہان کی دائیں جانب سے ذرا سی کھال کاٹی اور جو خون نکلا اس کو پونچھ دیا، اور قَلَّدَ تقلیدا کے معنی ہیں: ہار پہنانا، رسّی وغیرہ میں پرانا چپل باندھ کر جانور کے گلے میں ڈالنا: قلادہ پہنانا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اشعار بھی کیا تھا اور قلادہ بھی پہنایا تھا۔

اور آپؐ نے اشعار اس لئے کیا تھا کہ یہ طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے متوارث چلا آرہا تھا، اور اس میں حکمت یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں غارت گری اور لوٹ کھسوٹ بہت ہوتی تھی، مگر ہدی کے جانور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اور آنحضور ﷺ نے اپنی ہدایا چند آدمیوں کے ساتھ حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں علاحدہ روانہ کی تھیں اور ملک میں ابھی پوری طرح امن قائم نہیں ہوا تھا، اس لئے یہ علامت لگائی تھی تاکہ لٹیرے اس کو لوٹنے سے باز رہیں۔

غرض نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ میں اشعار کیا تھا، معلوم ہوا کہ جہاں سے احرام باندھنا ہے وہاں سے اشعار کرنا چاہئے اور راستہ سے قربانی خریدے تو وہیں سے اشعار کرے، یہ اس باب کا مقصد ہے، اور اشعار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ آگے آئیگا۔

[۱۰۶-] بَابُ مَنْ أَشْعَرَ وَقَلَّدَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ أَحْرَمَ

وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا أَهْدَى مِنَ الْمَدِيْنَةِ قَلَّدَهُ وَأَشْعَرَهُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، يَطْعُنُ فِي شِقِّ سَنَامِهِ

الْأَيْمَنِ بِالشَّفْرَةِ وَوَجْهُهَا قِبَلَ الْقِبْلَةِ بَارِكَةً.

[۱۶۹۴و۱۶۹۵-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، وَمَرْوَانَ، قَالَا: خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي بِضْعَ عَشْرَةَ مِائَةً مِنْ أَصْحَابِهِ، حَتَّى إِذَا كَانُوْا بِذِي الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْهَدْيَ وَأَشْعَرَهُ وَأَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ. [الحديث: ۱۶۹۴، انظر: ۱۸۱۱، ۲۷۱۲، ۲۷۳۱، ۴۱۵۸، ۴۱۷۸، ۴۱۸۱] [الحديث: ۱۶۹۵، انظر: ۲۷۱۱، ۲۷۳۲، ۴۱۵۷، ۴۱۷۹، ۴۱۸۰]

[۱۶۹۶-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَفْلَحُ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِيَدَيَّ، ثُمَّ قَلَّدَهَا وَأَشْعَرَهَا وَأَهْدَاهَا، وَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْئٌ كَانَ أُحِلَّ لَهُ.

[انظر: ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۲۳۱۷، ۵۵۶۶]

اثر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مدینہ منورہ سے قربانی کا جانور ساتھ لے جاتے تھے تو ذوالحلیفہ میں اشعار کرتے تھے اور ہار پہناتے تھے، اور اشعار اس طرح کرتے تھے: اونٹ کو قبلہ رخ بٹھا کر اس کے کوہان کی دائیں جانب میں چھری سے تھوڑی کھال کاٹتے تھے۔

حدیث (۱): آنحضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے سال بھی ذوالحلیفہ میں اونٹوں کا اشعار فرمایا تھا اور ان کو ہار پہنایا تھا پھر عمرہ کا احرام باندھا تھا، اس وقت تقریباً پندرہ سو صحابہ آپؐ کے ساتھ تھے، بِضع کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے۔

اور اس حدیث پر دو نمبر اس لئے ڈالے ہیں کہ یہ حضرت مسور اور مروان کی حدیثیں ہیں، حضرت مسور اور ان کے والد مخرمہ: دونوں صحابی ہیں، اور مروان صحابی نہیں۔ آگے بھی جہاں دونوں کی روایتیں ساتھ آئی ہیں، وہاں دو دو نمبر ڈالے ہیں، اور ایک جگہ صرف حضرت مسورؓ کی روایت آئی ہے وہاں ایک نمبر ڈالا ہے (حدیث ۱۸۱۱)

حدیث (۲): میں سن ۹ ہجری کا واقعہ ہے، آنحضور ﷺ نے ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سو بکریاں قربانی کے لئے مکہ بھیجی تھیں، اور آپ خود مدینہ میں حلال رہے تھے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر رد کیا ہے۔ آگے تیسرے باب میں یہ حدیث آرہی ہے کہ زیاد بن ابی سفیان نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ ابن عباسؓ یہ فتوی دیتے ہیں کہ جو شخص ہدی بھیجے اس پر احرام کی تمام پابندیاں عائد ہوجاتی ہیں، حضرت عائشہؓ نے جواب لکھا کہ ایسا نہیں ہے، میں نے خود اپنے ہاتھ سے آنحضور ﷺ کی ہدی کے ہار بٹے ہیں، پھر آپؐ نے خود وہ ہار پہنائے اور ان کو میرے والد کے ساتھ بھیجا، مگر کوئی چیز آپ پر حرام نہیں ہوئی۔

نبی ﷺ نے ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قربانی کے لئے بکریاں بھیجی تھیں، اونٹ نہیں بھیجے تھے، اور بکری کمزور جانور ہے وہ اشعار کو برداشت نہیں کرسکتی اس لئے ان کو صرف قلادہ پہنایا تھا۔

بَابُ فَتْلِ الْقَلَائِدِ لِلْبُدْنِ وَالْبَقَرِ

اونٹوں اور گایوں کے لئے ہار بٹنا

بقر اسم جنس ہے اور اس کی دو نوعیں ہیں، جاموس (بھینس) اور ثور (بیل) اور عرب میں بھینس نہیں ہوتی، گائے ہوتی ہے، مگر حجۃ الوداع میں نبی ﷺ صرف اونٹ لے گئے تھے اور ازواج مطہرات کی طرف سے جو گائے ذبح کی تھی وہ مکہ ہی سے خریدی تھی۔

اگر کوئی حاجی گائے یا بھینس ساتھ لے جائے تو اس کو بھی ہار پہنائے، مگر اس کا اشعار نہیں کرے گا، اور گائے بھینس کو پرانے چپلوں کا ہار پہنا سکتے ہیں، کیونکہ وہ اس کا تحمل کر سکتی ہے، مگر بکری کمزور جانور ہے وہ چپلوں کے ہار کا تحمل نہیں کر سکتی، اس لئے اس کے گلے میں رنگین اون کی رسی باندھیں گے، نبی ﷺ نے ۹ ہجری میں بکریوں کو اون کا ہار پہنایا تھا۔

[۱۰۷-] بَابُ فَتْلِ الْقَلَائِدِ لِلْبُدْنِ وَالْبَقَرِ

[۱۶۹۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيىَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوْا وَلَمْ تَحِلَّ أَنْتَ؟ قَالَ: إِنِّيْ لَبَّدْتُ رَأْسِيْ، وَقَلَّدْتُ هَدْيِيْ، فَلاَ أَحِلُّ حَتّٰى أَحِلَّ مِنَ الْحَجِّ" [راجع: ۱۵۶۶]

[۱۶۹۸-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُهْدِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ، فَأَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِهِ، ثُمَّ لاَ يَجْتَنِبُ شَيْئًا مِمَّا يَجْتَنِبُ الْمُحْرِمُ. [راجع: ۱۶۹۶]

بَابُ إِشْعَارِ الْبُدْنِ

اونٹوں کا اشعار کرنا

اشعار کے معنی ہیں: علامت لگانا، علامت کے طور پر اونٹ کی کوہان کی دائیں جانب میں ذرا سی کھال چیرتے تھے۔

نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں بھی اور صلح حدیبیہ کے سال بھی اشعار فرمایا ہے اس لئے جمہور بشمول صاحبین اشعار کو سنت کہتے ہیں، اور ابراہیم نخعی اور امام اعظم رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اشعار بدعت اور مثلہ ہے۔ ثانی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی تعبیر ہے اور اول امام اعظمؒ کی۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا زمانہ مقدم ہے، پھر جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اشعار کو بدعت کہا تو چاروں طرف سے یلغار ہوئی کہ جو چیز نبی ﷺ سے ثابت ہے اس کو ابوحنیفہ بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ جس طرح صلوٰۃ الاستسقاء اور خرص کے مسئلہ میں امام اعظم کے قول کو صحیح نہیں سمجھا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام اعظم رحمہ

اللہ نے مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا بلکہ ان کے زمانہ میں لوگ جس طرح بے دردی سے اشعار کرتے تھے اس کو بدعت کہا ہے۔ آنحضور ﷺ نے تو اپنے دست مبارک سے اشعار فرمایا تھا اور ذراسی کھال کاٹی تھی، اور خون پونچھ ڈالا تھا۔ اور عرب کا ملک گرم خشک ہے دو چار دن میں زخم خشک ہو جائے گا اور اشعار کی علامت کوہان پر باقی رہ جائے گی، بعد میں لوگ شیخ (سیٹھ) بن گئے، نوکروں کو اشعار کرنے کا حکم دیتے تھے، ان کو کیا پڑی تھی، وہ بے دردی سے اشعار کرتے تھے، جس میں کھال کے ساتھ گوشت بھی کاٹ دیتے تھے۔ اور عراق کا علاقہ مرطوب تھا، چنانچہ زخم میں کیڑے پڑ جاتے تھے۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اس اشعار کو بدعت کہا ہے مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا۔

جیسے امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ سے تقلیدِ غنم کا انکار مروی ہے جبکہ صحیح احادیث سے بکریوں کو ہار پہنانا ثابت ہے، وہ بھی دراصل چپلوں کے ہار کا انکار ہے مطلق ہار کا انکار نہیں، اسی طرح جو لوگ بے دردی سے اشعار کرتے تھے امام اعظم رحمہ اللہ نے اس کو بدعت کہا ہے مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا۔ امام اعظمؒ کے قول کا یہ مطلب امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے جو مذہب حنفی سے سب سے زیادہ واقف تھے (عمدۃ القاری ۱۰: ۳۵)

[۱۰۸-] بَابُ إِشْعَارِ الْبُدْنِ

وَقَالَ عُرْوَةُ، عَنِ الْمِسْوَرِ: قَلَّدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْهَدْيَ، وَأَشْعَرَهُ، وَأَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ.

[۱۶۹۹-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ أَشْعَرَهَا وَقَلَّدَهَا، أَوْ: قَلَّدْتُهَا، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا إِلَى الْبَيْتِ، وَأَقَامَ بِالْمَدِينَةِ، فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ لَهُ حِلٌّ. [راجع: ۱۶۹۶]

قولہ: ثم أشعرها: پھر ان بکریوں پر علامت لگائی اور ان کو ہار پہنایا (عطف تفسیری ہے، ہار پہنانا ہی علامت لگانا ہے، معروف اشعار مراد نہیں) یا حضرت عائشہؓ نے کہا: میں نے ان کو ہار پہنایا۔

بَابُ مَنْ قَلَّدَ الْقَلَائِدَ بِيَدِهِ

جس نے بدست خود ہار پہنائے

نبی ﷺ نے اونٹوں کا اشعار بھی خود فرمایا تھا اور ان کو ہار بھی خود پہنایا تھا، اور ۹ ہجری میں بکریوں کو بھی بذاتِ خود ہار پہنایا تھا، پس یہ کام خود کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

[۱۰۹-] بَابُ مَنْ قَلَّدَ الْقَلَائِدَ بِيَدِهِ

[۱۷۰۰-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ

حَزْمٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ زِيَادَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ: إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ أَهْدَى هَدْيًا حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ، حَتّٰى يُنْحَرَ هَدْيُهُ، قَالَتْ عَمْرَةُ: فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَيْسَ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِيَدَيَّ، ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِيَدَيْهِ، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِي، فَلَمْ يَحْرُمْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللّٰهُ لَهُ، حَتّٰى نُحِرَ الْهَدْيُ. [راجع: ۱۶۹۶]

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتوی دیا تھا کہ جو شخص برائے قربانی دوسرے کے ساتھ مکہ ہدی بھیجے اس پر وہ تمام چیزیں حرام ہوجاتی ہیں جو محرم پر حرام ہوتی ہیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے انکار کیا اور فرمایا: میں نے خود آنحضور ﷺ کی ہدی کے ہار اپنے ہاتھ سے بٹے ہیں، پھر نبی ﷺ نے خود وہ ہار پہنائے ہیں اور ان کو میرے والد کے ساتھ بھیجا ہے اس کے باوجود کوئی چیز آپ پر حرام نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ صرف ہدی بھیجنے سے آدمی محرم نہیں ہوتا اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

بَابُ تَقْلِيْدِ الْغَنَمِ

بکریوں کو ہار پہنانا

بکریوں کو بھی ہار پہنائیں گے، البتہ ان کو ہلکا ہار پہنائیں گے، جوتوں کا ہار نہیں پہنائیں گے، بکری کمزور جانور ہے وہ جوتوں کے ہار کا تحمل نہیں کرسکتی۔

[۱۱۰-] بَابُ تَقْلِيْدِ الْغَنَمِ

[۱۷۰۱-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَهْدَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّةً غَنَمًا. [راجع: ۱۶۹۶]

[۱۷۰۲-] ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، أَخْبَرَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَفْتِلُ الْقَلَائِدَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَيُقَلِّدُ الْغَنَمَ، وَيُقِيْمُ فِي أَهْلِهِ حَلَالًا. [راجع: ۱۶۹۶]

[۱۷۰۳-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ، ح: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ الْغَنَمِ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَيَبْعَثُ بِهَا، ثُمَّ يَمْكُثُ حَلَالًا. [راجع: ۱۶۹۶]

[۱۷۰۴-] حدثنا أبو نعيم، قال: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَتَلْتُ لِهَدْيِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم - تَعْنِي الْقَلَائِدَ - قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ. [راجع: ۱۶۹۶]

بَابُ الْقَلَائِدِ مِنَ الْعِهْنِ

اون کے ہار

العِهْن کے معنی ہیں: اون، ۹ ہجری میں اون کی رسیاں بٹ گئی تھیں جو آنحضور ﷺ نے خود بکریوں کو پہنائی تھیں۔ جاننا چاہئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ سے جو تقلید غنم کا انکار مروی ہے، وہ چپلوں کے ہار کا انکار ہے، مطلق ہار کا انکار نہیں، تفصیل تحفۃ الالمعی (۳۱۱:۳) میں ہے۔

[۱۱۱-] بَابُ الْقَلَائِدِ مِنَ الْعِهْنِ

[۱۷۰۵-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ: فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِيْ. [راجع: ۱۶۹۶]

بَابُ تَقْلِيْدِ النَّعْلِ

چپل کا ہار پہنانا

اونٹ اور گائے بھینس کو جوتوں اور چپلوں کا ہار پہنا سکتے ہیں، وہ بڑے جانور ہیں، اس کا تحمل کر سکتے ہیں اور بکری کمزور جانور ہے اس کو ہلکا ہار پہنایا جائے گا جوتے اور چپل کے ہار کا وہ تحمل نہیں کر سکتی۔

[۱۱۲-] بَابُ تَقْلِيْدِ النَّعْلِ

[۱۷۰۶-] حدثنا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَأَى رَجُلًا يَسُوْقُ بَدَنَةً، فَقَالَ: "ارْكَبْهَا" قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: "ارْكَبْهَا" قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ رَاكِبَهَا يُسَايِرُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، وَالنَّعْلُ فِيْ عُنُقِهَا.

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۱۶۸۹]

قوله: قال: فلقد رأيته: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں: میں نے اس کو دیکھا وہ اونٹ پر سوار تھا اور نبی ﷺ کے برابر چل

رہا تھا، اور گردن میں چپل پڑا ہوا تھا، یعنی سوار ہونے کے بعد بھی وہ اونٹ بدستور ہدی تھا، ہدی سے خارج نہیں ہوا تھا۔

سند کی بحث: اصل سند میں امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ محمد کون ہیں؟ ابن السکن اور ابوذر کی روایت میں ابن سلام کی صراحت ہے، اور حافظ رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے —— اور پہلی حدیث کے بعد جو تابعه محمد بن بشار ہے: وہ مستقل جملہ ہے یا بعد والی سند کے ساتھ متصل ہے؟ حافظ رحمہ اللہ کی ایک رائے ہے اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے، اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ وہ مابعد سے متصل ہے، چنانچہ میں نے اس کو اس کے ساتھ ملا کر لکھا ہے۔ محمد بن بشار: امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، اور عثمان بن عمر: محمد بن بشار کے استاذ ہیں۔ اور تابعه کی ضمیر کا مرجع محمد بن سلام ہیں، اور یہ متابعت قاصرہ ہے، یحییٰ بن ابی کثیر سے جس طرح معمر روایت کرتے ہیں اسی طرح علی بن المبارک بھی روایت کرتے ہیں، اور متابعتِ قاصرہ کے لئے استاذ الاستاذ میں مشارکت ضروری نہیں، اوپر کسی بھی راوی میں مشارکت متابعتِ قاصرہ ہے۔

بَابُ الْجِلَالِ لِلْبُدْنِ

اونٹوں کے جھول

اونٹ کو گرمی سردی سے بچانے کے لئے اس پر جھول ڈالتے ہیں اور اس میں ہدی کا احترام بھی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کوہان کی جگہ کاٹ کر جھول اوڑھاتے تھے، اس طرح جھول کوہان میں پھنس جائے گی اور گرے گی نہیں، پھر جانور کو ذبح کرتے وقت پہلے جھول اتار لیتے تھے تاکہ خون میں خراب نہ ہو جائے اور اس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں اونٹوں کے جھول اور ان کی کھال صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

[۱۱۳-] بَابُ الْجِلَالِ لِلْبُدْنِ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لاَ يَشُقُّ مِنَ الْجِلاَلِ إِلاَّ مَوْضِعَ السَّنَامِ، وَإِذَا نَحَرَهَا نَزَعَ جِلاَلَهَا، مَخَافَةَ أَنْ يُفْسِدَهَا الدَّمُ، ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا.

[۱۷۰۷-] حدثنا قَبِيْصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ نَجِيْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَتَصَدَّقَ بِجِلاَلِ الْبُدْنِ الَّتِيْ نُحِرَتْ وَبِجُلُوْدِهَا. [انظر: ۱۷۱۶، ۱۷۱۶م، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۲۲۹۹]

بَابٌ: مَنِ اشْتَرَى هَدْيَهُ مِنَ الطَّرِيْقِ وَقَلَّدَهَا

جس نے اپنی ہدی راستہ سے خریدی، اور اس کو ہار پہنایا

ایسا باب گذر چکا ہے، وہاں قلّدها نہیں تھا، اس کو بڑھا دیا تو نیا باب ہو گیا۔

[١١٤-] بَابٌ: مَنِ اشْتَرَى هَدْيَهُ مِنَ الطَّرِيْقِ وَقَلَّدَهَا

[١٧٠٨-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: أَرَادَ ابْنُ عُمَرَ الْحَجَّ، عَامَ حَجَّةِ الْحَرُوْرِيَّةِ، فِي عَهْدِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقِيْلَ لَهُ: إِنَّ النَّاسَ كَائِنٌ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ، وَنَخَافُ أَنْ يَصُدُّوْكَ، فَقَالَ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ إِذًا أَصْنَعُ كَمَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ عُمْرَةً، حَتَّى كَانَ بِظَاهِرِ الْبَيْدَاءِ، قَالَ: مَا شَأْنُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ إِلَّا وَاحِدٌ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ جَمَعْتُ حَجَّةً مَعَ عُمْرَةٍ، وَأَهْدَى هَدْيًا مُقَلَّدًا اشْتَرَاهُ، حَتَّى قَدِمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَلَمْ يَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ، وَلَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتَّى يَوْمِ النَّحْرِ، فَحَلَقَ وَنَحَرَ، وَرَأَى أَنْ قَدْ قَضَى طَوَافَهُ لِلْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ بِطَوَافِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ قَالَ: كَذٰلِكَ صَنَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ١٦٣٩]

وضاحت: حروری: دراصل خوارج ہیں، مگر اس حدیث میں حجاج کو حروری کہا گیا ہے، کیونکہ اصل خلافت حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تھی، اسلامی ملک کے بیشتر حصہ پر ان کا قبضہ تھا، پس عبد الملک اور اس کے عمال باغی ٹھہرے، اس اعتبار سے ان کو حروری کہا گیا ہے.......... قولہ: واھدی ھدیا مقلّدًا اشتراہ: یہ جملہ باب سے متعلق ہے ترجمہ: اور ابن عمرؓ نے ہار پہنائی ہوئی ہدی پیش کی جس کو انھوں نے راستہ سے (قُدید سے) خریدا تھا۔

قولہ: ولم یزد علی ذلك: ابن عمرؓ نے مکہ پہنچ کر عمرہ کا طواف اور سعی کی اور طوافِ قدوم نہیں کیا، طوافِ قدوم الگ سے کرنا ضروری نہیں، عمرہ کے طواف میں اس کی نیت کی جاسکتی ہے۔

بَابُ ذَبْحِ الرَّجُلِ الْبَقَرَ عَنْ نِسَائِهِ مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِنَّ

اپنی بیویوں کی طرف سے گائے ذبح کرنا: ان کے حکم کے بغیر

بیوی کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے، آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں ازواجِ مطہرات کی طرف سے گائے ذبح کی تھی، مگر قربانی کی صحت کے لئے بیوی کی صراحۃً، دلالۃً یا عرفاً اجازت ضروری ہے۔ ازواجِ مطہرات نے نبی ﷺ کو قربانی کرنے کا صریح حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کو پتہ بھی نہیں تھا، جب ان کے پاس گوشت پہنچا تب معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی ہے، مگر بیوی کی طرف سے شوہر کو عرفاً اور دلالۃً اجازت ہوتی ہے، اور اتنی اجازت کافی ہے۔

[١١٥-] بَابُ ذَبْحِ الرَّجُلِ الْبَقَرَ عَنْ نِسَائِهِ مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِنَّ

[١٧٠٩-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِخَمْسٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ، لَا نُرَى إِلَّا الْحَجَّ، فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْ مَكَّةَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ، إِذَا طَافَ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ: أَنْ يَحِلَّ قَالَتْ: فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ قَالَ: نَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ أَزْوَاجِهِ، قَالَ يَحْيَى، فَذَكَرْتُهُ لِلْقَاسِمِ، فَقَالَ: أَتَتْكَ بِالْحَدِيْثِ عَلَى وَجْهِهِ. [راجع: ۲۹۴]

وضاحت: بَقَر: ۃ مدورہ کے بغیر اسم جنس ہے، ایک پر اور زائد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اور ۃ مدورہ کے ساتھ البقرۃ کے معنی ہیں: ایک گائے۔ اس صورت میں اشکال ہوگا کہ ایک گائے نو بیویوں کی طرف سے کیسے کافی ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ حدیث میں اسم جنس ہے، پس ایک سے زیادہ گائیں ذبح کی ہونگی یا بعض کا حصہ اونٹوں میں رکھا ہوگا، جیسے علیؓ کو اونٹوں میں شریک کیا تھا۔

قولہ: أتتك بالحديث: یحییٰ انصاری نے یہ حدیث قاسم بن محمد کو جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں: سنائی، انھوں نے فرمایا: عمرہ آپ کے پاس حدیث لائی ہیں اس کے رخ پر یعنی عمرہ نے حدیث صحیح محفوظ کی ہے اور صحیح روایت کی ہے، قاسم نے بھی یہ حدیث اپنی پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے، اس لئے تصدیق کی۔

بَابُ النَّحْرِ فِي مَنْحَرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمِنًى

منیٰ میں نبی ﷺ کی قربانی کی جگہ میں قربانی کرنا

ہدی کو حرم شریف میں ذبح کرنا ضروری ہے، اور پورے حرم میں کہیں بھی ذبح کر سکتے ہیں، مگر اب ہر سال پچیس تیس لاکھ آدمی حج کرتے ہیں اور زیادہ تر قربانی کرتے ہیں، پس اگر لوگوں کو ہر جگہ قربانی کرنے کی اجازت دی جائے گی تو پورا حرم گندہ ہوجائے گا اور بیماریاں پھیل جائیں گی، اس لئے گورنمنٹ نے منیٰ میں ذبح خانہ بنایا ہے، اب حرم میں ہر جگہ قربانی کرنے کی اجازت نہیں، ورنہ مسئلہ یہی ہے کہ پورے حرم میں کہیں بھی ہدی کا جانور ذبح کر سکتے ہیں۔

[۱۱۶-] بَابُ النَّحْرِ فِي مَنْحَرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمِنًى

[۱۷۱۰-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، سَمِعَ خَالِدَ بْنَ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ كَانَ يَنْحَرُ فِي الْمَنْحَرِ، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: مَنْحَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم [راجع: ۹۸۲]

[۱۷۱۱-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ بِهَدْيِهِ مِنْ جَمْعٍ، مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، حَتَّى يُدْخَلَ بِهِ مَنْحَرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صلى الله عليه وسلم، مَعَ حُجَّاجٍ فِيهِمُ الْحُرُّ وَالْمَمْلُوكُ. [راجع: ۹۸۲]

دوسری حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما مزدلفہ سے رات کے آخری پہر ہدی بھیج دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ قربانی حاجیوں کے ساتھ جن میں آزاد اور غلام سب ہوتے تھے نبی ﷺ کے نحر کرنے کی جگہ میں لے جائی جاتی تھی۔

تشریح: فيهم الحر والمملوك: پر حاشیہ ہے کہ آزاد کے ساتھ ہی ہدی بھیجنا ضروری نہیں، غلام اور آزاد کوئی بھی ہدی لے کر جاسکتا ہے۔

بَابُ مَنْ نَحَرَ بِيَدِهِ

جس نے اپنے ہاتھ سے قربانی ذبح کی

قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے، آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں تریسٹھ اونٹ بدست خود نحر فرمائے ہیں، اور قربانی بھی ہر سال خود ذبح فرماتے تھے۔

لطیفہ: ضلع غازی آباد میں ہاپوڑ کے قریب ایک گاؤں 'بروده' ہے وہاں کے مندر کا پجاری مسلمانوں کو چھیڑتا تھا کہ تم قربانیاں کیوں کرتے ہو؟ یہ جانوروں پر ظلم ہے، کسی کی جان لینے میں اللہ کا کیا فائدہ ہے! اور اسلام میں قربانی ضروری بھی نہیں، اسلام کے بنیادی ارکان چار ہیں، مسلمان اس کی باتوں سے پریشان تھے۔ میرے ایک دوست حافظ محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے سفیر تھے، ایک مرتبہ اس گاؤں میں گئے، لوگوں نے حافظ صاحب سے اس کا تذکرہ کیا، حافظ صاحب چند مسلمانوں کو لے کر سادھو کے پاس گئے اور کہا: پنڈت جی! آپ کیا باتیں کہتے ہو ہم سے بھی کہو، ہم بھی بوجھیں! اس نے وہی باتیں دہرائی۔ حافظ صاحب نے کہا: پنڈت جی! اسلام کے ارکان چار نہیں، پانچ ہیں۔ پنڈت نے پوچھا: پانچواں حکم کیا ہے؟ حافظ صاحبؒ نے کہا: جہاد! جہاد سے ہر کا فرواقف ہے بلکہ خائف ہے، اس نے تسلیم کیا کہ ہاں اسلام میں یہ حکم بھی ہے۔ حافظ صاحبؒ نے کہا: جہاد کی نوبت تو کبھی کبھی آتی ہے، ہم ہر سال قربانی کر کے ریہرسل کرتے ہیں تاکہ جب تمہارا نمبر آئے تو ہمارا ہاتھ چلے، یہ سنتے ہی سادھو کو سانپ سونگھ گیا اور پھر اس نے مسلمانوں کو پریشان کرنا چھوڑ دیا۔

[۱۱۷-] بَابُ مَنْ نَحَرَ بِيَدِهِ

[۱۷۱۲-] حدثنا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، وَذَكَرَ الْحَدِيثَ، قَالَ: وَنَحَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ سَبْعَ بُدْنٍ قِيَامًا، وَضَحَّى بِالْمَدِينَةِ كَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، مُخْتَصَرًا. [راجع: ۱۰۸۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے سات اونٹ نحر فرمائے درانحالیکہ وہ کھڑے تھے (باقی بٹھا کر نحر کئے) اور مدینہ منورہ میں ایسے دو مینڈھوں کی قربانی کی جو چتکبرے اور سینگ دار تھے (یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں) اور یہ روایت مختصر ہے، مفصل ابھی (حدیث ۱۷۱۴) آرہی ہے۔

بَابُ نَحْرِ الإِبِلِ الْمُقَيَّدَةِ

اونٹ کا پیر باندھ کر ذبح کرنا

اونٹ کا ذبح کرنے سے پہلے پیر باندھ دینا چاہئے، تاکہ کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس سے گذرے، اس نے نحر کرنے کے لئے اونٹ کو بٹھایا تھا، آپؓ نے فرمایا: اس کو کھڑا کر اور پاؤں باندھ دے پھر نحر کر، نبی ﷺ نے اسی طرح نحر کیا تھا۔

[۱۱۸-] بَابُ نَحْرِ الإِبِلِ الْمُقَيَّدَةِ

[۱۷۱۳-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ أَتَى عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا، قَالَ: ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً، سُنَّةُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ شُعْبَةُ: عَنْ يُوْنُسَ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ زِيَادٌ.

بَابُ نَحْرِ الْبُدْنِ قَائِمَةً

اونٹوں کو کھڑا کر کے ذبح کرنا

گذشتہ باب میں مُقَيَّدَة تھا، اس باب میں قائمة ہے، پس باب بدل گیا، سورۂ حج (آیت ۳۶) میں صَوافّ ہے، اس کے معنی ہیں: قیامًا۔

[۱۱۹-] بَابُ نَحْرِ الْبُدْنِ قَائِمَةً

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: سُنَّةُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿صَوَافَّ﴾ قِيَامًا.

[۱۷۱٤-] حدثنا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ أَرْبَعًا، وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ، فَبَاتَ بِهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ، فَجَعَلَ يُهَلِّلُ وَيُسَبِّحُ، فَلَمَّا عَلَا عَلَى الْبَيْدَاءِ لَبَّى بِهِمَا جَمِيْعًا، فَلَمَّا دَخَلَ مَكَّةَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَحِلُّوْا، وَنَحَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ سَبْعَةَ بُدْنٍ قِيَامًا، وَضَحَّى بِالْمَدِيْنَةِ كَبْشَيْنِ

أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ" [راجع: ۱۰۸۹]

[۱۷۱۵-] حدثنا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ أَرْبَعًا، وَالْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ.

وَعَنْ أَيُّوبَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، ثُمَّ بَاتَ حَتَّى أَصْبَحَ، فَصَلَّى الصُّبْحَ، ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهُ حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ الْبَيْدَاءَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ. [راجع: ۱۰۸۹]

قوله: سبعة بدن قياماً: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے ہیں، سات کھڑے کر کے نحر کئے تھے، باقی بٹھا کر، پس اونٹ کو دونوں طرح ذبح کرنا جائز ہے۔

بَابٌ: لَا يُعْطِي الْجَزَّارَ مِنَ الْهَدْيِ شَيْئًا

قصائی کو قربانی میں سے اجرت نہ دے

قربانی کا گوشت کھال قصائی کو اجرت میں نہیں دے سکتے، ہدیہ کے طور پر دے سکتے ہیں، جب دوسروں کو ہدیہ دے سکتے ہیں تو قصائی کو بھی دے سکتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی پر جو خرچ آئے گا وہ مالک کے ذمہ ہوگا، جیسے زکات غریب کو پہنچانے کی ذمہ داری مالدار کی ہے، پس ڈرافت کا چارج اور منی آرڈر فیس الگ سے ادا کرنی ہوگی، اسی طرح قصائی کی اجرت الگ سے ادا کرنی ہوگی، اس کو گوشت میں سے اجرت نہیں دے سکتے۔

[۱۲۰-] بَابٌ: لَا يُعْطِي الْجَزَّارَ مِنَ الْهَدْيِ شَيْئًا

[۱۷۱۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، أَنَا سُفْيَانُ، ثَنِي ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقُمْتُ عَلَى الْبُدْنِ، فَأَمَرَنِي فَقَسَمْتُ لُحُومَهَا، ثُمَّ أَمَرَنِي فَقَسَمْتُ جِلَالَهَا وَجُلُودَهَا. [راجع: ۱۷۰۷]

[۱۷۱۶م-] وَقَالَ سُفْيَانُ: ثَنِي عَبْدُ الْكَرِيمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: أَمَرَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَقُومَ عَلَى الْبُدْنِ، وَلَا أُعْطِيَ عَلَيْهَا شَيْئًا فِي جِزَارَتِهَا.

[راجع: ۱۷۰۷]

قوله: فقمتُ على البُدْن: پس میں قربانیوں کا ذمہ دار بنا .... **قوله: أن أقوم على البدن:** کہ میں ہدی کے اونٹوں کا انتظام کروں .... جُزارتها (بضم الجیم و کسرھا) اجرت ــ م: مکرر کا ہے، حدیث کا نمبر غلط ہو گیا ہے۔

بَابٌ: يُتَصَدَّقُ بِجُلُوْدِ الْهَدْيِ، وَبَابٌ: يُتَصَدَّقُ بِجِلاَلِ الْبُدْنِ

قربانی کی کھالیں اور جھولیں خیرات کی جائیں

یہ دو باب ہیں، قربانی کی کھالوں اور جھولوں کا صدقہ کرنا ضروری نہیں، کھال کا وہی حکم ہے جو گوشت کا ہے، قربانی کا گوشت مالدار کو بھی ہدیہ دے سکتے ہیں اور غریب کو بھی، پس کھال بھی غریب اور مالدار کو ہدیہ دے سکتے ہیں اور خود بھی استعمال کر سکتے ہیں، البتہ اگر قربانی کرنے والا کھال یا گوشت فروخت کرے تو قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح ہدی کے جھول، رسّی اور زنجیر وغیرہ کا صدقہ کرنا ضروری نہیں، یہ چیزیں صدقہ کرنا مستحب ہے۔

[۱۲۱-] بَابٌ: يُتَصَدَّقُ بِجُلُوْدِ الْهَدْيِ

[۱۷۱۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيىٰ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُسْلِمٍ، وَعَبْدُ الْكَرِيْمِ الْجَزَرِيُّ، أَنَّ مُجَاهِدًا أَخْبَرَهُمَا، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِيْ لَيْلَى أَخْبَرَهُ، أَنَّ عَلِيًّا أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَهُ أَنْ يَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهِ، وَأَنْ يَقْسِمَ بُدْنَهُ كُلَّهَا، لُحُوْمَهَا وَجُلُوْدَهَا وَجِلاَلَهَا، وَلاَ يُعْطِي فِي جِزَارَتِهَا شَيْئًا. [راجع: ۱۷۰۷]

[۱۲۲-] بَابٌ: يُتَصَدَّقُ بِجِلاَلِ الْبُدْنِ

[۱۷۱۸-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا سَيْفُ بْنُ أَبِيْ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا، يَقُوْلُ: ثَنِيْ ابْنُ أَبِيْ لَيْلَى، أَنَّ عَلِيًّا حَدَّثَهُ، قَالَ: أَهْدَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِائَةَ بَدَنَةٍ، فَأَمَرَنِيْ بِلُحُوْمِهَا فَقَسَمْتُهَا، ثُمَّ أَمَرَنِيْ بِجِلاَلِهَا فَقَسَمْتُهَا، ثُمَّ بِجُلُوْدِهَا فَقَسَمْتُهَا. [راجع: ۱۷۰۷]

بَابٌ: ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾

کونسی قربانی کھا سکتے ہیں، اور کونسی قربانی صدقہ کرنا ضروری ہے؟

یہ سورۃ الحج کی (آیات ۲۶-۳۰) ہیں، ان میں حج کا حکم اور فوائد کا بیان ہے، پھر آخر میں ہدایا (قربانیوں) کا ذکر ہے، بَوَّأَ فلاناً منزلاً: جگہ دینا، کسی مکان میں ٹھہرانا۔ بَوَّأْنَا له منزلاً: کوئی جگہ بتلانا، آیت میں یہی معنی ہیں۔ اور مجرد: بَاءَ بالشیئ وإلیه (ن) بَوْءً ا: لوٹنا۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی جگہ (بنیادیں) بتلادیں، اور باپ بیٹے نے مل کر مرکز توحید تیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے تین احکام دیئے: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ گردانا جائے، بیت اللہ کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں یعنی نماز پڑھنے والوں کے لئے پاک صاف رکھا جائے، اور لوگوں میں حج کا اعلان کیا جائے، پھر حج کے فوائد اور اس کے بعد قربانی کا تذکرہ ہے، ارشاد پاک ہے:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ، فَكُلُوْا مِنْهَا أَطْعِمُوْا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۝ ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ﴾

ترجمہ: اور حُجاج معلوم دنوں میں اللہ کا نام لیں ان پالتو چوپایوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے ہیں، پس تم ان میں سے کھاؤ اور بدحال محتاج کو کھلاؤ، پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنے میل کچیل دور کریں، اور چاہئے کہ وہ اپنی منتوں کو پورا کریں (حضرت ابن عباسؓ نے یہاں نذر سے قربانیاں مراد لی ہیں: روح المعانی) اور چاہئے کہ وہ واجب التکریم گھر کا طواف کریں یعنی طوافِ زیارت کریں، یہ بات تو ہو چکی، اور جو شخص اللہ کی قائم کی ہوئی حرمتوں کا پاس ولحاظ رکھے گا تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے پاس بہتر ہے، یعنی شعائر اللہ کی تعظیم بہت اچھی بات ہے، اور ہدایا بھی من جملہ شعائر ہیں (اور شروع آیات کا ترجمہ کتاب الحج کے باب دوم میں آچکا ہے)

آثار:

۱- ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: محرم نے کوئی شکار کیا اور اس کی جزاء میں قربانی کی تو اس کا تصدق ضروری ہے، اسی طرح منت کی قربانی کا بھی تصدق ضروری ہے، خود نہیں کھاسکتا، نہ مالدار کو کھلاسکتا ہے (اسی طرح دم جنایت کا تصدق بھی ضروری ہے) ان کے علاوہ قربانیاں کھاسکتا ہے (اور جب خود کھاسکتا ہے تو مالدار کو بھی کھلاسکتا ہے)

۲- عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: متمتع اور قارن اپنی قربانی میں سے کھاسکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاسکتا ہے۔

تشریح: امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک متمتع اور قارن اپنی قربانی میں سے نہیں کھاسکتے اور نہ کوئی مالدار کھاسکتا ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک خود بھی کھاسکتا ہے اور مالدار بھی کھاسکتا ہے۔ اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ متمتع اور قارن کی قربانی دم جبر ہے یا دم شکر؟ دم شکر میں سے مالدار اور غریب کھاسکتے ہیں، اور دم جبر صرف غریبوں کے لئے ہے، قربانی کرنے والا اور مالدار اس میں سے نہیں کھاسکتے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک وہ دم جبر ہے، ان کے نزدیک افعال اور سفر میں جو کمی ہوئی ہے اس کی تلافی کے لئے یہ دم ہے۔ اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک دم شکر ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک سفر میں دو کام کرنے کی توفیق دی اس کے شکریہ میں یہ قربانی ہے۔ تفصیل کتاب الحج باب ۳۴ میں گذر چکی ہے۔

[۱۲۳-] بَابٌ: ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ، وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ وَمَا يَأْكُلُ مِنَ الْبُدْنِ وَمَا يَتَصَدَّقُ

[۱-] وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: لَا يُؤْكَلُ مِنْ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَالنَّذْرِ، وَيُؤْكَلُ مِمَّا سِوَى ذٰلِكَ.

[۲-] وَقَالَ عَطَاءٌ: يَأْكُلُ وَيُطْعِمُ مِنَ الْمُتْعَةِ.

[۱۷۱۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: حَدَّثَنَا عَطَاءٌ، سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُوْلُ: كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثِ مِنًى، فَرَخَّصَ لَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "كُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا" فَأَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا.

قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَقَالَ: حَتَّى جِئْنَا الْمَدِيْنَةَ؟ قَالَ: لَا. [انظر: ۲۹۸۰، ۵۴۲۴، ۵۵۶۷]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم اپنی قربانیوں کا گوشت منیٰ کے تین دن (۱۰-۱۲) کے بعد نہیں کھاتے تھے، پس ہمیں نبی ﷺ نے اجازت دی، فرمایا: کھاؤ اور توشہ لو، پس ہم نے کھایا اور توشہ لیا۔ ابن جریج نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا: کیا حضرت جابرؓ نے حتّٰی جئنا المدینۃ (مدینہ پہنچنے تک) بھی کہا تھا؟ حضرت عطاءؒ نے کہا: نہیں۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے ایک سال اعلان کرایا تھا کہ قربانی کا گوشت صرف ایام قربانی (۱۰-۱۲) میں کھا سکتے ہیں، اس کے بعد کوئی قربانی کا گوشت نہ کھائے، اور یہ اعلان اس لئے کرایا تھا کہ مدینہ منورہ میں اچانک باہر سے بہت مسلمان آگئے تھے، پس آپؐ نے چاہا کہ سب کو گوشت پہنچے، مگر آئندہ سال بھی صحابہ نے اس پر عمل کیا تو آپؐ نے پھر اعلان کرایا کہ ایام قربانی کے بعد بھی قربانی کا گوشت کھا سکتے ہیں، چنانچہ حجۃ الوداع میں لوگوں نے قربانیوں کا گوشت کھایا بھی اور توشہ کے طور پر ساتھ بھی لیا۔ معلوم ہوا کہ متمتع اور قارن کی قربانی دم شکر ہے اور ہر کوئی اس کو کھا سکتا ہے۔

نوٹ: مصری نسخہ میں وما یاکل سے پہلے باب ۱۲۴ ہے، ہمارے نسخہ میں نہیں ہے، چنانچہ باب اور اسکا نمبر حذف کیا ہے۔

[۱۷۲۰-] حدثنا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، ثَنِي يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَتْنِي عَمْرَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لِخَمْسٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ، وَلَا نُرَى إِلَّا الْحَجَّ، حَتَّى إِذَا دَنَوْنَا مِنْ مَكَّةَ، أَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ، إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ أَنْ يَحِلَّ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَدُخِلَ عَلَيْنَا يَوْمَ النَّحْرِ بِلَحْمِ بَقَرٍ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ فَقِيْلَ: ذَبَحَ النَّبِيُّ

صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ أَزْوَاجِهِ.
قَالَ يَحْيَى: فَذَكَرْتُ هٰذَا الْحَدِيْثَ لِلْقَاسِمِ، فَقَالَ: أَتَتْكَ بِالْحَدِيْثِ عَلٰى وَجْهِهِ. [راجع: ۲۹۴]

وضاحت: آنحضور ﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح کی تھی اور گوشت ازواج کے پاس بھیجا تھا، جبکہ ازواج مطہرات نے تمتع کیا تھا، معلوم ہوا کہ متمتع اور قارن کی قربانی دم شکر ہے اور اس کو قربانی کرنے والا کھا سکتا ہے۔

بَابُ الذَّبْحِ قَبْلَ الْحَلْقِ

سر منڈانے سے پہلے جانور ذبح کرنا

ذی الحجہ کی دس تاریخ کو منیٰ میں چار کام کرنے ہوتے ہیں: پہلے رمی، پھر قربانی، پھر سر منڈا کر یا زلفیں بنوا کر احرام کھولنا، پھر طواف زیارت کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ کام اسی ترتیب سے ادا کئے ہیں، اور یہی ترتیب صحابہ کرام کو بتائی گئی تھی، البتہ یہ ترتیب واجب ہے یا سنت؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک متمتع اور قارن پر رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب واجب ہے، تقدیم وتاخیر کی صورت میں دم واجب ہوگا، اور طواف زیارت میں ترتیب واجب نہیں، البتہ مناسک ثلاثہ کے بعد طواف زیارت کرنا مسنون ہے، اور مفرد پر چونکہ قربانی واجب نہیں اس لئے اس پر صرف رمی اور حلق میں ترتیب واجب ہے۔ احناف کے یہاں فتوی اسی پر ہے اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک مذکورہ چاروں مناسک میں ترتیب سنت ہے، پس تقدیم وتاخیر سے کوئی دم واجب نہیں ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ منیٰ میں نبی ﷺ سے مناسک کی تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں متعدد سوالات کئے گئے ہیں مثلاً: (۱) کسی نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا (۲) کسی نے رمی سے پہلے قربانی کر ڈالی (۳) کسی نے رمی سے پہلے سر منڈالیا (۴) کسی نے شام کو رمی کی (۵) کسی نے سر منڈانے سے پہلے طواف زیارت کرلیا، آپؐ نے سب کو ایک جواب دیا: افعل ولا حرج: کوئی بات نہیں، آگے کا کام کرو (یہ سب روایات مشکوۃ باب التحلل میں ہیں) آپؐ نے کسی پر دم واجب نہیں کیا، اور حاجت کے موقع پر خاموشی بیان ہوتی ہے، دم واجب ہوتا تو آپؐ اس کی وضاحت فرماتے، پس ثابت ہوا کہ مناسک اربعہ میں ترتیب سنت ہے، یہ جمہور کا استدلال ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ لَاحَرَج والی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے (یہ حدیث باب میں ہے) پھر ابن عباسؓ کا فتوی ہے: من قَدَّمَ شيئًا من حجه أو أخره فليُهْرِق لذلك دما: جو مناسک میں تقدیم وتاخیر کردے اس کو چاہئے کہ دم دے، اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیا تو دم واجب ہے، پھر آپؒ نے دلیل میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ پڑھی: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾: اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے (یہ دونوں روایتیں ابن ابی شیبہ نے

سند صحیح سے روایت کی ہیں، اعلاء السنن ۱۰: ۱۵۹) اور سورۃ الحج کی آیات ۲۶-۲۹ سے بھی حلق پر قربانی کی تقدیم صاف مفہوم ہوتی ہے، اور طواف کی ترتیب پر دلالت کرنے والا کوئی حرف نہیں، اور رمی کی تقدیم سب مناسک پر فعل نبوی اور ارشاد: خُذُوْا عنی مَناسککم سے ثابت ہے۔

اور لاحَرَج والی روایات میں تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، جب کوئی نیا مسئلہ بتایا جاتا ہے تو جو فوری الجھن پیش آتی ہے اس میں شریعت سہولت دیتی ہے، اور دلیل حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ترمذی (حدیث ۱۴۹۶) میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے ماموں کو ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی کی اجازت دی تھی، اور فرمایا تھا: لاتُجزِیُٔ جذعةٌ بعدك: یہ سہولت صرف آپ کے لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں۔ یہی تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، چونکہ یہ حج کا پہلا موقع تھا اور لوگوں کو اگرچہ مناسک کی ترتیب بتادی گئی تھی مگر عدم مزاولت کی وجہ سے خلاف ورزی ہوگئی، تو آپؐ نے درگذر فرمایا، اور کفارہ کا حکم نہیں دیا۔

اور دلیل یہ ہے کہ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ ایک صاحب نے طوافِ زیارت سے پہلے سعی کرلی، تو آپؐ نے فرمایا: لاَحَرَج کوئی بات نہیں (ابوداؤد، مشکوۃ حدیث ۲۶۵۸) حالانکہ اس صورت میں بالاجماع دم واجب ہے۔

اور ترتیب کے وجوب کا ایک قرینہ یہ ہے کہ منیٰ میں سوال کرنے والوں کا ہجوم ہوگیا تھا، لوگ گھبرائے ہوئے مسائل دریافت کررہے تھے، وہ اسی وجہ سے تھا کہ مناسک میں ترتیب واجب تھی، اور یہ بات صحابہ کو بتادی گئی تھی، اگر ترتیب محض سنت ہوتی تو صحابہ کے لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی، پس بیان کے موقع پر سکوت کی بات یہاں برمحل نہیں، کیونکہ صحابہ کو یہ بات پہلے سے بتائی جاچکی تھی اس کی کچھ تفصیل کتاب العلم باب ۲۳ (تحفۃ القاری ۱: ۳۶۳) میں بھی گذری ہے۔

[۱۲۵-] بَابُ الذَّبْحِ قَبْلَ الْحَلْقِ

[۱۷۲۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَوْشَبٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، ثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ زَاذَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَمَّنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ، وَنَحْوِهِ، فَقَالَ: " لاَ حَرَجَ، لاَ حَرَجَ"[راجع: ۸٤]

ترجمہ: نبی ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا، اور اس جیسی غلطی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: کچھ حرج نہیں، کچھ حرج نہیں!.........اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحیح ترتیب وہ ہے جو باب میں ہے یعنی پہلے قربانی کرنی چاہئے پھر سر منڈانا چاہئے، اس سے قطع نظر کہ ترتیب واجب ہے یا سنت۔

[۱۷۲۲-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، نَا أَبُوْ بَكْرٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: زُرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: "لاَحَرَجَ" قَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ

أَذْبَحَ، قَالَ: "لَاحَرَجَ" قَالَ: ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: "لَا حَرَجَ"

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّازِيُّ، عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ، أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه سلم.

وَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى، ثَنِي ابْنُ خُثَيْمٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَقَالَ عَفَّانُ: أُرَاهُ عَنْ وُهَيْبٍ، ثَنَا ابْنُ خُثَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

وَقَالَ حَمَّادٌ، عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ، وَعَبَّادِ بْنِ مَنْصُوْرٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا: میں نے رمی سے پہلے طواف زیارت کرلیا؟ آپؐ نے فرمایا: کچھ حرج نہیں! دوسرے نے عرض کیا: میں نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا؟ آپؐ نے فرمایا: کچھ حرج نہیں! ایک اور شخص نے عرض کیا: میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی؟ آپؐ نے فرمایا: کچھ حرج نہیں۔

تعلیقات: اس حدیث کو عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کیا ہے اور حضرت جابرؓ سے بھی، اور سعید بن جبیر بھی یہ حدیث ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث نہ کسی کے موافق ہے نہ مخالف، کیونکہ مناسک ثلاثہ اور طواف زیارت میں ترتیب بالاجماع واجب نہیں، پس تقدیم وتاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور دوسرے دونوں سائل اگر مفرد تھے تو ان پر قربانی واجب نہیں تھی، پس ان کے لئے رمی سے پہلے قربانی اور قربانی سے پہلے حلق جائز تھا۔ غرض جب تک ان دونوں سائلوں کا متمتع یا قارن ہونا ثابت نہ ہو یہ حدیث جمہور کی دلیل نہیں بن سکتی، اور یہ ثابت کرنا اب ممکن نہیں۔

[۱۷۲۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: رَمَيْتُ بَعْدَ مَا أَمْسَيْتُ، فَقَالَ: "لَاحَرَجَ" فَقَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ، قَالَ: "لَاحَرَجَ" [راجع: ۸۴]

[۱۷۲۴-] حدثنا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي مُوْسَى، قَالَ: قَدِمْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ بِالْبَطْحَاءِ، فَقَالَ: "أَحَجَجْتَ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "بِمَا أَهْلَلْتَ؟" قُلْتُ: لَبَّيْكَ بِإِهْلَالٍ كَإِهْلَالِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "أَحْسَنْتَ، انْطَلِقْ، فَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ" ثُمَّ أَتَيْتُ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ بَنِي قَيْسٍ، فَفَلَتْ رَأْسِي، ثُمَّ أَهْلَلْتُ بِالْحَجِّ، فَكُنْتُ أُفْتِي بِهِ النَّاسَ حَتَّى خِلَافَةِ عُمَرَ، فَذَكَرْتُهُ لَهُ. فَقَالَ: إِنْ نَأْخُذْ بِكِتَابِ اللهِ

فَإِنَّهُ يَأْمُرُنَا بِالتَّمَامِ، وَإِنْ نَأْخُذْ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَحِلَّ حَتّٰى بَلَغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ. [راجع: ۱۵۵۹]

وضاحت: دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے گیارہ کی صبح صادق تک ہے، پس اگر کوئی رات میں رمی کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

حوالہ: دوسری حدیث کتاب الحج باب ۳۲ میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔

بَابُ مَنْ لَبَّدَ رَأْسَهُ عِنْدَ الإِحْرَامِ وَحَلَقَ

جس نے احرام کے وقت بالوں کو چپکایا اور سر منڈایا

احرام کھولنے کے لئے حلق یا قصر کرنا ضروری ہے، لیکن اگر تلبید کی ہے یعنی کسی لیس دار مادے سے بالوں کو چپکایا ہے تو پھر سر منڈانا چاہئے، یہ اس باب کا مقصد ہے، آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں احرام باندھنے سے پہلے اپنے بالوں کو لیس دار مادے سے چپکایا تھا، چنانچہ آپؐ نے حلق کرایا۔

[۱۲۶-] بَابُ مَنْ لَبَّدَ رَأْسَهُ عِنْدَ الإِحْرَامِ وَحَلَقَ

[۱۷۲۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوْا بِعُمْرَةٍ، وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ؟ قَالَ: "إِنِّيْ لَبَّدْتُ رَأْسِيْ، وَقَلَّدْتُ هَدْيِيْ، فَلاَ أَحِلُّ حَتّٰى أَنْحَرَ" [راجع: ۱۵۶۶]

سوال: اس حدیث میں صرف تلبید کا ذکر ہے، حلق کا ذکر نہیں؟ جواب: تلبید اور حلق میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جس نے تلبید کی ہے وہ بال کیسے ترشوائے گا؟ لامحالہ اسے حلق کرانا ہوگا، پس اشارۃ النص سے حلق ثابت ہوگیا۔

بَابُ الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيْرِ عِنْدَ الإِحْلاَلِ

احرام کھولتے وقت سر منڈانا اور زلفیں بنوانا

اگر تلبید نہیں کی ہے تو حلق اور قصر میں اختیار ہے البتہ حلق افضل ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے سر منڈانے والوں کو تین بار اور قصر کرنے والوں کو ایک بار دعا دی ہے۔

اور سر منڈا کر احرام کھولنا دو وجہ سے افضل ہے:

پہلی وجہ: جب لوگ بادشاہوں کے دربار میں جاتے ہیں تو صفائی کا خوب اہتمام کرتے ہیں، حجاج بھی احرام کھول کر

طوافِ زیارت کے لئے دربارِ خداوندی میں جائیں گے پس ان کو بھی خوب صاف ہوکر حاضر ہونا چاہئے، اور سر منڈانے سے سر کا میل کچیل اچھی طرح صاف ہوجاتا ہے اس لئے یہ افضل ہے۔

دوسری وجہ: سر منڈا کر احرام کھولنے کا اثر کئی روز تک باقی رہتا ہے، جب تک بال بڑھ نہیں جائیں گے ہر دیکھنے والا محسوس کرے گا کہ اس نے حج کیا ہے، پس اس سے حج کی شان بلند ہوگی، اس لئے حلق افضل ہے۔

فوائد:

۱- قصر کا مفہوم سر کے بال تھوڑے تھوڑے کتروانا نہیں ہے، اگرچہ اس سے بھی احرام کھلتا ہے بلکہ قصر کا مطلب ہے: پٹھے کٹوانا، زلفیں بنوانا، یعنی پیچھے سے بال کٹوانا، قصر میں لمبائی میں کم از کم ایک انملہ اور مقدار میں چوتھائی سر کے برابر بال کٹنے ضروری ہیں، اس سے کم بال کٹوانے میں احرام نہیں کھلے گا، اور عورت کے لئے حلق کرانا حرام ہے، وہ قصر کرائے گی، اس کے لئے بھی لمبائی میں ایک انملہ اور مقدار میں ربع رأس کے بال کٹنے ضروری ہیں۔ بعض عورتوں کی چوٹی آخر میں پتلی ہوجاتی ہے ان کو تھوڑے اوپر سے بال کاٹنے چاہئیں، کیونکہ کٹے ہوئے بال اگر چوتھائی سر کے برابر نہیں ہونگے تو احرام نہیں کھلے گا، اور امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے، ایک بال بھی رہ گیا تو احرام نہیں کھلے گا، اور صاحبین کے نزدیک آدھے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تین بال کاٹنے سے بھی احرام کھل جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا حلق یا قصر ضروری ہے، غرض مسح رأس میں جو اختلاف ہے وہی اختلاف یہاں بھی ہے۔

۲- احرام کھولنے کا یہ طریقہ اس لئے تجویز کیا گیا ہے کہ یہ احرام سے نکلنے کی ایک مناسب صورت ہے، جو متانت کے منافی نہیں، اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا تو وہ احرام سے نکلنے کے لئے معلوم نہیں کیا کیا طریقے اختیار کریں گے، کوئی جماع سے احرام کھولے گا کوئی کچھ اور کرے گا، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۴:۲۰۷) میں ہے۔

۳- جب آدمی حج یا عمرہ کے تمام ارکان سے فارغ ہوجائے تو خود اپنا سر بھی مونڈ سکتا ہے اور دوسرے ایسے شخص کا بھی سر مونڈ سکتا ہے جو ارکان سے فارغ ہوگیا ہے، اس میں کوئی جنایت نہیں، جیسے میاں بیوی دونوں تمام ارکان سے فارغ ہوگئے پس مرد: عورت کی چوٹی کاٹ سکتا ہے اور عورت خود بھی اپنی چوٹی کاٹ سکتی ہے، آئندہ حدیث (نمبر ۲۷۳۱ و ۲۷۳۲ کتاب الشروط) میں یہ مسئلہ صراحتاً مذکور ہے اور اگر حالق یا محلوق یا دونوں کے ارکان پورے نہیں ہوئے تو حالق پر صدقہ واجب ہے اور محلوق پر دم (زبدۃ المناسک ص:۱۷۶ مولانا شیر محمد صاحبؒ)

[۱۲۷-] بَابُ الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ عِنْدَ الإِحْلَالِ

[۱۷۲۶-] حدثنا أَبُو الْيَمَانِ، أَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ، قَالَ نَافِعٌ، كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: حَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي حَجَّتِهِ. [انظر: ۴۴۱۰، ۴۴۱۱]

[۱۷۲۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ" قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ!" قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "وَالْمُقَصِّرِيْنَ"

وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ: "رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِيْنَ" مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ. قَالَ: وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ: ثَنِيْ نَافِعٌ، قَالَ فِي الرَّابِعَةِ: "وَالْمُقَصِّرِيْنَ"

[۱۷۲۸-] حدثنا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، ثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِيْ زُرْعَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ!" قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ، قَالَ: "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ!" قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ، قَالَهَا ثَلَاثًا. قَالَ: "وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ"

[۱۷۲۹-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: حَلَقَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، وَطَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ. [راجع: ۱۶۳۹]

[۱۷۳۰-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: قَصَّرْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِمِشْقَصٍ.

قوله: اللّٰهم ارحم المحلقين: اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما، لوگوں نے لقمہ دیا: والمقصّرین یعنی بال ترشوانے والوں کو بھی دعا میں شامل فرمائیں، آپؐ نے پھر یہی دعا کی، لوگوں نے پھر لقمہ دیا، تیسری یا چوتھی مرتبہ آپؐ نے قصر کرانے والوں کو بھی دعا میں شامل فرمایا۔ اس سے حلق کی فضیلت نکلی۔

قوله: قصّرتُ عن رسول اللّٰہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کے بال پیکان سے تراشے، یہ عمرہ جعرانہ کا واقعہ ہے، آنحضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد جعرانہ سے ایک عمرہ کیا ہے، دیر رات میں مکہ تشریف لے گئے اور رات ہی میں عمرہ کر کے جعرانہ میں واپس آگئے، اس لئے یہ عمرہ بہت سوں پر مخفی رہا، اس موقعہ پر آپؐ نے پٹھے بنوائے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی برچھی کی انی سے بال کاٹے تھے۔

بَابُ تَقْصِيْرِ الْمُتَمَتِّعِ بَعْدَ الْعُمْرَةِ

تمتع کرنے والے کا عمرہ کے بعد بال ترشوانا

جب عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور افعالِ عمرہ کر کے احرام کھولے تو بال ترشوائے، سر نہ منڈائے، کیونکہ چند روز کے بعد حج کا احرام باندھے گا، اس سے فارغ ہو کر سر منڈائے گا، یہ اس باب کا مقصد ہے۔

[۱۲۸-] بَابُ تَقْصِيْرِ الْمُتَمَتِّعِ بَعْدَ الْعُمْرَةِ

[۱۷۳۱-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ، ثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، ثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، أَخْبَرَنِيْ كُرَيْبٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يَطُوْفُوْا بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ يَحِلُّوْا وَيَحْلِقُوْا أَوْ يُقَصِّرُوْا. [راجع: ۱۵۴۵]

قوله: يَحلقوا أو يُقصّروا: یعنی دونوں کراسکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ عمرہ کرکے بال ترشوائے پھر حج سے فارغ ہوکر سر منڈائے۔

بَابُ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ

۱۰ ذی الحجہ کو طواف زیارت کرنا

آنحضور ﷺ نے طواف زیارت دن میں کیا تھا یا رات میں؟ دونوں طرح کی روایتیں ہیں، اور راجح یہ ہے کہ آپؐ نے دن میں طواف کیا تھا اور اونٹ پر بیٹھ کر کیا تھا تا کہ سب لوگ آپؐ کا طواف دیکھیں اور طواف کا طریقہ سیکھیں، رات میں اونٹ پر بیٹھ کر طواف کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اندھیرے میں کون دیکھے گا؟

جاننا چاہئے کہ آنحضور ﷺ مزدلفہ سے سیدھے جمرات پر آئے تھے، پہلے رمی کی، پھر قربانی کی، پھر حلق کرا کر احرام کھولا، پھر مکہ گئے اور طواف زیارت کیا، اور ظہر سے پہلے منیٰ لوٹ آئے، اور ظہر تا عشاء چار نمازیں منیٰ میں پڑھیں، پھر عشاء کے بعد کچھ دیر سو گئے، پھر اٹھ کر مکہ گئے اور نفلی طواف کیا، اور صبح سے پہلے واپس آ گئے، یہاں سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی، انھوں نے اس کو طواف زیارت سمجھا اور یہ روایت کیا کہ نبی ﷺ نے طواف زیارت رات میں کیا ہے، جبکہ وہ نفلی طواف تھا، اور منیٰ کی تمام راتوں میں آپؐ نے نفلی طواف کیا ہے، عشاء پڑھا کر کچھ دیر سو جاتے، پھر اٹھ کر مکہ تشریف لے جاتے اور طواف کر کے رات ہی میں لوٹ آتے، کیونکہ منیٰ کی راتیں منیٰ میں گذارنا سنت ہے۔ غرض آنحضور ﷺ نے دن میں طواف زیارت کیا ہے، رات تک مؤخر کرنے کی روایت غلط فہمی پر مبنی ہے۔

مسئلہ: طواف زیارت کا وقت دس کی صبح صادق سے بارہ کے غروب تک ہے، اس درمیان جب چاہیں رات اور دن میں طواف کر سکتے ہیں، اگر بارہ تاریخ کے غروب تک طواف زیارت نہیں کیا تو طواف کے علاوہ دم بھی واجب ہوگا، البتہ حائضہ اور نفاس والی عورت جب پاک ہو طواف کرے گی، اور ان پر تاخیر کی وجہ سے دم واجب نہیں۔

[۱۲۹-] بَابُ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ

[۱-] وَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، وَابْنِ عَبَّاسٍ: أَخَّرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الزِّيَارَةَ إِلَى اللَّيْلِ.

[۲-] وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي حَسَّانٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَزُوْرُ الْبَيْتَ أَيَّامَ مِنًى.

[۱۷۳۲-] وَقَالَ لَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ: ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ طَافَ طَوَافًا وَاحِدًا، ثُمَّ يَقِيْلُ، ثُمَّ يَأْتِي مِنًى، يَعْنِي يَوْمَ النَّحْرِ. وَرَفَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ.

[۱۷۳۳-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ، عَنِ الأَعْرَجِ، ثَنِي أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَفَضْنَا يَوْمَ النَّحْرِ، فَحَاضَتْ صَفِيَّةُ، فَأَرَادَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْهَا مَا يُرِيْدُ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِهِ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّهَا حَائِضٌ، قَالَ: "حَابِسَتُنَا هِيَ؟" قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ، أَفَاضَتْ يَوْمَ النَّحْرِ، قَالَ: "اخْرُجُوْا" [راجع: ۲۹٤]

وَيُذْكَرُ عَنِ الْقَاسِمِ، وَعُرْوَةَ، وَالأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَفَاضَتْ صَفِيَّةُ يَوْمَ النَّحْرِ.

قوله: كان يزور البيت: آنحضور ﷺ منیٰ کی راتوں میں بیت اللہ کی زیارت کرتے تھے یعنی طواف کرتے تھے۔ ابن عمرؓ نے طوافِ زیارت کرکے تھوڑی دیر آرام کیا، پھر ظہر سے پہلے منیٰ لوٹ آئے، اور ابن عمرؓ سنت کی پیروی کی پوری کوشش کرتے تھے، معلوم ہوا کہ آپؐ نے بھی طوافِ زیارت دن میں کیا ہے، اور ظہر سے پہلے کیا ہے۔

قوله: فافضنا يوم النحر: ازواج مطہرات نے بھی دن میں طواف کیا تھا.......... **قوله: فأراد النبيُّ:** آنحضور ﷺ نے ذوالحلیفہ میں بھی تمام ازواج سے صحبت فرمائی تھی پھر احرام باندھا تھا، اور منیٰ میں بھی احرام کھولنے کے بعد تمام ازواج سے صحبت فرمائی تھی، پھر منیٰ کی کسی اور رات میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مباشرت کا ارادہ فرمایا، پس عرض کیا گیا کہ وہ حائضہ ہیں، آپؐ نے فرمایا: کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں؟ یعنی ان کی وجہ سے سارے قافلہ کو رکنا پڑے گا؟ عرض کیا گیا کہ انھوں نے طوافِ زیارت کرلیا ہے، آپؐ نے فرمایا: تو نکلو یعنی مدینہ کے لئے روانہ ہوجاؤ۔

بَابٌ: إِذَا رَمَى بَعْدَ مَا أَمْسَى، أَوْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ نَاسِيًا أَوْ جَاهِلاً

کوئی شام کو رمی کرے یا بھول سے یا لاعلمی سے قربانی سے پہلے سر منڈالے

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: اگر کوئی شخص رات میں رمی کرے تو کچھ مضائقہ نہیں، کیونکہ پہلے دن کی رمی کا وقت دس کی صبح صادق سے اگلے دن کی صبح صادق تک ہے اور گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت زوال سے اگلے دن کی صبح صادق تک ہے، پس اگر کوئی رات میں رمی کرے تو کچھ حرج نہیں۔

دوسرا مسئلہ: اگر بھول کر یا مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے قربانی سے پہلے سر منڈالیا تو جمہور کے نزدیک کچھ واجب نہیں، کیونکہ مناسک ثلاثہ میں ترتیب ان کے نزدیک سنت ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اگر وہ قارن یا متمتع ہے تو دم

واجب ہوگا، اور مفرد ہے تو کچھ واجب نہیں، کیونکہ مفرد پر قربانی واجب نہیں۔

[۱۳۰-] بَابٌ: إِذَا رَمَى بَعْدَ مَا أَمْسَى، أَوْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ نَاسِيًا أَوْ جَاهِلًا

[۱۷۳٤-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قِيْلَ لَهُ فِي الذَّبْحِ وَالْحَلْقِ وَالرَّمْيِ وَالتَّقْدِيْمِ وَالتَّأْخِيْرِ، فَقَالَ: " لَا حَرَجَ" [راجع: ۸٤]

[۱۷۳٥-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُسْأَلُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى، فَيَقُوْلُ: " لَاحَرَجَ" فَسَأَلَهُ رَجُلٌ؟ فَقَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ؟ قَالَ: " اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ" قَالَ: رَمَيْتُ بَعْدَ مَا أَمْسَيْتُ؟ فَقَالَ: " لَاحَرَجَ" [راجع: ۸٤]

بَابُ الْفُتْيَا عَلَى الدَّابَّةِ عِنْدَ الْجَمْرَةِ

جمرۃ کے پاس سواری پر سے مسئلہ بتانا

یہ مسئلہ کتاب العلم میں گذر چکا ہے، اور حدیثیں بھی گذری ہیں، سائل اور مسئول کا زمین پر ہونا ضروری نہیں، سواری پر سے بھی مسئلہ بتا سکتے ہیں۔ یہاں عند الجمرۃ کی قید بڑھادی تو نیا باب ہوگیا (دیکھئے تحفۃ القاری ۱:۳۶۳)

[۱۳۱-] بَابُ الْفُتْيَا عَلَى الدَّابَّةِ عِنْدَ الْجَمْرَةِ

[۱۷۳٦-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِيْسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَجَعَلُوْا يَسْأَلُوْنَهُ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، قَالَ: " اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ" فَجَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: " ارْمِ وَلَا حَرَجَ" فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ، إِلَّا قَالَ: " افْعَلْ وَلَا حَرَجَ" [راجع: ۸۳]

[۱۷۳۷-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، ثَنَا أَبِيْ، ثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ عِيْسَى ابْنِ طَلْحَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: كُنْتُ أَحْسِبُ أَنَّ كَذَا قَبْلَ كَذَا، ثُمَّ قَامَ آخَرُ، فَقَالَ: كُنْتُ أَحْسِبُ أَنَّ كَذَا قَبْلَ كَذَا، حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ، نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، وَأَشْبَاهَ ذٰلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "افْعَلْ وَلَا حَرَجَ" قَالَ لَهُنَّ كُلِّهِنَّ، فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا قَالَ: " افْعَلْ وَلَا حَرَجَ" [راجع: ۸۳]

[۱۷۳۸-] حدثنا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ، نَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا أَبِيْ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، ثَنِيْ عِيْسَى بْنُ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَلٰى نَاقَتِهِ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ. تَابَعَهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ.[راجع: ۸۳]

قوله: لم أشعر: مجھے خیال نہ رہا اور میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈا لیا .... **قوله: فما سُئل:** تقدیم وتاخیر کے بارے میں جو بھی سوال کرتا آپ یہی جواب دیتے کہ کوئی بات نہیں .... **قوله: كنتُ أحسب:** میں ایسا سمجھتا تھا کہ یہ کام پہلے کرنا ہے اور یہ بعد میں جبکہ میرا سمجھنا صحیح نہیں تھا، میں نے الٹا کر دیا .... **قوله: لهن كلّهن:** ہر سوال کا یہی جواب دیتے کہ کوئی حرج نہیں۔

بَابُ الْخُطْبَةِ أَيَّامَ مِنًى

منیٰ کے دنوں میں تقریر

آج کل امیر موسم صرف عرفہ میں ظہرین سے پہلے تقریر کرتا ہے، مزدلفہ اور منیٰ میں کوئی تقریر نہیں کرتا، لیکن نبی ﷺ نے منیٰ میں بھی تقریر فرمائی تھی، اور وہ عام نصیحت تھی، حج کے بارے میں نہیں تھی، کیونکہ حج سے فراغت ہو چکی تھی۔

[۱۳۲-] بَابُ الْخُطْبَةِ أَيَّامَ مِنًى

[۱۷۳۹-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: " يٰأَيُّهَا النَّاسُ! أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟" قَالُوْا: يَوْمٌ حَرَامٌ، قَالَ: " فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟" قَالُوْا: بَلَدٌ حَرَامٌ، قَالَ: " فَأَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟" قَالُوْا: شَهْرٌ حَرَامٌ، قَالَ: " فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا" فَأَعَادَهَا مِرَارًا. ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: " اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟"- قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّهَا لَوَصِيَّتُهُ إِلٰى أُمَّتِهِ-" فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ"[انظر: ۷۰۷۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دس ذی الحجہ کو نبی ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا: پس آپؐ نے پوچھا: لوگو! آج کونسا دن ہے؟ انھوں نے عرض کیا: محترم دن ہے، آپؐ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ عرض کیا: محترم شہر ہے، آپؐ نے پوچھا: یہ کونسا مہینہ ہے؟ عرض کیا: حرمت والا مہینہ ہے، آپؐ نے فرمایا: بیشک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو تمہارے درمیان ایک دوسرے پر حرام ہیں اس دن، اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت کی طرح۔ بار بار آپؐ نے یہ

بات دوہرائی، پھر سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا، اور فرمایا: اے اللہ (آپ گواہ رہیں) کیا میں نے آپ کا حکم پہنچادیا (آپ گواہ رہیں) کیا میں نے آپ کا حکم پہنچادیا —— ابن عباسؓ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! بیشک یہ آپؐ کی وصیت ہے اپنی امت کو —— پس چاہئے کہ حاضر غائب کو پہنچائے، میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

[١٧٤٠-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ بِعَرَفَاتٍ، تَابَعَهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو.

[انظر: ١٨٤١، ١٨٤٣، ٥٨٠٤، ٥٨٥٣]

[١٧٤١-] حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ، ثَنَا قُرَّةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ، أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ، وَرَجُلٍ أَفْضَلُ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ، قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: "أَتَدْرُوْنَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟" قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: "أَلَيْسَ يَوْمُ النَّحْرِ" قُلْنَا: بَلٰى! قَالَ: "أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟" قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: "أَلَيْسَ ذُو الْحَجَّةِ؟" قُلْنَا: بَلٰى! قَالَ: "أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟" قُلْنَا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: "أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟" قُلْنَا: بَلٰى! قَالَ: "فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟" قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: "اللّٰهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ، وَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ" [راجع: ٦٧]

قوله: يخطب بعرفات: نبی ﷺ نے اصل تقریر عرفہ میں ظہر سے پہلے کی تھی، اس میں مناسک سکھلائے تھے اور منیٰ میں عام نصیحت فرمائی تھی .... **قوله: ورجل أفضل:** محمد بن سیرین رحمہ اللہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن سے بھی یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور حمید بن عبدالرحمٰن سے بھی۔ ابن سرین کہتے ہیں: میرے نزدیک حمید: عبدالرحمٰن سے افضل ہیں (اور عبدالرحمٰن بھی بڑے آدمی ہیں، کرمان کے قاضی تھے) اور وہ دونوں ابوبکرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور حدیث کتاب العلم باب ۹ (تحفۃ القاری ۱: ۳۳۲) میں گذر چکی ہے۔

[١٧٤٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ، أَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِمِنًى: "أَتَدْرُوْنَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا" قَالُوْا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ

أَعْلَمُ! قَالَ: " فَإِنَّ هٰذَا يَوْمٌ حَرَامٌ، أَفَتَدْرُوْنَ أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟" قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: " بَلَدٌ حَرَامٌ" قَالَ: أَتَدْرُوْنَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟" قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ! قَالَ: " شَهْرٌ حَرَامٌ" قَالَ: "فَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا"

وَقَالَ هِشَامُ بْنُ الْغَازِ: أَنَا نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: وَقَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ النَّحْرِ بَيْنَ الْجَمَرَاتِ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي حَجَّ: بِهٰذَا. وَقَالَ: " هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ" فَطَفِقَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: " اللّٰهُمَّ اشْهَدْ" وَوَدَّعَ النَّاسَ، فَقَالُوْا: هٰذِهِ حَجَّةُ الْوَدَاعِ.

[انظر: ۴۴۰۳، ۶۰۴۳، ۶۱۶۶، ۶۷۸۵، ۶۸۶۸، ۷۰۷۷]

قوله: بهذا: أي بالحديث الذي تقدم من طريق محمد بن زيد (فتح)

قوله: وودّع الناس: اورآپ نے لوگوں کورخصت کیا،آپ نے منیٰ کی اس تقریر میں تبلیغ دین واحکام پہنچانے پرلوگوں کوگواہ بنایا، پھرلوگوں کے اقرار پراللہ کوگواہ بنایا، یہ آپ نے لوگوں کورخصت کیا، یعنی اس طرف اشارہ کیا کہ یہ میرا آخری حج ہے، آئندہ شاید ہماری ملاقات نہ ہو، اس لئے اس حج کو حجۃ الوداع کہا گیا۔

بَابٌ: هَلْ يَبِيْتُ أَصْحَابُ السِّقَايَةِ أَوْ غَيْرُهُمْ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى؟

کیازمزم پلانے والے یااورلوگ منیٰ کی راتیں مکہ میں گذارسکتے ہیں؟

ایام منیٰ کی راتیں منیٰ میں گذارنا سنت ہے، لیکن آنحضور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کواجازت دی تھی کہ وہ مکہ میں راتیں گذارسکتے ہیں، کیونکہ سقایہ ان کے ذمہ داری تھی، لوگ رات میں بھی طواف کرتے ہیں، ان کوبھی پانی پلانا پڑتا ہے، اورسیٹھ وہاں نہیں ہوگا تونوکرچاکراورغلام وغیرہ لاپرواہی برتیں گے، اسی طرح چرواہوں کومنی سے باہرراتیں گذارنے کی اوردودن کی رمی جمع کرنے کی اجازت دی ہے۔

ایک سال منیٰ میں آگ لگی تھی، ہمارے سارے خیمے جل گئے تھے، منی میں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں تھی اس لئے ہم نے مکہ میں قیام کیاتھا، روزانہ منی جاکررمی کرتے تھے، یہ ایک مجبوری تھی، ایسی مجبوری میں بھی منی سے باہرراتیں گذارسکتے ہیں۔

[۱۳۳-] بَابٌ: هَلْ يَبِيْتُ أَصْحَابُ السِّقَايَةِ أَوْ غَيْرُهُمْ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى؟

[۱۷۴۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُوْنٍ، ثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: رَخَّصَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۱۶۳۴]

[۱۷۴۴-] ح: وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مُوْسَى، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ،

عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَذِنَ. [راجع: ١٦٣٤]

[١٧٤٥-] ح:وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ، ثَنَا أَبِي، ثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، ثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ الْعَبَّاسَ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم لِيَبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى، مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ، فَأَذِنَ لَهُ، تَابَعَهُ أَبُوْ أُسَامَةَ، وَعُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، وَأَبُوْ ضَمْرَةَ. [راجع: ١٦٣٤]

بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ

جمرات کوکنکریاں مارنا

یہ جنرل باب ہے، یہاں سے رمی کا بیان شروع ہورہا ہے، آنحضور ﷺ مزدلفہ سے سیدھے جمرہ عقبہ پر تشریف لائے تھے اور اونٹ پر ہی سے آپؐ نے رمی کی تھی تاکہ سب لوگ آپؐ کی رمی دیکھیں اور رمی کرنے کا طریقہ سیکھیں اور باقی دنوں میں پیدل رمی کی تھی، اس لئے سوار ہوکر بھی رمی کرسکتے ہیں اور پیدل بھی، اور حنفیہ کے نزدیک جس رمی کے بعد رمی ہے وہ پیدل کرنا افضل ہے اور جس کے بعد رمی نہیں وہ سوار ہوکر کرنا افضل ہے، مگر اب سب پیدل رمی کرتے ہیں، جانور پر سوار ہوکر رمی کرنے کی اب کوئی صورت نہیں۔

[١٣٤-] بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ

وَقَالَ جَابِرٌ: رَمَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى، وَرَمَى بَعْدَ ذٰلِكَ بَعْدَ الزَّوَالِ.

[١٧٤٦-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ وَبَرَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ: مَتَى أَرْمِي الْجِمَارَ؟ قَالَ: إِذَا رَمَى إِمَامُكَ فَارْمِهِ، فَأَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ، قَالَ: كُنَّا نَتَحَيَّنُ، فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا.

حدیث: وبرۃ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: میں رمی کب کروں؟ آپؐ نے فرمایا: جب تیرا امام رمی کرے تب رمی کر، اس نے دوبارہ پوچھا: تو آپؓ نے فرمایا: ہم انتظار کرتے تھے، جب زوال ہوتا تو رمی کرتے تھے (گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے)

بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ

میدان کے بیچ سے جمرات کی رمی کرنا

جمرات کی رمی چاروں طرف سے جائز ہے، مگر نبی ﷺ نے میدان کے درمیان سے رمی کی تھی، کیونکہ آپؐ مزدلفہ سے اسی طرف سے تشریف لائے تھے، اور رمی اس طرح کی تھی کہ کعبہ شریف آپؐ کی بائیں جانب تھا، اور منی دائیں جانب، مگر اب وہاں نہ وادی ہے نہ اس کا درمیان، عمارت بنادی گئی ہے اور کئی منزلہ ہے، اور ہر منزل پر رمی کی جاتی ہے۔

[۱۳۵-] بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ

[۱۷۴۷-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ، أَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: رَمَى عَبْدُ اللّٰهِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! إِنَّ نَاسًا يَرْمُوْنَهَا مِنْ فَوْقِهَا، فَقَالَ: وَالَّذِيْ لَا إِلٰـهَ غَيْرُهُ! هٰذَا مَقَامُ الَّذِيْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ.

وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْوَلِيْدِ: ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا الْأَعْمَشُ بِهٰذَا. [انظر: ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰]

ترجمہ: عبدالرحمٰن کہتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے وادی کے بیچ سے رمی کی، پس میں نے عرض کیا: کچھ لوگ اوپر سے رمی کرتے ہیں، آپؓ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں! یہ اس ہستی کی رمی کرنے کی جگہ ہے جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے۔

تشریح: سورۂ بقرہ کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ حج کے زیادہ تر احکام اسی میں ہیں، ظاہر ہے جس ہستی پر یہ سورت نازل ہوئی ہے یعنی آنحضور ﷺ حج کے احکام سب سے زیادہ جانتے تھے، انھوں نے یہاں سے رمی کی ہے۔

بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ

سات کنکریوں سے جمرات کی رمی کرنا

ہر جمرہ کو سات کنکریاں ماری جاتی ہیں، اور کنکری نہ بہت چھوٹی ہونی چاہئیں اور نہ بہت بڑی، چنے کے دو دانوں کے بقدر ہونی چاہئیں۔

[۱۳۶-] بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ

ذَكَرَهُ ابْنُ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۷۴۸-] حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، هُوَ ابْنُ عُتَيْبَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ: أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى، جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ وَمِنًى عَنْ يَمِيْنِهِ وَرَمَى بِسَبْعٍ. وَقَالَ: هٰكَذَا رَمَى الَّذِيْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ. [راجع: ۱۷۴۷]

بَابُ مَنْ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ

جس نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی اور بیت اللہ کو اپنی بائیں جانب کیا

جب آنحضور ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی تھی تو وادی کے بیچ میں کھڑے ہوئے تھے اور کعبہ شریف کو بائیں جانب

اور منیٰ کو دائیں جانب کیا تھا، پھر سات کنکریاں ماری تھیں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہی تھی۔

[۱۳۷-] بَابُ مَنْ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ

[۱۷۴۹-] حدثنا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ، أَنَّهُ حَجَّ مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، فَرَآهُ يَرْمِيْ الْجَمْرَةَ الْكُبْرَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، وَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ، وَمِنًى عَنْ يَمِيْنِهِ، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا مَقَامُ الَّذِيْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ. [راجع: ۱۷۴۷]

بَابٌ: يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ

ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہنا

ہر جمرے کو سات کنکریاں مارنی ہوتی ہیں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہی جاتی ہے، تکبیر کہنا سنت ہے، اگر کوئی بھیڑ میں حواس باختہ ہو جائے اور تکبیر کہنا بھول جائے تو کچھ حرج نہیں ـــــ اور رمی کی دو حکمتیں ہیں:

پہلی حکمت: یہ عمل ذکر اللہ کی گرم بازاری کے لئے ہے، منیٰ کے ایام میں ان جمرات پر ذکر اللہ کا وہ غلغلہ بلند ہوتا ہے کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، ہزاروں آدمی جب ایک ساتھ اللہ کی بڑائی کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں تو وہ منظر اہل بصیرت کے لئے ایک ایمان افروز عمل ہوتا ہے۔

دوسری حکمت: بعض تاریخی اور تفسیری روایات میں یہ بات آئی ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم الٰہی کی تعمیل سے روکنے کی کوشش کی تھی، اور ہر بار آپ نے اسے سات کنکریاں مار کر دفع کیا تھا، منیٰ میں آج تک انہی مقامات میں یہ محبوب عمل دوہرایا جاتا ہے، کیونکہ اکابر کے ایسے بابرکت عمل کی نقل کرنے سے نفس کو نہایت قوی تنبیہ ہوتی ہے کہ اسے بھی اپنے اوپر شیطان کا داؤ نہیں چلنے دینا چاہئے (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی ۳:۳۰۳ میں ہے)

[۱۳۸-] بَابٌ: يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ

قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

[۱۷۵۰-] حدثنا مُسَدَّدٌ، عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ، ثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَجَّاجَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ: السُّوْرَةُ الَّتِيْ تُذْكَرُ فِيْهَا الْبَقَرَةُ، وَالسُّوْرَةُ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا آلُ عِمْرَانَ، وَالسُّوْرَةُ الَّتِيْ تُذْكَرُ فِيْهَا النِّسَاءُ، قَالَ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِإِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ: حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَزِيْدَ، أَنَّهُ كَانَ مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حِيْنَ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ، فَاسْتَبْطَنَ الْوَادِيَ، حَتّٰى إِذَا حَاذَى بِالشَّجَرَةِ اعْتَرَضَهَا، فَرَمٰى بِسَبْعِ

حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ، ثُمَّ قَالَ: مِنْ هٰهُنَا وَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! قَامَ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ. [راجع: ۱۷۴۷]

وضاحت: حجاج نے ایک مرتبہ تقریر میں کہا کہ یہ نہ کہو: سورۂ بقرہ (گائے کی سورت) سورۂ آل عمران (خاندانِ عمران کی سورت) بلکہ کہو: وہ سورت جس میں گائے کا تذکرہ ہے، وہ سورت جس میں خاندان عمران کا تذکرہ ہے، وہ سورت جس میں عورتوں کا تذکرہ ہے، اعمشؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے یہ بات ذکر کی تو انھوں نے حجاج کی تردید کی اور فرمایا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ وادی کے بیچ سے رمی کی پھر فرمایا: اس ہستی کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! جس ہستی پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے، انھوں نے یہاں سے رمی کی ہے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران وغیرہ کہنا درست ہے۔

بَابُ مَنْ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَلَمْ يَقِفْ

جس نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی اور دعا کے لئے ٹھہرا نہیں

پہلے اور دوسرے جمرہ کی رمی سے فارغ ہوکر، ایک طرف ہٹ کر، قبلہ رخ ہوکر دعا مانگنی چاہئے اور تیسرے جمرہ کی رمی کے بعد ٹھہرنا نہیں چاہئے، لوٹ جانا چاہئے۔ قاعدہ یہ ہے: جس رمی کے بعد رمی ہے اس کے بعد دعا ہے اور جس رمی کے بعد رمی نہیں اس کے بعد دعا نہیں۔

[۱۳۹-] بَابُ مَنْ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَلَمْ يَقِفْ

قَالَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

بَابٌ: إِذَا رَمَى الْجَمْرَتَيْنِ يَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَيُسْهِلُ

جب پہلے اور دوسرے جمرے کی رمی کرے تو قبلہ رخ کھڑا ہو، اور ہموار زمین میں دعا کرے

گذشتہ باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جس حدیث کا حوالہ تھا وہ حدیث اس باب میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جب گیارہ کی رمی کی تو سب سے پہلے مسجد خیف سے متصل جو جمرہ ہے اس کو سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے، پھر آگے بڑھے اور ہموار زمین میں آئے، پھر قبلہ رخ کھڑے ہوکر دیر تک ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کرتے رہے، پھر درمیانی جمرہ کے پاس آئے اور اس کی رمی کی، پھر بائیں طرف چلے اور ہموار زمین میں آئے، اور وہاں بھی قبلہ رخ ہوکر اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کی، پھر آخری جمرہ کے پاس آئے اور وادی کے بیچ سے اس کو کنکریاں ماریں، اور رمی کرکے فوراً چل دیئے، وہاں رک کر دعا نہیں کی، اور فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

[۱۴۰-] بَابٌ: إِذَا رَمَى الْجَمْرَتَيْنِ يَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَيُسْهِلُ

[۱۷۵۱-] حَدَّثَنِيْ عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، ثَنَا طَلْحَةُ بْنُ يَحْيٰى، ثَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّـهُ كَانَ يَرْمِيْ الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ عَلَى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ، فَيَقُوْمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، فَيَقُوْمُ طَوِيْلًا، وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَرْمِيْ الْوُسْطٰى، ثُمَّ يَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا، ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ، وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ، وَيَقُوْلُ: هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُهُ. [انظر: ۱۷۵۲، ۱۷۵۳]

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الدُّنْيَا وَالْوُسْطٰى، وَبَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ

پہلے اور دوسرے جمروں کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

یہ دو باب ہیں، اور جمرۃ الدنیا سے پہلا جمرہ مراد ہے، الدنیا: الأدنی کا مؤنث ہے، اور اس کے معنی ہیں: الأقرب، یہ جمرہ مسجد خیف سے قریب ہے اس لئے اس کو جمرۃ الدنیا کہتے ہیں، پہلے اور دوسرے جمروں کی رمی کے بعد اگر موقعہ ہو تو ایک طرف ہٹ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہئے۔

[۱۴۱-] بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الدُّنْيَا وَالْوُسْطٰى

[۱۷۵۲-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنِيْ أَبِيْ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ يُوْنُسَ بْنِ يَزِيْدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَرْمِيْ الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ عَلٰى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُسْهِلُ، فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قِيَامًا طَوِيْلًا، فَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَرْمِيْ الْجَمْرَةَ الْوُسْطٰى كَذٰلِكَ، فَيَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ، وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قِيَامًا طَوِيْلًا، فَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَرْمِي الْجَمْرَةَ ذَاتَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ، وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا، وَيَقُوْلُ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُ. [راجع: ۱۷۵۱]

[۱۴۲-] بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ

[۱۷۵۳-] وَقَالَ مُحَمَّدٌ: ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، أَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ الَّتِيْ تَلِيْ مَسْجِدَ مِنًى، يَرْمِيْهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ، ثُمَّ تَقَدَّمَ أَمَامَهَا، فَوَقَفَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، رَافِعًا يَدَيْهِ يَدْعُوْ، وَكَانَ يُطِيْلُ الْوُقُوْفَ، ثُمَّ يَأْتِيْ

الْجَمْرَةَ الثَّانِيَةَ فَيَرْمِيهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمَى بِحَصَاةٍ، ثُمَّ يَنْحَدِرُ ذَاتَ الشِّمَالِ مِمَّا يَلِي الْوَادِيَ، فَيَقِفُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ رَافِعًا يَدَيْهِ يَدْعُو، ثُمَّ يَأْتِي الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الْعَقَبَةِ، فَيَرْمِيهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا، قَالَ الزُّهْرِيُّ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ بِمِثْلِ هٰذَا عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. قَالَ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ. [راجع: ۱۷۵۱]

وضاحت: مذکورہ حدیث کو امام زہری رحمہ اللہ نے پہلے مرسل بیان کیا ہے پھر آخر میں سند ذکر کی ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس طرح حدیث مسند نہیں ہوتی، پس یہ حدیث مرسل ہے، مگر ان کی بات صحیح نہیں، کیونکہ محدثین کبھی سند پہلے بیان کرتے ہیں، کبھی بعد میں۔ نیز کبھی شروع میں پوری سند بیان کرتے ہیں کبھی بعض سند شروع میں اور بعض آخر میں بیان کرتے ہیں، یہ محدثین کا حدیثیں روایت کرنے کا طریقہ تھا، اور محمد سے محمد بن بشار مراد ہیں۔

بَابُ الطِّيبِ بَعْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ وَالْحَلْقِ قَبْلَ الإِفَاضَةِ

جمرۂ عقبہ کی رمی اور سر منڈانے کے بعد طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگانا

جب رمی، قربانی اور حلق یا قصر کرا کر احرام کھول دے تو ممنوعاتِ احرام حلال ہوگئے، مگر بیوی طوافِ زیارت کے بعد حلال ہوگی، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگانا بلا کراہیت جائز ہے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع کرتے تھے، اور امام مالک رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے اور بعض حضرات نے امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے۔ مگر ان کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے موطا محمد باب ما يحرم على الحاج بعد رمي جمرة العقبة يوم النحر میں پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر بیان کیا ہے کہ جس نے جمرۂ عقبہ کی رمی کر لی اس کے لئے تمام ممنوعاتِ احرام حلال ہوگئے علاوہ عورت اور خوشبو کے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث لکھی ہے کہ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے آنحضور ﷺ کو طوافِ زیارت سے پہلے خوشبو لگائی ہے۔ پھر امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وبهذا نأخذ في الطيب قبل زيارة البيت، وندع ما روى عمر، وابن عمر، وهو قول أبي حنيفة والعامة من فقهائنا، اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ جمہور کے ساتھ ہیں (موطا محمد ص: ۲۳۱)

[۱۴۳-] بَابُ الطِّيبِ بَعْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ وَالْحَلْقِ قَبْلَ الإِفَاضَةِ

[۱۷۵۴-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ، وَكَانَ أَفْضَلَ أَهْلِ زَمَانِهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ، وَكَانَ أَفْضَلَ أَهْلِ زَمَانِهِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، تَقُولُ: طَيَّبْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله

عليه وسلم بِيَدَيَّ هَاتَيْنِ حِيْنَ أَحْرَمَ، وَلِحِلِّهِ حِيْنَ أَحَلَّ قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ، وَبَسَطَتْ يَدَيْهَا.
[راجع: ۱۵۳۹]

بَابُ طَوَافِ الْوَدَاعِ

طوافِ وداع کا بیان

اب طوافِ وداع کے ابواب شروع ہو رہے ہیں، طوافِ وداع واجب ہے، البتہ حائضہ اور نفاس والی عورت پر واجب نہیں، وہ طوافِ وداع کئے بغیر وطن لوٹ سکتی ہے۔ اور صرف حاجی پر طوافِ وداع واجب ہے عمرہ کرنے والوں پر واجب نہیں، مگر افضل یہ ہے کہ وہ بھی جب وطن لوٹیں تو سب سے آخر میں طواف کر کے لوٹیں۔

مسئلہ: اگر کوئی طوافِ وداع کئے بغیر وطن لوٹ گیا تو جب تک میقات کے اندر ہے اس پر واپس لوٹ کر طواف کرنا ضروری ہے، اور میقات سے نکل گیا تو دم دے، اور دم پوری زندگی میں کبھی بھی دے سکتا ہے۔

[۱۴۴-] بَابُ طَوَافِ الْوَدَاعِ

[۱۷۵۵-] حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ، إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ. [راجع: ۳۲۹]

[۱۷۵۶-] حدثنا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ، أَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ، ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ، فَطَافَ بِهِ.

تَابَعَهُ اللَّيْثُ، حَدَّثَنِيْ خَالِدٌ، عَنْ سَعِيْدٍ، هُوَ ابْنُ أَبِيْ هِلَالٍ، عَنْ قَتَادَةَ: أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ۱۷۶۴]

حدیث (۱): ابن عباسؓ کہتے ہیں: لوگ حکم دیئے گئے کہ ان کی سب سے آخری ملاقات بیت اللہ سے ہو یعنی طوافِ وداع کر کے لوٹیں، مگر یہ بات ہے کہ یہ حکم ہلکا کر دیا گیا ہے حائضہ سے یعنی وہ طوافِ وداع کئے بغیر لوٹ سکتی ہے۔

تشریح: طوافِ وداع: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سنت یا واجب ہے، اور اس کے تارک پر کوئی دم نہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف آفاقی پر واجب ہے، اور اس کے تارک پر دم ہے، اور جمہور کے نزدیک ہر حاجی پر واجب ہے، کیونکہ امر جب قرائن سے خالی ہوتا ہے تو وجوب کے لئے ہوتا ہے، اور ترک واجب سے دم آتا ہے۔

ترکیب: بالبیت: کائن محذوف سے متعلق ہو کر یکون کی خبر ہے۔

حدیث (۲): حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے (تیرہ ذی الحجہ کو) ظہرین اور عشائین پڑھیں پھر تھوڑی دیر سوگئے (تھوڑی دیر قدۃ کا ترجمہ ہے، مصدر نوعیت بیان کرنے کے لئے ہے) پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طواف (وداع) کیا (پھر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی)

بَابٌ: إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ بَعْدَ مَا أَفَاضَتْ

جب عورت کو طوافِ زیارت کے بعد حیض آجائے

طوافِ زیارت کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے تو وہ وطن لوٹ سکتی ہے، کیونکہ حائضہ پر بالاجماع طوافِ وداع واجب نہیں۔

[۱۴۵-] بَابٌ: إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ بَعْدَ مَا أَفَاضَتْ

[۱۷۵۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حَاضَتْ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "أَحَابِسَتُنَا هِيَ؟" قَالُوْا: إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ، قَالَ: "فَلَا إِذًا" [راجع: ۲۹۴]

[۱۷۵۸و۱۷۵۹-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، ثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ: أَنَّ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ سَأَلُوْا ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ امْرَأَةٍ طَافَتْ، ثُمَّ حَاضَتْ، قَالَ لَهُمْ: تَنْفِرُ، قَالُوْا: لَا تَأْخُذُ بِقَوْلِكَ وَنَدَعُ قَوْلَ زَيْدٍ، قَالَ: إِذَا قَدِمْتُمُ الْمَدِيْنَةَ فَاسْأَلُوْا، فَقَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلُوْا، فَكَانَ فِيْمَنْ سَأَلُوْا أُمُّ سُلَيْمٍ، فَذَكَرَتْ حَدِيْثَ صَفِيَّةَ. رَوَاهُ خَالِدٌ، وَقَتَادَةُ، عَنْ عِكْرِمَةَ.

[۱۷۶۰-] حدثنا مُسْلِمٌ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: رُخِّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَنْفِرَ إِذَا أَفَاضَتْ. [راجع: ۳۲۹]

[۱۷۶۱-] قَالَ: وَسَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ: إِنَّهَا لَا تَنْفِرُ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ بَعْدُ: إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ لَهُنَّ. [راجع: ۳۳۰]

[۱۷۶۲-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَلَا نُرَى إِلَّا الْحَجَّ، فَقَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلَمْ يَحِلَّ، وَكَانَ مَعَهُ الْهَدْيُ فَطَافَ مَنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ نِسَائِهِ وَأَصْحَابِهِ، وَحَلَّ مِنْهُمْ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ الْهَدْيُ، فَحَاضَتْ هِيَ، فَنَسَكْنَا مَنَاسِكَنَا مِنْ حَجِّنَا، فَلَمَّا كَانَتْ

لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ: لَيْلَةُ النَّفْرِ، قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللهِ! كُلُّ أَصْحَابِكَ يَرْجِعُ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ غَيْرِيْ، قَالَ:" مَا كُنْتِ تَطُوْفِيْنَ بِالْبَيْتِ لَيَالِيَ قَدِمْنَا؟" قُلْتُ: بَلٰى! قَالَ:" فَاخْرُجِيْ مَعَ أَخِيْكِ إِلَى التَّنْعِيْمِ فَأَهِلِّيْ بِعُمْرَةٍ، وَمَوْعِدُكِ مَكَانُ كَذَا وَكَذَا" فَخَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِلَى التَّنْعِيْمِ فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ، وَحَاضَتْ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:" عَقْرَى حَلْقَى! إِنَّكِ لَحَابِسَتُنَا. أَمَا كُنْتِ طُفْتِ يَوْمَ النَّحْرِ؟" قَالَتْ: بَلٰى، قَالَ:" فَلَا بَأْسَ، انْفِرِيْ" فَلَقِيْتُهُ مُصْعِدًا عَلٰى أَهْلِ مَكَّةَ وَأَنَا مُنْهَبِطَةٌ، أَوْ أَنَا مُصْعِدَةٌ وَهُوَ مُنْهَبِطٌ، وَقَالَ مُسَدَّدٌ: قُلْتُ: لَا، وَتَابَعَهُ جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ فِيْ قَوْلِهِ، لَا:[راجع: ۲۹۴]

وضاحت: مدینہ کے کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسئلہ پوچھا کہ ایک عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آگیا تو کیا وہ وطن لوٹ سکتی ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: لوٹ سکتی ہے۔ انھوں نے کہا: ہم آپ کا قول نہیں لیتے درانحالیکہ ہم حضرت زیدؓ کا قول چھوڑ دیں (حضرت زید رضی اللہ عنہ کا فتوی یہ ہوگا کہ حائضہ طواف وداع کئے بغیر وطن نہیں لوٹ سکتی، حضرت ابن عمرؓ کا بھی پہلے یہ فتوی تھا) ابن عباسؓ نے ان سے کہا: جب تم مدینہ پہنچو تو اس مسئلہ کی تحقیق کر لینا (ایک حدیث پوری ہوئی) چنانچہ انھوں نے مدینہ پہنچ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا: انھوں نے بھی یہی بات کہی کہ حائضہ طواف وداع کئے بغیر وطن لوٹ سکتی ہے، پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ سنایا۔

قوله: قلتُ: بلٰى: یہاں صحیح لا ہے، بلیٰ واقعہ کے مطابق نہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ کے دوسرے استاذ مسدد کی روایت میں لا ہے اور جریر ان کے متابع ہیں، پس یہی صحیح ہے اور یہ حدیث کتاب الحج باب ۳۴ (حدیث ۱۵۶۱) میں گذری ہے۔

بَابُ مَنْ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ بِالْأَبْطَحِ

جس نے ۱۳ ذی الحجہ کو عصر کی نماز محصّب میں پڑھی

آنحضور ﷺ نے تیرہ ذی الحجہ کو عصر کی نماز ابطح (محصّب) میں پڑھی تھی، پھر عشاء پڑھ کر تھوڑی دیر آرام فرمایا تھا، پھر طواف وداع کر کے آدھی رات کے قریب مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی تھی۔

[۱۴۶-] بَابُ مَنْ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ بِالْأَبْطَحِ

[۱۷۶۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: أَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ؟ قَالَ: بِمِنًى، قُلْتُ: فَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ؟ قَالَ: بِالْأَبْطَحِ: افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ. [راجع: ۱۶۵۳]

[١٧٦٤-] حدثنا عَبْدُ الْمُتَعَالِ بْنُ طَالِبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: أَنَّهُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، وَرَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ، ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهِ. [راجع: ١٧٥٦]

بَابُ الْمُحَصَّبِ

محصّب کا نزول

آنحضور ﷺ کا محصّب میں پڑاؤ اتفاقی تھا یا ارادی؟ یعنی یہ نزول مناسک میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو سنت کہتے تھے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو راستہ کی ایک منزل قرار دیتے تھے، مناسک میں شمار نہیں کرتے تھے، صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپؐ نے وہاں پڑاؤ اس لئے کیا تھا کہ سب ساتھی وہاں جمع ہوجائیں پھر وہاں سے ایک ساتھ روانہ ہوں۔

اور چند ابواب پہلے یہ حدیث (نمبر ۱۵۹۰) گذری ہے کہ آپؐ نے منیٰ کے ایام میں فرمایا تھا کہ کل ہم خیف بنی کنانہ میں اتریں گے، جہاں قریش اور کنانہ نے رسول اللہ ﷺ کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا، اس روایت سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ آپؐ کا ابطح میں نزول ارادی تھا، دین کی رفعت شان کے لئے آپؐ وہاں اترے تھے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ نزول ابطح مناسک میں شامل نہیں، اور اب وہاں نزول کی کوئی صورت بھی نہیں، وہاں مکانات بن گئے ہیں۔

[١٤٧-] بَابُ الْمُحَصَّبِ

[١٧٦٥-] حدثنا أَبُو نُعَيْمٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: "إِنَّمَا كَانَ مَنْزِلاً يَنْزِلُهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِيَكُوْنَ أَسْمَحَ لِخُرُوْجِهِ، تَعْنِي الأَبْطَحَ.

[١٧٦٦-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَيْسَ التَّحْصِيبُ بِشَيْئٍ، إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

بَابُ النُّزُوْلِ بِذِي طُوًى قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ وَنُزُوْلِ الْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ

مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ذوطوی میں، اور مکہ سے واپسی میں ذوالحلیفہ میں بطحاء میں اترنا

آنحضور ﷺ جب حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ سے قریب ذوطوی میں پڑاؤ کیا تھا، اور واپسی میں

مدینہ سے قریب بطحاء میں پڑاؤ کیا تھا، یہ دونوں نزول بھی مناسک میں داخل نہیں۔

[١٤٨-] بَابُ النُّزُوْلِ بِذِی طُوًی قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ وَنُزُوْلِ الْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ

[١٧٦٧-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا أَبُوْ ضَمْرَةَ، ثَنَا مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبِيْتُ بِذِي الطُّوَى بَيْنَ الثَّنِيَّتَيْنِ، ثُمَّ يَدْخُلُ مِنَ الثَّنِيَّةِ الَّتِي بِأَعْلَى مَكَّةَ، وَكَانَ إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا لَمْ يُنِخْ نَاقَتَهُ إِلَّا عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ يَدْخُلُ فَيَأْتِي الرُّكْنَ الأَسْوَدَ فَيَبْدَأُ بِهِ، ثُمَّ يَطُوْفُ سَبْعًا: ثَلاثًا سَعْيًا وَأَرْبَعًا مَشْيًا، ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيُصَلِّي سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ يَنْطَلِقُ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَيَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَكَانَ إِذَا صَدَرَ عَنِ الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ، الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُنِيْخُ بِهَا. [راجع: ٤٩١]

[١٧٦٨-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، ثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، قَالَ: سُئِلَ عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنِ الْمُحَصَّبِ، فَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: نَزَلَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَعُمَرُ، وَابْنُ عُمَرَ، وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي بِهَا يَعْنِي الْمُحَصَّبَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، أَحْسِبُهُ قَالَ: وَالْمَغْرِبَ. قَالَ خَالِدٌ: لَا أَشُكُّ فِي الْعِشَاءِ، وَيَهْجَعُ هَجْعَةً، وَيَذْكُرُ ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

قولہ: كان يبيت: ابن عمرؓ ذوطوی میں دو پہاڑوں کے بیچ میں رات گذارتے تھے، پھر اس پہاڑی کی طرف سے مکہ میں داخل ہوتے تھے جو مکہ کی بالائی جانب میں ہے۔......... **قولہ: لم يُنِخ**: اونٹ نہیں بٹھاتے تھے مگر مسجدِ حرام کے دروازہ پر، یعنی مکہ پہنچ کر سب سے پہلے طواف کرتے تھے، اور ارکان عمرہ ادا کرکے پھر پڑاؤ کی جگہ جاتے تھے......... **قولہ: وكان إذا صدر**: اور جب واپس لوٹتے تو ذوالحلیفہ میں سنگریزوں والے میدان میں اونٹ بٹھاتے تھے یعنی پڑاؤ ڈالتے تھے، جہاں نبی ﷺ پڑاؤ ڈالتے تھے......... **قولہ: لا اشك**: ابن عمرؓ محصّب میں مغرب پڑھتے تھے یا نہیں؟ اس میں راوی کو شک ہے مگر عشاء کے بارے میں کوئی شک نہیں......... **قولہ: ويهجع هَجعة**: اور تھوڑی دیر سوتے تھے۔

بَابُ مَنْ نَزَلَ بِذِي طُوًى إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ

جو شخص ذوطوی میں پڑاؤ ڈالے، جب وہ مکہ سے لوٹے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جاتے ہوئے بھی ذی طوی میں رات گذارتے تھے اور واپسی میں بھی وہاں رات گذارتے تھے، اور فرماتے تھے کہ نبی ﷺ یہاں آتے جاتے رات گذارتے تھے۔

[۱۴۹-] بَابُ مَنْ نَزَلَ بِذِی طُوًی إِذَا رَجَعَ مِنْ مَكَّةَ

[۱۷۶۹-] وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى: ثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَقْبَلَ بَاتَ بِذِی طُوًی، حَتَّى إِذَا أَصْبَحَ دَخَلَ، وَإِذَا نَفَرَ مَرَّ بِذِی طُوًی، وَبَاتَ بِهَا حَتَّى يُصْبِحَ. وَكَانَ يَذْكُرُ أَنَّ النَّبِیَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ. [راجع: ۴۹۱]

بَابُ التِّجَارَةِ أَيَّامَ الْمَوْسِمِ وَالْبَيْعِ فِی أَسْوَاقِ الْجَاهِلِيَّةِ

حج کے دنوں میں تجارت اور جاہلی میلوں میں کاروبار کرنا

أيام الموسم کا ترجمہ ہے: حج کا سیزن، اور أسواق الجاهلية: جاہلیت کے میلے، عرب میں پانچ میلے یکے بعد دیگرے لگتے تھے: (۱) عُکاظ (۲) ذُو المَجاز (۳) مَجنَّة۔ یہ تینوں میلے مکہ مکرمہ سے چند میل دور مر الظہر ان کے قریب لگتے تھے (۴) حُباشَة، یہ یمن کی جانب میں مکہ سے چھ منزل کے فاصلہ پر لگتا تھا (۵) اور آخر میں حج کے ایام میں منیٰ میں بازار لگتا تھا۔ مینا بازار کا محاورہ وہیں سے آیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں حج کے سیزن میں لوگ ان میلوں میں خریداری اور کاروبار کرتے تھے، جب اسلام کا زمانہ آیا تو کچھ لوگوں نے اس کو مکروہ جانا، انھوں نے خیال کیا کہ حج کا سفر ایک عبادت کا سفر ہے اس کو وسیلۂ تجارت نہیں بنانا چاہئے، چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۸ نازل ہوئی کہ تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کی روزی تلاش کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں في مواسم الحج بڑھاتے تھے، یعنی حج کے سیزن میں تجارت اور خرید وفروخت کرنے میں کوئی گناہ نہیں، یہ بات ثواب کی کمی کا باعث نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اصل نیت حج کی ہو اور تجارت ضمناً ہو، اور دلوں کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

[۱۵۰-] بَابُ التِّجَارَةِ أَيَّامَ الْمَوْسِمِ، وَالْبَيْعِ فِی أَسْوَاقِ الْجَاهِلِيَّةِ

[۱۷۷۰-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ ذُو الْمَجَازِ وَعُكَاظُ مَتْجَرَ النَّاسِ فِی الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلَامُ كَأَنَّهُمْ كَرِهُوا ذٰلِكَ، حَتَّى نَزَلَتْ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [البقرة: ۱۹۸]: فِی مَوَاسِمِ الْحَجِّ.

[انظر: ۲۰۵۰، ۲۰۹۸، ۴۵۱۹]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ذو المجاز اور عکاظ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کی تجارت کی جگہیں تھیں، پس جب اسلام آیا تو گویا لوگوں نے اس کو برا جانا، یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی۔

بَابُ الإِدِّلاَجِ مِنَ الْمُحَصَّبِ

رات کے آخری حصہ میں محصّب سے روانہ ہونا

الادّلاج کے معنی ہیں: آخر رات میں سفر کرنا، حضور اکرم ﷺ نے منیٰ سے مکہ آکر محصب میں پڑاؤ ڈالا تھا، پھر وہاں سے آخر رات میں مدینہ کی طرف روانگی ہوئی تھی۔

[١٥١-] بَابُ الإِدِّلاَجِ مِنَ الْمُحَصَّبِ

[١٧٧١-] حدثنا عَمْرُو بْنُ حَفْصٍ، ثَنَا أَبِيْ، ثَنَا الأَعْمَشُ، ثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ، فَقَالَتْ: مَا أُرَانِيْ إِلاَّ حَابِسَتَكُمْ! قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "عَقْرىٰ حَلْقىٰ! أَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ؟" قِيْلَ: نَعَمْ، قَالَ: "فَانْفِرِيْ"[راجع: ٢٩٤]

[١٧٧٢-] قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: وَزَادَنِيْ مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا مُحَاضِرٌ،ثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، لاَ نَذْكُرُ إِلاَّ الْحَجَّ، فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَنَا أَنْ نَحِلَّ، فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ النَّفْرِ حَاضَتْ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "حَلْقىٰ عَقْرىٰ! مَا أُرَاهَا إِلاَّ حَابِسَتَكُمْ" ثُمَّ قَالَ: "كُنْتِ طُفْتِ يَوْمَ النَّحْرِ؟" قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: "فَانْفِرِيْ" قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ لَمْ أَكُنْ حَلَلْتُ، قَالَ: "فَاعْتَمِرِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ" فَخَرَجَ مَعَهَا أَخُوْهَا، فَلَقِيْنَاهُ مُدَّلِجًا، فَقَالَ: "مَوْعِدُكِ مَكَانُ كَذَا وَكَذَا"[راجع: ٢٩٤]

قولہ: پہلی حدیث میں عَقْرىٰ حَلْقىٰ! الگ جملہ ہے، اور أطافت یوم النحر؟ الگ سوال ہے، فرمایا: موئی پیڑ مٹی! یعنی صورت حال پر ناگواری کا اظہار فرمایا، پھر دریافت کیا: کیا اس نے ۱۰ ذی الحجہ کو طواف زیارت کیا ہے؟ اور دوسری روایت میں پوری بات ہے، پھر سوال ہے۔ اور دونوں حدیثیں ایک ہیں، اور دوسری حدیث میں آخر رات میں سفر کا تذکرہ ہے، پس دونوں حدیثیں باب سے متعلق ہیں۔
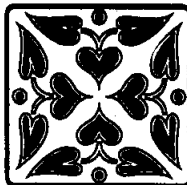
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَبْوَابُ الْعُمْرَةِ

عمرہ کا بیان

بَابُ وُجُوْبِ الْعُمْرَةِ وَفَضْلِهَا

عمرہ کی فرضیت اور اس کی اہمیت

امام شافعی، امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک حج کی طرح زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ بھی فرض ہے، البتہ حج کے ساتھ عمرہ کرنے سے بھی یہ فرض ادا ہوجاتا ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک عمرہ سنت ہے، ان کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: نبی ﷺ سے پوچھا گیا: کیا عمرہ واجب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، البتہ لوگ عمرہ کریں یہ اچھی بات ہے، یہ حدیث ترمذی (نمبر ۹۱۸) میں ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے (اگرچہ سند میں حجاج بن ارطاۃ ہیں) اور چھوٹے دو اماموں کی دلیل حضرات ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آثار ہیں، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ہر شخص پر زندگی میں ایک مرتبہ حج اور عمرہ کرنا فرض ہے، اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قران فی النظم قران فی الحکم کی دلیل ہے۔ اور اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ اور حج بالا جماع فرض ہے، پس اس کا قرین عمرہ بھی فرض ہے، مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں پھر جب حدیث مرفوع موجود ہے تو آثار کی کیا ضرورت ہے؟ غرض باب کے دو جزء ہیں: ایک: عمرہ واجب (بمعنی فرض) ہے دوسرے: عمرہ کی کیا فضیلت ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَبْوَابُ الْعُمْرَةِ

[۱-] بَابُ وُجُوْبِ الْعُمْرَةِ وَفَضْلِهَا

[۱-] وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَيْسَ أَحَدٌ إِلَّا وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ.

[۲-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّهَا لَقَرِينَتُهَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾[البقرة: ۱۹۶]

[۱۷۷۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ"

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عمرہ تا عمرہ کفارہ ہے ان گناہوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں (یہی عمرہ کی فضیلت ہے) اور حج مبرور کا ثواب جنت کے علاوہ کچھ نہیں (اور عمرہ کی فرضیت کی دلیل آثار ہیں)

بَابُ مَنِ اعْتَمَرَ قَبْلَ الْحَجِّ

جس نے حج سے پہلے عمرہ کیا

یہ باب ایک وہم دور کرنے کے لئے لائے ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ حج سے پہلے عمرہ کرنا درست نہیں، کیونکہ ارشاد پاک ہے: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ اس آیت کے اشارے سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ پہلے حج کرے، پھر عمرہ کرے، جیسے: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ میں صفا کی تقدیم برائے وجوب ہے، صفا سے سعی شروع کرنی ضروری ہے، نبی ﷺ نے سعی صفا سے شروع کی تھی اور یہ آیت پڑھی تھی، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کرکے اس شبہ کو دور کیا کہ آیت میں حج کی تقدیم وجوب کے لئے نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے حج سے پہلے عمرے کئے ہیں۔

تنبیہ: اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی حج فرض ہو جاتا ہے: یہ بات صحیح نہیں، نبی ﷺ نے حج سے پہلے عمرے کئے ہیں، مگر حج کے موقعہ پر ایسا کوئی اعلان نہیں کیا کہ جس نے بھی ہمارے ساتھ عمرہ کیا ہے وہ ضرور حج کو چلے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو مکہ میں ہوگا اس پر حج فرض ہو جائے گا، ان ایام کے علاوہ کوئی عمرہ کے لئے جائے تو کعبہ کو دیکھنے سے حج فرض نہیں ہوتا۔

[۲-] بَابُ مَنِ اعْتَمَرَ قَبْلَ الْحَجِّ

[۱۷۷۴-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ خَالِدٍ، سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ: عَنِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ الْحَجِّ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ، قَالَ عِكْرِمَةُ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ.

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ: عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، ثَنِي عِكْرِمَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مِثْلَهُ.

حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، ثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ عِكْرِمَةُ بْنُ خَالِدٍ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ: مِثْلَهُ.

بَابٌ: كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم؟

نبی ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟

آنحضور ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں اور چاروں ذی قعدہ میں کئے ہیں، پہلی بار حدیبیہ کے سال ذی قعدہ میں عمرہ کا احرام باندھ کر تشریف لے گئے، مگر مشرکین نے جانے نہیں دیا، اور آپؐ احرام کھول کر حدیبیہ سے واپس آگئے، پس یہ حکماً عمرہ ہے، پھر اگلے سال ذی قعدہ میں اس کی قضاء کی، پھر فتح مکہ کے بعد جعرانہ سے ایک عمرہ کیا وہ بھی ذی قعدہ میں کیا تھا، اور حج کے ساتھ جو عمرہ کیا تھا اس کا احرام بھی ذی قعدہ میں باندھا تھا۔

[٣-] بَابٌ: كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم؟

[١٧٧٥-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ، وَإِذَا أُنَاسٌ يُصَلُّوْنَ فِي الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَى، قَالَ: فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ؟ فَقَالَ: بِدْعَةٌ! ثُمَّ قَالَ لَهُ: كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: أَرْبَعٌ، إِحْدَاهُنَّ فِي رَجَبٍ، فَكَرِهْنَا أَنْ نَرُدَّ عَلَيْهِ. [انظر: ٤٢٥٣]

[١٧٧٦-] قَالَ: وَسَمِعْنَا اسْتِنَانَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحُجْرَةِ، فَقَالَ عُرْوَةُ: يَا أُمَّاهُ! يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! أَلَا تَسْمَعِيْنَ مَا يَقُوْلُ أَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ قَالَتْ مَا يَقُوْلُ؟ قَالَ: يَقُوْلُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمُرَاتٍ إِحْدَاهُنَّ فِي رَجَبٍ، قَالَتْ: يَرْحَمُ اللّٰهُ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! مَا اعْتَمَرَ عُمْرَةً إِلَّا وَهُوَ شَاهِدُهُ، وَمَا اعْتَمَرَ فِي رَجَبٍ قَطُّ. [انظر: ١٧٧٧، ٤٢٥٤]

[١٧٧٧-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي رَجَبٍ. [راجع: ١٧٧٦]

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں اور عروہؒ چاشت کے وقت مسجد نبوی میں گئے، پس اچانک وہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حجرۂ عائشہؓ سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، پس ہم نے لوگوں کی نماز کے بارے میں پوچھا: آپؓ نے فرمایا: بدعت ہے! پھر پوچھا: نبی ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا: چار، ان میں سے ایک رجب میں کیا ہے، پس ہم نے ناپسند کیا کہ ان کی تردید کریں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں: اور ہم نے حجرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسواک کرنے کی آواز سنی، پس عروہؒ نے کہا: امی جان! (صدیقہؓ حضرت عروہ کی خالہ ہیں اور خالہ ماں سی ہوتی ہے) اے ام المؤمنین! (یہ عام نداء ہے) آپؓ نے سنا: ابو عبدالرحمن کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: کیا

کہہ رہے ہیں؟ عروہ نے کہا: کہہ رہے ہیں کہ نبی ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں ان میں سے ایک عمرہ رجب میں کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اللہ ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائیں! نبی ﷺ نے کوئی عمرہ نہیں کیا مگر ابن عمرؓ آپؐ کے ساتھ تھے اور نبی ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔

تشریح:

۱- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے چاشت کی نماز کو بدعت قرار دیا ہے، جبکہ چاشت کی نماز آنحضور ﷺ سے ثابت ہے؟ حاشیہ میں اس کے دو جواب دیئے ہیں: پہلا جواب یہ دیا ہے کہ نبی ﷺ نے چاشت کی نماز پڑھی ہے یہ بات حضرت ابن عمرؓ کے علم میں نہیں ہوگی، مگر یہ جواب صحیح نہیں۔ نبی ﷺ جب بھی سفر سے لوٹتے تھے تو رات مدینہ منورہ سے باہر گذارتے تھے، پھر صبح چاشت کے وقت شہر میں داخل ہوتے تھے اور مسجدِ نبوی میں دو نفلیں پڑھتے تھے، اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر چاشت کے وقت آٹھ نفلیں پڑھی ہیں، ان سب سے حضرت ابن عمرؓ بے خبر رہے ہوں یہ بات عقل قبول نہیں کرتی۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ لوگوں نے چاشت کی نماز کو اجتماعی عمل بنادیا تھا جبکہ وہ انفرادی عمل ہے اس اعتبار سے اس کو بدعت کہا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو عبادتیں انفرادی ہیں اگر ان کو اجتماعی بنادیا جائے تو وہ بدعت ہوجاتی ہیں، جیسے شب براءت اور شب قدر کی عبادتیں انفرادی ہیں مگر اب لوگوں نے ان کو اجتماعی بنادیا ہے، رات بھر مسجدیں بھری رہتی ہیں، اور سحری کھا کر لوگ سوجاتے ہیں، بعض تو فجر کی نماز بھی نہیں پڑھتے، یہ غلط طریقہ ہے، شب براءت اور شب قدر کی نفلیں انفرادی عمل ہیں، اسی طرح چاشت کی نماز بھی انفرادی عمل ہے، اگر اس کو اجتماعی عمل بنادیا جائے تو وہ بدعت ہوجاتا ہے، ابن عمرؓ نے اسی لئے اس کو بدعت کہا ہے، یہ جواب ٹھیک ہے، اور بہت اہم بات ہے۔

۲- نبی ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں اور چاروں حقیقتاً یا حکماً ذوالقعدہ میں کئے ہیں، رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا، مگر ابن عمرؓ کو ایسا یاد رہ گیا کہ آپؐ نے ایک عمرہ رجب میں کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تردید کی، ابن عمرؓ سن کر خاموش رہے، ان کو اپنے تسامح کا احساس ہوگیا۔

۳- اس حدیث میں ہمارے لئے ایک اہم سبق ہے، اگر کسی بڑے آدمی سے غلطی ہوجائے تو منہ پر تردید نہیں کرنی چاہئے، بلکہ تردید کے لئے کوئی خوبصورت طریقہ اختیار کرنا چاہئے، مثلاً استاذ نے سبق میں کوئی غلط بات بیان کی تو استاذ سے یہ کہنا کہ آپ نے غلط کہا: بے ادبی کی بات ہے، چاہئے کہ کسی کتاب میں مسئلہ نکال کر دکھائے، یا کوئی اور خوبصورت طریقہ اختیار کرے، جیسے ابن عمرؓ سے تسامح ہوا تو حضرت عروہؒ نے تردید نہیں کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اور حضرت عائشہؓ نے بھی یرحم اللہ أبا عبد الرحمن کہہ کر اپنی بات کہی، اسی طرح غزوۂ تبوک میں منافقین بہانے بنا کر چھٹی مانگتے تھے، آنحضور ﷺ ان کا عذر قبول فرمالیتے تھے، پس قرآنِ کریم نازل ہوا ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ﴾ یہ تردید

کرنے کا ادب ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

[۱۷۷۸-] حدثنا حَسَّانُ بْنُ حَسَّانٍ، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، سَأَلْتُ أَنَسًا: كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: أَرْبَعًا، عُمْرَةُ الْحُدَيْبِيَةِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَدَّهُ الْمُشْرِكُوْنَ، وَعُمْرَةٌ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ حَيْثُ صَالَحَهُمْ، وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ إِذْ قَسَمَ غَنِيْمَةَ - أُرَاهُ حُنَيْنٍ - قُلْتُ: كَمْ حَجَّ؟ قَالَ: وَاحِدَةً. [انظر: ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۳۰۶۶، ۴۱۴۸]

[۱۷۷۹-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، سَأَلْتُ أَنَسًا فَقَالَ: اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَيْثُ رَدُّوْهُ، وَمِنَ الْقَابِلِ عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَعُمْرَةً فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ. [راجع: ۱۷۷۸]

ترجمہ: قتادہؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا: چار (ایک) عمرۂ حدیبیہ جو ذوالقعدہ میں کیا جب مشرکین نے آپؐ کو روک دیا (یہ حکماً عمرہ ہے) (دوسرا) وہ عمرہ جو آئندہ سال ذوالقعدہ میں کیا جب آپؐ نے مشرکین کے ساتھ مصالحت فرمائی۔ اور تیسرا عمرہ جعرانہ سے کیا جہاں غنیمت تقسیم فرمائی ـــــ راوی کا خیال ہے کہ حدیث میں حنین بھی ہے ـــــ (اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ کیا) قتادہؒ نے پوچھا: آپؐ نے کتنے حج کئے ہیں؟ فرمایا: ایک۔

تشریح: حضور ﷺ نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا ہے، اور ہجرت سے پہلے کتنے حج کئے ہیں؟ یہ بات کسی صحیح روایت میں مروی نہیں۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نبی ﷺ نے تین حج کئے ہیں: دو ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد یہ روایت صحیح نہیں، تفصیل تحفۃ الالمعی (۳: ۲۰۷) میں ہے۔

[۱۷۸۰-] حدثنا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، ثَنَا هَمَّامٌ، وَقَالَ: اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، إِلَّا الَّتِي اعْتَمَرَ مَعَ حَجَّتِهِ: عُمْرَتَهُ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَمِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ. وَمِنَ الْجِعْرَانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ، وَعُمْرَةً مَعَ حَجَّتِهِ. [راجع: ۱۷۷۸]

[۱۷۸۱-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ، ثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ يُوْسُفَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَأَلْتُ مَسْرُوْقًا، وَعَطَاءً، وَمُجَاهِدًا، فَقَالُوْا: اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ. قَالَ: وَسَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُوْلُ: اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ: مَرَّتَيْنِ [انظر: ۱۸۴۴، ۲۶۹۸، ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۳۱۸۴، ۴۲۵۱]

قوله: إلا التي اعتمر مع حجته: نبی ﷺ نے حج کے ساتھ جو عمرہ کیا تھا وہ اگرچہ ذی الحجہ میں کیا تھا، مگر وہ حکماً ذی

القعدہ میں تھا، کیونکہ آپؐ نے حج کا احرام ذی قعدہ میں باندھا تھا، پھر آپؐ نے وہ احرام کھولا نہیں تھا بلکہ اسی کے ساتھ عمرہ کو ملالیا تھا۔

قولہ: قبل أن یحج: مرتین: حج سے پہلے آپؐ نے دو مرتبہ عمرہ کیا ہے، ایک عمرۂ قضا دوسرا عمرۂ جعرانہ، عمرۂ حدیبیہ کو شمار نہیں کیا کیونکہ وہ حکماً عمرہ تھا۔

بَابُ عُمْرَةٍ فِي رَمَضَانَ

رمضان میں عمرہ کرنا

ایک انصاری خاتون جن کا نام ام سنانؓ تھا، ان کی آنحضور ﷺ کے ساتھ حج کرنے کی بڑی خواہش تھی، مگر کسی وجہ سے وہ آپؐ کے ساتھ حج نہ کر سکیں، جب آپؐ حج سے فارغ ہو کر گھر آئے تو وہ ملاقات کے لئے آئیں، آپؐ نے حج میں نہ آنے کی وجہ دریافت کی، انھوں نے شکستہ دلی سے جواب دیا: ہمارے پاس دو ہی اونٹنیاں تھیں ایک پر میرا شوہر اور بیٹا چلا گیا اور دوسری اونٹنی سینچائی کے لئے تھی، اس لئے میں حج میں نہ آسکی، آپؐ نے فرمایا: ''رمضان میں عمرہ کر لینا، رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے'' اور آگے حدیث (نمبر ۱۸۶۳) میں ہے کہ رمضان میں عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔

اس حدیث میں غور طلب بات یہ ہے کہ یہ فضیلت اس سال کے رمضان کے ساتھ خاص تھی یا قیامت تک کے ہر رمضان کے لئے ہے؟ اور دوسری بات یہ غور طلب ہے کہ یہ فضیلت ام سنانؓ کے ساتھ خاص ہے یا ہر شخص کے لئے ہے؟ حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت ام سنان ہی کے لئے تھی اور اُس مخصوص رمضان کے لئے تھی، لیکن پوری امت متفق ہے کہ یہ فضیلت عام ہے، ام سنانؓ کے ساتھ خاص نہیں، اور اس مخصوص رمضان کے لئے بھی نہیں، ہر رمضان میں عمرہ کرنے کی یہ فضیلت ہے، البتہ حدیث (نمبر ۱۸۶۳) میں جو لفظ معی آیا ہے یعنی رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب نبی ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے ثواب کے برابر ہے، اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ لفظ معی میں اول تو راوی کو شک ہے پھر لفظ معی کو علماء نے عام نہیں کیا، علماء بس اتنی بات کہتے ہیں کہ رمضان میں عمرہ کرنے سے حج کا ثواب ملتا ہے۔ نبی ﷺ کے ساتھ حج کرنے کا ثواب ملتا ہے: یہ بات کوئی نہیں کہتا۔

فائدہ (۱): حضرت ام معقل رضی اللہ عنہا کی بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ حج کرنے کی بڑی آرزو تھی اور انھوں نے تیاری بھی کر لی تھی مگر عین وقت پر شوہر کو چیچک نکل آئی اس لئے وہ نبی ﷺ کے ساتھ حج میں نہیں جاسکیں، آپؐ نے ان سے بھی فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کر لینا، میرے ساتھ حج کرنے کا ثواب مل جائے گا، تفصیل تحفۃ الالمعی (۳: ۳۴۰) میں ہے۔

فائدہ (۲): عمرہ چھوٹا حج ہے، کیونکہ حج میں دو باتیں ہوتی ہیں: ایک شعائر اللہ کی تعظیم، دوسری: لوگوں کا اجتماعی طور پر اللہ کی رحمت کو طلب کرنا، اور عمرہ میں صرف پہلی بات پائی جاتی ہے، اس لئے اس کا درجہ حج سے کم ہے، مگر رمضان کے عمرہ

میں دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں، رمضان میں نیکوکاروں کے انوار ایک دوسرے پر پلٹتے ہیں اور روحانیت کا نزول ہوتا ہے، اور اب تو رمضان کے عمرہ میں حج جیسا منظر ہوتا ہے، لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے اس لئے رمضان کے عمرہ کو جو حج کے برابر گردانا گیا ہے وہ خوب سمجھ میں آجاتا ہے۔

اور وہ قاعدہ جو پہلے بیان کیا ہے: طلبہ کو یاد ہوگا، یہ برابری فضلی (انعامی) اور اصلی ثواب میں ہے، یعنی رمضان کے عمرے کا فضلی ثواب اور حج کا اصلی ثواب برابر ہیں، اور حج کا فضلی ثواب کہیں زیادہ ہے، حج مبرور کا انعامی ثواب تو جنت ہی ہے۔

[٤-] بَابُ عُمْرَةٍ فِي رَمَضَانَ

[١٧٨٢-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُخْبِرُنَا، يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ - سَمَّاهَا ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَسِيْتُ اسْمَهَا -:" مَا مَنَعَكِ أَنْ تَحُجِّيْ مَعَنَا؟" قَالَتْ: كَانَ لَنَا نَاضِحٌ فَرَكِبَهُ أَبُوْ فُلَانٍ وَابْنُهُ: لِزَوْجِهَا وَابْنِهَا، وَتَرَكَ نَاضِحًا نَنْضِحُ عَلَيْهِ، قَالَ:" فَإِذَا كَانَ رَمَضَانُ اعْتَمِرِيْ فِيْهِ، فَإِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ حَجَّةٌ" أَوْ نَحْوًا مِمَّا قَالَ. [انظر: ١٨٦٣]

وضاحت: اس حدیث میں ام سنانؓ کا واقعہ ہے، آگے (حدیث ۱۸۶۳ میں) اس کی صراحت ہے، اور اس حدیث میں ابن جریج نام بھول گئے ہیں، اگرچہ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عطاءؒ بھول گئے ہیں مگر یہ احتمال صحیح نہیں، کیونکہ آئندہ حدیث میں عطاء کے شاگرد حبیب معلّم نے نام ذکر کیا ہے، پس عطاءؒ نہیں بھولے، بلکہ ان کے شاگرد ابن جریج بھولے ہیں،

بَابُ الْعُمْرَةِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ وَغَيْرِهَا

۱۴ ذی الحجہ کی رات میں اور اس کے علاوہ میں عمرہ کرنا

تیرہ اور چودہ کی بیچ کی رات لیلۃ الحصبۃ ہے، وہ رات آنحضور ﷺ نے محصب میں گذاری تھی، اس رات میں اور اس کے علاوہ راتوں میں عمرہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ سب سے پہلے یہ بات جان لینی چاہئے کہ قمری کلینڈر میں راتیں آنے والے دن کے ساتھ شمار ہوتی ہیں، مگر حج کے مخصوص ایام (۹-۱۳) کی راتیں گذشتہ دنوں کے ساتھ لاحق کی گئی ہیں، پس لیلۃ الحصبۃ یعنی تیرہ اور چودہ کی درمیانی رات کا تعلق تیرہ تاریخ سے ہے، اور تیرہ تاریخ یوم تشریق ہے، اس لئے مسئلہ کھڑا ہوا کہ ایام خمسہ (۹-۱۳) میں عمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب رکھ کر جواز کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فقہاء سے دونوں قسم کے اقوال مروی ہیں، احناف کے نزدیک حج کے پانچ دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے، اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کسی بھی دن کوئی کراہیت نہیں، ان پانچ دنوں میں بھی عمرہ کرسکتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے

نزدیک اشہر حج میں عمرہ کرنا مکروہ ہے، یہ قول حاشیہ میں لکھا ہے۔ اور امام بخاریؒ نے اس مسئلہ میں چھوٹے دو اماموں کی موافقت کی ہے۔ اور ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لیلة الحصبة میں عمرہ کیا ہے، اور ایام حج کی راتیں گذشتہ دنوں کے ساتھ ملحق ہیں، پس لیلة الحصبة تیرہ کے ساتھ لاحق ہوگی۔ اور تیرہ یوم تشریق ہے، معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں عمرہ کرنے میں کوئی کراہیت نہیں۔ اور جب ایام تشریق میں کراہیت نہیں تو نو اور دس میں عمرہ کرنے میں بھی کوئی کراہیت نہیں، اور اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک ایام حج کی راتیں گذشتہ دنوں کے ساتھ لاحق ہوتی ہیں، لیکن تیرہ کی رمی ہی ضروری نہیں، اور حج میں راتوں کو جو گذشتہ دنوں کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے وہ رمی میں گنجائش پیدا کرنے کے لئے ہے، پس جب تیرہ کی رمی ہی ضروری نہیں تو چودہ کی رات کو تیرہ کے ساتھ لاحق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے لیلة الحصبة چودہ کی رات ہے، تیرہ کی نہیں۔ واللہ اعلم

[۵-] بَابُ الْعُمْرَةِ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ وَغَيْرِهَا

[۱۷۸۳-] حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدٌ، أَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُوَافِيْنَ لِهِلَالِ ذِی الْحَجَّةِ، فَقَالَ لَنَا: "مَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ فَلْيُهِلَّ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِالْعُمْرَةِ فَلْيُهِلَّ بِعُمْرَةٍ، فَلَوْلَا أَنِّیْ أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ" قَالَتْ: فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ. وَكُنْتُ مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَأَظَلَّنِیْ يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ: "ارْفُضِیْ عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِیْ رَأْسَكِ، وَامْتَشِطِیْ وَأَهِلِّیْ بِالْحَجِّ" فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ أَرْسَلَ مَعِیْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ إِلَى التَّنْعِيْمِ فَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِیْ. [راجع: ۲۹۴]

قوله: مُوافين لِهِلال: ذی الحجہ کا چاند نظر آنے ہی والا تھا یعنی ذی قعدہ پورا ہونے ہی والا تھا .... **قوله: من أحبَّ منكم:** یہ نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ پہنچ کر حکم دیا تھا اور اختیاری بات نہیں تھی .... **قوله: فاظلّني يوم عرفة:** مجھ پر عرفہ کا دن سایہ فگن ہوگیا، یعنی عرفہ کا دن آگیا۔

بَابُ عُمْرَةِ التَّنْعِيْمِ

تنعیم سے عمرہ کرنا

نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کرایا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تنعیم سے عمرہ کرنے کا پہلے سے رواج تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی جو مکی عمرہ کرتے تھے وہ تنعیم جا کر احرام باندھا کرتے تھے، اور قرب مکان بھی اس کی وجہ ہوسکتی ہے۔

[٦-] بَابُ عُمْرَةِ التَّنْعِيْمِ

[١٧٨٤-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ عَمْرَو بْنَ أَوْسٍ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ أَبِيْ بَكْرٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَهُ: أَنْ يُرْدِفَ عَائِشَةَ، وَيُعْمِرَهَا مِنَ التَّنْعِيْمِ. قَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: سَمِعْتُ عَمْرًا، وَكَمْ سَمِعْتُهُ مِنْ عَمْرٍو![انظر: ٢٩٨٥]

[١٧٨٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ، عَنْ حَبِيْبٍ الْمُعَلِّمِ، عَنْ عَطَاءٍ، ثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَهَلَّ وَأَصْحَابُهُ بِالْحَجِّ، وَلَيْسَ مَعَ أَحَدٍ مِنْهُمْ هَدْيٌ، غَيْرَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَطَلْحَةَ، وَكَانَ عَلِيٌّ قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ، وَمَعَهُ الْهَدْيُ، فَقَالَ: أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَذِنَ لِأَصْحَابِهِ أَنْ يَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً، يَطُوْفُوْا ثُمَّ يُقَصِّرُوْا وَيَحِلُّوْا، إِلَّا مَنْ مَعَهُ الْهَدْيُ فَقَالُوْا: نَنْطَلِقُ إِلٰى مِنًى، وَذَكَرُ أَحَدِنَا يَقْطُرُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ، وَلَوْلَا أَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَأَحْلَلْتُ" وَأَنَّ عَائِشَةَ حَاضَتْ، فَنَسَكَتِ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا، غَيْرَ أَنَّهَا لَمْ تَطُفْ، قَالَ: فَلَمَّا طَهُرَتْ وَطَافَتْ، قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتَنْطَلِقُوْنَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ، وَأَنْطَلِقُ بِالْحَجِّ؟ فَأَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِيْ بَكْرٍ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا إِلَى التَّنْعِيْمِ، فَاعْتَمَرَتْ بَعْدَ الْحَجِّ فِيْ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَنَّ سُرَاقَةَ بْنَ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ لَقِيَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِالْعَقَبَةِ، وَهُوَ يَرْمِيْهَا، فَقَالَ: أَلَكُمْ خَاصَّةً هٰذِهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: " لَا، بَلْ لِلْأَبَدِ"[راجع: ١٥٥٧]

قوله: أَمَرَهُ أن يُردف: حضرت عبدالرحمٰنؓ کو حکم دیا کہ صدیقہؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھا کر لے جائیں اور تنعیم سے عمرہ کرائیں .... **کم سمعتُهُ:** کتنی ہی بار میں نے یہ حدیث عمرو بن دینار سے سنی ہے یعنی ایک مرتبہ نہیں، بار بار سنی ہے .... **قوله: ولیس مع أحد منهم هدی:** یہ بات راوی نے اپنے علم کے اعتبار سے کہی ہے، ورنہ حضرات شیخین اور ذوی الیسار لوگوں کے پاس بھی ہدی تھی (حاشیہ) .... **قوله: وان سراقة:** جب نبی ﷺ جمرۂ عقبہ کی رمی کر چکے تو ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہوگئے تاکہ لوگ مسائل دریافت کریں، اس وقت حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: حج کے سفر میں عمرہ کرنے کی رخصت اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ آپؐ نے فرمایا: ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے۔

بَابُ الْإِعْتِمَارِ بَعْدَ الْحَجِّ بِغَيْرِ هَدْيٍ

ہدی کے بغیر حج کے بعد عمرہ کرنا

اگر کوئی شخص حج کے بعد عمرہ کرے تو وہ متمتع نہیں ہوگا، نہ قربانی واجب ہوگی، تمتع کے لئے ضروری ہے کہ حج سے پہلے

اشہر حج میں عمرہ کیا ہو، پھر میقات کے اندر ہی رہا ہو، پھر حج کے موسم میں حج کیا ہو تو وہ متمتع ہے اور اس پر قربانی واجب ہے۔ البتہ اب فقہاء نے اتنی گنجائش رکھی ہے کہ اگر عمرہ کے بعد مدینہ چلا گیا، پھر آکر حج کیا تو وہ متمتع ہے، لیکن اگر عمرہ کر کے لندن چلا گیا یا دیوبند آگیا، پھر اسی سال حج کیا تو وہ متمتع نہیں۔

[۷-] بَابُ الْإِعْتِمَارِ بَعْدَ الْحَجِّ بِغَيْرِ هَدْيٍ

[۱۷۸۶-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا يَحْيٰى، ثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ، أَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مُوَافِيْنَ لِهِلَالِ ذِي الْحَجَّةِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُهِلَّ بِحَجَّةٍ فَلْيُهِلَّ، وَلَوْلَا أَنِّيْ أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ" فَمِنْهُمْ مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنْهُمْ مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ، وَكُنْتُ مِمَّنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَحِضْتُ قَبْلَ أَنْ أَدْخُلَ مَكَّةَ، فَأَدْرَكَنِيْ يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَشَكَوْتُ ذٰلِكَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " دَعِيْ عُمْرَتَكِ، وَانْقُضِيْ رَأْسَكِ، وَامْتَشِطِيْ، وَأَهِلِّيْ بِالْحَجِّ" فَفَعَلْتُ. فَلَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ الْحَصْبَةِ أَرْسَلَ مَعِيْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ إِلَى التَّنْعِيْمِ، فَأَرْدَفَهَا، فَأَهَلَّتْ بِعُمْرَةٍ مَكَانَ عُمْرَتِهَا، فَقَضَى اللّٰهُ حَجَّهَا وَعُمْرَتَهَا، وَلَمْ يَكُنْ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ هَدْيٌ، وَلَا صَدَقَةٌ، وَلَا صَوْمٌ. [راجع: ۲۹٤]

حوالہ: اس حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الحیض باب ۱۶ (تحفۃ القاری ۲: ۱۰۹، حدیث ۳۱۷) میں ہے۔ (وہاں ہے کہ عمرہ توڑنے کی وجہ سے احناف کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے اور قضاء بھی'' اور دم نہ ہو تو دس روزے رکھے تین ایام حج میں اور سات وطن لوٹ کر'' یہ بات کہ دم نہ ہو دس روزے رکھے الخ تسامح ہے۔

بَابُ أَجْرِ الْعُمْرَةِ عَلٰى قَدْرِ النَّصَبِ

عمرہ کا ثواب بقدر مشقت ہے

عمرہ میں جتنی مشقت ہوگی اتنا ثواب زیادہ ملے گا، تنعیم سے عمرہ کرنے میں وقت کم لگتا ہے اور خرچ بھی کم ہوتا ہے اور جعرانہ سے عمرہ کرنے میں ایک دن لگتا ہے اور خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے، چنانچہ جعرانہ سے عمرہ عرف عام میں بڑا عمرہ اور تنعیم سے عمرہ چھوٹا عمرہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے گا اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔

اس باب میں حضرت رحمہ اللہ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ عمرہ کا ثواب بقدر مشقت ہوتا ہے، جس عمرہ میں جتنی زیادہ مشقت ہوگی اتنا ثواب زیادہ ملے گا، اور یہ قاعدہ تمام عبادات میں جاری ہوگا، ایک شخص جدہ سے حج کرتا ہے، دوسرا ہندوستان سے پس دونوں کا ثواب یکساں نہیں ہوسکتا، کیونکہ جدہ سے حج کرنے میں پانچ سو ریال خرچ ہوتے ہیں اور

ہندوستان سے حج کرنے میں ڈیڑھ لاکھ خرچ ہوتے ہیں، پس دونوں کا ثواب برابر کیسے ہوسکتا ہے!۔

[۸-] بَابُ أَجْرِ الْعُمْرَةِ عَلَى قَدْرِ النَّصَبِ

[۱۷۸۷-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، وَعَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، قَالاَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! يَصْدُرُ النَّاسُ بِنُسُكَيْنِ وَأَصْدُرُ بِنُسُكٍ؟ فَقِيْلَ لَهَا: "انْتَظِرِيْ، فَإِذَا طَهُرْتِ فَاخْرُجِي إِلَى التَّنْعِيْمِ، فَأَهِلِّيْ ثُمَّ ائْتِيْنَا بِمَكَانِ كَذَا، وَلٰكِنَّهَا عَلَى قَدْرِ نَفَقَتِكِ، أَوْ: نَصَبِكِ. [راجع: ۲۹٤]

لغت: النَّصَب: تکان لَقِيَ نَصَبًا: تھکنا.......... قوله: ولکنها: لیکن عمرہ یعنی اس کا ثواب تمہارے خرچہ کے بقدر ہوگا یا فرمایا: تمہارے تکان کے بقدر ہوگا۔

بَابُ الْمُعْتَمِرِ إِذَا طَافَ طَوَافَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ خَرَجَ، هَلْ يُجْزِئُ مِنْ طَوَافِ الْوَدَاعِ؟

عمرہ کرنے والا عمرے کا طواف کرکے وطن لوٹ جائے تو کیا وہ طوافِ وداع کے قائم مقام ہوجائے گا؟

اگر حاجی نے طوافِ زیارت کے بعد عمرہ کیا یا کوئی نفلی طواف کیا پھر وہ طوافِ وداع کئے بغیر لوٹ گیا تو وہ نفلی طواف یا عمرہ کا طواف طوافِ وداع کے قائم مقام ہوجائے گا، اب اس پر دم واجب نہیں ہوگا، مگر افضل یہ ہے کہ رخصت ہوتے وقت طوافِ وداع کی نیت سے طواف کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تنعیم سے عمرہ کیا تھا اور ان کے واقعہ میں طوافِ وداع کا کوئی تذکرہ نہیں، معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے جو عمرہ کا طواف کیا تھا وہی طوافِ وداع کے قائم مقام ہوگیا۔

[۹-] بَابُ الْمُعْتَمِرِ إِذَا طَافَ طَوَافَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ خَرَجَ، هَلْ يُجْزِئُ مِنْ طَوَافِ الْوَدَاعِ؟

[۱۷۸۸-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا أَفْلَحُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مُهِلِّيْنَ بِالْحَجِّ، فِيْ أَشْهُرِ الْحَجِّ وَحُرُمِ الْحَجِّ، فَنَزَلْنَا بِسَرِفَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لِأَصْحَابِهِ: "مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ فَأَحَبَّ أَنْ يَجْعَلَهَا عُمْرَةً فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلاَ" وَكَانَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَرِجَالٍ مِنْ أَصْحَابِهِ ذَوِي قُوَّةٍ الْهَدْيُ، فَلَمْ تَكُنْ لَهُمْ عُمْرَةً، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا أَبْكِيْ، فَقَالَ: "مَا يُبْكِيْكِ؟" قُلْتُ: سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ لِأَصْحَابِكَ مَا قُلْتَ، فَمُنِعْتُ الْعُمْرَةَ، قَالَ: "وَمَا شَأْنُكِ؟" قُلْتُ: لاَ أُصَلِّيْ، قَالَ: فَلاَ يَضُرُّكِ، أَنْتِ مِنْ بَنَاتِ آدَمَ، كُتِبَ عَلَيْكِ مَا كُتِبَ عَلَيْهِنَّ، فَكُوْنِيْ فِيْ حَجِّكِ، عَسَى اللهُ أَنْ يَرْزُقَكِيْهَا" قَالَتْ: فَكُنْتُ، حَتَّى نَفَرْنَا مِنْ مِنًى،

فَنَزَلْنَا الْمُحَصَّبَ، فَدَعَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ: "اخْرُجْ بِأُخْتِكَ الْحَرَمَ، فَلْتُهِلَّ بِعُمْرَةٍ، ثُمَّ افْرُغَا مِنْ طَوَافِكُمَا، أَنْتَظِرُكُمَا هَاهُنَا" فَأَتَيْنَا فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، فَقَالَ: "فَرَغْتُمَا؟" قُلْتُ: نَعَمْ، فَنَادَى بِالرَّحِيلِ فِي أَصْحَابِهِ، فَارْتَحَلَ النَّاسُ، وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، ثُمَّ خَرَجَ مُوَجِّهًا إِلَى الْمَدِينَةِ. [راجع: ۲۹۴]

قوله: في اشهر الحج وحُرُم الحج: دونوں مترادف (ہم معنی) ہیں.......... **قوله: رجال من أصحابه:** معلوم ہوا کہ متعدد صحابہ کے پاس ہدی تھی، اور پہلے روایت میں جو آیا ہے کہ صرف نبی ﷺ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہدی تھی وہ راوی نے اپنے علم کے اعتبار سے کہا ہے.......... **قوله: فلم تكن لهم عمرة:** یعنی جن کے پاس ہدی تھی انھوں نے عمرہ کر کے احرام نہیں کھولا.......... **قوله: فكوني في حجّك:** یعنی عمرہ توڑ دو اور حج کا احرام باندھ لو.......... **قوله: فا تينا في جوف الليل:** عمرہ سے فارغ ہو کر جہاں نبی ﷺ کا قیام تھا وہاں ہم صبح صادق سے پہلے پہنچ گئے.......... **فنادى بالرحيل:** سفر شروع کرنے کا اعلان کیا گیا.......... **ومن طاف بالبيت:** جن لوگوں نے فجر کی نماز سے پہلے طواف وداع کیا تھا وہ بھی آ گئے پھر سب ساتھ روانہ ہوئے۔

بَابٌ: يَفْعَلُ بِالْعُمْرَةِ مَا يَفْعَلُ بِالْحَجِّ

عمرہ میں وہی کرے جو حج میں کرتا ہے

حج اور عمرہ دونوں حج ہیں، عمرہ چھوٹا حج ہے اور حج بڑا حج ہے۔ اس لئے مامورات و منہیات میں دونوں کے احکام ایک ہیں، جیسے فرض اور نفل نماز کے احکام ایک ہیں۔

[۱۰-] بَابٌ: يَفْعَلُ بِالْعُمْرَةِ مَا يَفْعَلُ بِالْحَجِّ

[۱۷۸۹-] حدثنا أَبُو نُعَيْمٍ، ثَنَا هَمَّامٌ، ثَنَا عَطَاءٌ، قَالَ: ثَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ بِالْجِعْرَانَةِ، وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ، وَعَلَيْهِ أَثَرُ الْخَلُوقِ، أَوْ قَالَ: صُفْرَةٍ، فَقَالَ: كَيْفَ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصْنَعَ فِي عُمْرَتِي؟ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَسُتِرَ بِثَوْبٍ، فَقُلْتُ لِعُمَرَ: وَدِدْتُ أَنِّي قَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْوَحْيَ، فَقَالَ عُمَرُ: تَعَالَ: أَيَسُرُّكَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْوَحْيَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. فَرَفَعَ طَرَفَ الثَّوْبِ، فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ لَهُ غَطِيطٌ، وَأَحْسِبُهُ قَالَ: كَغَطِيطِ الْبَكْرِ، فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْهُ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ عَنِ الْعُمْرَةِ؟ اخْلَعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ، وَاغْسِلْ أَثَرَ الْخَلُوقِ عَنْكَ، وَأَنْقِ الصُّفْرَةَ، وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ" [راجع: ۱۵۳۶]

وضاحت: خلوق اور صُفرہ: ایک ہی خوشبو ہیں، اور او شک راوی کا ہے.......... **قوله: فقلت لعمر**: اسی وقت نہیں کہا تھا بلکہ پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ میں وحی اترتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں .... **غطیط**: خراٹے .... **قوله: واحسبه الخ**: راوی کا خیال ہے کہ حدیث میں کَغَطِيْطِ الكبر بھی ہے یعنی جوان اونٹ کے خراٹے لینے کی طرح.......... **قوله: واصنع في عمرتك**: یہ جملہ باب سے متعلق ہے۔

[۱۷۹۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ: أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللّٰهِ: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ [البقرة: ۱۵۸] فَلاَ أُرَى عَلَى أَحَدٍ شَيْئًا أَنْ لاَ يَطَّوَّفَ بِهِمَا، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَلاَّ لَوْ كَانَتْ كَمَا تَقُوْلُ، كَانَتْ: فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لاَ يَطَّوَّفَ بِهِمَا، إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ فِي الأَنْصَارِ، كَانُوْا يُهِلُّوْنَ لِمَنَاةَ، وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ، وَكَانُوْا يَتَحَرَّجُوْنَ أَنْ يَطَّوَّفُوْا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلاَمُ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذٰلِكَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ زَادَ سُفْيَانُ، وَأَبُوْ مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: مَا أَتَمَّ اللّٰهُ حَجَّ امْرِئٍ وَلاَ عُمْرَتَهُ مَالَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. [راجع: ۱٦٤٣]

حوالہ: اس حدیث کا ترجمہ اور شرح کتاب الحج باب ۷۹ میں ہے.......... **قوله: وأنا يومئذ حديث السن**: یہ دفع دخل مقدر ہے، حضرت عروہؒ نے آیت کا جو مطلب سمجھا تھا وہ اس وقت کا واقعہ ہے، جب وہ کم عمر تھے، جب فقیہ بن گئے اس وقت کا یہ واقعہ نہیں.......... **قوله: مَا أَتَمَّ اللّٰهُ**: باب سے متعلق ہے، حج کی طرح عمرے میں بھی صفا مروہ کی سعی ضروری ہے۔

بَابٌ: مَتَى يَحِلُّ الْمُعْتَمِرُ؟

عمرہ کرنے والا کب حلال ہوگا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی یہ تھا کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہے وہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہی حلال ہوجائے گا، وہ صفا مروہ کی سعی سے پہلے بیوی سے صحبت کرسکتا ہے، مگر اس رائے کو کسی نے نہیں لیا، صحیح بات یہ ہے کہ عمرہ طواف وسعی کے بعد مکمل ہوتا ہے اس سے پہلے بیوی سے مقاربت جائز نہیں۔

[۱۱-] بَابٌ: مَتَى يَحِلُّ الْمُعْتَمِرُ؟

وَقَالَ عَطَاءٌ، عَنْ جَابِرٍ: أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَصْحَابَهُ أَنْ يَجْعَلُوْهَا عُمْرَةً، وَيَطُوْفُوْا ثُمَّ

يُقَصِّرُوْا وَيَحِلُّوْا.

[۱۷۹۱-] حدثنا إِسْحَاقَ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ جَرِيْرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفَى، قَالَ: اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَاعْتَمَرْنَا مَعَهُ، فَلَمَّادَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَطُفْنَا مَعَهُ، فَأَتَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ وَأَتَيْنَاهُمَا مَعَهُ، وَكُنَّا نَسْتُرُهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ أَنْ يَرْمِيَهُ أَحَدٌ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبٌ لِيْ: أَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ الْكَعْبَةَ؟ قَالَ: لَا. [راجع: ۱۶۰۰]

[۱۷۹۲-] قَالَ: فَحَدِّثْنَا مَا قَالَ لِخَدِيْجَةَ، قَالَ: "بَشِّرُوْا لِخَدِيْجَةَ بِبَيْتٍ مِنَ الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ، لَاصَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ"[انظر: ۳۸۱۹]

قولہ: ثم يُقَصِّرُوْا وَيَحِلُّوْا: یعنی معتمر طواف اور صفا مروہ کی سعی کرنے کے بعد حلق یا قصر کرا کر حلال ہوگا......... قولہ: وكنا نستره: عمرۃ القضا میں صحابہ نبی ﷺ کو حفاظت کی غرض سے چھپائے ہوئے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مکہ کا کوئی مشرک آپ کو کوئی چیز پھینک مارے، یہاں اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ پس جواب یہ ہے کہ آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آپ کو قتل نہیں کر سکتا، مگر مادون النفس گزند پہنچا سکتا ہے اس لئے صحابہ آپ کو گھیرے ہوئے تھے.......... قولہ: أدخل الكعبة؟ عمرۃ القضاء کے موقعہ پر نبی ﷺ کعبہ شریف کے اندر نہیں گئے، کیونکہ اس کے اندر مورتیاں تھیں اور کعبہ غیروں کے قبضہ میں تھا........... قولہ: فحدثنا ماقال: راوی نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے وہ بات پوچھی جو نبی ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں فرمائی ہے......... قَصَب: بانس، اور یہاں کھوکھلا کیا ہوا موتی مراد ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے جنت میں جو محل ہے وہ ون پیس موتی ہے، اور اس محل میں نہ شوروشغب ہے نہ تھکن۔

[۱۷۹۳-] حدثنا الْحُمَيْدِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ: عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ فِيْ عُمْرَةٍ، وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، أَيَأْتِيْ امْرَأَتَهُ؟ فَقَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا، وَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ، وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعًا، وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[راجع: ۳۹۵]

[۱۷۹۴-] قَالَ: وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ: لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتَّى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

[راجع: ۳۹۶]

[۱۷۹۵-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا غُنْدَرٌ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالْبَطْحَاءِ، وَهُوَ مُنِيْخٌ، فَقَالَ: "أَحَجَجْتَ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: "بِمَا أَهْلَلْتَ؟" قُلْتُ: لَبَّيْكَ بِإِهْلَالٍ كَإِهْلَالِ النَّبِيِّ صلى الله عليه

وسلم، قَالَ: " أَحْسَنْتَ، طُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ أَحِلَّ" فَطُفْتُ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ أَتَيْتُ امْرَأَةً مِنْ قَيْسٍ، فَفَلَتْ رَأْسِي، ثُمَّ أَهْلَلْتُ بِالْحَجِّ، فَكُنْتُ أُفْتِي بِهِ حَتَّى كَانَ فِي خِلَافَةِ عُمَرَ، فَقَالَ: إِنْ أَخَذْنَا بِكِتَابِ اللهِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُنَا بِالتَّمَامِ، وَإِنْ أَخَذْنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ. [راجع: ۱۵۵۹]

قولہ: وهو مُنِيخٌ: درانحالیکہ آپ اونٹ بٹھانے والے تھے یعنی بطحاء میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے .... **قولہ:** أحججتَ؟ کیاتم نے حج کا احرام باندھا ہے؟ .... **قولہ:** طُفْ بالبيت: طواف اور سعی کر کے حلال ہو جاؤ، معلوم ہوا کہ صرف طواف کرنے سے حلال نہیں ہوگا بلکہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد حلال ہوگا۔

[۱۷۹۶-] حدثنا أحْمَدُ، ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَنَا عَمْرٌو، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ مَوْلَى أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ كَانَ يَسْمَعُ أَسْمَاءَ تَقُوْلُ كُلَّمَا مَرَّتْ بِالْحَجُوْنِ: صَلَّى اللهُ عَلَى رَسُوْلِهِ. لَقَدْ نَزَلْنَا مَعَهُ هَاهُنَا، وَنَحْنُ يَوْمَئِذٍ خِفَافٌ قَلِيْلٌ ظَهْرُنَا، قَلِيْلَةٌ أَزْوَادُنَا، فَاعْتَمَرْتُ أَنَا، وَأُخْتِي عَائِشَةُ، وَالزُّبَيْرُ، وَفُلَانٌ، وَفُلَانٌ، فَلَمَّا مَسَحْنَا الْبَيْتَ أَحْلَلْنَا، ثُمَّ أَهْلَلْنَا مِنَ الْعَشِيِّ بِالْحَجِّ. [راجع: ۱۶۱۵]

وضاحت: جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما خلافت لے کر مکہ چلے گئے تھے، تو ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی مکہ میں آگئی تھیں، وہ جب بھی حجون قبرستان کے قریب سے گذرتیں تو درود شریف پڑھتیں، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہاں پڑاؤ ڈالا تھا .... حضرت اسماءؓ نے طویل عمر پائی ہے، حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد تک زندہ رہی ہیں، جب حجاج نے حضرت عبداللہؓ کو شہید کیا تو دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے ان کی لاش کو سولی پر لٹکایا، ایک مرتبہ حضرت اسماءؓ وہاں سے گذریں تو فرمایا: أما آن لهذا الفارس أن ينزل؟ کیا اس گھوڑسوار کے لئے اترنے کا وقت نہیں آیا؟ جب حجاج کو یہ بات پہنچی تو اس نے فوراً حضرت عبداللہؓ کو دفن کرادیا، کیونکہ اب سولی پر ہونا حضرت عبداللہؓ کے لئے فضیلت بن گیا۔

قولہ: ونحن يومئذ خفاف: ہم اس وقت غریب تھے، سواریاں بھی تھوڑی تھیں اور توشہ بھی تھوڑا تھا .... **قولہ:** فلما مسحنا: یعنی افعالِ عمرہ کر کے ہم نے احرام کھول دیا .... ثم أهللنا: پھر حج کے موقع پر حج کا احرام باندھا (یہ حدیث ابھی گذری ہے)

بَابُ مَايَقُوْلُ إِذَا رَجَعَ مِنَ الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوِ الْغَزْوِ؟

جب حج سے یا عمرہ سے یا جہاد سے لوٹے تو کیا ذکر کرے؟

أبواب العمرة پورے ہو چکے، اب یہاں سے أبواب المُحْصَر تک أبواب العمرة کا ضمیمہ ہے، اور اس میں سفر سے

لوٹنے سے متعلق ہدایات ہیں، اور باہم مناسبت یہ ہے کہ جو عمرہ کرنے جائے گا وہ ضرور گھر لوٹے گا، اور حج اور عمرہ کے احکام ایک ہیں، اس لئے دونوں سے لوٹنے کے مسائل بیان کرتے ہیں، اور جہاد سے لوٹنے کو بھی ساتھ لے لیا، کیونکہ حج بھی ایک جہاد ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

لوگ جب حج یا عمرہ کے لئے جاتے ہیں تو تلبیہ پڑھتے ہوئے اور دیگر اذکار کرتے ہوئے جاتے ہیں، مگر جب لوٹتے ہیں تو گھر کی محبت اور بیوی بچوں سے ملاقات کا شوق غالب آجاتا ہے، جو ذکر سے غافل کر دیتا ہے، حالانکہ نبی ﷺ جب سفر میں جاتے تھے تب بھی ذکر کرتے تھے اور جب لوٹتے تھے تب بھی ذکر کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب آپ غزوہ سے یا حج سے یا عمرہ سے لوٹتے اور کسی بلند جگہ پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے پھر فرماتے: لا إله إلا الله وحده (الی آخرہ) ترجمہ: کوئی عبادت کے لائق نہیں اللہ کے علاوہ جو یگانہ ہیں ان کا کوئی شریک نہیں، انہی کے لئے فرمانروائی ہے، اور وہی تعریفوں کے مستحق ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں، ہم لوٹ رہے ہیں، اپنی لغزشتوں کی توبہ کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی عبادت کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کے لئے، تعریف کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے (نبی ﷺ) کی مدد کی اور لشکروں کو تن تنہا شکست دی۔

[۱۲-] بَابُ مَا يَقُوْلُ إِذَا رَجَعَ مِنَ الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوِ الْغَزْوِ؟

[۱۷۹۷-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ: نَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيْرَاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ:" لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا، حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ"[انظر: ۲۹۹۵، ۳۰۸۴، ۴۱۱۶، ۶۳۸۵]

بَابُ اسْتِقْبَالِ الْحَاجِّ الْقَادِمِيْنَ، وَالثَّلَاثَةِ عَلَى الدَّابَّةِ

آنے والے حاجیوں کا استقبال کرنا، اور ایک اونٹ پر تین کا بیٹھنا

حجاج کا استقبال کر سکتے ہیں، اور سواری پر نا قابل برداشت بوجھ نہ پڑے تو تین آدمی بیٹھ سکتے ہیں، بلکہ چار بھی بیٹھ سکتے ہیں، مگر یہ شرط ہے کہ سواری پر نا قابل برداشت بوجھ نہ پڑے، جب آنحضور ﷺ مکہ مکرمہ پہنچے ہیں تو خاندان کے بچوں نے آپ کا استقبال کیا ہے، آپؐ نے ایک بچہ کو آگے اور دوسرے کو پیچھے بٹھالیا۔ معلوم ہوا کہ اگر سواری برداشت کر سکے تو اس پر تین آدمی بیٹھ سکتے ہیں، اور جب جاتے ہوئے حاجی کا استقبال کر سکتے ہیں تو واپسی میں بھی کر سکتے ہیں۔

فائدہ: آج کل مفتیانِ کرام حاجی کو رخصت کرنے سے اور اس کا استقبال کرنے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ اب یہ رسم

بن گئی ہے، اوراس میں بے شمار مفاسد ہیں، مثلاً: فوٹوگرافی، شوروشغب، مردوزن کا اختلاط اور نمازوں سے غفلت، علاوہ ازیں جولوگ رخصت کرنے یا استقبال کرنے کے لئے جاتے ہیں، ان کا صرفہ حاجی کے سر پڑتا ہے، جس کی وجہ سے وہ خواہ مخواہ زیر بار ہوتا ہے، ہاں ضرورت کے بقدر آدمی لینے یا چھوڑنے جائیں تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

[۱۳-] بَابُ اسْتِقْبَالِ الْحَاجِّ الْقَادِمِيْنَ، وَالثَّلاَثَةِ عَلَى الدَّابَّةِ

[۱۷۹۸-] حدثنا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَكَّةَ اسْتَقْبَلَهُ أُغَيْلِمَةُ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَحَمَلَ وَاحِدًا بَيْنَ يَدَيْهِ وَآخَرَ خَلْفَهُ. [انظر: ۵۹۶۵، ۵۹۶۶]

بَابُ الْقُدُوْمِ بِالْغَدَاةِ

صبح کے وقت آنا

آنحضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپؐ رات میں مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ شہر سے باہر پڑاؤ کرتے تھے، پھر صبح شہر میں داخل ہوتے تھے، اوراس کی دووجہ تھیں: ایک: آپ عورتوں کو موقع دینا چاہتے تھے کہ وہ بناؤ سنگھار کرکے خودکو شوہروں کے لئے تیار کرلیں۔ دوسری: آپؐ کے ساتھ بڑا مجمع ہوتا تھا، اگر آپؐ رات میں مدینہ میں داخل ہوتے تو لوگوں کا چین ختم ہوجاتا، مگراب احوال بدل گئے ہیں، گھر والوں کو پہلے سے خبر ہوتی ہے اور شہر میں رات بھر آمدورفت جاری رہتی ہے، پس اگر گھر والوں کو اطلاع دے رکھی ہے تو رات میں بھی گھر آسکتا ہے، کیونکہ ایک دو آدمیوں کے شہر اور گاؤں میں داخل ہونے سے کسی کو پریشانی نہیں ہوتی، البتہ اگر کسی کے ساتھ بڑا مجمع ہو تو اس کو رات میں شہر میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔

[۱٤-] بَابُ الْقُدُوْمِ بِالْغَدَاةِ

[۱۷۹۹-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ الْحَجَّاجِ، ثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ يُصَلِّيْ فِيْ مَسْجِدِ الشَّجَرَةِ، وَإِذَا رَجَعَ صَلَّى بِذِي الْحُلَيْفَةِ بِبَطْنِ الْوَادِيْ، وَبَاتَ حَتَّى يُصْبِحَ. [راجع: ٤٨٤]

بَابُ الدُّخُوْلِ بِالْعَشِيِّ

شام کے وقت داخل ہونا

شام کے وقت گھر آسکتے ہیں، کیونکہ شام میں اچانک گھر پہنچے گا تو بھی عورت کے لئے بننے سنور کا موقع ہوگا، اور کسی کو

پریشانی بھی نہیں ہوگی، نبی ﷺ شام میں مدینہ میں داخل ہوتے تھے لیکن اگر رات ہوجاتی تو شہر سے باہر قیام فرماتے اور صبح شہر میں داخل ہوتے۔

[۱۵-] بَابُ الدُّخُوْلِ بِالْعَشِيِّ

[۱۸۰۰-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا، كَانَ لَا يَدْخُلُ إِلَّا غُدْوَةً أَوْ عَشِيَّةً.

بَابٌ: لَايَطْرُقُ أَهْلَهُ إِذَا بَلَغَ الْمَدِيْنَةَ

جب مدینہ پہنچے تو رات میں اچانک گھر نہ پہنچے

رات میں بے خبری میں گھر آنے کی اجازت نہیں۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے لیکن اگر پہلے سے گھر والوں کو اطلاع ہے تو رات میں بھی گھر آنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

[۱۶-] بَابٌ: لَايَطْرُقُ أَهْلَهُ إِذَا بَلَغَ الْمَدِيْنَةَ

[۱۸۰۱-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَارِبٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَطْرُقَ أَهْلَهُ لَيْلًا. [راجع: ۴۴۳]

بَابُ مَنْ أَسْرَعَ نَاقَتَهُ إِذَا بَلَغَ الْمَدِيْنَةَ

جس نے اونٹنی کو تیز چلایا جب مدینہ پہنچا

وطن سے محبت فطری چیز ہے، اور اس مسئلہ میں کسی نے ایک حدیث بھی گھڑی ہے: حُبُّ الوطن مِن الإیمان: یہ بے اصل روایت ہے، لیکن آدمی کو وطن سے محبت ہوتی ہے، چنانچہ نبی ﷺ جب سفر سے لوٹتے اور مدینہ کی چڑھائی اور مکانات نظر آتے تو سواری تیز کر دیتے، ایسا وطن کی محبت میں کرتے تھے۔

[۱۷-] بَابُ مَنْ أَسْرَعَ نَاقَتَهُ إِذَا بَلَغَ الْمَدِيْنَةَ

[۱۸۰۲-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنِيْ حُمَيْدٌ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا، يَقُوْلُ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَأَبْصَرَ دَرَجَاتِ الْمَدِيْنَةِ أَوْضَعَ نَاقَتَهُ، وَإِنْ كَانَتْ دَابَّةً حَرَّكَهَا.

حدثنا قُتَيْبَةُ، قَالَ: ثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: "جُدُرَاتِ" تَابَعَهُ الْحَارِثُ بْنُ عُمَيْرٍ: وَزَادَ الْحَارِثُ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ: حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا. [انظر: ۱۸۸۶]

قوله: درجاتِ المدينة: مدینہ کی سیڑھیاں اور مراد مدینہ کے مکانات ہیں، اور ایک روایت میں دَوْحات ہے، اس کے معنی ہیں: بڑے درخت، اور قتیبہ کی روایت میں جُدُرات (دیواریں) ہے اس سے بھی مکان مراد ہیں......... قوله: أوضع ناقته، وإن كانت دابة حرّكها: اپنی اونٹنی کو تیز چلاتے، اور اگر کوئی اور سوار ہوتی تو اس کو تیز کر دیتے اور حارث بن عُمیر کی روایت میں یہ اضافہ ہے: "مدینہ کی محبت میں سواری تیز کرتے تھے"

بَابُ قَوْلِ اللهِ: ﴿ وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾

گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ

آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ انصار جب حج کر کے آتے تھے تو پہلی مرتبہ گھر میں دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے، گھر کے پیچھے سے سیڑھی رکھ کر یا دیوار پھاند کر آتے تھے، اور اس کو نیکی کا کام سمجھتے تھے، ایک شخص غلطی سے دروازے سے گھر میں آ گیا تو لوگوں نے اس کو خوب لعن طعن کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے آؤ، بلکہ نیکی تقوی اختیار کرنا ہے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرو یعنی ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرنا اصل نیکی ہے، گھروں میں پیچھے سے آنا کوئی نیکی نہیں۔

[۱۸-] بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿ وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾

[۱۸۰۳-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يَقُوْلُ: نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِيْنَا، كَانَتِ الْأَنْصَارُ إِذَا حَجُّوْا، فَجَاؤُا لَمْ يَدْخُلُوْا مِنْ قِبَلِ أَبْوَابِ بُيُوْتِهِمْ، وَلٰكِنْ مِنْ ظُهُوْرِهَا، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَخَلَ مِنْ قِبَلِ بَابِهِ، فَكَأَنَّهُ عُيِّرَ بِذٰلِكَ، فَنَزَلَتْ: ﴿ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا، وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى، وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ [البقرة: ۱۸۹] [انظر: ۴۵۱۲]

بَابٌ: السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے

سفر کتنا ہی آرام دہ ہو مگر ہوتا ہے وہ تکلیف دہ، گھر میں جو آرام ملتا ہے وہ سفر میں نہیں مل سکتا، اس لئے حج کا سفر ہو یا عمرہ کا یا عام سفر، جب مقصد پورا ہو جائے تو جلدی گھر لوٹ جانا چاہئے، آنحضور ﷺ حجۃ الوداع میں چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ

پہنچے تھے، تین دن مکہ میں رہے، پھر حج سے فارغ ہو کر تیرہ اور چودہ کی درمیانی رات میں مدینہ منورہ لوٹ گئے، مگر اب لوگ چالیس دن تک مکہ اور مدینہ میں رہتے ہیں کیونکہ وہ زندگی بھر پیسہ جوڑتے ہیں اور بڑی آرزوئیں لے کر جاتے ہیں اس لئے زیادہ سے زیادہ وقت حرمین میں گذارنا چاہتے ہیں مگر نبی ﷺ کی سنت یہی ہے کہ حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر جلد واپس لوٹ جانا چاہئے۔

[۱۹-] بَابٌ: السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ

[۱۸۰۴-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ، يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَنَوْمَهُ، فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ. [انظر: ۳۰۰۱، ۵۴۲۹]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: سفر ایک قسم کا عذاب ہے، وہ آدمی کو کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے، یعنی سفر میں نہ وقت پر کھانا ملتا ہے نہ اطمینان حاصل ہوتا ہے، پس جب ضرورت پوری ہو جائے تو چاہئے کہ گھر لوٹ آئے۔

بَابُ الْمُسَافِرِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ، وَتَعَجَّلَ إِلَى أَهْلِهِ

جب مسافر تیزی سے سفر کر رہا ہو اور وہ جلدی گھر پہنچنا چاہتا ہو (تو جمع صوری کرے)

کبھی کسی وجہ سے آدمی جلدی سفر کرتا ہے، وہ جلدی گھر پہنچنا چاہتا ہے تو وہ سفر میں جمع صوری کرے، تاکہ جلدی گھر پہنچے۔ قولہ: وَتَعَجَّلَ إلى أهلِه: بعض نسخوں میں واؤ نہیں ہے اور بعض میں ہے، اور عطف تفسیری ہے، اور باب میں جو حدیث ہے اس سے جاتے ہوئے جلدی کرنے کا ثبوت ملتا ہے لیکن واپسی میں جلدی کرنے کا حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے باب میں اضافہ کیا ہے کہ جاتے ہوئے بھی جمع صوری کر سکتا ہے اور واپسی میں بھی۔

[۲۰-] بَابُ الْمُسَافِرِ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ، وَتَعَجَّلَ إِلَى أَهْلِهِ

[۱۸۰۵-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنِيْ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ، فَبَلَغَهُ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِيْ عُبَيْدٍ شِدَّةُ وَجَعٍ، فَأَسْرَعَ السَّيْرَ، حَتَّى إِذَا كَانَ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّفَقِ نَزَلَ، فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعَتَمَةَ، جَمَعَ بَيْنَهُمَا، ثُمَّ قَالَ: إِنِّيْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا. [راجع: ۱۰۹۱]

حوالہ: یہ حدیث أبواب تقصير الصلاة باب ۶ (تحفۃ القاری ۳: ۴۲۵) میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَابُ الْمُحْصَرِ وَجَزَاءُ الصَّيْدِ

احصار کا بیان اور شکار کا بدلہ

مُحصَر (باب افعال سے) اسم مفعول ہے، اس کے معنی ہیں: روکا ہوا، کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر چلا پھر کوئی مانع پیش آ گیا جس کی وجہ سے وہ مکہ نہیں جاسکتا تو وہ محصَر (اسم مفعول) اور مانع (روکنے والا) محصِر (اسم فاعل) ہے، اور باب میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی محرم شکار مارے تو اس کی جزاء واجب ہے۔ باب میں یہ دونوں مسئلے اکٹھا کئے گئے ہیں، مگر دوسرا مسئلہ اگلی بسم اللہ کے بعد آئے گا، وہاں تک احصار کا بیان ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہاں چار مسئلے مختلف فیہ ہیں: (۱) دشمن کے روکنے سے بالاجماع احصار متحقق ہوتا ہے مگر مرض وغیرہ موانع سے احصار متحقق ہوتا ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک متحقق ہوتا ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک متحقق نہیں ہوتا (۲) احصار کی صورت میں احرام کھولنے کے لئے ہدی حرم میں بھیجنا ضروری ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک ضروری ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضروری نہیں (۳) اُس حج یا عمرہ کی قضا ضروری ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک ضروری ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک ضروری نہیں (۴) سرمنڈانا احرام سے نکلنے کی محض علامت ہے یا احرام سے نکلنے کے لئے شرط ہے؟ احناف کے نزدیک یہ محض علامت ہے، احرام قربانی سے خود بخود کھل جاتا ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک شرط ہے، سرمنڈانے ہی سے احرام کھلے گا، اور امام بخاری رحمہ اللہ پہلے مسئلہ میں احناف کے ساتھ ہیں اور باقی مسائل میں ائمہ ثلاثہ کے ساتھ ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:

احناف اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک ہر عذر سے احصار متحقق ہوتا ہے، مثلاً: کوئی حادثہ پیش آیا اور لنگڑا ہو گیا، یا ایکسیڈنٹ ہو گیا یا کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گیا یا کسی جرم کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے جیل میں چلا گیا یا پاسپورٹ چوری ہو گیا یا دشمن نے روک دیا ان سب صورتوں میں احناف کے نزدیک احصار متحقق ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے روکنے سے متحقق ہوتا ہے، دیگر اعذار کی وجہ سے احصار متحقق نہیں ہوتا۔ اور احصار میں ائمہ ثلاثہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک: جہاں مانع پیش آیا ہے وہیں قربانی کرکے اور سرمنڈا کر احرام کھول دے اور اس پر اس حج یا عمرہ کی قضا واجب نہیں،

اور چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ اعذار کی صورت میں احصار متحقق نہیں ہوتا اس لئے دیگر اعذار کی صورت میں اس کو بہر حال مکہ پہنچنا ہوگا، پھر عمرہ کا احرام ہے تو ارکانِ عمرہ کرنے سے احرام کھلے گا اور حج کا احرام ہے تو ارکانِ حج ادا کرنے سے بھی کھلے گا اور حج کے دن گذر گئے ہیں تو عمرہ کے افعال سے بھی کھل جائے گا، اس کے علاوہ ان کے نزدیک احرام سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

اور احناف کے نزدیک ہر عذر سے احصار متحقق ہوتا ہے اور احرام ختم کرنے کے لئے ہدی (قربانی) حرم میں بھیجنی ضروری ہے جب وہاں ہدی ذبح ہو جائے تو احرام کھل جائے گا، اور اس حج یا عمرہ کی قضا واجب ہے، اور احرام کھولنے کے لئے سر منڈانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری ہے، اور طرفین کے نزدیک جب حرم میں ہدی ذبح ہوگئی تو احرام خود بخود کھل گیا سر منڈانے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں چار دلائل ہیں، جن پر مسائل کا مدار ہے: ایک قرآنِ کریم کی آیت ہے، دوسرا نبی ﷺ کا واقعہ ہے اور دو حدیثیں ہیں:

واقعہ اور آیت: سن ۶ ہجری میں نبی ﷺ نے ایک خواب دیکھا، جس کا تذکرہ سورۃ الفتح (آیت ۲۷) میں ہے: آپؐ مع اصحاب مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے اور سب نے باطمینان عمرہ ادا کیا، اس خواب کی وجہ سے (نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) آپؐ کا اور صحابہ کا اشتیاق بڑھ گیا، چنانچہ آپؐ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، کعبہ شریف سب کی مشترک عبادت گاہ تھی وہاں حج یا عمرہ کے لئے آنے والوں کو روکنے کا کسی کو حق نہیں تھا، مگر جب یہ قافلہ حدیبیہ پہنچا تو اطلاع ملی کہ مکہ والوں کا ارادہ ٹھیک نہیں، وہ آپؐ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، چنانچہ آپؐ حدیبیہ میں رک گئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام دے کر مکہ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے، عمرہ کرنے آئے ہیں، پھر مکہ سے یکے بعد دیگرے کئی وفد آئے بالآخر صلح ہوگئی کہ آپؐ اور صحابہ امسال واپس جائیں اس موقع پر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۶ نازل ہوئی:

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ، فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾: اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے پس اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر قربانی ہے جو تمہیں بسہولت میسر آئے، اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اس کی جگہ پہنچ جائے۔ اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانیاں کر کے احرام کھول دو، صحابہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا، انھیں اب بھی امید تھی کہ عمرہ کریں گے، اس لئے انھوں نے قربانیاں نہیں کیں، نبی ﷺ خیمہ میں تشریف لے گئے اس سفر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، آپؐ نے ان سے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا: ''تیرے باپ کی قوم میری بات نہیں مانتی'' حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا نہیں ہے لوگ غمگین ہیں، آپؐ کسی سے کچھ نہ کہیں اپنی قربانی ذبح کر کے سر منڈا کر احرام کھول دیں، چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا، جب آپؐ کا احرام کھل گیا تو صحابہ کی امید پر پانی پھر گیا، انھوں نے بھی قرانیاں کر کے احرام کھول دیا۔

احادیث:

۱- حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی ہڈی توڑ دی گئی یا وہ لنگڑا ہوگیا تو اس کا احرام کھل گیا اور اس کے ذمہ دوسرا حج ہے''

۲- حضرت ضُباعہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے پاس آئیں یہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں وہ کمزور دل کی تھیں، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری خواہش ہے کہ آپؐ کے ساتھ حج کروں، مگر میرا دل دھڑ کتا ہے، پس کیا میں شرط بدوں؟ یعنی شرط لگاؤں؟ آپؐ نے فرمایا: بدو! کہنے لگیں: یارسول اللہ! کس طرح شرط بدوں؟ آپؐ نے فرمایا: کہو: لبیك اللّٰھم لبیك مَحِلّی مِنَ الأرضِ حیث تَحْبِسُنِی یعنی میرے احرام کھولنے کی جگہ وہ ہے جہاں آپ مجھے روک دیں، پھر وہ آپ کے ساتھ حج میں گئیں اور حج کر کے بعافیت لوٹ آئیں یعنی کوئی مانع پیش نہ آیا—— یہ دونوں حدیثیں ترمذی (نمبر ۹۲۷ و ۹۲۸) میں ہیں اور اعلی درجہ کی صحیح ہیں۔

استدلال: ائمہ ثلاثہ نے شانِ نزول کے واقعہ کو اصل قرار دیا اور فرمایا کہ اس واقعہ میں احصار دشمن کی وجہ سے تھا اور نبی ﷺ نے اور سب صحابہ نے حدیبیہ میں قربانیاں کی تھیں، حرم میں قربانیاں نہیں بھیجی تھیں اور سر منڈا کر احرام کھولا تھا اس لئے احصار صرف دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور جہاں احصار ہو وہیں قربانی کر کے احرام کھول دے، اور سر منڈانا ضروری ہے۔ اور دیگر اعذار شانِ نزول والے واقعہ کے درجہ کے نہیں ہیں اس لئے ان سے احصار نہیں ہوگا، جیسے ایک صحابی نے رمضان میں بیوی سے صحبت کر کے روزہ توڑ دیا، آپؐ نے قضاء اور کفارہ کا حکم دیا (بخاری حدیث ۱۹۳۵) پس جو صحبت کر کے روزہ توڑے اس پر تو بالا جماع قضا اور کفارہ واجب ہے، مگر جو کھا پی کر روزہ توڑے اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، چھوٹے دو اماموں کے نزدیک اس میں کفارہ واجب نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اکل وشرب: جماع کے معنی میں نہیں، جماع میں بہت زیادہ لذت ہے، اکل وشرب میں وہ لذت نہیں، پس یہ دونوں جماع کے درجہ کے گناہ نہیں، اسی طرح دشمن کی طرف سے جو احصار ہوتا ہے اس کی نوعیت الگ ہے، اور دیگر اعذار کی وجہ سے جو احصار ہوتا ہے اس کی نوعیت الگ ہے، پس ان کا حکم بھی الگ ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کو اشتراط کی اجازت دی تھی، اگر دشمن کے علاوہ موانع سے احصار ہوتا تو اشتراط کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت ضُباعہؓ کو جہاں بھی عذر پیش آتا جانور ذبح کر کے احرام کھول دیتیں؟! اور حجاج بن عمرو کی حدیث سے انھوں نے صرف نظر کیا ہے۔

اور حنفیہ کہتے ہیں: جو احصار دشمن کی طرف سے ہوتا ہے اس کے لئے لفظ حَصْرَ (مجرد) آتا ہے اور جو احصار دیگر موانع سے ہوتا ہے اس کے لئے باب افعال سے إحصار آتا ہے، اکثر اہل لغت نے یہی فرق لکھا ہے، اور آیت میں أُحْصِرْتُم (باب افعال سے) ہے جبکہ حدیبیہ میں دشمن کی طرف سے احصار ہوا تھا، یعنی آیت میں دیگر موانع سے احصار کا ذکر ہے اور

آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے احرام کھول دیا تھا کیونکہ آیت کا حکم احصار کی اقوی صورت کو بھی شامل ہے، جیسے: ﴿وَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ سے ضرب وشتم اور ہر طرح کی ایذاء رسانی کی حرمت دلالۃ النص سے ثابت ہوتی ہے، اسی طرح دلالۃ النص سے دشمن کے احصار کا حکم بھی آیت سے معلوم ہوگیا، پس آیت اور واقعہ کے مجموعہ سے ثابت ہوا کہ احصار ہر صورت میں ہوتا ہے۔

اور دوسری دلیل: حجاج بن عمرو کی حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کے علاوہ دیگر اعذار کی وجہ سے بھی احصار ہوتا ہے (یہ حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے اگرچہ ترمذی کے ہندوستانی نسخوں میں صرف حسنٌ ہے مگر مصری نسخہ میں صحیح بھی ہے)

اور حضرت ضباعہؓ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ ان سے شرط بدنے کی بات نبی ﷺ نے نہیں فرمائی تھی بلکہ وہ بات انھوں نے خود کہی تھی اور آپؐ نے اجازت دی تھی، اور لیلۃ القدر کی روایات میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ خود امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ جب کوئی نبی ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھتا تو آپؐ اس کا ذہن پڑھتے اور جس طرف اس کا رجحان ہوتا اس رات میں شبِ قدر تلاش کرنے کا حکم دیتے (امام شافعیؒ کا یہ قول ترمذی کتاب الصوم باب ۷۱ (تحفۃ الالمعی ۳: ۱۶۷) میں ہے یہاں بھی جب حضرت ضباعہؓ نے اشتراط کی بات کہی تو آپ نے منع نہیں کیا اور اشتراط میں حضرت ضباعہؓ کا فائدہ یہ تھا کہ ان کو گونہ اطمینان رہے گا، اس لئے آپؐ نے اشتراط کی اجازت دیدی (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۳: ۳۴۶) میں ہے)

اور حنفیہ جو کہتے ہیں کہ قربانی حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں دومرتبہ لفظ ہدی آیا ہے اور ہدی کی تعریف ہے: ما یُهْدَى إلى الحرم: وہ جانور جو حرم میں ذبح کیا جائے۔ اور ارشادِ پاک ہے: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾ یعنی جب تک ہدی اس کی جگہ میں پہنچ جائے ممنوعاتِ احرام سے بچو، مَحِلّہ سے حرم مراد ہے، پس ثابت ہوا کہ قربانی حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، جہاں احصار پیش آیا ہے وہاں جانور ذبح کرنا جائز نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ حدیبیہ کا ایک حصہ حل میں ہے اور ایک حصہ حرم میں، آپؐ کا قافلہ حل میں رکا تھا مگر قربانیاں حرم میں کی تھیں۔

اور ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک احصار کی صورت میں سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری ہے، اور طرفین کے نزدیک قربانی ذبح ہوتے ہی احرام خود بخود کھل جاتا ہے، سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری نہیں، اس مسئلہ میں جمہور کی دو دلیلیں ہیں: اول: حدیبیہ میں نبی ﷺ نے اور صحابہ نے باقاعدہ سر منڈا کر احرام کھولا تھا۔ دوم: آیت پاک: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ہدی ذبح ہونے کے بعد سر منڈاؤ، اور طرفین فرماتے ہیں: اول تو مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، ثانیاً آیت میں احرام کھولنے کا بیان نہیں ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حرم میں قربانی ذبح نہ ہوجائے ممنوعات احرام سے بچو، کیونکہ آیت منفی ہے، اگر احرام کھولنے کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہوتا تو

آیت مثبت ہوتی: واحلقوا رؤسکم إذا بلغ الھدی محلہ فرمایا جاتا، یعنی جب قربانی اس کی جگہ پہنچ جائے تو سر منڈاؤ مگر آیت میں نہی ہے، یعنی اس میں احرام کھولنے کا طریقہ بیان نہیں کیا گیا بلکہ قربانی ذبح ہونے تک ممنوعات احرام سے بچنے کا حکم ہے۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ سے سر منڈایا تھا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ آپؐ کا احرام کھل گیا، تاکہ آپؐ کی اتباع میں سب احرام کھول دیں، غرض آپؐ نے علامت کے طور پر سر منڈایا تھا، اور صحابہ نے آپؐ کی اتباع میں سر منڈایا تھا، احرام کھولنے کے لئے سر نہیں منڈایا تھا، وہ تو خود بخود کھل گیا تھا۔

اور احناف جو حج اور عمرہ کی قضا واجب کرتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عمرۂ حدیبیہ کی قضا کی تھی، چنانچہ آپؐ نے اگلے سال جو عمرہ کیا تھا اس کا ایک نام عمرۃ القضاء بھی ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا نام عمرۃ القضیہ ہے یعنی باہمی معاہدہ کے مطابق آپؐ نے اگلے سال جو عمرہ کیا تھا وہ گذشتہ عمرہ کی قضا نہیں تھی وہ مستقل عمرہ تھا، اور احناف کے نزدیک وہ عمرۃ القضیہ بھی تھا اور عمرۃ القضاء بھی، اور دوسری دلیل حجاج بن عمروؓ کی مذکورہ حدیث ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جس شخص کی ہڈی توڑ دی گئی یا وہ لنگڑا ہوگیا تو اس کا احرام کھل گیا اور اس کے ذمہ دوسرا حج ہے''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۷- بَابُ الْمُحْصَرِ، وَجَزَاءُ الصَّيْدِ

[۱-] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾[البقرة: ۱۹۶]

[۲-] وَقَالَ عَطَاءٌ: الإِحْصَارُ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يَحْبِسُهُ.

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: ﴿حَصُوْرًا﴾ [آل عمران: ۳۹]: لَايَأْتِي النِّسَاءَ.

۲- حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی بھی مانع پیش آئے: احصار متحقق ہوگا یہی حنفیہ اور امام بخاری رحمہما اللہ کی رائے ہے......... قولہ: حصوراً: حضرت یحیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں یہ لفظ آیا ہے، حصور: وہ شخص ہے جس کو عورت سے کوئی سروکار نہ ہو، طلبہ سمجھتے ہیں: جس میں قوت مردمی نہ ہو وہ حصور ہے، یہ صحیح نہیں، حصور: وہ شخص ہے جس میں قوت مردمی ہو مگر وہ عورتوں سے بے تعلق رہے یعنی شادی نہ کرے۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی تھی اس لئے وہ حصور ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی شادی نہیں کی تھی، مگر ابھی ان کی زندگی باقی ہے، وہ قیامت سے پہلے اتریں گے اور شادی کریں گے، اور ان کی اولاد بھی ہوگی، اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کی زندگی پوری ہوگئی اور انھوں نے شادی نہیں کی، اس

لئے وہ حصور ہیں۔

بَابٌ: إِذَا أُحْصِرَ الْمُعْتَمِرُ

جب عمرہ کرنے والا روک دیا جائے

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احصار صرف حج میں ہوتا ہے عمرہ میں احصار نہیں ہوتا، کیونکہ حج کے پانچ دن متعین ہیں، پس وہ فوت ہوسکتا ہے اور عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں، وہ پورے سال ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر عمرہ میں کوئی مانع پیش آئے تو احرام میں رہے گا اور انتظار کرے گا، جب مانع دور ہو تو مکہ جائے اور عمرہ کرے۔

اور جمہور کے نزدیک حج میں بھی احصار ہوتا ہے اور عمرہ میں بھی، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت پاک ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ﴾: عمرہ کے احصار کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے، حدیبیہ میں سب کا بشمول نبی ﷺ عمرہ کا احرام تھا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی جس سال حجاج نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر نکلے تھے، بعد میں اس کے ساتھ حج کا احرام ملایا تھا، اگر صرف عمرہ کا احرام باندھ کر جاتے اور حجاج مکہ میں داخل نہ ہونے دیتا تو حضرت ابن عمرؓ قربانی کرکے احرام کھول دیتے، جیسا کہ حدیبیہ کے سال حضور ﷺ نے کیا تھا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بیشک حج فوت ہوسکتا ہے مگر اس کے احرام سے نکلنے کے لئے متبادل صورت موجود ہے، اگر حج کے ایام گذر جائیں تو افعالِ عمرہ کرکے احرام کھول دے گا اور آئندہ اس حج کی قضا کرے گا پس کہنا چاہئے تھا کہ حج میں بھی احصار نہیں ہوتا، حالانکہ اس کو امام مالک رحمہ اللہ مانتے ہیں، پس عمرہ میں بھی احصار ماننا چاہئے۔ علاوہ ازیں یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے اس لئے صحیح نہیں، غرض اس باب سے امام مالک رحمہ اللہ کی تردید مقصود ہے۔

[۱-] بَابٌ: إِذَا أُحْصِرَ الْمُعْتَمِرُ

[۱۸۰۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أنا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، حِيْنَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ مُعْتَمِرًا فِي الْفِتْنَةِ، قَالَ: إِنْ صُدِدْتُمْ عَنِ الْبَيْتِ صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَأَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ أَجْلِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ.

[۱۸۰۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ، ثنا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ، وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، أَخْبَرَاهُ أَنَّهُمَا كَلَّمَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ لَيَالِيَ نَزَلَ الْجَيْشُ بِابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقَالاَ: لَا يَضِيْرُكَ أَلَّا تَحُجَّ الْعَامَ، وَإِنَّا نَخَافُ أَنْ يُحَالَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، فَقَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ، فَنَحَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم هَدْيَهُ، وَحَلَقَ رَأْسَهُ،

وَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ عُمْرَةً، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنْطَلِقُ فَإِنْ خُلِّيَ بَيْنِي وَبَيْنَ الْبَيْتِ: طُفْتُ، وَإِنْ حِيلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَعَلْتُ كَمَا فَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَا مَعَهُ، فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا شَأْنُهُمَا وَاحِدٌ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ حَجَّةً مَعَ عُمْرَتِي، فَلَمْ يَحِلَّ مِنْهُمَا حَتَّى حَلَّ يَوْمَ النَّحْرِ، وَأَهْدَى، وَكَانَ يَقُوْلُ: لَايَحِلُّ حَتَّى يَطُوْفَ طَوَافًا وَاحِدًا يَوْمَ يَدْخُلُ مَكَّةَ.

[راجع: ۱۶۳۹]

[۱۸۰۸-] حَدَّثَنِي مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ بَعْضَ بَنِي عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَهُ: لَوْ أَقَمْتَ: بِهٰذَا. [راجع: ۱۶۳۹]

[۱۸۰۹-] حدثنا مُحَمَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَدْ أُحْصِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَحَلَقَ رَأْسَهُ، وَجَامَعَ نِسَاءَهُ، وَنَحَرَ هَدْيَهُ حَتَّى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا.

قوله: لو أقمت: بهذا: لو کا جواب محذوف ہے أی لو أقمتَ فی هذه السنة لکان خیرا: اس سال اگر آپؒ گھر رہیں اور حج نہ کریں تو بہتر ہے اور لو تمنی کا بھی ہوسکتا ہے، پس کچھ محذوف نہ ہوگا......... بهذا: ای بمثل حدیث جویریة۔

بَابُ الْإِحْصَارِ فِي الْحَجِّ

حج میں مانع پیش آنے کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرہ میں احصار کو اصل قرار دے کر بطور قیاس یا دلالۃ النص حج میں احصار کو ثابت کیا ہے، قیاس تو ظاہر ہے اور دلالۃ النص یہ ہے کہ جب عمرہ میں جس کا کوئی وقت متعین نہیں احصار کی صورت میں احرام کھول سکتے ہیں تو حج میں جس کے پانچ دن متعین ہیں احصار کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ احرام کھول سکتے ہیں۔

[۲-] بَابُ الْإِحْصَارِ فِي الْحَجِّ

[۱۸۱۰-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، ثَنَا يُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ: أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: إِنْ حُبِسَ أَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ، طَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ، حَتَّى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا، فَيُهْدِي أَوْ يَصُوْمُ إِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا.

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ: قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ثَنِي سَالِمٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: نَحْوَهُ. [راجع: ۱۶۳۹]

وضاحت: حضرت ضُباعہ رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع میں اشتراط کی اجازت مانگی تھی، آپؐ نے منع نہیں کیا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے باب کی حدیث میں اس اشتراط پر نکیر کی ہے نسائی (حدیث ۲۷۶۹ و ۲۷۷۰) میں اس کی صراحت ہے۔ فرماتے ہیں: کیا تمہارے لئے نبی ﷺ کی سنت کافی نہیں؟ یعنی حدیبیہ کے سال آپؐ کو اور صحابہ کو یقین نہیں تھا کہ وہ ضرور عمرہ کریں گے، یہ احتمال تھا کہ کفار: مکہ میں داخل ہونے سے روک دیں، پھر بھی آپؐ نے اور صحابہ نے احرام میں کوئی شرط نہیں لگائی تھی، اگر اشتراط جائز ہوتا تو حدیبیہ کے سال آپ ضرور شرط لگاتے، معلوم ہوا کہ اشتراط کوئی چیز نہیں، اور اس کی وجہ سے احرام کھولنا جائز نہیں، چنانچہ بڑے دو امام اسی کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں: حضرت ضباعہؓ کو آپؐ نے اشتراط کی اجازت بر بناء مصلحت دی تھی، وہ مسئلہ نہیں تھا، حضرت ضباعہؓ کمزور دل کی تھیں، اشتراط کی وجہ سے ان کو یک گونہ اطمینان حاصل ہوگیا، اس لئے آپؐ نے اشتراط کی اجازت دی تھی، یعنی اس میں حضرت ضباعہؓ کا ذاتی فائدہ تھا اگرچہ مسئلہ کی رو سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

پھر حضرت ابن عمرؓ نے مسئلہ بیان کیا کہ اگر کوئی شخص وقت پر مکہ نہ پہنچ سکے اور حج کا زمانہ گذر جائے تو وہ افعالِ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور اگلے سال اس حج کی قضا کرے، پس (اگلے سال اگر تمتع یا قران کرے تو) ہدی پیش کرے، اور ہدی میسر نہ ہو تو دس روزے رکھے۔

فائدہ: یہ حدیث زہریؒ سے یونس اَیلی بھی روایت کرتے ہیں اور معمرؒ بھی، امام بخاری رحمہ اللہ نے معمرؒ کی روایت کا متن نہیں لکھا، نسائی (حدیث ۲۷۷۰) میں وہ متن ہے، اس میں یہ آخری بات نہیں ہے، وعليه الحجُّ من قابلٍ تک روایت ہے، پس افعال عمرہ کر کے حج سے نکلنے کی وجہ سے کچھ واجب نہیں، ہاں اگلے سالوں میں جب اس حج کی قضا کرے تو اگر حج افراد کرے تو قربانی واجب نہیں، اور تمتع یا قران کرے تو قربانی واجب ہوگی، اور وہ میسر نہ ہو تو دس روزے رکھے۔

بَابُ النَّحْرِ قَبْلَ الْحَلْقِ فِي الْحَصْرِ

احصار کی صورت میں سر منڈانے سے پہلے قربانی کرنا

احصار کی صورت میں پہلے قربانی کرے پھر حلق کرائے، ترتیب ضروری ہے، یہ عجیب بات ہے، حج میں تو ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ مناسک ثلاثہ میں ترتیب سنت ہے، پھر یہاں واجب کیسے ہوگئی؟

جاننا چاہئے کہ حنفیہ کے نزدیک احصار میں قربانی کرتے ہی خود بخود احرام کھل جاتا ہے، حلق کرانا ضروری نہیں، اور جمہور کے نزدیک بشمول امام ابو یوسفؒ قربانی بھی ضروری ہے، اور حلق بھی ضروری ہے اور ان میں ترتیب بھی واجب ہے۔

[۳-] بَابُ النَّحْرِ قَبْلَ الْحَلْقِ فِي الْحَصْرِ

[۱۸۱۱-] حدثنا مَحْمُوْدٌ، ثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ: أَنَّ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ، وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذٰلِكَ. [راجع: ١٤٩٤]

[١٨١٢-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ، أَنَا أَبُوْ بَدْرٍ شُجَاعُ بْنُ الْوَلِيْدِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيِّ، قَالَ: وَحَدَّثَ نَافِعٌ: أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ وَسَالِمًا كَلَّمَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَقَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُعْتَمِرِيْنَ، فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ، فَنَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بُدْنَهُ، وَحَلَقَ رَأْسَهُ. [راجع: ١٦٣٩]

استدلال: نَحَرَ قَبلَ ان يحلق و أَمَرَ اور فَنَحَرَ رَسُولُ اللّٰهِ بدنه سے استدلال ہے کہ ترتیب ضروری ہے۔

بَابُ مَنْ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْمُحْصَرِ بَدَلٌ

جس نے کہا کہ محصر (روکے ہوئے) پر قضا نہیں

اگر احصار کی وجہ سے حج یا عمرہ توڑنا پڑے تو اس کی قضا ضروری ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ضروری ہے اور ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک ضروری نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے سال ایسا کوئی اعلان نہیں کیا تھا کہ اس عمرہ کی قضا لازم ہے اور آپؐ نے آئندہ سال جو عمرہ کیا تھا اس کو انھوں نے عمرۃ القضیہ قرار دیا ہے، یعنی باہمی معاہدہ کے مطابق آپؐ نے اگلے سال عمرہ کیا تھا، وہ عمرۂ حدیبیہ کی قضا نہیں تھی، اور حنفیہ کے نزدیک وہ عمرۃ القضیہ بھی تھا اور عمرۃ القضا بھی۔ چنانچہ روایات میں اس کے دونوں نام آئے ہیں، اور اس عمرہ میں وہی پندرہ سو صحابہ تھے جنھوں نے گذشتہ سال عمرہ توڑا تھا، اور غزوۂ خیبر میں بھی وہی تھے، ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ غرض عمرۃ القضاء میں کسی کو چھوڑا نہیں گیا تھا اس لئے اعلان کی ضرورت نہیں تھی۔

اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جس نے حج یا عمرہ تلذذ کے طور پر یعنی بیوی سے صحبت کر کے توڑا اس پر قضا واجب ہے، لیکن اگر کوئی عذر پیش آجائے یا دشمن روک دے تو قضا واجب نہیں، اور ہدی حرم میں بھیج سکتا ہو تو حرم میں بھیجے اور جب تک وہاں ہدی ذبح نہ ہو جائے احرام میں رہے، اور حرم میں ہدی بھیجنا ممکن نہ ہو تو جہاں احصار واقع ہوا ہے وہیں ہدی ذبح کر کے احرام کھول دے اور گھر لوٹ آئے۔

اور حنفیہ کا مستدل یہ ارشادِ نبوی ہے کہ جس شخص کی ہڈی توڑ دی گئی یا وہ لنگڑا ہو گیا تو اس کا احرام کھل گیا اور اس کے ذمہ دوسرا حج ہے، اور حدیث مرفوع کی موجودگی میں صحابی کا قول نہیں لیا جاتا اور حنفیہ جو کہتے ہیں کہ قربانی حرم میں بھیجنا ضروری ہے اس کی دلیل لفظ ہدی ہے، لأن الهدى: ما يُهْدى إلى الحرم: جو جانور حرم میں ذبح کیا جائے وہ ہدی ہے، پس قربانی حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

[٤-] بَابُ مَنْ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْمُحْصَرِ بَدَلٌ

[١-] وَقَالَ رَوْحٌ، عَنْ شِبْلٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّمَا الْبَدَلُ عَلَى مَنْ نَقَضَ حَجَّهُ بِالتَّلَذُّذِ، فَأَمَّا مَنْ حَبَسَهُ عُذْرٌ أَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَإِنَّهُ يَحِلُّ وَلاَ يَرْجِعُ. وَإِنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ وَهُوَ مُحْصَرٌ نَحَرَهُ إِنْ كَانَ لاَ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَبْعَثَ، وَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَبْعَثَ بِهِ لَمْ يَحِلَّ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ.

[٢-] وَقَالَ مَالِكٌ وَغَيْرُهُ: يَنْحَرُ هَدْيَهُ وَيَحْلِقُ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ، وَلاَ قَضَاءَ عَلَيْهِ، لِأَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَأَصْحَابَهُ بِالْحُدَيْبِيَةِ نَحَرُوْا وَحَلَقُوْا وَحَلُّوْا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ قَبْلَ الطَّوَافِ وَقَبْلَ أَنْ يَصِلَ الْهَدْيُ إِلَى الْبَيْتِ، ثُمَّ لَمْ يُذْكَرْ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَ أَحَدًا أَنْ يَقْضُوْا شَيْئًا وَلاَ يَعُوْدُوْا لَهُ، وَالْحُدَيْبِيَةُ خَارِجٌ مِنَ الْحَرَمِ.

[١٨١٣-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ حِيْنَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ مُعْتَمِرًا فِي الْفِتْنَةِ: إِنْ صُدِدْتُ عَنِ الْبَيْتِ صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم. فَأَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ أَجْلِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ. ثُمَّ إِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ نَظَرَ فِي أَمْرِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلاَّ وَاحِدٌ، فَالْتَفَتَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلاَّ وَاحِدٌ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ أَوْجَبْتُ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ طَافَ لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا، وَرَأَى أَنَّ ذٰلِكَ مُجْزِئٌ عَنْهُ وَأَهْدَى [راجع: ١٦٣٩]

قوله: والحديبيةُ خارج من الحرم: یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول بھی ہوسکتا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی، مگر حدیبیہ سارا حرم سے باہر نہیں، بعض حدیبیہ حرم کے اندر ہے، حدیث میں اس کی صراحت ہے، حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کا قیام حل میں تھا اور آپؐ نمازیں حرم میں پڑھتے تھے، یعنی جو عارضی مسجد بنائی گئی تھی وہ حرم میں تھی اور آپؐ نے اور سب صحابہ نے قربانیاں حرم میں کی تھیں (حاشیہ) اور حدیث سے استدلال کا طریقہ اوپر تقریر میں آگیا ہے کہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے سال ایسا کوئی اعلان نہیں کیا تھا کہ اس عمرہ کی قضا لازم ہے، نہ ابن عمرؓ نے قضاء کا کوئی تذکرہ کیا ہے، حالانکہ عدمِ ذکر عدمِ شئ کو مستلزم نہیں۔

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ وَهُوَ مُخَيَّرٌ، فَأَمَّا الصَّوْمُ فَثَلاَثَةُ أَيَّامٍ

فدیہ میں تین چیزوں میں اختیار ہے اور روزے تین ہیں

احصار کا بیان پورا ہوا، اب فدیہ کا بیان شروع کرتے ہیں، کیونکہ یہ بھی من وجہ احصار ہے، بعض مرتبہ مجبوری میں ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں فدیہ واجب ہوتا ہے، اور فدیہ تین چیزیں ہیں: تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا جانور ذبح کرے، اور ان تینوں میں اختیار ہے۔ اور بغیر عذر کے ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب کرے گا تو دم واجب ہوگا۔

حدیث: حدیبیہ میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے سر میں جوئیں پڑ گئی تھیں، اور اتنی زیادہ ہوگئی تھیں کہ چہرے پر جھڑتی تھیں، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بہت پریشان تھے، ایک دن وہ ہانڈی پکا رہے تھے کہ نبی ﷺ وہاں سے گذرے، آپؐ نے پوچھا: کیا تمہیں تمہارے یہ کیڑے پریشان کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: بہت پریشان کرتے ہیں یارسول اللہ! پس سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۶ نازل ہوئی کہ جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو سر منڈا کر اس کا فدیہ دیدے: روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے، اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے ان سے فرمایا: سر منڈادو اور فدیہ دیدو، کیونکہ جب تک سر نہیں منڈایا جائے گا بالوں کی جڑوں سے میل ختم نہیں ہوگا اور جوؤں کی پیدائش بند نہیں ہوگی۔

[۵-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ وَهُوَ مُخَيَّرٌ، فَأَمَّا الصَّوْمُ فَثَلاَثَةُ أَيَّامٍ

[۱۸۱۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: " لَعَلَّكَ آذَاكَ

هُوَامُكَ؟" قَالَ: نَعَمْ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " احْلِقْ رَأْسَكَ، وَصُمْ ثَلاَ ثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ، أَوِ انْسُكْ بِشَاةٍ" [انظر: ١٨١٥، ١٨١٦، ١٨١٧، ١٨١٨، ٤١٥٩، ٤١٩٠، ٤١٩١، ٤٥١٧، ٥٦٦٥، ٥٧٠٣، ٦٧٠٨]

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿أَوْ صَدَقَةٍ﴾ وَهِيَ إِطْعَامُ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ

آیتِ فدیہ میں صدقہ سے مراد چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے

آیتِ فدیہ میں صدقہ سے مراد چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، اور یہ بات اوپر حدیث میں آئی ہے، مگر حضرت رحمہ اللہ کو حدیث کی سب صحیح سندیں بخاری شریف میں لانی ہیں، مگر ایک باب کے تحت ان کو جمع نہیں کرتے، نئے عناوین لگاتے ہیں تاکہ افادہ مزید ہو جائے۔

[٦-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿أَوْ صَدَقَةٍ﴾ وَهِيَ إِطْعَامُ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ

[١٨١٥-] حدثنا أَبُوْ نُعَيْمٍ، ثَنَا سَيْفٌ، قَالَ: ثَنِيْ مُجَاهِدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِيْ لَيْلَى، أَنَّ كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ حَدَّثَهُ، قَالَ: وَقَفَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِالْحُدَيْبِيَةِ، وَرَأْسِيْ يَتَهَافَتُ قَمْلاً، فَقَالَ: " أَيُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ؟" قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: " فَاحْلِقْ رَأْسَكَ" أَوْ: " احْلِقْ" قَالَ: فِيَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ إِلَى آخِرِهَا [البقرة: ١٩٦] فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " صُمْ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ تَصَدَّقْ بِفَرَقٍ بَيْنَ سِتَّةٍ، أَوْ نُسُكٍ مِمَّا تَيَسَّرَ" [راجع: ١٨١٤]

قولہ: أو تَصَدَّقْ بِفَرَقٍ: ایک فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے، اور رطل عراقی چار سو سات گرام کا ہوتا ہے، پس ایک فرق صدقہ کافی نہیں، کیونکہ چھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو گندم کا نصف صاع یا دیگر اجناس کا ایک صاع دینا ہوگا، مگر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے لئے ایک فرق کافی ہو جائے گا، یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، جیسے ایک صحابی نے رمضان میں بیوی سے صحبت کر کے روزہ توڑ دیا تھا، نبی ﷺ نے ان کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے تینوں کفاروں سے معذوری ظاہر کی، پھر آپؐ کے پاس ایک عَرَق لایا گیا، ایک عرق میں پندرہ صاع چھوہارے ہوتے ہیں، آپؐ نے وہ چھوہارے ان کو دیئے اور غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے کہا، ظاہر ہے پندرہ صاع سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، ساٹھ صاع کھجوریں دینی ضروری ہیں، لیکن اگر وہ صحابی پندرہ صاع چھوہارے غریبوں کو دیدیتے تو کفارہ ادا ہو جاتا، بلکہ ان کے

اوران کے بچوں کے کھانے سے بھی کفارہ ادا ہوگیا، یہ بھی تشریع کے وقت کی ترخیص ہے، آج پہلی بار امت کے سامنے یہ مسئلہ آیا ہے، پس یہ قانون سازی کا آغاز ہے اور ایسے وقت میں شریعت سہولت دیتی ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۹۶:۳) میں ہے۔

بَابُ الإِطْعَامِ فِي الْفِدْيَةِ نَصْفُ صَاعٍ

فدیہ میں گیہوں آدھا صاع دے

صدقہ چھ مسکینوں کو دینا ضروری ہے اور ہر ایک کو نصف صاع گندم یا دیگر منصوص اجناس میں سے ایک صاع دینا ضروری ہے، ائمہ ثلاثہ اور امام بخاری رحمہم اللہ صدقۃ الفطر میں نصف صاع کے قائل نہیں، وہاں ہر غلّے کا ایک صاع ضروری قرار دیتے ہیں، مگر یہاں نصف صاع مان لیا، جادو وہ جو سر پے چڑھ کے بولے! ایسی ہی ایک عجیب بات ابھی گذری ہے: ائمہ ثلاثہ وغیرہ حج میں مناسک ثلاثہ میں ترتیب کو سنت کہتے ہیں، مگر احصار میں ترتیب کو واجب مان لیا، یعنی پہلے قربانی پھر حلق کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

[۷-] بَابُ الإِطْعَامِ فِي الْفِدْيَةِ نَصْفُ صَاعٍ

[۱۸۱۶-] حدثنا أَبُوْ الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الأَصْبَهَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْقِلٍ، قَالَ: جَلَسْتُ إِلٰى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِدْيَةِ، فَقَالَ: نَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً، وَهِيَ لَكُمْ عَامَّةً، حُمِلْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله على وسلم، وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلٰى وَجْهِيْ، فَقَالَ: " مَا كُنْتُ أُرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى" أَوْ: " مَا كُنْتُ أُرَى الْجُهْدَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى، تَجِدُ شَاةً؟" فَقُلْتُ: لاَ، قَالَ: "فَصُمْ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ، لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ"[راجع: ۱۸۱۴]

قولہ: نزلت فِيَّ خاصّة: یہاں سے قاعدہ بنا کہ اگر نص کے الفاظ عام ہوں تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا، عام ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ یہی فرما رہے ہیں کہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر حکم عام ہے۔.........

قولہ: حُمِلْتُ إلى رسول الله: مجھے لوگ نبی ﷺ کے پاس لے گئے، اٹھا کر لے جانا ضروری نہیں.......... **قولہ: ما کنت أرى الوجع بلغ بك ما أرى:** نہیں دیکھتا تھا میں کہ تکلیف پہنچی ہے آپ کے ساتھ اس درجہ کو جو میں دیکھ رہا ہوں یعنی میں ایسا سمجھتا ہوں کہ تم ان جوؤں کی وجہ سے بہت پریشان ہوگئے ہو، أو: ما کنت یہ أو شک راوی کا ہے اور اس جملہ کا بھی وہی مفہوم ہے جو پہلے جملہ کا ہے......... **الجهد** کے معنی ہیں: پریشانی، مشقت ....**لكل مسكين نصف صاع:** اس سے گندم کا نصف صاع مراد ہے، مسند احمد کی روایت میں اس کی صراحت ہے (حاشیہ)

بَابٌ: النُّسُكُ شَاةٌ

قربانی ایک بکری ہے

اگر مجبوری میں ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب کرنا پڑے اور بطور فدیہ قربانی کرے تو کم از کم ایک بکری کی قربانی ضروری ہے، اور پورے اونٹ اور گائے بھینس کی قربانی کرے تو یہ بھی درست ہے۔

[۸-] بَابٌ: النُّسُكُ شَاةٌ

[۱۸۱۷-] حدثنا إِسْحَاقُ، أَنَا رَوْحٌ، ثَنَا شِبْلٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، ثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَآهُ، وَأَنَّهُ يَسْقُطُ عَلَى وَجْهِهِ، فَقَالَ: " أَيُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ؟" قَالَ: نَعَمْ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَحْلِقَ، وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ، وَلَمْ يَتَبَيَّنْ لَهُمْ أَنَّهُمْ يَحِلُّوْنَ بِهَا، وَهُمْ عَلَى طَمَعٍ أَنْ يَدْخُلُوْا مَكَّةَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْفِدْيَةَ، فَأَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُطْعِمَ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةٍ، أَوْ يُهْدِيَ شَاةً، أَوْ يَصُوْمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ. [راجع: ۱۸۱٤]

[۱۸۱۸-] وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ، ثَنَا وَرْقَاءُ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم رَآهُ وَقَمْلُهُ يَسْقُطُ عَلَى وَجْهِهِ: مِثْلَهُ. [راجع: ۱۸۱٤]

قوله: ولم يتبين لهم: یعنی ابھی یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ سبھی کو احرام کھولنا پڑے گا، ابھی سب کو امید تھی کہ مکہ جائیں گے اور عمرہ کریں گے، حضرت کعبؓ کا واقعہ اس سے پہلے کا ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾

حج اور عمرہ میں نہ بیوی کے ساتھ زن وشوئی کی باتیں کرے، نہ کوئی گناہ کا کام کرے، نہ کسی سے جھگڑے

یہ دو باب فدیہ کے سلسلہ کے آخری ابواب ہیں۔ حج اور عمرہ میں کچھ کوتاہیاں ایسی ہو جاتی ہیں جن کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، اور ان سے حج اور عمرے میں نقصان پیدا ہوتا ہے، جیسے نماز میں کچھ فرائض ہیں، کچھ واجبات اور کچھ سنتیں، اگر فرض چھوٹ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے، واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے تلافی ہو جاتی ہے، اور سنت چھوٹ جائے تو تلافی کی کوئی صورت نہیں، اس سے نماز میں نقصان پیدا ہوگا، اسی طرح حج اور عمرہ میں بعض جنایات بھاری ہیں ان میں دم واجب ہوتا ہے بعض ان سے ہلکی ہیں ان میں فدیہ واجب ہوتا ہے اور بعض بہت ہلکی ہیں، وہ بمنزلہ نماز کی سنتوں کے ہیں،

ان سے حج وعمرہ میں نقصان پیدا ہوگا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، ایسی کوتاہیوں کی تلافی بس اس طرح ہوسکتی ہے کہ نفلی صدقہ کیا جائے، خیر خیرات سے ایسی کوتاہیاں معاف ہوجاتی ہیں، رفث، فسق اور جدال ایسی ہی کوتاہیاں ہیں۔

[۹-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿فَلَا رَفَثَ﴾

[۱۸۱۹-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" [راجع: ۱۵۲۱]

[۱۰-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾

[۱۸۲۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" [راجع: ۱۵۲۱]

وضاحت: رفث: ایک جامع لفظ ہے، جس میں عورت سے مباشرت، اس کے مقدمات حتی کہ زن وشوئی کی باتیں بھی داخل ہیں، احرام میں یہ سب چیزیں حرام ہیں، اور فسوق کے لفظی معنی خروج کے ہیں اور اصطلاح میں حکم عدولی اور نافرمانی کو فسوق کہا جاتا ہے، جو اپنے عام معنی کے اعتبار سے سب گناہوں کو شامل ہے، مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فسوق کی تفسیر محظورات احرام سے کی ہے، یعنی جو کام حالتِ احرام میں ممنوع اور ناجائز ہیں فسوق سے وہ مراد ہیں اور محظورات احرام چھ ہیں: (۱) بیوی کے ساتھ مباشرت کے مقدمات حتی کہ کھلی بات چیت بھی (۲) بری شکار (۳) بال یا ناخن کاٹنا (۴) خوشبو لگانا (۵) سلے ہوئے کپڑے پہننا (۶) سر اور چہرے کو چھپانا، حالت احرام میں ان میں سے کسی کا ارتکاب کرنا فسوق ہے، البتہ عورت احرام میں سر ڈھانپے گی اور سلے ہوئے کپڑے پہنے گی، اور محظورات احرام میں اگرچہ رفث بھی داخل ہے مگر اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو الگ سے ذکر کیا گیا ہے۔

مگر عام طور پر علماء فسوق وجدال کو عام معنی میں رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں: اگرچہ فسق وفجور اسی طرح باہم جدال وخلاف ہر جگہ اور ہر حال میں مذموم وگناہ ہیں لیکن حالت احرام میں ان کا گناہ اور زیادہ شدید ہوجاتا ہے، مبارک ایام اور مقدس سرزمین میں فسق وفسوق اور نزاع وجدال انتہائی بے باکی اور سخت ترین بات ہے (ماخوذ از معارف القرآن ۱: ۴۲۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَابُ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَنَحْوِهِ

شکاروغیرہ کی جزاء

اب نئے مسائل شروع ہورہے ہیں: حرم اور احرام میں شکار کرنے سے جزاء واجب ہوتی ہے، اور نحوہ سے حرم کی خودروگھاس اور جنگلی درخت وغیرہ مراد ہیں، احرام کی حالت میں سمندری شکار حلال ہے، قرآنِ کریم (المائدہ آیت ۹۶) میں اس کی صراحت ہے، البتہ محرم کے لئے خشکی کا شکار کرنا جائز نہیں، نہ حرم کا اور نہ حل کا، اور غیر محرم حل کا شکار تو کرسکتا ہے مگر حرم کا شکار نہیں کرسکتا، اگر حرم کا شکار مارا یا محرم نے شکار کیا تو وہ مردار ہے، اگرچہ اللہ کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے، اور اس کی جزاء (بدلہ) واجب ہے۔

پہلی آیت: سورۃ المائدہ آیت ۹۵ میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَقْتُلُوْا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ، وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ أَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ أَمْرِهِ، عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ، وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ، وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم شکار (وحشی جانور [1]) کو قتل مت کرو، جبکہ تم حالت احرام میں ہو، اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس پر جزاء واجب ہے، وہ جزاء جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو، یا کفارہ کے طور پر غریبوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس طعام کے بقدر روزے رکھے جائیں (یہی حکم حرم کے شکار کا ہے گو شکاری احرام میں نہ ہو) تاکہ وہ اپنے کئے کا وبال چکھے، اور اللہ تعالیٰ نے پچھلی باتوں سے درگذر کیا، اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا: اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والے ہیں۔

(۱) یہاں سے معلوم ہوا کہ محرم پالتو جانور مثلاً بکری گائے اور مرغی وغیرہ ذبح کر کے کھاسکتا ہے، اسی طرح حرم میں بھی ان کو ذبح کر کے کھاسکتے ہیں، مگر وحشی جانور مثلاً کبوتر، ہرن اور نیل گائے وغیرہ کا شکار جائز نہیں، اور اگر ان کو مارا گیا تو وہ مردار ہیں خواہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، اور جزاء واجب ہے ۱۲

تفسیر: مثل سے کیا مراد ہے: مثل معنوی یا مثل صوری؟ اس میں اختلاف ہے۔ شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک مثل معنوی مراد ہے، یعنی قیمت کے اعتبار سے مماثلت مراد ہے، یعنی دو معتبر شخص شکار کی جو قیمت لگائیں وہ قیمت واجب ہوگی، اور جنایت کرنے والے کو تین باتوں میں اختیار ہوگا: اول: اگر اس رقم سے ہدی کا کوئی جانور خریدا جاسکتا ہو تو وہ خرید کر حرم میں ذبح کرے اور اس کا گوشت غریبوں میں تقسیم کردے، ثانی: اس رقم کا غلہ خریدے اور صدقۂ فطر کے اصول کے مطابق غریبوں میں بانٹ دے، ثالث: ہر نصف صاع گندم یا ایک صاع دیگر غلوں کے بدلے میں ایک روزہ رکھے۔

اور امام محمد، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک: شکار کے ہم شکل جو پالتو جانور پایا جاتا ہو یعنی ہیئت و شکل میں مماثلت ہو اس کی قربانی واجب ہے، قیمت کا اعتبار نہیں، ہرن میں بکری، نیل گائے میں گائے اور شتر مرغ میں اونٹ واجب ہوگا، کیونکہ یہ جانور ہم شکل ہیں اور جن جانوروں کی نظیر نہیں جیسے چڑیا اور کبوتر تو ان میں امام محمد رحمہ اللہ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ صفات میں مماثلت کا اعتبار کرتے ہیں، پس کبوتر میں بکری واجب ہوگی، کیونکہ دونوں ایک طرح سے پانی پیتے ہیں۔ مزید تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ میں ہے۔

دوسری آیت: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ، وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾

ترجمہ: تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا کھانا، تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے طور پر، اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم اکٹھا کئے جاؤ گے۔

تفسیر: اس آیت میں صراحت ہے کہ محرم کے لئے دریائی جانور مثلاً مچھلی کو مارنا اور مچھلی کو کھانا جائز ہے، البتہ خشکی کا شکار محرم نہیں مار سکتا، اگر مارے گا تو جزاء واجب ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۸- جَزَاءُ الصَّيْدِ

[۱-] بَابُ جَزَاءِ الصَّيْدِ وَنَحْوِهِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ: ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ، يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِيْنَ أَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾

[المائدہ: ۹۵و۹۶]

بَابٌ: إِذَا صَادَ الْحَلَالُ فَأَهْدَى لِلْمُحْرِمِ الصَّيْدَ: أَكَلَهُ

حلال نے شکار کیا اور محرم کو ہدیہ دیا تو محرم اس کو کھا سکتا ہے

غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کھا سکتا ہے، تبدل ملک کا قاعدہ یہاں جاری ہوگا، غیر محرم کے لئے حرم سے باہر شکار کرنا جائز ہے، اور وہ شکار ذبح کر کے کسی محرم کو اس کا گوشت ہدیہ دے تو محرم اس کو کھا سکتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ: حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: محرم شکار کے علاوہ یعنی پالتو جانور جیسے اونٹ، بکری، گائے، مرغی اور گھوڑا وغیرہ ذبح کر کے کھا سکتا ہے (امام بخاری، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک گھوڑا حلال ہے) جاننا چاہئے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کے اقوال بأسًا تک ہیں۔ اور ھو سے امام بخاری رحمہ اللہ نے تخصیص کی ہے کہ یہ جواز پالتو جانوروں میں ہے، پس ھو کا مرجع 'جواز' ہے جو اقوال سے مفہوم ہوتا ہے۔

لغات: عَدل (بفتح العين) کے معنی ہیں: برابر، مانند، اور عِدل (بكسر العين) کے بھی یہی معنی ہیں۔

قولہ: زِنَةُ ذٰلِكَ: یعنی عِدل اور عَدل ہم وزن اور ہم معنی ہیں .... قیامًا: کے معنی ہیں: سہارا، پہلے بتایا ہے کہ قرآنِ کریم نے صرف دو چیزوں کو لوگوں کے لئے سہارا کہا ہے: بیت اللہ کو اور مال کو .... یعدلون: یہ لفظ قرآن میں بار بار آیا ہے، کفار اللہ کے مانند تجویز کرتے ہیں۔

[٢-] بَابٌ: إِذَا صَادَ الْحَلَالُ فَأَهْدَى لِلْمُحْرِمِ الصَّيْدَ: أَكَلَهُ

[١-] وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَأَنَسٌ بِالذَّبْحِ بَأْسًا، وَهُوَ فِي غَيْرِ الصَّيْدِ، نَحْوَ الإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَالْبَقَرِ وَالدَّجَاجِ وَالْخَيْلِ.

[٢-] يُقَالُ: عَدْلٌ: مِثْلٌ، فَإِذَا كُسِرَتْ قُلْتَ "عِدْلٌ" فَهُوَ زِنَةُ ذٰلِكَ. ﴿قِيَامًا﴾ [المائدة:٩٧]: قِوَامًا، ﴿يَعْدِلُوْنَ﴾ [الأنعام: ١]: يَجْعَلُوْنَ لَهُ عَدْلاً.

[١٨٢١-] حدثنا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ: انْطَلَقَ أَبِي عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَأَحْرَمَ أَصْحَابُهُ وَلَمْ يُحْرِمْ، وَحُدِّثَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنَّ عَدُوًّا يَغْزُوْهُ، فَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، فَبَيْنَمَا أَنَا مَعَ أَصْحَابِهِ يَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَنَا بِحِمَارِ وَحْشٍ، فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ فَطَعَنْتُهُ فَأَثْبَتُّهُ، وَاسْتَعَنْتُ بِهِمْ فَأَبَوْا أَنْ يُعِيْنُوْنِي، فَأَكَلْنَا مِنْ لَحْمِهِ، وَخَشِيْنَا أَنْ نُقْتَطَعَ، فَطَلَبْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَرْفَعُ فَرَسِي شَأْوًا وَأَسِيْرُ شَأْوًا، فَلَقِيْتُ رَجُلاً مِنْ بَنِي غِفَارٍ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، قُلْتُ: أَيْنَ تَرَكْتَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم؟ قَالَ: تَرَكْتُهُ بِتَعْهِنَ، وَهُوَ

قَائِلُ السُّقْيَا، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أَهْلَكَ يَقْرَؤُوْنَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللّٰهِ، إِنَّهُمْ قَدْ خَشُوْا أَنْ يُقْتَطَعُوْا دُوْنَكَ فَانْتَظِرْهُمْ، قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَصَبْتُ حِمَارَ وَحْشٍ، وَعِنْدِيْ مِنْهُ فَاضِلَةٌ، فَقَالَ لِلْقَوْمِ: "كُلُوْا" وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ. [انظر: ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۲۵۷۰، ۲۸۵٤، ۲۹۱٤، ٤۱٤۹، ٥٤۰٦، ٥٤۰۷، ٥٤۹۰، ٥٤۹۱، ٥٤۹۲]

حدیث: عبداللہ بن ابی قتادہؒ کہتے ہیں: حدیبیہ[1] کے سال میرے ابا چلے، پس سب صحابہ نے احرام باندھا اور انھوں نے احرام نہیں باندھا، اور نبی ﷺ سے بیان کیا گیا کہ کوئی دشمن آپؐ پر حملہ کرنے والا ہے (افواہ اڑی تھی کہ راستہ میں کوئی قبیلہ مسلمانوں پر حملہ کرے گا) پس نبی ﷺ چلے، پس دریں اثنا کہ میں آپؐ کے صحابہ کے ساتھ تھا کہ بعض بعض کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں، پس (اِدھر اُدھر) دیکھا میں نے، پس اچانک ایک گورخر تھا پس میں نے اس پر حملہ کیا، اور اس کو بھالا مارا، پس اس کو ڈھیر کر دیا۔ اور میں نے ان حضرات سے مدد مانگی، مگر انھوں نے میری مدد کرنے سے انکار کر دیا، پس ہم نے اس کا گوشت کھایا، اور ہم ڈرے کہ اچک لئے جائیں ہم (بعض صحابہ پیچھے رہ گئے تھے، ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن ان کو تھوڑا سمجھ کر ان پر حملہ کر دے) پس میں نے نبی ﷺ کو تلاش کیا، میں اپنا گھوڑا تھوڑی دیر دوڑاتا تھا اور تھوڑی دیر چلاتا تھا، پس میری قبیلہ بنی غفار کے ایک شخص سے آدھی رات میں ملاقات ہوئی، میں نے اس سے پوچھا: آپ نے نبی ﷺ کو کہاں چھوڑا؟ اس نے کہا: میں نے آپؐ کو تَعْهِن میں چھوڑا ہے اور آپ سُقیا میں قیلولہ کرنے والے ہیں یعنی دس بجے تک سقیا پہنچ جائیں گے (پھر جب نبی ﷺ سے میری ملاقات ہوئی تو) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ کے ساتھیوں نے (اَھلك سے صحابہ مراد ہیں) سلام عرض کیا ہے اور ان کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ قتل نہ کر دیئے جائیں، پس آپؐ ان کا انتظار کریں (پھر) میں نے عرض کیا: مجھے ایک گورخر ملا ہے، اور میرے پاس اس کا بچا ہوا گوشت ہے پس آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: کھاؤ! درانحالیکہ وہ احرام میں تھے۔

لغات: أَثْبَتُّهُ: میں نے اس کو ڈھیر کر دیا۔ أَثْبَتَ فلانا: قید کرنا، باندھنا ...... رَفَعَ الفرسَ: تیز دوڑانا ...... الشَّأْو: چکر، پھیرا۔

تشریح: ٦ یا ۷ ہجری میں عمرہ کے لئے روانہ ہونے سے پہلے نبی ﷺ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو حل کے کسی گاؤں میں زکوتیں وصول کرنے کے لئے بھیجا، انھوں نے زکوتیں وصول کیں اور غریبوں میں تقسیم کر دیں، پھر اس راستہ پر آ گئے جہاں سے نبی ﷺ کا قافلہ گذرنے والا تھا، اور وہ غیر محرم تھے کیونکہ مدینہ سے چلتے وقت ان کی نیت حل میں جانے کی تھی، اور پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ جس کی نیت حل میں جانے کی ہو اس کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری نہیں،

(۱) اور بعض روایات میں ہے کہ یہ عمرۃ القضاء کا واقعہ ہے (عمدۃ) اور بعض روایات میں ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے: پس یہ اختلاف رُوات ہے ۱۲

پھر جب مکہ جائے گا تو حرم شروع ہونے سے پہلے احرام باندھے گا، اور یہ بات کہ نبی ﷺ نے ان کو زکوتیں وصول کرنے کے لئے حل میں بھیجا تھا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے جو عمدۃ القاری (۱۰:۱۶۷) میں ہے۔ غرض ان کی بعض صحابہ سے ملاقات ہوئی جو قافلہ سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر ایک موقعہ پر حضرت ابوقتادہؓ نے ان کو ہنستے ہوئے دیکھا تو اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اچانک ایک گورخر نظر آیا، چونکہ وہ حلال تھے اس لئے تیزی کے ساتھ اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہوئے تاکہ شکار کریں، مگر ان کا بھالا نیچے رہ گیا، انھوں نے ساتھیوں سے بھالا مانگا، مگر ساتھی سب محرم تھے انھوں نے دینے سے انکار کیا، چنانچہ وہ خود گھوڑے سے اترے اور بھالا لیا، پھر ان کا کوڑا رہ گیا وہ بھی ساتھیوں نے نہیں دیا، انھوں نے خود اتر کر اس کو لیا اور شکار کے پیچھے دوڑے، اور گورخر کو مار گرایا، پھر ساتھیوں سے ذبح میں مدد کرنے کے لئے کہا: انھوں نے اس سے بھی انکار کردیا، چنانچہ خود ہی ذبح کیا پھر ساتھیوں سے کہا: کھاؤ، بعض نے کھایا اور بعض نے انکار کیا، پھر جب نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ''کھاؤ'' اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اگر کچھ گوشت بچا ہوا ہو تو ہمیں بھی دو، معلوم ہوا کہ غیر محرم کا کیا ہوا شکار محرم کھا سکتا ہے، مگر یہ شرط ہے کہ محرم نے اس کا حکم نہ دیا ہو اور نہ شکار کی طرف راہنمائی کی ہو نہ اشارہ کیا ہو اور نہ کوئی مدد کی ہو، کیونکہ اگر محرم کے حکم، تعاون، اشارہ یا راہنمائی سے شکار کیا گیا ہوگا تو وہ مردار ہے، اسے کوئی نہیں کھا سکتا نہ محرم اور نہ غیر محرم۔

بَابٌ: إِذَا رَأَى الْمُحْرِمُوْنَ صَيْدًا فَضَحِكُوْا، فَفَطِنَ الْحَلَالُ

محرموں نے شکار دیکھا اور ہنسے، پس حلال سمجھ گیا

شکار دیکھ کر محرم ہنسا جس کی وجہ سے غیر محرم سمجھ گیا اور اس نے شکار مارا، یا محرم نے کسی طرف دیکھا جس کی وجہ سے غیر محرم سمجھ گیا اور اس نے شکار کیا تو یہ تعاون اور اشارہ نہیں پس وہ شکار حلال ہے اس کو کھا سکتے ہیں۔

[۳-] بَابٌ: إِذَا رَأَى الْمُحْرِمُوْنَ صَيْدًا فَضَحِكُوْا، فَفَطِنَ الْحَلَالُ

[۱۸۲۲-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ، ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ قَالَ: انْطَلَقْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَأَحْرَمَ أَصْحَابُهُ وَلَمْ أُحْرِمْ، فَأُنْبِئْنَا بِعَدُوٍّ بِغَيْقَةَ، فَتَوَجَّهْنَا نَحْوَهُمْ، فَبَصُرَ أَصْحَابِيْ بِحِمَارِ وَحْشٍ، فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَضْحَكُ إِلَى بَعْضٍ، فَنَظَرْتُ فَرَأَيْتُهُ، فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ الْفَرَسَ، فَطَعَنْتُهُ فَأَثْبَتُّهُ، فَاسْتَعَنْتُهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُعِيْنُوْنِيْ، فَأَكَلْنَا مِنْهُ، ثُمَّ لَحِقْتُ بِرَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَخَشِيْنَا أَنْ نُقْتَطَعَ، أَرْفَعُ فَرَسِيْ شَأْوًا، وَأَسِيْرُ عَلَيْهِ شَأْوًا، فَلَقِيْتُ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ غِفَارٍ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ، فَقُلْتُ لَهُ: أَيْنَ تَرَكْتَ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم

فَقَالَ: تَرَكْتُهُ بِتَعْهِنَ، وَهُوَ قَائِلٌ السُّقْيَا، فَلَحِقْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم حَتّٰى أَتَيْتُهُ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أَصْحَابَكَ أَرْسَلُوْا يَقْرَؤُوْنَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَرَحْمَةَ اللّٰهِ، وَإِنَّهُمْ قَدْ خَشُوْا أَنْ يَقْتَطِعَهُمُ الْعَدُوُّ دُوْنَكَ، فَانْظُرْهُمْ، فَفَعَلَ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا اصَّدْنَا حِمَارَ وَحْشٍ، وَإِنَّ عِنْدَنَا مِنْهُ فَاضِلَةً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیه وسلم لِأَصْحَابِهِ: "كُلُوْا" وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ. [راجع: ۱۸۲۱]

قولہ: فَأُنْبِئْنَا بعدو: ہم خبر دیئے گئے کہ دشمن غیقہ مقام میں ہے یعنی ہمیں یہ خبر ملی کہ غیقہ مقام میں قبیلہ غفار حملہ کی تیاری کر رہا ہے......... قولہ: فتوجھنا نحوھم: پس ہم ان کی طرف متوجہ ہوئے یعنی چوکنا چلے تاکہ کوئی حملہ کرے تو اس کو جواب دے سکیں، مگر وہ محض افواہ تھی کوئی حملہ کرنے والا نہیں تھا......... قولہ: فانظرھم أی فانتظرھم......... اصّدنا: اصل میں اصطدنا تھا۔

بَابٌ: لَايُعِيْنُ الْمُحْرِمُ الْحَلَالَ فِي قَتْلِ الصَّيْدِ

محرم شکار مارنے میں حلال کی مدد نہ کرے

اگر محرم نے شکار کرنے میں غیر محرم کا تعاون کیا ہو، مثلاً: شکار کی طرف اشارہ کیا ہو، راہنمائی کی ہو، ذبح کرنے میں مدد کی ہو تو وہ شکار مردار ہے، اگرچہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔

[٤-] بَابٌ: لَايُعِيْنُ الْمُحْرِمُ الْحَلَالَ فِي قَتْلِ الصَّيْدِ

[۱۸۲۳-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ أَبِيْ مُحَمَّدٍ، سَمِعَ أَبَا قَتَادَةَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیه وسلم بِالْقَاحَةِ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى ثَلَاثٍ، ح: وَثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ أَبِيْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیه وسلم بِالْقَاحَةِ، وَمِنَّا الْمُحْرِمُ وَمِنَّا غَيْرُ الْمُحْرِمِ، فَرَأَيْتُ أَصْحَابِيْ يَتَرَاءَ وْنَ شَيْئًا، فَنَظَرْتُ فَإِذَا حِمَارُ وَحْشٍ، يَعْنِيْ وَقَعَ سَوْطُهُ، فَقَالُوْا: لَانُعِيْنُكَ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ إِنَّا مُحْرِمُوْنَ، فَتَنَاوَلْتُهُ فَأَخَذْتُهُ، ثُمَّ أَتَيْتُ الْحِمَارَ مِنْ وَرَاءِ أَكَمَةٍ فَعَقَرْتُهُ، فَأَتَيْتُ بِهِ أَصْحَابِيْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: كُلُوْا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَأْكُلُوْا، فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیه وسلم وَهُوَ أَمَامَنَا فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: "كُلُوْهُ حَلَالٌ" قَالَ لَنَا عَمْرٌو: اذْهَبُوْا إِلٰى صَالِحٍ فَسَلُوْهُ عَنْ هٰذَا وَغَيْرِهِ، وَقَدِمَ عَلَيْنَا هَاهُنَا. [راجع: ۱۸۲۱]

قاحہ: جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین منزل پر ہے......... قولہ: یعنی وقع سوطہ: کرمانی کہتے ہیں: یہ راوی کا قول ہے اور لانعینک علیه بشیئ کی تفسیر ہے، یعنی جب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے گورخر دیکھا تو فوراً بھالا اور کوڑا

لے کر کھڑے ہوئے اور تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوئے اور جلدی میں کوڑا گر گیا، تو انھوں نے ساتھیوں سے کوڑا اٹھا کر دینے کے لئے کہا مگر انھوں نے انکار کر دیا کہ ہم احرام میں ہیں، تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے .... **قوله: ثم أتيت الحمار**: پھر میں ایک ٹیلے کے پیچھے سے گورخر کے پاس آیا پس میں نے اس کو زخمی کیا......... **قوله: قال لنا عمرو**: سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: صالح بن کیسان رحمہ اللہ ایک مرتبہ مکہ آئے تو عمرو بن دینار نے اپنے تلامذہ سے کہا: صالح کے پاس جاؤ اور ان سے یہ حدیث اور دوسری حدیثیں پوچھو۔

بَابٌ: لَا يُشِيْرُ الْمُحْرِمُ إِلَى الصَّيْدِ، لِكَيْ يَصْطَادَهُ الحَلَالُ

محرم شکار کی طرف اشارہ نہ کرے تا کہ اس کو حلال شکار کرے

محرم شکار کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکتا، اگر محرم نے اشارہ کیا یا شکار جس طرف گیا ہے اس کی راہنمائی کی تو وہ شکار مردار ہے، کسی کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں۔

[٥-] بَابٌ: لَا يُشِيْرُ الْمُحْرِمُ إِلَى الصَّيْدِ، لِكَيْ يَصْطَادَهُ الحَلَالُ

[١٨٢٤-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، ثَنَا عُثْمَانُ، هُوَ ابْنُ مَوْهَبٍ، أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ أَبِيْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ حَاجًّا، فَخَرَجُوْا مَعَهُ، فَصَرَفَ طَائِفَةً مِنْهُمْ، فِيهِمْ أَبُوْ قَتَادَةَ، فَقَالَ: "خُذُوْا سَاحِلَ الْبَحْرِ حَتَّى نَلْتَقِيَ" فَأَخَذُوْا سَاحِلَ الْبَحْرِ، فَلَمَّا انْصَرَفُوْا أَحْرَمُوْا كُلُّهُمْ إِلَّا أَبَا قَتَادَةَ لَمْ يُحْرِمْ، فَبَيْنَا هُمْ يَسِيْرُوْنَ إِذْ رَأَوْا حُمُرَ وَحْشٍ، فَحَمَلَ أَبُوْ قَتَادَةَ عَلَى الحُمُرِ، فَعَقَرَ مِنْهَا أَتَانًا، فَنَزَلُوْا، فَأَكَلُوْا مِنْ لَحْمِهَا، فَقَالُوْا: أَنَأْكُلُ لَحْمَ الصَّيْدِ، وَنَحْنُ مُحْرِمُوْنَ؟ فَحَمَلْنَا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِ الأَتَانِ، فَلَمَّا أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا كُنَّا أَحْرَمْنَا، وَقَدْ كَانَ أَبُوْ قَتَادَةَ لَمْ يُحْرِمْ، فَرَأَيْنَا حُمُرَ وَحْشٍ، فَحَمَلَ عَلَيْهَا أَبُوْ قَتَادَةَ، فَعَقَرَ مِنْهَا أَتَانًا، فَنَزَلْنَا فَأَكَلْنَا مِنْ لَحْمِهَا، ثُمَّ قُلْنَا: أَنَأْكُلُ لَحْمَ صَيْدٍ وَنَحْنُ مُحْرِمُوْنَ؟ فَحَمَلْنَا مَابَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا، قَالَ: "أَمِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا؟" قَالُوْا: لَا، قَالَ: "فَكُلُوْا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا"

[راجع: ١٨٢١]

قوله: خَرَج حاجًّا: یہ بھی ایک روایت ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے......... **خُذُوْا ساحلَ البحر**: حضور ﷺ علاحدہ راستہ سے مکہ چلے تھے اور بعض صحابہ کو سمندر کے راستے سے مکہ جانے کا حکم دیا تھا ان میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے......... **قوله: أحرموا كلهم**: جو صحابہ ساحل سمندر سے چلے تھے انھوں نے بھی ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا

مگر حضرت ابوقتادہؓ نے احرام نہیں باندھا تھا کیونکہ وہ حل میں زکوتیں وصول کرنے کے لئے گئے تھے .... **فعقر منها أتانا:** نیل گایوں میں سے ایک کو زخمی کیا، نیل گایوں کا ریوڑ ساتھ چلتا ہے .... **قوله: امنکم احد امره:** نبی ﷺ نے لوگوں سے پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے شکار کرنے کے لئے کہا تھا؟ یا کسی نے شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟ راہنمائی کرنا بھی اشارہ کرنا ہے، مگر آپؐ نے حضرت ابوقتادہؓ سے یہ نہیں پوچھا کہ ان کی ساتھیوں کو کھلانے کی نیت تھی یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ اگر کوئی حلال شکار کرے اور اس کے دل میں محرم کو کھلانے کی نیت ہو تو محرم اس شکار کو کھا سکتا ہے۔ حنفیہ اسی کے قائل ہیں اور ائمہ ثلاثہ اس کو صِیْدَ لأجله قرار دیتے ہیں اس لئے اس کو حرام کہتے ہیں، تفصیل تحفۃ الالمعی (۲۴۴:۳) میں ہے۔

بَابٌ: إِذَا أَهْدَى لِلْمُحْرِمِ حِمَارًا وَحْشِيًّا حَيًّا لَمْ يَقْبَلْ

اگر محرم کو زندہ گورخر ہدیہ میں پیش کیا جائے تو قبول نہ کرے

اگر کوئی حلال آدمی گورخر یا کوئی اور شکار زندہ پکڑ کر کسی محرم کو ہدیہ دے تو محرم کو وہ ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ محرم شکار مار نہیں سکتا وہ ہدیہ قبول کرے گا تو اس شکار کو آزاد کر دینا ضروری ہوگا اس لئے ہدیہ قبول نہ کرے تا کہ وہ شکار حلال کے کام آئے۔ نبی ﷺ جب حجۃ الوداع یا عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لے جا رہے تھے تو مقام ابواء یا ودّان میں حضرت صعب بن جثّامہ رضی اللہ عنہ بغرض ملاقات حاضر ہوئے، وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے، اور ایک سردار جب دوسرے سردار سے ملتا ہے تو خالی ہاتھ نہیں ملتا، اور شکار کا گوشت عربوں کے نزدیک پسندیدہ چیز ہے اور نبی ﷺ کس دن وہاں سے گذریں گے یہ بات معلوم نہیں تھی۔ اور شکار ذبح کر دیا جائے تو گوشت سڑ جائے گا اس لئے حضرت صعبؓ نے قبیلہ کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک گورخر زندہ پکڑیں، چنانچہ جوانوں نے ایک گورخر زندہ پکڑا اور اسے باندھ رکھا، جب آپؐ گذرے تو حضرت صعبؓ وہ زندہ گورخر لے کر حاضر خدمت ہوئے اور اس کا ہدیہ پیش کیا، آپؐ نے ہدیہ قبول نہیں کیا، حضرت صعبؓ کو ناگواری ہوئی، کیونکہ قوم کے سردار کا ہدیہ دوسرا سردار قبول نہ کرے تو یہ ڈوب مرنے کی بات ہے، چنانچہ آپ کو ان کی ناراضگی کا احساس ہوا پس آپؐ نے ہدیہ قبول نہ کرنے کی وجہ بیان کی کہ ہم احرام میں ہیں اس لئے ہم ہدیہ قبول نہیں کر سکتے، اور جس روایت میں ہے کہ حضرت صعبؓ نے ذبح کیا ہوا گورخر پیش کیا تھا وہ روایت محفوظ نہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے باب میں حَیًّا کی قید بڑھائی ہے۔

[٦-] بَابٌ: إِذَا أَهْدَى لِلْمُحْرِمِ حِمَارًا وَحْشِيًّا حَيًّا لَمْ يَقْبَلْ

[١٨٢٥-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ: أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُوْلِ اللهِ صلى

اللہ علیہ وسلم حِمَارًا وَحْشِيًّا، وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ، فَرَدَّهُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ: "إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ"[انظر: ۲۵۷۳، ۲۵۹۶]

لغات: حُرُم: حِرْم کی جمع ہے: بمعنی حرام، مراد محرم ہے۔

بَابُ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

وہ جانور جن کو محرم مار سکتا ہے

حرم میں وحشی جانوروں کو مارنا جائز نہیں، نہ محرم کے لئے اور نہ غیر محرم کے لئے، البتہ پانچ جانور مستثنیٰ ہیں، ان کو محرم اور غیر محرم مار سکتا ہے اور ان کو حرم شریف میں بھی مار سکتے ہیں، ان کو مارنے سے جزاء واجب نہیں ہوتی: چوہا، بچھو، کوا، چیل اور کٹ کھنا کتا، اور ان پانچ میں حصر نہیں، علماء نے تنقیح مناط کر کے اور بھی جانوروں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ جانور جس کا گوشت حرام ہے اس کو مار سکتے ہیں، کیونکہ یہ پانچوں غیر ماکول اللحم ہیں اور جب حرم میں مارنا جائز ہے تو احرام کی حالت میں بھی مار سکتے ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک موذی جانور کو مارنا جائز ہے، یعنی جو بھی جانور ستاتا ہے اسے حرم میں اور احرام میں مار سکتے ہیں، مذکورہ پانچوں جانور کس طرح ستاتے ہیں؟ چوہا اناج کھا جاتا ہے، دودھ پی جاتا ہے اور کپڑے کتر دیتا ہے اور بچھو اور کٹ کھنے کتے کی ایذا رسانی ظاہر ہے، اور کوا جب اونٹ کی کوہان زخمی ہوتی ہے تب اس کا تماشہ دیکھنا چاہئے، زخم میں جو نچیں مارتا ہے اور اس کو مندمل نہیں ہونے دیتا، اور چیل مرغی کے چوزے جھپٹ جاتی ہے، غرض یہ پانچوں موذی جانور ہیں اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہر موذی جانور کو مارنا جائز ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ہر موذی جانور کو اور حشرات الارض (زمین کے کیڑوں) کو مارنا جائز ہے، پس جو جانور ستاتے ہیں اسی طرح زمین کے کیڑے مثلاً سانپ، بچھو اور چھپکلی وغیرہ کو حرم میں اور احرام میں مار سکتے ہیں۔

[۷-] بَابُ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

[۱۸۲۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِي قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ" ح: وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم[انظر: ۳۳۱۵]

[۱۸۲۷-] ح: وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: حَدَّثَتْنِي إِحْدَى نِسْوَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: "يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ"

[انظر: ۱۸۲۸]

[۱۸۲۸-] ح: وَحَدَّثَنِي أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ، أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، قَالَتْ حَفْصَةُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: " خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ لاَ حَرَجَ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُنَّ: الْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ"

[۱۸۲۹-] حدثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، ثَنِيْ ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ:" خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَاسِقٌ، يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ: الْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، والْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ"[انظر: ۳۳۱٤]

[۱۸۳۰-] حدثنا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، ثَنَا أَبِيْ ، ثَنَا الأَعْمَشُ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي غَارٍ بِمِنًى، إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِ ﴿وَالْمُرْسَلاَتِ﴾ وَإِنَّهُ لَيَتْلُوْهَا، وَإِنِّي لَأَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيْهِ، وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا، إِذْ وَثَبَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:"اقْتُلُوْهَا" فَابْتَدَرْنَاهَا فَذَهَبَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم:"وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيْتُمْ شَرَّهَا"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: إِنَّمَا أَرَدْنَا بِهٰذَا أَنَّ مِنًى مِنَ الْحَرَمِ، وَإِنَّهُمْ لَمْ يَرَوْا بِقَتْلِ الْحَيَّةِ بَأْسًا.

[انظر:۳۳۱۷، ٤۹۳۰، ٤۹۳۱، ٤۹۳٤]

[۱۸۳۱-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، قَالَ: ثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِلْوَزَغِ: "فُوَيْسِقٌ" وَلَمْ أَسْمَعْهُ أَمَرَ بِقَتْلِهِ. [انظر: ۳۳۰٦]

قولہ: حدثتنی أحدی نسوۃ: اس سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں، جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے............

قولہ: لاحرج علی من قتلھن: مذکورہ پانچوں جانوروں کو مارنے میں کوئی جزاء نہیں.......... قولہ: کلھن فاسق: سب شرارتی ہیں.......... فویسق: تصغیر ہے: چھوٹا شرارتی۔

حدیث (۱۸۳۰): حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: دریں اثناء کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ منیٰ میں ایک غار میں تھے کہ آپؐ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی (جب سورت نازل ہو چکی تو) آپؐ نے اس کی تلاوت کی، اور میں آپؐ کی زبان سے اس سورت کو لے رہا تھا یعنی آپؐ تلقین فرمارہے تھے اور میں یاد کررہا تھا، اور آپؐ کی زبان اس سورت کے ساتھ تازہ تھی یعنی ابھی ابھی وہ سورت نازل ہوئی تھی، پس اچانک ہم پر ایک سانپ کودا پس نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو مارو، پس ہم اس کی طرف جھپٹے، مگر وہ کسی سوراخ وغیرہ میں گھس گیا، پس نبی ﷺ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچایا گیا جیسے تم اس کے شر سے بچائے گئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے یہ حدیث اس باب میں اس لئے لکھی ہے کہ منیٰ حرم میں ہے اور صحابہ نے سانپ کو مارنے میں کچھ حرج نہیں سمجھا، معلوم ہوا کہ حرم میں سانپ وغیرہ کو یعنی موذی جانوروں کو مار سکتے ہیں، اور حدیث میں پانچ میں حصر نہیں ہے، بطور مثال پانچ کا ذکر ہے۔

آخری حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے چھپکلی (اور گرگٹ) کو چھوٹا شرارتی کہا ہے، اور میں نے آپ کو ان کو مارنے کا حکم دیتے ہوئے نہیں سنا۔

تشریح: وزغ اسم جنس ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: سام ابرص (چھپکلی) اور حرباء (گرگٹ) دونوں ہی شرارتی ہیں، پس ان کو حرم میں اور محرم مار سکتا ہے۔

اور صدیقہؓ نے جو قتل وزغ کی نفی کی ہے: وہ ان کے علم کے اعتبار سے ہے، دیگر متعدد صحابہ سے ان کو مارنے کا حکم مروی ہے، فرمایا: ''جس نے پہلے وار میں مار ڈالا اس کے لئے سو نیکیاں ہیں، اور دوسرے وار میں اس سے کم، اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم'' (مشکوٰۃ حدیث ۴۱۱۹) تفصیل تحفۃ الالمعی (۴۱۷:۴) میں ہے۔

بَابٌ: لَا يُعْضَدُ شَجَرُ الْحَرَمِ

حرم کا درخت نہ کاٹا جائے

حرم کا درخت کاٹنا جائز نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: حرم کے درخت کا کانٹا نہ توڑا جائے، جب کانٹا توڑنا جائز نہیں تو درخت کاٹنا بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں۔ جاننا چاہئے کہ خودرو گھاس اور جنگلی درخت کاٹنے کی ممانعت ہے، البتہ جو درخت انسان اگاتے ہیں جیسے آم اور نیم وغیرہ ان کو کاٹنا جائز ہے، خواہ وہ خود اگا ہو یا کسی نے اگایا ہو، تفصیل کتاب العلم باب ۳۷ (تحفۃ القاری ۳۹۸:۱) میں گذر چکی ہے، اور حدیث بھی وہاں گذری ہے۔

[۸-] بَابٌ: لَا يُعْضَدُ شَجَرُ الْحَرَمِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ"

[۱۸۳۲-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ، أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيْدٍ، وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوْثَ إِلَى مَكَّةَ: ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيْرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُوْلُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ، فَسَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي، وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهِ، إِنَّهُ حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ. ثُمَّ قَالَ: " إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلَا يُعْضَدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ

رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُوْلُوْا لَهُ: إِنَّ اللّٰهَ أَذِنَ لِرَسُوْلِهِ، وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ. وَإِنَّمَا أَذِنَ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ: وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" فَقِيْلَ لِأَبِيْ شُرَيْحٍ: مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو؟ قَالَ: أَنَا أَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ، إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ، وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ، خَرْبَةٌ بَلِيَّةٌ. [راجع: ۱۰۴]

لغت: خَرْبَة (خا کا زبر اور پیش) کے معنی ہیں: بدمعاشی، فساد، لغزش، جنایت۔ اور ایک روایت میں خِزْيَة ہے یعنی رسوائی کا کام۔

بَابٌ: لَايُنَفَّرُ صَيْدُ الْحَرَمِ

حرم کا شکار بھگایا نہ جائے

یہ حدیث کے الفاظ ہیں اور اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک: شکاری چھوٹے جانور کو مثلاً خرگوش کو گولی نہیں مارتے بلکہ یہاں وہاں بھگاتے ہیں، پھر جب شکار تھک جاتا ہے تو اس کو پکڑ لیتے ہیں، پس شکار کو بھگانا شکار کرنے سے تعبیر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور دوسرا مطلب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ کوئی شکار کسی غار میں یا کسی درخت یا چٹان کے سایہ میں بیٹھا ہے، کوئی وہاں آرام کرنا چاہتا ہے اس لئے شکار کو وہاں سے بھگاتا ہے: یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ یہ شکار کو گھبراہٹ میں ڈالنا ہے، اور جس طرح حرم کا شکار کرنا جائز نہیں، اسے گھبراہٹ میں ڈالنا بھی جائز نہیں۔

[۹-] بَابٌ: لَايُنَفَّرُ صَيْدُ الْحَرَمِ

[۱۸۳۳-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، ثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ، فَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ، وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِيْ، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، لَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ" فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ لِصَاغَتِنَا وَقُبُوْرِنَا، فَقَالَ: " إِلَّا الْإِذْخِرَ" وَعَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: هَلْ تَدْرِيْ مَا "لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا؟" هُوَ أَنْ يُنَحِّيَهُ مِنَ الظِّلِّ، يَنْزِلُ مَكَانَهُ.

[راجع: ۱۳۴۹]

حوالہ: حدیث کا ترجمہ کتاب الجنائز باب ۷۶ میں ہے۔.......... قولہ: هو أن يُنَحِّيَه من الظِّلِّ: شکار کو سایہ سے ہٹانا تاکہ خود وہاں آرام کرے یہ شکار کو بھگانا ہے، یہ حدیث کا دوسرا مطلب ہے۔

بَابٌ: لَايَحِلُّ الْقِتَالُ بِمَكَّةَ

حرم شریف میں جنگ جائز نہیں

جب حرم کا شکار مارنا جائز نہیں تو کسی انسان کو مارنا یا جنگ کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟!

[۱۰-] بَابٌ: لَايَحِلُّ الْقِتَالُ بِمَكَّةَ

وَقَالَ أَبُوْ شُرَيْحٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " لَا يَسْفِكُ بِهَا دَمًا"

[١٨٣٤-] حدثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ، ثنا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ افْتَتَحَ مَكَّةَ: " لَا هِجْرَةَ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، فَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا، فَإِنَّ هٰذَا بَلَدٌ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ، وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ، إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا" قَالَ الْعَبَّاسُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ، قَالَ: قَالَ:" إِلَّا الْإِذْخِرَ.

[راجع: ١٣٤٩]

قولہ: لاھجرۃ: فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضور ﷺ نے جو تقریر فرمائی تھی اس میں ایک بات یہ فرمائی تھی کہ اب مکہ سے ہجرت ختم، کیونکہ اب مکہ دارالاسلام بن گیا، البتہ جہاد کا موقعہ ہو تو ضرور مکہ سے نکلے اور جہاد جاری نہ ہو تو نیت رکھے کہ جب موقع آئے گا جہاد کے لئے نکلوں گا .... **قولہ: فإذا استنفرتم فانفروا:** پس جب جہاد کے لئے نکلنے کے لئے کہا جائے تو اٹھ کھڑے ہو .... **وإنہ لم یحل القتال:** یہ جملہ باب سے متعلق ہے۔

بَابُ الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ، وَكَوَى ابْنُ عُمَرَ ابْنَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَيَتَدَاوَى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ طِيْبٌ

محرم پچھنے لگواسکتا ہے، اور لوہا گرم کر کے داغ لگواسکتا ہے، اور ایسی دواء استعمال کرسکتا ہے جو خوشبودار نہ ہو

امام بخاریؒ نے باب میں تین مسئلے اکٹھا کئے ہیں، تینوں از قبیل علاج اور الأھم فالأھم ہیں۔

پہلا مسئلہ: احرام میں پچھنے لگواسکتے ہیں، نبی ﷺ نے احرام میں پچھنے لگوائے ہیں، مگر بال مونڈنا جائز نہیں، اور مجبوری ہو اور پچھنے لگواتے ناگزیر ہوں تو لگوائے اور جو بال مونڈے ان کا فدیہ دے یعنی تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو غلّہ دے یا ایک بکری ذبح کرے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بے ضرورت پچھنے نہ لگوائے، مگر بے ضرورت پچھنے

کون لگواتا ہے؟

دوسرا مسئلہ: لوہا گرم کر کے بدن میں داغ لگوا سکتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے صاحبزادے واقد کو احرام میں داغ لگایا ہے کیونکہ یہ بھی پچھنے لگانے کی طرح ایک علاج ہے، اور اس کے لئے بھی بال مونڈنے پڑیں تو فدیہ دے۔

تیسرا مسئلہ: احرام میں کوئی بھی ایسی دواء جو خوشبودار نہ ہو بدن میں لگا سکتے ہیں، یہ بھی علاج کی ضرورت ہے۔

[۱۱-] بَابُ الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ، وَكَوَى ابْنُ عُمَرَ ابْنَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ، وَيَتَدَاوَى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ طِيْبٌ

[۱۸۳۵-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنَا سُفيَانُ، قَالَ: قَالَ لَنَا عَمْرٌو: أَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُ عَطَاءً، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُوْلُ: احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُحْرِمٌ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: ثَنِی طَاوُسٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ: لَعَلَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُمَا.

[انظر: ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۲۱۰۳، ۲۲۷۸، ۲۲۷۹، ۵۶۹۱، ۵۶۹۴، ۵۶۹۵، ۵۶۹۹، ۵۷۰۰، ۵۷۰۱]

[۱۸۳۶-] حدثنا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ، عَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُحْرِمٌ، بِلَحْيِ جَمَلٍ، فِي وَسَطِ رَأْسِهِ. [انظر: ۵۶۹۸]

قولہ: قال لنا عمرو: ابن عیینہؒ کہتے ہیں: ہم سے عمرو بن دینارؒ نے کہا کہ میں نے حضرت عطاءؒ سے سب سے پہلے یہ حدیث سنی کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے، ابن عیینہؒ کہتے ہیں: پھر میں نے عمرو بن دینار کو بواسطہ طاؤس حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے سنا، پس میں نے خیال کیا کہ شاید عمرو بن دینار نے دونوں حضرات سے یہ حدیث سنی ہے۔

لَحْيُ جَمَل: مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اور یہ جگہ مکہ کی بہ نسبت مدینہ سے اقرب ہے، وہاں نبی ﷺ نے سر کے بیچ میں پچھنے لگوائے ہیں، درانحالیکہ آپؐ احرام میں تھے (اور بال مونڈنے کا فدیہ دیا ہوگا)

بَابُ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ

محرم کا نکاح کرنا

یہ معرکۃ الآراء مسئلہ ہے کیونکہ حجازی اور عراقی مکاتب فکر میں اختلاف ہے، احرام کی حالت میں اپنا نکاح پڑھنا یا قاضی

بن کر دوسرے کا نکاح پڑھانا، اپنی منگنی بھیجنا جبکہ منگنی بھیجنے والا احرام میں ہو یا جس کی منگنی بھیجی جارہی ہے وہ احرام میں ہو یا دونوں احرام میں ہوں: یہ جائز ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک احرام میں یہ سب کام مکروہ ہیں، اور اگر کوئی احرام کی حالت میں نکاح پڑھ لے یا دوسرے کا نکاح پڑھا دے تو نکاح صحیح ہے، البتہ جماع اور دواعی جماع کی مطلق گنجائش نہیں، وہ حرام ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احرام کی حالت میں اپنی منگنی بھیجنا یا جو لڑکی یا لڑکا احرام میں ہیں ان کی منگنی بھیجنا مکروہ ہے، اور محرم کا خود اپنا نکاح پڑھنا یا قاضی بن کر دوسرے کا نکاح پڑھانا حرام ہے، وہ نکاح باطل اور کالعدم ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں: ایک قولی ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور مسلم شریف (۱: ۴۵۳) میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: لَایَنْکِحُ المحرمُ، ولا یُنکِح غیرَہ ولا یخطُب: محرم نہ اپنا نکاح پڑھے اور نہ دوسرے کا نکاح پڑھائے اور نہ منگنی بھیجے، اور صحیح ابن حبان (حدیث ۴۱۱۲) میں یہ اضافہ ہے: ولا یُخطَب علیه: اور محرم کی منگنی نہ بھیجی جائے، اور دوسری روایت فعلی ہے اور اس میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب نبی ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ احرام میں تھے، اور ابو رافع اور یزید بن الاصم (یہ بھی حضرت میمونہؓ کے بھانجے ہیں) اور خود حضرت میمونہؓ کی روایتوں کا مضمون یہ ہے کہ نبی ﷺ کا نکاح حلال ہونے کی حالت میں ہوا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے ان روایتوں کو اور قولی روایت کو لیا ہے اور حنفیہ اور امام بخاری رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر مسئلہ کا مدار رکھا ہے، کیونکہ وہ روایت اصح مافی الباب ہے، اور لایَنکح ولایُنکح میں لا نفی کمال کا لیا ہے یعنی نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ فعل زیبا نہیں، اور ممانعت سد ذرائع کے لئے ہے، جیسے روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ یہ سلسلہ کہیں آگے نہ بڑھ جائے، اسی طرح یہاں بھی ممانعت سد ذرائع کے لئے ہے، کیونکہ احرام کی حالت میں اگر نکاح کیا گیا تو ممکن ہے یہ سلسلہ آگے بڑھ جائے اور بات جماع یا دواعی جماع تک پہنچ جائے جو احرام میں قطعاً ممنوع اور حرام ہیں، اور قرینہ یہ ہے کہ لایخطُب اور لایُخطَب علیه میں بالاتفاق کمال کی نفی ہے، کیونکہ اگر احرام میں منگنی بھیجی گئی پھر حلال ہونے کے بعد نکاح ہوا تو یہ نکاح بالاتفاق درست ہے مگر احرام کی حالت میں منگنی بھیجنا بالاتفاق مکروہ ہے، پس یہ ایک قرینہ ہے کہ حدیث کے پہلے دونوں جملوں میں بھی کمال کی نفی ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بحالتِ احرام نکاح کیا ہے (لہٰذا اگر احرام کی حالت میں نکاح پڑھا جائے تو نکاح صحیح ہے اور یہ باب کی صحیح ترین روایت ہے اور متفق علیہ ہے۔ اور پندرہ اکابر تابعین ابن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور ابو رافع، یزید بن الاصم اور حضرت میمونہؓ کی حدیثوں میں کلام ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۳: ۲۳۶) میں ہے)

[۱۲-] بَابُ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ

[۱۸۳۷-] حدثنا أَبُو الْمُغِيرَةِ عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ الْحَجَّاجِ، ثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، ثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

[أنظر: ۴۲۵۸، ۴۲۵۹، ۵۱۱۴]

بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الطِّيْبِ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ

مردوزن کے لئے احرام میں خوشبو ممنوع ہے

محرم خوشبو نہیں لگا سکتا، اور اس حکم میں مردوزن یکساں ہیں، اور یہ ممانعت زندوں کے ساتھ خاص نہیں، جو شخص احرام میں مرا اس کا بھی یہی حکم ہے، اس کو بھی خوشبو نہیں لگا سکتے، مگر اس دوسرے مسئلہ میں حنفیہ اور مالکیہ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک موت کے بعد احرام ختم ہو جاتا ہے، پس محرم کی تجہیز وتکفین عام اموات کی طرح کی جائے گی، تفصیل کتاب الجنائز باب ۲۱ میں گذر چکی ہے۔ البتہ زندہ احرام میں خوشبو نہیں لگا سکتا، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: عورت احرام میں ورس اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے، کیونکہ ان کپڑوں میں خوشبو ہوتی ہے، اس لئے یہ ممانعت ہے۔

[۱۳-] بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الطِّيْبِ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَا تَلْبَسُ الْمُحْرِمَةُ ثَوْبًا بِوَرْسٍ أَوْ زَعْفَرَانٍ.

[۱۸۳۸-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيْدَ، ثَنَا اللَّيْثُ، ثَنَا نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ، مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ فِي الإِحْرَامِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَاتَلْبَسُوْا الْقُمُصَ، وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا الْبَرَانِسَ، إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوْا شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا الْوَرْسُ، وَلَا تَنْتَقِبُ الْمُحْرِمَةُ، وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ"

تَابَعَهُ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ، وَإِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُقْبَةَ، وَجُوَيْرِيَةُ، وَابْنُ إِسْحَاقَ فِي النِّقَابِ وَالْقُفَّازَيْنِ، وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: "وَلَا وَرْسٌ" وَكَانَ يَقُوْلُ: "لَا تَنْتَقِبُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ" وَقَالَ مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: "لَا تَنْتَقِبُ الْمُحْرِمَةُ" وَتَابَعَهُ لَيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ. [راجع: ۱۳۴]

قولہ: ولا تلبسوا شیئًا: یہ جملہ باب سے متعلق ہے، مردوزن کی تخصیص کے بغیر یہ حکم ہے، اور یہ حدیث بخاری شریف میں دس جگہ آئی ہے، پہلے بھی کئی بار گذری ہے اور آگے بھی آئے گی، اور یہاں حدیث میں دو مسئلے زائد ہیں جو صرف اسی جگہ ہیں:

پہلا مسئلہ: عورت احرام میں چہرے پر نقاب نہ ڈالے، کیونکہ عورت کا احرام چہرے میں ہے، پس جتنا حصہ وضو میں دھونا فرض ہے عورت کے لئے احرام میں اتنا حصہ کھلا رکھنا ضروری ہے، پس ایسا نقاب جو چہرے سے لگے ڈالنا جائز نہیں، ہاں پردہ کرنا ضروری ہے، اور پردہ کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، مثلاً: پنکھا ہاتھ میں رکھ لے اور بس وغیرہ میں چہرے کے سامنے پنکھا کر کے بیٹھی رہے یا ایسا نقاب ڈالے جو چہرہ سے دور رہے۔

دوسرا مسئلہ: احرام میں عورت ہاتھوں میں دستانے نہ پہنے: مردوزن کے لئے حالتِ احرام میں دستانے پہننا مکروہ ہے۔

مذکورہ دونوں مسئلے مرفوع ہیں یا حدیث میں مدرج ہیں؟ اس میں نافع کے تلامذہ میں اختلاف ہے، لیث مصریؒ، موسیٰ بن عقبہؒ، اسماعیل بن ابراہیمؒ، جویریہؒ اور ابن اسحاقؒ مرفوع کرتے ہیں، اور عبیداللہ ولا ورس کے بعد و کان یقول بڑھاتے ہیں یعنی مذکورہ دونوں مسئلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کئے ہیں، حدیث میں نہیں ہیں، اور امام مالک اور لیث بن ابی سُلیم بھی موقوف بیان کرتے ہیں، پس ان دو مسئلوں کے رفع و وقف میں اختلاف ہے۔

[۱۸۳۹-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا جَرِيْرٌ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: وَقَصَتْ بِرَجُلٍ مُحْرِمٍ نَاقَتُهُ فَقَتَلَتْهُ، فَأُتِيَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: "اغْسِلُوْهُ وَكَفِّنُوْهُ، وَلاَ تُغَطُّوْا رَأْسَهُ، وَلاَ تُقَرِّبُوْهُ طِيبًا، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يُهِلُّ" [راجع: ۱۲۶۶]

وضاحت: باب میں یہ حدیث لا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے حکم عام کیا ہے، یعنی محرم کے لئے خوشبو کی ممانعت زندگی میں بھی ہے اور مرنے کے بعد بھی، مگر حنفیہ اور مالکیہ اس سے متفق نہیں، تفصیل کتاب الجنائز (باب ۲۰ و ۲۱) میں گذری ہے۔

بَابُ الإِغْتِسَالِ لِلْمُحْرِمِ

محرم نہا سکتا ہے

احرام میں آدمی نہا سکتا ہے، مگر صابن استعمال نہیں کر سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: محرم حمام میں جا سکتا ہے، ظاہر ہے حمام میں نہانے کے لئے جائے گا، اور حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: احرام میں کھجلا سکتا ہے، یعنی نہاتے وقت بدن کو رگڑ سکتا ہے اور سر اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر سکتا ہے، اور عام اوقات میں بھی کھجا سکتا ہے مگر احتیاط ضروری ہے، بال نہ ٹوٹیں ورنہ جنایت لازم ہوگی۔

[۱۴-] بَابُ الاِغْتِسَالِ لِلْمُحْرِمِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَدْخُلُ الْمُحْرِمُ الْحَمَّامَ، وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ بِالْحَكِّ بَأْسًا.

[۱۸۴۰-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اخْتَلَفَا بِالأَبْوَاءِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ: يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ، وَقَالَ الْمِسْوَرُ: لاَ يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ، فَأَرْسَلَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ إِلٰى أَبِيْ أَيُّوْبَ الأَنْصَارِيِّ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ بَيْنَ الْقَرْنَيْنِ، وَهُوَ يُسْتَرُ بِثَوْبٍ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَنْ هٰذَا؟ فَقُلْتُ: أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُنَيْنٍ، أَرْسَلَنِيْ إِلَيْكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ يَسْأَلُكَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ؟ فَوَضَعَ أَبُوْ أَيُّوْبَ يَدَهُ عَلَى الثَّوْبِ فَطَأْطَأَهُ، حَتّٰى بَدَا لِيْ رَأْسُهُ، ثُمَّ قَالَ لِإِنْسَانٍ يَصُبُّ عَلَيْهِ: اصْبُبْ، فَصَبَّ عَلٰى رَأْسِهِ، ثُمَّ حَرَّكَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُهُ صلى الله عليه وسلم يَفْعَلُ.

ترجمہ: عبداللہ بن حنین سے مروی ہے کہ ابن عباس اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ابواء مقام میں اختلاف ہوا، ابن عباسؓ نے کہا: محرم سر دھوسکتا ہے، اور مسور بن مخرمہؓ نے کہا: نہیں دھوسکتا، پس ابن عباسؓ نے مجھے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، میں نے ان کو دوقرنوں کے درمیان غسل کرتے ہوئے پایا (کنویں پر دولکڑیاں کھڑی کرتے ہیں اوران کے بیچ میں ایک آڑی لکڑی ہوتی ہے اوراس میں چرخی ہوتی ہے یہ کھڑی دولکڑیاں قرنین ہیں یعنی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کنویں پر نہارہے تھے) درانحالیکہ آپؓ ایک کپڑے میں چھپائے گئے تھے (یعنی ایک شخص کپڑے سے پردہ کئے ہوئے تھا اور آپؓ پردہ کے پیچھے نہارہے تھے) میں نے سلام کیا، آپؓ نے پوچھا: کون؟ میں نے عرض کیا: میں عبداللہ بن حنین ہوں، مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آپؓ کے پاس بھیجا ہے وہ آپؓ سے پوچھ رہے ہیں کہ نبی ﷺ احرام کی حالت میں سر کس طرح دھوتے تھے؟ پس حضرت ابوایوبؓ نے اپنا ہاتھ کپڑے پر رکھا اوراس کو جھکایا یہاں تک کہ آپؓ کا سر ظاہر ہوا، پھر ایک شخص سے جو پانی ڈال رہا تھا کہا: پانی ڈال، پس اس نے آپؓ کے سر پر پانی ڈالا، پس آپؓ نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے ہلایا، اور ہاتھوں کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے، پھر فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔

تشریح: حدیث کی باب پر دلالت واضح ہے، اوراس حدیث میں ہمارے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ پردہ کے پیچھے نہارہے تھے جبکہ آپؓ نے لنگی پہن رکھی ہوگی، کیونکہ پردے کے اندر ایک شخص تھا جو پانی ڈال رہا تھا، مگر ہمارے طلبہ نل پر لنگی پہن کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور نہانا شروع کرتے ہیں اور لنگی بھیگ کر بدن سے چپک جاتی ہے اور سارا

ننگا پا نظر آتا ہے، یہ غلط طریقہ ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ لنگی پہن کر نہا رہے ہیں، اس کے باوجود پردہ کر رکھا ہے۔

بَابُ لُبْسِ الْخُفَّيْنِ لِلْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ

بَابٌ: إِذَا لَمْ يَجِدِ الإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيْلَ

اگر محرم کے پاس چپل نہ ہوں تو خفین پہنے اور لنگی نہ ہو تو شلوار پہنے

یہ دو باب ہیں، ان میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس لنگی اور چپل نہ ہوں تو کیا وہ احرام میں پائجامہ اور خفین پہن سکتا ہے؟ چھوٹے دواماموں کے نزدیک ایسے شخص کے لئے پائجامہ اور خفین پہننا جائز ہے اور بڑے دواماموں کے نزدیک ایسا شخص خفین ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہنے اور پائجامہ پھاڑ کر اس کی لنگی بنا کر پہنے۔ اگر بغیر کاٹے خفین پہنے گا یا پائجامہ پہنے گا تو جنایت لازم ہوگی۔

[١٥-] بَابُ لُبْسِ الْخُفَّيْنِ لِلْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ

[١٨٤١-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَخْطُبُ بِعَرَفَاتٍ: مَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ إِزَارًا فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيْلَ لِلْمُحْرِمِ"[راجع: ١٧٤٠]

[١٨٤٢-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، ثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ فَقَالَ:" لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُوْنَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ"[راجع: ١٣٤]

[١٦-] بَابٌ: إِذَا لَمْ يَجِدِ الإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيْلَ

[١٨٤٣-] حدثنا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَطَبَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَفَاتٍ، فَقَالَ:" مَنْ لَمْ يَجِدِ الإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيْلَ، وَمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ"[راجع: ١٧٤٠]

حدیث (١): ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفات میں تقریر کرتے ہوئے سنا کہ جو محرم چپل نہ پائے وہ خفین پہنے اور جو لنگی نہ پائے وہ پائجامہ پہنے۔

تشریح: اس حدیث سے چھوٹے دواماموں نے استدلال کیا ہے، یہ حدیث مطلق ہے، اس میں خفین کو کاٹنے کا اور شلوار کو پھاڑنے کا ذکر نہیں، پس خفین اور شلوار کو کاٹے اور پھاڑے بغیر پہن سکتے ہیں اور بڑے دوامام کہتے ہیں: اس حدیث میں اگرچہ یہ قید نہیں ہے مگر ابن عمرؓ کی اسی حدیث میں جو اس کے بعد ہے خفین کو کاٹنے کا تذکرہ ہے، اور حادثہ واحدہ (ایک مسئلہ) میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، اور شلوار کو بڑے دواماموں نے خفین پر قیاس کیا ہے۔

بَابُ لُبْسِ السِّلاَحِ لِلْمُحْرِمِ

محرم ہتھیار باندھ سکتا ہے

اگر دشمن کا خوف ہو تو احرام میں ہتھیار باندھ سکتے ہیں، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر دشمن کا خوف ہو تو ہتھیار باندھے اور فدیہ دے، یعنی احرام میں ہتھیار باندھنا جائز نہیں، اس لئے فدیہ لازم ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فدیہ والی بات صحیح نہیں، کسی فقیہ نے حضرت عکرمہ کی موافقت نہیں کی۔

[۱۷-] بَابُ لُبْسِ السِّلاَحِ لِلْمُحْرِمِ

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: إِذَا خَشِيَ الْعَدُوَّ لَبِسَ السِّلاَحَ وافْتَدَى، وَلَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهِ فِي الْفِدْيَةِ.

[۱۸۴٤-] حدثنا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ: قَالَ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي ذِي الْقَعْدَةِ، فَأَبَى أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يَدَعُوْهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ، حَتَّى قَاضَاهُمْ: لاَ يُدْخِلُ مَكَّةَ سِلاَحًا إِلاَّ فِي الْقِرَابِ. [راجع: ۱۷۸۱]

وضاحت: حدیبیہ کے سال جن شرائط پر صلح ہوئی تھی ان میں ایک شرط یہ تھی کہ امسال مسلمان عمرہ کئے بغیر واپس جائیں، آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں رہیں، اور تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ لائیں، اور تلوار بھی میان میں رہے۔ معلوم ہوا کہ احرام میں ہتھیار باندھ سکتے ہیں اسی لئے یہ شرط لگائی تھی، اگر احرام میں ہتھیار باندھنا جائز نہ ہوتا تو اس شرط کی ضرورت نہیں تھی، اس طرح حدیث سے استدلال کیا ہے۔

بَابُ دُخُوْلِ الْحَرَمِ وَمَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ

حرم میں اور مکہ میں احرام کے بغیر داخل ہونا

آفاقی اگر حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ جائے تو میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ اگر کسی دوسرے مقصد سے حرم میں جائے تو احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اصحاب ظواہر کا

مذہب، امام بخاریؒ کی رائے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی روایت یہ ہے کہ اگر آفاقی حج یا عمرہ کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے حرم میں جائے تو اس پر احرام باندھنا ضروری نہیں۔

اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب، امام مالک رحمہ اللہ کی راجح روایت اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ آفاقی کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے، خواہ کسی مقصد سے حرم میں جائے، اگر کوئی بغیر احرام کے میقات سے بڑھ جائے تو حرم شروع ہونے سے پہلے واپس آ کر میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اور حرم میں داخل ہو گیا تو دم واجب ہو گیا۔ آج کل کاروباری لوگ اور ٹیکسی والے مدینہ اور مکہ کے درمیان اور جدہ اور مکہ کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں، اور بعض علماء کے نزدیک جدہ میقات سے باہر ہے اور ہر بار عمرہ کا احرام باندھ کر لوٹنا دشوار ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کے مسلک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، مگر عام لوگوں کے لئے جن کے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں وہ جب مدینہ یا جدہ جائیں تو احرام باندھ کر لوٹیں، اور حلّ کا رہنے والا بالاتفاق بغیر احرام کے حرم شریف میں آ جا سکتا ہے۔

[۱۸-] بَابُ دُخُوْلِ الْحَرَمِ وَمَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ

وَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ حَلاَلاً، وَإِنَّمَا أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالإِهْلاَلِ لِمَنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْحَطَّابِيْنَ وَغَيْرَهُمْ.

[۱۸۴۵-] حدثنا مُسْلِمٌ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، هُنَّ لَهُنَّ، وَلِكُلِّ آتٍ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِمْ، مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ، حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ. [راجع: ۱۵۲۴]

[۱۸۴۶-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَامَ الْفَتْحِ، وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: إِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: "اقْتُلُوْهُ" [انظر: ۳۰۴۴، ۴۲۸۶، ۵۸۰۸]

اثر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حلال ہونے کی حالت میں یعنی احرام باندھے بغیر مکہ گئے (اثر پورا ہوا) (امام بخاریؒ فرماتے ہیں) اور نبی ﷺ نے احرام باندھنے کا حکم اس شخص کو دیا ہے جس کا حج یا عمرہ کا ارادہ ہے اور جو لوگ سوختہ لے کر مکہ آتے جاتے ہیں یا کسی اور مقصد سے آتے جاتے ہیں ان کا نبی ﷺ نے تذکرہ نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ جس کا حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں ہے وہ بغیر احرام کے حرم میں جا سکتا ہے (امام بخاریؒ کا قول پورا ہوا)

دوسری حدیث: جب نبی ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو سر پر لوہے کی ٹوپی تھی جب مکہ میں پہنچ کر آپؐ

نے ٹوپی اتاری تو ایک شخص نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! ابن خطل کعبہ شریف کا پردہ پکڑے ہوئے ہے، آپؐ نے فرمایا: اس کو قتل کردو۔

تشریح: آنحضور ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر چند مردوں اور عورتوں کا خون مباح کیا تھا ان میں سے ایک عبداللہ بن خطل بھی تھا، یہ شخص مسلمان ہوا تھا، ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اس کو عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لئے بھی بھیجا تھا، ایک غلام اور ایک انصاری ساتھ تھے، ایک جگہ ابن خطل نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا، غلام کسی وجہ سے سوگیا، اس پر ابن خطل نے غلام کو غصہ میں قتل کرڈالا، پھر مرتد ہو کر مکہ چلا گیا اور مشرکین کے ساتھ مل گیا، پھر آنحضور ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا اور باندیوں کو ان اشعار کے گانے کا حکم دیا، غرض اس کے تین جرم تھے: خونِ ناحق، ارتداد اور آپؐ کی ہجو میں اشعار کہنا، اس لئے اس کو قتل کیا گیا۔

استدلال: فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ کا احرام نہیں تھا، معلوم ہوا کہ جس کا حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں وہ بغیر احرام کے حرم میں داخل ہوسکتا ہے، یہ اس حدیث سے استدلال ہے، مگر یہ استدلال تام نہیں اس لئے کہ یہ آنحضور ﷺ کی خصوصیت تھی، فتح مکہ کے دن آپؐ کے لئے اور صحابہ کے لئے حرم کے احکام اٹھا دیئے گئے تھے، چنانچہ وہاں قتل وقتال بھی جائز ہوگیا تھا، پس تقریب تام نہیں۔

بَابٌ: إِذَا أَحْرَمَ جَاهِلاً وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ

مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے کسی نے کرتہ پہن کر احرام باندھا

کوئی مسئلہ نہیں جانتا تھا اور اس نے احرام میں سلا ہوا کپڑا پہنا تو کیا حکم ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جہالت عذر ہے پس کوئی کفارہ واجب نہیں۔ امام شافعی اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے ہے، حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یا بھول کر سلا ہوا کپڑا پہنا یا خوشبو لگائی تو اس کے ذمہ کوئی کفارہ نہیں، دیگر فقہاء جہالت کا اعتبار نہیں کرتے، اور وہ کفارہ واجب کرتے ہیں، اگر ارتفاق ناقص ہے تو فدیہ واجب ہے اور ارتفاق کامل ہے تو دم واجب ہے، ارتفاق کے معنی ہیں: فائدہ اٹھانا، ارتفاق کامل اور ناقص کیا ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اگر سلا ہوا کپڑا پورے دن پہنا ہے اور بعض کہتے ہیں: اکثر دن پہنا ہے تو یہ ارتفاق کامل ہے پس دم واجب ہوگا، اور آدھے دن سے کم پہنا ہے تو یہ ارتفاق ناقص ہے، پس فدیہ واجب ہوگا، دیگر چیزوں کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

[۱۹-] بَابٌ: إِذَا أَحْرَمَ جَاهِلاً وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ

وَقَالَ عَطَاءٌ: إِذَا تَطَيَّبَ أَوْ لَبِسَ جَاهِلاً أَوْ نَاسِيًا فَلاَ كَفَّارَةَ عَلَيْهِ.

[۱۸۴۷-] حدثنا أَبُو الْوَلِيدِ، ثَنَا هَمَّامٌ، ثَنَا عَطَاءٌ، قَالَ: ثَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَتَاهُ رَجُلٌ عَلَيْهِ جُبَّةٌ، وَعَلَيْهَا أَثَرُ صُفْرَةٍ أَوْ نَحْوُهُ، كَانَ عُمَرُ يَقُولُ لِي: تُحِبُّ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ أَنْ تَرَاهُ؟ فَنَزَلَ عَلَيْهِ، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ، فَقَالَ: " اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ"[راجع: ۱۵۳۶]

[۱۸۴۸-] وَعَضَّ رَجُلٌ يَدَ رَجُلٍ، يَعْنِي فَانْتَزَعَ ثَنِيَّتَهُ، فَأَبْطَلَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم.

[انظر: ۲۲۶۵، ۲۹۷۳، ۴۴۱۷، ۶۸۹۳]

وضاحت: یہ حدیث کتاب الحج باب ۱۷ میں گذر چکی ہے، ایک بدّو نے جعرانہ میں عمرہ کا احرام باندھا اور جبہ پہن رکھا تھا اور خوشبو بھی لگا رکھی تھی، کوئی شخص اس کو نبی ﷺ کے پاس لایا، اس نے مسئلہ پوچھا، آپؐ خاموش رہے، کیونکہ ابھی کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، فوراً ہی آپؐ پر وحی کے آثار شروع ہوئے، جب وحی پوری ہوئی تو آپؐ نے اس سے فرمایا: ''جبہ اتار دو اور خوشبو دھوڈالو اور جس طرح حج کرتے ہو اس طرح عمرہ کرو''

استدلال: اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ اس شخص نے مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے جبہ پہنا تھا اور خوشبو لگائی تھی، آنحضور ﷺ نے اس کی جہالت کا اعتبار کیا اور کوئی کفارہ واجب نہیں کیا، مگر یہ تشریع کے وقت کی ترخیص تھی، پس یہ استدلال محل نظر ہے۔

قولہ: وکان عمر یقول لی: یعلی بن امیہؓ کہتے ہیں: مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: آپ کو پسند ہے کہ جب وحی اتر رہی ہو اس وقت آپ نبی ﷺ کو دیکھیں؟ یہ راوی کی تعبیر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ یہ بات کہتے؟ درحقیقت حضرت یعلی رضی اللہ عنہ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ میں نبی ﷺ کو وحی اترتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، جب کوئی موقع ہو تو مجھے دکھلانا، چنانچہ جب وحی کے آثار شروع ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت یعلی رضی اللہ عنہ کو لائے اور اس کپڑے کے اندر ان کا منہ گھسایا جو آپؐ کو اڑھایا گیا تھا اور فرمایا: دیکھ وحی اس طرح آتی ہے۔

قولہ: وَعَضَّ رجلٌ یدَ رجلٍ: یہ دوسرے موقعہ کا واقعہ ہے، ایک جہاد میں لوگ کسی چشمہ سے پانی بھر رہے تھے، دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوا، ایک نے دوسرے کے ہاتھ کو کاٹا، اس نے بچاؤ کے لئے اپنا ہاتھ کھینچا، پس کاٹنے والے کا سامنے کا اوپر کا دانت ٹوٹ گیا، اس نے قصاص کا مطالبہ کیا، آپؐ نے فرمایا: ''کیا وہ تیرے منہ میں اپنا ہاتھ دیئے رہتا کہ تو اس کو سانڈ کی طرح چپاتا رہتا؟!'' وہ بچاؤ کے لئے ہاتھ تو کھینچے گا؟ اور آپؐ نے اس کا خون رائگاں کیا یعنی نہ قصاص واجب کیا نہ دیت۔

بَابُ الْمُحْرِمِ يَمُوْتُ بِعَرَفَةَ وَلَمْ يَأْمُرِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُؤَدِّى عَنْهُ بِقِيَّةُ الْحَجِّ

محرم کا عرفہ میں انتقال ہوا اور نبی ﷺ نے اس کی طرف سے باقی حج کرنے کا حکم نہیں دیا

کسی کا حج میں وقوفِ عرفہ کے دوران یا اس کے بعد انتقال ہو گیا تو اس کا حج پورا ہو گیا، پس اس کی طرف سے حج بدل ضروری نہیں، اور وقوفِ عرفہ سے پہلے انتقال ہو جائے اور وہ مالدار ہو تو حج بدل کرانا ضروری ہے۔ حجۃ الوداع میں ایک صحابی وقوفِ عرفہ کے دوران اونٹ پر سے گر کر مر گئے، نبی ﷺ نے ان کے ورثاء کو ان کی طرف سے حج کرنے کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ جو وقوفِ عرفہ کے دوران یا اس کے بعد مرا اس کا حج ہو گیا، اس کی طرف سے حج بدل کرانا ضروری نہیں۔

[۲۰-] بَابُ الْمُحْرِمِ يَمُوْتُ بِعَرَفَةَ وَلَمْ يَأْمُرِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ يُؤَدِّى عَنْهُ بِقِيَّةُ الْحَجِّ

[۱۸۴۹-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَيْنَا رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَفَةَ، إِذْ وَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهِ، فَوَقَصَتْهُ أَوْ قَالَ: فَأَقْعَصَتْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوْهُ فِي ثَوْبَيْنِ" أَوْ قَالَ: " فِي ثَوْبَيْهِ، وَلَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ، وَلَا تُحَنِّطُوْهُ، فَإِنَّ اللهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُلَبِّي"

[۱۸۵۰-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوْبَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ وَاقِفٌ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَفَةَ، إِذْ وَقَعَ عَنْ رَاحِلَتِهِ، فَوَقَصَتْهُ أَوْ قَالَ: فَأَوْقَصَتْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: " اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوْهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تَمَسُّوْهُ طِيْبًا، وَلَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ، وَلَا تُحَنِّطُوْهُ، فَإِنَّ اللهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا"

حوالہ: یہ حدیث کتاب الجنائز باب ۲۰ و ۲۱ میں گذری ہے۔

بَابُ سُنَّةِ الْمُحْرِمِ إِذَا مَاتَ

حالتِ احرام میں کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کیسے کی جائے؟

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ محرم کا کفن غیر محرم کے کفن سے جداگانہ ہونا چاہئے، ان کے نزدیک مرنے کے

بعد بھی احرام باقی رہتا ہے، چھوٹے دواماموں کی بھی یہی رائے ہے۔ اور بڑے دواماموں کے نزدیک احرام ختم ہوجاتا ہے، پس عام اموات کی طرح اس کی تجہیز وتکفین کی جائے گی۔ تفصیل کتاب الجنائز باب ۲۱ میں گذر چکی ہے۔

[۲۱-] بَابُ سُنَّةِ الْمُحْرِمِ إِذَا مَاتَ

[۱۸۵۱-] حدثنا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا هُشَيْمٌ، أَنَا أَبُوْ بِشْرٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَجُلاً كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَمَاتَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَكَفِّنُوْهُ فِي ثَوْبَيْهِ، وَلاَ تَمَسُّوْهُ بِطِيْبٍ، وَلاَ تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا"

بَابُ الْحَجِّ وَالنَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ، وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ

میت کی منت پوری کرنا اور اس کی طرف سے حج کرنا، اور آدمی عورت کا حج بدل کرسکتا ہے

اس باب میں دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: کسی شخص نے کوئی نذر مانی، ابھی نذر پوری نہیں کی تھی کہ اس کا انتقال ہوگیا، یا حج فرض تھا اور حج کرنے سے پہلے انتقال ہوگیا تو کیا میت کے ورثاء پر نذر پوری کرنا اور حج بدل کرنا ضروری ہے؟ شوافع کے نزدیک ضروری ہے اور احناف کے نزدیک ضروری نہیں، اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ منت اور حج بندوں کے قرضوں کے مانند ہیں یا بحکم وصیت ہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بندوں کے قرضوں کے مانند ہیں پس تجہیز وتکفین کے بعد جمیع ترکہ سے منت پوری کرنا اور حج بدل کرانا ضروری ہے، اور احناف کے نزدیک بحکم وصیت ہے، لہٰذا اگر میت نے وصیت کی ہے تو تہائی ترکہ سے منت پوری کرنا اور حج بدل کرانا ضروری ہے اور وصیت نہیں کی تو ورثاء کے ذمہ کچھ واجب نہیں۔

دوسرا مسئلہ: عورت کی طرف سے مرد حج بدل کرسکتا ہے، یہ مسئلہ حدیث میں صراحتاً نہیں، حدیث سے مستنبط کیا ہے۔

حدیث: قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے نبی ﷺ سے پوچھا: میری ماں نے حج کی منت مانی تھی اور ابھی منت پوری نہیں کی تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا، پس کیا میں اپنی ماں کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: کرسکتی ہو، پھر آپؐ نے پوچھا: بتا! اگر تیری ماں پر کسی کا قرض ہوتا تو تو اس قرض کو ادا کرتی یا نہیں؟ اس نے عرض کیا: کرتی، آپؐ نے فرمایا: نذر اللہ کا قرض ہے، پس اس کو ادا کر، اللہ کا قرض اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو ادا کیا جائے۔

تشریح:

۱- امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے اللہ کے قرض کو بندوں کے قرض کے مانند قرار دیا ہے اور بندوں کا

قرض جمیع ترکہ سے ادا کرنا ضروری ہے، بس نذر اور حج بدل بھی جمیع ترکہ سے ادا کرنے ضروری ہیں۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ نے رضا کارانہ نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے، ترکہ میں سے نذر پوری کرنے کا حکم نہیں دیا، پس دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک: میت کے ترکہ میں سے فرض ادا کرنا، دوم: رضا کارانہ فرض ادا کرنا، بندوں کے قرضوں میں بھی یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں، ایک شخص مر گیا اس کے ذمہ قرض ہے اور اس نے ترکہ نہیں چھوڑا تو قرض خواہوں کو ورثہ سے مطالبہ کا حق نہیں، ترکہ میں سے تو مطالبہ کا حق ہے لیکن اگر میت نے ترکہ نہیں چھوڑا تو ورثہ سے مطالبہ کا حق نہیں، نہ ورثا پر قرض ادا کرنا ضروری ہے، مگر بیٹا رضا کارانہ باپ کا قرض ادا کرتا ہے، مروت وانسانیت کا بھی یہی تقاضہ ہے اور یہی دنیا کا دستور ہے، آنحضور ﷺ نے یہی بات فرمائی ہے کہ ماں کی نذر پوری کرنی چاہئے اور اس کی طرف سے حج کرنا چاہئے، اگرچہ ضروری نہیں، جیسے ماں پر قرض ہوتا تو بیٹی قرض ادا کرتی، پس اللہ کا قرض بھی ادا کرنا چاہئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ان باتوں میں فرق نہیں کیا۔

۲- جب ماں کی طرف سے بیٹی یعنی عورت کی طرف سے عورت حج کر سکتی ہے تو مرد تو عورت سے دوگنا ہے، وہ بدرجہ اولیٰ حج کر سکتا ہے، مرد کی طرف سے عورت حج کرے تو اشکال ہو سکتا ہے کیونکہ عورت مرد سے آدھی ہے مگر عورت کی طرف سے مرد کا حج کرنا اجلی بدیہیات سے ہے، اس طرح حدیث سے استدلال کیا ہے۔

[۲۲-] بَابُ الْحَجِّ وَالنَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ، وَالرَّجُلُ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْأَةِ

[۱۸۵۲-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، ثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ، عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّيْ نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: حُجِّيْ عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ، أَكُنْتِ قَاضِيَةً؟ اقْضُوْا اللهَ، فَاللهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ" [انظر: ۶۶۹۹، ۷۳۱۵]

بَابُ الْحَجِّ عَمَّنْ لَايَسْتَطِيْعُ الثُّبُوْتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ

جو اونٹ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا، اس کی طرف سے حج کرنا

ایسا معذور جو خود حج نہیں کر سکتا: اس کی طرف سے حج بدل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زندگی میں حج بدل نہیں ہو سکتا، اور ایسے معذور پر حج بدل کی وصیت کرنا ضروری ہے اور وصیت تہائی ترکہ سے نافذ ہوگی، دیگر فقہاء کے نزدیک ایسے عذر میں جو موت تک زائل نہ ہونے والا ہو حج بدل ہو سکتا ہے، پس جو شخص بڑھاپے کی وجہ سے یا لنگڑا لولا، اندھا اور اپاہج ہونے کی وجہ سے خود حج نہیں کر سکتا تو اس کا حج بدل کرنا جائز ہے، اور باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے، قبیلہ

خثعم کی ایک عورت نے پوچھا: یارسول اللہ! میرے باپ کو اللہ کے فریضۂ حج نے پالیا ہے اور وہ بہت بوڑھے ہیں، اونٹ پر بیٹھنے کی سکت نہیں رکھتے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ان کی طرف سے حج کرو'' معلوم ہوا کہ زندگی میں حج بدل ہوسکتا ہے۔

[۲۳-] بَابُ الْحَجِّ عَمَّنْ لَایَسْتَطِیْعُ الثُّبُوْتَ عَلَی الرَّاحِلَةِ

[۱۸۵۳-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ:

[۱۸۵٤-] ح: وَثَنَا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِيْ سَلَمَةَ، ثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ تِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ فَرِيْضَةَ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا، لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، فَهَلْ يَقْضِيْ عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ؟ قَالَ: '' نَعَمْ'' [راجع: ۱۵۱۳]

حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حجۃ الوداع میں قبیلہ خثعم کی ایک خاتون آئیں، پس انھوں نے پوچھا: یارسول اللہ! حج کے سلسلہ میں اللہ کے فریضہ (لازمی حکم) نے میرے ابا کو پایا ہے، بہت بوڑھے ہونے کی حالت میں (اوراب) وہ اونٹ پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے، پس کیا ان کا فریضہ ادا ہوجائے گا اگر میں ان کی طرف سے حج کروں؟ آپؐ نے جواب دیا: ہاں۔

بَابُ حَجِّ الْمَرْأَةِ عَنِ الرَّجُلِ

عورت: مرد کی طرف سے حج کرسکتی ہے

مرد کی طرف سے عورت حج بدل کرسکتی ہے، اور یہ باب قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کوئی خیال کرسکتا تھا کہ عورت مرد سے آدھی ہے، پس عورت مرد کا حج بدل نہیں کرسکتی، اس شبہ کو دور کیا کہ بیشک عورت مرد سے آدھی ہے مگر ہر جگہ آدھی نہیں، بعض مخصوص مسائل میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کا قاعدہ ہے۔

[۲٤-] بَابُ حَجِّ الْمَرْأَةِ عَنِ الرَّجُلِ

[۱۸۵۵-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ الْفَضْلُ رَدِيْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَجَاءَ تِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ، فَجَعَلَ

الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الآخَرِ، فَقَالَتْ: إِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا، لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: "نَعَمْ" وَذٰلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ. [راجع: ۱۵۱۳]

بَابُ حَجِّ الصِّبْيَانِ

بچوں کا حج کرنا

بچے کا حج بالا جماع صحیح ہے، البتہ وہ فرض حج کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اصحاب ظواہر کے نزدیک بچہ کا حج فرض حج کے قائم مقام ہوجائے گا، پس بالغ ہونے کے بعد اس پر دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف رجحان ہے، اسی طرح غلام اور باندی کا حج بھی صحیح ہے اور وہ فرض حج کے قائم مقام ہوجائے گا، آزاد ہونے کے بعد ان پر دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں، مگر چاروں ائمہ متفق ہیں کہ بچہ کا حج فرض حج کے قائم مقام نہیں ہوگا اسی طرح غلام باندی کا حج بھی فرض حج کے قائم مقام نہیں ہوگا، بالغ ہونے اور آزاد ہونے کے بعد بشرط استطاعت دوبارہ حج کرنا ہوگا، کیونکہ بچے اور غلام باندی پر حج فرض نہیں، پس ان کا حج نفلی حج ہوگا اور وہ فرض حج کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

پھر اگر بچہ سمجھ دار ہے تو ارکانِ حج خود ادا کرے گا، اور اگر ناسمجھ ہے تو ولی یا سرپرست اس کی طرف سے ارکان ادا کرے گا، اور وہی نیت کرے گا، اور اس بچہ کو بھی احرام پہنانا اور عرفات میں لے جانا ضروری ہے، اور ثواب ولی اور سرپرست کو ملے گا۔

[۲۵-] بَابُ حَجِّ الصِّبْيَانِ

[۱۸۵۶-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ يَزِيْدَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُوْلُ: بَعَثَنِيْ أَوْ: قَدَّمَنِيْ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي الثَّقَلِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ.

[۱۸۵۷-] حدثنا إِسْحَاقُ، ثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا ابْنُ أَخِيْ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: أَقْبَلْتُ وَقَدْ نَاهَزْتُ الْحُلُمَ، أَسِيْرُ عَلَى أَتَانٍ لِيْ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَائِمٌ يُصَلِّيْ بِمِنًى، حَتَّى سِرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ الأَوَّلِ، ثُمَّ نَزَلْتُ عَنْهَا فَرَتَعَتْ، فَصَفَفْتُ مَعَ النَّاسِ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، وَقَالَ يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: بِمِنًى فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ. [راجع: ۷۶]

[۱۸۵۸-] حدثنا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: حُجَّ بِيْ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ.

[۱۸۵۹-] حدثنا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، أَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ، عَنِ الْجُعَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: سَمِعْتُ

عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، يَقُوْلُ لِلسَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، وَكَانَ السَّائِبُ قَدْ حُجَّ بِهِ فِي ثَقَلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [انظر: ۶۷۱۲، ۷۳۳۰]

وضاحت: آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں خاندان کے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو مزدلفہ سے رات ہی میں منیٰ بھیج دیا تھا، ان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے، وہ اس وقت بچے تھے، اور نبی ﷺ نے ان کو بالغ ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنے کی ہدایت نہیں دی۔ معلوم ہوا کہ بچہ کا حج کافی ہے۔

لغات: الثَّقَل: بوجھ، مسافر کا سامان .... جَمعٌ: مزدلفہ .... قوله: ناهزتُ الحُلُم: میں بالغ ہونے کے قریب تھا .... أتان: گدھی .... فرَتَعَتْ: گدھی چرتی رہی، رَتَعَ (ف) رَتْعاً و رُتُوًّا المكان: فراخی کے ساتھ کھانا پینا .... قوله: حُجَّ بِي: میرے ساتھ حج کیا گیا، یعنی حجۃ الوداع میں میرے ابا مجھے ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی اور ان کو بھی نبی ﷺ نے دوبارہ حج کرنے کی ہدایت نہیں دی .... قوله: يقول للسائب: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سائب بن یزید رحمہ اللہ سے پوچھ رہے ہیں، سوال وجواب یہاں محذوف ہیں، آگے (حدیث ۶۷۱۲) آرہے ہیں، مدّ کے بارے میں پوچھا تھا .... قد حُجَّ به في ثقل النبي: نبی ﷺ نے سائب کو بھی مزدلفہ کی رات میں سامان کے ساتھ منیٰ بھیج دیا تھا۔

بَابُ حَجِّ النِّسَاءِ

عورتوں کا حج کرنا

عورت محرم کے بغیر قابل اعتماد مردوں یا عورتوں کے ساتھ حج کرسکتی ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی بات صاف نہیں کہی، مختلف روایتیں جمع کی ہیں، اور امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اگر راستہ پُرامن ہے، کوئی خطرہ نہیں تو عورت محرم کے بغیر قابلِ اعتماد عورتوں اور مردوں کے قافلہ میں سفر کرسکتی ہے۔ اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک محرم شرط ہے، عورت حج کا سفر شوہر یا محرم کے بغیر نہیں کرسکتی، کیونکہ حج کا سفر لمبا ہے، مہینہ بھر اس میں لگتا ہے اور بیماری تندرستی ساتھ لگی ہوئی ہے، اور بہت سی جگہوں میں عورت کو مرد کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے، پس اگر شوہر یا محرم ساتھ نہیں ہوگا تو عورت کا کیا بنے گا؟

[۲۶-] بَابُ حَجِّ النِّسَاءِ

[۱۸۶۰-] وَقَالَ لِيْ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: أَذِنَ عُمَرُ لِأَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا، فَبَعَثَ مَعَهُنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ.

[۱۸۶۱-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، ثَنَا حَبِيْبُ بْنُ أَبِيْ عَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَتْنَا عَائِشَةُ بِنْتُ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَلَا نَغْزُوْ أَوْ نُجَاهِدُ مَعَكُمْ؟ فَقَالَ: "لٰكِنَّ أَحْسَنَ الْجِهَادِ وَأَجْمَلُهُ الْحَجُّ: حَجٌّ مَبْرُوْرٌ" فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَا أَدَعُ الْحَجَّ بَعْدَ إِذْ سَمِعْتُ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم .[راجع: ۱۵۲۰]

وضاحت: آنحضور ﷺ کے بعد ازواج مطہرات حج اور عمرہ کریں یا نہ کریں؟ اس سلسلہ میں پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر نہیں تھا، چنانچہ وہ ازواج مطہرات کو حج اور عمرہ کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور شرح صدر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ قرآنِ کریم میں خاص ازواج مطہرات کے بارے میں ہے: ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾: تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو (الاحزاب ۳۳) اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "کسی بھی عورت کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہے شوہر یا محرم کے بغیر تین دن کا سفر جائز نہیں"

پھر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور انھوں نے ازواج مطہرات کو حج کی اجازت دیدی اور اس کے لئے باقاعدہ سرکاری انتظام کیا اور حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو ان کے ساتھ حج میں بھیجا اور سب ازواج مطہرات نے حج کیا، صرف حضرت سودہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما نے حج نہیں کیا، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں ازواج مطہرات سے فرمایا تھا: "بس یہ تمہارا آخری حج ہے اس کے بعد چٹائیوں پر بیٹھ جانا" یعنی گھر سے نہ نکلنا (رواہ ابوداؤد: حاشیہ)

مگر دیگر ازواج خاص طور پر صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ قرآن وحدیث میں جہاد کے بڑے فضائل آئے ہیں، پس کیا ہم مردوں کے ساتھ جہاد نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا: "تمہارے لئے بہترین جہاد حج مبرور ہے" آپؐ نے "اپنی حیات" کی کوئی قید نہیں لگائی بلکہ مطلق عورتوں کے لئے حج مبرور کو افضل جہاد قرار دیا ہے، اس لئے سب ازواج مطہرات حج بھی کرتی تھیں اور عمرہ بھی۔

اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کو حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کے ساتھ جو حج میں بھیجا ہے اس میں کچھ حرج نہیں، کیونکہ وہ امہات المؤمنین ہیں یعنی آنحضور ﷺ کے بعد ازواج سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، پس دونوں حضرات گویا محرم ہیں، اور وہ افضل الناس تھے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ازواج مطہرات کے ساتھ حج میں بھیجا۔

[۱۸۶۲-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيْ مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ، وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا

رَجُلٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ" فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّي أُرِيْدُ أَنْ أَخْرُجَ فِي جَيْشِ كَذَا وَكَذَا، وَامْرَأَتِي تُرِيْدُ الْحَجَّ، فَقَالَ: "اخْرُجْ مَعَهَا" [انظر: ۳۰۰۶، ۳۰۶۱، ۵۲۳۳]

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: عورت سفر نہ کرے مگر ذی رحم محرم کے ساتھ، اور عورت کے پاس کوئی شخص نہ آئے مگر یہ کہ عورت کے پاس کوئی محرم ہو یعنی شوہر یا محرم کی عدم موجودگی میں اجنبی عورت سے تنہائی میں ملنا جائز نہیں، پس ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا فلاں غزوہ میں نکلنے کا ارادہ ہے اور میری بیوی حج کے لئے جانا چاہتی ہے (اور کوئی محرم ساتھ جانے والا نہیں) آپؐ نے فرمایا: تم اس کے ساتھ جاؤ، معلوم ہوا کہ عورت کے لئے محرم کے بغیر حج کا سفر کرنا جائز نہیں۔

تشریح: عورت پر حج کی فرضیت کے لئے استطاعت بدنی اور مالی کے ساتھ محرم شرط ہے یا نہیں؟ احناف کا مذہب یہ ہے کہ استطاعت بدنی ومالی سے نفس وجوب آتا ہے اور حج ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی محرم ساتھ لے جانے والا ہو یا عورت کے پاس دو آدمیوں کا خرچہ ہوتا کہ محرم کو خرچ دے کر ساتھ لے جائے، اور اگر عورت کے پاس اتنا مال نہیں اور مفت ساتھ لے جانے والا کوئی محرم میسر نہیں تو اس پر بوقت موت حج بدل کی وصیت کرنا فرض ہے، کیونکہ نفس وجوب اس پر آچکا ہے، پس تہائی ترکہ سے جہاں سے بھی حج ہوسکتا ہو ورثاء حج بدل کرائیں گے، وطن سے حج کرانا ضروری نہیں، پس احناف کے نزدیک محرم ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ میں داخل نہیں۔

[۱۸۶۳-] حدثنا عَبْدَانُ، أنا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: ثَنَا حَبِيْبٌ الْمُعَلِّمُ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا رَجَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِنْ حَجَّتِهِ، قَالَ لِأُمِّ سِنَانٍ الْأَنْصَارِيَّةِ: "مَا مَنَعَكِ مِنَ الْحَجِّ؟" قَالَتْ: أَبُوْ فُلَانٍ، تَعْنِي زَوْجَهَا وَكَانَ لَنَا نَاضِحَانِ حَجَّ عَلَى أَحَدِهِمَا، وَالْآخَرُ يَسْقِي أَرْضًا لَنَا، قَالَ: "فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَقْضِي حَجَّةً أَوْ: حَجَّةً مَعِي" رَوَاهُ ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۱۷۸۲]

وضاحت: یہ حدیث گذر چکی ہے، اس میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ رمضان میں عمرہ کر لینا حج کا، یا فرمایا: میرے ساتھ حج کا ثواب مل جائے گا۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے صرف عمرہ کرنے کی بات فرمائی ہے، شوہر یا محرم کے ساتھ جانے کی بات نہیں فرمائی، اور عمرہ چھوٹا حج ہے پس ثابت ہوا کہ عورت شوہر اور محرم کے بغیر حج اور عمرہ کر سکتی ہے۔ مزید تفصیل أبواب العمرة باب ۴ میں ہے۔

[۱۸۶۴-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ قَزَعَةَ مَوْلَى زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيْدٍ، وَقَدْ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثِنْتَيْ عَشْرَةَ غَزْوَةً، قَالَ: أَرْبَعٌ سَمِعْتُهُنَّ

مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، أَوْ قَالَ: يُحَدِّثُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَأَعْجَبْنَنِيْ وَآنَقْنَنِيْ: " أَنْ لاَ تُسَافِرَ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمَيْنِ لَيْسَ مَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ، وَلاَ صَوْمَ يَوْمَيْنِ: الْفِطْرِ وَالأَضْحَى، وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ صَلاَتَيْنِ: بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَلاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِيْ، وَمَسْجِدِ الأَقْصَى "[راجع: ٥٨٦]

حوالہ: یہ حدیث پہلے گذری ہے (تحفۃ القاری ۳: ۵۱۷) اور یہاں ان لاتسافر امراۃ سے استدلال ہے، اور یہ حدیث عام ہے پس عورت کے لئے شوہر یا محرم کے بغیر کوئی سفر جائز نہیں خواہ حج کا سفر ہو یا عام سفر ہو۔

بَابُ مَنْ نَذَرَ الْمَشْيَ إِلَى الْكَعْبَةِ

جس نے کعبہ تک پیدل جانے کی منت مانی

اگر کوئی شخص کعبہ شریف تک چلنے کی نذر مانے تو اس پر بالا جماع حج یا عمرہ واجب ہے پھر اگر وہ جزیرۃ العرب میں کہیں قریب رہتا ہے تو پیدل حج یا عمرہ کرنا بھی واجب ہے کیونکہ اس کے لئے پیدل حج یا عمرہ کرنا ممکن ہے اور اس کی جنس سے طاعت واجبہ ہے[1] طوافِ زیارت پیدل کرنا واجب ہے اور اگر پیدل جانا مشکل ہو، جیسے بوڑھے شخص کا یا عورت کا یا دور دراز ممالک کے باشندوں کا پیدل حج یا عمرہ کرنا مشکل ہے تو وہ سوار ہو کر حج وعمرہ کریں اور ہدی ذبح کریں اور اس کی استطاعت نہ ہو تو تین روزے رکھیں (تحفۃ الالمعی ۴: ۴۷۰)

[٢٧-] بَابُ مَنْ نَذَرَ الْمَشْيَ إِلَى الْكَعْبَةِ

[١٨٦٥-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلاَمٍ، أَنَا الْفَزَارِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَأَى شَيْخًا يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ، قَالَ: " مَا بَالُ هٰذَا؟" قَالُوْا: نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ، قَالَ: " إِنَّ اللّٰهَ عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ " وَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ. [انظر: ٦٧٠١]

ترجمہ: نبی ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان ان کے سہارے چل رہا تھا، آپؐ نے پوچھا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ یعنی اس طرح کیوں چل رہا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے پیدل چلنے کی منت مانی ہے، آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہیں کہ یہ شخص خود کو سزا دے!" اور آپؐ نے اس کو سوار ہو کر جانے کا حکم دیا۔

---

(۱) اس منت کو پورا کرنا ضروری ہے، جس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت ہو اور وہ منت جس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت نہ ہو مثلاً کسی مباح کام کی منت مانی تو اس کو پورا کرنا ضروری نہیں، اور کسی گناہ کے کام کی منت مانی تو اس کا وفا جائز نہیں۔ (تحفۃ الالمعی ۴: ۴۵۵)

[١٨٦٦-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوْسَى، أَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيْدُ بْنُ أَبِي أَيُّوْبَ، أَنَّ يَزِيْدَ بْنَ أَبِي حَبِيْبٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا الْخَيْرِ حَدَّثَهُ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللهِ، وَأَمَرَتْنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَاسْتَفْتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ صلى الله عليه وسلم: "لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ" قَالَ: وَكَانَ أَبُو الْخَيْرِ لَايُفَارِقُ عُقْبَةَ، قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: وَثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوْبَ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي حَبِيْبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ، فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ.

ترجمہ: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میری بہن نے بیت اللہ تک چلنے کی منت مانی (پھر جب ان کو اس میں دشواری محسوس ہوئی تو) مجھے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھنے کا حکم دیا، میں نے آپؐ سے مسئلہ پوچھا (اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ میری بہن ضعیف تھی، کعبہ شریف تک پیدل جانے میں ان کے لئے دشواری تھی) پس آپؐ نے فرمایا: ''چاہئے کہ وہ چلے اور چاہئے کہ وہ سوار ہو'' یعنی جہاں تک ممکن ہو چلے، پھر سوار ہو یا اس کو اختیار ہے چل کر جائے یا سوار ہو کر جائے، مگر سوار ہونے کی صورت میں ہدی ورنہ تین روزے رکھنے ہونگے۔

قوله: وکان أبو الخیر: اور ابوالخیر: حضرت عقبہؓ سے جدا نہیں ہوتے تھے، یعنی ہمیشہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے تھے، ابوالخیر کی عقبہؓ سے سماعت کی صراحت کے لئے یہ بات بیان کی ہے۔
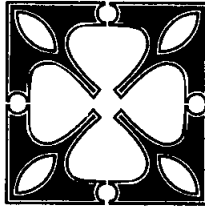
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَضَائِلُ الْمَدِیْنَةِ

مدینہ منورہ کے فضائل

جو حج کرنے جاتا ہے وہ حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ بھی جاتا ہے، اس مناسبت سے کتاب الحج کے آخر میں مدینہ منورہ کے فضائل کی حدیثیں لائے ہیں۔

بَابُ حَرَمِ الْمَدِیْنَةِ

مدینہ شریف کا حرم

جس طرح کعبہ کا حرم ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ عزوجل کے حکم سے مقرر کیا ہے اسی طرح مدینہ منورہ کا بھی حرم (محترم ایریا) ہے اور وہ نبی ﷺ نے مقرر کیا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے مقرر کیا ہے: گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ÷ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود ﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوَی، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ﴾

مگر دونوں حرموں کے احکام میں فرق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کا حرم اللہ کے گھر کا صحن ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اعلان کیا ہے، اور مدینہ منورہ کا حرم نبی ﷺ کے شہر کی پذیرائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو منظوری دی ہے، اس لئے دونوں کے احکام میں فرق ہے۔

حرم مکی کے احکام آپ جانتے ہیں: وہاں نہ شکار مار سکتے ہیں، نہ شکار بھگا سکتے ہیں، نہ جنگلی درخت اور خودرو گھاس کاٹ سکتے ہیں، نہ درختوں کے پتے جھاڑ سکتے ہیں حتی کہ درختوں کے کانٹے توڑنے کی بھی اجازت نہیں، اور مدینہ منورہ کے حرم کے یہ سب احکام نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں جانوروں کے چارہ کے لئے وہاں کے درختوں کے پتے جھاڑنے کی اجازت دی گئی ہے (مشکوٰۃ حدیث ۲۷۳۲) معلوم ہوا کہ حرم مدنی کے احکام بعینہ حرم مکی کے احکام نہیں، البتہ عظمت واحترام میں مدینہ منورہ کا حرم مکہ معظمہ کے حرم کی طرح ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

۲۹- فَضَائِلُ الْمَدِیْنَةِ

[۱-] بَابُ حَرَمِ الْمَدِیْنَةِ

[۱۸۶۷-] حدثنا أَبُو النُّعْمَانِ، ثَنَا ثَابِتُ بْنُ یَزِیْدَ، ثَنَا عَاصِمٌ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَحْوَلُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم، قَالَ: " الْمَدِیْنَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلٰی كَذَا، لَا یُقْطَعُ شَجَرُهَا، وَلَا یُحْدَثُ فِیْهَا حَدَثٌ، مَنْ أَحْدَثَ فِیْهَا حَدَثًا فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ"[انظر: ۷۳۰۶]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "مدینہ کا حرم یہاں سے یہاں تک ہے، یعنی جبل عیر سے جبل ثور تک ہے، اس کا درخت نہ کاٹا جائے، اس میں کوئی بدعت (گمراہی) پیدا نہ کی جائے، جو مدینہ کے حرم میں گمراہی پیدا کرے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے"

تشریح:

۱- كذا وكذا اسم کنایہ ہیں اور مراد جبل عیر سے جبل ثور تک ہے، یہ مدینہ کے دو مشہور پہاڑ ہیں، ان کے درمیان کے درخت کاٹنے سے نبی ﷺ نے منع کیا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرم مدینہ کے درخت کاٹنا اور شکار مارنا وغیرہ جائز نہیں، مگر کوئی خلاف ورزی کرے تو جزاء واجب نہیں۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مدینہ کے حرم کے احکام مکہ کے حرم سے مختلف ہیں، وہاں کے درخت کاٹنا جائز ہے، چنانچہ خود نبی ﷺ نے جانوروں کے چارہ کے لئے وہاں کے پتوں کو جھاڑنے کی اجازت دی ہے (مشکوۃ حدیث ۲۷۳۲)

اور باب کی حدیث میں آنحضور ﷺ نے حرم مدینہ کے درخت کاٹنے سے جو منع کیا ہے اس کا مقصد مدینہ منورہ کو خوبصورت بنانا اور سرسبز وشاداب رکھنا ہے، آج کل حکومتیں اس پر بڑا خرچ کرتی ہیں، شہر کو خوبصورت بنانے کے لئے جگہ جگہ درخت لگاتی ہیں، ان کی نگرانی کرتی ہیں ان کو کاٹنے پر پابندی لگاتی ہیں، اور اس پر سزا مقرر کرتی ہیں، اسی طرح مدینہ منورہ کو خوبصورت بنانے کے لئے نبی ﷺ نے وہاں کے درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔

۲- مکہ اور مدینہ قابل احترام شہر ہیں، پس جو کام حرم سے باہر حرام ہیں ان کی حرمت حرمین شریفین میں مزید مؤکد ہو جاتی ہے اس لئے نبی ﷺ نے حرم مدینہ میں خاص طور پر بدعت (گمراہی) سے احتراز کی ترغیب دی ہے، اور اس پر وعید سنائی ہے۔

[۱۸۶۸-] حدثنا أَبُو مَعْمَرٍ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِی التَّیَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم الْمَدِیْنَةَ، وَأَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: " یَا بَنِی النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِی" فَقَالُوْا: لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا

إِلَى اللَّهِ، فَأَمَرَ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ، ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ، وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ، فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ. [راجع: ۲۳۴]

استدلال: اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ حرم مدینہ کے بھی صرف ان درختوں کو کاٹنے کی ممانعت ہے جو جنگلی ہیں، اور وہ درخت جو انسان اگاتے ہیں جیسے کھجور وغیرہ ان کو کاٹ سکتے ہیں، حرم مکی میں بھی ان کو کاٹ سکتے ہیں۔ تفصیل کتاب الصلوٰۃ (آداب المساجد) باب ۴۸ (تحفۃ القاری ۲: ۲۶۶) میں ہے۔

[۱۸۶۹-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: ثَنِي أَخِي، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "حُرِّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ عَلَى لِسَانِي" قَالَ: وَأَتَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَنِي حَارِثَةَ، فَقَالَ: "أَرَاكُمْ يَا بَنِي حَارِثَةَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ" ثُمَّ الْتَفَتَ، فَقَالَ: "بَلْ أَنْتُمْ فِيهِ" [انظر: ۱۸۷۳]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: مدینہ کے دولابوں (سیاہ پتھروں والی زمین) کے درمیان جو جگہ ہے وہ میری معرفت حرم مقرر کی گئی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور نبی ﷺ بنو حارثہ کے محلہ میں گئے پس آپؐ نے فرمایا: "اے بنو حارثہ! میں سمجھتا ہوں کہ تم حرم سے نکل گئے ہو! پھر آپؐ نے موقع کا جائزہ لیا اور فرمایا: نہیں، تم حرم کے اندر ہو (ثابت ہوا کہ مکہ کی طرح مدینہ کا بھی حرم ہے)

[۱۸۷۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: مَا عِنْدَنَا شَيْءٌ إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ، وَهٰذِهِ الصَّحِيفَةُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى كَذَا، مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ" وَقَالَ: "ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ، وَمَنْ تَوَلَّى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: عَدْلٌ: فِدَاءٌ. [راجع: ۱۱۱]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے پاس صرف کتاب اللہ اور یہ صحیفہ نبوی ہے، اس میں تحریر تھا کہ مدینہ عائر پہاڑ سے یہاں تک (ثور پہاڑ تک) حرم ہے، جو شخص یہاں کوئی بدعت (گمراہی) پیدا کرے یا کسی بدعتی (گمراہ) کو پناہ نہ دے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کی نہ کوئی نفل عبادت مقبول ہے نہ فرض! اور آپؐ نے

فرمایا: مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے پس جو شخص کسی مسلمان کی ذمہ داری میں رخنہ اندازی کرے یعنی امان دیئے ہوئے شخص کو قتل کردے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اس کی نہ کوئی نفل عبادت مقبول ہے نہ فرض! اور جو کسی قوم سے دوستی کرے اپنے آقاؤں کی اجازت کے بغیر تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس کی نہ کوئی نفل عبادت مقبول ہے نہ فرض! امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عدل کے معنی ہیں: فدیہ، بدلہ۔

تشریح:

۱- شیعوں نے پروپیگنڈہ کیا تھا کہ نبی ﷺ نے خاندانِ نبوت (بنو ہاشم) کو خاص علوم دیئے ہیں اور ان کے پاس قرآن کا الگ نوشتہ بھی ہے. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی کہ ہمارے پاس کوئی خاص تحریر نہیں، صرف یہ قرآن ہے جو ساری امت کے پاس ہے، ہاں اس کے علاوہ ایک تحریر ہے جس میں یہ مسائل ہیں (تحفۃ القاری ۱: ۴۰۳)

۲- حاشیہ میں ہے کہ بخاری کے اکثر رواۃ عیر (الف کے بغیر) ذکر کرتے ہیں اور مسلم شریف (حدیث ۱۳۷۷) میں إلی ثور ہے، ثور نامی پہاڑ مکہ میں بھی ہے اور مدینہ میں بھی، جبل عیر سے جبل ثور تک مدینہ کا حرم ہے۔

۳- صَرف کے معنی ہیں: نفل عبادت، اور عدل کے معنی ہیں: فرض عبادت (حاشیہ) اور امام بخاریؒ نے عدل کے معنی بدلہ کے کئے ہیں۔

۴- مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے یعنی اگر کوئی مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت فوجی ہو یا غیر فوجی کسی کافر کو پناہ دیدے تو اس کافر کو قتل کرنا کسی کے لئے جائز نہیں، جو اس کو قتل کرے گا وہ مسلمان کی ذمہ داری میں رخنہ اندازی کرے گا، ایسا شخص ملعون ہے۔

۵- پہلے بتلایا ہے کہ جب غلام باندیوں کا دور تھا تو غلام باندی آزاد ہو کر چلے نہیں جاتے تھے، بلکہ آقا کے ساتھ رہتے تھے، اور وہ آقا کے خاندان کا فرد سمجھے جاتے تھے، ان کی شادی بیاہ اور دیگر ذمہ داریاں آقا پوری کرتا تھا، اس لئے آقا کی اجازت کے بغیر غلام کا کسی دوسرے قبیلہ اور خاندان سے تعلق قائم کرنا جائز نہیں، ایسا غلام ملعون ہے، آج کل لوگ فیملی پلاننگ کرتے ہیں تا کہ خاندان نہ بڑھے مگر دورِ اول میں ہر شخص اپنا قبیلہ اور خاندان بڑا کرنا چاہتا تھا، وہ جنگوں کا زمانہ تھا اس لئے ہر شخص اپنی تعداد اور طاقت بڑھانا چاہتا تھا، موالی اگر آقا کے ساتھ رہیں گے تو اس کے قبیلہ کی تعداد اور طاقت بڑھے گی، اور دوسرے کے ساتھ مل جائیں گے تو دوسرے قبیلہ کی طاقت بڑھے گی اور آقا کے قبیلہ کی طاقت گھٹے گی، اس لئے یہ حکم دیا ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْمَدِيْنَةِ، وَأَنَّهَا تَنْفِيْ النَّاسَ

مدینہ کی فضیلت اور مدینہ لوگوں کی چھٹائی کرتا ہے

مدینہ منورہ کی فضیلت مختلف وجوہ سے ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چھٹائی کرتا ہے، یہ ترجمہ تنقی

(بالقاف) کا ہے اور فاء کے ساتھ تنفی کے معنی ہیں: مدینہ برے لوگوں کو دور کرتا ہے، یعنی ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں کہ وہ خود وہاں سے نکل جاتے ہیں، اس صورت میں الناس خاص ہوگا اور اول صورت میں عام۔

[۲-] بَابُ فَضْلِ الْمَدِيْنَةِ، وَأَنَّهَا تَنْفِى النَّاسَ

[۱۸۷۱-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ، أَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيىَ بْنِ سَعِيْدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْحُبَابِ سَعِيْدَ بْنَ يَسَارٍ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرَى، يَقُوْلُوْنَ: يَثْرِبُ، وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ، تَنْفِى النَّاسَ كَمَا يَنْفِى الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: میں حکم دیا گیا ایک ایسی بستی (کی طرف ہجرت کرنے) کا جو سب بستیوں کو کھا جائے گی (أی: أمرت بالهجرة إلى قرية تغلب القرى: مجھے ایسی بستی کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا جو جزیرۃ العرب کی تمام بستیوں پر غالب آجائے گی، یہ مدینہ منورہ کی پہلی فضیلت ہے) لوگ اس کو یثرب (برا، بیماری کا گڑھ) کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ (شہر) ہے (رسول اللہ ﷺ کا شہر ہے، وہ برا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ مدینہ کی دوسری فضیلت ہے) وہ (برے) لوگوں کو دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے (یہ مدینہ کی تیسری فضیلت ہے)

بَابٌ: الْمَدِيْنَةُ طَابَةٌ

مدینہ منورہ ستھرا شہر ہے

یہ فضلِ مدینہ کا ذیلی باب ہے، طیبہ اور طابہ مترادف ہیں، مدینہ کے ساتھ الرسول لگاؤ تو الگ فضیلت نکلے گی، اور المنورۃ لگاؤ تو الگ فضیلت نکلے گی، اور الطیبۃ لگاؤ تو الگ فضیلت نکلے گی اور طابہ کہو تو الگ فضیلت نکلے گی۔ علامہ شیرازی رحمہ اللہ نے کتاب المغانم المطابۃ فی معالم طابۃ میں مدینہ شریف کے ۶۵ نام لکھے ہیں اور وفاء الوفاء میں تقریباً تیس ناموں کا اضافہ کیا ہے، غرض مدینہ منورہ کے بہت سے نام ہیں ان میں سے ایک نام طابہ بھی ہے۔

[۳-] بَابٌ: الْمَدِيْنَةُ طَابَةٌ

[۱۸۷۲-] حدثنا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثَنَا سُلَيْمَانُ، ثَنِى عَمْرُو بْنُ يَحْيىَ، عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ: أَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنْ تَبُوْكَ، حَتَّى أَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِيْنَةِ، فَقَالَ: "هٰذِهِ طَابَةٌ" [راجع: ۱٤۸۱]

ترجمہ: ابوحمید کہتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ تبوک سے لوٹے، جب مدینہ نظر آنے لگا تو آپ نے فرمایا: "یہ طابہ

ہے"یعنی مدینہ منورہ کا ایک نیا نام رکھا۔

بَابُ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ

مدینہ کی دوجانبوں میں سیاہ پتھروں والی زمین

یہ بھی ذیلی باب ہے، نبی ﷺ نے مدینہ منورہ کے دولابوں کے درمیان جوجگہ ہے اس کومحترم قرار دیا ہے، یہ محترم قرار دینا بھی مدینہ منورہ کی فضیلت کی ایک وجہ ہے۔اور اللابۃ کے معنی ہیں: سیاہ پتھروں والی زمین، جمع لَابَات۔

[٤-] بَابُ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ

[١٨٧٣-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: لَوْ رَأَيْتُ الظِّبَاءَ بِالْمَدِيْنَةِ تَرْتَعُ مَا ذَعَرْتُهَا، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حَرَامٌ"[راجع: ١٨٦٩]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر میں ہرنوں کو دیکھوں کہ وہ مدینہ میں چر رہے ہیں یعنی شکار بدست ہے تو بھی میں ان کو خوف زدہ نہیں کروں گا، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "مدینہ کے دولابوں (سیاہ پتھروں والی زمین) کے درمیان کی جگہ محترم ہے"

بَابُ مَنْ رَغِبَ عَنِ الْمَدِيْنَةِ

مدینہ شریف سے اعراض کرنا

رغب کے صلہ میں جب عن آتا ہے تو اس کے معنی اعراض کرنے کے ہوتے ہیں۔اس باب میں مدینہ منورہ سے اعراض کرنے پر وعید کا بیان ہے، پس یہ منفی پہلو سے فضل مدینہ کا ذیلی باب ہے۔

[٥-] بَابُ مَنْ رَغِبَ عَنِ الْمَدِيْنَةِ

[١٨٧٤-] حدثنا أَبُوْ الْيَمَانِ، أنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِىْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "تَتْرُكُوْنَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى خَيْرِ مَا كَانَتْ، لَايَغْشَاهَا إِلَّا الْعَوَافِىْ" يُرِيْدُ عَوَافِيَ الطَّيْرِ وَالسِّبَاعِ "وَآخِرُ مَنْ يُحْشَرُ: رَاعِيَانِ مِنْ مُزَيْنَةَ، يُرِيْدَانِ الْمَدِيْنَةَ، يَنْعِقَانِ بِغَنَمِهِمَا، فَيَجِدَانِهَا وُحُوْشًا، حَتّٰى إِذَا بَلَغَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ خَرَّا عَلٰى وُجُوْهِهِمَا"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ مدینہ کو چھوڑ دو گے گذشتہ زمانہ سے بہتر حالت ہوتے ہوئے بھی" یعنی مدینہ ترقی یافتہ شہر ہوگا، پھر بھی لوگ اس سے اعراض کریں گے اور دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گے۔ "نہیں چھائیں گے اس میں مگر عوافی" مراد لے رہے ہیں آپ مردار خور درندوں اور پرندوں کو یعنی مدینہ اتنا اجڑ جائے گا کہ یہاں مردار خور درندوں اور پرندوں کا بسیرا ہوگا، لوگ برائے نام رہ جائیں گے۔ "اور سب سے آخر میں جو جمع کیا جائے گا یعنی ہجرت کر کے آئے گا وہ قبیلۂ مزینہ کے دو چرواہے ہوں گے، وہ مدینہ کا ارادہ کریں گے یعنی ہجرت کر کے مدینہ آئیں گے، وہ اپنی بکریوں کو ہانک رہے ہونگے، پس وہ مدینہ کو جنگلی جانوروں سے بھرا ہوا پائیں گے یہاں تک کہ جب وہ ثنیة الوداع پر پہنچیں گے تو چہروں کے بل گر پڑیں گے" یعنی مدینہ منورہ کی ویرانی اور وہاں درندوں کی حکمرانی دیکھ کر دونوں ہارٹ فیل ہو جائیں گے۔

لغات: لایغشاھا: غَشِيَ غَشْيًا الأمرَ: ڈھانکنا، چھا جانا............العوافي: عافية کی جمع: طالب رزق درندے اور پرندے.........ینعقان: نَعَقَ (ف،ض) نَعْقًا وَنَعِيقًا الراعي بغنمه: چرواہے کا بکریوں کو آواز دینا یعنی ہانکنا.......... وحوش: وحش کی جمع: جنگلی جانور، مکانٌ وحشٌ: خالی جگہ۔

تشریح: قیامت سے پہلے ایک وقت ایسا آئے گا کہ مدینہ منورہ ویران ہو جائے گا، لوگ وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گے اور مدینہ میں مردار خور درند و پرند کا راج ہوگا اور ہو کا عالم ہوگا، اس وقت مدینہ منورہ کا حال زمانۂ ماضی میں جو حال تھا اس سے کہیں بہتر ہوگا مگر دوسری جگہوں میں اسباب معیشت زیادہ ہونگے، اس لئے لوگ حصول معاش کی غرض سے دوسری جگہوں میں جا بسیں گے، اور مدینہ منورہ میں خال خال آدمی رہ جائیں گے اور سب سے آخر میں قبیلۂ مزینہ کے دو چرواہے اپنی بکریاں لے کر ہجرت کر کے مدینہ میں رہنے کے لئے آئیں گے مگر جب وہ ثنیة الوداع پر پہنچ کر مدینہ میں درند و پرند کا راج دیکھیں گے تو مارے گھبراہٹ کے ہارٹ فیل ہو جائیں گے، یہ جو لوگوں نے مدینہ منورہ سے اعراض کیا اور دوسری جگہ جا بسے یہ انھوں نے ٹھیک نہیں کیا، یہی منفی پہلو سے مدینہ منورہ کی فضیلت ہے۔

[۱۸۷۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، أنا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَبِي زُهَيْرٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: "تُفْتَحُ الْيَمَنُ، فَيَأْتِي قَوْمٌ، يَبُسُّوْنَ، فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ! وَتُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِي قَوْمٌ، يَبُسُّوْنَ، فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ! وَتُفْتَحُ الْعِرَاقُ، فَيَأْتِي قَوْمٌ، يَبُسُّوْنَ، فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: یمن فتح کیا جائے گا، پس ایک قوم (یمن سے) آئے گی، وہ اونٹوں کو ہانکیں گے اور

اپنے گھر والوں کو اور ماتحتوں کو یعنی متعلقین کو سوار کر کے لے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا، اگر وہ سمجھیں! اور شام فتح کیا جائے گا پس کچھ لوگ (شام سے) آئیں گے، وہ سواریاں ہانکیں گے اور گھر والوں کو اور متعلقین کو لاد کر لے جائیں گے، درانحالیکہ مدینہ منورہ ان کے لئے بہتر ہوگا اگر وہ سمجھیں! اور عراق فتح کیا جائے گا پس کچھ لوگ (عراق سے) آئیں گے، وہ سواریاں ہانکیں گے اور گھر والوں کو اور متعلقین کو لاد کر لے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا اگر وہ سمجھیں (بَسَّ (ن) بَسًّا: اونٹوں کو آہستہ ہانکنا)

تشریح: یہ واقعات پیش آچکے ہیں، آنحضور ﷺ کے بعد جب فتوحات ہوئیں اور شام وعراق فتح ہوئے تو کچھ لوگ مدینہ کو چھوڑ کر ان ملکوں میں جا بسے، نبی ﷺ نے فرمایا: ان کے لئے مدینہ بہتر تھا اگر وہ سمجھتے! یہی منفی پہلو سے مدینہ کی فضیلت ہے۔

اور یہ حدیث 'مدینہ سے اعراض' کے باب میں لاکر اس کا مصداق متعین کیا ہے، پس جو لوگ جہاد کے مقصد سے یا تجارت کے لئے یا کسی اور حاجت کے پیش نظر دوسری جگہ جا بسیں وہ اس حدیث کا مصداق نہیں۔ حافظ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: المرادُ به الخارجون عن المدينة رغبةً عنها، كارهين لها، وأما من خرج لحاجة أو تجارة أو جهاد أو نحو ذلك فليس بداخل في معنى الحديث (فتح)

بَابٌ: الإِيْمَانُ يَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ

ایمان مدینہ کی طرف سمٹ آئے گا

یہ بھی ذیلی باب ہے، آنحضور ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جیسے ایمان مدینہ منورہ سے نکل کر چار دانگ عالم پھیلا ہے، اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ ایمان ساری دنیا سے سمٹ کر مدینہ میں آجائے گا، جیسے سانپ بل سے روزی کی تلاش میں نکلتا ہے اور دور تک چلا جاتا ہے پھر اپنے بل میں لوٹ آتا ہے، یعنی ایمان آخر تک مدینہ میں رہے گا، یہی مدینہ کی فضیلت ہے۔

[٦-] بَابٌ: الإِيْمَانُ يَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ

[١٨٧٦-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، ثَنِي عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: "إِنَّ الإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ، كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا"

لغت: أَرَزَ (ن،ض،ف) أَرْزًا وَأُرُوْزًا: سمٹنا، سکڑنا۔

بَابُ إِثْمِ مَنْ كَادَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ

اس شخص کا گناہ جو مدینہ والوں کے ساتھ چال چلے

کاد یکید کیداً کے معنی ہیں: چال چلنا، نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ چال چلے گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے یعنی وہ شخص خود تباہ ہوجائے گا، یہ بھی مدینہ منورہ کی منفی پہلو سے فضیلت ہے۔

[٧-] بَابُ إِثْمِ مَنْ كَادَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ

[١٨٧٧-] حدثنا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، أنا الفَضْلُ، عَنْ جُعَيْدٍ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتَ سَعْدٍ، قَالَتْ: سَمِعْتُ سَعْدًا، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، يَقُوْلُ: " لَايَكِيْدُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ، كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ"

لغت: اِنْمَاع السَّمَنُ ونحوه: گھی وغیرہ کا پگھل جانا (مادہ مَیع)

بَابُ آطَامِ الْمَدِيْنَةِ

مدینہ منورہ کے قلعے

آطام: اُطُم کی جمع ہے: قلعے، قلعے بڑے شہروں میں ہوتے ہیں، گاؤں اور چھوٹی بستیوں میں قلعے نہیں ہوتے، مدینہ منورہ میں بھی متعدد قلعے تھے، معلوم ہوا کہ اسلام سے پہلے سے مدینہ منورہ ترقی یافتہ شہر تھا، یہ بھی مدینہ منورہ کی ایک فضیلت ہے۔

[٨-] بَابُ آطَامِ الْمَدِيْنَةِ

[١٨٧٨-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أُسَامَةَ، قَالَ: أَشْرَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلٰى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِيْنَةِ، فَقَالَ:" هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى؟ إِنِّيْ لَأَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ، كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ" تَابَعَهُ مَعْمَرٌ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيْرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ. [انظر: ٢٤٦٧، ٣٥٩٧، ٧٠٦٠]

ترجمہ: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ مدینہ کے قلعوں میں سے کسی قلعے پر چڑھے (وہاں سے سارا مدینہ نظر آرہا تھا) آپؐ نے فرمایا: میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں آپ لوگ اس کو دیکھ رہے ہو؟ (سوال متوجہ کرنے کے لئے ہے)

میں تمہارے گھروں میں فتنے برستے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش برستی ہے! (ہر بڑا شہر فتنوں کی آماجگاہ ہوتا ہے، اس میں بھی اشارہ ہے کہ مدینہ بڑا شہر تھا)

بَابٌ: لَايَدْخُلُ الدَّجَّالُ الْمَدِيْنَةَ

دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا

جب دجال نکلے گا تو پوری زمین کو اور ہر بستی کو روند ڈالے گا، سوائے مکہ اور مدینہ کے، ان دو شہروں میں فرشتے دجال کو داخل نہیں ہونے دیں گے، دجال کا فتنہ سنگین فتنہ ہے، مگر مکہ اور مدینہ کے لوگ اس سے محفوظ رہیں گے، یہ بھی مدینہ منورہ کی ایک فضیلت ہے۔

[۹-] بَابٌ: لَايَدْخُلُ الدَّجَّالُ الْمَدِيْنَةَ

[۱۸۷۹-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنِيْ إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَايَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ، عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ"[انظر: ۷۱۲۵، ۷۱۲۶]

[۱۸۸۰-] حدثنا إِسْمَاعِيْلُ، ثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: " عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ"

[انظر: ۵۷۳۱، ۷۱۳۳]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے فرمایا: مدینہ میں مسیح دجال کا رعب داخل نہیں ہوگا (اس وقت) مدینہ کے سات دروازے ہونگے یعنی مدینہ میں داخل ہونے کے سات راستے ہونگے، ہر دروازے پر دو فرشتے ہونگے (جو دجال کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے)

تشریح:

۱- رُعب کے معنی ہیں: خوف، اردو میں بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے، اہل مدینہ کو دجال کا خوف نہیں ہوگا، وہ مطمئن ہونگے، کیونکہ دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

۲- مسیح: فعیل کا وزن ہے، مَسَحَ الشیئَ کے معنی ہیں: ہاتھ پھیرنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مسیح ہیں، اور دجال بھی، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی ماسح (ہاتھ پھیرنے والے) ہیں، آپ کے ہاتھ پھیرنے سے بیمار چنگے ہوجاتے تھے اور دجال مسیح بمعنی ممسوح (ہاتھ پھیرا ہوا) ہے، اس کی ایک آنکھ پیدائشی طور پر چوپٹ ہوگی، اس لئے

اس کا لقب مسیح ہوگا۔

حدیث (۲): أنقاب: نقب کی جمع ہے: سوراخ۔ نَقَبَ (ن) الحائط کے معنی ہیں: دیوار میں سوراخ کرنا، پہاڑ میں سوراخ کر کے جو سرنگ بناتے ہیں وہ بھی نقب ہے، اس کے لئے دوسرا لفظ نَفَخ ہے، آج کل یہی لفظ مستعمل ہے، اور مراد اس سے بھی راستے ہیں، مدینہ منورہ میں نہ طاعون (پلیگ) داخل ہوگا نہ دجال، مدینہ منورہ بحفاظت خداوندی ان دونوں آفتوں سے محفوظ رہے گا، دجال اُحد پہاڑ کے پیچھے تک پہنچے گا مگر مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

[۱۸۸۲-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ أَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَدِيْثًا طَوِيْلًا عَنِ الدَّجَّالِ، فَكَانَ فِيْمَا حَدَّثَنَا بِهِ أَنْ قَالَ: " يَأْتِي الدَّجَّالُ - وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِيْنَةِ - يَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِيْ بِالْمَدِيْنَةِ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ هُوَ خَيْرُ النَّاسِ، أَوْ: مِنْ خَيْرِ النَّاسِ، فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِيْ حَدَّثَنَا عَنْكَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَدِيْثَهُ، فَيَقُوْلُ الدَّجَّالُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ، هَلْ تَشُكُّوْنَ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيْهِ، فَيَقُوْلُ حِيْنَ يُحْيِيْهِ: وَاللهِ مَا كُنْتُ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيْرَةً مِنِّي الْيَوْمَ، فَيَقُوْلُ الدَّجَّالُ: أَقْتُلُهُ؟ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ"

[انظر: ۷۱۳۲]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم سے نبی ﷺ نے دجال کے بارے میں ایک لمبی حدیث بیان فرمائی، اس حدیث میں یہ بھی تھا کہ آپؐ نے فرمایا: دجال آئے گا —— درانحالیکہ اس پر مدینہ منورہ کے راستوں میں داخل ہونا حرام کردیا گیا ہوگا —— وہ مدینہ کی ایک شور زمین میں اترے گا (أرض سَبِخة: ایک قسم کی کھاری مٹی جو کپڑا دھونے کے کام آتی ہے، دھوبی اسے استعمال کرتے ہیں، اردو میں اس کو ریہ کہتے ہیں) پس اس دن ایک شخص مدینہ سے نکل کر دجال کے پاس جائے گا وہ لوگوں میں سب سے بہتر — یا فرمایا — نیک لوگوں میں سے ہوگا، پس وہ کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کا حال نبی ﷺ نے ہم سے بیان کیا ہے، پس دجال (اپنے چیلوں سے) کہے گا: بتاؤ، اگر میں اس کو قتل کروں پھر زندہ کروں، تو تمہیں میری خدائی میں شک رہے گا؟ وہ کہیں گے: نہیں، پس دجال اس شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کرے گا، پس وہ شخص کہے گا: خدا کی قسم! اب تو مجھے پہلے سے زیادہ یقین ہوگیا کہ تو ہی دجال ہے، پس دجال کہے گا: میں اس کو مار ڈالوں؟ مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

تشریح: دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکے گا مگر احد پہاڑ کے قریب پہنچے گا، اس وقت ایک شخص مدینہ منورہ سے نکلے گا اور دجال کا مقابلہ کرے گا اور اس کے دعوی خدائی کی تکذیب کرے گا، دجال قتل کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا پھر

آواز دے گا تو وہ شخص زندہ ہو جائے گا، وہ اب بھی اس کی تکذیب کرے گا، پس وہ دوبارہ اس کو قتل کرنا چاہے گا مگر قتل نہیں کر سکے گا۔

[۱۸۸۱-] حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، ثَنَا الْوَلِيْدُ، ثَنَا أَبُوْ عَمْرٍو، ثَنَا إِسْحَاقُ، ثَنِى أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ، لَيْسَ لَهُ مِنْ نِقَابِهَا نَقْبٌ إِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا، ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِأَهْلِهَا ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ، فَيُخْرِجُ اللّٰهُ كُلَّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ"[انظر: ۷۱۲٤، ۷۱۳٤، ۷٤۷۳]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے کوئی شہر مگر عنقریب اس کو روندے گا دجال، سوائے مکہ اور مدینہ کے، نہیں ہے اس کے راستوں میں سے کوئی راستہ مگر اس پر فرشتے قطار باندھے ہوئے پہرہ دے رہے ہونگے، پھر مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ تین مرتبہ جھٹکے لے گا، پس اللہ ہر کافر اور منافق کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

قولہ: لیس له من نقابها: له کی ضمیر دجال کی طرف اور ھا ضمیر مدینہ کی طرف راجع ہے اور دجال 'مکہ' میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں روایات خاموش ہیں، اور جب دجال مدینہ سے باہر پڑاؤ ڈالے گا تو مدینہ میں وقفہ وقفہ سے تین جھٹکے آئیں گے جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں جو کفار وفساق اور منافق ہونگے وہ مدینہ سے نکل کر دجال کے ساتھ جا ملیں گے، اور مدینہ میں اللہ کے نیک بندے ہی رہ جائیں گے۔

بَابٌ: الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي الْخَبَثَ

مدینہ منورہ میل کو دور کرتا ہے

الخَبَث کے معنی ہیں: گندگی، میل اور مراد بدمعاش لوگ ہیں، پہلے تنفی الناس آیا تھا، اُس باب کا اور اِس باب کا ایک ہی مطلب ہے، بس الفاظ بدل گئے ہیں، اور اتنا فرق نیا باب قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔

[۱۰-] بَابٌ: الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي الْخَبَثَ

[۱۸۸۳-] حدثنا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَبَايَعَهُ عَلَى الإِسْلَامِ، فَجَاءَ مِنَ الْغَدِ مَحْمُوْمًا، فَقَالَ: أَقِلْنِي، فَأَبَى، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ: " الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِي خَبَثَهَا، وَتَنْصَعُ طَيِّبُهَا"

[انظر: ۷۲۰۹، ۷۲۱۱، ۷۲۱٦، ۷۳۲۲]

ترجمہ: ایک بدو نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے بیعتِ اسلام کی، پھر وہ اگلے دن آیا درانحالیکہ وہ بخاری (بخار والا) تھا، پس اس نے کہا: مجھے میری بیعت واپس کیجئے، پس آپؐ نے انکار کیا، ایسا تین مرتبہ ہوا، یعنی وقفہ وقفہ سے اس بدّو نے تین مرتبہ بیعت واپس مانگی، اور آپؐ نے ہر بار انکار کیا (بالآخر وہ مدینہ سے چلا گیا) پس نبی ﷺ نے فرمایا: "مدینہ اس بھٹی کی طرح ہے جو دھات کے میل کو دور کرتی ہے اور خالص کو چھانٹ لیتی ہے (نَصَعَ الشیئُ نصوعًا: صاف اور نکھرا ہوا ہونا، طیبھا فاعل ہے: عمدہ دھات نکھر جاتی ہے)

[۱۸۸۴-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، يَقُوْلُ: لَمَّا خَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِلَى أُحُدٍ، رَجَعَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَتْ فِرْقَةٌ: نَقْتُلُهُمْ، وَقَالَتْ فِرْقَةٌ: لَانَقْتُلُهُمْ، فَنَزَلَتْ: ﴿ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ [النساء: ۸۸] وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "إِنَّهَا تَنْفِي الرِّجَالَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ"

[انظر: ۴۰۵۰، ۴۵۸۹]

ترجمہ: جب نبی ﷺ غزوہ احد کے لئے نکلے تو آپؐ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ (جو منافق تھے، راستہ سے) لوٹ گئے (اور ان کے بارے میں مخلص صحابہ دو فرقوں میں بٹ گئے) ایک جماعت نے کہا: ہم ان سے لڑیں گے اور دوسری جماعت نے لڑنے سے انکار کیا، پس آیت: ﴿فَمَالَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ﴾ نازل ہوئی اور نبی ﷺ نے فرمایا: "بیشک مدینہ لوگوں کو دور کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کے میل کو دور کرتی ہے"

بَابٌ

نبی ﷺ نے مدینہ کے لئے برکت کی دعا فرمائی

اس باب میں دو حدیثیں ہیں اور ان سے اوپر والے باب پر ایک الگ نوعیت سے استدلال ہے، پس یہ باب کالفصل من الباب السابق ہے۔

[۱۰م-] بَابٌ

[۱۸۸۵-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ، ثَنَا أَبِيْ، قَالَ: سَمِعْتُ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ" تَابَعَهُ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ يُوْنُسَ.

[۱۸۸٦-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثنا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَنَظَرَ إِلَى جُدُرَاتِ الْمَدِيْنَةِ أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ، وَإِنْ كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا. [راجع: ۱۸۰۲]

حدیث (۱): نبی ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! مکہ میں جتنی برکت آپ نے رکھی ہے مدینہ میں اس سے دوگنی برکت گردانیں!''

مناسبت: اس حدیث میں تقابل تضاد ہے، جب برکت دوگنی ہوجائے گی تو بے برکت لوگ (محروم قسمت) مدینہ سے ڈبل دور ہوجائیں گے، یہ حدیث کی اوپر والے باب سے مناسبت ہے۔

حدیث (۲): نبی ﷺ جب کسی سفر سے لوٹتے تھے، اور مدینہ کے مکانات نظر آتے تھے تو آپؐ مدینہ کی محبت میں اپنے اونٹ کو تیز کردیتے تھے اور اگر کوئی دوسری سواری ہوتی تو اس کو ہانکتے تھے۔ اس میں بھی تقابل تضاد ہے، مدینہ میں وہی لوگ رہیں گے جن کو مدینہ سے محبت ہے، اور جن کو محبت نہیں ان کو مدینہ نکال باہر کرے گا۔

بَابُ كَرَاهِيَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنْ تُعْرَى الْمَدِيْنَةُ

نبی ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ مدینہ غیر محفوظ ہوجائے

أعرى فلانا ثوبه ومن ثوبه کے معنی ہیں: برہنہ کرنا، کپڑے اتروانا، انصار کا ایک قبیلہ بنوسلمہ تھا، وہ مدینہ منورہ کے آخری کنارے پر رہتا تھا، اور مسجد نبوی کے قریب ایک زمین فروخت ہورہی تھی، اس قبیلہ نے چاہا کہ زمین خرید لے اور وہاں بس جائیں، تاکہ مسجد آنے جانے میں سہولت ہو، نبی ﷺ نے ان کو اس سے منع کیا، کیونکہ بنوسلمہ جہاں آباد تھے وہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کا راستہ تھا، اس طرف سے دشمن حملہ کرسکتا تھا اور بنوسلمہ مضبوط اور جنگجو قبیلہ تھا، دشمن کا مقابلہ کرسکتا تھا، اس لئے نبی ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ وہ قبیلہ وہاں سے ہٹ جائے اور مدینہ غیر محفوظ ہوجائے۔ غرض نبی ﷺ نے مدینہ منورہ کی حفاظت کا پورا انتظام کر رکھا تھا، مزید تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۳۳ (تحفۃ القاری ۲: ۵۱۵) میں گذری ہے۔

[۱۱-] بَابُ كَرَاهِيَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنْ تُعْرَى الْمَدِيْنَةُ

[۱۸۸۷-] حَدَّثَنِيْ ابْنُ سَلَامٍ، أَنَا الْفَزَارِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: أَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ أَنْ يَتَحَوَّلُوْا إِلَى قُرْبِ الْمَسْجِدِ، فَكَرِهَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ تُعْرَى الْمَدِيْنَةُ، وَقَالَ: "يَا بَنِيْ سَلِمَةَ، أَلَا تَحْتَسِبُوْنَ آثَارَكُمْ؟" فَأَقَامُوْا. [راجع: ٦٥٥]

بَابٌ

مدینہ شریف سے محبت کرنا اور وہاں سکونت اختیار کرنا

[۱۲-] بَابٌ

[۱۸۸۸-] حدثنا مُسَدَّدٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: ثَنِىْ خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ:" مَا بَيْنَ بَيْتِىْ وَمِنْبَرِىْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِىْ عَلٰى حَوْضِىْ"[راجع: ۱۱۹٦]

[۱۸۸۹-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ أَبُوْ بَكْرٍ وَبِلَالٌ، فَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمّٰى يَقُوْلُ:

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِى أَهْلِهِ ❁ وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أَقْلَعَ عَنْهُ الْحُمّٰى يَرْفَعُ عَقِيْرَتَهُ يَقُوْلُ:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِىْ هَلْ أَبِيْتَنَّ لَيْلَةً ❁ بِوَادٍ وَحَوْلِىْ إِذْخِرٌ وَجَلِيْلُ
وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ❁ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِىْ شَامَةٌ وَطَفِيْلُ

وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ الْعَنْ شَيْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ، وَعُتْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ، كَمَا أَخْرَجُوْنَا مِنْ أَرْضِنَا إِلٰى أَرْضِ الْوَبَاءِ.

ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم:" اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِىْ صَاعِنَا وَفِىْ مُدِّنَا، وَصَحِّحْهَا لَنَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ"

قَالَتْ: وَقَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ وَهِىَ أَوْبَأُ أَرْضِ اللهِ، قَالَتْ: فَكَانَ بُطْحَانُ يَجْرِىْ نَجْلًا، تَعْنِىْ مَاءً آجِنًا.

[انظر: ۳۹۲٦، ۵٦۵٤، ۵٦۷۷، ٦۳۷۲]

حوالہ: پہلی حدیث پہلے آچکی ہے (کتاب الصلوٰۃ (صلاۃ التہجد) باب ۵، تحفۃ القاری ۳: ۵۱۵)

دوسری حدیث: صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ آئے تو حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما سخت بیمار پڑ گئے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بھی بخار چڑھتا تو کہتے:

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِى أَهْلِهِ ❁ وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

ہر شخص اپنے خاندان میں ''صبح مبارک'' کہا جاتا ہے، حالانکہ موت اس کے چپل کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔
اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جب بخار اترتا تو وہ بلند آواز سے کہتے:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ أَبِيْتَنَّ لَيْلَةً ❁ بِوَادٍ وَحَوْلِيْ إِذْخِرٌ وَجَلِيْلُ

سنو! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں کوئی رات وادی مکہ میں گذاروں گا ÷ اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل گھاس ہوگی۔

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ❁ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِيْ شَامَةٌ وَطَفِيْلُ

اور کیا میں کسی دن مجنہ نامی چشمے پر اتروں گا ÷ اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہونگے؟

اور وہ (بلالؓ) کہتے:

اے اللہ! شیبۃ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت فرما، جس طرح انھوں نے ہمیں ہمارے وطن سے وباء والی سرزمین کی طرف نکالا!

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ کو اس کی اطلاع دی) تو آپؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت مکہ کی محبت کی طرح پیوست فرمادے، بلکہ اس سے بھی زیادہ (یہاں باب ہے) اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت فرما اور ہمارے مد میں برکت فرما، اور مدینہ کو ہمارے لئے صحت افزا بنادے اور اس کے بخار کو جُحفة میں منتقل فرمادے (وہاں کوئی آبادی نہیں تھی)

صدیقہؓ فرماتی ہیں: جب ہم مدینہ آئے تو مدینہ سب سے زیادہ وباء والا شہر تھا، صدیقہؓ فرماتی ہیں: اور مدینہ کے بُطحان نامی نالے میں گندہ پانی بہتا تھا (جہاں گندہ نالہ ہو وہاں ضرور وبائیں پھیلیں گی)

[۱۸۹۰-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ هِلَالٍ، عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عُمَرَ، قَالَ: اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ.
وَقَالَ ابْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عُمَرَ نَحْوَهُ.
وَقَالَ هِشَامٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ حَفْصَةَ: سَمِعْتُ عُمَرَ. قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ! كَذَا قَالَ رَوْحٌ عَنْ أُمِّهِ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما اور اپنے رسول کے شہر میں موت عطا فرما'' آپؓ عجیب وغریب دعا کرتے تھے، مدینۃ الرسول میں مرنا بھی چاہتے تھے اور راہِ خدا میں شہادت کی تمنا بھی کرتے تھے، اللہ عزوجل نے آپؓ کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں۔ ابولولؤ فیروز نامی غلام نے فجر کی نماز میں آپؓ

کو خنجر مارا جو آپؓ کی موت کا سبب بنا، اور مدینہ شریف میں مرنے کی، اور شہادت کی تمنا پوری ہوئی، غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ شریف سے محبت تھی، اس لئے آپؓ نے مدینہ میں مرنے کی دعا کی۔

سند: زید بن اسلم یہ حدیث اپنے ابا سے روایت کرتے ہیں یا اپنی امی سے؟ سعید بن ابی ہلال کی سند میں ابا سے روایت ہے اور ہشام بن سعد ان کے متابع ہیں، یعنی ان کی حدیث میں بھی ابا سے روایت ہے، مگر سعید کی روایت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ نہیں ہے، اور ہشام کی روایت میں یہ واسطہ ہے۔ اور روح بن القاسم کی حدیث میں امی سے روایت ہے اور اس میں بھی حضرت حفصہؓ کا واسطہ ہے، مگر وہ اس میں متفرد ہیں، ان کا کوئی متابع نہیں۔

قوله: كذا قال رَوْح: اس عبارت سے حضرت رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ اگر چہ روح بن القاسم کی حدیث میں ماں سے روایت ہے مگر مشہور یہ ہے کہ زید اپنے ابا اسلم سے روایت کرتے ہیں، پس صحیح سند عن زيد، عن أبيه، عن عمر ہے۔

﴿الحمد للہ! کتاب الحج کی تقریر کی ترتیب پوری ہوئی﴾
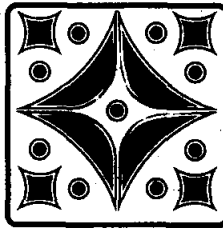
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كِتَابُ الصَّوْمِ

روزوں کا بیان

بَابُ وُجُوْبِ صَوْمِ رَمَضَانَ

رمضان کے روزے فرض ہیں

وجوب بمعنی فرض ہے، رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کئے گئے، جس طرح تم سے پہلے والے لوگوں پر فرض کئے گئے، تاکہ تم پرہیز گار بنو'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

٣٠- كِتَابُ الصَّوْمِ

[١-] بَابُ وُجُوْبِ صَوْمِ رَمَضَانَ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[البقرة: ١٨٣]

[١٨٩١-] حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ: أَنَّ أَعْرَابِيًا جَاءَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ثَائِرَ الرَّأْسِ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَخْبِرْنِيْ مَاذَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنَ الصَّلاَةِ؟ فَقَالَ:" الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا" فَقَالَ: أَخْبِرْنِيْ مَاذَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنَ الصِّيَامِ؟ فَقَالَ:" شَهْرُ رَمَضَانَ، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا" فَقَالَ: أَخْبِرْنِيْ مَاذَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنَ الزَّكَاةِ؟ قَالَ: فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم بِشَرَائِعِ الإِسْلَامِ، قَالَ:

وَالَّذِیْ أَکْرَمَکَ بِالْحَقِّ! لَا أَتَطَوَّعُ شَیْئًا، وَلَا أَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیَّ شَیْئًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ! أَوْ: دَخَلَ الْجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ!" [راجع: ٤٦]

حوالہ: حدیث کی باب پر دلالت واضح ہے، اور ترجمہ اور شرح کتاب العلم باب ۳۴ (تحفۃ القاری ۱: ۲۷۸) میں ہے، پہلے ابو سہیل کے شاگرد امام مالک رحمہ اللہ کی روایت تھی، اس میں فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرائع الإسلام نہیں تھا، یعنی نبی ﷺ نے اس بدو کو بھی بنیادی احکام بتلائے یہ بات نہیں تھی اور یہاں روایت ابو اسحاق اسماعیل بن جعفر زرقی انصاری کی ہے اس میں یہ بات زائد ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ آخرت میں نجات کا مدار ایمانِ صحیح اور ارکانِ اسلام پر مضبوطی سے عمل کرنے پر (اور کبائر سے بچنے پر) ہے۔

[۱۸۹۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا إِسْمَاعِیْلُ، عَنْ أَیُّوْبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: صَامَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَأَمَرَ بِصِیَامِهِ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِکَ، وَکَانَ عَبْدُ اللّٰهِ لَا یَصُوْمُهُ إِلَّا أَنْ یُوَافِقَ صَوْمَهُ. [انظر: ۲۰۰۰، ٤٥٠١]

[۱۸۹۳-] حدثنا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ، ثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ یَزِیْدَ بْنِ أَبِیْ حَبِیْبٍ، أَنَّ عِرَاکَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ عُرْوَةَ أَخْبَرَهُ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ قُرَیْشًا کَانَتْ تَصُوْمُ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ، ثُمَّ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم بِصِیَامِهِ حَتّٰی فُرِضَ رَمَضَانُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: " مَنْ شَاءَ فَلْیَصُمْهُ، وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَهُ" [راجع: ۱۵۹۲]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ خود بھی عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، پھر جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے (یہاں باب ہے) تو عاشواء کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما عاشوراء کا روزہ نہیں رکھتے تھے، مگر یہ کہ وہ دن ان کے روزے کے موافق ہو جائے، یعنی حضرت ابن عمرؓ کا جس دن روزہ رکھنے کا معمول تھا اگر اتفاق سے وہ عاشوراء کا دن ہوتا تو روزہ رکھتے تھے (ورنہ نہیں)

تشریح: رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا، پھر جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو عاشوراء کی فرضیت منسوخ کر دی گئی، کیونکہ ڈبل روزے فرض کرنے میں امت کے لئے دشواری تھی، اور جو حکم تخفیفاً منسوخ ہوتا ہے اس کا استحباب باقی رہتا ہے، اس لئے عاشوراء کا روزہ مستحب ہے، ارشادِ نبوی: مَنْ شاءَ فلیصمه ومن شاء أفطره میں اسی استحباب کی طرف اشارہ ہے، اور یہ بات متفق علیہ ہے، اب عاشوراء کا روزہ مستحب ہے، البتہ رمضان سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا یا نہیں؟ اس میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے، حنفیہ فرضیت کے قائل ہیں اور شوافع اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور روایات دونوں طرح کی ہیں۔ یہ روایات باب ۶۹ میں آرہی ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اگلی روایت حنفیہ کا مستدل ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ

روزے کی اہمیت

روزوں کی فرضیت کے بیان سے فارغ ہوکر اب روزوں کی اہمیت وفضیلت کا بیان شروع کرتے ہیں۔ روزوں کے بہت فائدے ہیں، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ روزوں کا بے حد ثواب ہے، کم سے کم ثواب تو عام ضابطہ کے مطابق دس گنا ہے، مگر زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ حدیث قدسی ہے: الصَّوْمُ لی وأنا أجْزِیْ بہ: روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا ثواب دوں گا، یعنی روزوں کا زیادہ سے زیادہ ثواب کتنا ہے؟ یہ بات اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی نہیں بتائی، قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ روزوں کا ثواب ڈکلیر کریں گے تب پتہ چلے گا کہ کس کو کتنا ثواب ملا، ابھی تو بالاجمال یہ بات بتلائی ہے کہ جب روزوں کا ثواب ملے گا تو روزہ دار خوش ہوجائے گا۔ حدیث میں ہے: ''روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت، دوسری جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، جب روزوں کا ثواب ڈکلیر کیا جائے گا اس وقت روزہ دار خوش ہوجائے گا۔

[۲-] بَابُ فَضْلِ الصَّوْمِ

[۱۸۹۴-] حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: " الصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ، فَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّی صَائِمٌ، مَرَّتَيْنِ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهِ! لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ، يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِیْ، الصِّيَامُ لِیْ وَأَنَا أَجْزِیْ بِهِ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا"

[انظر: ۱۹۰۴، ۵۹۲۷، ۷۴۹۲، ۷۵۳۸]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے پس روزہ دار زن وشوئی کی باتیں نہ کرے اور نہ نادانی کرے پس اگر کوئی اس سے جھگڑے یا گالی گلوچ کرے تو چاہئے کہ کہے: ''میرا روزہ ہے'' یہ جملہ اس روایت میں دو مرتبہ ہے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یقیناً روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے (آگے حدیث قدسی ہے) چھوڑتا ہے روزہ دار اپنا کھانا، پینا اور اپنی خواہش میری خاطر، روزے میرے لئے ہیں اور میں اس کا بدلہ دوں گا (حدیث قدسی پوری ہوئی) اور نیکی دس گنا ہے۔

قولہ: الصیام جُنۃ: یہ روزے کا پہلا فائدہ ہے، پرانے زمانہ میں جب فوجی جنگ میں اترتا تھا تو اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال ہوتی تھی، تلوار سے حملہ کرتا تھا اور ڈھال سے بچاؤ کرتا تھا اور انسان کا کھلا دشمن شیطان ہے اور بڑا دشمن نفس ہے، روزہ دونوں سے بچاتا ہے، روزے کے ذریعہ شیطانی اور شہوانی گناہوں سے حفاظت ہوجاتی ہے،

مگر روزہ اسی شخص کا سودمند ہے جو روزے کے تقاضے پورے کرے، جو شخص روزے میں بیوی سے مذاق کرے، لوگوں سے لڑائی جھگڑا کرے اور غیبت جھوٹ اور کردنی ناکردنی میں مبتلا رہے اس کا روزہ کیا خاک ڈھال ہوگا! اس کا روزہ بھوک پیاس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔

قولہ: فإن امرؤ قاتلَه: روزہ میں بعض لوگوں کو غصہ بہت آتا ہے ان کو چاہئے کہ اگر کوئی ان سے لڑائی جھگڑا کرے یا گالی گلوچ پر اتر آئے تو جواب ترکی بہ ترکی نہ دے، اندیشہ ہے: کہیں حد سے تجاوز نہ کر جائے بلکہ یہ بات ذہن میں لائے کہ اس کا روزہ ہے، پس جواب دینا ٹھیک نہیں اور ضرورت پڑے تو بتا بھی دے کہ میرا روزہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ شرح مہذب میں فرماتے ہیں: کلٌّ منهما حسنٌ، والقولُ باللسان أقوی، ولو جمعهما لکان حَسَنًا (فتح الباری ۴: ۱۰۵)

قولہ: لَخُلُوْفُ فم الصائم: جب معدہ خالی ہو جاتا ہے تو ایک گیس اٹھتی ہے جو منہ میں آ کر رکتی ہے تو بو پیدا ہوتی ہے، یہ خلوف ہے اور یہ روزہ سے تعلق رکھنے والی ایک چیز ہے، جب اللہ تعالیٰ کو روزے سے تعلق رکھنے والی یہ بات اتنی پسند ہے تو خود روزہ کتنا پسند ہوگا؟

قولہ: الصیام لی: اس حدیث قدسی کے علماء نے متعدد معانی بیان کئے ہیں:

۱- روزہ ایسی عبادت ہے جس میں ریاء کا احتمال نہیں، دوسری عبادتوں میں ریاء کا احتمال ہے، روزہ میرے لئے ہے کا یہی مطلب ہے۔

۲- تمام اعمالِ صالحہ میں اللہ کو زیادہ پسند روزہ ہے، اس لئے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے یعنی مجھے بہت پسند ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کھانے پینے اور خواہشات سے استغناء صفات باری تعالیٰ میں سے ہے پس جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور مفطرات ثلاثہ سے رکتا ہے تو اس کو اللہ عزوجل سے مناسبت حاصل ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: ''روزہ میرے لئے ہے''

۳- روزہ ایسی عبادت ہے جو غیر اللہ کے لئے نہ کی گئی نہ کی جاسکتی ہے۔ دوسری عبادتیں صدقہ طواف وغیرہ غیر اللہ کے لئے بھی کئے جاسکتے ہیں اس لئے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے!

۴- الصیام لی: میں نسبت تشریف کے لئے ہے یعنی روزہ بہت اچھی عبادت ہے، جیسے بیت اللہ میں نسبت تشریف کے لئے ہے یعنی کعبہ اللہ کا معظم گھر ہے، علاوہ ازیں حدیث کی اور بھی توجیہیں کی گئی ہیں۔

قولہ: اجزی: مجہول بھی پڑھا گیا ہے اور معروف بھی، مشہور قراءت معروف کی ہے اور محدثین معروف ہی پڑھتے ہیں، مجہول صوفیاء پڑھتے ہیں، مجہول کے معنی ہیں: میں روزے کے بدلے میں دیا جاتا ہوں یعنی روزہ دار کو اللہ کا وصال (قرب) نصیب ہوتا ہے، اور معروف کے معنی معروف ہیں: یعنی میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دونگا۔

قولہ: والحسنة بعشر أمثالها: یہ ثواب کا عام ضابطہ ہے، ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ملتا ہے مگر دو عمل اس سے مستثنیٰ ہیں:

ایک: انفاق فی سبیل اللہ، جہاد کے کاموں میں خرچ کرنا، اس کا تذکرہ سورۂ بقرہ آیت ۲۶۱ میں ہے، انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

دوسرا عمل: روزہ ہے اس کا کم از کم ثواب عام ضابطہ کے مطابق ہے یعنی دس گنا ثواب ملتا ہے، یہاں استثناء نہیں، اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ روزوں کا ثواب عنایت فرمائیں گے تب پتہ چلے گا کہ کس کو اس کے روزے کا کتنا ثواب ملا، ابھی تو بالا جمال یہ بات بتائی گئی ہے کہ جب ثواب ملے گا تو روزہ دار خوش ہوجائے گا۔

بَابٌ: الصَّوْمُ كَفَّارَةٌ

روزوں سے گناہ مٹتے ہیں

روزوں کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، پہلے حدیث آئی ہے کہ آدمی سے مال واولاد، پاس پڑوس کے لوگوں میں اور احباب و متعلقین کے حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں ہوتی ہیں نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے وہ کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ روزہ میں کفارۂ سیئات کی شان ہے، یہ بھی روزہ کی اہمیت کا ایک پہلو ہے۔

[۳-] بَابٌ: الصَّوْمُ كَفَّارَةٌ

[۱۸۹۵-] حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، ثَنَا جَامِعٌ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: مَنْ يَحْفَظُ حَدِيْثَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الْفِتْنَةِ؟ قَالَ حُذَيْفَةُ: أَنَا، سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: "فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَجَارِهِ: يُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ" قَالَ: لَيْسَ أَسْأَلُ عَنْ ذِهِ، إِنَّمَا أَسْأَلُ عَنِ الَّتِي تَمُوْجُ كَمَا يَمُوْجُ الْبَحْرُ، قَالَ: إِنَّ دُوْنَ ذٰلِكَ بَابًا مُغْلَقًا، قَالَ: فَيُفْتَحُ أَوْ يُكْسَرُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ، قَالَ: ذَاكَ أَجْدَرُ أَنْ لَا يُغْلَقَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَقُلْنَا لِمَسْرُوْقٍ: سَلْهُ، أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ مَنِ الْبَابُ؟ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: نَعَمْ، كَمَا يَعْلَمُ أَنَّ دُوْنَ غَدٍ اللَّيْلَةَ. [راجع: ۵۲۵]

حوالہ: حدیث کا ترجمہ اور شرح تحفۃ القاری ۲: ۳۸۴، کتاب الصلوٰۃ باب ۴ میں ہے۔

بَابٌ: الرَّيَّانُ لِلصَّائِمِيْنَ

روزہ داروں کے لئے سیرابی کا دروازہ

ریّ کے معنی ہیں: سیرابی، روزہ داروں کے لئے جنت میں ایک خاص دروازہ ہے، اس دروازے سے صرف روزہ داروں کو بلایا جائے گا، یہ بھی روزہ کی اہمیت وفضیلت کی ایک دلیل ہے، اور یہ جنس عمل سے جزاء ہے، روزہ دار پیاسا رہا اس

لئے اس کی سیرابی کا اللہ تعالیٰ نے انتظام کیا، ضد بھی جنسِ عمل ہے، اس لئے یہ جزاء جنسِ عمل سے ہے۔

[٤-] بَابٌ: الرَّيَّانُ لِلصَّائِمِينَ

[١٨٩٦-] حدثنا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، ثني أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: " إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ: الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَايَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُوْنَ؟ فَيَقُوْمُوْنَ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوْا أُغْلِقَ، فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ"[انظر: ٣٢٥٧]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک دوازہ ہے اس کا نام ریان ہے، قیامت کے دن اس دروازہ سے روزہ دار داخل ہونگے ان کے علاوہ کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا، پکارا جائے گا: روزہ دار کہاں ہیں؟ پس روزہ دار کھڑے ہونگے، ان کے علاوہ کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا، جب سب روزہ دار داخل ہوجائیں گے تو دروازہ بند کردیا جائے گا، اس سے کوئی اور داخل نہیں ہوگا۔

تشریح: رمضان کے روزے تو سب رکھتے ہیں، مگر بعض لوگوں کو بعض عبادتوں سے دلچسپی ہوتی ہے، کسی کو نفل نماز سے، کسی کو خیرات سے، کسی کو حج سے، کسی کو تلاوت سے، کسی کو ذکر سے، اور کسی کو روزوں سے، جن لوگوں کو نفل روزوں سے خاص دلچسپی ہوگی ان کو باب ریان سے پکارا جائے گا۔

[١٨٩٧-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: ثني مَعْنٌ، حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نُوْدِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ" فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا عَلَى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ، فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ قَالَ: "نَعَمْ، وَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ"[انظر: ٢٨٤١، ٣٢١٦، ٣٦٦٦]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص خدا کی راہ میں بار بار خرچ کرتا ہے اس کو جنت کے (متعدد) دروازوں سے پکارا جائے گا: اے بندۂ خدا! یہ دروازہ تیرے لئے بہتر ہے! (ادھر آ) اور جو شخص نمازیوں میں سے ہوگا یعنی جس کو نفل نماز سے دلچسپی ہوگی اس کو نماز کے دروازے سے پکارا جائے گا، اور جس کو جہاد سے دلچسپی ہوگی اس کو جہاد کے دروازے سے پکارا جائے گا، اور جس کو روزوں سے دلچسپی ہوگی اس کو سیرابی کے دروازے سے پکارا جائے گا اور جس کو صدقہ سے دلچسپی ہوگی اس

کو خیرات کے دروازے سے پکارا جائے گا۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! اگر کوئی ان میں سے کسی (بھی) دروازے سے بلایا جائے تو کچھ ضرورت نہیں یعنی کافی ہے، مگر کیا کوئی ایسا شخص ہے جس کو سبھی دروازوں سے بلایا جائے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اور مجھے امید ہے: تم ان میں سے ہو!

قولہ: زوجین: تثنیہ تکرار کے لئے ہے، جیسے ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ میں کرتین تثنیہ تکرار کے لئے ہے یعنی بار بار نظر پھیر۔ اور تثنیہ سے عدد بھی مراد ہو سکتا ہے، یعنی جو جہاد کے چندے میں ہر چیز کا جوڑا دے، دو کرتے، دو تلواریں، دو گھوڑے وغیرہ دے۔

قولہ: ما علی من دُعی من تلك الأبواب من ضرورۃ: یہ ادبی جملہ ہے، اور ہر ادبی جملہ ٹیڑھا میڑھا ہوتا ہے، اس میں کچھ محذوف بھی ہوتا ہے اور کبھی اس میں تلمیح (اشارہ) بھی ہوتی ہے۔ ما: نافیہ بمعنی لیس ہے، اور علی من: خبر مقدم ہے اور من ضرورۃ: اسم مؤخر ہے اور من زائدہ ہے، حرف زائد عام طور پر خبر پر آتا ہے، مگر یہاں اسم پر آیا ہے، أی لیس بضروری لمن دُعی من بابٍ من تلك الأبواب أن یُدعی من باب آخر: جس کو جنت کے دروازوں میں سے کسی بھی دروازے سے بلایا جائے اس کو ضرورت نہیں کہ کسی اور دروازے سے بھی بلایا جائے، وہی دروازہ اس کے جنت میں جانے کے لئے کافی ہے، مگر کیا کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے جس کو سبھی دروازوں سے بلایا جائے؟

فائدہ: جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات، جہنم کے دروازوں کا تذکرہ سورۃ الحجر آیت ۴۴ میں ہے، اور جنت کے آٹھ دروازوں کا تذکرہ حدیثوں میں ہے، اور جنت کا ایک دروازہ زائد اس لئے ہے کہ رحمت الٰہی غضب پر غالب ہے، اور جس بندے کو جس عبادت سے دلچسپی ہوگی اس کو اس دروازہ سے پکارا جائے گا، ہاں بعض خوش نصیب بندے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کو ہر دروازے سے پکارا جائے، کیونکہ ان کو ہر عبادت سے دلچسپی ہوگی، ایسے بندوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

بَابٌ: هَلْ يُقَالُ: رَمَضَانُ أَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ؟ وَمَنْ رَأَى كُلَّهُ وَاسِعًا

کیا رمضان کہا جائے یا ماہِ رمضان؟ اور جو دونوں کو درست سمجھتا ہے

رمضان کے معنی ہیں: وہ زمانہ جس میں زمین نہایت گرم ہو جاتی ہے، تپتی ہے، اسلام سے پہلے ہمیشہ رمضان ایسے ہی موسم میں آتا تھا اس لئے اس کو رمضان کہا جانے لگا، اور پہلے بتلایا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ تیسرے سال کبیسہ کے نام سے ایک مہینہ بڑھاتے تھے اس لئے رمضان ہمیشہ گرمیوں میں آتا تھا، اسلام نے لوند کا یہ سسٹم ختم کر دیا اس لئے رمضان ہر موسم میں گھومنے لگا، مگر نام پرانا ہی چل رہا ہے۔

اور ابن عدی کی الکامل میں ایک ضعیف حدیث ہے: لاتقولوا رمضانُ، فإنَّ رمضانَ إسمٌ من أسماء اللہ، ولکن قولوا: شهرُ رمضانَ، یہ حدیث ابو معشر نجیح مدنی کی وجہ سے ضعیف ہے، اور قرآن میں ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ ہے اس

سے خیال ہوسکتا ہے کہ صرف رمضان کہنا ٹھیک نہیں، ماہِ رمضان کہنا چاہئے، لیکن نصوص سے یہ اطلاق ثابت ہے، اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے یہ باب رکھا کہ صرف رمضان کہنا بھی جائز ہے۔

[۵-] بَابٌ: هَلْ يُقَالُ: رَمَضَانُ أَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ؟ وَمَنْ رَأَى كُلَّهُ وَاسِعًا

وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ" وَقَالَ: "لَا تَقَدَّمُوْا رَمَضَانَ"

[۱۸۹۸-] حدثنا قُتَيْبَةُ، ثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ"[انظر: ۱۸۹۹، ۳۲۷۷]

وضاحت: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا یہ ہے: اور جہنم کے دروازے بھیڑ دیئے جاتے ہیں یہ مضمون بھی حدیث میں آیا ہے، اور استدلال واضح ہے۔

[۱۸۹۹-] وَحَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنِي اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: ثَنِي ابْنُ أَبِيْ أَنَسٍ مَوْلَى التَّيْمِيِّيْنَ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ"[راجع: ۱۸۹۸]

وضاحت: رمضان میں شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں، یہ بھی آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: "اور فرشتے زمین میں پھیلا دیئے جاتے ہیں" اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب رمضان آتا ہے تو خیر کے اسباب بروئے کار آتے ہیں اور شر کے اسباب سکیڑ لئے جاتے ہیں، جنت کے جو کہ ربِّ ذوالجلال کی صفت رحمت کا مظہر ہے سب دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پس اس کے اثرات دنیا میں پھیلتے ہیں، اور جہنم کے جو کہ اللہ کی صفت غضب کا مظہر ہے، سب دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں تا کہ اس کا اثر نہ پھیلے۔ اور دستور زمانہ ہے کہ جب کوئی اہم دن آتا ہے تو اس کے لئے ضروری انتظامات کئے جاتے ہیں، شر پسندوں کو بند کر دیا جاتا ہے تا کہ تقریب میں رخنہ نہ ڈالیں (پھر تقریب ختم ہونے کے بعد ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے) اور ہمنواؤں کو ہر طرف پھیلا دیا جاتا ہے چنانچہ رمضان میں فرشتے زمین میں پھیل جاتے ہیں۔

فائدہ: بعض مسلمان رمضان میں بھی گناہوں میں غوطہ زن رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شر کے تمام اسباب مسدود نہیں ہو جاتے، بعض اسباب باقی رہتے ہیں، مثلاً شیاطین الانس کھلے پھرتے ہیں نیز انسان کا سب سے بڑا دشمن نفس ہے، جو اس کے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے: وہ ساتھ لگا رہتا ہے، اس لئے جب خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ گیارہ مہینے شیطان کی پیروی کرتے ہیں تو رمضان میں ان کی زندگیوں میں پوری طرح تبدیلی نہیں آتی، مگر رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان خیر کے کاموں کی طرف بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش لوگ بھی رمضان میں اپنی روش کچھ بدل لیتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ جب رمضان شروع ہوتا ہے تو خیر کے اسباب بروئے کار لائے جاتے ہیں، اور شر کے

بعض اسباب مسدود کردیئے جاتے ہیں۔

بَابُ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ

چاند دیکھنا

پہلے یہ بات بتائی ہے کہ شریعت مطہرہ نے بعض احکام سورج سے متعلق کئے ہیں اور بعض چاند سے، مثلاً نمازوں کے اوقات اور سحر وافطار کے اوقات کا تعلق سورج سے ہے اور رمضان کے آغاز واختتام کا تعلق چاند سے، جہاں عبادت کو سال میں دائر نہیں کرنا وہاں احکام سورج سے متعلق کئے ہیں، اور جہاں عبادت کو سال میں دائر کرنا ہے وہاں احکام چاند سے متعلق کئے ہیں۔ رمضان شریف کو سال میں دائر کرنا ہے اگر ہمیشہ رمضان گرمی میں آئے گا تو لوگ پریشان ہوجائیں گے اور ہمیشہ سردی میں آئے گا تو کچھ مشقت نہ ہوگی، پھر زمین گول ہے، شمال کی سردی گرمی کا اعتبار ہوگا یا جنوب کی؟ ایک جانب والا ہمیشہ مزے میں رہے گا اور دوسری جانب والا پریشان! پس رمضان پورے سال میں گھومے اس لئے اس کو چاند سے متعلق کیا ہے، تاکہ کبھی اور کہیں رمضان سردیوں میں آئے اور کبھی اور کہیں گرمیوں میں، اور نمازیں سال بھر پڑھنی ہیں گرمی سردی کا اس پر اثر نہیں پڑتا اس لئے ان کو سورج سے متعلق کیا ہے۔

پھر جو احکام سورج سے متعلق ہیں ان میں بھی حساب کا اعتبار نہیں کیا اور جو چاند سے متعلق ہیں ان میں بھی حساب کا اعتبار نہیں کیا، دونوں صورتوں میں رویت پر مدار رکھا ہے، حساب پر مدار نہیں رکھا، اگرچہ لوگوں نے جنتریاں بنائی ہیں مگر ان پر مدار نہیں، جو شخص سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے اس کے لئے روزہ کھولنا جائز ہے چاہے جنتری میں وقت نہ ہوا ہو، اور اگر سورج موجود ہے تو روزہ کھولنا جائز نہیں، اگرچہ جنتری میں وقت ہوگیا ہو۔

اور یہ اصول کہ احکام شرعیہ کا مدار رویت پر ہے حساب پر نہیں باب کی حدیث سے لیا گیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزے ختم کرو، اور اگر بادل ہو تو شعبان یا رمضان کے تیس دن پورے کرو'' معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کا مدار رویت پر ہے حساب پر نہیں، اگر حساب لینا ہوتا تو سورج کا حساب لیتے، کیونکہ سورج کی چال چاند کی چال کی بنسبت زیادہ باقاعدہ ہے۔ اور رویت پر احکام کا مدار رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ آپ کی امت بہت بڑی امت ہے اور ان میں اکثر حساب سے نابلد ہیں، پس اگر حساب پر مدار رکھا جائے گا تو عمل میں دشواری پیش آئے گی، اور جب رویت پر مدار رکھا تو ہر شخص خواندہ ہو یا ناخواندہ، شہری ہو یا دیہاتی، آسانی سے دین پر عمل کرسکے گا۔

[۵-م] بَابُ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ

[۱۹۰۰-] حدثنا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، ثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي سَالِمٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: " إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ

فَأَفْطِرُوْا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهُ"
وَقَالَ غَيْرُهُ عَنِ اللَّيْثِ: ثَنِيْ عُقَيْلٌ، وَيُوْنُسُ: لِهِلَالِ رَمَضَانَ. [انظر: ۱۹۰۶، ۱۹۰۷]

قولہ: وقال غیرہ عن اللیث: غیرہ کی ضمیر یحیٰ بن بکیر کی طرف راجع ہے، اور غیر سے مراد عبداللہ بن صالح ہیں، جو لیث کے سکریٹری تھے (حاشیہ) ان کی روایت میں لہ کی جگہ لھلال رمضان ہے۔

ترجمہ: جب تم مہینہ (کے چاند) کو دیکھو تو روزے رکھو یعنی رمضان شروع کرو، اور جب تم اس (شوال کے چاند) کو دیکھو تو روزے کھول دو یعنی رمضان ختم کرو، اور اگر چاند تم پر چھپا دیا جائے یعنی نظر نہ آئے تو چاند کا اندازہ کرو یعنی تیس دن پورے کرو۔

بَابُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا وَنِيَّةً

جس نے رمضان کے روزے ثواب کے یقین اور امید اور نیت کے ساتھ رکھے

ایمان کے جو معروف معنی ہیں وہ یہاں مراد نہیں، یہاں ایمان کے معنی ہیں: ثواب کا یقین کرنا، اور احتساب کے معنی ہیں: ثواب کی امید رکھنا۔ حضرت رحمہ اللہ نے نِيَّة اسی لئے بڑھایا ہے، اشارہ کیا ہے کہ ایمان بمعنی نیت ہے اور حدیث میں نبی ﷺ نے مشکل کو آسان بنانے کا فارمولہ بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اعمال پر جو ثواب کے وعدے کئے ہیں اس پر پختہ یقین کرنا اور اس کو پیش نظر رکھنا مشکل کام کو آسان بنا دیتا ہے۔ تفصیل کتاب الایمان باب ۲۵ (تحفۃ القاری ۱: ۲۵۳) میں ہے۔

[۶-] بَابُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا وَنِيَّةً

وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: "يُبْعَثُوْنَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ"

[۱۹۰۱-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" [راجع: ۳۵]

وضاحت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معلق حدیث آگے (حدیث ۲۱۱۸) آرہی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کرے گا، پس جب وہ چٹیل زمین میں ہونگے تو اگلے پچھلے سارے زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے .... پھر وہ قیامت کے دن ان کی نیتوں کے موافق اٹھائے جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ عمل میں نیت اثر انداز ہوتی ہے، کیونکہ اس لشکر میں ہر طرح کے لوگ ہونگے، دکان دار، نوکر چاکر اور مجبور کئے ہوئے لوگ بھی ہونگے، ان کا قیامت کے دن کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، کعبہ کو ڈھانے کا مقصد لے کر جو لوگ چلے ہیں انہی کی پکڑ ہوگی، معلوم ہوا کہ عمل میں نیت کا اعتبار ہے۔

بَابٌ: أَجْوَدُ مَاكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَكُوْنُ فِي رَمَضَانَ

رمضان میں نبی ﷺ بے حد سخی ہو جاتے تھے

یہ حدیث کتاب کے شروع میں گذر چکی ہے، وہاں بتلایا تھا کہ نیک بندوں کے ساتھ ملاقات آدمی کے دل ودماغ پر اثر انداز ہوتی ہے، خیر کے کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ آنحضور ﷺ جودوسخا کے پیکر تھے مگر رمضان المبارک میں آپؐ کی سخاوت نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی تھی، کیونکہ رمضان کی راتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ سے روزانہ ملتے تھے اور آپؐ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے (تحفۃ القاری ۱:۱۵۲)

[۷-] بَابٌ: أَجْوَدُ مَاكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَكُوْنُ فِي رَمَضَانَ

[۱۹۰۲-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، أَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِي رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرَئِيْلُ، وَكَانَ جِبْرَئِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ[راجع: ٦]

قوله: يعرض عليه النبيُّ: جب نبی ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پارہ سناتے تھے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فِي الصَّوْمِ

جو شخص روزے میں جھوٹی بات کہنے سے اور اس پر عمل کرنے سے احتراز نہ کرے

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ مثبت ومنفی پہلو سے روزہ کی حفاظت ضروری ہے، مثبت پہلو سے: روزہ میں مفطرات ثلاثہ سے بچنا ضروری ہے اور منفی پہلو سے: خادشات سے یعنی زخمی کرنے والی باتوں سے جو روزے کو ناقص کرتی ہیں بچنا ضروری ہے۔ روزے کا صحیح فائدہ اسی وقت حاصل ہوگا۔

اور جھوٹ کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی، قولی جھوٹ ظاہر ہے اور فعلی جھوٹ تاجر کا جھوٹا بل دکھانا ہے، اسی طرح اور ناجائز کام مثلاً غیبت کرنا اور گالی گلوچ بھی عملی جھوٹ ہیں، پس جس نے جھوٹ نہیں چھوڑا اس کا روزہ بھوک پیاس کے علاوہ کچھ نہیں!

[۸-] بَابُ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فِي الصَّوْمِ

[۱۹۰۳-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، ثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، ثَنَا سَعِيْدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: "مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ" [انظر: ٦٠٥٧]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے جھوٹ بولنا اوراس پر عمل پیرا ہونا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے!"

تشریح: یہ روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ روزے میں جھوٹ اور فریب نہ چھوڑنے پر وعید ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ جس کے پاس زادوراحلہ ہواور وہ حج نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہوکر مرے" یہ یہودی اور نصرانی ہونے کی اباحت نہیں ہے بلکہ حج نہ کرنے پر وعید ہے، یہ حدیث بھی اسی شاکلہ (انداز) پر ہے کہ جو شخص روزے میں جھوٹ اور فریب سے نہیں بچتا اس کے روزہ کا کیا فائدہ؟ جو خادشات سے بچے گا اسی کو روزہ کا کما حقہ فائدہ پہنچے گا۔

بَابٌ: هَلْ يَقُوْلُ: إِنِّيْ صَائِمٌ إِذَا شُتِمَ؟

جب کوئی گالی دیا جائے تو وہ کہے کہ میرا روزہ ہے؟

اگر کوئی شخص روزہ دار سے گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا کرے تو جواب ترکی بہ ترکی نہ دے بلکہ یہ سوچے کہ اس کا روزہ ہے اور ضرورت پڑے تو کہہ بھی دے کہ میرا روزہ ہے۔ فتح الباری (۱۰۵:۴) میں ہے: کل منهما حسنٌ، والقول باللسان أقوی، ولو جمعهما لكان حَسَنًا۔

[٩-] بَابٌ: هَلْ يَقُوْلُ: إِنِّيْ صَائِمٌ إِذَا شُتِمَ؟

[١٩٠٤-] حدثنا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسَى، ثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ الزَّيَّاتِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: "قَالَ اللّٰهُ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِيْ، وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّيْ امْرُؤٌ صَائِمٌ، وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ" [راجع: ١٨٩٤]

قولہ: ولا يَصْخَب: روزہ رکھ کر شور شرابہ نہ کرے اس سے روزہ لگتا ہے، بھوک پیاس محسوس ہوتی ہے۔

قولہ: للصائم فرحتان: روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک: جب روزہ کھولتا ہے تو خوش ہوتا ہے، دوسرے: جب اللہ عزوجل سے ملاقات ہوگی تو اپنے روزے کی وجہ سے خوش ہوگا۔

بَابُ الصَّوْمِ لِمَنْ خَافَ عَلٰی نَفْسِهِ الْعُزُوْبَةَ

بیوی نہ ہونے کی وجہ سے گناہ کا اندیشہ ہوتو روزے رکھے

عَزَبَ فلانٌ عُزْبَةً وَعُزُوْبَةً: غیر شادی شدہ ہونا، کنوارا ہونا، ھو عازب، جمع عُزَّاب۔ اگر کسی کی بیوی نہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو شریعت نے اس کا علاج روزے تجویز کیا ہے، روزوں سے مادّہ کی فراوانی گھٹتی ہے، نفس کی تیزی ٹوٹتی ہے اور جوانی کا جوش ٹھنڈا پڑتا ہے، مگر روزے کم سحری اور کم افطاری کے ساتھ رکھنے چاہئیں، اور مسلسل رکھنے چاہئیں، چند روزوں سے فائدہ نہیں ہوگا، مگر بہت زیادہ بھی نہ رکھے، روزے زہریلی دواء کی طرح ہیں، اور ایسی دواء احتیاط کے ساتھ بقدر ضرورت لی جاتی ہے۔ اور کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے تجویز کئے گئے ہیں، پس زیادہ سے زیادہ دو ماہ کے روزے رکھے، پھر بند کردے، اور ضرورت باقی رہے تو کچھ وقفہ کے بعد دوبارہ شروع کرے مگر مسلسل دو ماہ سے زیادہ نہ رکھے، ضعف ونقاہت کا اندیشہ ہے۔

معلوم ہوا کہ روزوں میں صرف اخروی فائدہ ہی نہیں، دنیوی فائدہ بھی ہے اور وہ دنیوی فائدہ بھی من وجہ اخروی فائدہ ہے، اسی طرح ہر عبادت میں دوہرا فائدہ ہوتا ہے، مثلاً نماز سے سکون قلبی حاصل ہوتا ہے، زکات سے لوگوں میں مقبولیت پیدا ہوتی ہے، حج میں تجارت کرسکتا ہے۔ اسی طرح تمام عبادتوں میں آخرت کے فوائد کے ساتھ دنیوی فوائد بھی ہوتے ہیں، اور روزوں کا سب سے بڑا دنیوی فائدہ یہ ہے کہ نفس کنٹرول میں رہتا ہے، شہوت کا زور ٹوٹتا ہے اور گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا، یہی اس باب کا مدعی ہے۔

[۱۰-] بَابُ الصَّوْمِ لِمَنْ خَافَ عَلٰی نَفْسِهِ الْعُزُوْبَةَ

[۱۹۰۵-] حدثنا عَبْدَانُ، عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: بَيْنَا أَنَا أَمْشِيْ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: " مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَ ةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ" قَالَ: أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ: الْبَاءَ ةُ: النِّكَاحُ. [انظر: ۵۰۶۵، ۵۰۶۶]

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے، اس لئے کہ نکاح نگاہ کو بہت زیادہ پست کرنے والا اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا ہے۔ اور جو نکاح نہیں کرسکتا وہ روزے لازم پکڑے اس لئے کہ روزے اس کے لئے آختگی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الباء ۃ کے معنی ہیں: نکاح۔

لغات: الباء ۃ، البِیئة، المَبْوَأ اور المَباءَ ۃ کے معنی ہیں: منزل، گھر، اور ایک دوسرا لفظ ہے: الْبَاہُ والْبَاهَة: اس کے معنی ہیں: جماع کی قوت، قوت باہ کے لئے یہی لفظ مستعمل ہے، مگر حدیث میں یہ لفظ نہیں ہے، لوگ عام طور پر اس حدیث

کی تفسیر کرتے ہیں کہ جس میں قوت مردمی ہے وہ نکاح کرلے مگر یہ بات صحیح نہیں، نامردوں کو روزوں کی کیا ضرورت ہے؟ اور امام بخاریؒ نے الباء ۃ کی تفسیر النکاح سے کی ہے، یہ تفسیر صحیح ہے، اس میں مہر، جھونپڑا اور دیگر ضروری سامان آجاتا ہے .... وَجَأ (ف) وِجَاءَ الْفَحلَ: آختہ کرنا، یعنی نر کے خصیوں کو چپٹا کرنا، جس سے وہ خصی جیسا ہوجائے، اور خَصَاہ (ض) خِصَاءً کے معنی ہیں: فوطے نکال دینا، روزوں سے شہوت ٹوٹتی ہے، قوت مردمی ختم نہیں ہوتی، اس لئے اس کے لئے لفظ وجاء استعمال کیا ہے۔

تشریح: جب جسم میں منی کی فراوانی ہوتی ہے تو نفس میں شہوت پیدا ہوتی ہے اور جنسی خواہش بھڑکتی ہے، جس سے انسان زنا جیسے حرام فعل کا ارتکاب کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، اس لئے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے اسے ایسی عورت میسر ہے جس سے نکاح کرنا حکمت کے تقاضہ کے مطابق ہے اور اس کے نان ونفقہ پر قادر ہے تو اس کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ وہ نکاح کرلے، اس سے نگاہ بہت زیادہ پست ہوجاتی ہے، اور شرم گاہ کی خوب حفاظت ہوجاتی ہے، کیونکہ نکاح سے استفراغ مادہ خوب ہوتا ہے، اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا وہ مسلسل روزے رکھے، مسلسل روزوں میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے نفس کی تیزی ٹوٹتی ہے اور جوانی کا جوش ٹھنڈا پڑتا ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم: إِذَا رَأَیْتُمُ الْهِلَالَ فَصُوْمُوْا وَإِذَا رَأَیْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا

جب تم نیا چاند دیکھو تو روزے شروع کرو، اور جب اگلا چاند دیکھو تو روزے بند کردو (حدیث)

یہ باب (چھ ابواب قبل) آچکا ہے مگر وہ مختصر تھا اور یہ تفصیلی باب ہے، علاوہ ازیں وہ باب سب نسخوں میں نہیں ہے کسی نسخہ میں ہے اور اس باب کا مقصد یہ ہے کہ شریعت نے جو عبادت جتنی مشروع کی ہے اتنی ہی کرنی چاہئے، اس میں کمی بیشی جائز نہیں، ظہر کی چار رکعتیں فرض کی ہیں تو چار ہی رکعتیں پڑھنی چاہئیں، تین یا پانچ پڑھنا جائز نہیں۔ اسی طرح رمضان کے روزے ایک دو دن پہلے شروع کردینا یا بعد تک رکھنا جائز نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”رمضان کا چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور شوال کا چاند دیکھ کر روزے ختم کردو یعنی احتیاط کے نام پر ایک دو دن پہلے روزے شروع مت کرو، نہ بعد میں رکھو، کیونکہ جب احتیاط کے نام پر اضافہ کیا جائے گا تو وہ اضافہ بڑھتا ہی جائے گا، پھر جب بوجھ ناقابل برداشت ہوجائے گا تو لوگ اصل کو بھی چھوڑ دیں گے، کہتے ہیں: بنی اسرائیل پر صرف تین روزے فرض کئے گئے تھے، انھوں نے احتیاط کے نام پر ان میں اضافہ کیا یہاں تک کہ چھ مہینے کے روزے کردیئے، پھر سب ختم کردیئے، آج عیسائی روزہ رکھتے ہیں، ہندو بھی رکھتے ہیں، مگر یہودی نہیں رکھتے، اس لئے شریعت نے رمضان کے روزے پہلے شروع کرنے سے منع کیا اسی طرح رمضان کے آخر میں بھی اضافہ ممنوع ہے، یکم شوال کا روزہ حرام ہے، کیونکہ روزے رکھنے سے قلب منور ہوجاتا ہے، اور روزوں میں مزہ آنے لگتا ہے، اس لئے رمضان کے آخر میں اضافہ کا احتمال زیادہ تھا، چنانچہ یکم شوال کا روزہ حرام کردیا، اور ابتدائے

رمضان میں یہ احتمال کم تھا اس لئے صرف زبانی ممانعت کی۔

حدیث: حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے یوم الشک کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی، یوم الشک شعبان کی تیس تاریخ ہے، جبکہ انتیس شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، بادل، گہرا غبار یا تیز سرخی ہو جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا ہو، تو اگلا دن یوم الشک ہے، اور یوم الشک میں روزہ رکھنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے، یہ بات اسی حدیث کے اقتضاء سے ثابت ہوتی ہے، الگ سے حدیث تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اور یوم الشک میں روزہ کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس دن کے روزہ میں دو احتمال ہیں: اگر وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی تو روزہ فرض ہوگا اور اگر تیس شعبان ہوگی تو روزہ نفل ہوگا یا یہ رمضان کی وجہ سے ایک دو دن پہلے روزے شروع کرنا ہے اس لئے یوم الشک کا روزہ ممنوع ٹھہرا۔

[۱۱-] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: " إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلاَلَ فَصُوْمُوْا، وَإِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَأَفْطِرُوْا"

وَقَالَ صِلَةُ، عَنْ عَمَّارٍ: مَنْ صَامَ يَوْمَ الشَّكِّ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم

[۱۹۰۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم ذَكَرَ رَمَضَانَ، فَقَالَ: " لاَتَصُوْمُوْا حَتَّى تَرَوُا الْهِلاَلَ، وَلاَ تُفْطِرُوْا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهُ"[راجع: ۱۹۰۰]

[۱۹۰۷-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: " الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ لَيْلَةً، فَلاَ تَصُوْمُوْا حَتَّى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلاَثِيْنَ"[راجع: ۱۹۰۰]

[۱۹۰۸-] حدثنا أَبُو الْوَلِيْدِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم "الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا" وَخَنَسَ الإِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ[انظر: ۱۹۱۳، ۵۳۰۲]

[۱۹۰۹-] حدثنا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم- أَوْ قَالَ: قَالَ أَبُوْ الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم - "صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاَثِيْنَ"

[۱۹۱۰-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم آلَى مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا، فَلَمَّا مَضَى تِسْعَةٌ وَعِشْرُوْنَ يَوْمًا غَدَا أَوْ: رَاحَ، فَقِيْلَ لَهُ: إِنَّكَ حَلَفْتَ أَنْ لاَ تَدْخُلَ شَهْرًا، فَقَالَ: " إِنَّ الشَّهْرَ يَكُوْنُ تِسْعَةً وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا"[انظر: ۵۲۰۲]

[۱۹۱۱-] حدثنا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: آلَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ نِسَائِهِ، وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ، فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً، ثُمَّ نَزَلَ، فَقَالُوْا: يَارسول اللّٰهِ! آلَيْتَ شَهْرًا، فَقَالَ: "إِنَّ الشَّهْرَ يَكُوْنُ تِسْعًا وَعِشْرِيْنَ"[راجع: ۳۷۸]

قولہ:ذکر رمضان: آپؐ نے رمضان کے احکام بیان فرمائے.......... قولہ: الشھر تسع وعشرون: قمری مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے.......... قولہ:وخنس الإبھام: نبی ﷺ نے پہلی مرتبہ دونوں ہاتھوں کی سب انگلیاں کھول کر تین مرتبہ اشارہ کیا اور فرمایا: الشھر ھکذا وھکذا وھکذا: یعنی مہینہ کبھی تیس دن کا ہوتا ہے پھر دوسری مرتبہ اسی طرح اشارہ کیا اور تیسری مرتبہ میں انگوٹھا موڑ لیا یعنی کبھی مہینہ انتیس دن میں پورا ہوتا ہے۔

قولہ: آلی من نسائہ شھرًا: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہوکر ایک ماہ تک ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی یعنی ایلاء لغوی کیا تھا، اور اسی زمانہ میں گھوڑے سے گرنے کا حادثہ پیش آیا تھا، چنانچہ آپؐ نے بیماری کے ایام اور ایلاء کے ایام ایک بالا خانے میں تنہائی میں گذارے تھے، جب مہینہ پورا ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو خبر دی، آپؐ بالا خانہ سے اترے اور یکے بعد دیگرے سب ازواج مطہرات کے پاس گئے، سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور آیات تخییر سنائیں، حضرت عائشہؓ نے آپ کو اختیار کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپؐ نے ایک ماہ کی قسم کھائی تھی، اور ابھی انتیس دن ہوئے ہیں، آپؐ نے فرمایا: یہ مہینہ انتیس دن کا ہے۔ تفصیل کتاب الصلوۃ باب ۱۸ (تحفۃ القاری ۲: ۲۱۳) میں گذر چکی ہے۔

بَابٌ: شَهْرَا عِيْدٍ لَايَنْقُصَانِ

عید کے دو مہینے گھٹتے نہیں

یہ حدیث کے الفاظ ہیں اور عید کے دو مہینوں سے مراد: رمضان اور ذوالحجہ ہیں، ذوالحجہ کا عید کا مہینہ ہونا تو ظاہر ہے اور رمضان عرفاً عید کا مہینہ ہے، حقیقت میں عید کا مہینہ شوال ہے مگر چونکہ عرف میں ماہ رمضان کو عید کا مہینہ کہتے ہیں اس لئے یہاں یہی مراد ہے، اور اس ارشاد کے تقریباً دس مطلب بیان کئے گئے ہیں (دیکھیں معارف السنن ۶: ۲۵) اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ان میں سے دو مطلب نقل کئے ہیں۔

پہلا مطلب: امام احمد رحمہ اللہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ دونوں مہینے ایک ساتھ نہیں گھٹتے، یعنی دونوں انتیس انتیس کے نہیں ہوتے، اگر ایک انتیس کا ہوگا تو دوسرا تیس کا ہوگا، ہاں دونوں تیس کے ہوسکتے ہیں۔

دوسرا مطلب: امام اسحاق رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ دونوں مہینے انتیس انتیس کے ہوسکتے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ثواب نہیں گھٹتا، اگر یہ مہینے انتیس کے بھی ہوں تب بھی ثواب پورے تیس دن کا ملے گا۔ یہ مطلب حضرت

اسحاق رحمہ اللہ سے ان کے صاحبزادے ابوالحسن علی نقل کرتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی سند سے یہ قول لکھا ہے (تہذیب الکمال میں اس صاحبزادے کی ایک روایت ہے کہ ان کے ابا مثقوب الاذنین پیدا ہوئے تھے)

مگر یہ دوسرا مطلب بھی غور طلب ہے کیونکہ رمضان انتیس کا ہو تو ثواب کی کمی کا خیال پیدا ہوسکتا ہے مگر ذوالحجہ انتیس کا ہو: اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ذوالحجہ میں تو عبادت شروع کے دس بارہ دن میں ہے، مہینہ کی کمی بیشی کا اس پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

اس لئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ مقصود رمضان کا حال بیان کرنا ہے، رمضان اگر انتیس دن کا بھی ہو تب بھی ثواب پورے تیس دن کا ملے گا۔ اور ذی الحجہ کا ذکر تبعاً ہے، اور یہ عربی کا اسلوب ہے، جب دو چیزوں میں مناسبت ہوتی ہے تو دونوں کو ملا کر حکم بیان کرتے ہیں، جیسے: اقتلوا الأسودين في الصلاة: الحَيَّةَ والعقرب نماز میں دوکالوں کو یعنی سانپ اور بچھو کو مارو، سانپ تو کالا ہوتا ہے، بچھو کالا نہیں ہوتا پس اصل مقصود سانپ کو مارنے کا حکم دینا ہے اور بچھو کا تذکرہ ضمناً آیا ہے اور ایسی صورت میں جو مقصود بالذکر ہوتا ہے اس کا وصف دوسرے کو اوڑھا دیتے ہیں، چنانچہ 'دوکالے' کہا گیا، مگر بچھو کا تذکرہ خواہ مخواہ نہیں، اس کو بھی مارنا ہے، مگر اصل مقصد سانپ کو مارنے کا حکم دینا ہے۔

اسی طرح مسلسلات میں ایک موضوع حدیث ہے: أضافني بالأسودين: التمرِ والماء: میری ضیافت کی دوکالی چیزوں سے یعنی کھجور اور پانی سے، کھجور تو کالی ہوتی ہے اور اس کی ضیافت بھی کی جاتی ہے مگر پانی نہ کالا ہوتا ہے نہ اس کی ضیافت کی جاتی ہے، مگر چونکہ کھجور کھا کر پانی پیا جاتا ہے اس لئے اس کا بھی تذکرہ کر دیا۔

اسی طرح یہاں بھی مقصود صرف رمضان کی فضیلت بیان کرنا ہے مگر مناسبت کی وجہ سے عید کے دوسرے مہینہ ذی الحجہ کا بھی تذکرہ کر دیا، اور مقصود بنائے حکم کی طرف ذہن کو منعطف کرنا ہے یعنی ثواب اس لئے نہیں گھٹے گا کہ وہ عید کا مہینہ ہے، خوشی کے موقعہ پر ثواب گھٹا دیا جائے تو خوشی خاک میں مل جاتی ہے (مزید تفصیل تحفۃ الالمعی (۳:۶۱) میں ہے)

ملحوظہ: یہ میں نے گیارہویں توجیہ بیان کی ہے، اگر کسی کی سمجھ میں یہ بھی نہ آئے تو اس کو سوچنے کا اور بارہویں توجیہ کرنے کا حق ہے۔

[۱۲-] بَابٌ: شَهْرَا عِيدٍ لاَيَنْقُصَانِ

[۱۹۱۲-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ إِسْحَاقَ، هُوَ ابْنُ سُوَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم. ح: وَحَدَّثَنِيْ مُسَدَّدٌ، ثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، قَالَ: ثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "شَهْرَانِ لاَ يَنْقُصَانِ، شَهْرَا عِيْدٍ: رَمَضَانُ وَذُو الْحَجَّةِ"

قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: إِنْ نَقَصَ رَمَضَانُ تَمَّ ذُوْ الْحَجَّةِ، وَإِنْ نَقَصَ ذُوْالْحَجَّةِ تَمَّ رَمَضَانُ.

وَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ: كَانَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ يَقُوْلُ: لَايَنْقُصَانِ فِي الْفَضِيْلَةِ، إِنْ كَانَ تِسْعَةً وَعِشْرِيْنَ أَوْ ثَلاثِيْنَ.

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: لَانَكْتُبُ وَلاَ نَحْسِبُ

ارشادِ نبوی: ہم نہ لکھتے ہیں نہ گنتے ہیں!

اس باب کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ رمضان کے آغاز واختتام کا مدار رویت پر ہے، حساب پر نہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ کی امت بہت بڑی امت ہے، اگر آسمان کے تارے گنے جاسکتے ہیں، درختوں کے پتے گنے جاسکتے ہیں اور ریت کے ذرّے گنے جاسکتے ہیں تو آپ کی امت گنی جاسکتی ہے۔ اور شہر، گاؤں، بیابان سب جگہ بسی ہوئی ہے، اور امت کی بڑی تعداد ناخواندہ ہے، اور ذرائع مواصلات اب عام ہوئے ہیں اور وہ بھی ہر جگہ دستیاب نہیں، پس اگر حساب پر مدار رکھا جائے گا تو بڑی دشواری پیش آئے گی، اس لئے سہولت کی خاطر رؤیت پر مدار رکھا ہے، اب ہر شخص خواندہ ہو یا ناخواندہ، شہری ہو یا دیہاتی آسانی سے دین پر عمل کر سکے گا۔ تفصیل چند ابواب پہلے گذری ہے۔

[۱۳-] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: لَانَكْتُبُ وَلاَ نَحْسِبُ

[۱۹۱۳-] حدثنا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا الأَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ، ثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَمْرٍو، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، أَنَّهُ قَالَ: "إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ، لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْسِبُ، الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا" يَعْنِيْ مَرَّةً تِسْعَةً وَعِشْرِيْنَ وَمَرَّةً ثَلاَثِيْنَ.

بَابٌ: لَايَتَقَدَّمُ رَمَضَانُ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ

رمضان کے روزے ایک دودن پہلے شروع نہ کئے جائیں

یہ مسئلہ گذر چکا ہے، شریعت نے جو عبادت جتنی مشروع کی ہے اتنی ہی بجالانی ضروری ہے، اس میں نہ کمی کرنی چاہئے نہ زیادتی، اگر رمضان کے روزے احتیاطاً ایک دودن پہلے شروع کئے جائیں گے تو یہ روزوں میں اضافہ ہوگا جو ممنوع ہے۔

[۱٤-] بَابٌ: لَايَتَقَدَّمُ رَمَضَانُ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ

[۱۹۱٤-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، قَالَ: "لَايَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، إِلاَّ أَنْ يَكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمَهُ، فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ"

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز رمضان سے ایک دو دن آگے نہ بڑھے، مگر یہ کہ کوئی شخص کسی دن کا روزہ رکھتا ہو تو وہ اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے۔

تشریح: احتیاط کے نام پر ایک دو دن پہلے روزے شروع کر دینا جائز نہیں، ہاں اگر کسی شخص کا کسی خاص دن میں روزہ رکھنے کا معمول ہے، مثلاً جمعہ کا روزہ رکھتا ہے اور اتفاق سے شعبان کی انتیس یا تیس تاریخ جمعہ کا دن ہو تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے، کیونکہ وہ پہلے سے رمضان شروع نہیں کر رہا بلکہ اپنا معمول پورا کر رہا ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ ﴿ مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾

آیتِ کریمہ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ﴾ کا شانِ نزول

امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کتاب کے شروع میں آیت لکھتے ہیں، پھر احادیث لاتے ہیں اور پوری کتاب اس آیت کی تفسیر ہوتی ہے، مگر یہاں درمیان میں آیت لکھی ہے، یہ بھی حضرت رحمہ اللہ کا ایک طریقہ ہے، کبھی جنرل عنوان درمیان میں قائم کرتے ہیں، اور یہاں آیت کی تفسیر نہیں کرنی، آگے جو ابواب آرہے وہ سب اس آیت کی تفسیر ہیں۔ یہاں صرف آیت کا شانِ نزول بیان کرنا ہے۔

[۱۵-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَائِكُمْ، هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ، عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ، فَتَابَ عَلَيْكُمْ، وَعَفَا عَنْكُمْ، فَالْآنَ بَاشِرُوْهُنَّ مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾

[۱۹۱۵-] حدثنا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى، عَنْ إِسْرَائِيْلَ، عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم: إِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا، فَحَضَرَ الإِفْطَارُ، فَنَامَ قَبْلَ أَنْ يُفْطِرَ، لَمْ يَأْكُلْ لَيْلَتَهُ وَلَا يَوْمَهُ حَتّٰى يُمْسِيَ، وَإِنَّ قَيْسَ بْنَ صِرْمَةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَ صَائِمًا، فَلَمَّا حَضَرَ الإِفْطَارُ أَتَى امْرَأَتَهُ، فَقَالَ لَهَا: أَعِنْدَكِ طَعَامٌ؟ قَالَتْ: لَا، وَلٰكِنْ أَنْطَلِقُ وَأَطْلُبُ لَكَ، وَكَانَ يَوْمَهُ يَعْمَلُ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ، فَجَاءَتِ امْرَأَتُهُ، فَلَمَّا رَأَتْهُ قَالَتْ: خَيْبَةً لَكَ! فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ غُشِيَ عَلَيْهِ، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَائِكُمْ ﴾ فَفَرِحُوْا بِهَا فَرَحًا شَدِيْدًا، وَنَزَلَتْ: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾

[البقرة: ۱۸۷] [انظر: ۴۵۰۸]

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: صحابہ میں سے جب کوئی روزے سے ہوتا اور افطار کا وقت آتا اور افطار کرنے

سے پہلے سوجاتا تو اس پوری رات اور آئندہ دن شام تک کچھ نہیں کھا سکتا تھا، اور حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ روزہ سے تھے، جب افطار کا وقت ہوا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ اس نے کہا: نہیں، لیکن میں جاتی ہوں اور آپ کے لئے کچھ ڈھونڈھتی ہوں، اور وہ اپنا پورا دن کام کرتے رہے تھے، پس ان کی آنکھ لگ گئی، پس ان کی بیوی آئی جب اس نے ان کو سوتے ہوئے پایا تو کہا: آپ نا کام رہے! پس جب (اگلا) آدھا دن ہوا تو وہ بیہوش ہوگئے، پس یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے زن وشوئی کی باتیں کرنا جائز کردیا گیا، پس صحابہ بہت خوش ہوئے، اس آیت کی وجہ سے، اور (یہ بھی) نازل ہوا کہ کھاؤ پیو، یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کا سفید دھاگا رات کے سیاہ دھاگے سے خوب واضح ہوجائے۔

تشریح: ابتداء میں جب روزے فرض ہوئے تو مسئلہ یہ تھا کہ افطار کے بعد سونے سے پہلے کھا پی سکتے تھے، اور جب آنکھ لگ گئی تو اب کھانا پینا جائز نہیں، اگلا روزہ شروع ہوگیا، نہ بیوی سے صحبت کرسکتے ہیں، بعض صحابہ سے اس حکم کی خلاف ورزی ہوگئی، انھوں نے سونے کے بعد بیوی سے مقاربت کی۔ پھر مذکورہ واقعہ پیش آیا تو سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۷ نازل ہوئی اور حکم سابق منسوخ کردیا گیا، اور صبح صادق تک کھانے پینے کی اور بیوی سے ملنے کی اجازت دیدی گئی۔

آیت کا ترجمہ: روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی بیویوں سے زن وشوئی کی باتیں کرنا جائز کردیا گیا، وہ تمہارا پہناوا ہیں اور تم ان کا پہناوا ہو، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنی ذوات کے ساتھ خیانت کرتے ہو، پس اس نے تمہاری حالت پر توجہ کی اور تم کو معاف کردیا یعنی پچھلی کسی لغزش پر تم سے سوال نہیں ہوگا، پس اب تم ان سے مل جل سکتے ہو، اور وہ (اولاد) تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر کی ہے، اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے خوب واضح ہوجائے، پھر تم رات تک روزہ پورا کرو۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ﴾

خیط ابیض اور خیط اسود کا مطلب

جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے سفید اور سیاہ عقال لئے، عقال اونٹ کے پیر میں باندھنے کی رسّی کو کہتے ہیں، ان کو تکیے کے نیچے رکھا، اور ان کو دیکھتے رہے اور کھاتے رہے، وہ دیر تک ایک دوسرے سے جدا نظر نہ آئے، انھوں نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی، آپؐ نے فرمایا: تمہارا تکیہ بڑا چوڑا ہے! پھر ان کو آیت کا مطلب سمجھایا کہ خیط ابیض سے صبح صادق اور خیط اسود سے رات مراد ہے، جب صبح کی سفید لکیر رات کی سیاہ لکیر سے الگ محسوس ہونے لگے یعنی یقینی طور پر صبح صادق ہوجائے تب کھانا پینا بند کرو۔

[۱۶-] بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾

فِيْهِ الْبَرَاءُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

[۱۹۱۶-] حدثنا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، ثَنَا هُشَيْمٌ، أَنَا حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ عَمَدْتُ إِلٰى عِقَالٍ أَسْوَدَ وَإِلٰى عِقَالٍ أَبْيَضَ، فَجَعَلْتُهُمَا تَحْتَ وِسَادَتِيْ، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ فِي اللَّيْلِ فَلَا يَسْتَبِيْنُ لِيْ، فَغَدَوْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: "إِنَّمَا ذٰلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ" [انظر: ۴۵۰۹، ۴۵۱۰]

[۱۹۱۷-] حدثنا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، ثَنَا ابْنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، ح: وَحَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ، ثَنَا أَبُوْ غَسَّانَ مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، ثَنِيْ أَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: أُنْزِلَتْ: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ وَلَمْ يَنْزِلْ ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ فَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوْا الصَّوْمَ، رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِيْ رِجْلَيْهِ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ، وَلَا يَزَالُ يَأْكُلُ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيَتُهُمَا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ بَعْدُ: ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ فَعَلِمُوْا إِنَّمَا يَعْنِيْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ.

[انظر: ۴۵۱۱]

قولہ: ولم ینزل من الفجر: جب سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۷ نازل ہوئی تو ﴿مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ تک نازل ہوئی اور ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ نازل نہیں ہوا، چنانچہ کچھ لوگوں نے اپنی فہم کے مطابق آیت کو سمجھا، حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے دو عقال تکیے کے نیچے رکھے اور بعض نے پاؤں میں سیاہ وسفید دھاگے باندھے، وہ ان کو دیکھتے تھے اور کھاتے تھے، پس ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ نازل ہوا اور آیت کی مراد واضح ہوئی۔

یہاں سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ بعض مرتبہ آیت کا کچھ حصہ روک لیا جاتا تھا، پھر جب الجھن پیش آتی تو وہ ٹکڑا نازل کیا جاتا، پس ہر شخص بغیر سمجھائے آیت کو کماحقہ سمجھ جاتا، مثلاً: جب آیت تیمّم نازل ہوئی تو آیت کا صرف ابتدائی حصہ ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ نازل ہوا، اور تیمّم کا طریقہ نازل نہیں کیا گیا، چنانچہ لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق پاک مٹی کا قصد کیا، کسی نے تمام اعضاء وضوء پر مٹی ملی، کسی نے ہاتھوں پر مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا، کسی نے پورے بدن پر مٹی ملی، غرض مختلف طریقوں سے تیمّم کیا گیا اس کے بعد آیت کا باقی حصہ ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِنْهُ﴾ نازل ہوا۔ اور لوگوں نے تیمّم کا طریقہ سیکھ لیا۔ اسی طرح یہاں بھی ابتداء میں ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کو روک لیا، چنانچہ لوگوں نے اپنی فہم کے

مطابق آیت کو سمجھا، پھر جب الجھن پیش آئی اور نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ نازل ہوا، اب بات واضح ہوگئی کہ خیط أبیض اور خیط أسود سے دن اور رات مراد ہیں۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: لَايَمْنَعُكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ

نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں سحری کھانے سے بلال کی اذان نہ روکے

نبی ﷺ کے زمانہ میں رمضان کی راتوں میں دو اذانیں ہوتی تھیں، پہلی اذان سحری کے وقت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے تھے اور دوسری اذان صبح صادق پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوگئی، ان کی آنکھوں میں کمزوری تھی، ان کو وقت کا صحیح اندازہ نہ ہوا اور انھوں نے صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو ڈیوٹیاں بدل دیں۔ آنحضور ﷺ نے باب کی حدیث میں اس کی اطلاع دی ہے کہ آئندہ حضرت بلالؓ سحری کے وقت اذان دیا کریں گے، پس ان کی اذان سن کر کھانا پینا بند مت کرو۔ تفصیل کتاب الصلوۃ باب ۱۱ (تحفۃ القاری ۲: ۴۸۳) میں گذر چکی ہے۔

[۱۷-] بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: لَايَمْنَعُكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ

[۱۹۱۸و۱۹۱۹-] حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، عَنْ أَبِيْ أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَالْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ بِلَالًا كَانَ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ، فَإِنَّهُ لَا يُؤَذِّنُ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ" قَالَ الْقَاسِمُ: وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ أَذَانِهِمَا إِلَّا أَنْ يَرْقِيَ ذَا وَيَنْزِلَ ذَا. [راجع: ۶۱۷]

قولہ: ولم يكن بين أذانهما: قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں: حضرت بلال اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کی اذانوں میں زیادہ فصل نہیں تھا، ایک اذان دے کر مسجد کی چھت سے اترتا تھا، دوسرا چڑھتا تھا، اس پر اشکال یہ ہے کہ دس منٹ میں سحری کیسے کھالیں گے؟ سحری کے لئے کم از کم آدھ پون گھنٹہ چاہئے! اس کا ایک جواب یہ ہے کہ قاسم بن محمد تابعی ہیں، انھوں نے خود یہ منظر نہیں دیکھا، اور دوسرا جواب حاشیہ میں ہے کہ اترنے چڑھنے کے لئے اذان دے کر فوراً اترنا اور چڑھ کر فوراً اذان دینا ضروری نہیں، بلکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے کر وہیں چھت پر ذکر واذکار اور دعا میں مشغول رہتے تھے پھر اترتے تھے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ چڑھتے تھے اور وہ بھی وہاں ذکر واذکار اور دعا وغیرہ میں لگ جاتے تھے، پھر جب لوگ صبح صادق ہونے کی خبر دیتے تب فجر کی اذان دیتے تھے۔ قاسم بن محمدؒ نے حضرت بلالؓ کے اذان دے کر فوراً اترنے کی اور حضرت ابن ام مکتومؓ کے چڑھنے کے بعد فوراً اذان دینے کی بات نہیں کہی، پس کوئی اشکال نہیں۔

بَابُ تَعْجِيْلِ السُّحُوْرِ

سحری جلدی جلدی کھانا

سَحور (بالفتح) کے معنی ہیں: سحری کا کھانا، اور سُحور (بالضم) کے معنی ہیں: سحری کھانا۔ سحری کرنے میں تاخیر کرنا یعنی صبح صادق کے قریب سحری کھانا مستحب ہے، اور ایسی صورت میں آدمی جلدی جلدی سحری کھاتا ہے، ایک صحابی کہتے ہیں: ہم سحری کی اذان پر تہجد کی نماز سے پھرتے تھے: فَنَسْتَعْجِلُ بالطعام مخافة الفجر: پس ہم جلدی جلدی سحری کھاتے تھے، صبح صادق کے اندیشہ سے (فتح) اور گیلری میں تاخیر السّحور ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ صبح صادق کی طرف سے تعجیل مراد ہے، جیسے فوقیت نیچے کی طرف سے بھی ہوتی ہے اور اوپر کی طرف بھی، اسی طرح تعجیل بھی دونوں طرف سے ہوتی ہے، اور یہاں صبح صادق کی طرف سے تعجیل اور رات کی طرف سے تاخیر مراد ہے، اس طرح دونوں نسخے جمع ہو جائیں گے۔

[۱۸-] بَابُ تَعْجِيْلِ السُّحُوْرِ

[۱۹۲۰-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ أَبِيْهِ أَبِيْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِيْ أَهْلِيْ، ثُمَّ يَكُوْنُ سُرْعَتِيْ أَنْ أُدْرِكَ السُّحُوْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم. [راجع: ۵۷۷]

وضاحت: حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے گھر سحری کھاتا تھا پھر تیزی کے ساتھ چلتا تھا تاکہ نبی ﷺ کے ساتھ سحری پاؤں، اور گیلری میں السجود ہے اور یہی صحیح ہے یعنی سحری کھا کر میں لپک کر چلتا تھا تاکہ جماعت پاؤں۔
نبی ﷺ رمضان میں خلاف معمول صبح صادق کے بعد جلدی فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے اس لئے حضرت سہلؓ سحری کھا کر لپک کر چلتے تھے تاکہ جماعت فوت نہ ہو جائے، معلوم ہوا کہ حضرت سہلؓ تاخیر سے سحری کھاتے تھے اور یہی سنت ہے (کان تامہ ہے، اور أن سے پہلے لام پوشیدہ ہے أی لأن أدرك)

بَابُ قَدْرِ كَمْ بَيْنَ السُّحُوْرِ وَصَلاَةِ الْفَجْرِ؟

سحری اور نماز فجر کے درمیان کتنا فصل ہوتا تھا؟

حدیث: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (ایک سفر میں) ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم فجر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: سحری کھانے اور نماز کے لئے کھڑے ہونے کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ انھوں نے فرمایا: پچاس آیتیں پڑھنے کے بقدر۔

تشریح: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپ صبح صادق کے قریب سحری کھاتے تھے اور صبح صادق کے بعد فوراً فجر کی نماز پڑھتے تھے، دیو بند میں اسی پر عمل ہے، رمضان میں صبح صادق کے بعد فوراً اذان ہوتی ہے پھر سنتیں پڑھتے ہیں اور نماز کھڑی ہوجاتی ہے۔

[۱۹-] بَابُ قَدْرِ كَمْ بَيْنَ السُّحُوْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ؟

[۱۹۲۱-] حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا هِشَامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، قُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالسُّحُوْرِ؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِيْنَ آيَةً [راجع: ۵۷۵]

بَابُ بَرَكَةِ السُّحُوْرِ مِنْ غَيْرِ إِيْجَابٍ

سحری کھانے میں فائدہ ہے، مگر ضروری نہیں

سحری کھانا واجب نہیں، لیکن سحری کھانی چاہئے اس میں فوائد ہیں۔ بَرَكة کے معنی ہیں: فوائد، سحری کھانے سے روزے میں مدد ملتی ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دل دھڑکتا نہیں، اگر کسی دن سوتا رہ گیا اور سحری نہیں کھائی تو دن بھر دل بے چین رہتا ہے اور سحری کھائی ہے تو اطمینان رہتا ہے، مگر سحری کھانا واجب نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صوم وصال رکھتے تھے۔ ظاہر ہے جو صوم وصال رکھے گا وہ نہ افطاری کرے گا نہ سحری کھائے گا، اگر افطاری یا سحری کرے گا تو صوم وصال نہیں رہے گا، اگرچہ بعد میں آپ نے صحابہ کو صوم وصال سے منع کردیا مگر شروع میں صحابہ بھی صوم وصال رکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا ضروری نہیں۔

[۲۰-] بَابُ بَرَكَةِ السُّحُوْرِ مِنْ غَيْرِ إِيْجَابٍ

لِأَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَصْحَابَهُ وَاصَلُوْا، وَلَمْ يُذْكَرِ السُّحُوْرُ.

[۱۹۲۲-] حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاصَلَ، فَوَاصَلَ النَّاسُ، فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَنَهَاهُمْ، قَالُوْا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: "لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّيْ أَظَلُّ أُطْعَمُ وَأُسْقَى" [انظر: ۱۹۶۲]

[۱۹۲۳-] حدثنا آدَمُ بْنُ أَبِيْ إِيَاسٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: "تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً"

وضاحت: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال رکھا تو آپ کو دیکھ کر بعض صحابہ نے بھی صوم وصال رکھا۔ آپ نے منع

فرمایا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں برابر کھلایا پلایا جاتا ہوں'' اس سے روحانی کھلانا پلانا مراد ہے، روحانی کھلانے پلانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بلکہ مادی کھلانا پلانا بھی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مشہور حدیث ہے: جو شخص بھول کر کھا پی لے وہ روزہ نہ توڑے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے، اور روحانی کھلانا پلانا کیا ہے؟ اس کی وضاحت تحفۃ الالمعی (۳: ۱۵۴) میں ہے۔

بَابٌ: إِذَا نَوَى بِالنَّهَارِ صَوْمًا

جب دن میں روزے کی نیت کرے

روزے چھ ہیں: (۱) رمضان کے روزے (۲) نذر معین کا روزہ (۳) رمضان کے روزہ کی قضا (۴) نذر غیر معین کا روزہ (۵) کفارہ کے روزے (۶) نفل روزے۔ جمہور کے نزدیک نفل روزوں میں تبییت نیت یعنی رات سے نیت کرنا ضروری نہیں، صبح صادق کے بعد بھی نیت ہوسکتی ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک نفل روزہ کی بھی رات سے نیت ضروری ہے اور حنفیہ کے نزدیک ضحوۂ کبری تک (نصف نہار شرعی سے چالیس منٹ پہلے تک) نیت ہوسکتی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک زوال کے بعد بھی نیت ہوسکتی ہے۔

اور رمضان کے روزے جن کا وقت اللہ کی طرف سے متعین ہے اور نذر معین کا روزہ جس کا وقت بندہ کی طرف سے متعین ہے، ان میں رات سے نیت کرنا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ان میں بھی رات سے نیت کرنا شرط نہیں، صبح صادق کے بعد بھی نیت ہوسکتی ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک صبح صادق سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے اور قضا اور کفارہ کے روزے اور نذر غیر معین کے روزوں میں بالا جماع رات سے نیت کرنا شرط ہے۔

اور اس باب میں نفل روزوں کا بیان ہے اور اس میں کوئی خاص اختلاف نہیں۔ جمہور متفق ہیں کہ نفل روزوں میں رات سے نیت کرنا شرط نہیں، صبح صادق کے بعد بھی نیت ہوسکتی ہے، اور باب بظاہر عام ہے مگر روایات وآثار سب نفل روزوں کے بارے میں ہیں، اس لئے میں نے کہا کہ یہ باب نفل روزوں کے بارے میں ہے۔

[۲۱-] بَابٌ: إِذَا نَوَى بِالنَّهَارِ صَوْمًا

وَقَالَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ: كَانَ أَبُوْ الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ: عِنْدَكُمْ طَعَامٌ؟ فَإِنْ قُلْنَا: لاَ، قَالَ: فَإِنِّيْ صَائِمٌ يَوْمِيْ هٰذَا، وَفَعَلَهُ أَبُوْ طَلْحَةَ، وَأَبُوْ هُرَيْرَةَ، وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَحُذَيْفَةُ.

[۱۹۲۴-] حدثنا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ: أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بَعَثَ رَجُلاً يُنَادِيْ فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ: إِنَّ مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ، أَوْ: فَلْيَصُمْ، وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ فَلاَ يَأْكُلْ"

[انظر: ۲۰۰۷، ۷۲۶۵]

اثر: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لاتے اور اہلیہ سے پوچھتے: گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟ اگر وہ کہتیں: کچھ نہیں ہے تو آپؓ روزہ کی نیت کر لیتے، حضرات ابوطلحہ، ابو ہریرہ، ابن عباس اور حذیفہ رضی اللہ عنہم بھی دن شروع ہونے کے بعد روزہ کی نیت کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں حدیث مرفوع بھی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا: کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: کچھ نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا: پس میں روزے کی نیت کرتا ہوں (ترمذی حدیث ۷۲۴) یہ حدیث چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں تھی اس لئے آثار صحابہ لائے ہیں۔

حدیث: حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے عاشوراء کے دن ایک شخص کو بھیج کر لوگوں میں اعلان کرایا کہ جس نے کچھ کھا پی لیا ہے وہ دن پورا کرے یعنی شام تک کچھ نہ کھائے، یا فرمایا: چاہئے کہ وہ روزہ رکھے یعنی اس دن کے روزہ کی قضا کرے اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ اب نہ کھائے یعنی روزہ کی نیت کر لے۔

تشریح: آنحضور ﷺ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، اور قریش بھی یہ روزہ رکھتے تھے، ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ منورہ آئے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہاں کے لوگ اس روزہ کو نہیں جانتے، چنانچہ آپؐ نے عاشوراء کے دن منادی کروائی کہ جس نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں، وہ روزہ کی نیت کر لے، اور جس نے کچھ کھا پی لیا ہے وہ شام تک کھانے پینے سے رکا رہے، اور آئندہ کسی دن اس روزہ کی قضاء کرے۔

اور پہلے بتلایا ہے کہ رمضان کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض روزے میں جس کا وقت متعین ہے رات سے نیت کرنا شرط نہیں، دن شروع ہونے کے بعد بھی اس کی نیت ہو سکتی ہے، احناف اسی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک رمضان اور نذر معین کے روزوں کی صبح صادق کے بعد بھی نیت ہو سکتی ہے، مگر شوافع عاشوراء کے روزہ کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں اس لئے وہ ان دو روزوں میں بھی رات سے نیت کو شرط قرار دیتے ہیں۔

بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنُبًا

روزہ دار نے بحالت جنابت صبح کی

کوئی شخص بیوی سے صحبت کرنے کی وجہ سے یا احتلام ہو جانے کی وجہ سے جنبی ہے اور صبح صادق ہو گئی پس کیا وہ اس دن فرض یا نفل روزہ رکھ سکتا ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ پہلے یہ فتوی دیا کرتے تھے کہ اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں، نہ فرض نہ نفل، پھر جب حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ان کے سامنے آئیں کہ نبی ﷺ بیوی سے صحبت کرنے کی وجہ سے جنبی ہوتے تھے اور صبح صادق ہونے کے بعد آپؐ روزہ کی نیت کرتے تھے، پھر صبح صادق کے بعد غسل کرتے تھے، جب یہ فعلِ نبوی سامنے آیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا، اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

[۲۲-] بَابُ الصَّائِمِ يُصْبِحُ جُنُبًا

[۱۹۲۵و۱۹۲۶-] حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: جِئْتُ أَنَا وَأَبِي حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ: ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي أَبُوْ بَكْرِ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، أَنَّ أَبَاهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَ مَرْوَانَ، أَنَّ عَائِشَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتَاهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ، وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ، وَقَالَ مَرْوَانُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ: أُقْسِمُ بِاللهِ لَتُقَرِّعَنَّ بِهَا أَبَا هُرَيْرَةَ، وَمَرْوَانُ يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِيْنَةِ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: فَكَرِهَ ذٰلِكَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ، ثُمَّ قُدِّرَ لَنَا أَنْ نَجْتَمِعَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، وَكَانَتْ لِأَبِي هُرَيْرَةَ هُنَالِكَ أَرْضٌ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِأَبِي هُرَيْرَةَ: إِنِّي ذَاكِرٌ لَكَ أَمْرًا، وَلَوْلَا أَنَّ مَرْوَانَ أَقْسَمَ عَلَيَّ فِيْهِ لَمْ أَذْكُرْهُ لَكَ، فَذَكَرَ قَوْلَ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ، فَقَالَ: كَذٰلِكَ حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ، وَهُوَ أَعْلَمُ، وَقَالَ هَمَّامٌ، وَابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَأْمُرُ بِالْفِطْرِ، وَالْأَوَّلُ أَسْنَدُ[الحديث: ۱۹۲۵، انظر: ۱۹۳۰، ۱۹۳۱]؛[الحديث: ۱۹۲۶، انظر: ۱۹۳۲]

ترجمہ: ابوبکر بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: ان کے ابا عبدالرحمٰن نے مروان سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ان سے بیان کیا کہ نبی ﷺ کو صبح صادق پاتی تھی درانحالیکہ آپؐ بیوی سے صحبت کرنے کی وجہ سے جنبی ہوتے تھے (علماء نے لکھا ہے کہ کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا اور نہ کسی نبی کو جماہی آئی) پھر آپؐ غسل فرماتے تھے اور روزہ رکھتے تھے (یہ حدیث سن کر) مروان نے عبدالرحمٰن سے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، یہ حدیث سنا کر آپ ضرور ابوہریرہؓ کو گھبراہٹ میں ڈالیں (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور مروان میں دوستانہ تعلقات تھے اور یہ حدیث ابوہریرہؓ کے مذہب کے خلاف تھی اس لئے مروان نے کہا کہ ابوہریرہؓ کو ضرور یہ حدیث سناؤ، تاکہ وہ گھبرا جائیں) اور ان دنوں مروان مدینہ منورہ کا گورنر تھا (یہ مروان کے امیر المؤمنین بننے سے پہلے کا واقعہ ہے) ابوبکر کہتے ہیں: عبدالرحمٰن نے اس کو ناپسند کیا (عبدالرحمٰن جانتے تھے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا فتوی اس کے خلاف ہے مگر وہ بڑے آدمی تھے، صحابی رسول تھے اس لئے عبدالرحمٰن کی حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث بیان کرنے کی ہمت نہ ہوئی) پھر ہمارے لئے ذوالحلیفہ میں جمع ہونا مقدر کیا گیا یعنی اتفاقاً ذوالحلیفہ میں ہماری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، پس عبدالرحمٰن نے حضرت ابوہریرہؓ سے عرض کیا: میں آپ سے ایک حدیث ذکر کرتا ہوں اور اگر مروان نے وہ حدیث ذکر کرنے کے لئے مجھے قسم نہ دی ہوتی تو میں آپؓ سے وہ حدیث ذکر نہ کرتا۔ پھر انھوں نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سنائی، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: مجھ سے فضل بن عباسؓ نے اسی طرح بیان کیا ہے (یعنی میں حضرت فضلؓ کی حدیث کے مطابق فتوی دیتا ہوں) اور وہ زیادہ جاننے والے ہیں (اور

گیلری میں ہے:وھن أعلم اور یہی صحیح ہے یعنی ازواج مطہرات اس مسئلہ کو فضل سے زیادہ جانتی ہیں یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے قول سے رجوع کرلیا) اور ہمام نے اور ابن عمرؓ کے صاحبزادے نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔یعنی اگر صبح صادق کے وقت جنبی ہے تو آپؐ فرماتے تھے کہ اب روزہ نہ رکھے، اور پہلی روایت (حضرت عائشہ اورام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت) سند کے اعتبار سے اقوی ہے (اس لئے اسی پر امت کا عمل ہے)

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ

روزے میں بیوی کو ساتھ لٹانا

مباشرۃ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، بَشَرَۃ کے معنی ہیں: کھال، اور مباشرۃ کے معنی ہیں: بدن سے بدن لگانا، کپڑے کی آڑ کے بغیر میاں بیوی کا ایک دوسرے سے بدن لگانا مباشرت ہے اور زوجین کا باہم خاص اعضاء لگانا مباشرت فاحشہ ہے اور اس سے آگے جماع ہے۔ اردو میں مباشرت جماع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر عربی میں اس کے معنی ہیں: بدن سے بدن لگانا، اور یہاں روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا مراد ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لیتے تھے اور بیوی کو ساتھ لٹاتے تھے اور آپؐ اپنی خواہش پر تم سے زیادہ قابو یافتہ تھے"

تشریح: آنحضرت ﷺ کا یہ عمل بیانِ جواز کے لئے تھا یعنی مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، سنت نہیں تھا کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آخری جملہ سے یہی بات سمجھائی ہے، جیسے آپؐ نے ایک مرتبہ کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا، یہ عمل بھی بیان جواز کے لئے تھا یعنی مجبوری میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے، مگر سنت نہیں۔ یعنی یہ اسلامی تہذیب نہیں، اسی طرح حائضہ کے بارے میں سورۃ البقرہ (آیت ۲۲۲) میں ارشاد ہے کہ حیض گندی چیز ہے پس حیض میں تم عورتوں سے علاحدہ رہا کرو اور ان کے قریب مت جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں، پھر نبی ﷺ نے اپنے عمل سے اس کی حدود متعین فرمائیں کہ چومنا اور ساتھ لٹانا جائز ہے اس سے آگے بڑھنا جائز نہیں۔

[۲۳-] بَابُ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَحْرُمُ عَلَيْهِ فَرْجُهَا.

[۱۹۲۷-] حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ.

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِرْبٌ: حَاجَةٌ. وَقَالَ طَاوُسٌ: ﴿غَيْرِ أُولِي الإِرْبَةِ﴾ [النور: ۳۱]: الأَحْمَقُ، لَاحَاجَةَ لَهُ فِي النِّسَاءِ. [انظر: ۱۹۲۸]

وَقالت عائشة: صدیقہؓ فرماتی ہیں: روزہ کی حالت میں صرف صحبت کرنا حرام ہے، اور مباشرت یعنی بیوی کو ساتھ لٹانا جائز ہے (مگر جوان آدمی کے لئے خطرہ سے خالی نہیں)

قولہ: إِرْبٌ: اس کو الف اور راء کے زبر کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور الف کے زیر اور راء کے سکون کے ساتھ بھی۔ اور ابن عباسؓ نے اس کے معنی 'حاجت' کئے ہیں۔ اور سورۂ نور (آیت ۳۱) میں ارشاد ہے: ﴿غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ حضرت طاؤسؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: "بیوقوف مراد ہے، جسے عورتوں سے کچھ مطلب نہ ہو!"

بَابُ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

روزے میں بیوی کو چومنا

روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، مگر جوان آدمی کو یہ کام نہیں کرنا چاہئے، اندیشہ ہے کہیں صحبت تک معاملہ نہ پہنچ جائے، اسی طرح مباشرت یعنی روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا بھی جائز ہے مگر جوان کے لئے خطرہ سے خالی نہیں۔ اس لئے روزہ کی حالت میں خاص طور پر رمضان میں اس کام سے بہت دور رہنا چاہئے تاکہ روزہ خطرے میں نہ پڑے۔

[۲۴-] بَابُ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

وَقَالَ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ: إِنْ نَظَرَ فَأَمْنَى يُتِمُّ صَوْمَهُ.

[۱۹۲۸-] حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، ثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ح: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَيُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ وَهُوَ صَائِمٌ، ثُمَّ ضَحِكَتْ [راجع: ۱۹۲۷]

[۱۹۲۹-] حدثنا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ، ثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّهَا، قَالَتْ: بَيْنَمَا أَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْخَمِيْلَةِ إِذْ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي، فَقَالَ: "مَا لَكِ؟ أَنُفِسْتِ؟" قُلْتُ: نَعَمْ. فَدَخَلْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيْلَةِ، وَكَانَتْ هِيَ وَرَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَغْتَسِلَانِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ. [راجع: ۲۹۸]

قال جابرُ بْنُ زَيْدٍ: جابر بن زید ابو الشعثاء ازدی تابعیؒ فرماتے ہیں: اگر کسی روزہ دار نے عورت کی شرم گاہ کی طرف دیکھا اور انزال ہو گیا تو وہ روزہ پورا کرے یعنی اس کا روزہ باقی ہے، انزال ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹا۔ حنفیہ کے یہاں

بھی یہی مسئلہ ہے۔ درمختار میں ہے: ولو نظر إلی فرجها مرارا یعنی لم یفسد صومه بالنظر، وإن أنزل، ونظر إلی الفرج مرارا یعنی عورت کی شرم گاہ کی طرف بار بار دیکھا اور انزال ہوگیا تو روزہ فاسد نہیں ہوا (درمختار ۳: ۳۶۷)

حوالہ: دونوں حدیثوں کی باب پر دلالت واضح ہے اور دونوں حدیثیں پہلے گذر چکی ہیں، پہلی حدیث گذشتہ باب میں آئی ہے اور دوسری حدیث پہلی بار کتاب الحیض باب ۴ (تحفۃ القاری ۲: ۸۵) میں آئی ہے۔

بَابُ اغْتِسَالِ الصَّائِمِ

روزے میں نہانا

روزہ دار نہا سکتا ہے خواہ نفل روزہ ہو یا فرض، حضرت رحمہ اللہ نے اس باب میں بہت سارے آثار جمع کئے ہیں اور دو باتیں پیش نظر رکھ کر جمع کئے ہیں: ایک: روزہ میں نہانے سے آرام ملتا ہے۔ دوم: روزہ میں نہانا ایک قسم کا ٹھاٹھ ہے۔ یہ دونوں باتیں روزہ کے منافی نہیں، اس لئے روزے میں نہانے میں کچھ حرج نہیں۔

[۲۵-] بَابُ اغْتِسَالِ الصَّائِمِ

[۱-] وَبَلَّ ابْنُ عُمَرَ ثَوْبًا، فَأُلْقِيَ عَلَيْهِ وَهُوَ صَائِمٌ.

[۲-] وَدَخَلَ الشَّعْبِيُّ الْحَمَّامَ وَهُوَ صَائِمٌ.

[۳-] وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَابَأْسَ أَنْ يَتَطَعَّمَ الْقِدْرَ أَوِ الشَّيْئَ.

[۴-] وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ بِالْمَضْمَضَةِ وَالتَّبَرُّدِ لِلصَّائِمِ.

[۵-] وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: إِذَا كَانَ صَوْمُ أَحَدِكُمْ فَلْيُصْبِحْ دَهِينًا مُتَرَجِّلًا.

[۶-] وَقَالَ أَنَسٌ: إِنَّ لِيْ أَبْزَنَ، أَتَقَحَّمُ فِيْهِ وَأَنَا صَائِمٌ.

[۷-] وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ: يَسْتَاكُ أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ.

[۸-] وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ: لَابَأْسَ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ، قِيْلَ: لَهُ طَعْمٌ، قَالَ: وَالْمَاءُ لَهُ طَعْمٌ، وَأَنْتَ تُمَضْمِضُ بِهِ.

[۹-] وَلَمْ يَرَ أَنَسٌ وَالْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيْمُ بِالْكُحْلِ لِلصَّائِمِ بَأْسًا.

آثار:

۱- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کپڑا بھگایا، پھر وہ آپؓ پر ڈالا گیا، درانحالیکہ آپؓ روزے سے تھے، جب روزے میں بھیگا ہوا کپڑا بدن پر ڈال سکتے ہیں تو نہا بھی سکتے ہیں، کیونکہ بھیگا ہوا کپڑا بدن پر ڈالے گا تو مسامات کے ذریعہ پانی بدن میں جائے گا اور آرام ملے گا اور نہائے گا تو بھی مسامات کے ذریعہ پانی بدن میں جائے گا اور آرام ملے گا، مگر روزہ میں آرام روزہ

کے منافی نہیں۔

۲- شعبی رحمہ اللہ روزہ کی حالت میں حمام میں گئے (حمام میں آدمی نہانے ہی کے لئے جاتا ہے)

۳- ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: روزہ دار ہانڈی یا کوئی چیز چکھ سکتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، ہماری فقہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر سخت مزاج ہو تو عورت سالن چکھ سکتی ہے یا ککڑی خریدی اور چکھ کر دیکھی کہ میٹھی ہے یا کڑوی؟ تو اس میں کچھ حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ وہ چیز گلے سے نہ اترے، سالن یا ککڑی چکھ کر تھوک دے تو کچھ حرج نہیں، اور اگر نگل گیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔ غرض جب کوئی چیز چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو نہانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ پانی منہ میں جائے اور مزہ پائے۔

۴- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روزے میں کلی کرنے میں اور ٹھنڈک حاصل کرنے میں کچھ حرج نہیں، نہانا اور کپڑا بھگا کر بدن پر ڈالنا ٹھنڈک حاصل کرنے کی شکلیں ہیں، اور جب کلی کرنے سے یعنی منہ کے اندر پانی لینے سے روزہ پر اثر نہیں پڑتا تو ظاہر بدن پر پانی ڈالنے سے بھی کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

۵- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو وہ صبح اٹھ کر بالوں میں تیل ڈال سکتا ہے اور کنگھا کر کے مزین ہو سکتا ہے، یہ ٹھاٹھ ہے مگر یہ روزے کے منافی نہیں۔

۶- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے پاس آبزن (لکڑی وغیرہ کا بڑا ٹب، باتھ) ہے میں اس میں روزہ کی حالت میں پانی بھر کر بیٹھتا ہوں۔

۷و۸- ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: روزہ میں صبح وشام جب چاہے مسواک کر سکتا ہے، محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے کہ روزہ میں تر مسواک کر سکتے ہیں۔ آپ سے کسی نے عرض کیا: تر مسواک کرے گا تو لکڑی کا مزہ محسوس ہوگا، آپ نے فرمایا: جب کلی کرتے ہو تب بھی تو پانی کا مزہ محسوس ہوتا ہے، پس جب کلی کر سکتے ہیں تو مسواک بھی کر سکتے ہیں۔

۹- روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتے ہیں یہ بات حضرت انسؓ، حسن بصریؒ، اور ابراہیم نخعیؒ نے فرمائی ہے۔ آنکھ میں سرمہ لگانے سے تھوک میں اس کا اثر محسوس ہوتا ہے، مگر وہ اثر مسامات کے ذریعہ آتا ہے، اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں، نہانے کی صورت میں بھی مسامات کے ذریعہ پانی جسم میں اترتا ہے، پس اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔

[۱۹۳۰-] حدثنا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، ثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، ثَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَأَبِي بَكْرٍ، قَالَا: قَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ جُنُبًا فِي رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُومُ. [راجع: ۱۹۲۵]

[۱۹۳۱-] حدثنا إِسْمَاعِيلُ، ثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأَبِي فَذَهَبْتُ مَعَهُ حَتَّى دَخَلْنَا

عَلٰى عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِنْ كَانَ لَيُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ غَيْرِ احْتِلَامٍ، ثُمَّ يَصُوْمُهُ. [راجع: ۱۹۲۵]

[۱۹۳۲-]. ثُمَّ دَخَلْنَا عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ مِثْلَ ذٰلِكَ. [راجع: ۱۹۲۶]

قَالَ أَبُوْ جَعْفَرٍ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ: إِذَا أَفْطَرَ يُكَفِّرُ مِثْلَ الْمُجَامِعِ؟ قَالَ: لَا، أَلَا تَرَى الأَحَادِيْثَ: لَمْ يَقْضِهِ، وَإِنْ صَامَ الدَّهْرَ!

وضاحت: یہ حدیثیں گذر چکی ہیں۔ نبی ﷺ کبھی صبح صادق کے وقت جنبی ہوتے تھے، پھر آپؐ روزہ رکھ لیتے تھے اور غسل صبح صادق کے بعد کرتے تھے، معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں نہانا جائز ہے۔

قال أبو جعفر: یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے خاص شاگرد، سفر وحضر کے ساتھی اور امام بخاری رحمہ اللہ کے ورّاق (مسودہ نویس) ہیں۔ ابوعبداللہ کنیت اور محمد بن ابی حاتم نام ہے، فربری رحمہ اللہ نے جو بخاری شریف کے راوی ہیں، بعض حدیثیں اور فوائد انہی ابوجعفر کی روایت سے لکھے ہیں۔ انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے یہ باتیں براہ راست نہیں سنیں۔

ابوجعفر رحمہ اللہ نے امام بخاریؒ سے پوچھا: رمضان کا روزہ جماع سے توڑنے کی صورت میں تو بالا جماع کفارہ واجب ہے، پس کیا کھا پی کر روزہ توڑنے کی صورت میں بھی کفارہ واجب ہوگا؟ امام بخاریؒ نے فرمایا: نہیں (چھوٹے دواماموں کی بھی یہی رائے ہے) اور دلیل یہ دی کہ کفارہ نقصان کی تلافی کے لئے ہوتا ہے، جبکہ فوت کردہ روزہ کی تلافی ممکن نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے جان بوجھ کر رمضان کا روزہ نہیں رکھا اگر وہ پوری زندگی روزہ رکھے تو بھی اس نے جو روزہ کھایا ہے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی'' جب چھوڑے ہوئے روزے کی تلافی ممکن نہیں تو کفارہ سے کیا فائدہ؟ بلکہ روزہ توڑنا کبیرہ گناہ ہے اور اس کے لئے توبہ شرط ہے، یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ جماع سے روزہ توڑنے کی صورت میں کفارہ کیوں واجب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نص سے ثابت ہے، اور اکل وشرب سے روزہ توڑنے کی صورت میں کوئی نص نہیں، اس لئے اس کا حکم اصل قیاس پر رہے گا۔

اور حقیقت میں اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ جماع کی طرح اکل وشرب بھی اگرچہ منافی صوم ہیں، مگر اکل وشرب جماع کے معنی میں ہیں یا نہیں؟ یعنی جماع سے جتنا حظ نفس (لذت) حاصل ہوتا ہے اکل وشرب سے اتنا حظ نفس حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر تفاوت ہے تو تھوڑا ہے یا زیادہ؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کا رجحان یہ ہے کہ جماع اور اکل وشرب میں تفاوت برائے نام ہے اس لئے ان حضرات نے جماع کا حکم اکل وشرب کی طرف متعدی کیا ہے۔ اور امام شافعی، امام احمد اور امام بخاری رحمہم اللہ کا خیال یہ ہے کہ تفاوت بہت ہے، اس لئے انھوں نے جماع کے حکم کو اکل وشرب کی طرف متعدی نہیں کیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قیاس کے لئے مقیس مقیس علیہ کا ہم معنی ہونا ضروری ہے، اگر دونوں میں تفاوت ہے تو حکم کا

تعدیہ نہیں کیا جائے گا، جیسے عبادات مالیہ اور عبادات بدنیہ میں فرق ہے، عبادات مالیہ میں ثواب بھی ملتا ہے اور غریبوں کو فائدہ بھی پہنچتا ہے اور عبادات بدنیہ میں صرف ثواب ملتا ہے پس حضرت سعد بن عباد[1] رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو عبادت مالیہ میں ایصال ثواب کا ذکر ہے: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو مورد پر خاص رکھتے ہیں، عبادت بدنیہ کی طرف اس کو متعدی نہیں کرتے۔ اسی طرح یہاں شہوت جماع اور لذت اکل وشرب میں بڑا تفاوت ہے، پس کفارہ کا حکم مورد کے ساتھ خاص رہے گا، اکل وشرب سے روزہ توڑنے کی صورت میں وہ حکم ثابت نہیں ہوگا۔

اور احناف اور مالکیہ کے نزدیک حظ نفس کے اعتبار سے اگرچہ تفاوت ہے مگر مفطر (روزہ توڑنے والی چیز) ہونے کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں۔ تینوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، پس تینوں میں کفارہ واجب ہوگا، رہا حظ نفس کا معاملہ تو اس کا اعتبار کرنا مشکل ہے، کیونکہ جوان اور بوڑھے کے جماع میں بھی حظ نفس میں تفاوت ہوتا ہے، پس اس کا کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے؟! اسی طرح دو امام عبادت مالیہ کی حدیث میں صرف ثواب ملنے کی جہت کا اعتبار کرتے ہیں اس لئے انھوں نے حدیثِ سعد بن عبادہؓ کا حکم عبادات بدنیہ کی طرف متعدی کیا۔

بالفاظ دیگر: جماع میں دو چیزیں ہیں، ایک: اس کا مفطر ہونا، دوسرا: اس سے حظ نفس حاصل ہونا۔ دو اماموں نے صرف پہلی بات کا اعتبار کیا ہے اور اس پر اکل وشرب کو قیاس کیا ہے اور دوسرے دو اماموں نے دونوں باتوں کے مجموعہ کا اعتبار کیا ہے اس لئے اکل وشرب کو جماع پر قیاس نہیں کیا (تحفۃ الالمعی ۳:۹۵)

ملحوظہ: ابوجعفر رحمہ اللہ کا یہ قول صرف ہندوستانی نسخہ میں ہے، مصری نسخہ میں نیز فتح الباری اور عمدۃ القاری میں نہیں ہے۔

الحمد للہ! تحفۃ القاری کی جلد چہارم تمام ہوئی۔ جلد پنجم ان شاء اللہ
کتاب الصوم [۲۶] باب الصائم إذا أكل أو شرب ناسيا سے شروع ہوگی۔

(۱) غزوۂ تبوک کے موقع پر قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا ان کی عدم موجودگی میں اچانک انتقال ہوگیا تھا، ان کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی، انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: اگر میری والدہ کو موت کا پہلے سے احساس ہوتا تو وہ ضرور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرتیں، مگر ان کا اچانک انتقال ہوگیا، پس کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں، تمہاری خیرات کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا" چنانچہ انھوں نے غلام آزاد کئے اور ایک باغ اللہ کے راستہ میں صدقہ کیا۔

اس حدیث کی وجہ سے عبادت مالیہ کے ایصال ثواب میں تو اتفاق ہے مگر عبادت بدنیہ کا ایصال ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ تفصیل تحفۃ الالمعی (۲:۵۹۸) میں ہے۔